

سبل الہدی والرشاد

فی
سیر

خیر العباد (اردو)

جلد نمبر چہارم

تصنیف: حضرت امام محمد بن یوسف القاضی الشافعی رحمہ اللہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی سہانی
پیشوا کالج، لاہور

زاوہ پبلشرز

P.O. Box 100, Lahore

Ph: 042-37348837, 37112954

Mob: 0300-6467047, 0321-6467047, 0300-6465496

Email: zavipublishers@gmail.com

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

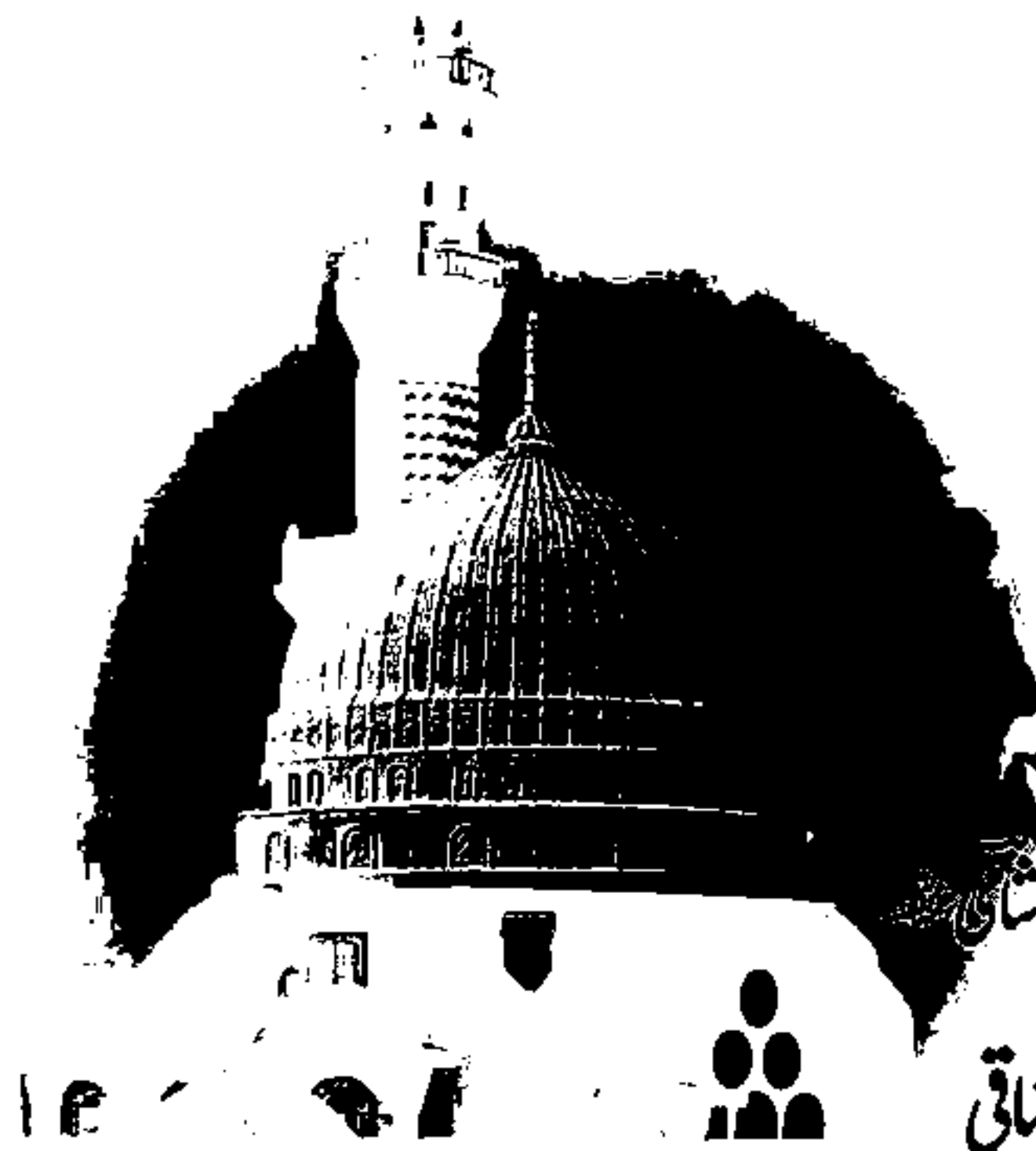
[https://archive.org/details/](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

[@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زوہیب حسن عطاری

سُبلُ الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد (اُردو)



تصنیف:

حضرت امام محمد زین یوسف الصالحی الشافعی

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی
دارالعلوم تحفہ نوریہ بیروت شریف

زاویہ پبلشرز

دارالعلوم تحفہ نوریہ

042-37248657 Fax:042-371129
900-9467047 - 0321-9467047 - 030

زاویہ



(اردو ترجمہ)
سُبُلِ الْهُدَى وَالرِّشَادِ
سِيرَتِ خَيْرِ الْعِبَادِ

سُئِلَ الْهُدَى وَالرَّشَادُ
فِي
سِيرَةِ خَيْرِ الْعِبَادِ

جلد سوم - چہارم

تصنیف: حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیڑ شریف

زَاوِی پبلشرز

8-C دربار مارکیٹ - لاہور

Ph: 042-37248657- 37112954

Mob: 0300-9467047- 0321-9467047- 03004505466

Email: zaviapublishers@gmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

2013ء

باراول.....1100

ہدیہ.....

زیرِ اہتمام.....نجات علی تارڑ

کمپوزنگ.....ایمان گرافکس (عبدالقادر)

﴿ لیگل ایڈوائزرز ﴾

0300-8800339

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور)

0300-7842176

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور)

﴿ ملنے کے پتے ﴾

راولپنڈی کے سول ڈسٹری بیوٹ

اسلامک بک کارپوریشن

فضل داد پلازہ - اقبال روڈ - ٹھیکری چوک - راولپنڈی 051-5536111

021-32744994

مکتبہ رحیمیہ، اردو بازار، کراچی

021-34219324

مکتبہ برکات المدینہ، کراچی

021-32216464

مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی

0300-2176120

بیت القرآن، اردو بازار، کراچی

022-2780547

مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدر آباد

0321-7387299

نورانی وراثتی ہاؤس، بلاک نمبر 4، ڈیرہ غازی خان

0313-8461000

کتب خانہ حاجی نیاز احمد، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

0301-7241723

مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف

0321-7083119

مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ

041-2631204

مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد

0333-7413467

مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد

0321-3025510

مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد

055-4237699

مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ

فہرست جلد سوم

41	اس کے نزول کا سبب
42	ما قبل سے مناسبت
44	قسم پر بحث
54	ہوئی کی وضاحت
56	ما ضل صاحبکم وما غوی
59	وما ینتطق عن الہوی
61	ان هو الا وحی یوحی
64	علمہ شدید القوی
67	ذو مرۃ پر گفتگو
68	فاستوی وهو بالافق الاعلی
70	ثم دنی فتدلی
71	فکان قاب قوسین او ادنی
73	تنبیہ
74	فاوحی الی عبدہ ما اوحی
75	ما کذب الفؤاد ما رای
78	افتہرونہ علی ما یزی
79	ولقد رآہ نزلة اخرى

معراج مصطفی ﷺ	
پہلا باب	
18	سبحان الذی اسرئی... کے بعض فوائد
18	اس کا شان نزول
18	ما قبل کے ساتھ تعلق
20	سبیح سے آغاز کرنے میں حکمت
21	سبحان کے بارے گفتگو
24	اسرئی پر بحث
26	العبد پر کلام
28	لیلاً پر گفتگو
33	من المسجد الحرام پر گفتگو
33	الحرام پر بحث
35	اقصی پر گفتگو
37	بارکنا حولہ پر بحث
38	لنریہ من آیاتنا
39	انہ هو السميع البصیر
دوسرا باب	
41	سورۃ النجم کی تفسیر

109	تیسرا قول	80	سدرۃ المنتہیٰ پر گفتگو
111	تنبیہ	83	عندھا جنت الماویٰ
111	تنبیہ	84	اذ یغشی السدرۃ ما یغشی
113	کتی بار معراج ہوئی	85	ما زاغ البصر
114	چہتا باب گمراہ لوگوں کے معراج کے بارے اعتراضات کے جوابات	86	وما طغی
114		87	لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ
117	ساتواں باب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء جن سے یہ داستان مروی ہے	89	تیسرا باب شب معراج دیدار الہی میں علماء کا اختلاف
120	آٹھواں باب داستان معراج	93	فصل
143	فائدہ	95	پہلے موقف کے دلائل
147	نواں باب نماز کے بارے کچھ تنبیہات	97	تنبیہات
227	نماز کیسے فرض ہوئی	99	دوسرے موقف کے دلائل
انصار کے اسلام کی ابتداء		102	چوتھا باب کس وقت اور کس جگہ سے معراج کا سفر ہوا
231	پہلا باب انصار کا نسب	102	جگہ کے بارے
233	دوسرا باب انصار کی فضیلت	103	مقام کے بارے
		105	تنبیہ
		106	پانچواں باب معراج کی کیفیت اور بار بار معراج کے بارے
		106	پہلی فصل
		108	دوسرا قول

277	تیسرا باب بعثت کے بعد حضور اکرم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں قیام
277	تنبیہات
278	چوتھا باب حضور اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ
286	حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کی داستان
291	حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی داستان
298	تنبیہات
303	پانچواں باب اہل مدینہ کا استقبال، آپ کا قبائلی نزول اجلال اور مسجد قباء کی بنیاد
306	تنبیہات
308	چھٹا باب اہل مدینہ کی مسرت
مدینہ طیبہ کے بعض فضائل	
318	پہلا باب اس کی ابتداء
324	دوسرا باب مدینہ طیبہ کے نام
338	تیسرا باب مدینہ طیبہ کا شرب نام رکھنے سے ممانعت

239	تیسرا باب انصار میں اسلام کی ابتداء
241	چوتھا باب یوم بعثت کا تذکرہ
242	پانچواں باب بیعت عقبہ اولیٰ
244	چھٹا باب بیعت عقبہ ثانیہ
246	ساتواں باب حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام
250	آٹھواں باب بیعت عقبہ ثالثہ
262	نواں باب حضرت عمرو بن جموح کا اسلام
ہجرت مدینہ	
264	پہلا باب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن
269	تنبیہات
271	دوسرا باب ہجرت مدینہ اور کفار کا مکرو فریب
275	تنبیہات

362	دسواں باب مدینہ طیبہ کے بعض خصائص	چوتھا باب آپ کی اس شہر خوباں سے محبت، اس کے لیے دعا اور آپ کی دعا کے طفیل و بلاء کا ختم ہو جانا
ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال کے اہم واقعات		
377	پہلا باب آپ کی نماز جمعہ	پانچواں باب آپ کی دعا کے طفیل مدینہ کا دنجال اور طاعون سے محفوظ ہونا
380	تنبیہات	تنبیہات
384	دوسرا باب مسجد نبوی کی تعمیر	چھٹا باب مدینہ طیبہ میں قیام کرنے، اسی جگہ مرنے اور اس کے مصائب پر صبر کرنے کی ترغیب
394	تنبیہات	تنبیہات
397	تیسرا باب حجرات مقدسہ کی تعمیر	تنبیہات
400	چوتھا باب آذان کی ابتداء	ساتواں باب جس نے یہاں کوئی واقعہ رونما کیا، واقعہ رونما کرنے والے کو پناہ دی یا اس کے اہل کے ساتھ برا ارادہ کیا یا انہیں ڈرایا اس کے بارے وعید
403	تنبیہات	تنبیہات
404	آذان کے بعض اسرار	تنبیہات
414	پانچواں باب مواغات	آٹھواں باب دیگر شہروں پر اس کی فضیلت
417	تنبیہات	تنبیہات
421	ساتواں باب تحویل قبلہ	نواں باب مدینہ طیبہ کا حرم
424	تنبیہات	

454	چھٹا باب سورۃ الاخلاص کے نزول کا سبب
455	ساتواں باب اوس اور خزرج کے مابین فتنہ انگیزی کی سازش
457	آٹھواں باب شان الوہیت میں گستاخی
461	نواں باب یہود کا آپ سے بعض اشیاء کے بارے سوال اور سرکشی
465	دسواں باب زانی کی سزا سے یہود کا رجوع
468	گیارہواں باب یہودی موت کی تمنا نہ کر سکے
469	بارہواں باب یہود کا آپ پر جادو کرنا
471	تنبیہات
475	تیرہواں باب بعض سرکش منافقین
477	تنبیہات

حضور اکرم ﷺ سے یہود اور منافقین کی عداوت	
427	پہلا باب اللہ تعالیٰ کا ان سے عہد کہ جب حضور اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائیں تو وہ آپ پر ایمان لائیں آپ کی نبوت کا اعتراف اور بغض و عناد کی وجہ سے اکثر کافر کرنا
432	دوسرا باب حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام
435	تیسرا باب یہود کی آپ کے ساتھ عداوت، آپ کے اور ان کے مابین معاہدہ اور ان کی عہد شکنی
438	چوتھا باب یہود کا آپ سے روح کے بارے سوال
447	پانچواں باب حروف مقطعات کو سن کر اس امت کی عمر کے بارے یہود کی حیرانگی
448	تنبیہات



فہرست جلد چہارم

چہتا باب	
500	غزوة العشرة
ساتواں باب	
501	غزوة بدر الكبرى
502	سبب
503	عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب
507	ابلیس، سراقہ بن مالک کی شکل میں
508	جہیم بن صلت کا خواب
509	حضور اکرم ﷺ کی روانگی
515	ابوسفیان کا مدینہ طیبہ کے قریب پہنچنا
523	آغاز جنگ
527	دعائے مصطفیٰ ﷺ اور نزول ملائکہ
536	یوم بدر ملائکہ کی نشانی
537	مسلمانوں کا شمار
538	حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کی شہادت
538	حضرت عوف بن حارث کی شہادت

غزوات مصطفیٰ ﷺ	
پہلا باب	
483	جہاد کا اذن اور اہل کتاب اور مشرکین سے درگزر کرنا منسوخ ہونا
دوسرا باب	
491	غزوات کی تعداد میں اختلاف
493	تنبیہات
تیسرا باب	
497	غزوة البواہ
چوتھا باب	
498	غزوة بواط
498	تنبیہ
پانچواں باب	
499	غزوة سفوان (غزوة بدر الاولیٰ)
499	تنبیہ

581	مسلمان شہداء	539	ابو جہل کی اپنے لیے بد دعا
582	مشرکین کے مقتولین اور قیدیوں کی تعداد	539	امیہ بن خلف کا قتل ہونا
585	وہ قیدی جو مشرف باسلام ہوئے	542	مشت خاک
586	تنبیہات	545	فرعون امت، ابو جہل کا قتل
603	جن حضرات قدسیہ نے غزوہ بدر میں شرکت کی	548	ابو ذات الکرشی کا قتل
612	غزوہ بدر کے بارے صحابہ کرام کے اشعار	549	شاخ کا تلوار بن جانا
	آٹھواں باب	549	لعاب دہن اور دست اقدس کی تاثیر
624	غزوہ بنی سلیم	550	مشرکین کو شکست
624	تنبیہ	551	کفار مکہ کی لاشیں
	نواں باب	555	اہل مدینہ کو بشارت
626	غزوہ السویق	556	صحابہ کرام کا مال فتنے میں اختلاف
	دسواں باب	559	قیدیوں کے بارے صحابہ کرام کا اختلاف
627	غزوہ غطفان	562	مدینہ طیبہ کی طرف روانگی
	گیارہواں باب	568	قیدیوں کا مدینہ طیبہ پہنچنا
629	غزوہ الفروع	569	اہل مکہ کو شکست کی خبر اور ابولہب کی ہلاکت
	بارہواں باب	571	اہل مکہ کی نوہ خوانی
630	غزوہ بنی قینقاع	573	نجاشی کی خوشی اور مسرت
	تیرہواں باب	573	قیدیوں کا فدیہ
635	غزوہ احد	578	عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ نجاشی کے دربار میں
636	کفار مکہ کا مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہونا		غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے مسلمانوں اور
637	آپ کا خواب	579	مشرکین کی تعداد
641	سپہ سالار اعظم ﷺ کی احد کی طرف روانگی		

678	قرمان کا قتل	643	ان ابی کا اپنے افراد سمیت الگ ہو جانا
678	حضرت انس بن نضر کی شہادت	645	آپ کا خطبہ اور جنگ کی تیاری
679	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	647	مشرکین کی جنگ کے لیے تیاری
683	حضرت عبداللہ بن جحش کی شہادت	647	جنگ کی ابتداء اور شدید لڑائی
684	حضرت ابوسعید خدری بن ابی خدیجہ کی شہادت	653	تیر اندازوں کی لغزش
684	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت	655	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی
685	مشرک خواتین کا مثلہ کرنا	664	اونگھ آجانا
685	مشرکین کا مکہ مکرمہ کی طرف لوٹنا	665	ملائکہ کا آنا
686	شہداء کی تلاش	667	بعض مسلمانوں کا واپس آجانا
691	شہداء کو دفن کرنے کا حکم	669	ابی بن خلف کا قتل
693	دعائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء	671	عثمان بن عبداللہ کا قتل
693	مدینہ طیبہ کی طرف روانگی	671	آپ کے زخموں کی مرہم پٹی
697	منافقین اور یہود کی مسرت	672	چٹان پر چڑھنے کا ارادہ
698	غزوہ احد کے بارے قرآن پاک کا نزول	672	رب تعالیٰ سے نصرت کی دعا
699	غزوہ احد کے بارے مسلمان شعراء کا کلام	673	حضرت حسیل رضی اللہ عنہ کی شہادت
722	تنبیہات	674	مخیر بن نضر اسرائیلی کی شہادت
	چودھواں باب	674	حضرت الاصیرم عمرو بن ثابت بن وقش کی شہادت
744	غزوہ حمراء الاسد	675	حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ
750	تنبیہات		حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن عمرو
	پندرہواں باب	676	بن حرام کی شہادت
752	غزوہ بنی نضیر	677	حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام

786	ابی منافق کی موت اور اونٹنی کی گمشدگی	756	حضرت محمد بن مسلمہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کا یہود کے پاس جانا
789	گھوڑوں اور اونٹوں کے مابین مقابلہ	757	عبداللہ بن ابی کاہنہ یوں کو پیغام
789	صحابہ کرام کو رات کے وقت گھر جانے سے ممانعت	759	حضور اکرم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی بنو نضیر کی طرف روانگی
790	حضرت حارث بن ابی ضرار کا اسلام	760	گجوریوں کاٹنے کا حکم
791	ابن ابی کے بارے قرآن پاک کا نزول	762	بنو نضیر کی جلاوطنی
791	تنبیہات	764	عمرو بن سعدی کا حضور اکرم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے بارے مکالمہ
	انیسواں باب	770	تنبیہات
795	غزوہ خندق		سولہواں باب
797	قریش اور دیگر قبائل کی روانگی	772	غزوہ بدر الموعد
799	خندق کی کھدائی کے وقت پڑھے جانے والے اشعار	773	حضور اکرم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی روانگی
802	خندق کی کھدائی کے وقت معجزات	776	تنبیہ
804	آپ کے دست حق نما کی برکت		سترہواں باب
805	منافقین کا رویہ	777	غزوہ دومۃ الجندل
806	آپ کی خدمت میں بچے پیش کیے گئے		اٹھارواں باب
806	مشرکین کا مدینہ طیبہ پہنچ جانا آپ کی جنگی تیاری	778	غزوہ بنی مطلق
808	مشرکین کے لشکر کا آجانا	778	مربیع کی طرف آپ کی روانگی
808	جب اہل ایمان نے لشکر کو دیکھا تو انہوں نے کیا کہا	780	مال غنیمت کی تقسیم
808	بنو قریظہ کی عہد شکنی	781	حضرت جویریہ آپ کے حوالہ عقد میں
813	حضور اکرم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کا بنو غطفان کے ساتھ مصالحت کا ارادہ	781	حضرت جویریہ کا خواب
814	حضرت شیر خدا <small>رضی اللہ عنہ</small> اور عمرو بن عبدود	782	بقیہ قیدیوں کا فدیہ
		782	ابن ابی کانفاق

827	بھاگنے کا منظر		مشرکین کا اتفاق کہ خندق کا ہر طرف سے گھیراؤ کر
830	حضور اکرم ﷺ کی واپسی	818	لیا جائے
831	ابوسفیان کا خط	819	حضرت سعد تیر کا نشانہ بن گئے
831	غزوہ خندق کے بارے قرآن پاک کا نزول	820	نمازوں کی قضاء
834	اشعار	821	مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملا
846	تنبیہات	821	حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہما کا کردار
848	اختتام	826	مشرکین کی شکست، اللہ تعالیٰ کا ان پر ٹھنڈی ہوا بھیجنا اور ملائکہ بھیجنا



(اردو ترجمہ)
سُبُلُ الْهُدَىٰ وَالرِّشَادِ
فِي سِيرَةِ خَيْرِ الْعِبَادِ

جلد سوم

تصنیف: حضرت امام محمد زین یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی
دارالعلوم محمد بن غوثیہ بیہار شریف

معراجِ مصطفیٰ

علیہ التحیۃ والثناء

اس موضوع پر میں نے ایک عظیم تصنیف رقم کی ہے۔ میں نے اس کا نام "الآیات
البینات فی معراج سید اہل الارض والسموات" رکھا۔ پھر میں ایسے امور پر آگاہ ہوا
جن کا تذکرہ میں نے اس کتاب میں نہیں کیا تھا۔ پھر میں نے اس موضوع پر دوسری کتاب لکھ دی۔
میں نے اس کا نام "الفضل الفائق فی معراج خیر الخلائق" رکھا۔ میں نے ان کتب میں
ایسے فوائد اور نفائس لکھے ہیں جو صرف ان کا ہی حصہ ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس جگہ ان کا خلاصہ
ذکر کر دوں۔



رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان کے بعض فوائد

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلٰی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ
بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۗ اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① (الاسراء: 1)

ترجمہ: ”ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا۔“

اس آیت طیبہ پر کئی اعتبار سے بحث

1- اس کا شان نزول

امام، عالم حضرت ابو حیان علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر ”النہر“ میں تحریر کیا ہے کہ اس آیت طیبہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا تذکرہ فرمایا تو کفار مکہ نے آپ کی تکذیب کی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

ما قبل کے ساتھ تعلق

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اور امام برہان اللنسی نے لکھا ہے ”ما قبل کلام کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس سورت میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا ذکر خیر ہے۔ ان کے مبارک اوصاف، اور حریم ناز میں ان کے مقام کا تذکرہ ہے۔ ملت حنیفہ کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عقائد دینیہ میں ان کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سورت مبارکہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے سچے دل کے ساتھ ان کی ملت کی اقتداء کی۔ حق پر ان کی سنت کو قائم کیا۔ اس سورت مبارکہ کے اختتام پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا۔“

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. (النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: ”(اے محبوب!) بلائیے لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے۔“

بعد میں آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۷﴾ (النحل: ۱۲۷)

ترجمہ: ”اور آپ صبر فرمائیے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان کی

(ہٹ دھرمی) پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں سے۔“

صبر ناپسندیدہ امور کو برداشت کرنا ہی ہے۔ یہ تحمل تحمل (خوبصورتی) کی طرف لے جاتا ہے۔

”النہر“ میں ہے۔ ”جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صبر کا حکم دیا اور کفار پر غمزدہ ہونے سے منع فرمایا نیز منع فرمایا

کہ آپ ان کے مکر و فریب سے تنگدل نہ ہوں۔ ان کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے جھوٹ، سحر اور شعر وغیرہ کو آپ ﷺ کی طرف

منسوب کیا تھا۔ اس کے بعد رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شرف، فضل اور آپ کا بلند مقام بیان فرمایا جو آپ کو رب تعالیٰ کے

ہاں حاصل ہے۔“

شیخ نے ”مناسبات“ میں ذکر کیا ہے ”یہ سورت مبارکہ اور اس کے بعد کی چار سورتوں کا نزول قدیم ہے امام بخاری اور

امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”سورت بنو اسرائیل، الکہف، مریم، طہ اور

الانبیاء کا نزول قدیم ہی ہے۔ اور انہیں ابتدائے اسلام میں یاد کر لیا گیا تھا۔“ یہی ان کی ترتیب کی وجہ ہے۔ یہ سورت بھی ان

کے قدیم نزول میں مشترک ہے۔ یہ سورتیں مکی ہیں۔ یہ ساری قصص پر مشتمل ہیں۔

میرے لیے اس کا سورت النحل کے ساتھ اتصال میں ایک اور سبب بھی ظاہر ہوا۔ وہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس

سورت کے اختتام میں فرمایا:

إِنَّمَا جَعَلَ السَّنَبُ عَلَى الَّذِينَ اٰخْتَلَفُوا فِيْهِ ۗ (النحل: ۱۲۴)

ترجمہ: ”صرف ان لوگوں پر سنیچر کی پابندی تھی جنہوں نے اختلاف کیا تھا۔“

اس سورت مبارکہ میں اہل سبت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس تورات کا ذکر جمیل ہے جو انہیں دی گئی۔ جیسے کہ ابن جریر

نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”تورات ساری کی ساری سورت بنو اسرائیل کی پندرہ

آیات پر مشتمل تھی۔“ رب تعالیٰ نے ان کی نافرمانیاں، فساد، مساجد کو برباد کرنے کا ذکر کیا۔ پھر رب تعالیٰ نے ذکر کیا کہ انہوں

نے کس طرح حضور اکرم ﷺ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ آپ کو مدینہ طیبہ سے باہر نکالنے کی سعی کی۔ آپ ﷺ سے

روح کے بارے سوال کیا۔ پھر اس سورت کا اختتام حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ کے نو معجزات پر کیا۔ فرعون کو ان کے خطاب سے آگاہ کیا۔ بتایا کہ فرعون نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو نقصان دینے کی کوشش کی۔ تو اسے برباد کر دیا گیا۔ اس کے بعد بنو اسرائیل کو ان کی زمین کا وارث بنا دیا گیا۔ اس میں مدینہ طیبہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ تھا کہ جس طرح انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو مدینہ طیبہ سے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن وہ عنقریب خود ہی یہاں سے جلا وطن ہو جائیں گے۔ آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شہر خوباں کے مالک بن جائیں گے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح فرعون برباد ہوا تھا جب اس نے بنو اسرائیل کو نقصان دینے کی کوشش کی تھی۔ اس سورت میں مسجد اقصیٰ کے گرنے کا تذکرہ ہے۔ اس کا آغاز سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی معراج پاک سے کیا گیا۔ کیونکہ آپ اس میں تشریف لے گئے تھے۔“

تسبیح سے آغاز کرنے میں حکمت

ابن جوزی نے زاد المسیر میں لکھا ہے ”اس جگہ تسبیح سے آغاز کرنے میں دو حکمتیں ہیں۔

◆ اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ عجیب امر کے وقت تسبیح کیا کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو معراج کرا کے مخلوق کو تعجب میں ڈال دیا۔

◆ گویا کہ اسے ان کے رد کے قائم مقام رکھا۔ کیونکہ جب حضور ﷺ نے اپنی معراج کا ذکر فرمایا تو کفار مکہ نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ اس امر سے منزہ اور پاک ہے کہ وہ جھوٹے کو اپنا رسول بنائے۔

قاضی تاج الدین بکی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ”تذکرہ“ میں لکھا ہے کہ امام سے سوال کیا گیا کہ اس سورت پاک کا آغاز تسبیح سے کیوں کیا گیا ہے جبکہ سورۃ الکہف کا آغاز تہمید سے کیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جہاں کہیں بھی ان دونوں کا تذکرہ ہوا ہے تسبیح کو تہمید سے مقدم کیا گیا ہے۔ مثلاً

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ . (النصر: ۳)

ترجمہ: ”تو اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے۔“

سبحان اللہ والحمد للہ .

ابن زملکانی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ سورت معراج پاک پر مشتمل ہے۔ مشرکین نے آپ ﷺ کی تکذیب کی آپ کی تکذیب گویا کہ رب تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ اس کا آغاز سبحان سے کیا گیا کہ رب تعالیٰ اس امر سے پاک اور مطہر ہے کہ جھوٹ

کو اس کی طرف منسوب کیا جائے جبکہ سورۃ الکہف مشرکین کے اصحاب کہف کے بارے سوال کے بعد میں نازل ہوئی۔ وحی میں بھی تاخیر ہوئی۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ رب تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان پر اپنی نعمتوں کو منقطع نہیں فرمائے گا۔ بلکہ کتاب حکیم کو نازل کر کے ان پر اپنی نعمت کو مکمل کرے گا۔ لہذا اس نعمت پر شکر ادا کرنے کے لیے اس کا آغاز حمد سے کیا گیا۔

سبحان اللہ کے بارے گفتگو

حضرت محمود الکرمانی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ”برہان“ میں لکھا ہے۔ ”اس کلمہ کو اللہ رب العزت نے اپنی ذات والا کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ سورت بنی اسرائیل کی ابتداء اس کے مصدر سورۃ الصف کی ابتداء اور سورۃ الحشر کی ابتداء اس کی ماضی اور سورۃ الحجۃ اور سورۃ التغابن کی ابتداء اس کے مضارع سے کی۔ سورۃ الاعلیٰ کی ابتداء اس کے امر سے کی تاکہ اس مبارک کلمہ کی ساری صورتیں استعمال ہو سکیں۔ امام حاکم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے ”سبحان اللہ“ کے معنی کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ”ہر برائی سے رب تعالیٰ کی تنزیہ“

ابن ابی حاتم نے حضرت ثعلبی المرثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”سبحان اللہ اسم ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ اپنی تعظیم بیان فرماتا ہے۔ اس کلمہ سے ہر برائی سے کنارہ کش ہوتا ہے۔“ امام ماوردی نے لکھا ہے ”یہ ایسا ذکر ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ اپنی تعظیم بیان فرماتا ہے۔ یہ کلمہ صرف اسی کے لیے موزوں ہے۔“ صاحب النظم نے لکھا ہے کہ لغت میں السخ تباعد کو کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ﴿٥﴾ (الزلزلہ)

ترجمہ: ”یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں۔“

سبحان اللہ کا معنی ہے کہ رب تعالیٰ ہر اس امر سے پاک ہے جو اس کے مناسب نہیں ہے۔ التبیح کے اور معانی بھی ہیں جنہیں میں نے ”القول الجامع الوجیز لخادم القرآن العزیز“ میں بیان کیا ہے۔

امام موفق الدین نے شرح المفصل میں لکھا ہے ”جان لو کہ علماء کرام نے اعلام کو معانی پر معلق کیا ہے۔ انہوں نے ان کا اطلاق اعیان پر کیا ہے۔ اس میں سے اہل عرب کا قول ”سبحان“ بھی ہے۔ یہ ہمارے نزدیک علم ہے جو تبیح کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مصدر ہے۔ اس کا معنی برأت اور تنزیہ ہے۔ اس سے فعل نہیں ہے یہ اس تبیح پر دلالت کرتا ہے جو حقیقت میں مصدر ہے۔ اس معنی پر اسے علم بنا دیا گیا ہے۔ یہ اس کی معرفت ہے۔ یہ معرفہ اور الف نون کی زیادتی کی وجہ سے

غیر منصرف ہے۔ شاعر کے اس قول "سبحانہ ثم سبحاناً یعود لہ" میں تین کی دو وجوہات لکھی گئی ہیں:

❖ یہ ضرورت کے لیے ہے۔

❖ اس نے تصور کا ارادہ کیا ہے۔

ضیاء بن ارج نے البسیط میں لکھا ہے کہ یہ سبوح کا مصدر ہے۔ جب انسان سبحان اللہ کہتا ہے یہ سبحان التزیہ کا مدلول ہے لفظ کا نہیں۔ ہم کہتے ہیں "تسبیح تزیہ" کے معنی میں بھی ہے کیونکہ سَبَّحْتُ کا معنی ہے میں نے رب تعالیٰ کی تزیہ بیان کی۔ اس وقت تزیہ کے معنی پر ان کی مطابقت قائم ہوگئی۔ سبحان کو تسبیح پر معلق کرنا درست ہو گیا۔ بطور علم اس کا استعمال بہت قلیل ہے۔

یہ اکثر اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ مضاف ہوتا ہے تو یہ علم نہیں ہوتا کیونکہ اعلام مضاف نہیں ہوتے۔ شعر میں "سبحان" کے مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جس کے لیے وہ علم ہے۔ وہ خود علم نہیں ہے۔ ابن عمرو بن حاجب نے لکھا ہے کہ شاعر کا یہ شعر اس بات کی دلیل ہے کہ سبحان تسبیح کا علم ہے۔

قد قلت لما جاءني فخره سبحان من علقمة الفاخر

اگر یہ علم نہ ہوتا تو اسے منصرف کرنا ضروری ہوتا۔ کیونکہ الف اور نون علمیت کے ساتھ غیر منصرف ہوتا ہے۔ الشہاب السمین نے اپنی کتاب الاعراب میں لکھا ہے "ایک قول یہ ہے کہ یہ مصدر ہے کیونکہ اس کا ثلاثی فعل بنا گیا ہے۔ یہ ایسے اسماء میں سے ہے جو مضاف ہو سکتے ہیں۔ یہ مفرد بھی ہو سکتا ہے جب یہ مفرد ہو تو یہ معرفہ ہونے اور الف نون کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے۔ جیسے کہ سابقہ شعر سے عیاں ہے۔ جیسے شاعر کا شعر ہے:

سبحانہ ثم سبحاناً یعود لہ و قبلنا سبح الجودی والحمد

ایک قول یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے اس طرح کیا گیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ قبل اور بعد کے قائم مقام ہے۔ اگر اس کے معرفہ ہونے کی نیت کی جائے تو یہ اپنی حالت پر برقرار رہے گا۔ اگر اسے نکرہ سمجھا جائے تو اسے منصرف کا اعراب دیا جائے گا۔ یہ شعر اس امر کی مدد کرتا ہے کہ وہ مصدر ہو مصدر کا اسم نہ ہو۔ کیونکہ یہ منصرف وارد ہوا ہے۔ پہلے قول کو اپنانے والے سے کہا جائے گا کہ اس کی طرف سے جواب دیا جائے گا کہ یہ نکرہ ہے معرفہ نہیں ہے۔ یہ ان اسماء میں سے ہے جو مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں۔ یہ غیر منصرف ہے۔ یہ اس مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کا اللہ ہا جا نہ نہیں۔

حضرت ابو شامہ نے لکھا ہے "جب یہ منصوب ہو تو اس مفعول مطلق کی وجہ سے منصوب ہوگا جس کے فعل کا ضمیر لازم ہوتا ہے۔ اس کا فعل یا تو فعل امر ہے یا خبر ہے اس سورت میں یہ لفظ دو امور کا احتمال رکھتا ہے یعنی یا تو سبحوا الذی

اسری یاسبح الذی اسری کے معنی میں ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے آپ کی تعریف کی جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا: "الحمد لله رب العالمین"

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ سبویہ کے مذہب کے مطابق اس میں عامل وہ فعل ہے جو اس کے معنی میں ہے لفظ میں نہیں۔ کیونکہ اس کے لفظ سے فعل نہیں آتا۔ یہ "قعدا القرفصاء و استمل الصباء" کی مثل ہے یہ عبارت یوں ہے۔ "انزه الله تعالى تنزيها" تیسرے قول کے مطابق یہ "تنزيها" کے قائم مقام ہو گیا۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے "سبحان" تسبیح کے لیے علم ہے۔ جیسے عثمان انسان کا نام ہوتا ہے۔ یہ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ جو مقدر ہوتا ہے۔ اسے ظاہر کرنا چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ عبارت دراصل یوں تھی: "اسبح الله سبحان"۔ پھر اسے فعل کے قائم مقام کر دیا گیا۔ یہ اس تنزیہ پر دلالت کرتا ہے جو ان تمام قبائح سے پاکیزگی بیان کرے جنہیں رب تعالیٰ کے دشمن اللہ رب العزت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

امام الطیبی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "اس ترکیب سے یہ مصدر لکھنے سے مقصد تاکید ہے۔ یہ عبارت دراصل یوں تھی اسبح تسبیحا و استبح سبحان۔ پھر عامل کو حذف کر دیا گیا اور اس کو اس کے مقام پر رکھ دیا گیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ ذات سے مقصود مصدر ہے۔ فعل تابع ہے۔ یہ تنزیہ کے وجود کی سرعت کے بارے خبر دینے کے بارے بتانے کا فائدہ دیتا ہے۔

امام کسائی نے لکھا ہے کہ یہ دراصل منادی ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: "یا سبحانک" مگر جمہور نے ان کے اس قول کا انکار کیا ہے۔ اسفاسی اور السمین نے لکھا ہے کہ کسائی کا یہ قول مردود ہے۔ کیونکہ اس پر حرف نداء کے دخول کے بارے نہیں بنا گیا۔ بعض علماء نے گمان کیا ہے کہ اس کا لفظ تنزیہ کا لفظ ہے اور اس کا معنی بھی اسی طرح ہے۔ جیسے لبیک مگر یہ موقف غریب ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اس کا مفرد نسبتاً ہو اور یہ منصوب نہ ہو بلکہ مرفوع ہو۔ اس کی نون اضافت سے ساقط نہ ہو اور اس پر فتح لازم ہوتا ہے۔

عجیب و غریب تو بات وہ ہے جسے امام ماوردی نے لکھا ہے کہ ابان بن تغلب نے لکھا ہے کہ سبحان کلمہ کی اصل نہبطیہ ہے۔ یعنی اس کی اصل شبہانک۔ اس کو معرب بنا کر سبحانک بنا دیا گیا۔ جسے سبحان کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔ وہ اس کا مفعول یہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی تسبیح بیان کی جاتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فاعل ہو۔ اس کا یہ معنی ہو کہ وہ ذات پاکیزگی بیان کرتی ہے جس نے اپنے بندہ خاص (ﷺ) کو سیر کرائی۔

اسریٰ پر بحث

برہان لسانی میں ہے کہ اہل لغت نے لکھا ہے کہ اسریٰ اور سریٰ دو لغتیں ہیں۔ بعض نے اسے رات کے وقت چلنے کو اس کے ساتھ مختص کیا ہے۔ اسمین نے لکھا ہے کہ سزیٰ اور اسزی سقی اور اسقی کی طرح ہے۔ اس جگہ ہمزہ تعدیہ کے لیے نہیں ہے۔ لیکن ابن مطیہ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ یہ بعدہ کی باء سے متعدی ہے۔ سورۃ البقرہ میں پہلے گزر چکا ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ فاعل کے مفعول کے ساتھ مصاحبت کا تقاضا نہیں کرتا لیکن المبرد کا اس سے اختلاف ہے۔

اسفاسی نے لکھا ہے کہ الباء تعدیہ کے لیے ہے۔ جمہور کے نزدیک ہمزہ اس کے ساتھ ترادف کرتا ہے۔ لیکن المبرد سے اختلاف کرتے ہیں۔ امام سہلی نے لکھا ہے کہ الباء کے ساتھ تعدیہ فاعل کی مفعول کے ساتھ مصاحبت کا تقاضا کرتی ہے۔ مثلاً تم یہ کہو قعدت بہ۔ تو اس کے ساتھ مشارکت ضروری ہے۔ خواہ وہ مشارکت ہاتھ کے ساتھ ہی ہو۔ مگر اس آیت طیبہ سے ان کا رد کر دیا گیا ہے۔

ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ - (البقرہ: ۱۷)

ترجمہ: "لے گیا اللہ ان کا نور۔"

کیونکہ رب تعالیٰ کا یہ وصف بیان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نور کے ساتھ چلا گیا۔ لیکن شاعر کا یہ شعر ان دونوں کا رد کرتا ہے:

تحل بنا لو لا نجاہ الرکائب

دیار التی کانت و نحن علی منی

تحل بنا، تحلنا کے معنی میں ہے۔ اس جگہ باء تعدیہ کے لیے ہے۔ مگر یہ مشارکت کا تقاضا نہیں کرتی۔ کیونکہ

دیار حرام نہیں تھے کہ وہ حلال ہو گئے ہیں۔ کیونکہ الباء ہمزہ کے معنی میں ہے۔ ان دونوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ یوں نہیں کہا جاسکتا: اذہبت بزید۔

ابن دجیہ اور ابن منیر نے المبرد کے قول کی تائید کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اسریٰ بعدہ سے وہ امور

حاصل ہوتے ہیں جو اس طرح کہنے سے حاصل نہیں ہوتے بعث الی عبدہ کیونکہ الباء مصاحبت کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی

ذات خداوی الطاف کریمانہ، عنایت ربانیہ اور مدد کے لحاظ سے آپ کے ساتھ ساتھ تھی۔ ابن دجیہ نے لکھا ہے "آپ کے ساتھ تھی یہ

دعا بھی اس امر کی گواہی دیتی ہے۔ "اللهم انت الصاحب فی السفر، مولا! سفر میں تو ہی ساتھی ہے۔"

اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ جس نے کہا "مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لیے لازم ہے کہ میں فلاں کے ساتھ حج کروں

گا تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کے ساتھ حج کرے۔ لیکن اگر اس نے کہا "اللہ علی ان حج فلانا" تو اس پر لازم ہوگا

کہ وہ اپنے مال سے اس کے سفر حج کی مدد کرے۔ اس میں فرق یہ ہے کہ الباء مصاحبت کا فائدہ دیتی ہے۔ اس کا رد پہلے گزر چکا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ اسری الشری سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد رات کے وقت چلنا ہے۔ اہل عرب رات کے وقت چلنے کو اسزی اور سزی کہتے ہیں۔ یہ اکثر اہل عرب کا قول ہے لیکن الحوفی نے لکھا ہے کہ اسزی رات کے وقت چلنے کو جبکہ سزی دن کے وقت چلنے کو کہا جاتا ہے۔“

الحافظ نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ اسزی رات کے اول حصہ میں اور سزی رات کے آخری حصہ میں چلنے کو کہتے ہیں۔

یہ معنی اقرب ہے قراء نے اسزی میں اختلاف نہیں کیا جبکہ رب تعالیٰ نے اس فرمان:

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ (هود: ۸۱)

ترجمہ: ”پس آپ لے کر نکل جائیے اپنے اہل و عیال کو۔“

اسے ہمزہ وصلی اور قطعی کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اس میں اس شخص کی گرفت ہے جو یہ کہتا ہے کہ اسزی اور سزی ایک ہی معنی میں ہیں۔ امام سہلی نے لکھا ہے کہ الشری سریت سے مشتق ہے۔ جب میں رات کے وقت چلوں۔ یہ لازم ہے۔ جبکہ الاسراء معنی میں متعدی ہے لیکن اس کے مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ گمان کرنے والے نے گمان کیا کہ یہ ایک ہی معنی میں ہے۔ اسری بعبدہ کا معنی ہے۔ کہ اس ذات نے براق بھیجا۔ جو آپ کو سیر کے لیے لایا۔ جیسے کہ تم کہو امضیت یہ جعلتہ یعضی کے معنی میں ہے۔ مفعول کو حذف کر دیا گیا کیونکہ اس پر دلالت قوی ہے۔ یہ ذکر کرنے سے مستغنی ہے۔ کیونکہ ذکر سے مقصود حضور والا ﷺ کی ذات ہے۔ وہ سواری نہیں جو آپ کو لے کر گئی تھی۔ جبکہ حضرت لوط علیہ السلام کی داستان کا معنی ہے کہ یہ جس بھی سواری پر سوار ہوں۔ انہیں اسی پر اپنے ساتھ لے چلیں۔ یہ معنی اس وقت ہوگا جب ہمزہ وصلی پڑھا جائے۔ جب ہمزہ وصلی ہو تو اس کا معنی ہے کہ مدت کے وقت انہیں لے کر چلیں۔ اسراء میں تو اس طرح نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس طرح کہنا کسی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ ”سزی بعبدہ“

حافظ اور نسفی نے لکھا ہے کہ جو بات یقین سے کہی جاسکتی ہے وہ اس حیثیت سے ہے جس میں اشارہ عاجز آجاتا ہے۔

کیونکہ آپ نے رات کے وقت سفر براق پر کیا تھا۔ اگر آج کوئی یوں کہے ”سرت بزید“ اور وہ مصاحبت کا معنی لے تو اس کا یہ معنی صحیح ہوگا۔

العبد پر کلام

مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ اس جگہ ”عبد“ سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کی ذات والاصفات ہے۔ لغت میں اس سے ذوالعقول کی نوع میں سے مملوک مراد ہے۔ اہم محکم میں ہے ”العبد سے مراد انسان ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام ہو کیونکہ وہ اپنے خالق کا مملوک ہوتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ تعبد سے مشتق ہے۔ اس کا معنی تذلل ہے۔“ ابن الانباری نے لکھا ہے کہ عبد سے مراد رب تعالیٰ کے لیے خشوع و خضوع کرنے والا ہے۔ طریق معبودہ رستہ ہوتا ہے جسے لوگوں نے خوب روندھا جو۔ امام جمال الدین بن مالک نے عبد کی جمع کے بارے دو اشعار لکھے تھے۔ شیخ نے دو اشعار کے ساتھ اس کا تتمہ لکھا ہے۔ ان سے قبل بھی ایک شعر کا اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

”ابن مالک نے عبد کی جمع کے بارے اشعار لکھے ہیں۔ میں نے ان پر ان کی مثل اضافہ کیا ہے۔ فائدہ اٹھاؤ خوب کوشش کرو۔“

عبد کی جمع عباد، عبید اور عبد آتی ہے۔ اسی طرح اس کی جمع اعباد اور عبد آتی ہے۔ اسی طرح اس کی جمع عبد ان اور عبد ان، عبدی آتی ہے۔ اگر چاہو تو ان میں توسیع کر لو۔ اعباد، عبود، عبیدۃ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ فتح کے ساتھ تخفیف کر لو اسی طرح عبد ان بھی ہے اسی طرح یہ جمع اعبدۃ، عبودن اور عبیدون آتی ہے۔ یہ سیکھ جاؤ۔ تمہیں صحیح رستہ پر چلنا نصیب ہوگا۔“

الاسنوی نے لکھا ہے کہ سبویہ نے لکھا ہے کہ العبد دراصل صفت ہے لیکن اب اسے اسماء کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ شیخ زکریا رحمہ اللہ نے فتح الرحمن میں لکھا ہے کہ رب تعالیٰ نے بعدہ فرمایا ہے۔ نبیہ یا حبیبہ نہیں فرمایا تا کہ آپ ﷺ کی امت گمراہ نہ ہو جائے یارب تعالیٰ کی طرف مضاف کر کے عبودیت کا وصف بیان کرنا اشرف مقامات میں سے ہے۔

الاتاذ، ابوعلی دقاق علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ مومن کے لیے مقام عبودیت سے افضل، اعلیٰ اور اشرف کوئی مقام نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اشرف مقامات پر اسی نام سے یاد فرمایا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْمٰی بِعَبْدِہٖ۔ (الاسراء: ۱)

ترجمہ: ”ہر (عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو۔“

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہٖ الْکِتٰبَ۔ (الکہف: ۱)

ترجمہ: ”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے نازل فرمائی اپنے بندے پر یہ کتاب۔“

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ (النجم: ۱۰)

ترجمہ: ”پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔“

تَبْرُكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ. (الفرقان: ۱)

ترجمہ: ”بڑی خیر و برکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندے پر۔“

شیخ عبدالباسط البلقینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ”اسی سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو اس وصف سے کیوں یاد فرمایا جبکہ اپنے اس فرمان سے حضرت تکی علیہ السلام کے لیے سیادت کا وصف بیان فرمایا۔

وَسَيِّدًا وَحَصُورًا. (آل عمران: ۳۹)

ترجمہ: ”سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا۔“

امام ابوالقاسم القشیری نے فرمایا ہے: ”اسی مفہوم میں یہ اشعار پڑھو:

يا قومِ قلبی عند زهراء يعرفه السامع والرائی

لا تدعنی الایا عبداً فانہ اشرف اسمائی

ترجمہ: ”اے میری قوم! میرا دل زہراء (محبوب) کے پاس ہے۔ ہر سننے والا اور دیکھنے والا اسے جانتا ہے۔

تم مجھے ”یا عبدا“ کے لقب سے ہی یاد کرو۔ یہ نام میرے سارے اسماء میں سے افضل ہے۔“

العوفی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اس کی وجہ یہ ہے کہ البیت، سیادت اور ربوبیت درحقیقت اللہ رب العزت کے لیے ہیں۔ کسی اور کے لیے نہیں۔ اس کے علاوہ ہر مخلوق کے لیے عبودیت کا وصف حقیقی ہے۔ جب وہ مقام عبودیت میں ہوگا وہ درحقیقت اپنے اصلی مقام پر ہوگا۔ حقیقی مرتبہ اشرف مراتب میں سے ہوتا ہے کیونکہ حقیقت کے بعد مجاز ہوتا ہے حق کے بعد گمراہی ہی ہے۔“

البرہان النفسی نے لکھا ہے ”جب حضور نبی کریم ﷺ شب معراج بلند درجات اور رفیع مراتب تک پہنچے رب تعالیٰ نے آپ پر وحی کی: ”محمد عربی! ﷺ کس نام سے پکاروں؟ آپ نے عرض کی: ”مولا! اپنی ذات کی طرف عبودیت کی نسبت کو فراموش نہ کرنا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ. (الاسراء: ۱)

ترجمہ: ”ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات سیر کرائی جس نے اپنے محبوب بندے کو۔“

عبد اور عبودیت کے بارے علماء کے بہت سے اقوال ہیں۔ الفاظ کے معانی مختلف ہیں۔ ہر ایک نے اپنے مقام و منصب کے مطابق گفتگو کی ہے۔ ابو حفص النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ”عبد وہ ہوتا ہے جو اپنے آقا کے اوامر پر

خوشی خوشی عمل کرتا ہے۔ وہ اسے جو بھی حکم کرتا ہے۔ "ابن عطاء رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "عبد وہ ہوتا ہے جس کی ملکیت میں کچھ بھی نہ ہو" الجری نے لکھا ہے "عبد کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے اخلاق کو اپنالے" حضرت رویم رحمہ اللہ نے کہا ہے: "عبد کی عبودیت اس وقت متحقق ہوتی ہے جب وہ مکمل طور پر تسلیم خم کر دے۔ اپنی قوت و طاقت سے برأت کا اظہار کرے وہ جان لے کہ سب کچھ اس کے لیے اور اس کے ساتھ ہے۔" حضرت عبد اللہ بن محمد رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "تم اس وقت وصف عبودیت سے متصف ہو گے جب تم اپنے آپ کے لیے کچھ بھی ملکیت نہ دیکھو تم یہ سمجھو کہ تم کسی نقصان یا فائدہ کے مالک نہیں ہو۔" رب تعالیٰ اس پر رحم کرے جس نے یہ اشعار لکھے ہیں:

و کنت قدیما اطلب الوصل منهم
فلمّا اتانی العلم و ارتفع الجہل
تیقنت ان العبد لا مطلب له
فان قربوا فضل و ان ابعدوا عدل
ان اظہروا لم یظہروا غیر و صفہم
وان ستروا والستر من اجلہم یحلو

ترجمہ: "میں قدیمی زمانہ سے ان سے وصال کا متمنی تھا۔ جب میرے پاس علم آیا تو جہالت ختم ہو گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ عبد کا کوئی مطالبہ نہیں ہوتا۔ اگر وہ قرب بخش دیں تو یہ فضل ہے اگر وہ دور کر دیں تو یہ عدل ہے۔ اگر وہ ظاہر کریں تو اپنے وصف کے علاوہ کسی کا اظہار نہ کریں اگر وہ مخفی کریں تو ان کی وجہ سے پوشیدگی بھی شیریں ہوتی ہے۔"

امام رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: "عبد کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو

جسم اور روح سمیت معراج کرائی کیونکہ ارشاد بانی ہے:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ① عَبْدًا إِذَا صَلَّى ② (العلق: ۱۰، ۹)

ترجمہ: "(اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔"

لیلاً پر گفتگو:

الحافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے "لیلاً" الاسراء کے لیے طرف ہے یہ تاکید کے لیے ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مجاز کا وہ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کبھی اس کا اطلاق دن کے وقت چلنے پر بھی ہوتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے یہ سیرات کے کچھ حصہ میں ہوئی۔ ساری رات میں نہیں ہوئی۔ کیونکہ اہل عرب کہتے ہیں سزای فلان لیلاً۔ جب وہ رات کا کچھ حصہ ہی چلے۔ "سزای فی لیلة" اس وقت کہتے ہیں جب وہ ساری رات چلے جب یہ چلنارات کے وقت ہو تو

اسری لیلاً نہیں کہا جاتا۔ رات کے ابتدائی حصہ میں چلنے کو ادج کہا جاتا ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بارے فرمایا:

فَأَسْرِبِعْبَادِي لَيْلًا - (الدخان: ۲۳)

ترجمہ: ”لے چلو میرے بندوں کو راتوں رات۔“

ابو شامہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے ”اسری کورات کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ سفر رات کے وقت ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا - (یونس: ۶۷)

ترجمہ: ”اور روشن دن بنایا۔“

یعنی اس میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ لیل نائم و ساھر کے باب سے ہے یعنی اس میں نیند اور بیداری حاصل ہوتی ہے۔ یہ مجاز کے ابواب میں سے مشہور باب ہے۔

بہت سے لوگوں نے اسے مشکل سمجھا ہے کہ ”لیل“ الاسراء کی ظرف ہو۔ اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ الاسراء سے مراد رات کو چلنا ہے۔ الاسراء کو جب مطلق رکھا جاتا ہے تو یہ بات سمجھ آ جاتی ہے۔ کہ یہ رات کے وقت واقع ہوا تھا۔ یہ الصبوح فی شرب الصباح کی طرح ہے۔ یہ اس قول کا محتاج نہیں ہے۔ میں نے وقت صبح، صبح کا مشروب پیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حقیقت اسی طرح ہے لیکن اہل عرب بعض اوقات یوں کر لیتے ہیں۔ خصوصاً جب وہ تاکید کا ارادہ کریں۔ تاکید ان کے کلام کی انواع میں سے ایک نوع اور ان کا اسلوب ہے۔ عرب کہتے ہیں اخذ بیدیہ و قال بلسانہ۔ قرآن عزیز میں ہے:

وَلَا ظَلِيْرٌ يَّطِيْرُ بِمَجْنَاْحِيْهِ - (الانعام: ۳۸)

ترجمہ: ”اور نہ کوئی پرندہ جواڑتا ہے اپنے دو پروں سے۔“

يَقُوْلُوْنَ يَا فَوْاْهِمْ - (آل عمران: ۱۶۷)

ترجمہ: ”وہ کہتے ہیں اپنے مونہوں سے۔“

فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ - (النمل: ۲۶)

ترجمہ: ”پس گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے۔“

جریر نے کہا ہے:

سزى نحوها ليلاً كان نجومه قناديل فيهن الذبال المنقل

ترجمہ: ”وہ رات کے وقت اس کی طرف گیا گویا کہ اس کے ستارے قندیل ہیں جن میں بتیوں کے دھاگے ہیں۔“
ذبال، ذبالت کی جمع ہے۔ اس سے مراد قندیل ہے۔

الجوہری نے لکھا ہے ”لیلاً“ اس لیے فرمایا ہے اگرچہ سزى کا معنی رات کو سفر کرنا ہی ہوتا ہے تاکہ تاکید حاصل ہو جائے یہ اس طرح ہے: ”سرت امس نہارا والبارحة ليلاً“

علامہ زمخشری نے لکھا ہے ”اگر تم کہو کہ الاسراء کا معنی رات کو چلنا ہوتا ہے تو پھر اللیل کا تذکرہ کیوں کیا؟ تو میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے لیلاً جو نکرہ فرمایا جو اسراء کی مدت کی قلت پر دلالت کرتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے لے کر شام تک کا فاصلہ رات کے مختصر حصہ میں طے ہوا۔ حالانکہ یہ چالیس راتوں کی مسافت ہے۔ اس میں تنکیر بعضیت کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہما کی قرأت ”من اللیل“ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ﴿۷۹﴾ (الاسراء: ۷۹)

ترجمہ: ”اور رات کے بعض حصہ میں اٹھو اور نماز تہجد ادا کرو یہ نماز زائد ہے آپ کے لیے۔“

اس آیت طیبہ میں بعض رات قیام کرنے کا حکم ہے۔

ابوشامہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے: ”اس وجہ میں کوئی حرج نہیں۔ امام سخاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: ”رب تعالیٰ نے فرمایا: ”لیلاً“ الاسراء رات کے وقت ہی سفر کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جو مسافت اس رات کے حصہ میں طے کی گئی وہ چالیس راتوں سے کم مدت میں بھی طے نہیں ہو سکتی تھی۔ معنی یہ ہو گا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے ایک حصہ میں اپنے محبوب کریم ﷺ کو اس مقام سے اس مقام تک سیر کرائی۔ یہ تعجب کا مقام ہے۔ لیلة کی جگہ لیل کا تذکرہ کیا گیا ہے کیونکہ جب کہا جائے سزى لیلة تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے ساری رات سفر کیا۔ اگر لیل کا لفظ ذکر کیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ رات کے کچھ حصہ میں سفر کیا گیا۔

صاحب الفواد نے علامہ زمخشری کے قول کا تعاقب کیا ہے۔ اس میں الطیبی نے ان کا تعاقب کیا ہے۔ پھر انہوں نے لکھا ہے: ”یہ بھی امکان ہے کہ تنکیر سے مراد تعظیم و تقجیم ہو۔ مقام اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سورت کا آغاز ایسے کلمہ سے کیا گیا ہے جو اس تعظیم کی خبر دے رہا ہے پھر حضور اکرم ﷺ کا تذکرہ وصف عبدیت سے کیا۔ پھر مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کا تذکرہ کیا۔ پھر مسجد اقصیٰ کے ارد گرد برکت کا تذکرہ کیا۔ زمانہ کی تعظیم کی گئی۔ پھر ان آیات اور نشانیوں کی تعظیم کی گئی جو

اس کی طرف منسوب ہیں۔ آیات کو جمع ذکر کیا۔ تاکہ یہ آیات کی ساری انواع کو شامل ہو جائے۔ یہ سب کچھ اس امر کی تصدیق کر رہے ہیں جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اس ہستی پاک کی کیا شان ہے جس کو سیر کرائی گئی جس کے لیے مقام عبدیت متحقق ہے۔ آپ نے رات کے مختصر حصہ میں عنایات سرمدیہ حاصل کیں۔ اس رات کی شان کتنی عظیم ہے۔

ابن المنیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ”رات کے وقت معراج اس لیے ہوئی کیونکہ یہ خلوت کا وقت ہوتا ہے۔ خصوصیت کا وقت ہوتا ہے۔ یہ اس نماز کا وقت ہے جو صرف آپ پر فرض تھی۔“

قِمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲﴾ (الزلزلہ: ۲)

ترجمہ: ”(نماز کے لیے) قیام فرمایا کچھ مگر تھوڑا۔“

اور تاکہ اہل ایمان کے ایمان بالغیب میں اضافہ ہو اور کافر کے لیے فتنہ بنے۔

ابن دجیہ نے لکھا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت ہمارے نبی کریم ﷺ پر کئی کرم نوازیاں کیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

◆ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔ جنات کا آپ ﷺ پر ایمان لانا۔ آپ کے صحابہ کرام کا ان کی آگ دیکھنا۔ (صحیح مسلم)

رات کے وقت آپ کا غار کی طرف تشریف لے جانا۔ رات اصل ہے۔ مہینہ کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ اس کی سیاہی بصارت کی روشنی کے ساتھ ملتی ہے۔ اس میں داستان گوئی سے لطف اٹھایا جاتا ہے۔ آپ اکثر سفر رات کے وقت ہی کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم رات کا سفر کیا کرو۔ رات کے وقت زمین کو سمیٹ دیا جاتا ہے۔ رات عبادت کے لیے کوشش کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ آپ رات کے وقت اتنا زیادہ قیام فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ کے قدمین شریفین سوجھ جاتے تھے۔ رات کے وقت قیام کرنا آپ پر واجب تھا۔ آپ کی عبادت رات کے وقت زیادہ ہوتی تھی۔ اسی لیے آپ کو رات کے وقت ہی معراج کرائی گئی۔ تاکہ آپ کی تصدیق کرنے والے کا اجر زیادہ ہو سکے۔ تاکہ وہ ایمان بالغیب والوں کی صف میں شامل ہو سکے۔ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں رات کو دن سے مقدم ذکر کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتَيْنِ - (الاسراء: ۱۲)

ترجمہ: ”اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو قدرت کی دو نشانیاں۔“

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿۶۲﴾ (الفرقان: ۶۲)

ترجمہ: ”اور وہ وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا اس کے لیے جو

چاہتا ہے کہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے۔“

صحیح روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ہمارا رب تبارک و تعالیٰ رات کو جب رات کا آخری ثلث باقی رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے ”ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کروں ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اسے معاف کروں۔“

یہ خصوصیت دن کو عطا نہیں کی گئی۔ حضور ﷺ نے اس رحمت، دو گنا اجر اور دعا کی اجابت کی جلدی کا تذکرہ کیا جو اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ نیز اس میں فلسفیوں کے اس قول کا بھی ابطال ہے کہ رات کی شان میں سے اہانت اور شتر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت نبی اقوام کو سرفرازیں عطا کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں فرمایا:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ - (الانعام: ۷۶)

ترجمہ: ”پھر جب چھا گئی ان پر رات۔“

فَأَسْرِبَ أَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ - (الحجر: ۶۵)

ترجمہ: ”آپ لے کر نکل جائیے اپنے اہل و عیال کو جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے۔“

وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً - (الاعراف: ۱۴۲)

ترجمہ: ”اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس راتوں کا۔“

ہم نے ان کے ساتھ مناجات کیں۔ رات کے وقت انہیں اپنے اہل خانہ کو لے جانے کا حکم دیا۔ بعض اہل اشارات نے لکھا ہے: ”جب اللہ تعالیٰ نے رات کی نشانی کو مٹایا:

وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً - (الاسراء: ۱۴)

ترجمہ: ”اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن۔“

رات کا دل ٹوٹ گیا۔ اس میں حضور اکرم ﷺ کو معراج کرائی گئی۔

ابو امامتہ بن نقاش علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: ”حضور اکرم ﷺ کے حق میں شب معراج لیلة القدر سے افضل ہے۔

جبکہ آپ کی امت کے حق میں لیلة القدر افضل ہے۔ کیونکہ امت کو ایک رات عبادت کرنے کا ثواب اسی سال سے زائد ملتا ہے۔ جبکہ شب معراج میں عمل کرنے کے ثواب کا تذکرہ صحیح روایت میں ہے نہ ضعیف ہیں۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے

اسے معین نہیں فرمایا۔ امام بلقینی علیہ الرحمۃ کے اس شعر سے بھی یہی علم ہوتا ہے شب معراج لیلة القدر سے افضل ہے۔

لیالی القدر فیہا الرب ارضاک

اولاک رؤیتہ فی لیلة فضلت

ترجمہ: ”اس نے اس رات کو آپ کو اپنا دیدار کرایا جو شب قدر سے فضیلت پانگھی اس میں آپ کے رب نے آپ

کوراضی کر دیا۔“

”الاصطفاء“ میں ہے: ”شاید اس میں یہ حکمت ہے کہ اس میں آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا جو ہر چیز سے افضل ہے۔ اس لیے اسے کسی عمل کا مطلق ثواب نہیں بنایا۔ بلکہ وہ اسے روز قیامت اپنے بندوں پر بطور احسان فرمائے گا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا دن افضل ہے یا رات؟ کسی نے دن کو اور کسی نے رات کو ترجیح دی۔ امام ابو الحسن بن فارس نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ جس میں ہر ایک کے افضل ہونے کی علیحدہ علیحدہ وجوہات بیان کیں ہیں۔“

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پر گفتگو

اس جگہ مِنْ ابتدائے غایت کے لیے ہے۔ علامہ زرکشی نے اپنی کتاب ”اعلام الساجد باحکام المساجد“ میں لکھا ہے کہ الْمَسْجِدُ الْمَفْعَلُ کے وزن پر ہے۔ یہ سجدہ کرنے کی جگہ کا نام ہے۔ یہ فتح کے ساتھ اسم مصدر ہے۔ ابو زکریا الفراء نے لکھا ہے: ”ہر وہ فعل جو فَعَلَّ يَفْعُلُ کے وزن پر ہو۔ جیسے دَخَلَ يَدْخُلُ تو اس میں الْمَفْعَلُ کا صیغہ فتح کے ساتھ آتا ہے۔ خواہ وہ اسم ہو یا مصدر۔ ان میں فرق نہیں ہوتا جیسے دَخَلَ مَدْخَلًا۔ وہ اسماء جن کے عین کلمہ کو کسرہ دیتے ہیں۔ وہ یہ ہیں الْمَسْجِدُ، الْمَطْلَعُ، الْمَغْرِبِيُّ، الْمَشْرِقُ وغیرہا۔ انہوں نے کسرہ کو اسم کی علامت قرار دیا ہے۔ بعض اہل عرب نے اسے فتح دیا ہے۔ الْمَسْجِدُ کو الْمَسْجِدُ اور الْمَطْلَعُ کو الْمَطْلَعُ بھی پڑھا گیا ہے۔ فتح ان سب میں جائز ہے۔ اگرچہ ہم نے اس کے بارے نہیں سنا۔“

”الصحاح“ میں ہے: ”الْمَسْجِدُ الْإِنْسَانِ کی پیشانی کی وہ جگہ ہے جس پر سجدہ کیا جاتا ہے۔“ ابو حفص الصقلی نے اپنی کتاب تشقیب اللسان میں لکھا ہے: ”اسے مَسْجِدُ پڑھا گیا ہے۔ کئی علماء نے اسی طرح لکھا ہے۔ مسجد چھوٹی چٹائی کو کہا جاتا ہے۔ عرف میں زمین کی ہر جگہ کو مسجد کہا جاسکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے لیے زمین کو مسجد اور پاکیزگی بنا دیا گیا ہے۔“ سجدہ نماز کے افضل افعال میں سے ہے کیونکہ اس میں بندہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے۔ جگہ کا نام اسی سے مشتق کر لیا گیا ہے۔ اسے مسجد کا نام دیا گیا مزاج نہ کہا گیا عرف میں اس جگہ کو اس نام سے مختص کیا گیا جو پانچ نمازوں کے لیے مختص کی گئی ہو۔ حتیٰ کہ عید گاہ کو مسجد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح مدارس کو بھی مسجد نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انہیں اس مقصد کے لیے نہیں بنایا گیا۔“

”الْحَرَامِ“ پر گفتگو

ابوشامہ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے ”الحرام کی اصل المنع ہے۔ اسی سے بیت الحرام ہے۔ فلان حرام کہا جاتا ہے یعنی فلاں

محرم ہے۔ یہ حلال کی ضد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے محرم کو ان امور سے روک دیا جاتا ہے۔ جو دوسروں کے لیے جائز ہوتے ہیں۔ اسی طرح حرم میں ان امور سے روک دیا گیا ہے جو دوسرے شہروں میں حلال ہیں۔ علامہ ماوردی نے کتاب الجزیہ میں لکھا ہے ”ہر وہ جگہ جہاں رب تعالیٰ نے المسجد الحرام کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد حرام ہے۔ مگر رب تعالیٰ کا یہ فرمان اس سے مستثنیٰ ہے۔“

قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط (البقرة: ۱۴۴)

ترجمہ: ”(لو) پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔“

اس سے مراد خانہ کعبہ معظمہ ہے۔ الحافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ”مسجد حرام کا لفظ دراصل خانہ کعبہ کی حقیقت ہے۔“
رب تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾ (آل عمران: ۹۶)

ترجمہ: ”بیشک پہلا عبادت خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ بڑا برکت والا ہے ہدایت کا سرچشمہ سب جہانوں کے لیے۔“

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس اول مسجد کے بارے عرض کی جو روئے زمین پر سب سے پہلے بنائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“ بعد میں یہ لفظ اس مسجد کے لیے استعمال فرمایا جو خانہ کعبہ معظمہ کے ارد گرد تھی۔ آپ نے فرمایا: ”مسجد حرام میں ادا کی گئی ایک نماز کا ثواب اتنی اتنی نمازوں کے برابر ہے۔“ آپ نے یہ استعمال تغلیب مجازی کے طور پر کیا۔ اسی طرح اس شخص نے بھی اسے تغلیب مجازی کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مسجد حرام سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ - (الاسراء: ۱)

ترجمہ: ”ہر (عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرانی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے۔“

کیونکہ آپ ﷺ اس وقت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر جلوہ افروز تھے۔ یہ گھر مکہ مکرمہ کے گھروں میں سے ایک تھا۔ حرم پاک ان کے ارد گرد تھا۔ ارشاد بانی ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط

ترجمہ: ”یہ رعایت اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔“

یہ سب کچھ باب تغلیب سے ہے جو مجاز کے لیے جائز ہے۔ اس میں وسعت ہے ورنہ مسجد حرام کے لفظ کی جگہ میں اشتراک لازم آتا۔ حجاز اس سے اولیٰ ہے۔ اشتراک کے بارے کیسے کہا جاسکتا ہے اسے بولتے ہی اس کا اطلاق خانہ کعبہ پر ہوتا ہے۔ یا اس مسجد پر ہوتا ہے جو اس کے ارد گرد ہے۔ کسی قرینہ کی وجہ سے ہی اس سے پورا مکہ مکرمہ مراد ہو سکتا ہے۔

اقصیٰ پر گفتگو

علامہ برہان الدین السنفی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ ”اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ اس کو مسجد اقصیٰ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس کے اور مسجد حرام کے مابین بہت زیادہ مسافت ہے۔“ علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ اسے مسجد اقصیٰ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس سے پرے کوئی مسجد نہ تھی۔ لکھنوی نے لکھا ہے کہ اس مسجد کے لیے یہ وصف ثابت ہو گیا ہے اگرچہ اس سے پرے اور بھی مساجد ہوں۔ جو اس سے بھی دور ہوں کیونکہ جب ایک نام کسی سبب کی وجہ سے معروف ہو جاتا ہے تو سبب کے زائل ہونے سے وہ ختم نہیں ہوتا۔

ابن دحیۃ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ”حضرت خلیل اللہ ﷺ سے لے کر بعد کے سارے انبیاء کرام ﷺ اسی جگہ سے تشریف لائے۔ اسی لیے سارے انبیاء کرام ﷺ اسی جگہ جمع ہوئے۔ کیونکہ یہ ان کا گھر تھا۔ تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ آپ رئیس مقدم اور امام اعظم ﷺ ہیں۔“

حضرت ابو شامۃ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: ”اس سے مراد وہ بیت المقدس ہے جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آباد کیا ہے۔ یہ ہمیشہ محترم و مکرم رہا۔ یہ ان تین مساجد سے ایک ہے۔ جن کی تعظیم اور زیارت کے لیے سفر کیا جاتا ہے۔ یہ مسجد اہل مکہ یا حضور نبی کریم ﷺ سے بہت دور تھی۔ اس لیے اسے الاقصیٰ کہا گیا۔ اقصیٰ اقصیٰ سے فعل کے وزن پر ہے۔ القاصی سے مراد بعید ہے۔“

ابن ابی حبرہ نے لکھا ہے ”آپ کو پہلے مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرائی گئی۔ اس میں یہ حکمت کار فرما تھی کہ سرکش پر حق کا اظہار ہو سکے۔ اگر مکہ مکرمہ سے آسمان کی طرف سیر کرائی جاتی تو سرکش اور دشمن کے لیے تفصیل و بیان کا راستہ نہ رہتا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ آپ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی تو انہوں نے آپ سے بیت المقدس کی اشیاء کے بارے سوالات کیے۔ کیونکہ انہوں نے اسے دیکھا تھا، اسے جانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آپ پہلے وہاں تشریف نہیں لے گئے۔ جب آپ نے انہیں اس کے بارے بتایا تو آپ کی صداقت عیاں ہو گئی کہ آپ نے رات کے قلیل حصہ میں مسجد اقصیٰ کی سیر کی۔ جب اتنے سفر کی صداقت ثابت ہو گئی تو بقیہ واقعات کی صداقت خود بخود عیاں ہو جائے گی۔“

ایک قول یہ ہے تاکہ آپ ﷺ کی معراج بالکل سیدھی ہو۔ کیونکہ حضرت کعب بن لؤی سے روایت ہے کہ آسمان کا ایک دروازہ جسے مصعد الملائکہ کہا جاتا ہے وہ بیت المقدس کے مقابلہ میں ہے۔ آسمان اس سرزمین سے اٹھارہ میل قریب ہے۔ الحافظ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: "اس میں اعتراض کی گنجائش ہے" ایک قول یہ ہے تاکہ آپ ﷺ دونوں قبلوں کو جمع کریں کیونکہ اکثر انبیائے کرام نے بیت المقدس کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ کو بھی اس کی طرف جانے کا سفر حاصل ہو جائے تاکہ فضائل کے سارے اسباب جمع ہو جائیں۔ ایک قول کے مطابق یہ حشر کی جگہ ہے۔ رب تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آپ کے قدیم شریفین وہاں بھی لگ جائیں۔ تاکہ ان قدیم شریفین کی برکت سے آپ کی امت پر روز حشر آسان ہو جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آپ کو وہ قبلہ دکھادے جس کی طرف مدت تک آپ رخ انور کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ جس طرح کہ آپ اس خانہ کعبہ کو جانتے تھے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ارواح انبیاء علیہم السلام کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ انہیں آپ کی زیارت سے مشرف فرمائے۔ ایک قول یہ ہے تاکہ اسے حسا اور معنی برکت حاصل ہو جائے۔

ابن دجیت نے لکھا ہے "یہ احتمال بھی ہے کہ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو کہ اس سرزمین کو آپ کے قدیم شریفین کی برکت سے مشرف فرمادے۔ تاکہ حضور اکرم ﷺ کی نماز کی برکت سے اس کی تقدیس مکمل ہو جائے۔ جب اس کی تقدیس مکمل ہو گئی تو آپ نے فرمایا: "زیارت اور تعظیم کے لیے صرف تین مساجد کی طرف منہ کرنا شرعاً روا ہے۔"

❖ مسجد حرام۔ کیونکہ یہ آپ کی ولادت گاہ ہے۔ اسی جگہ سے آپ کے سراقدس پر نبوت کا تاج سجایا گیا ہے۔

❖ مسجد نبوی۔ یہ آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ آپ کا روضہ انور اسی جگہ ہے۔

❖ مسجد اقصیٰ۔ کیونکہ یہ آپ کی معراج کی جگہ ہے۔

رموز الکنوز میں ہے: "اگر کوئی یوں کہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں تھیں۔ رب تعالیٰ نے اہل ایمان کو آسمان کی طرف جانے کے بارے میں نہ بتا دیا؟ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں تاکہ وہ ایمان کی سمت استدراجاً (آہستہ آہستہ) بڑھیں۔ پہلے اسراء کا تذکرہ کیا۔ جب آپ کی صداقت کی علامات عیاں ہو گئیں۔ آپ کی رسالت کے دلائل سچ ثابت ہو گئے۔ وہ اس معجزہ سے مانوس ہو گئے تو انہیں اس معجزہ سے آگاہ فرمایا جو اس معجزہ سے بڑا تھا۔ یعنی آپ کی معراج۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے بارے بتایا۔ اللہ رب العزت نے سورۃ النجم نازل کی۔

امام رازی اور برہان نے لکھا ہے "الی" کا کلمہ غایت کی انتہاء کے لیے ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان "الی المسجید الاقصا" کا مدلول یہ ہے کہ آپ مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے تھے۔ اس میں یہ مدلول نہیں کہ آپ اس کے اندر

بھی تشریف لے گئے تھے۔“

میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ محققین نے لکھا ہے جب ”الی“ اتہائے غایت کے لیے ہو اور قرینہ تقاضا کرے کہ مابعد میں داخل ہو گیا ہو گا تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ جیسے کوئی کہے ”قرأت القرآن من اولہ الی آخرہ“ آخر کا ذکر اس جگہ قرینہ ہے کیونکہ اسے غایت بنایا گیا ہے۔ ایک قول کے مطابق قرینہ یہ ہے کہ سارے قرآن پاک کے حفظ کی وجہ سے کلام مسبوق ہے۔ یہ امر غایت کے خروج کے منافی ہے۔ لہذا دخول کا تعین ہو گیا۔ یا قرینہ مابعد کے خروج پر دلالت کرے گا تو اس پر بھی عمل کیا جائے گا۔ جیسے

اَتَمُّوْا الصِّيَامَ اِلَى الْبَيْتِ ۝ (البقرہ: ۱۸۱)

ترجمہ: ”پھر پورا کرو روزہ کورات تک۔“

اسراء کی آیت میں قرینہ یہ علم ہے کہ شاید آپ بیت المقدس کی طرف سیر نہ کرائی گئی ہو۔ شاید آپ اس کے اندر تشریف نہ لے گئے ہوں۔ لیکن صحیح احادیث میں صراحت ہے کہ آپ بیت المقدس میں تشریف لے گئے تھے۔

بار کننا حوالہ پر بحث

امام راغب علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ برکت سے مراد کسی چیز میں عمیر الہی کا ثبوت ہے اور مبارک وہ ہوتا ہے جس میں خیر ہو۔ ”المصباح میں ہے البرکۃ سے مراد نمو اور زیادتی ہے۔ مبارک دراصل مبارک فیہ ہے۔“ ”النموذج میں ہے“ اگر کہا جائے کہ رب تعالیٰ نے کیسے فرمایا: ”بار کننا حوالہ“ لیکن ”بار کننا علیہ یافیہ“ نہیں فرمایا۔ جبکہ مسجد کے اندر برکت اس کے ارد گرد کی برکت سے زیادہ ہوتی ہے۔ خصوصاً مسجد اقصیٰ میں، ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس سے مراد دنیاوی برکات جیسے روال نہریں اور ثمر آور درخت۔ یہ برکات مسجد کے ارد گرد ہیں۔ اس کے اندر نہیں ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دینی برکات ہیں۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقرر تھا۔ یہ ان کی عبادت گاہ اور وحی اور ملائکہ کے نزول کی جگہ ہے۔ رب تعالیٰ نے بار کننا حوالہ فرمایا تاکہ اس کی برکت عام ہو جائے۔ اس سے مراد مسجد اقصیٰ کے ارد گرد وہ امور ہیں جو سر زمین شام اور اس کے ارد گرد ہیں۔ یہ بیت المقدس کے رقبہ سے زیادہ ہیں یا گویا کہ بیت المقدس اصل ہے۔ رب تعالیٰ نے جب اس کے ارد گرد برکات رکھ دیں ہیں تو اس کے اندر بدرجہ اولیٰ برکات ہوں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دینی اور دنیاوی برکات ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ برکات ہیں جو اس سے پھوٹی ہیں پھر ساری روئے زمین میں پھیل جاتی ہیں۔ کیونکہ زمین کی ساری نہروں کا منبع بیت المقدس کی چٹان کے نیچے ہے۔

الکفیل میں ہے "اگر کہا جائے کہ مسجد اقصیٰ کے ارد گرد برکت ہے تو پھر مسجد حرام اس سے ممتاز کیسے ہوگی؟ میں کہتا ہوں "مسجد اقصیٰ کے ارد گرد برکات دنیا، شادابی اور سبزہ کے اعتبار سے ہیں۔ جبکہ مسجد حرام کے ارد گرد برکات دین، فضل، اس میں طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور اس کی زیارت کرنے والوں کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا دینے کے اعتبار سے ہیں۔ کیونکہ اجر تھکاوٹ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یہ بے آب و گیاہ وادی ہے۔ رب تعالیٰ نے اسے دنیاوی شادابی اور وسعت سے منزہ فرمایا ہے۔ تاکہ اس کی طرف قصد دنیا کے قصد کے ساتھ نہ ملا ہو۔ یہ دینی برکت ان دنیاوی برکات سے افضل ہے۔"

لِنُرِيَهُ مِنْ اَيْتِنَا

اسمیں اور ابن عادل نے لکھا ہے کہ عام قراء نے اسے زیر پڑھا ہے۔ انہوں نے بار کنا کا اعتبار کیا ہے۔ اس میں غائب سے التفات ہے۔ یعنی اسریٰ بعبدہ (غائب) سے بار کنا، نوریہ (متکلم) کی طرف التفات ہے۔ حسن نے اسے لیبریہ پڑھا ہے۔ اس قرأت کے اعتبار سے اس میں چار التفات ہوں گے۔ پہلا التفات غائب سے متکلم کی طرف پھر متکلم سے غائب کی طرف اور پھر غائب کی طرف التفات ہے۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے "التفات بلاغت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔"

الطیبی نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کا فرمان "سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ" یہ آپ ﷺ کی عالم شہادت سے عالم غیب کی سیر پر دلالت کرتا ہے۔ یہ غائب کے ہی مناسب ہے "الَّذِیْ بَرَّ کُنَّا حَوْلَہٗ" برکات کے انزال منزل کی عظیم شان پر دلالت کرتا ہے۔ یہ تعظیم کے زیادہ مناسب ہے۔ لنوریہ یہ مقام سر اور اس عالم سے غائب ہونے کا اعادہ ہے۔ اس لیے یہاں غائب ذکر کرنا ہی مناسب ہے۔ من آیاتنا یہ گزشتہ امور کی تعظیم پر دلالت کرتا ہے۔ اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ آپ کے رفیع مقام، قریب اور رب تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وہ مجھ سے سنتا ہے وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔" غائب کی طرف التفات اس جگہ بہت مناسب ہے۔

روایت سے مراد وہ عجائب اور نشانیاں ہیں جو اس رات آپ کو دکھائی گئیں۔ جو رب تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ آپ ﷺ نے کیا۔

ابوشامہ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "اس جگہ من تبعیض کے لیے ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ نشانیاں حضور امام الانبیاء ﷺ نے ملاحظہ فرمائی تھیں۔ لیکن وہ علامات اور نشانیاں رب تعالیٰ کی ساری علامات، قدرتوں اور نشانیوں کے اعتبار سے بعض ہی تھیں۔ کسی چیز کی ظاہری علامت کو آیت کہا جاتا ہے۔ پھر اس کا غالب استعمال اس

امر پر ہونے لگا۔ جو رسل عظام علیہم السلام کی صداقت، معبود برحق اور کرامات اولیاء پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔
برہان میں ہے ”اگر کہا جائے کہ یہ آیت طیبہ دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بعض آیات ہی دکھائی
تھیں۔ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بارے فرمایا:

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - (الانعام: ۷۵)

ترجمہ: ”اور اسی طرح ہم نے دکھادی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔“

یہ فرمان اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ساری نشانیاں دکھائی تھیں۔ تو اس سے یہ ثابت ہوتا
ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معراج حضور نبی کریم ﷺ کی معراج سے افضل ہو۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں ”آسمانوں اور
زمینوں کی ملکوت بھی بعض نشانیاں بھی ہیں۔ یہ بھی مخصوص نشانیاں ہیں۔ بعض مطلق بعض مخصوص سے افضل ہے۔ کیونکہ مطلق کو
کامل کی طرف پھیرا جاسکتا ہے۔ اس کا مشہور جواب یہ بھی ہے کہ بعض آیات الہیہ آسمانوں اور زمین کے ملکوت سے افضل
ہیں۔“

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

اسمیں نے لکھا ہے کہ صحیح نظریہ یہ ہے کہ انہ میں ضمیر اللہ رب العزت کے لیے ہے۔ لطیبی نے لکھا ہے ”یہ بھی بعید
نہیں ہے کہ یہ ضمیر العبد کی طرف لوٹ رہی ہو۔ جیسے ابوالبقاء نے بعض علماء سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”وہ ذات
بارکات ہماری گفتگو سماعت کرنے والی ہے۔ ہماری ذات کو دیکھنے والی ہے۔ ضمیر الفعل کو درمیان میں لانا یہ اس احساس
کے لیے ہے کہ یہ عزت صرف اسی ذات والا کے ساتھ مختص ہے، شاید اس ضمیر میں جو جواز ہے وہ دونوں امور کی طرف اشارہ
ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ رب العزت کو دیکھا بھی اور اس کا کلام بھی سنا۔“

علامہ ماوردی نے لکھا ہے ”اس جگہ السميع اور البصير کو دو وجوہات کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے۔“

◆ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی ذات والا کا وصف بیان کیا۔ اگرچہ یہ ایسی صفات ہیں جو سارے احوال میں رب تعالیٰ
کی ذات کو لازم ہیں کیونکہ اسراء کی شب، رات کی تاریکی میں اپنے محبوب کریم ﷺ کی حفاظت اسی ذات نے کی
تھی۔ آپ کا اس میں نہ دیکھنا آپ کو نقصان نہیں دیتا۔ اس ذات والا نے اپنے عبد کریم ﷺ کی دعائیں سنیں اور
ہر التجاء کو شرف قبولیت سے نوازا۔

◆ جب آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”السميع“ وہ تصدیق یا تکذیب کو سن رہا ہے۔ البصير

جو کچھ آپ نے معراج کی رات کو کیا تھا۔ وہ رب تعالیٰ دیکھ رہا تھا۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے ”وہ ذات بابرکات حضور اکرم ﷺ کے فرامین کو سنتی ہے۔ البصیر وہ آپ کے افعال مبارکہ کو دیکھتی ہے۔ وہ ان کے خلوص اور تہذیب سے آگاہ ہے۔ اسی کے مطابق وہ آپ کو اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔“ علامہ الطیبی اور السکونی نے گرفت نہیں کی۔ صاحب الکفیل نے لکھا ہے ”اس جگہ رب تعالیٰ نے دو اوصاف السمع اور البصر کا تذکرہ کیا ہے یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ وہ ذات بابرکات خوب جانتی ہے کہ وہ اپنے رسالات اور کرامات کو کہاں رکھے۔ وہ اپنی نشانیوں کو دیکھ رہا ہے جیسے وہ ذات اعلم ہے اسی طرح وہ اسمع اور البصر بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ سن رہا ہے اسراء کی تصدیق کون کر رہا ہے اور تکذیب کرنے والے کو دیکھ رہا ہے۔“ انہوں نے علامہ زمخشری کا سابقہ کلام ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے ”اس کلام میں جزاء کے وجوب اور اس عقیدہ کی طرف اشارہ ہے کہ نبوت کے فضائل مکتسبہ ہیں۔“ اس عقیدہ سے اجتناب کرو۔

امام غزالی نے لکھا ہے: ”سمیع وہ ہوتا ہے جس کے ادراک سے کوئی مسموع نہ چھپ سکے خواہ وہ کتنا ہی مخفی ہو۔ وہ سز اور سرگوشی سن لیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی ادق اور مخفی چیز کو سن لیتا ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں سخت چٹان پر چلنے والی کالی چیوٹی کے چلنے کی آواز سن سکتا ہے۔ وہ کانوں اور سوراخوں کے بغیر سن لیتا ہے۔ اس کا سننا اس بات سے پاک ہے کہ واقعات اس کی طرف راہ پائیں۔ تم مسموعات کے تغیر سے سمع کی جتنی بھی پائی بیان کر لو کہ وہ کانوں اور آکے سے سنتا ہے تم یہ جان لو گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں سمع ایسے وصف سے عبارت ہے جس سے مسموعات کی صفات کے کمال منکشف ہوتے ہیں۔ جو اس مسئلہ میں دقت نظر سے غور و فکر نہیں کرتا وہ لازماً تشبیہ کے سمندر میں گر جاتا ہے۔ ہوشیار رہو۔ اسے دقیق نظر سے دیکھو۔“

انہوں نے فرمایا ہے ”اسی طرح بصیر وہ ذات ہوتی ہے جو دیکھتی ہے مشاہدہ کرتی ہے۔ زیر زمین بھی کوئی چیز اس سے نہیں چھپ سکتی۔ اس کا دیکھنا اس بات سے منزہ ہے کہ وہ پلکوں یا حلقہ سے ہو۔ وہ اس امر سے پاک ہے کہ صورتیں اور رنگ اس کی ذات میں منعکس ہوں جس طرح انسان کے آنکھ کے حلقہ میں اشیاء اور رنگ منعکس ہوتے ہیں۔ یہ تغیرات اور تاثیر حدت کا تقاضا کرتے ہیں۔ وہ ذات پاک اس سے منزہ ہے۔ اس ذات کے حق میں بصر اس وصف سے عبارت ہوگا جس سے مصنوعات کی صفات کا کمال عیاں ہوتا ہے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



سورۃ النجم کی تفسیر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝۳ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝۴ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝۵ ذُو مِرَّةٍ ۝۶ فَاسْتَوَىٰ ۝۷ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝۸ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝۹ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝۱۰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝۱۱ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝۱۲ أَفَتُحَرِّفُونَ عَلٰی مَا يَرَىٰ ۝۱۳ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝۱۴ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝۱۵ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝۱۶ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝۱۷ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝۱۸ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝۱۹ (النجم: ۱-۱۹)

ترجمہ: ”قسم ہے اس تابندہ ستارے کی جب وہ نیچے اترتا تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے بڑے دانانے۔ پھر اس نے بلندیوں کا قصد کیا اور وہ سب سے اونچے کنارہ پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے) کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا نہ درماندہ ہوئی چشم مصطفیٰ اور نہ (حد ادب) سے آگے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“

اس کے نزول کا سبب

اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ مشرکین نے بگو اس کیا حضور نبی کریم ﷺ قرآن پاک خود گھڑ لیتے ہیں۔

ما قبل سے مناسبت

امام رازی اور برہان السننی نے فرمایا ہے: ”کہا گیا ہے کہ اس سے سابقہ سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی قسمیں اٹھائیں ہیں۔ حروف کی قسمیں نہیں۔ جیسے کہ سورۃ الصافات، سورۃ الذاریات اور سورۃ الطور اور یہ سورت مبارکہ۔ پہلی سورت میں قسم وعدانیت کے اثبات کے لیے ہے۔ جیسے فرمایا:

إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۳﴾ (الصافات: ۳)

ترجمہ: ”تمہارا معبود ایک ہی ہے۔“

دوسری سورت میں وقوع حشر اور جزاء کے لیے قسم اٹھائی۔ جیسے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا تُوْعَدُونَ لَصَادِقٍ ﴿۵﴾ وَإِنَّ الدَّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ (الذاریات: ۵، ۶)

ترجمہ: ”بیشک جو وعدہ تم سے کیا گیا وہ سچا ہے اور یقیناً سزا کا دن ضرور آئے گا۔“

تیسری آیت طیبہ میں حشر کے وقوع کے بعد عذاب کی ہمیشگی کے لیے قسم اٹھائی۔ فرمایا:

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ مَّا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾ (الطور: ۸، ۷)

ترجمہ: ”یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔“

اس سورت مبارکہ میں بیان نبوت کے لیے قسم اٹھائی۔ فرمایا: وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿۱﴾ (النجم: ۱)

تاکہ وعدانیت، حشر اور نبوت کے تینوں اصول مکمل ہو سکیں۔ اس کی ما قبل کے ساتھ مناسبت کا ایک اور سبب بھی

بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کفار نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سرکشی اور بغاوت کی حد کر دی۔ اور آپ کے کلام مبارک پر طعن

کیا جیسے کہ اس سورت میں گزر چکا ہے اس سورت میں وہ چیز بیان کی جو آپ کے دعویٰ کی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ آپ

کے کلام مبارک کی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ اسے قسم کے ساتھ مؤکد کر کے بیان کیا۔

اس سے ما بعد سورتوں کے ساتھ اس کی مناسبت کئی اعتبار سے ہے:

۱- اس سورت کا اختتام اور اس سورت کا آغاز النجم سے کیا۔

۲- اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو صبر کا حکم دیا۔ فرمایا:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ - (الطور: ۳۸)

ترجمہ: ”اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے۔“

صبر ایک مشکل کام ہے۔ اس سورت کی ابتداء میں وہ امر ذکر کر دیا جو آپ کی عظیم شان اور رفیع منزلت پر دلالت کرتا ہے۔ تاکہ صبر کرنا آپ کے لیے آسان ہو جائے۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے فرمایا:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۳۹﴾ (الطور: ۳۹)

ترجمہ: ”اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور اس وقت بھی جب ستارے ڈوب رہے ہوں۔“

تو آپ ﷺ کے لیے عیاں ہو گیا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو عمدہ جزاء دی ہے۔ پھر فرمایا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿۴۰﴾ (النجم: ۴۰)

ترجمہ: ”تمہاری (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔“

شیخ نے اس کی مناسبت کی ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ سورۃ الطور میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی ذریت کا

تذکرہ کیا کہ وہ اپنے آباء کے ہمراہ ہوں گے۔ جبکہ اس سورت میں یہودیوں کی اولاد کا ذکر کیا۔ فرمایا:

هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ؕ (النجم: ۳۲)

ترجمہ: ”اس وقت سے تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی

ماؤں کے شکموں میں۔“

ابن المنذر اور ابن حبان نے حضرت ثابت بن حارث انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہودیوں کا چھوٹا بچہ

مرجاتا تو وہ اسے صدیق کہا کرتے تھے۔ آپ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ”یہودی جھوٹ بولتے ہیں جو بچہ بھی

رب تعالیٰ ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے وہ شقی یا سعید ہوتا ہے۔“ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ

نے مؤمنین کے حق میں فرمایا:

الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ؕ (الطور: ۲۱)

ترجمہ: ”اور ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کئی نہیں کریں ان کے عملوں کی جزاء میں ذرہ بھر۔“

یعنی ہم جو کچھ اولاد کو دیں گے اس کی وجہ سے ان کے آباء کے اعمال میں کئی نہیں کریں گے اس وقت کفار یا

کبیرہ گناہ کرنے والوں کے بارے کہا:

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿۳۹﴾ (النجم: ۳۹)

ترجمہ: ”اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔“

یہ اس امر کے برعکس ہے جو جوہوٹے اہل ایمان کے بارے فرمایا:

ابوحنیان نے لکھا ہے یہ سورت مبارکہ مکی ہے۔ ما قبل کے ساتھ اس کی مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۗ (الطور: ۳۳)

ترجمہ: ”کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔“

انہوں نے آپ کو شعر کی طرف منسوب کیا۔ کاہن کہا، مجنون کہا۔ رب تعالیٰ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ آپ گمراہ نہیں۔ کچھ آپ کے پاس آتا ہے وہ وحی الہی ہے۔ یہ پہلی سورت مبارکہ ہے۔ جسے حضور نبی اکرم ﷺ نے حرم پاک میں تلاوت کیا تھا۔ مشرکین نے اسے سنا تھا۔ آپ نے سجدہ کیا تو ایمان والوں، مشرکین اور جن و انس سب نے سجدہ کیا تھا۔ مگر ابولہب نے سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس نے مٹھی بھرٹی لی اور اپنی پیشانی کی طرف لے گیا۔ اس نے کہا: ”یہ کافی ہے“ میں کہتا ہوں ”اس سجدہ ابولہب کا ذکر عجیب ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ سورت جس میں سجدہ تھا وہ انجم تھی۔ حضور ﷺ نے سجدہ کیا سارے لوگوں نے سجدہ کیا۔ مگر ایک شخص نے سجدہ نہ کیا۔ میں اسے دیکھا اس نے مٹھی بھرٹی لی اس پر سجدہ کیا۔ میں نے اسے دیکھا کہ اس حالت کفر میں مارا گیا وہ امیہ بن خلف تھا۔ مرویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سورۃ انجم میں سجدہ کیا۔ اس وقت جن و انس اور درختوں نے سجدہ کیا۔ ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے ”مگر دو افراد نے سجدہ نہ کیا۔ ان میں سے ایک امیہ بن خلف اور دوسرا بن مغیرہ تھا۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سجدہ کیا۔ آپ کے مسلمانوں، مشرکین اور جن و انس نے سجدہ کیا۔“

قسم پر بحث

حضرت شیخ نے الاتقان میں فرمایا ہے: ”کہا جاتا ہے کہ رب تعالیٰ کا قسم اٹھانے کا مفہوم کیا ہے۔ اگر وہ اہل ایمان کے لیے ہو تو وہ تو قسم کے بغیر خبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگر وہ کافر کے لیے ہو تو اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ قرآن پاک لغت عرب کے مطابق نازل ہوا۔ جب وہ تاکید کرنے کا ارادہ کرتے تھے۔ وہ قسمیں اٹھا لیتے تھے۔“ حضرت ابوالقاسم القشیری نے اس کا جواب یہ دیا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے کمال حجت اور تاکید کے لیے قسمیں اٹھائیں۔ کی وجہ یہ ہے کہ دو افراد کے مابین فیصلہ یا تو گواہی سے ہوتا ہے یا قسم سے۔ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں دو اذکار تذکرہ کیا تاکہ کفار کے لیے حجت باقی نہ رہے۔ فرمایا:

شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَالْمَلِكُ وَالْعَلِيمُ - (آل عمران: ۱۸)

ترجمہ: ”شہادت دی اس نے کہ بے شک کوئی خدا نہیں سوائے اس کے اور (یہ گواہی دی) فرشتوں اور اہل علم نے۔“

قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقُّ ۗ (یونس: ۵۳)

ترجمہ: ”آپ فرمائیے ہاں! بخدا یہ سچ ہے۔“

ایک اعرابی نے جب رب تعالیٰ کا یہ فرمان سنا:

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۳﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقُّ - (الذاریات: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: ”اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے۔“

وہ چیخ اٹھا۔ اس نے کہا: ”اس جلیل کو کس نے ناراض کر دیا حتیٰ کہ اس نے قسم اٹھا دی۔“ قسم معظم نام کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ کبھی رب تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھائی۔ قرآن پاک میں ایسے سات مقامات ہیں۔

قُلْ إِي وَرَبِّي - (یونس: ۵۳)

ترجمہ: ”آپ فرمائیے ہاں قسم بخدا۔“

قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ - (التغابن: ۷)

ترجمہ: ”فرمائیے کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا۔“

فَوَرَبِّكَ لَنَعْصُرَنَّ نَهُمُ وَالشَّيْطَانِ - (مریم: ۶۸)

ترجمہ: ”اے محبوب! تیرے رب کی قسم ہم جمع کریں گے انہیں بھی اور شیطانوں کو بھی۔“

فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹۲﴾ (الحجر: ۹۲)

ترجمہ: ”پس آپ کے رب کی قسم ہم پوچھیں گے ان سب سے۔“

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ - (النساء: ۶۵)

ترجمہ: ”(اے مصطفیٰ!) تیرے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے۔“

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ - (المعارج: ۳۰)

ترجمہ: ”پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔“

باقی ساری قسمیں مخلوقات کی ہیں۔ مگر کہا جائے کہ رب تعالیٰ نے مخلوق کی کیسے قسم کھائی حالانکہ مخلوق کی قسم اٹھانے سے

منع کیا گیا ہے؟ ہم اس کا جواب کئی اعتبار سے دیتے ہیں:

اس کا مضاف حذف ہے یہ دراصل وَرَبِّ النِّجْمِ تھا۔

اہل عرب ان اشیاء کی تعظیم کرتے تھے۔ ان کی قسمیں اٹھاتے تھے قرآن پاک اسی پر نازل ہوا جسے وہ جانتے تھے۔

قسم ان اشیاء کی اٹھائی جاتی ہے۔ قسم اٹھانے والا جنہیں عظیم سمجھتا ہے اور وہ انہیں عظیم سمجھتا ہے۔ رب تعالیٰ سے تو

عظیم کوئی چیز نہیں۔ اس لیے اس نے کبھی اپنی ذات کی قسم اٹھائی اور کبھی اپنی پیدہ کردہ اشیاء کی کیونکہ یہ اسی کی

قدرت پر دلالت کرتی تھیں۔

ابن ابی الاصبیح نے اپنی کتاب "اسرار الفواحش" میں لکھا ہے "مصنوعات کی قسم صانع کی قسم کو مستلزم ہے کیونکہ مفعول کا

ذکر فاعل کے ذکر کو مستلزم ہے کیونکہ مفعول کا وجود فاعل کے بغیر محال ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے جس کے ساتھ چاہا۔ قسم اٹھا دی لیکن کسی

اور کے لیے روا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم اٹھائے۔ قسم یا ظاہری ہوتی ہے یا مضمرا۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

◆ جس قسم پر لام دلالت کرتی ہے جیسے:

لَتُبْلَوْنَ فِيْ أَمْوَالِكُمْ۔ (آل عمران: ۱۸۶)

ترجمہ: "یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے۔"

◆ جس قسم پر معنی دلالت کرتا ہے جیسے:

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (مریم: ۷۱)

ترجمہ: "اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا۔"

یہاں واللہ مقدر ہے۔

قرآن پاک میں اکثر قسموں کا فعل مخذوف ہے۔ ایسی قسمیں واؤ کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اگر یہ باء کے ساتھ ہوں تو فعل

کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جیسے:

وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ۔ (الانعام: ۱۰۹)

ترجمہ: "اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی۔"

يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ۔ (النساء: ۶۲)

ترجمہ: ”وہ قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی۔“

تم باء کے ساتھ قسم فعل کے حذف کے ساتھ نہیں دیکھو گے۔ جس نے باللہ کو قسم کہا اس نے خطا کی ہے۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان: ۱۳)

ترجمہ: ”یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔“

بِمَا عٰهَدَا۟ عِنْدَكَ ۙ (الاعراف: ۱۳۴)

ترجمہ: ”اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔“

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيۡ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيۡ ۚ بِحَقِّيۡ ۗ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ

عَلِمْتَهُ ۗ (المائدہ: ۱۱۶)

ترجمہ: ”وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا مجھے کوئی

حق نہیں اور اگر میں نے کبھی ہوتی ایسی بات تو ضرور جانتا اس کو۔“

ابن قیم نے لکھا ہے: ”اللہ رب العزت کچھ امور پر کچھ امور کے ساتھ قسم اٹھاتا ہے۔ وہ اپنے ذات کریمانہ کی

صفات کے ساتھ اور ان آیات کی قسم اٹھاتا ہے جو اس کی ذات اور صفات کو مستلزم ہیں۔ اس کی اپنی بعض مخلوق کی قسم اٹھانا

اس امر کی دلیل ہے کہ وہ چیز اس کی عظیم نشانی ہے۔ قسم یا تو جملہ خبریہ پر ہوگی۔ یہ قسم کثیر ہے جیسے رب تعالیٰ کا یہ فرمان:

فَوَرَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهُ لَحَقُّ ۙ (الذاریات: ۲۳)

ترجمہ: ”پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے۔“

یا قسم جملہ طلبیہ پر ہوگی۔ جیسے رب تعالیٰ کا یہ فرمان:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ (الحجر: ۹۲، ۹۳)

ترجمہ: ”پس آپ کے رب کی قسم ہم پوچھیں گے ان سب سے اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے۔“

اس قسم سے کبھی مقسم علیہ کی تحقیق کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اس وقت اس کا تعلق خبر کے ساتھ ہوگا۔ کبھی قسم کی تحقیق مراد

ہوتی ہے۔ قسم سے مراد مقسم علیہ کی تاکید اور تحقیق مراد ہوتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس کا تعلق ایسے امور سے ہو جو عمدہ

ہوں۔ جیسے غائب اور خفیہ امور۔ جبکہ ان کے ثبوت پر قسم اٹھائی جائے یا وہ امور مشہور اور ظاہر ہوں جیسے سورج، چاند، رات،

دن، آسمان اور زمین۔ اس لیے ان کے ذریعہ قسم اٹھائی جاتی ہے۔ ان پر قسم نہیں اٹھائی جاتی۔ جس چیز کی رب تعالیٰ قسم

اٹھاتا ہے وہ اس کی نشانیوں میں سے ہوتی ہے۔ روا ہے کہ وہ مقسم بہ ہو۔ لیکن اس کے برعکس نہیں ہو سکتا۔

امام رازی نے لکھا ہے: "بعض سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے جمع سے قسم اٹھائی ہے۔ جیسے والذاریات: بعض میں واحد کے ساتھ قسم اٹھائی ہے جیسے والطور۔ اس نے "والاطوار والبحار" نہیں فرمایا۔ اس میں گفتگویہ ہے کہ وہ اکثر جمع جن کی قسم رب تعالیٰ نے اٹھائی ہے متحرکات ہیں۔ واحد ہو ایک جگہ قائم اور ثابت نہیں ہوتی کہ اس پر قسم واقع ہو سکے۔ بلکہ اس کی کئی اقسام ہیں۔ یہ اپنی انواع سے بدلتی رہتی ہے۔ اس کا مقصود ہی تغیر و تبدل سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس نے والذاریات فرمایا۔ یہ ایک مستقل نوع کی طرف اشارہ ہے۔ غیر مستقل فرد کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ جبکہ پہاڑ ثابت ہوتا ہے اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ ایک پہاڑ طویل عرصہ تک ایک جگہ برقرار رہتا ہے۔ اس لیے اس کی قسم اٹھائی۔ اس طرح ایک ستارے کی قسم اٹھائی۔ اگر وہ "والریح" کہتا تو مقسم یہ کا علم نہ ہو سکتا۔ جبکہ پہاڑ کا علم ہوتا ہے۔ وہ سورتیں جن کا آغاز حروف کو چھوڑ کر اسماء کی قسمیں اٹھا کر کیا گیا ہے تو اس میں قسم اصول ثلاثہ میں سے کسی ایک کے اثبات کے لیے ہے۔ وہ اصول (۱) وحدانیت، (۲) رسالت، (۳) حشر ہیں۔ ایمان انہی کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں میں سے صرف ایک سورت میں وحدانیت کے اثبات کے لیے قسم اٹھائی ہے۔ وہ سورۃ الصافات ہے۔ اس میں فرمایا:

إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۱﴾ (الصافات: ۳)

ترجمہ: "کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔"

کیونکہ کفار اگرچہ کہتے تھے کہ آپ نے مختلف معبودان کو ایک خدا بنا دیا ہے۔ وہ شرک میں مبالغہ کرتے تھے لیکن وہ مختلف حالات اور واقعات میں توحید کی صراحت بھی کرتے تھے وہ کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ۗ (الزمر: ۳)

ترجمہ: "ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اس کا مقرب بنا دیں۔"

وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ

اللَّهُ ۗ (العنكبوت: ۶۱)

ترجمہ: "اور اے حبیب اگر آپ پوچھیں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار

بنا دیا ہے سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔"

وہ حقیقت میں مبالغہ نہیں کرتے تھے۔ انکار مطلوب اول تھا۔ لہذا صرف دلیل پر اکتفاء کیا لہذا ان دونوں سورتوں میں زیادہ قسمیں نہیں اٹھائیں۔ بلکہ حضور ﷺ کی صداقت کے اثبات کے لیے قسم اٹھائی۔ آپ کے رسول ہونے پر ایک سورت میں ایک قسم اٹھائی۔ فرمایا:

وَالْتَجَمِ إِذَا هَوَىٰ ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝۲ (النجم: ۱، ۲)

ترجمہ: ”قسم ہے اس ستارے کی جب وہ نیچے اترے تمہارا ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔“

دوسری سورت میں دو قسمیں اٹھائیں۔ فرمایا:

وَالضُّحَىٰ ۝۱ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝۳ (الضحیٰ: ۱، ۲، ۳)

ترجمہ: ”قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی۔ جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔ نہ آپ کے رب نے آپ کو

چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا۔“

آپ کی رسالت کے اثبات کے لیے اللہ تعالیٰ نے حروف اور قرآنِ کریم کی بہت سی قسمیں اٹھائیں ہیں۔ ارشاد فرمایا:

يَس ۝۱ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝۲ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝۳ (یسین: ۱، ۲، ۳)

ترجمہ: ”اے سید! قسم ہے قرآنِ حکیم کی۔ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔“

ہم نے اس کی تفسیر میں یہ تذکرہ کیا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرآن مجید حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی تاکہ قسم میں دلیل کی طرف اشارہ ہو جائے۔ جبکہ بقیہ سورتوں میں مقسم علیہ حشر اور جزاء ہیں تاکہ کفار کا انکار حد سے خارج ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ سورتوں میں جمع مؤنث سالم کی قسمیں اٹھائیں۔ جمع مذکر سالم کی قسم کسی سورت میں نہیں کھائی۔ ارشاد فرمایا: وَالصّافات۔ (الصافات: ۱) والذاریات۔ (الذاریات: ۱) رب تعالیٰ یوں نہیں فرمایا: ”وَالصالحین من عبادی“ نہ ہی مقربین کی قسم اٹھائی حالانکہ مذکر مؤنث سے افضل ہوتا ہے کیونکہ واؤ اور نون کے ساتھ جمع غالباً ذوالعقول کی ہوتی ہے۔

ہم نے یہ بھی تذکرہ کر دیا ہے کہ ان اشیاء کی قسمیں اٹھانا صرف ایک صورت میں ہوتا ہے جس میں امر ظاہر ہو۔ اور کفار کی طرف سے اعتراف (توحید) بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن رسالت کے لیے معاملہ یوں نہیں ہوتا کیونکہ اس سورت میں اس کا حصول ہوتا ہے جس میں حروف اور قرآن پاک کی قسمیں اٹھائی جاتی ہیں۔ حشر اور جزاء کے اثبات کا حصول باقی رہا لیکن حشر کا اثبات اس لیے ہے تاکہ صالح کو ثواب اور سرکش کو عذاب دیا جائے۔ اس کا فائدہ ذوالعقول کو ہوتا ہے۔ لہذا لازم ہے کہ قسم ان کے علاوہ کسی اور چیز کی اٹھائی جائے وہ سورتیں جن میں وحدانیت کے اثبات کے لیے قسمیں اٹھائی جاتی ہیں تو ان میں پہلے ساکنات کی قسمیں اٹھائیں۔ فرمایا: ”والصافات“ جبکہ بقیہ چار سورتوں میں متحرکات کی قسمیں اٹھائیں۔ فرمایا: ”والذاریات، والمرسلات، والنازعات والنادیات“ کیونکہ حشر میں جمع ہونا اور منتشر ہونا ہوتا ہے۔ یہ حرکت کے زیادہ مناسب ہے۔ چار سورتوں میں ہواؤں کی قسمیں اٹھائیں جو کہ واضح ہے۔ یہ جمع ہوتی اور منتشر ہوتی ہیں۔ وہ ذات والا

جو مختلف ہواؤں کے ذریعے بکھرے بادل کو اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔ وہ ان طریقوں میں سے کسی طریقہ سے متفرق اجزاء کو بھی جمع کرنے پر قادر ہے۔ جسے اس کی مشیت پسند کرے۔“

امام رازی نے ایک اور جگہ میں لکھا ہے: ”رب تعالیٰ نے نہ تو وحدانیت پر اور نہ ہی نبوت پر زیادہ قسمیں اٹھائی ہیں۔ سورۃ الصافات میں رب تعالیٰ نے وحدانیت پر قسم اٹھائی۔ نبوت پر اس سورت میں صرف ایک امر کے ساتھ قسم اٹھائی۔ واضحی میں دو امر کے ساتھ قسمیں اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین حشر کے بارے میں ہیں۔“

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ① (اللیل: ۱)

ترجمہ: ”قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے۔“

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ① (الشمس: ۱)

ترجمہ: ”قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی۔“

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ① (البروج: ۱)

ترجمہ: ”قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔“

یہ ساری قسمیں حشر کے بارے میں ہیں۔ کیونکہ توحید کے دلائل کثیر ہیں۔ یہ سارے عقلی ہیں۔ جیسے کہا گیا ہے:

و فِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهِ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَىٰ أَنَّهُ وَاحِدٌ

ترجمہ: ”ہر چیز میں اس کے لیے ایک نشانی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ واحد ہے۔“

اسی طرح نبوت کے بھی بہت سے دلائل ہیں۔ یہ متواتر مشہور معجزات ہیں جبکہ حشر کا امکان عقل سے ثابت ہوتا ہے یہ ظاہر ہے۔ لیکن اس کے وقوع کے امکان صرف سماعت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بارے رب تعالیٰ نے بہت سی قسمیں اٹھائیں تاکہ انسان کو اس پر پورا یقین ہو سکے۔

انجم پر بحث

صاحب القاموس نے لکھا ہے: ”المطلع میں ہے کہ طلوع ہونے والے تارے کو انجم کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع انجم، انجم، نجوم اور نجم ہوتی ہے۔ الشریا کہکشاں کو بھی انجم کہا جاتا ہے۔ ایسی جڑی بوٹی کو بھی نجم کہا جاتا ہے جو تنے کو بغیر ہو۔ اسی طرح مقررہ وقت کو بھی نجم کہا جاتا ہے۔“

ابن عادل نے اللباب میں لکھا ہے ”تارے کو اس کے طلوع کی وجہ سے انجم کہا جاتا ہے طلوع ہونے والے ہر

تارے کو نجم کہا جاتا ہے اسی طرح ”نجم السن والقرن والنبت“ کہا جاتا ہے۔ امام قرطبی نے یہ اضافہ کیا ہے۔ نجم فلان ببلد فلان نے سلطان کے خلاف بغاوت کی ہے۔

ابن القیم نے لکھا ہے ”لوگوں میں اختلاف ہے کہ نجم سے کیا مراد ہے؟ طلحی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد قرآن پاک کی قسم اٹھانا ہے کیونکہ وہ تھوڑا تھوڑا حضور ﷺ پر اترتا تھا۔ کبھی تین آیات اور کبھی چار آیات اور کبھی ایک سورت اترتی تھی۔ اس طرح بیس سال میں مکمل نازل ہوا۔ یہ عطاء، مقاتل، ضحاک، مجاہد اور فراء کا قول ہے۔ اس قول کے مطابق ہوتی سے مراد ہندی سے نیچے نزول ہوگا۔ اس اعتبار سے قرآن پاک کو اس لیے نجم کہا جاتا ہے کیونکہ یہ متفرق طور پر نازل ہوا۔ اہل عرب تفرق کو نجم اور متفرق کو نجم کہا کرتے ہیں۔ نجوم الکتابت سے مراد اس کی اقسام ہیں۔ کہا جاتا ہے ”جعلت مالی علی فلان نجوم ما منجّمة کل نجم کذا و کذا“ اس سے مراد قرض کی اقسام ہیں۔ اس کی اصل یہ ہے کہ اہل عرب چاند کی منازل کے مطالع بناتے تھے پھر قرض کے لیے اپنی اقسام کو ان کے مطابق مقرر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے ”جب ثریا ستارہ طلوع ہو گیا تو تم پر یہ حلال ہے۔“ پھر ہر قسط کو متفرق کر دیا جاتا ہے۔ خواہ اسے طلوع نجم کے ساتھ مختص نہ بھی کیا جائے۔“

امام رازی نے لکھا ہے ”اس قسم میں حضور ﷺ کے معجزات کے بارے استدلال ہے آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔“

نِسْ ۱ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۲ اِنَّکَ لَیْمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۳ (یسین: ۳۲۱)

ترجمہ: ”اے سید! قسم ہے قرآن حکیم کی بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں یقیناً آپ راہِ راست پر ہیں۔“

علی بن ابی طلحہ اور عطیہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد ثریا ستارہ ہے۔ جب وہ گرے اور غائب ہو جائے۔ اس صورت میں ہوی کا معنی اس کا غائب ہونا ہوگا۔ یہ مجاہد سے دوسری روایت ہے۔ اہل عرب نجم بول کر ثریا مراد لیتے تھے۔ شاعر نے کہا:

اذا طلع النجم عشاء اتبعی الراعی کساء

ترجمہ: ”جب عشاء کے وقت ثریا ستارہ طلوع ہو تو نگران نے چادر کا تقاضا کیا۔“

حدیث پاک ہے: ”جب بھی نجم (ثریا) طلوع ہو اور زمین میں کوئی و باء ہو تو اسے اٹھا لیا جاتا ہے۔“ (امام احمد)

اس قول کو ابن جریر اور زحشری نے پسند کیا ہے۔ السمین نے کہا ہے ”یہ صحیح موقف ہے کیونکہ یہ غلبہ کی وجہ سے علم بن گیا ہے۔ عمر بن ابی ربیعہ کا شعر ہے۔“

والثریا فی الارض زین النساء

احسن النجم فی السماء الثریا

ترجمہ: ”آسمان کا سب سے خوبصورت ستارہ ثریا ہے اور زمین میں ثریا عورتوں کے لیے زینت ہے۔“

امام رازی نے لکھا ہے ”اس قول کی مناسبت یہ ہے کہ دیکھنے والے کو ثریا ستارہ سب سے واضح نظر آتا ہے کیونکہ اس کی علامت ہوتی ہے۔ یہ کسی اور ستارے کے ساتھ ملتبس نہیں ہوتا۔ ہر ایک کے لیے عیاں ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی ذات والا بھی واضح معجزات کی وجہ سے ہر ایک سے ممتاز ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی۔ جب ثریا ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے تو پھل چننے کا موسم قریب آجاتا ہے۔ جب یہ سردی یا گرمی میں طلوع ہوتا ہے تو امراض ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب آپ ﷺ کا ظہور ہوا تو شک اور امراض قلبیہ کم ہو گئیں حکمت کے پھل چننے جانے لگے۔ ابو حمزہ اور ثمالی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ستارے ہیں جو روزِ حشر بکھر جائیں گے۔ یا اس سے مراد الخضر ستارہ ہے۔ یا اس سے مراد ”الزہرہ“ ستارہ ہے۔ الاخش نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ جدی بوٹی ہے جس کا تانا نہیں ہوتا جیسے کہ ارشاد پاک ہے:

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَنِ ⑥ (الرحمن: ۶)

ترجمہ: ”اور آسمان کے ستارے اور (زمین) کے درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں۔“

اس صورت میں ہوی سے مراد اس کا گرنا ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے: ”اس سے مراد قوی جسمانیہ کی نشوونما اور ان کی اصلاح ہے۔ قوت عقلیہ اصلاح کی زیادہ مستحق ہے۔ یہ اصلاح رسل عظام سے ہی ممکن ہے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ پسندیدہ موقف یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ستارہ ہے جو آسمان پر ہوتا ہے کیونکہ سامع کے لیے یہ امر عیاں ہے۔“ اذہوی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اس سے مراد قرآن پاک اور پھر ثریا مراد ہے۔ ”حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات والا ہے۔ جب آپ شب معراج کو واپس تشریف لائے۔ ہوی سے مراد آپ کا واپس تشریف لانا ہے۔“

صاحب السراج رقم طراز ہیں۔ ”اس تفسیر نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ کیونکہ یہ تفسیر آپ کے ساتھ کئی وجوہات کی بناء پر مطابقت رکھتی ہے۔ آپ نجم ہدایت ہیں۔ اس رات میں آپ پر نماز فرض ہوئی۔ دین میں نماز کے ارفع مقام سے تم آگاہ ہو۔ آپ رات کے وقت آسمان اور زمین میں تاباں ہوئے۔ آپ انتہائی سرعت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ رات کے وقت تشریف لے گئے۔ یہ ستارے کے طلوع ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ صاحب بصارت پر یہ امور مخفی نہیں ہیں۔ لیکن ارباب بصیرت ان میں شک نہیں کرتے۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ“

مجاہد سے روایت ہے کہ اس سے آسمان کے سارے ستارے مراد ہیں۔ ابو عبیدہ نے اس قول کو یقین کے ساتھ کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ واحد بول کر جمع مراد لیا گیا ہے۔ جیسے شاعر کہتا ہے:

فبانث تعد النجم فی مستحیرة۔ اس مصرعہ میں النجم بمعنی النجوم ہے۔ ایک وجہ یہ ہے لیکن میں اہل تاویل میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے یہ قول کیا ہو۔ لیکن میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ حضرت مجاہد سے منقول یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔ اسے علامہ ماوردی نے حسن سے بھی نقل کیا ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں۔ ان کے مابین مناسبت یہ ہے کہ ستاروں سے راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے۔ اسی مناسبت اور مشابہت کی وجہ سے ان کی قسم اٹھائی گئی۔ حضرت عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے ”ان سے مراد وہ ستارے ہیں جو شیاطین کو اس وقت مارے جاتے ہیں جب وہ چوری چھپے خبریں سننے جاتے ہیں۔ یہ علامہ ماوردی کا قول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث کرنا چاہا تو آپ کی ولادت سے قبل بہت سے ستارے ٹوٹنے لگے۔ ان کی وجہ سے اکثر اہل عرب گھبرا گئے۔ وہ کاہن کے پاس گئے۔ وہ انہیں حوادث کے بارے بتاتا تھا۔ انہوں نے اس سے ان کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا: ”ذرا بارہ برجوں کو دیکھو۔ اگر ان میں ستارے ٹوٹ رہے ہیں تو دنیا کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اگر ان میں سے نہیں ٹوٹ رہے تو عنقریب ایک عظیم امر رونما ہوگا۔ اس کو تلاش کرو۔ جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو یہی وہ امر عظیم تھا اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ①

ترجمہ: ”قسم ہے اس تابندہ ستارے کی جب وہ نیچے اترے۔“

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ شہاب باری شیاطین کو اہل آسمان سے دور کرتے ہیں۔ جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام اہل زمین سے شیاطین کو دور کرتے ہیں۔“

ابن قیم نے لکھا ہے ”حضرت ابن عباس سے منقول روایت سارے اقوال سے اظہر ہے۔ رب تعالیٰ نے اس ظاہری اور واضح نشانی کی قسم اٹھائی جسے بطور علامت مقرر فرمایا۔ اس کے ذریعہ اپنی وحی کی حفاظت کی تاکہ شیاطین اسے چوری چپکے نہ سن سکیں۔ یہ امر پر دلیل ہے کہ حضور اکرم ﷺ جو کچھ لے کر تشریف لائے ہیں وہ حق ہے وہ سچ ہے۔ شیاطین کو اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔ بلکہ ستاروں کے ذریعے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس موقف کے مطابق مقسم یہ اور مقسم علیہ میں بہت زیادہ ربط پایا جاتا ہے۔ مقسم یہ میں مقسم علیہ کے لیے دلیل ہے۔ وہ ستارے جو شیاطین کو مارے جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ جس سے وہ اپنے دین اور وحی کی حفاظت کرتا ہے۔ ان آیات کی حفاظت کرتا ہے جو وہ

اپنے رسل عظام پر نازل کرتا ہے اس سے اس کا دین حق، شریعت مطہرہ، اسماء مبارکہ اور صفات مطہرہ کا اظہار ہوتا ہے۔ ان ستاروں کو جو نظر آتے ہیں۔ ان ہدایت دینے والے ستاروں کے لیے نگران اور خدمت گزار بنایا گیا۔ نزول قرآن کے وقت اسے نجم کہنا واضح نہیں۔ نہ ہی اس کے نزول کو ہوی کہنا درست ہے۔ نہ ہی قرآن پاک میں ایسا کچھ تذکرہ ہے کہ اس لفظ کو اس معنی پر محمول کیا جائے۔ نہ ہی یہ معنی واضح ہے کہ اس قسم کو ثریا کے ساتھ مختص کیا جائے جب وہ غائب ہو جائے نہ ہی یہ معنی واضح ہے کہ اس سے مراد روزِ حشر ستارے کا ٹوٹ جانا ہے بلکہ یہ ایسا امر ہے جس پر اللہ تعالیٰ قسم اٹھاتا ہے۔ اپنی نشانیوں سے ان کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ وہ اس چیز کے عدم ظہور کی وجہ سے مخاطبین کے لیے دلیل نہیں بناتا۔ خصوصاً جبکہ مخاطبین روزِ قیامت کے منکر ہوں۔ رب تعالیٰ ایسی چیز سے استدلال فرماتا ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کی مخالفت ممکن ہو۔ اس لیے ابن کثیر اور حسن کا موقف ظاہر ہے۔

ہوی کی وضاحت

السّمین نے لکھا ہے "اذا میں عامل یا تو مخذوف فعل قسم ہے اصل عبارت یوں ہوگی۔ اقسام بالنجم وقت ہویہ" لیکن ابوالبقاء وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ مشکل ہے فعل قسم انشاء ہے انشاء حال ہے۔ جبکہ "اذا" مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ یہ باہم کیسے مل سکتے ہیں؟ الطیبی نے المقبس سے نقل کیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب "اذا" سے مستقبل کا معنی لیا جائے تو صرف وقت کے لیے رہ جاتا ہے۔ جسے آتیک اذا احمرّ البسر، یعنی میں تمہارے پاس اس وقت آؤں گا جب کھجوریں سرخ ہو جائیں گی۔ اس سے استقبال کا معنی لے لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اس سے غیب ہونے کا وقت ہے" شیخ عبدالقادر نے لکھا ہے، جب رب تعالیٰ نے کسی متوقع امر کی خبر دی ہو تو وہ خبر واقع کی مانند ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں تکلف نہیں ہوتا۔ مستقبل محقق ماضی کی طرح ہوتا ہے۔ السّمین نے لکھا ہے "یا یہ مقدر ہوگا۔ یہ نجم سے حال ہوگا کیونکہ اس کی اس حالت کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ جب وہ گر رہا ہو۔ لیکن اس میں دو اعتبار سے مشکل ہے۔

◆ نجم ایک جسم ہے زمان اس سے حال نہیں بن سکتا۔ جیسے کہ اس کی خبر نہیں بن سکتا۔

◆ اذا مستقبل کے لیے ہوتا ہے وہ حال کیسے ہو سکتا ہے؟

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نجم سے مراد قرآن پاک کا ایک حصہ ہے۔ قرآن پاک بیس سال میں نازل ہوا۔ یہ حضرت ابن عباس وغیرہما کی تفسیر ہے۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ یہ مقدرہ حال ہے۔ اس کا عامل نجم کا وہ وجود ہے۔ قرآن پاک کی جو مراد ہے۔ یہ ابوالبقاء کا نظریہ ہے لیکن اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ قرآن پاک طرف میں عمل نہیں کرتا۔

جب اس سے مراد یہ ہو کہ یہ اس مخصوص کتاب کا علم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نجم منجم کے معنی میں ہے گویا کہ یوں کہا گیا:
"القرآن المنجم فی هذا الوقت"

المصباح میں ہے "هُوَى يَهْوَى" باب ضرب يضرب سے ہے۔ هُوَ يَأْسُ اس کا مصدر ہے ابن القوطية نے هُوَاءُ مصدر کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا معنی ہے بلندی سے نیچے آنا۔ شاعر نے کہا ہے:

فشبح بها إلا ما عزو وهو تهوى
هُوَى الدلو اسلمها الرشاء
هُوَى كَوْحٍ اور ضمہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

امام راغب نے لکھا ہے: "الهُوَى كَالْمَعْنَى هِيَ بِلَنْدَى سَے گرنا۔" پھر لکھا ہے الْهُوَى كَالْمَعْنَى هِيَ نِيچے گرنا جبکہ الْهُوَى كَالْمَعْنَى هِيَ بِلَنْدَى كِي طرف جانا۔ ایک قول یہ ہے لغت میں هُوَى كَالْمَقْصِدِ هِمِيشَ نِيچے كِي طرف هُوْتَا هِيَ۔ اگروہ قصد نہ کرے۔ اہل لغت نے لکھا ہے هُوَى يَهْوَى هُوِيًا كَالْمَعْنَى هِيَ بِلَنْدَى سَے گرنا۔ جبکہ هُوَى يَهْوَى هُوِيًا كَالْمَعْنَى هِيَ بِلَنْدَى هُونَا۔ امام قرطبي نے لکھا ہے کہ اس میں هُوَى اور انهْوَى دو لغتیں ہیں ان کا معنی ایک ہی ہے شاعر نے ان دونوں کو اس شعر میں جمع کیا ہے۔

ولم منزل لولای طحت کما هوی
باجرامہ من فلة النیق منهوی

امام رازی نے لکھا ہے کہ اس قسم میں ستارے کو اس کیفیت سے مقید اس لیے کیا ہے کیونکہ وہ جب وسط آسمان میں ہوتا ہے۔ وہ زمین سے دور ہوتا ہے۔ سفر کرنے والا اس سے راہ نمائی نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ وہ اس سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کا علم نہیں حاصل کر سکتا۔ جب یہ نیچے آتا ہے تو جوانب کا تعین ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ بھی اسی وصف سے متصف ہیں۔ آپ ﷺ نے اہل ایمان کے لیے رحمت کے پر نیچے کیے۔ آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔ پھر ستارہ کو هُوَى کے ساتھ مختص کیا طلوع کے ساتھ مختص نہ کیا کیونکہ اس سے دنیوی اور دنیاوی ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے۔ دنیوی راہ نمائی کا تو تذکرہ ہو چکا ہے جہاں تک دینی راہ نمائی کا تعلق ہے تو جیسے کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا:

لَا أُحِبُّ الْأَفْلَاقَ ○ (الانعام: ۷۶)

ترجمہ: "میں پسند نہیں کرتا ڈوب جانے والوں کو۔"

اس میں ایک لطیف نکتہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ نجم کی قسم اٹھانا اس کی تعظیم کا تقاضا کرتا ہے۔ بعض مشرکین ستاروں کی پوجا بھی کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے اس کے رو بہ زوال ہونے کے بارے آگاہ کر دیا کہ یہ الہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿٢﴾ (النجم: ۲)

اسمین نے لکھا ہے کہ یہ جواب قسم ہے۔ امام رازی اور برہان السننی نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ ہم ضلال اور غی میں فرق نہیں کرتے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ضلال ہدی کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ کہ غی، رشد کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِنْ يَرَوْا كَلًّاٰ يُؤْمِنُوا بِهَا ۗ وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۗ

(الاعراف: ۱۳۶)

ترجمہ: ”اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیوں کو تو بھی نہ ایمان لے آئیں مگر پر اور دیکھ بھی لیں راہ ہدایت تو بھی نہ بنائیں اپنا راستہ۔“

تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ضلال کا مختلف مقامات پر اعم استعمال ہے۔ جیسے تم کہو ”ضلّ بعیری ورحلی“ لیکن تم غوی نہیں کہہ سکتے۔ ضلال سے مراد یہ ہے کہ راہ رو اپنی منزل تک پہنچنے کا سیدھا راستہ نہ پاسکے۔ جب کہ غواہیت یہ ہے کہ اس کی منزل کا سیدھا راستہ نہ ہو۔ اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ جو مؤمن صحیح رستہ پر نہ ہو تم اسے ان سعبہ غیر رشد تو کہہ سکتے ہو۔ لیکن انہ ضالّ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ضالّ کافر کی طرح ہوتا ہے۔ غاوی فاسق کی طرح ہوتا ہے۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: مَا ضَلَّ بِعَنِي مَا كَفَرَ۔ یہ آیت طیبہ ہماری دلیل ہے۔

فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا۔ (النساء: ۶)

ترجمہ: ”پس اگر محسوس کرو تم ان سے دانائی۔“

یایوں کہا جاسکتا ہے کہ الضلال عدم کی طرح ہے جبکہ غواہیت درجہ اور مرتبہ میں فاسد وجود کی طرح ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ”مَا جَنَّ“ کے معنی میں ہو۔ مجنون ”ضالّ“ ہوتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان کی طرح ہے:

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ﴿٢﴾ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿٣﴾ (القلم: ۲، ۳)

ترجمہ: ”آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔“

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ گمراہ نہیں بلکہ ہدایت یافتہ ہیں بلکہ آپ ایسے مرشد کریم ﷺ ہیں جو حریم ناز کی طرف راہ

نمائی کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿٣﴾ (القلم: ۳)

ترجمہ: ”اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔“

یہ اس جگہ اس فرمان کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ (انجم: ۳)

ترجمہ: ”اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔“

یہ بھی خلق عظیم ہے۔ رب تعالیٰ نے مَا ضَلَّ سے یہ اشارہ کر دیا کہ آپ ایک رستہ پر گامزن ہیں۔ مَا شَوَىٰ سے

اشارہ کیا کہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔ ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“ سے یہ اشارہ فرما دیا کہ یہ رستہ ایک وسیع شاہراہ ہے۔ آپ اسی

شاہراہ پر گامزن ہیں۔ آپ اس کے وسط میں رواں دواں ہیں۔ یہ رستہ منزل مقصود تک جلد پہنچا دیتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ

یوں کہا جائے کہ رب تعالیٰ کا فرمان وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نہ گمراہ ہوئے نہ ہی راہِ راست

سے بھٹکے۔ وہ گمراہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ راہِ راست سے کیسے بھٹک سکتا ہے جو اپنی خواہش سے گویاں بھی نہیں ہوتا۔ گمراہ تو وہ ہوتا

ہے جو اپنی نفسانی خواہشات پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ (ص: ۲۶)

ترجمہ: ”اور نہ پیروی کیا کرو جو اسے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہِ خدا سے۔“

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ ماغوی کا معنی ہے کہ آپ نے نقصان نہ اٹھایا۔ شاعر نے کہا ہے:

فمن يلق خيرا يحمد الناس امره
و من يغو لا يعدم على الغي لألما

ترجمہ: ”جو بھلائی سے ملاقات کرتا ہے لوگ اس کے معاملہ کی تعریف کرتے ہیں۔ جو اس کی جستجو میں نقصان

اٹھاتا ہے لوگ اسے ملامت کرتے ہیں۔“

پھر یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر وحی کے بعد کی ہو۔ یہ بھی روا ہے کہ یہ خبر آپ ﷺ کے عام احوال کی ہو۔ یعنی آپ ہمیشہ

سے توحید الہی کا اقرار کرنے والے تھے۔ یہی موقف صحیح ہے۔

ابن القیم نے لکھا ہے ”اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ سے اس ضلال کی نفی فرمادی جو ہدایت کے منافی ہے

اور اس غی کی بھی نفی فرمادی جو رشد کے منافی ہے۔ یہ نفی اپنے ضمن میں یہ گواہی لیے ہوئے ہے کہ آپ ﷺ ہدایت اور رشد پر

ہیں۔ ہدایت آپ کے علم مبارک اور رشد آپ کے عمل مبارک میں ہے یہ دونوں اصل ہیں جو بندے کے کمال کی غایت میں

یہ بندے کی سعادت اور اصلاح ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے خلفاء راشدین کو اسی وصف سے یاد فرمایا ہے۔ فرمایا: تم پر لازم

ہے کہ تم میری اور میرے بعد خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کی اتباع کرو۔“

راشد، غاوی کی ضد ہے مہدی، ضال کی ضد ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس نے علم نافع اور عمل صالح سے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہو وہ ہدایت والا ہوتا ہے۔ دین حق پر گامزن ہوتا ہے۔ ہدایت یافتہ اور راشد کو وہی شخص ضال اور غاوی کہہ سکتا ہے جو ساری مخلوق سے جاہل ہو۔ اس کا دل سارے دلوں سے اندھا ہو وہ حقیقت انسانیت سے سب سے زیادہ دور ہو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وما انتفاع اخي الدنيا بناظره
اذا استوت عندہ الانوار والظلم

ترجمہ: ”میرے بھائی نے اس دنیا کو دیکھ کر کیا نفع حاصل کیا جب اس کے نزدیک انوار اور ظلم برابر ہوں۔“

لوگوں کی چار اقسام ہیں:

◆ اپنے علم میں ضال، اپنے قصد اور عمل میں گمراہ۔ یہ سارے لوگوں سے سیاہ دل ہوتے ہیں۔ یہی رسل عظام کی مخالفت کرتے ہیں۔

◆ علم میں ہدایت یافتہ، منزل اور عمل میں گمراہ۔ یہ امت میں سے گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ ہر اس شخص کی یہی حالت ہوتی ہے جو حق کو جانتا ہے لیکن اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔

◆ اپنے علم میں گمراہ۔ لیکن اس کا مقصد بھلائی ہوتا ہے لیکن اس سے شعور نہیں ہوتا۔

◆ علم میں ہدایت یافتہ اپنے مقصد میں راشد۔ یہ وہ بلند نصیب لوگ ہوتے ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کے ورثاء ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد قلیل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام و منصب بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے برگزیدہ ہوتے ہیں۔

ذرا غور کرو رب تعالیٰ نے کیسے فرمایا: ”مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ“ اس کی جگہ آپ کے اسم گرامی کا تذکرہ نہ فرمایا،

تاکہ کفار پر دلیل قائم ہو سکے کہ آپ ان کے عمر بھر کے ساتھی ہیں۔ وہ آپ کے حالات، اقوال اور اعمال سب لوگوں سے زیادہ

جانتے ہیں وہ آپ کو کسی کذب، گمراہی یا ضلالت کی وجہ سے نہیں جانتے۔ وہ کسی ایک نازیبا بات پر بھی آپ کو ملامت نہیں کر

سکتے۔ رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے اسی طرح اشارہ کیا ہے:

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ۔ (المؤمنین: ۶۹)

ترجمہ: ”یا انہوں نے اپنے رسول مکرم کو نہ پہچانا تھا۔“

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾ (الکوثر: ۲۲)

ترجمہ: ”اور تمہارا ساتھی کوئی مجنون تو نہیں۔“

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (انجم: ۳)

اللہ رب العزت نے پہلے ”مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ“ ماضی سے تعبیر فرمایا۔ اب مضارع کا صیغہ ذکر فرمایا۔ یہ انتہائی عمدہ ترتیب ہے۔ یعنی اے مشرکین مکہ! جب آپ ﷺ نے تمہیں چھوڑا۔ تمہارے معبودانِ باطلہ سے رخ انور موڑا۔ آپ خلوت گزریں ہوئے تو آپ گمراہ نہیں ہوئے۔ جب اب آپ مبعوث ہو چکے ہیں۔ اور آپ کو تم پر گواہ مقرر کیا جا چکا ہے تو اب آپ اپنی خواہش سے بولتے بھی نہیں۔ آپ نہ تو پہلے ضال اور غاوی تھے اب تو آپ گمراہی سے بچانے والے مرشدِ کریم اور ہادی ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس ہستی پاک کو کفر اور عیوب سے بچپن میں بچا لیتا ہے جسے وہ اپنا رسول بنا کر مبعوث کرنا چاہتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”آپ معصوم بچپن میں بھی گمراہ نہ ہوئے کیونکہ آپ اپنی خواہش سے بولتے بھی نہیں۔ ابنِ عادل نے لکھا ہے کہ ینطق میں فاعل یا تو وہ ضمیر ہے جو حضور اکرم ﷺ کی طرف راجع ہے یا یہ ضمیر قرآن پاک کے لیے ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری ہے:

هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ (الباقیہ: ۲۹)

ترجمہ: ”یہ ہمارا نوشتہ ہے جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ۔“

ابنِ قیم نے لکھا ہے ”اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی گفتگو کو اس امر سے منزہ فرما دیا ہے کہ وہ خواہشات سے نکلے۔ اس کمال کی آپ کو ہدایت عطا فرمائی۔ آپ کے بارے اس نے یوں نہ فرمایا: ”وَمَا يَنْطِقُ بِالْهَوَىٰ“ کیونکہ عن الہوی سے آپ کی نفی زیادہ ابلغ ہے یہ امر اس بات کو متضمن ہے کہ آپ سے گفتگو آپ کی خواہش سے نکلتی ہی نہیں۔ جب یہ کیفیت ہے تو پھر آپ اس کے ساتھ گفتگو کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ دو امور کی نفی کو متضمن ہے:

◆ گفتگو کے صدور سے ہوی (خواہشات) کی نفی۔

◆ اپنی طرف سے گفتگو کرنے کی نفی۔

آپ حق کے ساتھ گفتگو فرماتے ہیں۔ اس کا منبع ہدایت اور رشد ہے۔ گمراہی اور غواہیت اس کا مصدر نہیں ہے۔ اللباب میں ہے کہ نحاس نے لکھا ہے کہ حضرت قتادہ نے کہا ہے کہ اس جگہ ”عن“ ہونا ہی بہتر ہے یعنی آپ کی گفتگو آپ کی رائے سے نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد ہے:

إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۳﴾ (انجم: ۳)

ترجمہ: ”نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔“

ایک قول یہ ہے کہ یہ الباء کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ باطل کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سفار کہتے تھے: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جانب سے قرآن گھڑ لیتے ہیں۔“ المصباح میں ہے کہ ہوی، ہویتہ کا مصدر ہے۔ اس کا معنی کسی سے محبت اور پیار کرنا ہے۔ پھر اس کا اطلاق نفس کے میلان اور کسی چیز سے اس کے انحراف پر ہونے لگا۔ پھر مذموم میلان پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے: ”اتبع ہواہ“

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ہوی کی تفسیر میں سب سے عمدہ قول یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس سے مراد محبت ہے۔ لیکن نفس کی طرف سے ہویۃ کا معنی اجبتہ ہے۔ ہوی کے الفاظ قرب، نزول اور سقوط پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے ہاویہ ہے جب نفس حسیں ہو وہ رفعتوں کو ترک کر دیتا ہے۔ وہ غلیظ اشیاء سے پیار کرنے لگتا ہے۔ اس لیے ہوی کو نفس امارہ کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے۔“

امام شعبی نے لکھا ہے کہ ہوی کو ہوی اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اپنے صاحب کو گرا دیتی ہے۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ ہوی ایک معبود ہے۔ جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس کا ایک شدید شیطان ہے۔ سرکش شیطان اس کی خدمت کرتا ہے۔ جو اس کے بت کی پوجا کرتا ہے یا اس کے شیطان کی اتباع کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے اسے ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

أَفْرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ
وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ عَشْمًا ۖ فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾ (الباقیہ: ۲۳)

ترجمہ: ”ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اس نے اسے باوجود علم کے اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اس کے بعد کیا تم غور نہیں کرتے۔“

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ﴿۵۰﴾ (القسم: ۵۰)

ترجمہ: ”اور کون زیادہ گمراہ ہے۔ اس سے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی

رہنمائی کے بغیر بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین اشیاء نجات دینے والی اور تین اشیاء ہلاک کرنے والی ہیں۔ نجات دلانے والی

اشیاء یہ ہیں:

- ❖ اعلانیہ اور پوشیدہ رب تعالیٰ سے ڈرنا۔
- ❖ رضا اور غضب میں عدل کرنا۔
- ❖ فقر اور غنی میں میانہ روی اختیار کرنا۔
- ہلاکت میں ڈالنے والی اشیاء درج ذیل ہیں:
- ❖ ایسا طمع جس کی اتباع کی جائے۔
- ❖ ایسی خواہشات جن کی اتباع کی جائے۔
- ❖ انسان کا اپنی رائے کو عجیب سمجھنا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”آسمان کے نیچے کوئی ایسا معبود باطل نہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہو۔ جو رب تعالیٰ کے ہاں اس خواہش سے بڑا ہو جس کی اتباع کی جائے۔“ بعض حکماء نے لکھا ہے کہ خواہشات عقلوں کو دھوکا دینے والی اور سیدھے رستے سے پھیرنے والی ہیں۔ یہ اپنے صاحب کو صحیح سے بیمار اور واضح سے خلل والی چیز کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہ سب سے زیادہ اندھی ہوتی ہیں مگر دیکھ لیتی ہیں۔ یہ سب سے زیادہ بہری ہوتی ہیں مگر سن لیتی ہیں۔ جیسے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔“ ایک اور عارف نے کہا ہے: ”عقل کی بصیرت کے مطابق انسان اشیاء کو دیکھتا ہے جس کی عقل خواہشات نفسانیہ سے سلامت ہو وہ اشیاء کو ان کی حقیقت پر دیکھ لیتا ہے۔ گند اور وہ نفس جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے وہ اپنی طبیعت کے مطابق اشیاء کو دیکھتا ہے۔“ ایک حکیم کی انگوٹھی میں یہ لکھا ہوا تھا ”جس کی عقل پر خواہشات کا غلبہ ہو گیا وہ نادام ہوا۔“ اس درید نے اپنی مقصورات میں لکھا ہے:

و آفة العقل الهوى فمن علا
على هواه عقله فقد نجا

ترجمہ: ”خواہشات نفسانیہ عقل کے لیے آفت ہے۔ جس کی عقل خواہشات پر غالب آگئی وہ نجات پا گیا۔“

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ (النجم: ۴)

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ بیان کے لیے مکمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ نے فرمایا: ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ“ تو گویا کہ کہنے والے نے کہا ”پھر آپ کیسے گفتگو کرتے ہیں؟ کیا دلیل اور اجتہاد سے گفتگو کرتے ہیں؟“ فرمایا: ”نہیں! یہ حریم ناز سے آنے والی وحی کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔ یہ کلام ”ہو وحی یوحی“ سے زیادہ بلیغ ہے۔“

”ان“ مانفی کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح ماشرطیہ ان کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔

اللباب میں ہے ”یُوخى وحى“ کی صفت ہے۔ اس صفت کو استعمال کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ مجاز کی نفی کرتا ہے۔

یعنی وہ حقیقت میں وحی ہے صرف نام کی وحی نہیں۔ یہ اس قول کی طرح ہے ”هذا قول يقال“ ایک قول یہ ہے کہ یہ اصل

عبارت یوں تھی: ”یُوخى الیه“ اس میں مزید فائدہ ہے۔ امام قرطبی نے السجستانی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا اگر تم

چاہو تو اس آیت کو ”مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ“ کا بدل بنا لو۔ ابن الانباری نے لکھا ہے ”یہ غلط ہے کیونکہ ان حقیفہ ”ما“ کا بدل نہیں

ہو سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تم یوں نہیں کہہ سکتے: ”والله ما قمت ان انا تصاعد“

ابن القیم نے لکھا ہے: ”ضمیر اس مصدر کی طرف راجع ہے جو فعل سے سمجھا جاتا ہے یعنی ”ما نطقه الا وحی

یوحى“ یہ قول اس شخص کے قول سے عمدہ ہے جس نے کہا ہے کہ یہ ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے۔ یہ فرمان آپ کے

قرآن مجید اور سنت مطہرہ کے بارے گفتگو کرنے کو عام ہے۔ کیونکہ یہ دونوں وحی ہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (النساء: ۱۱۳)

ترجمہ: ”اور اتاری ہے اس نے آپ پر کتاب اور حکمت۔“

ان سے مراد قرآن پاک اور سنت مطہرہ ہیں۔ دارمی نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل

امین علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سنت مطہرہ لے کر اسی طرح اترتے تھے جس طرح قرآن مجید لے کر آتے تھے۔ میں کہتا ہوں

کہ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما تھے ایک شخص نے عرض کی: ”یا

رسول اللہ! اس شخص کے بارے آپ کی رائے کیا ہے جس نے خوشبو لگانے کے بعد عمرہ کا احرام باندھا۔“ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے کچھ دیر اس کی طرف دیکھا پھر آپ خاموش ہو گئے۔ آپ پر وحی آگئی جب یہ کیفیت جدا ہوئی تو پوچھا: ”سوال کرنے والا

کہاں ہے؟“ اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے فرمایا: ”اپنا جبہ اتار دو۔ خوشبو کے اثرات دھو ڈالو اپنے

عمرہ میں اسی طرح کرو جس طرح اپنے حج میں کرتے ہو۔“

امام احمد اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے

فرمایا: ”میں ہر وہ چیز لکھ لیتا تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کرتا تھا۔ میں اسے یاد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ قریش نے مجھے

روک دیا۔ انہوں نے مجھے کہا: ”تم ہر وہ چیز لکھ لیتے ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو۔ آپ بشر (کامل) ہیں۔ آپ رضا اور غصہ

کے عالم میں بھی گفتگو فرماتے ہیں۔“ میں لکھنے سے رک گیا۔ حتیٰ کہ اس کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا گیا۔ آپ نے اپنی

مہارک انگلی سے اپنے منہ مہارک کی طرف اشارہ کیا۔ فرمایا: ”لکھا کرو۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں

میری جان ہے۔ مجھ سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔“

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں صرف حق بات ہی کرتا ہوں۔“ بعض صحابہ کرام نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے ساتھ خوش طبعی بھی کرتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”میں صرف حق بات ہی کرتا ہوں۔“

امام احمد، امام الطبرانی اور ضیاء نے اپنی صحیح میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک شخص کی شفاعت سے دو قبیلوں یاربیعہ اور مضر میں سے ایک قبیلہ جتنے لوگ جنت میں جائیں گے۔“ ایک شخص نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! یہ ربیعہ اور مضر کیا ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”میں وہی کچھ کہتا ہوں جو کچھ مجھے کہنے کے لیے کہا جاتا ہے۔“ امام رازی نے لکھا ہے: ”ہو یا تو معلوم ضمیر ہے یا مذکور ضمیر ہے۔ اس میں دو جوہات ہیں۔ ان میں سے مشہور یہ ہے کہ یہ معلوم ضمیر ہے۔ اس سے مراد قرآن حکیم ہے گویا کہ فرمایا: ”ما القرآن الا وحی“ یہ اس شخص کے قول کے مطابق ہے جو کہتا ہے ”النجم سے مراد قرآن پاک نہیں“ لیکن وہ شخص جو کہتا ہے ”هو الوحی“ اس میں مذکور ضمیر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ضمیر ضمناً مذکور کی طرف عائد ہے۔ اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مبارک اور فرمان عالی شان ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا فرمان ”وما ینطق عن الہوی“ اپنے ضمن میں نطق کو لیے ہے اس سے مراد قول اور کلام ہے۔ گویا کہ فرمایا: ”وما کلامہ ولا نطقہ الا وحی“ اس میں ایک اور وجہ بھی ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ان کفار کا رد ہے جو کہتے تھے کہ آپ کی باتیں کاہن اور آپ کا کلام کاہن کا کلام ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”ان هو الا وحی یوحی“ یہ شاعر کا بھی کلام نہیں۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ﴿۳۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُونَ ﴿۳۲﴾ (الحاقة: ۳۱، ۳۲)

ترجمہ: ”اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔“

رب تعالیٰ کا یہ فرمان ”ان هو الا وحی یوحی“ ہو وحی سے ابلغ ہے اس میں مبالغہ فائدہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے: ”یہ کاہن کا قول ہے یہ شاعر کا قول ہے۔“ مراد ان کے قول کی نفی ہے۔ یہ نفی کے صیغہ سے حاصل ہو سکتی تھی۔ فرمایا: ”حقیقت اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو“ پھر یہ اضافہ کر دیا: ”بل هو وحی“

انوار التنزیل میں ہے: ”اس شخص نے اس آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد روا نہیں سمجھتا۔ اسے یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب آپ پر وحی کی جائے کہ آپ اجتہاد کریں تو وہ آپ کا اجتہاد ہوگا۔ جو آپ کی طرف

منسوب ہو وہ واجب ہوگا۔ لیکن اس موقف میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت وحی سے ہی ہوگا۔“

الطیبی نے لکھا ہے: ”یہ آیت طیبہ تنزیل کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں سے کسی استدلال کرنے والے کے لیے استدلال کرنا درست نہیں کہ وہ اجتہاد کے اثبات یا نفی کے لیے استدلال کرے۔ کیونکہ ہوئی ضمیر قرآن پاک کے لیے، کیونکہ بعض مفسرین نے نجم کی تفسیر قرآن حکیم سے کی ہے۔ انہوں نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ پھر تاہیر النخل کے بارے حضرت طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔“

امام رازی نے لکھا ہے: ”درست موقف یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد نہیں کرتے تھے۔ لیکن ظاہر اس کے برعکس ہے۔ آپ نے جنگ میں اجتہاد کیا تھا۔ آپ نے حرام کیا تھا۔ فرمایا:

لِمَ تَحَرَّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ؟ (تحریم: ۱)

ترجمہ: ”کیوں حرام کرتے ہو جس کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا۔“

آپ نے اجازت دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ، لِمَ أذِنْتَ لَهُمْ؟ (التوبة: ۴۳)

ترجمہ: ”درگزر فرمایا ہے اس نے آپ سے لیکن کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی۔“

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ پر گفتگو (انجم: ۵)

”التبیان“ میں ہے: ”اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے کہ جس نے آپ کو وحی کی تعلیم دی ہے اس میں ایسے اوصاف

حمیدہ پائے جاتے ہیں جو شیطان میں پائے جانے والے گندے اوصاف کے متضاد ہیں۔ جو گمراہی اور غواہیت کا ہی سبق

پڑھاتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی مانند ہے:

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾ (الکوثر: ۲۰)

ترجمہ: ”جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔“

اس ذات کے ایسے اوصاف سے متصف کرنے میں کئی امور پر تنبیہ ہے:

اس میں ایسی قوت ہے کہ وہ اپنی طاقت سے شیاطین کو قریب ہونے سے روک سکتا ہے۔ کہ شیاطین اس کے قریب

ہو کر کلام الہی میں کچھ کمی و بیشی کریں۔ بلکہ جب اسے شیطان دیکھتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔ وہ اس کے قریب

نہیں جاتا۔

❖ وہ اس رسول کریم ﷺ کا مددگار ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو۔ وہ اس کا معاون اور ناصر ہے۔ جیسے کہ فرمایا:

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَاحِبُ الْمَوْمِنِيْنَ ؕ (التحریم: ۴)

ترجمہ: ”اللہ آپ کا مددگار ہے۔ جبریل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں۔“

ایسی ذات جس کی مددگار، معاون اور معلم ہو وہ نصرت یافتہ اور ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا پادری اور ناصر ہے۔

❖ جس نے اس رسول کریم ﷺ سے عداوت رکھی اس نے ان کے صاحب اور معاون سے دشمنی رکھی۔ وہ حضرت

جبرائیل امین ہیں۔ جس نے قوت والے اور شدت والے کے ساتھ عداوت رکھی اس نے خود کو بلاکت کے لیے پیش کر دیا۔

❖ وہ اس چیز کے نفاذ پر قادر ہے جس کا اسے حکم دیا جاتا ہے اور کوئی اسے یوں کرنے سے روک نہیں سکتا۔

اسمین نے لکھا ہے: ”علمہ کا فاعل حضرت جبرائیل امین ہیں۔ یہ ظاہر موقوف ہے۔ جیسے علامہ ماوردی اور علامہ

قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ حضرت حسن کے علاوہ سارے علماء کا موقوف ہے۔ حضرت حسن نے لکھا ہے کہ اس میں فاعل ذات باری

تعالیٰ ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے:

الرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۗ (الرحمن: ۲، ۱)

ترجمہ: ”رحمن نے (اپنے حبیب) کو سکھایا ہے قرآن۔“

ذو مرہ کلام کی تکمیل کے لیے ہوگا۔“

اللباب میں ہے: ”یہ جائز ہے کہ یہ الہاء حضور نبی کریم ﷺ کے لیے ہو۔ یہ ہی ظاہری موقوف ہے۔ اس کا دوسرا

مفعول محذوف ہوگا۔ یعنی علمہ النبی الوحی الی الموخی۔ یہ بھی روا ہے کہ یہ قرآن پاک اور وحی کے لیے ہو۔ اس

صورت میں مفعول فعل محذوف ہوگا۔ یعنی علمہ النبی۔“ امام رازی نے لکھا ہے ”بہتر ہے کہ کہا جائے کہ یہ ضمیر حضور اکرم ﷺ

کے لے ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی: ”علمہ محمداً شدید القوی جبرائیل“ یہ ضمیر صاحبکم کی طرف راجع

ہوگی۔ شدید القوی سے مراد جبرائیل امین ہیں۔ اس سے مراد آپ کی عملی اور علمی قوی مراد ہیں۔ جو سارے شدید ہیں۔ شدید

القوی میں کئی فوائد ہیں:

❖ معلم کی مدح متعلم کی مدح ہوتی ہے۔ اگر صرف علمہ جبرائیل کہہ دیا جاتا ان کے اوصاف ذکر نہ کیے

جاتے تو حضور اکرم ﷺ کو ظاہری فضیلت حاصل نہ ہو سکتی۔

❖ اس میں مشرکین کا رد بھی ہے جو کہتے تھے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ فرمایا: ”انہیں لوگوں میں سے کسی نے

نہیں سکھایا انہیں شدید القوی نے سکھایا ہے۔“

اس میں حضرت جبرائیل امین کے قول پر وثوق بھی ہے۔ شدید القوی سے یہ وثوق محکم ہوتا ہے۔ کیونکہ ادراک کی قوت وثوق کے لیے شرط ہوتی ہے۔ اسی طرح حفظ کی قوت بھی۔

ان سارے اوصاف کے جامع ہونے کی وجہ سے انہیں شدید القوی کہا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہو گیا۔

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُطَاعٌ ثُمَّ آمِنٌ ﴿٢١﴾ (الکوہ: ۲۰، ۲۱)

ترجمہ: ”جو قوت والا ہے جو مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے سردار اور وہاں کا امین ہے۔“

اللباب میں ہے ”یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے کیونکہ یہ مرفوع ہے۔ یہ غیر حقیقی ہے۔ علامہ زمخشری نے اسی موقف کو یقین

کے ساتھ کہا ہے۔ صاحب الکفیل نے کہا ہے: ”نہیں۔ بلکہ یہ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ انہوں نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ واضح قوت والے کو شدید کہا جاتا ہے۔“

ابن عساکر نے حضرت معاویہ بن قرظ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل

امین سے کہا ”آپ کے رب نے آپ کی کتنی عمدہ تعریف کی ہے۔“ فرمایا ہے:

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُطَاعٌ ثُمَّ آمِنٌ ﴿٢١﴾ (الکوہ: ۲۰، ۲۱)

ترجمہ: ”جو قوت والا ہے۔ مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔“

آپ کی قدرت اور امانت کا علم کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: ”میری قوت کا عالم یہ ہے کہ مجھے مدائن لوط کی طرف

بھیجا گیا۔ یہ چار شہر تھے۔ ہر شہر میں چار لاکھ جنگجو افراد تھے۔ دیگر لوگ ان کے علاوہ تھے۔ میں نے انہیں نخلی زمین سے اٹھایا

حتیٰ کہ آسمان والوں نے ان کے مرغوں کی اورکتوں کی آوازیں سنیں۔ پھر میں نے انہیں الٹا کر نیچے پھینک دیا۔ میری

امانت کا عالم یہ ہے کہ مجھے جس کا حکم دیا جاتا ہے میں صرف اسی ذات کی طرف اسے لے کر جاتا ہوں جس کے پاس جانے کا

حکم دیا جاتا ہے کسی اور کی طرف نہیں لے کر جاتا۔“

حضرت محمد بن سائب نے لکھا ہے: ”حضرت جبرائیل امین کی قوت کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام

کے شہروں کو سیاہ پانی کے نیچے سے اٹھایا۔ انہیں اپنے پر اٹھایا۔ آسمان تک لے گئے۔ حتیٰ کہ آسمان والوں نے ان کے

مرغوں اورکتوں کی آوازیں سنیں۔ پھر انہیں الٹا دیا۔ ان کی قوت کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے ابلیس کو دیکھا جو ارض مقدس کی

ایک گھائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کر رہا تھا۔ انہوں نے اس لعین کو پر مارا اور اسے ہندوستان کے پہاڑوں پر پھینک

دیا۔ ان کی قوت کا عالم یہ ہے کہ وہ لحظہ بھر میں آسمان سے انبیاء کرام کے پاس آتے اور چلے جاتے۔“

ذومرۃ پر گفتگو

امام قرظی نے لکھا ہے کہ قطرب نے کہا ہے کہ اہل عرب میں ہر پختہ اور محکم رائے والے کو ذومرۃ کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

قد كنت قبل لقاء کم ذامرۃ
عندی لكل مخاصم میزانه

ترجمہ: ”میں تمہاری ملاقات سے قبل عقل و دانش والا تھا۔ ہر جھگڑنے والے کے لیے میرے پاس میزان ہوتا تھا۔“

حضرت جبرائیل امین کی رائے کی اس پہنچگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے انبیاء علیہم السلام پر وحی پر امین

مقرر کیا تھا۔ جوہری نے لکھا ہے المیرۃ قوت اور شدید عقل کو کہتے ہیں۔ اس سے رجل مریر ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

تری الرجل الخیف فتزدریہ
وحشو ثبابہ اسد مریر

ترجمہ: ”تم اسے دبلا پتلا دیکھ کر اس سے نفرت کرتے ہو حالانکہ اس کے کپڑے کا بھراؤ قوی شیر ہے۔“

ابن القسیم نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ ذات ہے جس کا منظر دلکش ہو۔ صورت حسین ہو صاحب جلال ہو۔ شیطان

کے یہ اوصاف نہیں ہو سکتے۔ وہ تورب تعالیٰ کی ساری مخلوق سے قبیح صورت ہے۔ حضرت جبرائیل امین تو ساری مخلوق سے

زیادہ خوبصورت ہیں۔ ساری مخلوق سے زیادہ جمیل اور امین ہیں۔ حضور ایزدی میں ان کا بڑا مقام ہے۔ اس لیے وہ پیغام رسانی

کے لیے معتبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم، قوت، حسن منظر اور جلالت کے ساتھ ان کا وصف بیان کیا۔ حضور اکرم ﷺ بھی ان اوصاف

سے متصف تھے۔ حضور ﷺ ہمارے لوگوں سے زیادہ شجاع، عالم، باجمال اور پاکیزہ نفس تھے۔“

امام نے ذومرۃ کے بارے لکھا ہے کہ اس میں کئی وجوہ ہیں:

1 قوت والا۔ یہ معنی حضرت مجاہد سے روایت کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے: ”لا

تحمل الصدقة لغنی ولا لذي مرۃ سوٹی“

2 عقل اور دین میں کمال والا۔

3 دلکش منظر اور عظیم ہیبت والا۔

4 اچھے اخلاق کا مالک۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ ماوردی نے پانچویں معنی کا اضافہ کیا ہے وہ ہے: ”غناء والا“

میں کہا ہوں کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ آپ ان سارے اوصاف سے متصف ہیں۔ اگر اعتراض کیا

جائے کہ ذومرہ کا معنی شدید القوی گزر چکا ہے تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس کے قوی شدید ہیں اور اسے قوت حاصل ہے؟ اس کا جواب دو اعتبار سے دیا گیا ہے:

◆ یہ اس وقت درست نہیں ہوتا جب وصف کے بعد وصف ہو جب یہ بطور بدل ہو تو جائز ہوتا ہے۔ گویا کہ یوں کہا گیا: "علّمہ ذو قوۃ نزل شدید القوی" یہ اس کا وصف نہ رہا۔ اصل عبارت یوں تھی: "ذو قوۃ عظیمة او کاملۃ"

◆ مرہ کو مفرد ذکر کرنا بعض اوقات یہ تفصیل بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے کہ ان کے قوی شدید مشہور ہیں۔

ان میں ایک اور قوت بھی ہے جسے رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ مختص کیا ہے۔ اس وقت ہم کہیں گے کہ اس سے مراد ذوشدہ ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ "علّمہ من قواہ شدیدۃ یعنی ان کے قوی بھی شدید ہیں اور ان کی ذات میں بھی شدت ہے۔ بعض اوقات انسان کثیر قوت والا اور چھوٹے جسم والا ہوتا ہے۔ اس میں لطف اور بات یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے شدید القوی سے مراد قوت علم لی ہے ذومرہ سے قوت جسم مراد لی ہے۔ علم کو جسم سے مقدم کیا۔ جیسے فرمایا:

وَزَادَ بَسْطَةَ فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط (البقرہ: ۲۴)

ترجمہ: "اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں۔"

"ذو" پر گفتگو پہلے سے گزر چکی ہے۔

فَاسْتَوَىٰ ۖ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۗ (النجم: ۷)

اللباب میں ہے "مکی نے کہا ہے کہ استوی ایک یا زیادہ سے زیادہ دو افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے

فراء نے ضمیر کو دو کے لیے بنایا ہے۔"

علامہ ماوردی اور قرطبی نے لکھا ہے: "فاستوی یعنی جبرائیل وہ آسمان پر اپنے مقام کی طرف بلند ہوئے۔

اس وقت انہوں نے حضور ﷺ کو سکھادیا تھا۔" یہ حضرات ابن المسیب اور ابن جبیر کا قول ہے۔

امام نے فرمایا ہے: "یہ مشہور ہے۔" استوی کا ایک معنی یہ کیا گیا ہے "وہ اس صورت ظاہر ہوئے جس پر رب

تعالیٰ نے ان کی تخلیق کی ہے۔ کیونکہ وہ حضور ﷺ کے پاس انسانی شکل میں حاضر ہوتے تھے جس طرح وہ دیگر انبیائے

کرام کے پاس آتے تھے۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: "وہ انہیں وہ شکل دکھائیں جس پر رب تعالیٰ

نے انہیں تخلیق کیا ہے۔ انہوں نے دو بار آپ ﷺ کو وہ صورت دکھائی۔ (۱) زمین میں (۲) آسمان پر۔ زمین پر اقلیٰ

پر اپنی اصلی صورت دکھائی۔ اس وقت حضور ﷺ غار حراء میں تشریف فرما تھے۔ مشرق کی طرف سے حضرت جبرائیل نمودار ہوئے۔ مغرب تک زمین کو گھیر لیا۔ حضور اکرم ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت جبرائیل امین شکل انسانی میں آپ کے پاس آئے۔ اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ چہرہ انور سے غبار صاف کیا۔ جب آپ کو ہوش آیا تو فرمایا: ”جبرائیل! میرا خیال نہیں تھا کہ رب تعالیٰ نے کسی کو اس طرح پیدا کیا ہوگا۔“ انہوں نے عرض کی: ”محمد عربی ﷺ! میں نے ابھی اپنے صرف دو پر ہی کھولے تھے میرے چھ سو پر ہیں ہر مشرق سے لے کر مغرب تک وسیع ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ تو عظیم خلقت ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”میں تو رب تعالیٰ کی مخلوق کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو پیدا فرمایا۔ ان کے چھ سو پر ہیں۔ ہر پر میرے سارے پروں کے برابر ہے۔ وہ کبھی خوفِ الہی سے سمٹتے ہیں تو وہ چڑیا کی مانند ہو جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ رَأَوْا بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾ (الکوثر: ۲۳)

ترجمہ: ”بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے، روشن کنارے پر۔“

آسمان پر سدرة المنتہی کے پاس آپ نے انہیں دیکھا۔ انبیاء کرام میں سے صرف حضور اکرم ﷺ نے ہی انہیں اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے: ”حضرت جبرائیل امین کی یہ روایت شب معراج کے بارے میں ہے۔ بلکہ یہ روایت پہلے کی ہے۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ زمین پر جلوہ افروز تھے۔ یہ بعثت کی ابتداء فترۃ وحی سے بعد کا واقعہ ہے۔ اللباب میں ہے ”اس کی ضمیر میں دو وجہیں ہیں:

❖ یہ وجہ اظہر ہے کہ یہ مبتداء ہے اور بالافق اس کی خبر ہے۔ ضمیر حضور اکرم ﷺ یا حضرت جبرائیل امین کے لیے ہے۔ پھر اس جملہ میں دو وجوہات ہیں۔

❶ یہ استتوی کے فاعل سے حال ہے۔ یہ مکی کا قول ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین اپنی اصلی صورت میں بلند ہوئے۔ اس سے قبل حضور اکرم ﷺ نے انہیں اس شکل میں نہیں دیکھا تھا۔ حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں یوں کرنے کے لیے فرمایا۔

❷ یہ جملہ متانفہ ہے۔ رب تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ”ہو“ کا استتوی میں مستتر ضمیر پر عطف ہے۔ استتوی کی ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا حسن کا قول ہے یا جبرائیل یا حضور اکرم ﷺ کے لیے ہے۔ یہ ضعیف ہے کیونکہ یوں کہا جاتا ہے استتوی ہو و فلان۔ البتہ ضرورت شعری کے لیے کہا جاسکتا ہے صحیح بات یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام افقِ اعلیٰ پر اصلی صورت میں جلوہ نما ہوئے کیونکہ وہ شکل انسانی میں آپ

کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت جبرائیل افق مشرق پر نمودار ہو گئے۔ انہوں نے افق کو بھر دیا۔

امام احمد، عبد بن حمید، ابن منذر، بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو اصلی شکل میں دیکھا۔ ان کے چہ سوہرہ تھے۔ ہر پر نے افق کو گھیر رکھا تھا۔ ان کے ہر پر سے جواہرات، موتی اور یا قوت گر رہے تھے۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل امین سے فرمایا کہ وہ آپ کو اصلی شکل دکھائیں۔ انہوں نے عرض کی: ”آپ اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کریں۔“ آپ نے مولائے کریم سے دعا کی۔ مشرق کی طرف سے ایک صورت نمودار ہوئی۔ وہ بلند ہونے لگی، پھیلنے لگی۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت جبرائیل امین آپ کے پاس آئے چہرہ انور سے غبار صاف کیا۔
المصباح میں ہے کہ الافق زمین اور آسمان کا کنارہ ہے۔ اس کی جمع آفاق ہے اسے افق بھی پڑھا گیا ہے علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ الافق الاعلیٰ کے بارے میں تین اقوال ہیں:

◆ مطلع الشمس یہ مجاہد کا قول ہے۔

◆ وہ افق جہاں سے دن نمودار ہوتا ہے یعنی طلوع فجر۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔

◆ افق اسماء یہ آسمان کے کناروں میں سے ایک کنارہ ہے۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

اخذنا بأفاق السماء عليكم
لنا قمرها والنجوم الطوالع

ترجمہ: ”ہم آسمان کے آفاق کے اعتبار سے تم سے برتری پا گئے ہیں۔ اس کے شمس و قمر اور طلوع ہونے

والے ستارے ہمارے ہیں۔“

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۝۸ (النجم: ۸)

امام رازی نے لکھا ہے کہ اس میں کئی وجوہ ہیں:

سب سے مشہور وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔ یعنی اس کے بعد کہ انہوں نے اپنا پر پھیلا یا جبکہ وہ افق اعلیٰ پر تھے۔ وہ اس صورت میں متشکل ہوئے جس میں عموماً آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔“

امام قرطبی نے لکھا ہے: ”افق اعلیٰ پر استواء کے بعد حضرت جبرائیل حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔ مفہوم یہ

ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل کا عظیم جسم دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو انسانی شکل میں لوٹا دیا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔

اس اعتبار سے تدلی کے بارے میں تین اقوال ہیں:

◆ الدلو اور ابتدلی کا معنی ایک ہے گویا کہ فرمایا: ”دنا فقرب“ اللباب میں ہے ”فزاء کا موقف یہ ہے کہ فتدلی میں فاء، واؤ کے معنی میں ہے اصل عبارت یوں ہوگی۔ ثم تدلی علیہ الصلوٰۃ والسلام و دنا بہہ سکتے ہو۔ اسی طرح ”شتبنی و اساء اور اساء و شتمنی“ بھی ہیں۔ شتم اور اساء ایک ہی چیز کا نام ہے۔ رب تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی طرح ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ ① (القم: ۱)

ترجمہ: ”قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہو گیا۔

یعنی انشق القمر واقتربت الساعة۔

اس کلام میں تقدم و تاخر ہے دراصل عبارت یوں ہوگی: ”ثم تدلی من الافق فدنا من النبی“

◆ دنا، قصد کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے حضور ﷺ کے قریب جانے کا قصد کیا۔ اس جگہ سے حرکت کی جس میں وہ تھے۔ قریب ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

◆ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوئے۔ اس جگہ دنو سے مراد منزلت ہے جیسے کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا فرمان سنا تے ہوئے فرمایا ہے: ”من تقرب میّی شبرا تقربت عنہ ذرا عا و من اتانی یمشی اتیتہ هرولة“ یہ اس معنی کی طرف اشارہ ہے۔ یمسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوئے۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوئے۔ اس میں قرب منزلت کے معنی میں استعمال ہوگا جیسے کہ امام رازی نے لکھا ہے۔ جمہور علماء کا موقف ہے کہ حضرت جبرائیل امین حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ⑨ (النجم: ۹)

اللباب میں ہے ”اس جگہ مجبوراً دو مضاف محذوف ماننا پڑیں گے۔ اصل عبارت یوں ہوگی ”فکان مقدار مسافة قربه منه مقدار مسافة قاب“

امام رازی نے لکھا ہے: "حضرت جبرائیل امین اور حضور اکرم ﷺ کے مابین دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اہل عرب اس امر کو اکثر استعمال کرتے تھے۔ ان کے دو امیر یا سردار جب صلح کرتے باہم عہد کرتے تو وہ اپنی دو کمانیں نکالتے ہر ایک اپنی قوس کو اپنے ساتھی کی کمان کے ساتھ ملا لیتا اس طرح کہ اس کا ہاتھ اس کے ساتھی کے ہاتھ کے ساتھ ہوتا۔ ان کے بازو آگے نکلے ہوتے۔ اسے مبادت بھی کہتے تھے۔ اس اعتبار سے دو کمانوں کے مابین فاصلہ مراد ہوگا۔ یا حضرت جبرائیل امین حریم ناز اور حضور اکرم ﷺ کے مابین سفیر تھے۔ وہ حضور ﷺ کے تابع تھے۔ وہ اسی طرح ہوں گے جس طرح کسی کے ساتھ عہد کیا جائے۔

اللباب میں ہے: "القاب کا معنی القدر ہے۔ تم کہتے ہو: "هذا قاب هذا" یعنی اس کی قدر القیب، القاد، القید اور القیس اس کی مثالیں ہیں۔" جوہری نے لکھا ہے: "یہ دراصل حَبَائِی قِیْس تھا۔ اسے مقلوب کیا گیا ہے۔" حدیث پاک میں ہے: "القاب قوس احد کم من الجنة خیر من الدنيا وما فیہا" القوس سے مراد معروف قوس (کمان) ہی ہے جس کے ذریعے تیر پھینکے جاتے ہیں۔ یہ مونث ہے اس کی تصغیر شاذ ہی ہوتی ہے۔ بعض اہل لغت اس کی تصغیر قویس بناتے ہیں۔ مگر وہ تانیث کے بغیر ہوتی ہے۔ قوس کے ساتھ ضرب المثل بیان کی گئی ہے۔ یہ قاب سے جدا نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ التباس کا اندیشہ نہیں۔"

الواحدی نے لکھا ہے کہ جمہور کہتے ہیں کہ قوس سے مراد وہ کمان ہے جس کے ساتھ تیر پھینکے جاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کلانی ہے کیونکہ اس کے ساتھ روز لگا کر تیر پھینکے جاتے ہیں۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: "حضرات سعید بن جبیر، عطاء، ابواسحاق الہمدانی اور ابووائل کا قول ہے کہ فکان قاب قوسین سے مراد کلانیوں کی مقدار ہے۔ قوس سے مراد کلانی ہے جس سے ہر چیز کو پھینکا جاتا ہے یہ بعض حجازیوں کی لغت ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ از دشوۃ کی لغت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن جریر، ابن منذر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔" الحافظ لکھتے ہیں: "یہ قول راجح ہونا چاہیے۔" الطبرانی، ابن مردویہ اور ضیاء نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "قاب، قید اور قوسان سے مراد کلانیاں ہیں۔" اللباب میں ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: "أَوْ يَزِيدُونَ" اس کا معنی ہے کہ دیکھنے والے کی نظر کے مطابق ان دونوں مقداروں میں سے ایک مقدار۔ ان میں اتنا قرب ہے کہ دیکھنے والا شک نہیں کر سکتا۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس جگہ "اذ" شک کے لیے نہیں بلکہ مسافت کی مقدار کی تحقیق کے لیے ہے۔ وہ قوسین کی مقدار سے زائد نہیں۔ جیسے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿١٣٤﴾ (الصافات: ۱۳۴)

ترجمہ: ”اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔“
یہ اس مقدار کی تحقیق کے لیے ہے وہ یعنی وہ ایک لاکھ سے کم نہ تھے یا ایک فرد زائد تھا۔ اس کی مثال رب تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۗ (البقرة: ۷۴)

ترجمہ: ”پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی۔ وہ تو پتھر کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔“
یعنی ان کے دل کی قسوت پتھر کی قسوت سے کم نہ تھی۔ اگر وہ پتھر کی قسوت سے زائد ہوگی تو اس سے کم بھی نہ ہوگی۔
یہ معنی اس شخص کے معنی سے احسن، اللطف اور ادا ہے جس نے ”اذ“ کو بل کے معنی میں کیا۔ یہ معنی اس شخص کے معنی سے بھی خوبصورت ہے جس نے اسے دیکھنے والے کے اعتبار سے اسے شک کے لیے بتایا ہے یا اسے ”اذ“ کے معنی میں کیا ہے۔ اس کثیر نے اسے ہی یقین کے ساتھ لکھا ہے۔

اللباب میں ہے: ”ادنی اسم تفصیل ہے۔ مفضل علیہ مخذوف ہے جو ادنیٰ من قاب قوسین ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا ”حضرت جبرائیل امین زمین پر اقی اعلیٰ پر استواء کے بعد قریب ہوئے۔ اور قریب ہوئے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے دو کمانوں کے درمیان جتنا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم رہ گیا۔“

تنبیہ

اس قریب ہونے والے سے مراد حضرت جبرائیل امین ہیں۔ جو قریب ہوئے ان کے اور حضور اکرم ﷺ کے مابین دو کمانوں جتنا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ قاضی نے یہ موقف جمہور سے روایت کیا ہے۔ اس کثیر نے ہی صحیح لکھا ہے۔
اکابر صحابہ کرام کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ ابن قسیم نے لکھا ہے ”کیونکہ سورت کی ابتداء سے حضرت جبرائیل کے اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں۔ اس آیت طیبہ تک ان کے ہی اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔“

وَلَقَدْ رَأَوْا نَزْلَةَ أُخْرَىٰ ۖ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۚ (النجم: ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: ”اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔“

حضور ﷺ نے صحیح حدیث میں اسی طرح تفسیر بیان کی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”میں نے حضور اکرم ﷺ سے اس آیت طیبہ کے بارے پوچھا۔ آپ نے فرمایا: وہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تھے۔ میں انہیں صرف دو بار اس شکل میں دیکھا ہے۔ جس پر ان کی تخلیق ہوئی۔ قرآن پاک کے الفاظ کئی وجوہ کی بناء پر

اس کے بعد کسی اور امر پر دلالت نہیں کرتے۔

◆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "علمہ شدید القوی" یہ حضرت جبرائیل امین ہی ہیں سورۃ التکویر میں ان کا وصف قوت کے ساتھ ہی بیان کیا گیا ہے۔

◆ فرمایا: "ذو صرۃ" (انجم: ۶) یعنی حسن خلق۔ سورۃ التکویر میں انہیں الکریم کہا گیا ہے۔

◆ فرمایا: "فاستوی وهو بالافق الاعلیٰ" یہ آسمان کا کنارہ ہے۔ یہ استواء حضرت جبرائیل کا تھا۔

◆ فرمایا: "ثم دنی... ادنیٰ" یہ حضرت جبرائیل کا قرب ہے وہ زمین میں اس جگہ آئے جہاں حضور اکرم ﷺ تشریف فرما تھے۔ یا شب معراج یہ دنو اور قرب ہوا تھا۔ جبکہ آپ ساتوں آسمانوں کے اوپر تھے۔

◆ فرمایا: "ولقد رآہ... المنتہی۔ مدرة المنتہی کے پاس حضرت جبرائیل ہی تھے۔ حضور ﷺ نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ فرمایا: "وہ حضرت جبرائیل تھے۔"

◆ "ولقد رآہ... دنا فتدلی" "فاستوی" "وہو بالافق الاعلیٰ" میں ایک ہی ضمیر ہے۔ مناسب نہیں ہے کہ مفسرین کے مابین دلیل کے بغیر ہی مخالفت قائم کی جائے۔

◆ اللہ رب العزت نے آگاہ فرمایا کہ وہ ذات والا جو قریب ہوئی افق اعلیٰ پر تھی۔ اس سے مراد آسمان کا افق ہے وہ زمین کے قریب ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ کے نزدیک ہوئے۔ وہ دنو اور تدلی جن کا تذکرہ حضرت شریک کی روایت میں ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ ابن کثیر نے اسی بات کو یقین کے ساتھ کہا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت طیبہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ آپ نے دل کی آنکھ سے دو بار دیکھا۔ انہوں نے ایک اسے کہا ہے۔

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۖ (سورۃ انجم: ۱۰)

ابن عادل نے امام رازی کی تبع میں کہا کہ اَوْحَىٰ کے فاعل میں دو وہ ہیں:

◆ رب تعالیٰ کی ذات والا اس وقت معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین کی طرف وحی کی۔

◆ دوسرے اَوْحَىٰ میں فاعل حضرت جبرائیل ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل پر وحی کی جو انہوں نے آگے

وحی کی۔ اس اعتبار سے اس ذات میں دو جوہات ہیں جن کی طرف حضرت جبرائیل نے وحی کی:

◆ وہ مخصوص ہو۔ اس سے مراد حضرت جبرائیل کا حضور ﷺ پر وحی کرنا ہوگا۔

◊ وہ عام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل پر وحی کی جو انہوں نے ہر رسول پر نازل کیا۔
اس میں اس امر کی تفصیل ہے کہ حضرت جبرائیل نے اس میں کوئی خیانت نہیں کی جو ان کی طرف وحی کیا گیا۔ یہ
رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾ (اشعراء: ۱۹۳)

ترجمہ: "اتر ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبرائیل)۔"

مَطَّاعٍ ثُمَّ أَمِينٍ ﴿۲۱﴾ (الکوثر: ۲۱)

ترجمہ: "(سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔"

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ہم کہیں کہ اوحی کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے تو عہدہ سے مراد حضور اکرم ﷺ ہوں گے۔ یعنی اللہ
تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ پر وہ کچھ نازل کیا جو ہر رسول پر نازل کیا۔

پہلے اوحی کے فاعل میں دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں فاعل حضرت جبرائیل امین ہوں۔ انہوں نے وہ وحی آپ
پر نازل کی جو رب تعالیٰ نے ان پر نازل کی تھی۔ حضرت عطاء، کلبی، حسن، ربیع اور ابن زید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس اعتبار سے دوسرے اوحی کے فاعل میں دو وجہیں ہیں:

◊ وہ جبرائیل ہوں۔ حضور اکرم پر حضرت جبرائیل نے وحی کی جو وحی کی۔

◊ فاعل رب تعالیٰ کی ذات ہو یعنی حضرت جبرائیل امین نے حضور اکرم ﷺ پر وہ وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کی تھی۔
"ما اوحی" میں کئی وجوہ ہیں:

◊ نماز کی فضیلت۔

◊ کوئی نبی آپ سے اور آپ کی امت سے قبل جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

◊ ما عموم کے لیے ہے۔ اس سے ہر وہ امر مراد ہو گا جسے لے کر حضرت جبرائیل لائے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ﴿۱۱﴾ (النجم: ۱۱)

ابن قیم نے لکھا ہے "اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کے تصدیق کے بارے بتایا ہے کہ دل نے اس کی تصدیق کی جو
کچھ چشمان مقدس نے دیکھا دل نے آپ کی تصدیق کی۔ اس شخص کی طرح نہ تھا جس نے کسی چیز کو اس کی حقیقت کے
برعکس دیکھا۔ دل اس کی بصارت کی تکذیب کر دے۔ بلکہ آپ نے جو کچھ دیکھا دل مبارک نے اس کی تصدیق کر دی۔"

آپ نے جان لیا کہ حقیقت اسی طرح ہے۔ کہا جاتا ہے: "کذبتہ عینہ و کذب قلبہ و کذب جسدہ" جب انسان کے ظن و گمان کے برعکس امر رونما ہو جائے۔ شاعر نے لکھا ہے:

كذبتك عينك ام رائيت بواسط
غلس الظلام من الرباب خيالا

ترجمہ: "تیری آنکھ نے جھوٹ بولا ہے یا تو نے رات کی تاریکی کی ظلمت میں رباب کا تصور دیکھا ہے۔"

یعنی تیری آنکھ نے وہ کچھ دکھا دیا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرّم ﷺ کی اسی چیز سے نفی فرمائی ہے۔ اس نے بتا دیا کہ جو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ دل نے اس کی تکذیب نہ کی۔

علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ "الفؤاد" میں جو قول ہیں: اس سے مراد صاحب الفؤاد ہے اسے الفؤاد سے تعبیر کیا۔

کیونکہ یہ جسم کا قطب ہے۔ اس سے زندگی قائم ہے یا اس سے مراد فؤاد کا نفس ہے۔ کیونکہ اعتقاد کا محل وہی ہوتا ہے۔

اللباب میں ہے کہ ہشام اور ابو جعفر نے کذب کو ذال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقیوں نے تخفیف کے ساتھ

پڑھا ہے۔ پہلے اعراب کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ حضور ﷺ نے جو کچھ اپنی چشمان سے دیکھا ہے۔ آپ کے قلب انور نے

اس تصدیق کی۔ داری نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ المعرفہ کا ہو کیونکہ اس کا حال پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ پہلے "الی عبدة"

میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر گزر چکا ہے۔ اسی طرح "ما ضل صاحبکم" میں بھی آپ کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہ نہیں فرمایا

کہ یہ ایک ایسا تصور ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ دوسرا ما موصولہ ہے جو مفعول لہ بن رہا ہے۔ عامہ محذوف

ہے راٰی کا فاعل ضمیر ہے جو حضور اکرم ﷺ کی طرف راجع ہے۔ تخفیف کی قرأت میں بھی اسی طرح ہے کذب خود متعدی ہوتا

ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ زیدینے والا محذوف سمجھا ہے اصل عبارت یوں تھی: "فیما راہ" یہ مکی وغیرہ کا قول ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے:

لو كنت صادقة الذی حدثتني
لنجوت منجا الحارث بن هشام

ترجمہ: "تو جو کچھ مجھے بیان کر رہی ہے اگر تو اس میں سچی ہے تو تو حارث بن ہشام کی طرح نجات پاگئی ہے۔"

اس "فی الذی حدثتني" ہے۔ انہوں نے ما میں دو وہمیں جائز قرار دیں ہیں:

1 یہ الذی کے معنی میں ہو۔ اس وقت مفہوم یہ ہوگا "جو کچھ آپ نے چشمان مقدس سے دیکھا دل انور نے اسے نہ جھٹلایا۔"

2 یہ مصدر یہ ہو۔ ابن قیم نے لکھا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا "آپ کے دیدار الہی کو آپ کے دل نے نہ جھٹلایا۔ اس

صورت میں دو امور مقدر ہوں گے۔ اس میں روایت قلب اور روایت بصر کی تطابق اور توافق کی خبر دینا ہوگا۔ ان

میں سے ہر ایک نے دوسری کی تصدیق کی۔ یہ تشدید کی قرأت کا ظاہری معنی ہے۔ ایک گروہ نے اسے مشکل سمجھا

ہے۔ ان میں مبرد بھی شامل ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس قرأت میں بعد نہ ہے۔ جب آپ نے اپنے قلب انور سے دیکھا تو دل اقدس سے جان بھی لیا جب علم کا وقوع ہو جائے تو اس کے ساتھ کذب کا احتمال نہیں رہتا۔ جب کوئی چیز دل میں معلوم ہو تو اس کے ہمراہ اس کی تکذیب کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب دو اعتبار سے دیا گیا ہے:

① بعض اوقات ایک انسان بعض اوقات کسی چیز کو اس کی حقیقت کے برعکس دیکھتا ہے۔ اس کا دل اس کی تکذیب کرتا ہے۔ جب وہ اسے معلوم کی صورت کو خلاف حقیقت دیکھتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اس کی آنکھ اس کی تکذیب کرے۔ اس لیے کہا جاتا ہے - کذب قلبہ و کذب ظنہ و کذبہ عینہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے اس امر کی نفی فرمادی۔ بتا دیا کہ آپ کے قلب انور سے جو کچھ دیکھا تھا وہ بالکل اسی طرح تھا۔ جیسے کوئی کسی چیز کی اصلی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے۔ لہذا یوں کہنا درست ہے "لم تکنذبہ عینہ"

② رأی میں ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو۔ الفؤاد کی طرف راجع نہ ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا "دل نے اس چیز کی نفی نہ کی جو آنکھ نے دیکھا الحمد للہ! اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا "دل نے تکذیب نہ کی بلکہ اس کی تصدیق کی۔ دونوں قرأتوں میں معنی یہ ہوگا: "نہ تو دل انور نے اس وہم میں ڈالا کہ آپ نے دیکھا حالانکہ آپ نے نہ دیکھا ہو اور نہ ہی آپ کی بصارت نے بہتان لگایا۔"

اللباب میں ہے۔ امام رازی نے بھی اسی طرح لکھا ہے "یہ بھی جائز ہے کہ رأی کا فاعل اسی ضمیر میں ہو جو الفؤاد کی طرف راجع ہو۔ یعنی آپ کے قلب انور نے اس چیز میں شک نہ کیا جو آپ کی آنکھ نے دیکھا۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے: "حضور اکرم ﷺ کے قلب انور نے حضرت جبرائیل امین کی اس صورت کی تکذیب نہ کی جو آپ نے چشمان مقدس سے دیکھی۔ دل انور نے یوں نہ کہا کہ میں اسے نہیں جانتا جو کچھ آپ نے مشاہدہ کیا اگر وہ اس طرح کرتا تو وہ جھوٹا ہوتا۔ کیونکہ اس نے جان لیا تھا۔ آپ نے چشمان مقدس سے دیکھا۔ دل نے اسے جان لیا۔ اسے شک نہ رہا کہ جو کچھ آپ نے دیکھا ہے وہ حق ہے۔ یہ تخفیف کی قرأت کے مطابق معنی ہے۔ تشدید کی قرأت کے مطابق اس کا معنی یہ ہے "اس نے یوں نہ کہا کہ جو کچھ آپ نے دیکھا تھا وہ مخفی تھا۔ اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ رائی کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ دل انور ہے۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: "جو کچھ قلب انور نے دیکھا اس نے اس تکذیب نہ کی۔ اس نے یہ نہ کہا کہ یہ جن یا شیطان ہے۔ بلکہ اسے یقین ہو گیا جو آپ نے اپنے قلب انور سے دیکھا۔ وہ سچ اور صحیح تھا۔ رائی سے کیا مراد ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بصر ہے یعنی دل نے اس کی تکذیب نہ کی جو بصارت نے دیکھا۔ دل نے اسے خیال نہ سمجھا۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ "ال" جنس کے لیے معنی یہ ہوگا کہ قلوب نے اس کی تکذیب نہ کی جو حضور اکرم ﷺ نے مشاہدہ کیا تھا۔ دلوں نے اس کی صحت کی

گو اسی دے دی جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔

المرئی کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کو دیکھا انہوں نے سبز رفرن کے دو حلے پہن رکھے تھے۔ انہوں نے آسمان اور زمین کے مابین فضاء کو گھیر رکھا تھا۔

اسے امام ترمذی اور امام فریبانی نے روایت کیا ہے اسے صحیح لکھا ہے ایک قول میں اس سے مراد آیات عجیبہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے قلب انور کے ساتھ رب تعالیٰ کی زیارت دو بار کی۔ (مسلم) تیسرے باب "روایت باری تعالیٰ" میں اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

أَفْتَمِرُونَ عَلَىٰ مَا يُزَيُّ ۖ (النجم: ۱۲)

ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے انکار اور مخالفت کا انکار کیا ہے۔ جیسے کہ عالم کے لیے جاہل کی مخالفت کا انکار کیا جاتا ہے۔

اللباب میں ہے: "الاخوان نے اسے "افتمرونہ" پڑھا ہے۔ باقیوں نے اسے تمارونہ پڑھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور شعبی نے اسے افتمرونہ پڑھا ہے۔ پہلی قرأت میں دو وہمیں ہیں:

◆ یہ "مریثہ حقہ" سے مشتق ہے۔ جبکہ میں اس پر غلبہ پالوں۔ اور اس کے حق کا انکار کروں۔ اسے "علی" سے متعدی کیا گیا ہے کیونکہ اس میں غلبہ کے معانی پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا ہے:

لئن هجرت اخا صدق و مكرمة
لقد مريت اخاما كان ممرিকা

ترجمہ: "اگر تو نے اپنے معزز اور سچے بھائی کو چھوڑ دیا تو تو نے ایسے بھائی کا حق مارا جو تیرا حق نہیں مارتا تھا۔"

کیونکہ جب اس نے اس کے حق کا انکار کر یا تو گویا کہ اس پر غالب آ گیا۔ المبرد نے لکھا ہے کہا جاتا ہے "مراہ لمن حقه و علی حقه" جب کوئی کسی کا حق روک دے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ علی، عن کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے بنو کعب بن ربیعہ کا قول "رضی اللہ عنک" یہ رضی اللہ عنک کے معنی میں ہے۔

ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ عن کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا جیسے المبرد نے لکھا ہے بلکہ فعل میں مخالفت کا معنی پایا

جاتا ہے۔ الف کے ساتھ قرأت زیادہ ظاہر ہے۔

◆ یہ مراہ کذا علی کذا سے مشتق ہے۔ یعنی وہ اس پر غالب آ گیا۔ یہ المرأ سے ہے جس کا معنی الجہال ہے یا یہ

ماراہ عاریہ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی جھگڑا کرنا ہے۔ یہ مَرَى الناقة سے مشتق ہے۔ کیونکہ جھگڑا کرنے والوں میں سے ہر ایک اس چیز کو نکال لیتا ہے جو اس کے صاحب کے پاس ہوتی ہے۔ اس کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ اسے "فی" کے ساتھ متعدی کیا جاتا۔ جیسے کہا جاتا ہے "جادلہ فی کذا" یہ غلبہ کے معنی کو متضمن ہے۔ اس لیے اسے علی سے متعدی کیا گیا۔ حضرت عبد اللہ نے اسے "ماراہ" سے مشتق کر کے پڑھا ہے۔ یہ رباعی ہے۔ اس کا معنی ہے "کیا تم آپ سے جھگڑا کرتے ہو؟ آپ نے جو کچھ دیکھا اس کے بارے آپ کیسے جھگڑا کرتے ہو؟ کیونکہ آپ نے جو کچھ ملاحظہ کیا ہے اسے یقین کی آنکھ کے ساتھ ملاحظہ کیا ہے۔ روایت کے بعد شک نہیں ہوتا۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس میں دونوں معانی شامل ہیں۔ کیونکہ ان کا جھگڑا انکار تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ انکار ان کی طرف سے ہمیشہ سے تھا یہ نیا جھگڑا نہیں ہے۔

ابن قیم نے لکھا ہے "یہ قوم جدال اور انکار کے مابین جمع ہو گئی۔ ان کا جھگڑا انکار کا جھگڑا تھا یہ مناظرہ کوئی حق کو واضح کرنے اور راہ نمائی حاصل کرنے کے لیے نہ تھا۔ الف کا اثبات مجادلہ پر دلالت کرتا ہے۔ علی کے ساتھ تذکرہ کرنا مخالفت پر دلالت کرتا ہے۔ الف کے ساتھ قرأت دونوں معانی کو شامل ہے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ اس وقت جھگڑا کیا تھا جب آپ نے معراج کی تھی۔ انہوں نے کہا: "آپ ہمارے لیے بیت المقدس کا محل وقوع بیان کریں۔ ہمارے کارواں کے بارے میں بتائیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مفہوم یہ ہو گا کہ تم آپ سے جھگڑا کرتے ہو اور جو کچھ آپ نے دیکھا جسے جانا اور جس پر یقین کیا کیا تم اس پر الزام لگاتے ہو۔ اگر کہا جائے کہ اس طرح کیوں نہ کہا گیا "أَفْتَمَرُونَهُ عَلٰی مَا رَأٰی" یعنی ماضی کے صیغہ کے ساتھ۔ کیونکہ انہوں نے آپ کے ساتھ اس وقت جھگڑا کیا جب آپ کو سیر کرانی گئی۔ پھر مضارع کا صیغہ لانے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل عبارت یوں تھی: "أَفْتَمَرُونَهُ عَلٰی مَا يَرٰ فِكَيْفَ فِكَيْفَ وَهُوَ قَدَرَاةٌ فِي السَّمَاءِ فَمَاذَا تَقُولُونَ فِيهِ"

وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً أُخْرٰی ﴿١٣﴾ (النجم: ١٣)

ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل امین کو ایک بار اور دیکھا پہلی بار آسمان کے بغیر اقلیٰ علیٰ پر دیکھا تھا دوسری بار آسمان پر سدرة المنتہیٰ کے پاس دیکھا تھا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے "یہ دوسری بار کا تذکرہ ہے جس میں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو اس شکل میں دیکھا تھا جس میں رب تعالیٰ نے انہیں تخلیق کیا تھا۔ یہ شب معراج کو ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: شب معراج روایت باری تعالیٰ

ثابت ہے۔ انہوں نے اسی آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے۔ سلف و خلف کی ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے۔ ایک جماعت نے ان کی مخالفت کی ہے۔ اس کی تحقیق اگلے باب میں آرہی ہے۔

اللباب میں ہے "ولقد" میں واؤ ممکن ہے عاطفہ ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حال کے لیے ہو۔ یعنی تم اس میں آپ سے کیسے جھگڑا کرتے ہو جو کچھ آپ نے دیکھا۔ آپ نے اس اعتبار سے اسے دیکھا ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ نزول سے فعلتہ کے وزن پر ہے۔ جسے جلسہ، جلوس سے مشتق ہے۔ اس کی نصب کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں:

◆ یہ اس طرف کی وجہ سے منصوب ہے جو مرہ ہے۔ کیونکہ فعلہ فعل سے مرہ کے لیے اسم ہے۔ یہ اسی کے حکم میں ہے۔ الشہاب الحلبي نے لکھا ہے کہ یہ بصریوں کا موقف نہیں ہے۔ یہ قرآن کا موقف ہے۔ مکی نے اس سے نقل کیا ہے۔

◆ یہ اس مصدر کی وجہ سے منصوب ہے جو حال کے قائم مقام ہے۔ یعنی "راہ نازلًا نزلةً اخرلی" حوفی اور ابن عطاء نے یہی مذہب اختیار کیا ہے۔

◆ یہ مصدر مؤکد کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابوالبقاء نے اسے مرہ اخری یا روئے اخری مقدر مانا ہے۔ شہاب حلبي نے لکھا ہے کہ نزول کی روئے کے ساتھ تاویل کرنے میں اختلاف ہے۔ اخری دلالت کر رہا ہے کہ روئے اس سے قبل تھی۔ عند سدرۃ المنتہی رأی کا ظرف مکان ہے۔

سدرۃ المنتہی پر گفتگو

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ کنی وجوہات کا احتمال رکھتا ہے:

◆ کسی چیز کی اس کے مکان کی طرف اضافت جیسے اشجار بلدۃ منتہی وہ جگہ ہوگی جسے نہ کوئی فرشتہ اور نہ ہی کوئی روح عبور کر سکتی ہے۔ حضرت کعب الاحبار نے لکھا ہے "یہ جگہ عرش کی اصل میں عرش اٹھانے والے فرشتوں کے سروں پر ہے۔ اسی پر مخلوق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے پرے کیا ہے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔"

◆ محل کی حال کی طرف اضافت جیسے کتاب الفقہ۔ اصل عبارت یوں ہوگی: "سدرۃ عندھا منتہی العلوم"۔

◆ ملک کی اضافت مالک کی طرف۔ جیسے دارزید یا شجرزید۔ اس صورت میں منعی الیہ مخذوف ہوگا۔ اصل سدرۃ المنتہی الیہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿۱۰۲﴾ (النجم: ۱۰۲)

ترجمہ: ”اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے۔“

منتہی الیہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ سدرۃ کی اس کی طرف اضافت یوں ہوگی جیسے السینہ کی اضافت ہے جو تعظیم و شرف کے لیے ہے۔ جیسے تسبیح میں کہا جاتا ہے: ”یا غایۃ رغباۃ یا منتہی املاۃ“

امام قرطبی نے لکھا ہے ”اس جگہ کو سدرۃ المنتہی کیوں کہا گیا ہے؟ اس کے بارے نواقوال ہیں:

❖ کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جو کچھ اوپر سے آتا ہے اس جگہ آ کر رک جاتا ہے۔ وہاں سے اسے لے لیا جاتا ہے جو کچھ زمین سے جاتا ہے وہ اس جگہ جا کر رک جاتا ہے۔ (مسلم)

❖ انبیاء کرام کا علم اس جگہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے پرے جو کچھ ہے وہ مخفی ہے۔ (ابن عباس)

❖ اعمال اس تک جاتے ہیں۔ اس سے انہیں اٹھا لیا جاتا ہے۔ (ضحاک)

❖ انبیاء اور ملائکہ اس جگہ ٹھہرتے ہیں۔

❖ شہداء کی ارواح یہاں پر رک جاتی ہیں۔ (ربیع بن انس)

❖ اہل ایمان کی ارواح اس جگہ ٹھہرتی ہیں۔ (قنادہ)

❖ جو حضور اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ اور منہج پر ہے وہ اسی جگہ جا کر رک جاتا ہے۔ (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ)

❖ یہ وہ درخت ہے جو عرش اٹھانے والے فرشتوں کے سروں پر ہے۔ اس پر مخلوق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔

❖ جسے اس مقام تک لے جایا جاتا ہے اس کی عزت و کرامت کی انتہاء ہو جاتی ہے۔

ماوردی نے لکھا ہے ”دوسری چیزوں کو چھوڑ کر صرف سدرۃ کو ہی کیوں منتخب کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیری

کے درخت کے تین اوصاف ہوتے ہیں: (۱) لمبا سایہ (۲) لذیذ ذائقہ (۳) عمدہ خوشبو۔ اسے اس ایمان کے ساتھ مشابہت

دی گئی ہے جو قول نیت اور عمل میں جمع ہوتا ہے۔ ایمان میں اسے اس کا سایہ عمل کی مانند ہے کیونکہ یہ پھیلتا ہے۔ اس کا ذائقہ

نیت کی طرح ہے جو کہ مخفی ہوتی ہے۔ اس کی خوشبو قول کی طرح ہے جو ظاہر ہوتا ہے۔

تنبیہ

بیری کے درخت کو کاٹنے سے روکا گیا ہے۔ ابو داؤد، الطبرانی، بیہقی، الضیاء نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن

حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے بیری کا درخت کاٹا رب تعالیٰ اس کا سر آگ میں

گراے۔“ الطبرانی نے ”سدر الحرم“ کا اضافہ کیا ہے۔ ابو داؤد نے لکھا ہے: ”یعنی جس نے جنگل میں سے ایسا بیری کا درخت کاٹا

جس کے نیچے مسافر یا چوپائے ٹھہرتے تھے۔ اس نے فضول اور قلم کرتے ہوئے کانٹا تو اس کا سر جہنم کی آگ میں گرے گا۔ امام بیہقی نے ابو ثور سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی علیہ الرحمہ نے بیری کے درخت کو کاٹنے کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا: ”کوئی حرج نہیں۔“ روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو“ اسے اسی پر محمول کیا جائے گا۔ جس پر ابو داؤد نے اسے محمول کیا ہے۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت عروہ بیری کا درخت کاٹتے تھے حالانکہ وہ اس روایت کے راوی ہیں جس میں اس درخت کو کاٹنے کی نہی وارد ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نہی خاص ہو جیسے کہ ابو داؤد نے کہا ہے۔

خطابی نے لکھا ہے کہ علامہ مزنی سے اس کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ”اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا جس نے کسی قوم یا قبیلم کی بیری کو کاٹنے کے لیے حملہ کیا یا اس نے وہ درخت کاٹا جس کا کنارہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا تھا۔ اس وقت وہ اس سزا کا مستحق ہو گا جس کا تذکرہ آپ نے کیا۔ مسئلہ کا تذکرہ سامع سے پہلے گزر چکا ہو گا۔ اس نے جواب تو سن لیا۔ مگر مسئلہ نہ سنا۔ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید کی روایت کو اس کی نظیر کہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”انما الربا فی النسیئة“ انہوں نے صرف جواب سنا۔ انہوں نے مسئلہ نہ سنا حالانکہ آپ نے فرمایا تھا: ”سونے کو سونے کے عوض فروخت نہ کرو مگر مثل بمثل دست بدست“ علامہ مزنی نے اسی چیز سے استدلال کیا ہے جس سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے میت کو بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اگر یہ حرام ہوتا تو اس سے فائدہ اٹھانے کا حکم نہ فرماتے۔ آپ نے فرمایا: ”بیری کے پتے شاخ کی مانند ہیں۔“ انہوں نے کہا: ”حضور اکرم ﷺ نے حرم پاک کے ان درختوں کے پتوں وغیرہ میں برابری قائم فرمائی ہے جسے کانٹا حرام قرار دیا۔ جب بیری کے پتوں سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا منع نہ فرمایا۔ تو بیری کے درخت کو کاٹنے کے جواز پر دلیل قائم ہو گئی۔“ شیخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے ”اس حدیث پاک کی میرے نزدیک عمدہ تاویل یہ ہے کہ اسے حرم پاک کی بیری پر محمول کیا جائے۔ جیسے کہ الطبرانی کی روایت میں ہے۔ ابن الاثیر نے النہایۃ میں لکھا ہے: ”ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حرم پاک کی بیری کا درخت ہے کیونکہ وہ حرم ہے یا مدینہ طیبہ کی پاک زمین کا بیری کا درخت ہے۔ اسے کاٹنے سے منع فرمایا تاکہ یہ ہجرت کرنے والے کے لیے انس اور سایہ کا سبب بن سکے۔ یا اس سے مراد بیری کا وہ درخت ہے جو چٹیل میدان میں ہو کیونکہ مسافر اور جہوان اس کا سایہ حاصل کرتے ہیں یا وہ درخت ہے جو کسی دوسرے انسان کی ملکیت میں ہو۔ ظالم اس پر حملہ کرے اور اسے ناحق کاٹ دے۔“ لیکن یہ حدیث مضطرب الروایت ہے کیونکہ اکثر راویوں نے اسے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود بیری کا درخت کاٹتے تھے اور اس سے دروازے بناتے تھے۔ ہشام کہتے تھے: ”یہ اس

بیری کے درخت کے دروازے میں جسے میرے والد صاحب نے کاٹا تھا۔ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس درخت کا کاٹنا مباح ہے۔“

ابوداؤد نے حضرت حسان بن ابراہیم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت ہشام بن عروہ سے بیری کے درخت کو کاٹنے کے متعلق پوچھا۔ وہ اپنے والد گرامی کے مکان کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا: ”تم یہ دروازے اور چوٹیں دیکھ رہے ہو۔ یہ اس بیری کے درخت کے ہیں جنہیں میرے والد صاحب نے اپنی سرزمین سے کاٹا تھا۔“

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ﴿١٥﴾ (انجم: ۱۵)

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ جنت الماویٰ کے مقام کی تعریف یہ ہے کہ وہ سدرة المنتہی کے پاس ہے۔ یہ عرش کے ائیں طرف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا مقام تھا۔ بعد میں اسی جگہ سے آپ کو نکالا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مارے اہل ایمان کی ارواح جنت الماویٰ میں ہوتی ہیں۔ یہ عرش کے نیچے ہیں۔ وہ اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اس کی عمدہ خوشبو سونگتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مقام حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل کا ٹھکانہ ہے۔

اللباب میں ہے ”یہ ابتدائیہ جملہ ہے جو حال کی جگہ ہے بہتر ہے کہ اسے حال طرف کہا جائے جنت الماویٰ اس کا مائل یہ ہے۔ عام قراء نے اسے جنة اسم مرفوع پڑھا ہے۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت ابودرداء، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن زبیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم، حضرت زبیر بن جیش، حضرت محمد بن کعب نے اسے جنة فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس میں ہاء ضمیر ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ الماویٰ فاعل ہے اس کا معنی ہے کہ رب تعالیٰ کی پناہ نے آپ کو گھیر لیا یا گھرا اور رات نے آپ کو گھیر لیا۔ یا اس کے سایہ نے آپ کو گھیر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہو گئے۔

امام رازی نے لکھا ہے: ”احتمال ہے کہ اس قرأت کے مطابق ”عندھا“ کی ضمیر ”النزلة“ کی طرف راجع ہو۔ یعنی نزول کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماویٰ نے ڈھانپ لیا۔ صحیح موقف یہ ہے کہ یہ السدرة کی طرف راجع ہے۔ اللباب میں ہے: یہ جمہور کا قول ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس قرأت کو عجیب سمجھا ہے۔ ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے: ”اجن الله من قرأها“ جب ایسی عظیم ہستیوں سے یہ قرأت منقول ہے تو آپ کے رد کی طرف کوئی سبیل نہیں ہوگی۔ لیکن مستعمل اجنہ (رباعی) ہے۔ اسے ثلاثی بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جو ”علی“ سے متعدی ہوتا ہے۔ شاذ و بانی ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ - (الانعام: ۷۶)

ترجمہ: ”پھر جب چھاگئی ان پر رات۔“

ابوالبقاء نے لکھا ہے کہ یہ شاذ ہے۔ لکن مستعمل ہے۔

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ﴿١٦﴾ (النجم: ۱۶)

ابن قیم نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو دیکھا۔ پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھا۔ ذکر فرمایا کہ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اور اسے اس چیز نے ڈھانپ لیا جسے ڈھانپ لیا یہ عمدہ استطراد ہے۔ قرآن مجید میں یہ ایک لطیف اسلوب ہے۔

اللباب میں ہے: ”اذ“ حالت نصب میں ہے۔ امام نے لکھا ہے: ”اذ“ کا عامل یا اس کا مابعد ہے یا اس کا ماقبل ہے۔ اس میں دو وجہیں ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ اس کا عامل ماقبل ہے تو اس میں دو احتمال ہیں۔ ان میں اظہر احتمال یہ ہے کہ آپ نے انہیں اس وقت دیکھا جب سدرۃ پر وہ چھارہ چھارہ تھا۔ دوسرے احتمال میں عامل وہ فعل ہے جو النزول میں ہے۔ آپ نے انہیں دوسری بار دیکھا۔ یہ دیکھنا اس وقت تھا جب سدرۃ پر چھارہ چھارہ تھا۔ یہ نزول اس وقت کے بعد تھا جب سدرۃ پر عجائب کا نزول ہوا تھا۔ اس پر چھارہ چھارہ تھا۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ واپس تشریف لائے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ فائدہ کے بغیر واپس نہیں لوٹے تھے۔ اگر ہم کہیں کہ اس میں عامل مابعد ہے تو پھر اس کا عامل ”ما زاغ البصر“ ہے یعنی جب سدرۃ پر چھارہ چھارہ تھا اس وقت بھی آپ کی نگاہ ناز بھی درماندہ نہ ہوئی جب سدرۃ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھارہ تھا۔

اس وقت سدرۃ پر کیا چھایا تھا اس کے بارے اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سونے کے بستر یا سونے کی ٹڈیاں تھیں۔ یہ حضرات ابن عباس، ابن مسعود اور ضحاک کا قول ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرات ابن مسعود اور ابن عباس نے حضور نبی اکرم ﷺ سے مرفوع روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میں نے سدرۃ کو دیکھا اس پر سونے کے بستر چھائے ہوئے تھے۔ میں نے ہر ہر پتے پر ایک فرشتہ دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہا تھا۔“ میں کہتا ہوں کہ امام نے لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ دلیل سمعی سے ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر اس میں حدیث صحیح ہو تو درست ہے۔ ورنہ اسے متعین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث شریف ہے۔ ایسی حدیث پاک کو اپنی رائے سے نہیں کہا جاسکتا۔ ایک قول یہ ہے کہ ملائکہ اس پر چھائے ہوئے تھے گویا کہ وہ پرندے تھے۔ وہ شوق فراواں اور حصول تبرک کے لیے زیارت

کرتے ہوئے اس پر چڑھتے تھے۔ جیسے لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر انوار الہیہ چھا رہے تھے۔ کیونکہ جب آپ سدرۃ پہنچے تو رب تعالیٰ نے اس طرح تجلی فرمائی جس طرح رب تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تھی۔ انوار ظاہر ہوئے لیکن سدرۃ کا درخت پہاڑ سے مضبوط تھا۔ وہ ثابت رہا۔ جبکہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ درخت نے حرکت نہ کی۔ حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے لیکن حضور اکرمؐ کی شانہ ثابت قدم رہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان اقوال میں کوئی منافات نہیں ہے۔ جیسے کہ روایت ہے کہ ان میں سے ہر چیز وہاں چھا رہی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی تعظیم کرتے ہوئے اسے مبہم رکھا۔ یعنی سدرۃ پر اس نے ملکوت کے دلائل اور اس کی قدرت کے عجائب جو چھا رہے تھے انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ (انجم: ۱۷)

الصباح میں ہے قد زاع البصر ای مآل۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ نہ تو چشمان اقدس دائیں بائیں مائل ہوئیں۔ نہ اس حد سے آگے بڑھیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریمؐ سے اس چیز کی نفی فرمادی جو اس مشاہدہ کرنے والے کو لاحق ہوتی ہے جسے بادشاہوں اور عظیم لوگوں کے سامنے کھڑے ہونے کے آداب نہ آتے ہوں۔ جو دائیں بائیں متوجہ ہوتا ہو۔ اس مقام پر آپ کے کمال ادب کے بارے بتایا۔ آپ نے کسی جانب توجہ نہ کی۔ آیات ربانیہ اور عجائب کے علاوہ کسی اور جگہ نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ بلکہ آپ اس عبد کامل کی طرح کھڑے ہوئے جس کا ادب اس پر لازم کرتا ہے کہ وہ سر جھکائے رکھے اور صرف اس چیز کی طرف توجہ کرے جو اس کی مراد ہے کسی اور چیز کی طرف توجہ نہ کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ دل اضطراب سے پاک تھا۔ اس پر طمانیت اور سکون چھایا ہوا تھا۔ یہ کمال کی انتہاء ہے۔ زلیغ البصر سے مراد یہ ہے کہ نظر کا ایک جانب پھر جانا۔ اور تا حد نگاہ اسے آگے لے جانا۔ اس سورت میں آپ کے لیے یہ تزیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ کا عمل مبارک گمراہی ہو، قصد مبارک ضلالت سے اور کلام مبارک خواہشات سے پاک ہے۔ دل اس سے پاک ہے کہ وہ بصارت کی تکذیب کرے۔ نگاہ نازیٹھ سے پن اور سرکشی سے پاک ہے۔ یہ آپ کی تعریف ہے:

تلك المكارم لا قعبان من لبن
شيبا بماء فعادا بعد ابوالأ

ترجمہ: ”یہ مکارم اخلاق دودھ کے ایسے پیالے نہیں جن میں پانی ملایا گیا جو بعد میں پیشاب میں تبدیل ہو جائیں۔“

اللباب میں امام رازی کی ترجیح میں ہے: ”البصر کالام دود جو ہات کا احتمال رکھتا ہے:

معروف یعنی حضور پاک ﷺ کی نگاہ ناز در ماندہ نہ ہوئی۔ اس اعتبار سے اس کی کئی وجوہ ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ سدرۃ پر سونے کے بستر اور سونے کی ٹڈیاں چھائی ہوئی تھیں تو معنی یہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ نے نہ تو ان کی طرف توجہ کی اور نہ ہی ان میں مصروف ہوئے۔ آپ کی نظر آپ کے مقصود حقیقی پر رہی۔ اس صورت میں یہ بستر اور ٹڈیاں آپ کے لیے امتحان نہ تھیں۔ اگر ہم کہیں کہ وہاں انوار الہیہ چھائے ہوئے تھے تو پھر اس میں دو وجوہات ہیں۔

❖ آپ نے دائیں بائیں توجہ نہ کی۔ بلکہ ان کے مشاہدہ میں مصروف رہے۔

❖ کمزوری کی وجہ سے آپ کی نگاہ ناز در ماندہ نہ ہوئی۔ پہلی صورت میں آپ کے کمال ادب کا بیان ہے۔ دوسری صورت میں آپ کی قوت کا بیان ہے۔

لام میں دوسری وجہ یہ ہے کہ تعریف الجلس کے لیے ہو۔ یعنی عظمت کی ہیبت کی وجہ سے آپ کی نگاہ ناز بالکل مائل نہ ہوئی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یوں ہوتا تو عبارت کچھ اس طرح ہوتی "مَا زَاغَ بَصَرٌ" یہ عمومیت پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ نفی کے اظہار میں نکرہ عمومیت کا فائدہ دیتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

لَا تُدْرِ كُهُ الْاَبْصَارُ (انعام: ۱۰۳)

ترجمہ: "نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں۔"

یوں نہیں فرمایا: "لم یدر کہ بصر"

وَمَا طَغَى (النجم: ۱۷)

ترجمہ: "اور نہ (حدادب سے) آگے بڑھی۔"

امام رازی نے لکھا ہے اسمیں دو وجوہات ہیں:

❖ یہ عطف ہے ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف ہے۔

❖ یہ عطف ہے ایک جملہ کا عطف دوسرے جملہ پر کیا گیا جن کا بعض حصہ مخذوف ہے۔

پہلی وجہ کی مثال "خرج زید و دخل عمرو" مقدرہ کی مثال "خرج زید و دخل" یہ دونوں وجہیں جائز

میں۔ پہلی وجہ کے اعتبار سے گویا کہ رب تعالیٰ نے نور کے ظہور کے وقت کہا: "مَا زَاغَ بَصَرٌ مُحَمَّدٌ وَمَا طَغَى مُحَمَّدٌ"

بسبب الالتفات و لو التفت لكان طاغيا" دوسری وجہ ظاہر ہے اگر کہا جائے کہ سدرۃ پر چھانے والی چیز ٹڈیاں

تھیں تو معنی یہ ہوگا کہ آپ نے رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف توجہ نہ کی۔ آپ نے نہ ٹڈیوں اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی

اور کی طرف توجہ کی۔ اگر چھانے والا نور ہو تو معنی یہ ہوگا کہ آپ کی نگاہ ناز انوار الہیہ سے ماٹل نہ ہوئی۔ لیکن رب تعالیٰ نے مَا مَالٌ وَمَا جَاوَزَ نہ فرمایا۔ کیونکہ اس جگہ میل اور تجاوز کا ذکر کرنا مذموم ہے۔ لہذا اس جگہ الزیغ اور الطغیان کا تذکرہ کیا۔ اس میں ایک اور وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ یہ حضور ﷺ کے یقین کی شدت تک پہنچنے کی تفصیل ہے وہ یقین جس کے اوپر یقین نہیں۔ یعنی آپ کی نگاہ ناز رستہ سے نہ ہٹی۔ آپ نے خلاف حقیقت کچھ نہ دیکھا۔ اس شخص کے برعکس جو سورج کو دیکھتا ہے۔ پھر وہ سفید چیز کو دیکھے تو وہ اسے زرد یا سبز نظر آتی ہے۔ دیکھنے کی راہ سے آپ کی نگاہ نہ ہٹی۔ ”وما طغی“ کا معنی ہے کہ آپ نے معدوم کو موجود تصور نہ کیا یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے اس سے تجاوز نہ کیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا۔

لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴿١٨﴾ (انجم: ۱۸)

اللباب میں ہے ”الکبریٰ میں دو وجوہ ہیں: اظہر یہ ہے کہ مفعول ہے۔ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ مال مقدم ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی: ”لقد رأى الآيات الکبریٰ من آیات ربہ“ دوسرا احتمال یہ ہے کہ من آیات ربہ الرؤیة کا مفعول ہے۔ الکبریٰ، آیات ربہ کی صفت ہے۔ اس جمع کی صفت مونثہ واحدہ لگانا درست ہے۔ اس کا یہاں فاصلہ ہونا بہت عمدہ ہے۔

امام رازی نے لکھا ہے: ”الکبریٰ میں دو احتمال ہیں:

❖ یہ مخذوف کی صفت ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: لقد رأى من آیات ربہ۔

❖ یہ آیات ربہ کی صفت ہے۔ اس صورت میں رأى کا مفعول مخذوف ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی: ”رأى من آیات ربہ الکبریٰ آيةً او شيئاً“۔

امام قرطبی نے لکھا ہے: ”رواہے کہ من زائدہ ہو یعنی ”رأى آیات ربہ الکبریٰ“ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد آپ کا حضرت جبرائیل امین کو اصلی صورت میں دیکھنا ہے۔

امام نے لکھا ہے: ”ظاہری بات یہی ہے کہ ان آیات سے مراد اس کے علاوہ کچھ اور ہے۔ اگرچہ یہ علامت بھی عظیم ہے۔ لیکن آیات میں ہے کہ رب تعالیٰ کی مخلوق ایسی بھی ہے جو ان سے بھی بڑی ہے۔ الکبریٰ اکبر کی تانیث ہے۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”رأى من آیات ربہ آیات ہی اکبر الآيات“۔

امام احمد، امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت جبرائیل امین کو دیکھا۔ انہوں نے رفرق کا حلقہ پہن رکھا تھا۔ انہوں نے آسمان اور زمین کے مابین فضا کو بھر رکھا تھا۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ اس روایت سے علم ہوتا ہے کہ رُفْرَف سے مراد حلہ ہے یہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی اس کی تائید کرتا ہے:

مُتَّكِبِينَ عَلَى رُفْرَفٍ خُضْرٍ - (الرحمن: ۷۶)

ترجمہ: ”وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز منہ پر جو از حد نفیس۔“

رُفْرَف کی اصل وہ چیز ہے جو دیباچ کی ہو۔ نرم ہو عمدہ ہو پھر اس کا استعمال پردہ میں ہونے لگا۔ ہر وہ عمدہ چیز جسے

یہ کیا جائے تو وہ مرد جائے وہ رُفْرَف ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: ”شبِ معراج کو آپ نے اپنی سیر کو جاتے وقت اور واپس

آتے وقت یہی دیکھا تھا۔ یہ بہت احسن ہے۔“

امام نے لکھا ہے: ”یہ آیت طیبہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شبِ معراج کو حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار

نہیں کیا تھا۔ آپ نے آیاتِ الہیہ کو دیکھا تھا۔ مگر اس میں اختلاف ہے۔ دلیل پکڑنے کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی روایت

آیات پر قصہ معراج کو ختم کیا ہے۔ فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا - (الاسراء: ۱)

ترجمہ: ”پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں۔“

حتیٰ کہ فرمایا:

لِنُرِيَهُ مِنْ أَيْنَ تَنَاطَأ - (الاسراء: ۱)

ترجمہ: ”تا کہ ہم دکھائیں آپ کو اپنی نشانیاں۔“

اگر آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہوتا تو ممکنات میں سے سب سے بڑی بات ہوتی۔ یہ آیت روایت کے لیے

ہوتی۔ کیونکہ روایت سب سے بڑی چیز ہے۔ ”ابن کثیر نے لکھا ہے ”اہل السنۃ والجماعۃ میں سے جس نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ

اس شب کو رو یہ واقع نہیں ہوئی تھی اس نے ان دونوں آیات سے استدلال کیا ہے۔ اگر آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا

ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی خبر دیتا لوگوں کو بتاتا۔



شب معراج دیدارِ الہی میں علماء کا اختلاف

وہ درست موقف جس پر اہل حق ہیں وہ یہ ہے کہ از روئے عقل رویت باری تعالیٰ ممکن ہے محال نہیں ہے۔ اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ آخرت میں رویت ہوگی۔ اہل ایمان رب تعالیٰ کی زیارت کریں گے۔ بدعتیوں کے ایک گروہ نے یہ گمان کیا ہے کہ رب تعالیٰ کو اس کی مخلوق میں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ دیدارِ الہی عقلاً محال ہے لیکن یہ موقف واضح خطا اور بہت بڑی جہالت ہے۔

کتاب حکیم کی ادلہ، سنت مطہرہ، اجماع صحابہ کرام اور بعد کے علماء کا اس بات پر اجماع عیاں ہے کہ آخرت میں دیدارِ الہی ہوگا۔ اکیس صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے یہی روایت کیا ہے۔ اس کے بارے آیات قرآنیہ مشہور ہیں۔ اہل بدعت کے اس پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات اہل السنۃ کے متکلمین کی کتب میں مذکور ہیں۔ دنیا میں دیدارِ الہی عقلاً اور سمعاً ممکن ہے۔ اہل حق کا موقف یہ ہے کہ رویت وہ قوت ہے جسے رب تعالیٰ اپنی مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے۔ اس میں شعاعوں کا متصل ہونا شرط نہیں اور نہ ہی مرئی کا سامنے ہونا شرط ہے۔ لیکن ہمیں ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے یہ عادت رواں ہوگئی ہے۔ یہ اتفاق کی جہت سے ہے شرط کی جہت سے نہیں۔ ہمارے آئمہ عظام نے عمدہ دلائل سے اسے ثابت کیا ہے۔ رویت باری تعالیٰ کے لیے جہت ہونا لازم نہیں رب تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے۔ بلکہ اہل ایمان اسے جہت کے بغیر دیکھیں گے جیسے وہ جانتے ہیں کہ وہ کسی جہت میں نہیں ہے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔ ہر موجود کو دیکھنا صحیح ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کی زیارت کرنا بھی صحیح ہے۔ حکم اپنے وجود اور عدم کے لیے اپنی علت کے ارد گرد گھومتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ موجود ہونا ہی رویت کی صحت کے لیے علت ہے۔ اس کا وقوع اور نہ سمجھ سکتا اس کے جواز کو لازم نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ کی سنت مطہرہ یہی ہے کہ اس نے اسے ہم میں پیدا نہیں کیا۔ مگر یہ جواز ہے کہ وہ یہ ہم میں پیدا کر دے۔ کیونکہ یہ محال نہیں۔ اس میں اور بھی اباحت ہیں جو اہل کلام کی کتب میں موجود ہیں۔ دنیا میں رویت باری تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے دیدار کی التجاء کی۔ عرض کی:

رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ ۗ (الاعراف: ۱۳۳)

ترجمہ: "اے میرے رب مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں۔"

ان کا اعتقاد تھا کہ رب تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے التجاء کی۔ اس آیت طیبہ میں دو دلیلیں ہیں: یہ مجال ہے کہ ایک نبی کو یہ علم نہ ہو کہ رب تعالیٰ کے لیے کیا روا ہے اور کیا روا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس چیز کی التجاء کرتا ہے جو جائز ہو اور مجال نہ ہو۔ کیونکہ انبیائے کرام ﷺ مجال کا سوال نہیں کرتے۔ لیکن اس امر کا وقوع اور مشاہدہ ہونا اس غیب سے ہوتا ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ ذات والا جانتی ہے جسے وہ بتاتا ہے اور آگاہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے انہیں ایسا جواب دیا جو جواز کے لیے منافی نہیں ہے۔ فرمایا:

لَنْ تَرَانِي ۗ (الاعراف: ۱۳۳)

ترجمہ: "تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے۔"

لَنْ أَرِي نہیں فرمایا جس سے اس کی نفی کی طرف اشارہ ملتا ہو۔ یعنی تم میرا دیدار کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تم یہ برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ وصف ابھی تم میں نہیں پایا۔ ان کے لیے ان چیز کی تمثیل بیان کی جو ان سے اقویٰ اور اثبت تھی یعنی پہاڑ۔ فرمایا:

وَلَكِنْ أَنْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۗ (الاعراف: ۱۳۳)

ترجمہ: "البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے۔"

دوسری دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے لیے اپنی رویت کو کوہ طور کے ساتھ معلق کیا۔ اگر کوہ طور تجلی کے وقت برقرار رہا تو انہیں دیدار الہی سے شاد کام کیا جائے گا۔ وہ چیز جسے ممکن کے ساتھ معلق کیا جائے۔ وہ ممکن ہوتی ہے۔ کیونکہ تعلیق کا معنی ہے معلق بہ۔ کے ثبوت کے وقت معلق کے ثبوت کے بارے میں خبر دینا ہے۔ اس پر یہ جملہ شرطیہ خبر یہ ہے بشرطیکہ جزاء دراصل خبر ہو۔ جیسے کہ یہاں ہے۔ لہذا رویت کا امکان لازمی طور پر ثابت ہو گیا ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے۔ مجال تو بالکل کسی چیز پر وقوع نہیں ہوتا۔ جب امکان ثابت ہو گیا تو امتناع اٹھ گیا۔ حضرت موسیٰ کی گزارش:

تُبْتُ إِلَيْكَ ۗ (الاعراف: ۱۳۳)

ترجمہ: "میں تو بہ کرتا ہوں تیری جناب میں۔"

یعنی میں اس سے تو بہ کرتا ہوں کہ میں نے اس چیز کا سوال کیا جو میرے لیے دنیا میں مقدر نہیں ہے۔ ایک قول یہ

ہے کہ یہ التجاء ان انوار کی شدت کی وجہ سے تھی۔ جو آپ پر نازل ہوئے حتیٰ کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ جیسے کہ تم اس جائز فعل کے بارے کہتے ہو جو تمہیں مشقت میں مبتلا کر دے۔ ”میں ایسا کام کرنے سے تو بہ کرتا ہوں۔“

قاضی ابو بکر الحدلی نے لکھا ہے کہ اس آیت طیبہ کا مفہوم یہ ہے ”دنیا میں کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ مجھے دیکھ سکے۔ جو دنیا میں مجھے دیکھتا ہے وہ اسی وقت مر جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ نے پہاڑ کو دیکھا تھا وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔“

قاضی نے لکھا ہے ”میں نے بعض اسلاف اور متاخرین کو سنا ہے ان کا موقف یہ ہے کہ دنیا میں روایت باری تعالیٰ ممنوع ہے۔ یہ امتناع اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں کیونکہ اس کے جواز کا ثبوت ہے۔ یہ اس لیے ممنوع ہے کیونکہ اہل دنیا کی ترکیب اور قوی کمزور ہیں۔ یہ اعضاء متغیرہ ہیں یہ ایسے حادثات کا سامنا کرتے ہیں جو جگر کو بلا کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ موت اور فناء سے ڈرتے ہیں۔ انہیں دنیا میں روایت پر قوت حاصل نہیں ہے۔ آخرت میں ان کی ایک اور ترکیب ہوگی۔ انہیں ثابت اور مضبوط قوی بخشے جائیں گے ان کے دلوں اور آنکھوں کا نور مکمل ہوگا۔ آخرت میں انہیں روایت کی قدرت حاصل ہوگی۔“

میں نے اسی طرح کا موقف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی دیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے: ”یہ دیدار الہی دنیا میں نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ذات باقی ہے باقی کو فانی کے ساتھ نہیں دیکھا جاسکتا۔ آخرت میں انہیں باقی رہ والی نظریں ملیں گی۔ باقی کو باقی کے ساتھ دیکھا جاسکے گا۔“ امام مالک علیہ الرحمۃ کا کلام عمدہ اور خوبصورت ہے۔ اس میں محال ہونا قدرت کے ضعف کی وجہ سے ہے۔ رب تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے روایت کا بوجھ اٹھانے کی قدرت عطا کر دیتا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے: ”صحیح مسلم میں ایک روایت ہے جو اس گروہ کی تائید کرتی ہے مرفوع روایت ہے۔ ”جان لو تم اپنے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکو گے حتیٰ کہ مر جاؤ۔“ اس روایت کو ابن خزیمہ نے حضرت ابو امامۃ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ جب دنیا میں روایت از روئے عقل جائز ہوگئی۔ یہ سماعت کے اعتبار سے ممنوع تھی۔ جس نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کیا ہے۔ اس کے لیے یہ کہنا روا ہے کہ متکلم اپنے خطاب کی عمومیت میں داخل نہیں ہوتا۔“

قاضی نے لکھا ہے: ”جس نے اس سے اختلاف کیا ہے اس کے لیے رب تعالیٰ کا یہ فرمان حجت نہیں ہے۔“

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: ”نہی گھیر سکتیں اسے نظریں۔“

کیونکہ اس آیت طیبہ کی تاویلات میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ادراک سے مراد احاطہ ہے۔ اس میں مطلق روایت کی نفی نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اس کا صحیح جواب یہ ہے "اس نفی میں عموم اوقات یا عموم حالات میں سے کسی حالت پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ یہ مراد کہاں سے ثابت ہوگئی کہ اوقات میں سے کسی وقت میں اور احوال میں سے کسی حال میں نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ بلکہ اسے دار دنیا کی نسبت کے اعتبار سے محمول کرنے کا یقین ہو جائے گا۔ تاکہ دلائل سمعیہ کو جمع کیا جاسکے۔"

امام قرظی نے المفہم میں لکھا ہے: "ابصار جمع ہے۔ اس کے ساتھ الف لام لگا یا گیا ہے جو تخصیص کو قبول کرتا ہے۔ یہ سمع کے اعتبار ثابت ہے۔ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحُوبُونَ ﴿١٥﴾ (المطففين: ١٥)

ترجمہ: "یقیناً انہیں اپنے رب سے اس دن روک دیا جائے گا۔"

اس سے مراد کفار ہوں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے:

وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ ﴿٢٣﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٤﴾ (القيامة: ٢٣، ٢٤)

ترجمہ: "کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔"

انہوں نے لکھا ہے کہ جب یہ آخرت میں جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے۔ کیونکہ دیکھنے والے کے اعتبار سے دونوں

اوقات برابر ہیں۔ الحافظ نے لکھا ہے: "یہ عمدہ استدلال ہے۔"

اس آیت طیبہ سے روایت کے امکان کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ اگر روایت ممتنع ہوتی تو نفی روایت کی وجہ

سے آیت سے مدح حاصل نہ ہو سکتی۔ اس لزوم کی وجہ یہ ہے کہ ممتنع اپنی ذات کی حد میں منافی ہوتا ہے۔ اس کی نفی مدح کی

صفت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ وہ لازمی ہوتا ہے۔ لیکن معدوم کی روایت ممتنع ہوتی ہے۔ عدم روایت کی وجہ سے اس کی مدح نہیں

ہو سکتی۔ لہذا "المعدوم لا یزی" مدح نہیں ہوگی۔ کیونکہ معدوم کی روایت ممتنع ہے۔ رب تعالیٰ کی روایت کے عدم کی نفی

سے مدح ثابت ہو سکتی ہے۔ لہذا اس کی روایت ممکن ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ عدم روایت سے نفی سے مدح روایت باری تعالیٰ کے

امکان کی وجہ سے ہوگی۔ لیکن اسے دیکھا نہیں جاسکتا کیونکہ امتناع ہے۔ نگاہیں اس میں معذور ہیں۔ کبریائی اور جلال کے

حجابات ہیں۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس کی روایت ممتنع ہے۔ لیکن اس پر صفات سلبیہ ایسی صفات ہیں جو مدح کرتی ہیں۔ اگر

ہم آیت طیبہ میں ادراک سے مراد وہ روایت لیں جو مرئی کی جوانب اور حدود کا احاطہ کر لے تو اس وقت یہ آیت طیبہ نہ صرف

روایت کے جواز پر دلالت کرے گی بلکہ وقوع کے تحقق پر بھی دلالت کرے گی۔ کیونکہ اسے بطور مدح ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی

دلالت سے جواز کا اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب تو اسے دیکھے گا تو تیری نگاہ اس کا احاطہ نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ

وہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ وہ نگاہوں سے دیکھا تو جاسکتا ہے لیکن احاطہ کے اعتبار سے نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں کیونکہ وہ قطعی طور پر تنہا ہی سے پاک ہے۔ وہ ان حدود سے منزہ ہے جو انتہائیں اور جوانب ہیں۔ غیر متناہی چیز کا احاطہ محال ہوتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول حدیث پاک کی شرح میں آئے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں رویت کے جواز کا قول بھی ہوگا۔ لیکن یہ سعادت حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس میں بھی اختلاف ہے۔ آپ کے علاوہ جس کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہے وہ گمراہ ہے۔ امام موفق الدین الکاشی اور امام مہدوی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس کے کفر کا قول کیا ہے۔ امام جمال الدین الارذبیلی نے کتاب الانوار میں لکھا ہے: ”جب دیدار کے بارے حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ نے عرض کی تو یہ انہیں حاصل نہ ہو سکا تو یہ لوگوں میں سے کسی اور کو کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔“ لیکن اس امر میں توقف بہتر ہے۔

فصل

حضور اکرم ﷺ نے شب معراج رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا یا نہیں۔ اس کے بارے دو موقف ہیں۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیدار کی نفی کی ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مشہور ہے۔ بہت سے محدثین اور متکلمین نے یہی موقف اپنایا ہے۔ امام دارمی نے مبالغہ کرتے ہوئے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ دوسرا موقف یہ ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ عبدالرزاق نے معمر سے اور وہ حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ محمد عربی ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انکار انہیں شدید لگتا تھا۔ حضرت ابن عباس کے ساتھیوں حضرت کعب الاحبار، امام زہری، معمر اور دیگر آئمہ کا یہی موقف ہے۔ شیخ ابوالحسن الاشعری اور ان کے پیرو کاروں اور ابن خزیمہ کا یہی موقف ہے۔ پھر ان کا اختلاف ہے کہ کیا آپ نے اپنے دل مبارک سے یا چشمان مقدس سے اس کی زیارت کی تھی۔ امام احمد سے یہ دونوں اقوال منقول ہیں۔ امام نووی نے لکھا ہے ”اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے شب معراج کو اپنے رب تعالیٰ کو اپنے سر اقدس کی مبارک آنکھوں سے دیکھا تھا۔ عنقریب ان کے دلائل کا تذکرہ ہوگا۔“

ایک گروہ نے اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا ہے کیونکہ دلائل کے تعارض کی وجہ سے نہ نفی کا قول کیا ہے نہ اثبات کا۔ امام قرطبی نے اس کو راجح کہا ہے۔ محققین کی ایک جماعت نے یہی مذہب اختیار کیا ہے یہ چیز اسے قوی کرتی ہے کہ اس ضمن میں کوئی دلیل قاطع نہیں ہے۔ دونوں گروہوں نے ایسے دلائل سے استدلال کیا ہے جو ایک دوسرے کے معارض ہیں۔ اور

ان میں تاویل ہو سکتی ہے۔ یہ فضیلت کا مسئلہ نہیں جس میں ظنی دلائل کافی ہوں بلکہ یہ عقائد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس میں دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

امام بکی نے سیف المسلمول میں لکھا ہے ”اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دلیل قطعی اور متواتر ہی ملے بلکہ اگر ایک صحیح حدیث مل جائے وہ آحاد کی روایت ہو تو اس پر اعتماد کرنا درست ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق اعتقاد کے مسائل سے ہے جن میں دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔“

قاضی علیہ الرحمۃ نے الشفاء وغیرہ میں لکھا ہے ”جواز میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات طیبات:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۖ (الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: ”نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں۔“

لَنْ تَرَانِي وَلَكِنْ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۙ (الاعراف: ۱۳۳)

ترجمہ: ”تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے۔“

میں کوئی ایسی نص نہیں ہے جو روایت کے خلاف ہو۔ بلکہ یہ جواز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کیا حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا تو اس کے بارے کوئی قطعی دلیل نہیں ہے نہ ہی کوئی قابل اعتماد نص ہے کیونکہ اس میں سورۃ النجم کی دو آیتوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۙ (النجم: ۱۱)

ترجمہ: ”نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے۔“

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۙ (النجم: ۱۷)

ترجمہ: ”اور نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ حد ادب سے آگے بڑھی۔“

لیکن ان میں آمد کا اختلاف ہے۔ ان میں روایت اور عدم روایت کا احتمال ممکن ہے کیونکہ ان میں یہ صراحت نہیں ہے۔ اس ضمن میں آپ سے کوئی قطعی اور متواتر روایت بھی منقول نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس کی یہ روایت کہ آپ نے اپنے سر اقدس کی آنکھوں سے دیکھا تھا یا دل سے دیکھا تھا۔ یہ اعتقاد سے تعلق رکھتی ہے۔ انہوں نے اسے حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا حتیٰ کہ اس کا اعتبار کیا جائے اور اس اعتقاد پر عمل کیا جائے کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ اسی طرح کی روایت حضرت شریک نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا

دیدار کیا تھا۔ حضرت معاذ کی روایت "رائیت ربی فی احسن صورۃ" کی سند اور متن مضطرب ہے۔ حضرت ابو ذر کی روایت الفاظ کے اعتبار سے مختلف احتمال رکھتی ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا یا نہ کیا۔ کیونکہ آپ نے اس کی ذات کو نور فرمایا ہے روایت ہے "نورانی اراۃ" یعنی وہ نور ہے میں اسے کیسے دکھ سکتا ہوں کیونکہ نور کو دیکھنے سے آنکھیں چندھا جاتی ہیں۔ دوسری روایت ہے "نورائی اراۃ" وہ نور ہے میں نے اس کو دیکھا ہے۔

قاضی نے لکھا ہے "اس روایت کا وقوع ہمارے لیے نہیں ہوا۔ نہ ہی میں نے اسے اصول میں سے کسی اصل میں دیکھا ہے۔ یہ محال ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات والا نور ہو۔ نور جسم ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کی ذات اقدس اس سے بلند و بالا ہے۔ اسی لیے اس کا نام مبارک "نور" ہے یعنی نور والا یا نور کا خالق۔ ایک اور روایت میں ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی: "کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟" آپ نے فرمایا: "میں نے نور دیکھا ہے۔ ان میں سے کسی ایک روایت سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ یہ وضاحت کر رہی ہیں کہ آپ نے اسے نہیں دیکھا۔ اگر یہ صحیح ہو تو میں نے نور دیکھا ہے" تو اس کا مطلب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بتایا کہ آپ نے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا بلکہ نور دیکھا۔ جس نے آپ کو دیدار الہی سے روک دیا۔ یہ فرمان اس فرمان کی طرف راجع ہے "نور آئی اراۃ" میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ اس کا حجاب نور ہے جو آنکھوں کو چندھا دیتا ہے۔ یہ حدیث مبارک معنی میں اس روایت کے مشابہ ہے "حجابہ نور" (مسلم) الاکمال میں ہے "ہمارے بعض مشائخ نے اس میں توقف کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے "یہ کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ لیکن یہ جائز ہے۔ روایت باری تعالیٰ دنیا میں جائز ہے۔"

پہلے موقف کے دلائل

امام بخاری، امام مسلم، عبدالرزاق عبد بن حمید، ترمذی اور ابن جریر وغیرہم نے حضرت مسروق سے روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق نے اضافہ کیا ہے "حضرت ابن عباس حضرت کعب سے ملے۔ میدان عرفات کا مقام تھا۔ انہوں نے ان سے ایک سوال کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "ہم بنو ہاشم ہی گمان کرتے ہیں (کہ آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے) دوسری روایت میں ہے "حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔" حضرت کعب نے تکبیر کہی جس کی گونج پہاڑوں سے ابھری۔ پھر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام حضور انور ﷺ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے مابین تقسیم کیا ہے۔ (حضور ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے دو بار اس سے گفتگو کا شرف حاصل کیا۔ پھر انہوں نے اتفاق کر لیا۔"

حضرت مسروق حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے عرض کی: ”امی جان! کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟“ انہوں نے فرمایا: ”جو کچھ تم سے کہا ہے اس سے میرے رونگھٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ جو شخص تم سے تین امور بیان کرے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ یا اس نے رب تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے جو تم سے یہ بیان کرے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ انہوں نے جھوٹ بولا ہے یا رب تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان لگایا ہے۔“ پھر انہوں نے یہ آیت طیبہ تلاوت کی:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ، وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰۳﴾ (الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: ”نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین اور پوری طرح باخبر ہے۔“

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ . (الشوری: ۵۱)

ترجمہ: ”اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ۔“

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا؟ تو اس نے بھی جھوٹ بولا ہے۔ یا رب تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے۔“ پھر انہوں نے آیت کریمہ تلاوت کی:

وَمَا تُدْرِكُ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ، (لقمان: ۳۴)

ترجمہ: ”اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا۔“

جو تم سے یہ کہے کہ آپ نے کچھ چھپایا ہے اس نے بھی بہتان باندھا ہے۔ یا جھوٹ بولا ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

يَأْتِيهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ، وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ .

(المائدہ: ۶۷)

ترجمہ: ”اے رسول پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے

ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ کا پیغام۔“

بلکہ آپ نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی شکل میں دوبار دیکھا۔ ”امام احمد اور امام مسلم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت مسروق نے عرض کی:

”میں ٹپک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ میں سیدھا ہو گیا۔ میں نے عرض کی: کیا یہ رب تعالیٰ کا فرمان نہیں ہے؟“

وَلَقَدْ رَأَوْا نَزْلَةَ أُخْرَىٰ ﴿١٣﴾ (انجم: ۱۳)

ترجمہ: ”اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔“

صحابہ کرام نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا۔ میں نے عرض کی: ”کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے؟“
آپ نے فرمایا: ”نہیں! میں نے حضرت جبرائیل کو اترتے وقت دیکھا تھا۔“

امام احمد نے حضرت ہمام سے، حضرت امام مسلم نے حضرت معاذ بن ہشام سے اور یزید بن ابراہیم نے ان سب سے حضرت قتادہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: ”اگر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لیتا تو آپ سے ایک سوال پوچھتا۔“ انہوں نے فرمایا: ”کون سا؟“
میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی زیارت کی ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”میں نے آپ سے التجاء کی تھی۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟“ آپ نے فرمایا: ”وہ نور ہے وہ کیسے دیکھا جاسکتا ہے۔“ ”یا“ وہ نور ہے میں نے اس کی زیارت کی ہے (دوسری روایت میں ہے) ”میں نے نور دیکھا ہے۔“

تنبیہات

◆ ایک جماعت نے لکھا ہے کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کسی مرفوع روایت سے روایت کی نفی نہیں کی۔ اگر ان کے پاس مرفوع روایت ہوتی تو وہ اس کا تذکرہ کرتیں۔ انہوں نے آیت طیبہ کے ظاہر سے استدلال کیا تھا۔ جو کچھ اس نظریہ کے حامل لوگوں نے کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت ام المؤمنین کے فرمان سے صحیح آگاہ نہ تھے کہ انہوں نے اس کے بارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میں نے حضرت جبرائیل کو نیچے اترتے دیکھا ہے۔“

◆ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عقل کی مطابق ان سے گفتگو کی تھی جس نے ان کے موقف میں لغزش کا ارادہ کیا ہے۔ وہ خطا کار ہے۔ وہ بے ادب ہے۔

◆ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے معراج سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا۔ جس میں آپ نے جواب ارشاد فرمایا تھا۔ جو فرمایا تھا۔ اگر وہ معراج کے بعد سوال کرتے تو آپ انہیں اثبات میں جواب ارشاد فرماتے۔ یہ موقف کمزور ہے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے آپ سے معراج کے بعد سوال کیا تھا۔ ان کے لیے بھی روایت ثابت نہ ہو سکی۔

❖ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی مخالفت کی ہے۔ امام ترمذی نے حسن روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔“ حضرت عکرمہ نے عرض کی: ”کیا رب تعالیٰ کا ارشاد نہیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: ”نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں۔“

انہوں نے کہا: ”تم پر تعجب ہے۔ وہ اس کا نور ہے۔ جس وقت وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے آپ نے دو بار اپنے رب کا دیدار کیا تھا۔“ لب لباب یہ ہے کہ آیت طیبہ میں مراد رویت کے وقت اس کا احاطہ کرنا ہے۔ اصل رویت کی نفی نہیں ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ الادراک سے مراد احاطہ ہے۔ رب تعالیٰ کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ جب احاطہ کی نفی کے بارے نص وارد ہوگئی تو اس سے احاطہ کے بغیر رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔ جو رب تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْيًا. (الشوری: ۵۱)

ترجمہ: ”اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر۔“
اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

❶ رویت کے وقت کلام کا ہونا ضروری نہیں۔ رویت کلام کے بغیر جائز ہوگی۔

❷ یہ عام ہے جو سابقہ دلائل سے مخصوص ہے۔

❸ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس جگہ مراد واسطہ کے بغیر کلام کرنا ہے۔ اگرچہ اس قول کا احتمال ہے لیکن جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس جگہ وحی سے مراد الہام اور خواب میں زیارت کرنا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو وحی کہا جاتا ہے۔

اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ. (الشوری: ۵۱)

ترجمہ: ”یا پس پردہ۔“

اس کے بارے امام واحدی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کسی کے ساتھ آواز بلند کیے بغیر کلام کرے۔ وہ اس طرح رب تعالیٰ کا کلام نہیں کہ اس کی ذات کی زیارت نہ کریں۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہاں حجاب ہو جو ایک جگہ کو دوسری جگہ سے جدا کر رہا ہو۔ جو محبوب کی حد بندی پر دلالت کر رہا ہو۔ یہ اسی طرح ہے کہ جیسے پس پردہ سنا جائے اور متکلم نظر نہ آئے۔

❹ حضرت کعب کا یہ فرمان کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ نے رب تعالیٰ سے دو بار کلام کیا تھا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ حق یہ ہے کہ انہوں نے کئی بار یہ شرف حاصل کیا تھا۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَمْوَسَىٰ ﴿١٤﴾ (طہ: ۱۴)

ترجمہ: ”اور (ندا آئی) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ!“

وَمَا أَجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَمْوَسَىٰ ﴿٨٣﴾ (طہ: ۸۳)

ترجمہ: ”اور کس وجہ سے تم جلدی آگے اپنی قوم سے اے موسیٰ!“

فِيَا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ . (طہ: ۸۵)

ترجمہ: ”ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے جانے کے) بعد۔“

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ . (الاعراف: ۱۳۵)

ترجمہ: ”پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوطی سے۔“

إِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ . (طہ: ۲۳)

ترجمہ: ”آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس۔“

وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّمِّي نَوَلِّتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ . (طہ: ۳۹)

ترجمہ: ”میں نے پر تو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے (تا کہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اور (اس تدبیر کا منشاء

یہ تھا) کہ آپ کی پرورش کی جائے میری چشم (کرم) کے سامنے۔ یاد کرو جب چلتے چلتے آئی آپ کی

بہن۔“

دوسرے موقف کے دلائل

◆ ابن کثیر اور ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس سے مطلق اور مقید روایات منقول ہیں۔ ان میں سے مطلق

کو مقید پر محمول کرنا ضروری ہے۔ مقید وہ ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابو العالیہ سے رب تعالیٰ کے اس فرمان

کے بارے نقل کی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ . (انجم: ۱۱)

ترجمہ: ”نہ جھٹلا یا دل نے۔“

وَلَقَدْ رَاكَ نَزَّلَ أَخْرَىٰ ﴿١٣﴾ (انجم: ۱۳)

ترجمہ: ”اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔“

اس روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے قلب انور سے دو بار رب تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ حضرت عطاء کی سند سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے دل انور سے رب تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ ابن مردویہ نے اس آیت طیبہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دل سے دیکھا تھا چشمان مقدس سے نہیں دیکھا تھا۔ امام نسائی اور ابن خزیمہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے آپ کے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: ”ہم نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟“ آپ نے فرمایا: میں نے اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ دل سے دو بار اس کی زیارت کی ہے۔“ پھر انہوں نے یہ آیت طیبہ تلاوت کی:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۝ (النجم: ۸)

ترجمہ: ”پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا۔“

الحافظ نے لکھا ہے کہ روایت الفواد سے مراد دل انور سے دیکھنا ہے۔ اس سے صرف حصول علم مراد نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ہمیشہ سے رب تعالیٰ کے بارے جانتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے لیے یہ ثابت ہوا کہ آپ نے اپنے قلب انور سے اسے دیکھا ہے۔ جو روایت آپ کو حاصل ہوئی اسے آپ کے قلب انور میں اس طرح تخلیق کیا گیا جس طرح کسی اور کے لیے آنکھ میں رویت تخلیق کی گئی۔ ”صاحب السراج نے لکھا ہے ”اولیا کرام کا معاملہ آپ کے برعکس ہے۔ جب وہ رویت یا مشاہدہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہ اس سے معرفت مراد لیتے ہیں۔ یہ اہم امور میں سے ہے اسے یاد کر لو۔ بہت سے لوگ اس میں لغزش کھا جاتے ہیں۔“

رویت کے لیے از روئے عقل کوئی مخصوص چیز ہونا شرط نہیں ہے۔ اگرچہ آنکھ کی تخلیق میں عادت یہی ہے۔ امام واحدی نے لکھا ہے ”آپ نے اپنے قلب انور سے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ اس صورت میں رب تعالیٰ نے آپ کی چشم مقدس کو دل میں بنا دیا تھا یا دل مبارک کے لیے بھی ایک آنکھ بنا دی تھی حتیٰ کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا صحیح دیدار کر لیا۔“

حضرت ابن عباس سے یہ مقید روایات ہیں۔ ان سے حضرت ام المؤمنین کی نفی اور حضرت ابن عباس کے اثبات کو جمع کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کہ ان کی نفی کو آنکھ سے دیکھنے پر اور ان کے اثبات کو دل سے دیکھنے پر محمول کیا جائے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے: ”وہ حدیث جسے امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”راایت ربی عزوجل“ اس کی سند صحیح ہے۔ یہ صحیح کی شرط پر ہے۔ لیکن یہ حدیث النام سے

مختصر ہے۔

◆ ابن کثیر نے لکھا ہے ”جن راویوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنی چشمانِ مقدس سے دیکھا تھا تو یہ بہت غریب ہے کیونکہ اس ضمن میں کسی صحابی سے بھی کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ علامہ بغوی کا یہ قول ”ایک جماعت کا یہ موقف ہے کہ آپ نے اپنی چشمِ مقدس سے دیکھا تھا۔“ یہ حضرات انس، حسن اور عمرؓ کا قول ہے۔“ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بغوی نے اسے ابو الحسن الواحدی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن کثیر کا یہ قول بھی عمدہ نہیں کہ اس ضمن میں صحابہ کرام سے کچھ مروی نہیں۔ الطبرانی نے صحیح سند کے ساتھ۔ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔ ایک بار اپنی چشمِ مقدس سے اور دوسری بار اپنے قلبِ نور سے۔“



چوتھا باب

کس وقت اور کس جگہ سے معراج کا سفر ہوا

اس باب میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اول: جگہ کے بارے

امام بخاری نے لکھا ہے کہ آپ اس وقت بیت اللہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ باب بدء الخلق میں بیت اللہ اور باب المعراج میں الحطیم کا ذکر کیا۔ کعبی الحجر کا ذکر کیا۔ یہ شک حضرت قتادہ کی طرف سے ہے۔ جیسے کہ امام احمد نے اپنی روایات میں عفان بن ہمام سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "بینما انا فی الحطیم" حضرت قتادہ نے بھی الحجر فرمایا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ الحجر سے مراد الحطیم ہی ہے۔ یہ بعید موقوف ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ رکن اور مقام یا چشمہ زمزم اور حجر کے مابین تھے۔ اگر حطیم اور حجر میں جلوہ نما ہونے میں اختلاف ہے اس سے مراد وہ مبارک جگہ ہے جس میں سے اس مبارک سفر کا آغاز ہوا۔ کیونکہ یہ واقعہ متعدد بار رونما نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ واقعہ محرج کے ایک ہونے کی وجہ سے ایک ہی ہے۔

امام زہری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے کا شانہ اقدس کے چھت میں سوراخ کیا گیا جبکہ میں مکہ مکرمہ میں تھا۔" امام واقدی کی روایت میں ہے کہ آپ کو شعب ابی طالب سے معراج کرائی گئی۔ الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ آپ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تھے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے آپ کو رات کے وقت غائب پایا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ ان اقوال کو جمع کرنا ممکن ہے آپ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر رات بسر فرمائی۔ ان کا گھر شعب ابی طالب کے پاس تھا۔ چھت میں سوراخ کیا گیا گھر کی نسبت آپ کی طرف کی گئی کیونکہ آپ اس میں جلوہ افروز تھے۔ گویا کہ آپ مالک تھے۔ آپ کو مسجد حرام کی طرف لے جایا گیا، آپ پر نیند کے اثرات تھے۔ پھر مسجد کے دروازے کی طرف لے جایا گیا۔ آپ کو براق پر سوار کرایا گیا۔ ابن اسحاق نے حسن کی مرسل روایت لکھی ہے کہ حضرت جبرائیل آپ کے پاس آئے اور آپ کو مسجد کی طرف لے گئے۔ یہ روایت بھی اسی جمع کی تائید کرتی ہے۔"

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مختلف روایات "اسی اثناء میں کہ میں مسجد حرام میں تھا۔" میں اپنے گھر میں تھا۔" میں ام

ہانی کے گھر تھا۔ میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ آپ مسجد حرام میں تھے۔

دوسری فصل، مقام کے بارے

وہ صحیح موقف جس پر علماء کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ الاسراء (معراج) بعثت کے بعد ہوئی تھی۔ وہ بات جس کا تذکرہ حضرت شریک کی روایت میں ہے کہ تین افراد آپ کے پاس آئے ابھی آپ پر نزول وحی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اس میں ہے ”اس رات آپ نے انہیں نہ دیکھا حتیٰ کہ وہ دوسری رات آئے۔“ انہوں نے دوبار آنے کے مابین مدت کا تعین نہیں کیا۔ اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ دوسری بار آنا نزول وحی کے بعد تھا۔ اس وقت معراج ہو چکی تھی۔ اگر دونوں بار آنے میں مدت ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ مدت ایک رات ہو یا زیادہ راتیں ہوں یا کئی سال ہوں۔“

ابن کثیر نے لکھا ہے ”اس پر محمول کرنا زیادہ ظاہر ہے۔ ابن قیم نے اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ حافظ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”اس سے حضرت شریک کی روایت سے اشکال دور ہو جاتا ہے۔ اس سے اس امر پر اتفاق حاصل ہوتا ہے کہ معراج بعثت سے بعد اور ہجرت سے قبل عالم بیداری میں ہو۔ اس سے خطابی اور ابن حزم کی تشنیع ختم ہو جاتی ہے کہ شریک نے اپنے اس دعویٰ سے اجماع کی مخالفت کی ہے کہ معراج بعثت سے پہلے ہوا تھا۔“ الحافظ نے لکھا ہے کہ بعض شارحین نے جو لکھا ہے کہ یہ ان دوراتوں کے مابین تھی جن میں سات یا نو یا تیرہ فرشتے تھے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ تو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ وہ فرشتے مختلف سالوں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے جیسے کہ شارح مذکور نے سمجھا ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے اس جگہ لفظ قبل مخصوص امر میں استعمال ہوا ہے مطلق نہیں ہے۔ اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کو معراج نزول وحی سے قبل کرایا گیا۔ یعنی یہ اچانک ہوا تھا۔ امام زہری کی روایت بھی اسی تائید کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میرے کا شانہ اقدس کی چھت میں سوراخ کیا گیا۔“

اس میں اختلاف ہے کہ معراج کس سال ہوا تھا۔ جمہور نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ ہجرت سے ایک سال قبل ہوا تھا۔ امام نووی نے یہی موقف اختیار کیا ہے ابن حزم نے مبالغہ کرتے ہوئے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ قاضی نے لکھا ہے کہ معراج ہجرت سے پانچ سال قبل ہوا تھا۔ کیونکہ اس میں اختلاف نہیں کہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نماز کی فرضیت کے بعد آپ کے ہمراہ نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس میں بھی اختلاف نہیں کہ ان کا وصال ہجرت سے قبل ہو گیا تھا۔ اس میں بھی اختلاف نہیں کہ نماز شب معراج کو فرض ہوئی تھی۔ ابن دجیہ نے قاضی کی یوں گرفت کی ہے ”وہ نماز جو انہوں نے آپ کے ہمراہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی وہ بعثت کی ابتداء میں تھی۔ وہ دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام تھی۔ شب

معراج پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا نماز کے فرض ہونے سے پہلے وصال ہو چکا تھا۔ (ابن سعد اور یعقوب بن سفیان)

معمدہ موقوف یہ ہے کہ جس نے یہ کہا اس کی مراد یہ ہے کہ جنہوں نے کہا ہے کہ فرض نماز سے قبل ان کا وصال ہوا تھا ان کی مراد پانچ نمازیں ہیں۔ اگر حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ بالا فرمان سچ ثابت ہو جائے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال نماز فرض ہونے سے پہلے ہوا تھا۔ اس سے دونوں اقوال کو جمع کیا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ان کا وصال معراج سے پہلے ہوا تھا۔ عسکری نے روایت کیا ہے کہ ان کا وصال ہجرت سے سات سال قبل ہوا تھا۔ ان کے تذکرہ میں یہ تفصیل بیان ہوگی۔

معراج کس مہینہ میں ہوئی تھی۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابن الاثیر نے حزم کے ساتھ لکھا ہے۔ امام نووی نے فتاویٰ میں رقم کیا ہے کہ معراج ماہ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ ۲ ربیع الاول کی شب کو معراج ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ فتاویٰ الانبوی، اذری نے توسط میں زرخشی نے الخادم میں دمیری نے حیاة الحیوان میں اور مسلم شریف کے بعض نسخوں میں اسی طرح لکھا ہے۔ فتاویٰ کے اکثر نسخوں میں ربیع الآخر لکھا ہوا ہے۔ ابن دحیہ نے الایہاج میں، الحافظ نے فتح میں اور ابن دحیہ نے التقویٰ والمعراج الصغیر، ابو شامہ نے باعث میں اور الحافظ نے فضائل رجب میں لکھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ معراج رجب کے مہینہ میں ہوئی۔ امام نووی نے امام رافعی کی تبع کرتے ہوئے الروضة میں یہی لکھا ہے۔ ایک قول رمضان المبارک اور ایک قول شوال کا بھی ہے۔

ابن عطیہ نے یہ اختلاف لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ یہ صحیفہ شق ہونے کے بعد اور بیعتہ العقبہ سے پہلے ہوئی تھی۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے: ”ممکن ہے کہ یہ رات پیر کی مبارک شب ہو، ہجرت کی تاریخ کے حساب کے مقدمات اسی کی دلیل ہے۔ لب لباب یہ ہے کہ انہوں نے یہ استنباط کیا ہے۔ انہوں نے ولادت مبارکہ، بعثت مبارکہ، معراج، ہجرت اور وصال مبارک کو پیر کے دن ہی ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ”یہ انتقالات نبویہ کی ہیئتوں سے وجود مسعود، نبوت، معراج اور وصال کے اعتبار سے پانچ ہیئتیں ہیں۔ آپ کے حق میں پیر کا روز اسی طرح ہے جس طرح حضرت آدم کے حق میں جمعۃ المبارک تھا۔ اس روز میں ان کی تخلیق ہوئی۔ اسی میں انہیں زمین پر اتارا گیا۔ اسی میں ان کی توبہ قبول ہوئی اسی میں ان کا وصال ہوا۔ آپ کے وجود یہ اور دینیہ اطوار ایک ہی دن کے ساتھ مختص ہیں۔ ابن شیبہ نے حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”پیر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، بعثت، معراج اور اسی میں آپ کا وصال ہوا۔“ اسی میں آپ کو سیر کرانی گئی۔ اس امر پر اتفاق ہے کہ معراج رات کے وقت ہوئی تھی۔

تنبیہ

ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ معراج پیر کی رات کو ہوئی تھی۔ کیونکہ رات اس دن کے تابع ہوتی ہے جو اس کے بعد ہوتا ہے۔ پھر لکھا ہے ”اس بات پر اجماع ہے کہ عرفہ کی شب وہ رات ہوتی ہے جو عرفہ کے دن سے پہلے ہوتی ہے۔“ بعض علماء فرماتے ہیں ”بعض لوگوں کے گمان کے مطابق ہفتہ کی رات جمعہ کے بعد کی رات ہے۔“ نجات میں جو لکھا ہے: ”بردن کی رات وہ شب ہوتی ہے جو اس سے پہلے ہوتی ہے کیونکہ مہینہ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے اور اس کا آخر دن پر ہوتا ہے۔ ہمارے شوافع آئمہ نے یہی تفصیلات لکھی ہیں۔ عرفہ کی رات اگرچہ شرعی طور پر اس سے مؤخر ہوتی ہے۔ لیکن شرعاً حکم میں شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس مخصوص وقت میں وقوف مشروع قرار دیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے اعتراض نہیں ہوگا۔

وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۗ (یس: ۴۰)

ترجمہ: ”اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔“

کیونکہ مفسرین نے اس کا ایک اور معنی لکھا ہے۔ مجاہد لکھتے ہیں: ”رب تعالیٰ کے فیصلہ اور علم میں ہے کہ دن رات کو نہیں چھوڑتا حتیٰ کہ اسے پالیتا ہے اور اس کی ظلمت مٹا دیتا ہے۔ رب تعالیٰ کے فیصلہ اور علم میں ہے کہ رات دن کو نہیں چھوڑتی اسے پالیتی ہے اور اس کے اجالے کو ختم کر دیتی ہے۔“

الضحاک نے لکھا ہے: ”کوئی دن اس طرف سے نہیں گزرتا بلکہ رات بھی اسی طرف سے گزر جاتی ہے۔“ امام بغوی نے لکھا ہے: ”وہ معلوم حساب سے ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے وقت سے پہلے نہیں آتا۔“ ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی سلطنت میں دخل اندازی نہیں کرتے۔ رات کے وقت سورج طلوع نہیں ہوتا۔ دن کے وقت چاند روشن نہیں ہوتا۔ جب یہ دونوں اکٹھے ہو جائیں گے ایک دوسرے کو پالیں گے تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ رات رات کے متصل نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے مابین دن بطور فاصل ہوتا ہے۔



پانچواں باب

معراج کی کیفیت اور بار بار معراج کے بارے

اس باب میں دو فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

معراج کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اجمالاً نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور اس کی تفصیلات اور عجائب میں متفرق احادیث ہیں جو مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ان کا تذکرہ بعد میں آئے گا البتہ معراج کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اس کے بارے علماء کے کئی اقوال ہیں:

یہ قول اکثر علماء کا ہے کہ معراج جسم انور اور روح اقدس کے ساتھ عالم بیداری میں ہوئی تھی یہ مکہ مکرمہ سے لے کر بیت المقدس تک۔ پھر سموات علی سے لے کر سدرة المنتہی اور جہاں تک رب تعالیٰ نے چاہا معراج ہوئی۔ قاضی لکھتے ہیں: "یہ موقف ہی حق ہے۔ اسی پر آیت طیبہ کی نص دلالت کر رہی ہے۔ بہت سی احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ آیت طیبہ اور ان احادیث طیبہ سے عدول نہیں کیا جائے گا جو اس کے بارے وارد ہیں۔ نہ ہی اس حقیقت سے عدول کیا جائے گا۔ الفاظ سے اذہان جس کی طرف تیزی سے جاتے ہیں۔ تاویل کا سہارا صرف محال ہونے کی صورت میں لیا جاتا ہے جبکہ الفاظ کو ان کی حقیقت پر محمول کرنا متعذر ہو۔ جسم اطہر اور روح مبارک کے ساتھ معراج کرانے میں اور حالت بیداری میں معراج کرانے میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے تاویل کرنا پڑے۔ اگر معراج عالم نیند میں ہوتی تو یہ آیت اس طرح ہوتی۔ "سبحان الذی اسزى بروح عبده" "بعبدہ" کا لفظ نہ ہوتا۔ عبد سے حقیقت میں روح اور جسم مراد ہے رب تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (النجم: ۱۷)

ترجمہ: "نہ در ماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حدادب سے) آگے بڑھی۔"

ملکوت کے عجائب میں جن عجائب کو دیکھنے کا آپ کو حکم دیا گیا نگاہ ناز نے ان سے عدول نہ کیا۔ نہ ہی ان سے تجاوز

کیا۔ یہ بھی اس امر پر صراحت ہے کہ معراج عالم بیداری میں جسم اور روح کے ساتھ تھی۔ کیونکہ امر کو بصر کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یہ عالم بیداری میں ہی ہو سکتا ہے کیونکہ فرمان الہی ہے:

لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴿١٨﴾ (انجم: ۱۸)

ترجمہ: ”یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“

اگر معراج نیند میں ہوتی تو اس میں نہ نشانی ہوتی نہ ہی معجزہ ہوتا۔ اگرچہ انبیائے کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں وہ ابلغیت اور حرق عادت امر نہیں ہوتا جو بیداری میں ہوتا ہے اگر یہ عالم نیند میں ہوتی تو کفار سے بعید از قیاس نہ سمجھتے نہ ہی اس کی تکذیب کرتے۔ نہ ہی اس کی وجہ سے کمزور مسلمان فتنہ میں مبتلا ہوتے۔ کیونکہ ایسے خوابوں کا انکار نہیں کیا جاتا۔ نہ ہی کفار سے بعید از قیاس سمجھتے نہ اس کی تکذیب کرتے نہ فتنہ میں مبتلا ہوتے۔ یہ سارے امور اسی وقت ہی رونما ہو سکتے ہیں جب معراج جسم اطہر کے ساتھ عالم بیداری میں ہو۔

امام بخاری نے باب الاسراء میں اور حضرت سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔ (الاسراء: ۶۰)

ترجمہ: ”اور ہمیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔“

اس سے مراد آنکھ کا مشاہدہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کو شب معراج کرایا گیا۔ سعید نے یہ اضافہ کیا ہے: ”اس سے مراد خواب نہیں ہے۔“

الحافظ نے لکھا ہے کہ مشاہدہ کی نسبت آنکھ کی طرف کی گئی ہے تاکہ قلب کے ساتھ دیکھنے سے احتراز ہو سکے رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں روایت قلب کو اس آیت طیبہ سے ثابت کیا ہے۔

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ﴿١١﴾ (انجم: ۱۱)

ترجمہ: ”نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے)“

آنکھ کے مشاہدہ کو اس آیت طیبہ سے ثابت کیا ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ﴿١٤﴾ (انجم: ۱۴)

ترجمہ: ”نہ در ماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حداب سے) آگے بڑھی۔“

ابن مردویہ نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام مکہ

مکرمہ پہنچ گئے ہیں۔ جب مشرکین نے آپ کو روک دیا تو اس میں بعض لوگوں کے لیے فتنہ تھا۔ ابن مردویہ نے جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا گویا کہ بنو امیہ میرے منبر کو استعمال کر رہے ہیں۔ اس سے مراد دنیا ہے جو انہیں ملے گی۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی ”یہ دونوں روایات ضعیف ہیں صحیح موقف وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ ابن عباس نے جو کچھ فرمایا ہے یقینی طور پر وہی حق ہے کہ اس سے مراد شب معراج آنکھ مبارک سے مشاہدہ کرنا ہے۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابراہیم، قتادہ، عبدالرحمان وغیرہم نے یہی کہا ہے۔

تنبیہ

ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری کا موقف ہے کہ شب اسراء اور تھی اور شب معراج اور۔ کیونکہ انہوں نے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ باب باندھا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ اس میں ان کے لیے مغایرت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ نماز کی ابتداء میں ان کا تذکرہ ان کے متحد ہونے کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے یہ باب باندھا ہے۔ ”شب الاسراء کو نماز کیسے فرض ہوئی؟ نماز شب معراج کو ہی فرض ہوئی۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں متحد ہیں۔ انہوں نے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ باب اس لیے باندھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ قصہ پر مشتمل ہے۔ اگرچہ دونوں واقعات ایک ہی وقت رونما ہوئے تھے۔

دوسرا قول

اسراء بیت المقدس تک جسم اطہر کے ساتھ اور آسمانوں تک سیر روح مبارک کے ساتھ تھی۔ ایک گروہ کا یہ موقف ہے۔ انہوں نے رب تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل پکڑی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ (الاسراء: ۱)

ترجمہ: ”(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔“

انہوں نے مسجد اقصیٰ کو اس اسراء کے لیے انتہاء بنایا ہے۔ جس میں اس حیثیت سے تعجب ہے کہ وہ رات کے قلیل میں رونما ہوا۔ کفار اس میں محال ہونے کی وجہ سے تعجب کرتے تھے۔ جب اہل ایمان کا تعجب قدرت باہرہ کی وجہ سے تھا۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عورت اور کرامت کا بھی ظہور ہے۔ اگر مسجد اقصیٰ سے زائد سیر ہوتی تو رب تعالیٰ اس کا ذکر کرتا تاکہ آپ کی مدح اور توصیف میں اور اضافہ ہوتا۔“

آئمہ کرام نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ایمان کی طرف استدراج لانے کے لیے پہلے اسراء کا تذکرہ کیا۔ جب آپ کی صداقت کی نشانیاں عیاں ہو گئیں اور آپ کی رسالت کی برہان پوری ہو گئی اور وہ اس معجزہ سے اُنس پا گئے تو انہیں اس سے بڑے معجزہ کے بارے بتایا وہ معراج ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اس کے بارے بتایا۔ رب تعالیٰ نے سورۃ النجم میں یہ واقعہ نازل فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بھی اسی امر پر دلالت کرتی ہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی شب میں تھی۔ امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے۔ ”میرے پاس براق لایا گیا میں اس پر سوار ہوا حتیٰ کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا۔۔۔۔۔ پھر مجھے آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا۔“ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”جب میں بیت مقدس میں فارغ ہو گیا تو میرے پاس سیرھی لائی گئی۔“

تیسرا قول

اگرچہ اسراء روح کے ساتھ تھا یہ نیند میں خواب تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی حکایت بیان فرمائی:

يُبَيِّنُ آيَاتِ آزَى فِي الْمَنَامِ آتَىٰ أَذْبَحُكَ. (الصافات: ۱۰۲)

ترجمہ: ”اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔“

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”انبیائے کرام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن ان کے قلوب مبارک نہیں سوتے۔“ یہ موقف رکھنے والے علماء کرام نے اس آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ. (اسراء: ۶۰)

ترجمہ: ”اور انہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔“

اگر عالم بیداری میں معراج ہوتی تو ”الرؤیہ“ کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ شریک کی روایت میں ہے ”آپ مسجد حرام میں آرام فرماتے“ پھر انہوں نے شب معراج کی ساری داستان روایت کر دی۔ پھر روایت کیا: ”جب میں اپنی نیند سے بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا۔“ یہ موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی معراج کے بارے سوال کیا جاتا تو فرماتے: ”یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔“ یعقوب راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں کی۔ یہ منقطع حجت ہے۔ یہ قول حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”مجھے آل ابوبکر رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے بتایا ہے کہ حضرت ام المؤمنین

نبیؐ فرماتی تھیں: ”اس رات حضور اکرم ﷺ کا جسد اطہر غائب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آپ کی روح کو سیر کرانی گئی۔“ شفاء کے نسخوں میں ہے ”میں نے شب معراج آپ کا جسم اطہر مفقود نہ پایا۔“

پہلی دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ روایا کبھی کبھی الرویۃ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی عالم بیداری میں مشاہدہ کرنا۔ جیسے ابن دحیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام سہلی نے الروض الانف میں لکھا ہے:

و کبر للرویا و هش فوادة
و بشر قلبا کان جما بلا بلہ

رب تعالیٰ کا یہ فرمان الا فتنة للناس۔ (الاسراء: ۶۰) بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد آنکھ کا مشاہدہ ہے وجود مسعود کے ساتھ سیر ہے کیونکہ نیند میں سیر کرنا لوگوں کے لیے فتنہ نہیں ہو سکتا کیونکہ محال امر سمجھتے ہوئے تعجب کا اظہار کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ لوگ مرتد ہو گئے۔ کفار نے کہا: ”محمد عربی (جان عالم ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس گئے۔ پھر اسی رات مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ جبکہ ایک کارواں ایک ماہ وہاں تک جاتے ہوئے اور ایک وہاں سے آتے ہوئے لگتا ہے۔“ اگر یہ خواب ہوتا تو کوئی بھی اسے بعید از قیاس نہ سمجھتا۔ یہ معروف امر ہے کہ ایک سونے والا کبھی خود کو آسمانوں میں کبھی مشرق میں اور کبھی مغرب میں دیکھتا ہے کوئی بھی اسے بعید نہیں سمجھتا۔ عالم بیداری میں معراج کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے اس رات قریش کے ایک کارواں کا پانی پیا تھا۔ انہوں نے یہ پانی پیالہ میں ڈال کر ڈھانپ رکھا تھا وقت صبح اس برتن میں پانی نہ تھا۔ انہوں نے اس پر تعجب کیا۔ اسی طرح آپ نے اس شخص کی راہ نمائی کی تھی جس کا اونٹ براق کی آہٹ سن کر بھاگ گیا تھا۔ آپ نے اہل مکہ کو اس کی نشانی بھی بتائی تھی۔ آپ نے دو بوروں کا تذکرہ کیا جن میں سے ایک سیاہ اور دوسرا سفید و سیاہ تھا۔ آپ نے اس کارواں کے بارے بتایا کہ وہ بدھ کو آجائے گا۔ جس میں سے اونٹ والے کی راہ نمائی کی تھی۔ اور جن کے پیالے سے پانی نوش کیا تھا۔ یہ سارے امور عالم بیداری میں ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلے حضرت ابن عباس کا یہ فرمان گزر چکا ہے ”یہ آنکھ کا نظارہ تھا جو حضور ﷺ کو معراج کی شب کرایا گیا تھا۔“

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ اس وقت کا تذکرہ ہو جبکہ ابتدائے سفر میں فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہو۔ آپ استراحت فرما ہوں۔ حضرت حسن کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا: ”اسی اثناء میں کہ میں حجر میں سویا ہوا تھا۔ حضرت جبرائیل امین میرے پاس آئے انہوں نے مجھے جگایا۔ میں بیٹھ گیا۔ میں نے کچھ بھی نہ دیکھا۔ میں اپنے بستر پر لوٹ گیا۔ وہ مجھے مسجد حرام کے دروازے تک لے گئے۔ میں نے وہاں ایک جانور پایا۔ اسے ابتدائے حال پر معمول کیا جائے گا۔ پھر آپ مسجد حرام کے دروازے کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کو سوار کرایا گیا۔ آپ عالم بیداری میں تھے۔ حدیث پاک میں یہ ذکر نہیں کہ آپ سارے واقعہ کے دوران سوئے ہی

رہے۔ آپ کا یہ فرمان ”پھر میں بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا۔“ اس کے بارے حافظ نے لکھا ہے کہ اگر کہا جائے کہ معراج کئی بار ہوئی تو پھر اس میں کوئی اشکال نہیں ورنہ اسے اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ جب میں ملکوت کے عجائب کے مشاہدہ سے لوٹا اور عالم دنیوی کی طرف آیا جب میں عالم بشریت کی طرف آیا تو میں مسجد حرام میں تھا۔“

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب آپ پر وحی ہوتی تھی تو آپ بہت زیادہ مستغرق ہوتے تھے۔ جب وحی کا نزول ختم ہو جاتا تھا تو آپ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آتے تھے۔ اس حالت کو آپ نے بیداری سے تعبیر فرمایا۔ جیسے کہ اس حدیث پاک میں ہے جس میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ اہل طائف نے آپ کو جھٹلایا۔ آپ نے فرمایا: ”جب میں واپس آیا تو میں غمزدہ تھا۔ میں قرن الثعالب پہنچ کر اپنی پہلی حالت پر آیا۔“ حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ اپنے نور نظر کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تاکہ آپ اسے کٹھی دیں۔ انہوں نے اسے آپ کی مبارک ران پر بٹھا دیا۔ حضور اکرم ﷺ لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حضرت اسید نے اپنا بچہ وہاں سے اٹھالیا جب حضور اکرم پہلی حالت پر آئے تو بچہ کونہ پایا تو اس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے آپ کو بتایا کہ اسے اٹھالیا گیا ہے آپ نے اس بچہ کا نام منذر رکھا اس میں ”استیعظ“ کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ شریک کی تغلیط کو اس معنی پر محمول کرنا بہت بہتر ہے۔

تنبیہ

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس رات کو آپ کی چشم مبارک تو سوئی تھی لیکن دل مبارک حاضر تھا۔ آپ نے اپنی چشمان مقدس کو بند کر لیا تھا تاکہ محسوسات میں سے کوئی چیز آپ کو اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔ ”قاضی بیدل لکھتے ہیں: ”یہ درست نہیں یہ مقام ملکوت کے عجائب کو دیکھنے کا مقام ہے کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

لِنُرِيَهُ مِنْ أَيْنَمَا (الاسراء: ۱۰)

ترجمہ: ”تاکہ ہم آپ کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔“

لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى (۱۸) (انجم: ۱۸)

ترجمہ: ”یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“

آنکھ سے جلد مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس طرح آپ کی اس کیفیت کو اس وقت پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا جب آپ نے انبیائے کرام کو امامت کرائی تھی۔

جو قول ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ ایسی سند سے وارد نہیں جو حجت بن سکے بلکہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ ابن دجیہ نے التئور میں لکھا ہے کہ یہ موضوع روایت ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "معراج العفیر" میں لکھا ہے کہ شوافع کے امام قاضی ابوالعباس بن سرج نے لکھا ہے "یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ صحیح حدیث کے رد کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے۔" اگر اسے صحیح تصور بھی کر لیا جائے اور یہ مجہول صیغہ سے روایت ہو تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اپنا مشاہدہ بیان نہیں کیا کیونکہ وہ اس وقت آپ کی زوجہ نہ تھیں۔ اگر اسے معروف روایت کیا جائے تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ وظیفہ زوجیت آپ نے مدینہ طیبہ میں ادا کیا تھا۔ اسراء کے وقت ان کی عمر ایسی تھی جس میں امور ضبط نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ اگر معراج ہجرت سے ایک سال قبل ہو تو اس وقت ان کی عمر سات سال ہوگی یا اس سے کم۔ اس شخص کے قول کے مطابق جس نے کہا ہے کہ معراج بعثت سے ایک سال بعد میں ہوئی وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔

تنبیہ

زاد المعاد میں ہے: "وہ فرق معلوم ہونا چاہیے جو اس موقف کہ معراج نیند میں تھی اور اس موقف کے مابین ہے کہ معراج جسم اطہر کے بغیر صرف روح کے ساتھ تھی ان کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاد یہ رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ یہ نیند تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سفر آپ کی روح مبارک کے ساتھ تھا۔ آپ کا جسم اطہر غائب نہیں ہوا تھا۔ ان دونوں امور میں فرق ہے۔ کیونکہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے وہ ضرب الامثال ہوتی جو محسوس صور میں معلوم کے لیے پیش کی جاتی ہیں وہ دیکھتا ہے گویا کہ اسے آسمان کی سیر کرانی گئی یا وہ مکہ مکرمہ یا زمین کے گوشوں کی طرف گیا اس کی روح نہ جاتی ہے نہ اوپر چڑھتی ہے۔ اس کے لیے صرف ضرب المثل بیان کی جاتی ہے۔ معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ آپ کو جسم مبارک اور روح اقدس کے ساتھ معراج کرانی گئی۔ دوسرا گروہ کہتا ہے۔ آپ کی روح مبارک کو سیر کرانی گئی۔ آپ کا جسم غائب نہیں ہوا تھا۔ یہ گمان نہیں کرتے کہ معراج خواب تھی۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ روح کی ذات کو سیر کرانی گئی۔ اسے حقیقت میں معراج کرانی گئی۔ اس نے وہ امور سرانجام دیے جو وہ مفارقت کے بعد دیتی ہے۔ اس وقت اس کی حالت وہی تھی جو مفارقت کے بعد ہوتی ہے۔ وہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف چڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ ساتویں آسمان پر جا کر رک گئی۔ وہ رب تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو گئی اس نے اسے جو چاہا حکم دیا پھر وہ زمین پر آ گئی۔ اس شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ امر اکمل صورت میں مائل ہوا تھا جو مفارقت کے بعد روح کے لیے مائل ہوتا ہے۔ اس سے یہ فرق عیاں ہو گیا جو سونے والا دیکھتا ہے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم مقام پر فائز تھے۔ آپ کا بطن اقدس چاک کیا گیا

آپ کا وصال نہ ہوا آپ کو درد نہ ہوا۔ حقیقت میں آپ کی روح مبارک کو سیر کرائی گئی لیکن آپ کا وصال نہ ہوا۔ جبکہ دیگر لوگوں کی ارواح مرنے کے بعد ہی آسمانوں کی طرف جاتی ہیں۔ اس کی مزید تفصیل حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں آئے گی۔

دوسری فصل، کتنی بار معراج ہوئی؟

ایک گروہ جس میں ابو شامہ بھی شامل ہیں ان کا موقف ہے کہ معراج کئی بار ہوئی۔ انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے سعید بن منصور، بزار، بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسی اثناء میں کہ میں سو رہا تھا کہ حضرت جبرائیل امین آئے۔ انہوں نے میرے شانوں کے مابین مس کیا۔ میں ایک درخت کی طرف گیا جس میں پرندوں کے گھونسلوں کی طرح کوئی چیز تھی۔ ایک میں حضرت جبرائیل اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ وہ اوپر جاتی گئی بلند ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ وہ شمس و قمر سے بھی اوپر چلی گئی۔ میں پہلو بدل رہا تھا۔ اگر میں آسمان کو چھونا چاہتا تو اسے چھوسکتا تھا۔ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میرے لیے کھولا گیا۔ میں نے بہت بڑا جانور دیکھا۔ پس پردہ موتی اور یاقوت تھے۔ نور گرا۔ حضرت جبرائیل امین بے ہوش ہو گئے۔ گویا کہ وہ بوریاء ہوں۔ میں جان گیا کہ ان میں مجھ سے زیادہ خشیت پائی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ نے جو چاہا مجھ پر وحی کی۔“ دوسری روایت ہے کہ اس نے مجھ پر وحی کی کہ کیا میں بادشاہ بننا چاہتا ہوں یا عبد نبی؟“ حضرت جبرائیل نے لیٹے ہوئے مجھے اشارہ کیا کہ میں تواضع اختیار کروں۔ میں نے عرض کی: ”نہیں بلکہ میں عبد نبی بننا چاہتا ہوں۔“



گمراہ لوگوں کے معراج کے بارے اعتراضات کے جواب

حضور اکرم ﷺ کی معراج میں کسی ایک مسلمان کو بھی اختلاف نہیں ہے گمراہوں نے باطل شبہات کے ساتھ اس پر اعتراضات کیے ہیں۔ امام رازی وغیرہ نے ان کا رد کیا ہے۔ میں ان اعتراضات کا تذکرہ کروں گا پھر ان کے جوابات لکھوں گا۔ گمراہوں نے کہا ہے "اس قدر تیز رفتاری سے حرکت کرنا عقل میں نہیں آسکتا۔ اگر آپ آسمان کی طرف تشریف لے جاتے تو افلاک میں لازم شگاف ہوتا۔ یہ محال ہے۔ بھاری جسم کا آسمان کی طرف چڑھنا مشہور نہیں ہے۔ اگر یہ معجزہ سچا ہو تو یہ آپ کے سارے معجزات سے عظیم ہوتا۔ لازم ہوتا کہ آپ اس کا اظہار لوگوں کے مجمع عام میں کرتے حتیٰ کہ لوگ اس سے آپ کی نبوت کی صداقت پر استدلال کرتے۔ اس وقت معراج ہونا جس میں کوئی آپ کو نہ دیکھ رہا ہو عبث ہے۔ یہ حکیم کی حکمت کے مناسب نہیں ہے۔"

◆ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس قدر تیز رفتاری سے حرکت کرنا ممکن ہے رب تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ فلک اعظم رات کی ابتداء سے لے کر آخر تک نصف چکر کے قریب حرکت کرتا ہے۔ ہندسہ کے حساب سے یہ ثابت ہے کہ چکر کی قطر کی طرف نسبت ایک اور تین کی نسبت سے ہے۔

اگر یہ سمجھا جائے کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے فلک اعظم کے اوپر تشریف لے گئے تو آپ نے صرف نصف قطر کے اعتبار سے ہی حرکت کی ہے۔ جب نصف چکر زمانہ کی مقدار ممکن ہوگئی تو نصف قطر کے مقدار میں حرکت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگئی۔ یہ برہان قاطع ہے کہ آپ رات کے تہائی حصہ میں مکہ مکرمہ میں عرش اعلیٰ تک گئے یہ امر ممکن ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر پوری رات میں اس کے حصول کا امکان زیادہ بہتر ہے۔

حساب کی رو سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ سورج کے دونوں کناروں کا فاصلہ کرۃ ارض کے دونوں کناروں سے ایک سو ساٹھ گنا زیادہ ہے اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ سورج کی ٹیکہ انتہائی قلیل مدت میں طلوع ہو جاتی ہے اس سے بھی یہی دلیل ملتی ہے کہ اس سرعت سے حرکت کرنا ممکن ہے۔ اگر ہماری گفتگو ایسے شخص کے بارے میں ہے جو حساب نہ جانتا ہو تو ہم

اسے کہیں گے کہ تم شمس و قمر اور ستاروں کو دیکھتے ہو کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اتنی مسافت طے کرتے ہیں جسے کئی سالوں میں بھی طے نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا قلیل مدت میں دو دروازے تک پہنچا جاتی تھی۔ ارشادِ بانی ہے:

غَدُوْهَا شَهْرٌ وَرَوَّاحُهَا شَهْرٌ ۚ (سباء: ۱۲)

ترجمہ: ”اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی۔“

اسی طرح آندھی ایک لمحہ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ فوراً پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے یمن کے دور کے علاقہ سے پلک جھپکنے کی دیر میں بلقیس کا تخت حاضر کیا تھا۔ اجسام اپنی تمام مابیات میں ایک دوسرے کے متماثل ہوتے ہیں۔ جب یہ حرکت بعض اجسام کے حق میں ثابت ہوگئی۔ تو سارے اجسام میں ان کے حصول کا امکان ثابت ہو گیا۔ یہ ممکنات میں سے ہے۔ رب تعالیٰ اسی خصوصیت کو اپنے نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔

❖ افلاک کا پھٹ جانا محال نہیں ہے جنت اور دوزخ کا انکار کرنے والوں نے اس کو محال سمجھا ہے۔ شیخ سعد الدین لکھتے ہیں: ”معراج کے محال ہونے کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ اس دعویٰ کی بنیاد فلاسفہ کے اس اصول پر ہے کہ آسمان میں شگاف ہونا اور پھر مل جانا ممنوع ہے۔ ورنہ اہل حق کے نزدیک آسمانوں میں شگاف ہونا اور ان کا ملنا حق ہے۔ اجسام علویہ اور سفلیہ متماثل ہیں جو جو اہرہ فردہ متماثلہ سے مرکب ہوتے ہیں۔ اس مذکورہ تماثل کی وجہ سے جو چیز ایک جسم پر صحیح ہوتی ہے وہ دوسری پر بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ جب اجسام سفلیہ پھٹ سکتے ہیں تو اجسام علویہ بھی پھٹ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے ممکنات پر قادر ہے۔ وہ آسمانوں میں شگاف کرنے پر بھی قادر ہے اس کے بارے میں سنا بھی گیا ہے اس کی تصدیق لازم ہے۔“

❖ جسم کشیف کے بلند ہونے کو بعید از قیاس سمجھنا جسم لطیف روحانی کے عرش سے عالم کے مرکز میں نزول کے بعید از قیاس ہونے کو لازم ہے۔ اگر حضور اکرم ﷺ کا ایک رات میں معراج ممنوع ہے تو پھر حضرت جبرائیل کا عرش سے مکہ مکرمہ کی طرف ایک لمحہ میں نزول بھی ممنوع ہے۔ اگر ہم اس پر امتناع کا حکم لگائیں تو یہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت پر طعن ہوگا۔ معراج کو ثابت کرنے کا قول دراصل نبوت کی اصل کے جواز کو تسلیم کرنے کی فرغ ہے۔ اس حرکت کو ممنوع سمجھنا نزول جبرائیل کے امتناع کو لازم ہے جب یہ باطل ہے تو وہ کچھ بھی باطل ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔

♦ رات کو معراج کرانے کے کئی فوائد ہیں:

♦ تاکہ اہل ایمان کا غیب پر ایمان زیادہ ہو۔ اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہو۔ ارشادِ بانی ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّعْيَا الَّتِي أَرَيْنَكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ - (الاسراء: ۶۰)

ترجمہ: ”اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔“

رات خلوت اور اختصاں کا وقت ہوتا ہے۔ جو شخص بادشاہ کے پاس دن کو بیٹھتا ہے اور جو رات کو بیٹھتا ہے ان کے

مابین بہت فرق ہے۔ اس کے باوجود کفار نے کہا:

هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۷﴾ (الاحقاف: ۷)

ترجمہ: ”کہ یہ کھلا جادو ہے۔“

ان کے لیے زباں ہے خواہ آپ انہیں دن کے وقت یہ معجزہ دکھاتے یا انہیں ایسی خبر دیتے جو انہیں یقین کا فائدہ

دیتی جب آپ نے انہیں چاند کو دو ٹکڑے کر دیا تو انہوں نے کہا:

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ - (القم: ۲)

ترجمہ: ”بڑا زبردست جادو ہے۔“



ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء جن سے یہ داستان مروی ہے

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان سے ابن مردویہ نے عبید بن عمیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے، عبد اللہ بن امام احمد نے زوائد المسند میں، ابن مردویہ نے حضرت ابو ذر سے، الحافظ نے اطراف المسند میں لکھا ہے: ”اس میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ یہ دراصل ابی ذر تھا نسخہ سے ”ذ“ کا لفظ محذوف ہو گیا ہے۔ ابی کو ابی سمجھا گیا۔ اسے منذ ابی بن کعب میں غلطی سے درج کر دیا گیا۔“

میں کہتا ہوں: ”دارقطنی نے غلطی میں لکھا ہے کہ اس میں وہم ابو ضمرۃ انس بن عیاض کی طرف سے پیدا ہوا ہے۔“ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما۔ اس روایت کو ابو حفص نسفی نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ لیکن میں اس سے آگاہ نہیں ہوا۔ حضرت انس بن مالک۔ انہوں نے کسی واسطہ کے بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور امام مسلم نے حضرت ثابت بنانی کی سند سے ان کی روایت کو ذکر کیا ہے۔ شیخان نے شریک بن عبد اللہ، ابن مردویہ نے کثیر بن خنیس اور امام نسائی نے یزید بن ابی مالک اور ابن ابی حاتم نے ایک اور سند سے اسے روایت کیا ہے۔

ابن جریر، ابن مردویہ اور امام بیہقی نے عبد الرحمن بن ہاشم کی سند سے روایت کیا ہے۔ اسے عبد الغزیز بن صہیب کی سند سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ الطبرانی نے اسے میمون بن سیاہ، ابن جریر نے ابوسلمہ بن سلیم، ابن مردویہ نے اسے ابو ہاشم سے، ابن سعد اور سعید بن منصور اور بزار نے اسے ابو عمران الجولانی کی سند سے روایت کیا ہے ان میں سے بعض کی روایت میں وہ امور ہیں جن کا تذکرہ دوسروں کی روایت میں نہیں۔“

بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ۔ ان سے امام ترمذی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ حضرت بلال بن حمامہ اور حضرت بلال بن سعد، ان سے ابو حفص النسفی نے روایت کیا ہے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما۔ ان سے امام بخاری، امام مسلم، الطبرانی، ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ۔ ان سے ابن ابی شیبہ، امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ۔ ان سے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما۔ ان سے

ابن عسا کر نے روایت کیا ہے۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ۔ ان سے البزار، الطبرانی، بیہقی نے روایت کیا ہے۔ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ۔ ان سے الطبرانی، ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ ان سے امام احمد، ابو نعیم اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ابو یعلیٰ نے حضرت عکرمہ کی سند سے، امام مسلم اور امام بخاری نے ابو العالیہ اور عکرمہ کی سند سے، امام احمد، امام نسائی اور بزار نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام احمد، ابن ابی شیبہ اور بزار نے حضرت زرارہ بن اوفیٰ کی سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عمر، ان سے ابو داؤد اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان سے ابن سعد اور ابن عسا کر نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ۔ ان سے ابو حفص نسفی نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن اسعد بن زرارة رضی اللہ عنہ، ان سے بزار، بغوی اور ابن قانع نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود۔ ان سے امام مسلم نے مزہ کی سند سے ابن عرفہ نے عبید اللہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے موثر بن عفازہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ بزار، ابو یعلیٰ اور الطبرانی نے علقمہ اور امام بیہقی نے زر بن حبیش کی سند سے روایت کیا ہے۔ عبدالرحمان بن عابس ابن دجیہ نے ان کا تذکرہ التتویر میں کیا ہے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ ان سے ابو حفص نسفی نے روایت کیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان سے امام احمد اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے امام احمد اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس بن عیاض۔ ان کا تذکرہ ابن دجیہ نے کیا ہے۔ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ۔ ان سے امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، ابن جریر، امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ان کا ذکر ابن دجیہ نے کیا ہے۔ حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ۔ ان سے امام بخاری، امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ابو الحمراء رضی اللہ عنہ۔ ان سے امام الطبرانی نے روایت کیا ہے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔ ان سے ابو حفص نسفی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ۔ ان سے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ ان سے ابن جریر، ابن ابی حاتم، امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی نے ابوالا زھر سے روایت کیا ہے۔ زید بن ابی حکیم نے فرمایا: "میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی امت کا وہ شخص کیسا ہے جسے سفیان ثوری کہا جاتا ہے۔ کیا اس میں کوئی حرج نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہی حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے انہوں نے بیان کیا ہے کہ آپ نے شب معراج کے بارے فرمایا: "میں نے آسمان میں دیکھا۔" میں نے آپ کی خدمت میں روایت عرض کر دی۔" آپ نے فرمایا: "ہاں!" میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ کی امت کے بعض لوگ

معراج کے بارے عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”وہ داستان گوؤں کی باتیں ہیں۔“
حضرت ابوسفیان بن حرب۔ ان سے ابو حفص النسفی نے روایت کیا ہے۔ ابوسلمہ بن دحیہ اور ابوسلمیؒ۔ ابو حفص نے
ان سے روایت کی ہے۔ ابولیلی انصاریؒ، ان سے الطبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ۔
ان سے ابن جریر، ابن ابی حاتم، امام بیہقی، حاکم نے ابوالعالیہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ابو جعفر رازی ہیں۔
وہ حفظ کے سچے تھے۔ امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت سعید بن مسیب کی سند سے۔ امام احمد اور امام مسلم نے ابوسلمہ کی
سند سے، امام احمد اور ابن ماجہ نے ابوالصلت کی سند سے ابن مردویہ نے سلیمان التیمی کی سند سے ابن سعد، سعید بن منصور اور
الطبرانی نے ان کے غلام کی سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ۔ ابن مردویہ نے ان سے روایت کیا
ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ان سے حاکم، امام بیہقی، ابن مردویہ نے امام زہری اور حضرت عروہ کی سند سے
روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ نے ہشام کی سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ و بیعتنا۔ ان سے ابو حفص النسفی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ
بیعتنا۔ ان سے ابوسعید اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ حضرت ام ہانیؓ۔ ان سے الطبرانی، ابویعلیٰ اور ابن عساکر نے
ابوصالح کی سند سے روایت کیا ہے۔



آٹھواں باب

داستان معراج

اللہ تعالیٰ آپ پر اور مجھ پر رحم کرے جان لو۔ مذکورہ بالا صحابہ کرام کی روایات میں سے ہر ایک کی روایت میں اس چیز کا تذکرہ ہے جو دوسرے کی روایت میں نہیں۔ میں نے استخارہ کیا اور ان کی احادیث کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔ میں نے اس داستان کو ایک ترتیب سے لکھا ہے۔ تاکہ یہ یاد رکھنے والے کانوں کے لیے شیریں بن سکے۔ اور سارے حالات میں اس کا نفع عام ہو سکے۔ اگر تم کہو کہ معراج کے بارے بعض روایات بعض کے مخالف ہیں۔ ممکن ہے کئی بار معراج ہوئی ہو۔ تم نے ان سب کو ایک قصہ میں کیسے شامل کر دیا ہے؟ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں ”یہ ظاہری لوگوں کا کمزور طریقہ ہے وہ ارباب نقل ہیں وہ جب کسی قصہ میں ایک لفظ دیکھتے ہیں جو ساق میں کسی دوسری روایت کے مخالف ہوتا ہے۔ وہ اسے دوسری مرتبہ معراج قرار دے دیتے ہیں۔ جب مختلف روایات ان کے پاس پہنچتی ہیں اور انہیں متفرق معراجیں قرار دے دیتے ہیں۔ صحیح موقف وہی ہے جسے آئمہ نے اختیار کیا ہے کہ معراج صرف ایک ہی مکہ مکرمہ سے بعثت سے بعد ہوئی تھی۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ معراج کئی بار ہوئی۔ ان کے لیے یہ کیسے روا ہے کہ وہ گمان کریں کہ ہر بار آپ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر آپ رب تعالیٰ اور حضرت کلیم اللہ ﷺ کے مابین آتے جاتے رہے حتیٰ کہ یہ پانچ رہ گئیں پھر رب تعالیٰ فرماتا رہا۔ ”میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا ہے اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔ پھر دوسری بار اسی امر کا اعادہ کیا اور دس دس نمازیں کم کر دیں۔“

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ”مالک بن معصومہ کی روایت میں بیت المقدس میں جانے کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض راوی بعض روایت کو حذف کر دیتے تھے یا تو اسے اس کا علم ہوتا تھا۔ یا وہ اسے بھلا چکا ہوتا تھا۔ یا وہ اس چیز کا ذکر کرتے جو اس سے اہم ہوتی تھی یا بعض طبیعت میں روانی ہوتی تو وہ ساری روایت بیان کر دیتا۔ بعض اوقات وہ اپنے مخاطب کو وہ چیز بیان کر دیتا جو اس کے لیے زیادہ نفع بخش ثابت ہوتی۔ جس نے ہر اس روایت کو جو دوسری روایت کے مخالف ہو اسے اس امر پر معمول کیا ہے کہ یہ دوسری بار معراج کے بارے ہے۔ اس طرح اس نے کئی معراجیں ثابت کی ہیں۔“

اس نے عجیب و غریب موقف اختیار کیا ہے۔ اس نے غلط روش اختیار کی اور مدعا پر پورا نہ اترتا۔ کیونکہ ساری روایات میں ہے کہ انبیاء کرام نے آپ ﷺ کی تعریف کی ساری روایات میں ہے کہ آپ پر نماز میں فرض کی گئیں۔ پھر اس تعدد کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ یہ بہت بعید موقف ہے۔ اسلاف میں سے کسی سے یہ موقف ثابت نہیں ہے۔ اگر معراج اتنی بار ہوتی تو حضور اکرم ﷺ اپنی امت کو اس کے بارے ضرور فرماتے۔ اور لوگ اسے بار بار نقل کرتے۔“

الحافظ ”الفتح“ میں مزید لکھتے ہیں ”آپ نے ہر نبی کے بارے سوال کیا۔ ہر دروازے کے دربان نے آپ کے بارے پوچھا کہ کیا آپ کی طرف قاصد بھیجا گیا تھا؟ اسی طرح پانچ نمازوں کا فرض ہونا۔ قصہ میں اس طرح کے تعدد کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔ بلکہ بعض روایات جو دوسری روایات سے تضاد رکھتی ہوں یا تو ان کے رد کا تعین کیا جائے گا یا انہیں ترجیح دی جائے گی۔ البتہ اس تعدد میں آپ کی نیند میں وقوع ہونے والے واقعات جو بعد میں عالم بیداری میں ظہور پذیر ہوئے ہوں شامل نہیں کیا جائے گا۔“

اب میں اس داستان کا آغاز کرتا ہوں ”اسی اثناء میں کہ حضور اکرم ﷺ بیت اللہ میں حجر کے مقام پر تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور فرشتہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ پہلے نے کہا: ”ان میں سے وہ کون ہیں؟“ درمیانے نے کہا: ”وہ ان سے بہترین ہیں۔“ یہ پہلی رات کا واقعہ ہے۔ پھر آپ نے انہیں دوسری رات دیکھا۔ پہلے نے کہا: ”یہ وہی ہیں۔“ درمیانے نے کہا: ”ہاں!“ آخری نے کہا: ”قوم کے سردار کو پکڑ لیں جو دو افراد کے مابین ہیں۔“ فرشتے واپس آگئے وہ تیسری رات آئے۔ پہلے نے کہا: ”وہ وہی ہیں۔“ درمیانے نے کہا: ”ہاں“ آخری نے کہا: ”قوم کے اس سردار کو پکڑ لو جو دو افراد کے مابین ہیں۔“ انہوں نے آپ کو اٹھایا۔ چشمہ زمزم کے پاس لے آئے۔ آپ کو کمر کے بل لٹا دیا۔“

ایک اور روایت میں ہے ”میرے کا شانہ اقدس کا چھت چیرا گیا۔ حضرت جبرائیل امین نیچے آئے۔ انہوں نے آپ کا سینہ اقدس پیٹ تک چاک کیا۔ حضرت جبرائیل نے حضرت میکائیل سے کہا: ”میرے پاس طشت میں آب زمزم لے کر آئیں۔ تاکہ میں آپ کے قلب اطہر کو صاف کروں۔ سینہ اقدس کھول دوں۔“ انہوں نے آپ کا قلب انور نکالا۔ اسے تین بار دھویا۔ اس سے کچھ نکالا۔ حضرت میکائیل آب زمزم کے تین طشت لے کر ان کے پاس آئے۔ پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے اسے آپ کے سینہ میں انڈیل دیا۔ اسے علم، یقین اور اسلام سے بھر دیا۔ پھر اسے باہم جوڑ دیا۔ اس پر مہربوت لگا دی۔ پھر براق لایا گیا۔ اس پر زین ڈالی گئی تھی۔ اسے لگام ڈالی گئی تھی۔ وہ سفید جانور تھا۔ وہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ وہ تاحہ نظر قدم اٹھاتا تھا۔ اس کے کانوں میں لرزہ تھا۔ جب وہ پہاڑوں پر آتا

تو اپنے قدم اٹھالیتا۔ جب نیچے آتا تو اپنے بازو اٹھالیتا تھا۔ اس کی رانوں کے پاس دو ہاتھ جن سے وہ اپنے پاؤں جھاڑتا تھا۔ امام ثعلبی نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے رخسار انسان کے رخساروں کی طرح تھے۔ ان کی گردن کے بال گھوڑے کے بالوں کی طرح تھے۔ اس کے پاؤں اونٹ کے پاؤں کی طرح تھے۔ اس کے سم اور دم گائے کے سموں اور دم کی طرح تھی۔ اس نے مشکل محسوس کی۔ اس نے گویا اپنے کان کھڑے کر لیے۔ حضرت جبرائیل نے اسے جھڑکا۔ انہوں نے کہا: ”رک جا؟ کیا تو حضور اکرم ﷺ سے اس طرح کرتا ہے۔“ حضرت جبرائیل امین نے اس کی گردن کے بالوں پر ہاتھ رکھے اور کہا: ”براق! تجھے حیا نہیں آتی۔ بخدا! مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو تجھ پر سوار ہوا ہو اور وہ درگاہ ربانیہ میں محمد عربی ﷺ سے افضل ہو۔“ یہ سن کر براق کو پسینہ آگیا۔ اسے شرم نے آیا۔ وہ ٹھہر گیا حتیٰ کہ حضور ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔ آپ سے قبل انبیائے کرام اس پر سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ یہ جانور حضرت ابراہیم کی اس وقت سواری بنتا تھا جب وہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔“

حضرت جبرائیل اسے لے کر روانہ ہوئے۔ دوسری روایت میں ہے: ”میں حضرت جبرائیل کے ساتھ روانہ ہوا۔“ ابوسعید نیشاپوری نے ”الشرف“ میں لکھا ہے۔ حضرت جبرائیل رکاب تھامے ہوئے تھے۔ حضرت میکائیل براق کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل دائیں طرف اور حضرت میکائیل بائیں طرف تھے۔ یہ حضرات قدسیہ روانہ ہوئے حتیٰ کہ کھجوروں والی زمین تک پہنچے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ”آپ نیچے تشریف لائیں اور نماز ادا فرمائیں۔“ آپ نے اسی طرح کیا۔ پھر آپ سوار ہو گئے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ”کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں!“ انہوں نے عرض کی: ”آپ نے طیبہ میں نماز ادا فرمائی ہے۔ یہی آپ کی ہجرت گاہ ہوگی۔“ براق آگے رواں ہوا۔ وہ تاحہ نظر قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ”آپ نیچے تشریف لائیں اور نماز ادا فرمائیں۔“ آپ نے اسی طرح کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ”کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ انہوں نے عرض کی: ”آپ نے مدین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز ادا کی ہے۔“ پھر براق روانہ ہوا۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ”آپ نیچے اتریں اور نماز ادا کریں۔“ آپ نے اسی طرح کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: ”کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ انہوں نے عرض کی: ”آپ نے طور سیناء میں نماز ادا کی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا تھا۔“

پھر آپ ایسی سرزمین تک پہنچے جہاں مہلات نظر آ رہے تھے۔ حضرت جبرائیل امین نے آپ سے عرض کی: ”آپ

نیچے تشریف لائیں اور نماز ادا کریں۔“ آپ نے اسی طرح کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ براق آگے روانہ ہو گیا۔ حضرت جبرائیل نے پوچھا: ”کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟“ فرمایا: ”نہیں۔“ انہوں نے عرض کی: ”آپ نے بیت اللحم میں نماز ادا کی ہے۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔“ آپ براق پر رواں دواں تھے کہ آپ نے ایک بہت بڑا جن دیکھا۔ وہ آگ کا شعلہ لیے آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب بھی آپ توجہ فرماتے۔ آپ اسے دیکھ لیتے۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ”کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جب آپ انہیں پڑھیں تو اس کا شعلہ بھی بجھ جائے اور وہ منہ کے بل گر پڑے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ضرور!“ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ”نہیں:“ قل اعوذ بوجه الکریم و بکلمات اللہ التامات التي لا یجاوزهن برولا فاجر من شر ما یینزل من السماء و من شر ما یخرج فیها و من شر ما ذراء فی الارض و من شر ما یخرج منها و من شر فتن اللیل والنهار و من طوارق اللیل والنهار الا طارقا یطرق بخیر یا رحمان۔“ آپ نے یہ کلمات پڑھے تو وہ منہ کے بل گر پڑا اور اس کا شعلہ بجھ گیا۔

آپ آگے روانہ ہو گئے۔ آپ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ایک دن کاشت کرتی دوسرے دن وہ کھیلتی کاٹ لیتی تھی۔ وہ جب بھی کھیلتی کاٹتے تھے تو وہ پہلے طرح ہو جاتی تھی۔ آپ نے فرمایا: ”جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں جن کا اجر سات سو گنا تک کر دیا جاتا ہے۔ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے پورا کر دیا جاتا ہے۔“ آپ نے عمدہ خوشبو سونگی۔ آپ نے فرمایا: ”جبرائیل! یہ کیسی خوشبو ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ فرعون کی لڑکی کو کنگھی کرنے والی اور اس کی اولاد کی خوشبو ہے۔ وہ فرعون کی لڑکی کو کنگھی کر رہی تھی کہ اچانک کنگھی نیچے گر پڑھی اس نے کہا: ”بسم اللہ فرعون ہلاک ہو گیا۔“ اس کی بیٹی نے کہا: ”کیا میرے باپ کے علاوہ تیرا اور بھی کوئی رب ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں! میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔“ اس عورت کا خاوند اور دولہ کے تھے۔ اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے انہیں ابھارا کہ وہ اپنے دین سے لوٹ آئیں۔ فرعون نے کہا: ”میں تمہیں قتل کر دوں گا۔“ انہوں نے کہا: ”اگر تم مجھے قتل کر دو تو پھر ہمیں ایک ہی گھر میں دفن کرنا۔“ دوسری روایت میں ہے۔ اس عورت نے کہا: ”مجھے تجھ سے ایک ضروری کام ہے۔“ فرعون: ”وہ کیا؟“ اس عورت نے کہا: ”میری اور میرے بچوں کو ہڈیاں جمع کرنا اور انہیں اکٹھا جمع کر دینا۔“ فرعون نے کہا: ”میں تمہاری یہ تمنا پوری کر دوں گا؟“ اس نے تانبے کی دیگ میں پانی گرم کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس میں اس عورت کو اور اس کی اولاد کو پھینک دیا جائے۔ انہیں ایک ایک کر کے اس میں پھینک دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ شیر خوار بچے تک پہنچ گئے۔ اس بچے نے کہا: ”امی جان! اس دیگ میں گر جانا۔ پیچھے نہ بٹنا۔ آپ حق پر ہیں۔“ چار بچوں نے بچپن میں گفتگو کی ہے:

① اس بچے نے۔

② حضرت یوسف علیہ السلام کے گواہ نے

③ جریج کے صاحب نے

④ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔

پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جس کے سر پھوڑے جا رہے تھے۔ جب انہیں پھوڑ دیا جاتا تو وہ پہلے کی طرح ہو جاتے۔ انہیں ذرہ بھر بھی سکون نہیں مل رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز سے غفلت برتتے ہیں۔“ پھر آپ کا گزرا ایسی قوم سے ہوا جس کے اگلے حصے پر بھی چیتھرے تھے اور پچھلے حصے پر بھی۔ وہ اس طرح چر رہے تھے جس طرح اونٹ اور بکریاں چرتی ہیں۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔“ یہ لوگ خشک کانٹے، زقوم اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے۔ پھر آپ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن کے سامنے ہنڈیوں میں عمدہ گوشت پڑا تھا۔ ان کے پاس کچا اور گندا گوشت بھی پڑا تھا۔ وہ کچا گندا گوشت کھا رہے تھے لیکن عمدہ پکا ہوا گوشت چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس پاکیزہ اور حلال بیوی ہوتی ہے۔ وہ غبیث عورت کے پاس جاتا ہے وہ صبح تک رات وہیں بسر کرتا ہے یا کسی عورت کے پاس پاکیزہ حلال مرد ہوتا ہے وہ غبیث شخص کے پاس جاتی ہے اور اس کے پاس رات بسر کرتی ہے۔“ پھر آپ اس لکڑی کے پاس سے گزرے جو رستہ میں پڑی تھی اس کے پاس سے جو بھی کپڑا یا چیز گزرتی وہ اسے چیر دیتی۔ آپ نے فرمایا: ”اے جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو رستوں پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ. (الاعراف: ۷۶)

ترجمہ: ”اور مت بیٹھا کرو راستوں پر کہ ڈرار ہے ہو تم (راہ گیروں کو)“

آپ نے ایسا شخص دیکھا جو خون کی نہر میں تیر رہا تھا۔ وہ پتھر نکل رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ سوخور ہے۔“ پھر آپ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن میں سے ایک شخص نے بہت بڑا گٹھا بنا رکھا تھا۔ وہ اسے اٹھا نہیں سکتا تھا۔ وہ اس میں اضافہ کرتا جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں وہ انہیں ادا نہ کر سکتا ہو وہ مزید بوجھ اٹھانے کا متمنی ہو۔“

پھر آپ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جس کی زبانیں اور لب لوہے کی پینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ جب بھی

انہیں کاٹا جاتا وہ پہلی حالت پر واپس آجاتے۔ انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی سکون نہیں مل رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کی امت کے فتنہ پسند خطباء ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔“ پھر آپ کا گزرا ایسی قوم سے ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے وہ اپنے سینے اور چہرے نوچ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ عرض کی: ”یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عورتوں سے کھلتے ہیں۔“ پھر آپ ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے جس سے بہت بڑا بیل نکلا تھا۔ وہ بیل اسی طرح واپس جانا چاہتا تھا جس طرح نکلا مگر اس میں یہ طاقت نہ تھی۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ وہ شخص ہے جو کسی بڑے کلمہ سے بات کر لیتا ہے۔ پھر اس پر نادام ہوتا ہے مگر اسے لوٹانے پر قادر نہیں ہوتا۔“ پھر آپ ایسی وادی سے گزرے جس سے مشک کی سی خوشبو آرہی تھی۔ آپ نے آواز سماعت فرمائی۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ جنت کی آواز ہے۔ وہ عرض کر رہی ہے: ”مولا! مجھے وہ کچھ عطا کر دے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ میرے کمرے، استبرق، ریشم، سندس، عبقر، موتی، مرجان، سونا اور چاندی کثیر ہو گئے ہیں۔ میرے جام، پیالے، سواریاں، شہد اور پانی زیادہ ہو گیا ہے۔“ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”تیرے لیے ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت، مؤمن مرد اور مؤمن عورت ہے جو مجھ پر اور میرے رسل عظام پر ایمان لایا۔ جس نے نیک اعمال کیے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ جو مجھ سے ڈرا اس کے لیے امن ہے۔ جس نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے اسے عطا کر دیا۔ جس نے مجھے قرض دیا میں نے اسے جزاء دے دی۔ جس نے مجھ پر توکل کیا میں اس کے لیے کافی ہو گیا۔ بلاشبہ میں خدائے یکتا ہوں۔ میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ ابل ایمان کامیاب ہو گئے۔ تَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿۱۳﴾ جنت نے کہا: ”میں راضی ہو گئی ہوں۔“

پھر آپ ایسی وادی سے گزرے جہاں سے عجیب و غریب آواز آئی۔ گندی بو آرہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ”جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ جہنم کی صدا ہے۔“ وہ عرض کر رہی ہے: ”مولا! تو نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔ میری زنجیریں، میرے طوق، میرے شعلے، میری گرمی، میری پیپ اور میرا عذاب بہت سخت ہو گیا ہے۔ میری گہرائی زیادہ ہو گئی ہے۔ میری گرمی شدت اختیار کر گئی ہے۔ تو نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ہر مشرک مرد اور مشرک عورت تیرے لیے ہے۔ ہر کافر مرد اور ہر کافر عورت تیرے لیے ہے۔ ہر ضلیث مرد اور ہر خبیثہ عورت تیرے لیے ہے۔ ہر وہ سرکش تیرے لیے ہے جو روز جزا پر ایمان نہیں رکھتا۔“ آپ نے دجال کو بھی دیکھا۔ آپ سے عرض کی گئی: ”یا رسول اللہ! آپ نے اسے کیسے دیکھا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میں نے اسے اس طرح دیکھا ہے کہ اس کا جسم بہت بڑا تھا وہ سفید اور تاباں تھا۔ اس کی ایک آنکھ ابھری ہوئی تھی گویا کہ وہ چمکدار ستارہ ہو۔ اس کے سر کے بال گویا کہ درخت کی

شاخیں تھیں۔ وہ عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ تھا۔ آپ نے سفید ستون دیکھے گویا کہ وہ موتی تھا جسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”تم کیا اٹھاتے ہوئے ہو؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ اسلام کا ستون ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسے شام میں رکھیں۔“ آپ آگے رواں تھے کہ آپ نے اپنے دائیں طرف ایک پکارنے والے کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا: ”اے محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم میری طرف دیکھیں۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“ آپ نے فرمایا: ”اے جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ یہودیوں کا داعی تھا۔ اگر آپ اسے جواب دے دیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔“ اسی اثناء میں کہ آپ رواں دواں تھے کہ آپ نے اپنی دائیں طرف آواز سنی۔ پکارنے والا کہہ رہا تھا۔ ”محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم میری طرف دیکھیں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“ آپ نے اسے بھی جواب نہ دیا۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا تو انہوں نے عرض کی: ”یہ عیسائیوں کا داعی تھا۔ اگر اسے جواب دے دیتے تو آپ کی امت عیسائی بن جاتی۔“ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے ایک عورت دیکھی جس کا سر ننگا تھا۔ رب تعالیٰ نے اسے ہر طرح کی زیب و زینت سے آراستہ فرمایا تھا۔ اس نے کہا: ”محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم میری طرف توجہ فرمائیں۔ میں آپ سے سوال کرنا چاہتی ہوں۔“ آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ دنیا ہے۔ اگر اسے جواب دے دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔“ تھوڑی سی دیر کے بعد آپ نے ایک چیز دیکھی جو رستہ سے ہٹ کر آپ کو بلارہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: ”محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم میرے پاس آؤ۔“ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ”آپ آگے تشریف لے چلیں۔“ آپ نے پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”یہ رب تعالیٰ کا دشمن ابلیس ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ آپ اس کی طرف مائل ہو جائیں۔“ کچھ دیر بعد آپ نے رستہ کے ایک طرف ایک بڑھیا دیکھی۔ اس نے کہا: ”محمد عربی! میری طرف توجہ کریں۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔“ آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”اس دنیا کی عمر اتنی باقی رہ گئی ہے جتنی اس بڑھیا کی عمر ہے۔“ آپ آگے رواں تھے کہ آپ نے رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق دیکھی۔ انہوں نے آپ کو یوں سلام عرض کیا: ”السلام علیک یا اول، السلام علیک یا آخر، السلام علیک حاضر!“ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ”آپ ان کے سلام کا جواب ارشاد فرمائیں۔“ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر دوسری اور تیسری مخلوق ملی۔ اس نے بھی آپ کو اسی طرح سلام عرض کیا۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔“ آپ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور کے پاس سے ہوا۔ وہ اپنی قبر انور میں نماز ادا کر رہے تھے۔ وہ ایک طویل اور عمدہ مومن شخص تھے۔ گویا کہ وہ ان کا تعلق شلوٰۃ قبیلہ کے افراد کے ساتھ ہو۔ وہ با آواز بلند کہہ رہے تھے ”تو نے انہیں عزت دی ہے۔ تو نے انہیں فضیلت دی ہے۔“ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ

تمہارے ساتھ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”یہ احمد مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہیں خوش آمدید کہیں یہ وہ نبی اکرم ﷺ ہیں جنہوں نے اپنی امت کے لیے خیر خواہی کا اظہار کیا۔“ انہوں نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی اور کہا: ”اپنی امت کے لیے آسانی کا سوال کرنا۔“ یہ مبارک کارواں آگے روانہ ہو گیا۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ ہیں۔“ آپ نے پوچھا: ”یہ کس کے ساتھ جھگڑا کر رہے تھے؟“ حضرت جبرائیل: ”اپنے رب تعالیٰ سے۔“ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: ”کیا یہ اپنے رب تعالیٰ کے حضور اپنی صدا بلند کر رہے تھے۔“ انہوں نے عرض کی: ”رب تعالیٰ نے انہیں خاص مقام عطا فرمایا ہے۔“ پھر یہ کارواں ایک شخص کے پاس سے گزرا جو کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا: ”جبرائیل! تمہارے ہمراہ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”یہ تمہارے بھائی حضرت محمد عربی ﷺ ہیں۔“ انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور برکت کی دعا کی اور کہا: ”اپنی امت کے لیے آسانی کا سوال کرنا۔“ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”یہ آپ کے بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔“ پھر آپ ایک درخت کے پاس سے گزرے۔ جس کے پھل گویا کہ سرخ ہوں۔ اس کے نیچے ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ہمراہ کچھ عیال بھی تھے۔ آپ نے چراغ اور روشنی دیکھی۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں۔“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔“ آپ نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: ”یا جبرائیل! آپ کے ہمراہ کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”یہ آپ کے لخت جگر احمد مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔“ انہوں نے کہا: ”نبی عربی ﷺ کو خوش آمدید! جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور اپنی امت کے لیے خیر خواہی کا اظہار کیا ہے۔ نور نظر! آج رات آپ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ آپ کی امت آخری امت ہے۔ یہ سب سے کمزور امت ہے۔ اگر آپ اپنی امت کی کسی حاجت کو پورا کر سکتے ہیں تو ضرور کر دینا۔“ انہوں نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی۔

یہ کارواں آگے بڑھ گیا حتیٰ کہ بیت المقدس کی وادی میں پہنچ گیا۔ وہاں جہنم قالین کی طرح عیاں تھی۔ آپ سے عرض کی گئی: ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اسے کیسے پایا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”کوئلہ کی طرح۔“ پھر آپ بیت المقدس پہنچ گئے۔ باب یمانی سے داخل ہوئے۔ مسجد کے دائیں اور بائیں دونوں پھیل رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کیسے نور ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”جو نور آپ کے دائیں طرف ہے وہ آپ کے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کا محراب ہے۔ جو نور آپ کے بائیں طرف ہے وہ آپ کی بہن حضرت مریم علیہا السلام کی قبر نور پر ہے۔ آپ مسجد کے اس دروازہ سے داخل ہوئے جہاں سورج اور چاند کا میلان ہوتا ہے۔“ حضرت جبرائیل امین اس چٹان کے پاس گئے جو بیت المقدس میں ہے۔ انہوں نے اس میں انگلی ڈال کر اس میں شگاف کیا۔ اس کے ساتھ براق باندھا۔ مسلم شریف میں ہے کہ انہوں نے اس حلقہ کے ساتھ

براق باندھا جس کے ساتھ انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ آپ جب مسجد اقصیٰ کی چٹان پر چڑھے تو حضرت جبرائیل نے کہا: ”محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم کیا میں اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کروں کہ وہ آپ کو حور عین دکھائے۔“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ انہوں نے کہا: ”آپ میرے ہمراہ ان خواتین کے پاس چلیں اور انہیں سلام کریں۔“ وہ چٹان کی بائیں طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ ان کے پاس گئے۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے پوچھا: ”تم کون ہو؟“ انہوں نے کہا: ”عمدہ سیرت والیاں، خوبصورت چہرہ والیاں، ہم پاکباز بندوں کی بیویاں ہیں۔ وہ پاک ہو گئے۔ ان میں میل نہ رہی۔ وہ مقیم ہو گئے۔ انہوں نے سفر نہ کیے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو گئے۔ اب انہیں موت نہیں۔“

پھر آپ نے اور حضرت جبرائیل امین نے دو رکعتیں نماز پڑھی تھوڑی سی دیر میں وہاں انبیاء کرام بیٹھ کر جمع ہو گئے۔ ان میں بعض حالت قیام، بعض حالت رکوع اور بعض حالت سجود میں تھے۔ پھر مؤذن نے آذان دی۔ اقامت کہی گئی وہ سب انتظار کرنے لگے کہ اب انہیں امامت کون کرائے گا۔ حضرت جبرائیل امین نے آپ کا دست اقدس پکڑا اور مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دیا۔ آپ نے انہیں دو رکعتیں پڑھائیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انبیاء کرام نے آپ کو آگے کھڑا کیا تھا۔ حضرت کعب سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے آذان دی۔ آسمان سے فرشتے اتر آئے۔ رب تعالیٰ نے آپ کے لیے سارے انبیاء کو جمع کر دیا۔ آپ نے ملائکہ اور انبیاء کو نماز پڑھائی۔ جب آپ واپس آئے تو حضرت جبرائیل امین نے پوچھا: ”کیا آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے پیچھے نماز کس نے ادا کی؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ انہوں نے عرض کی: ”ہر نبی نے جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا ہے۔“

امام حاکم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ انبیاء کرام کی ارواح نے باہم ملاقات کی۔ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنا غلیل بنایا۔ وہ عظیم ملک عطا فرمایا مجھے انکساری کرنے والی امت بنایا۔ میری اقتداء کی جاتی ہے۔ اس نے مجھے آگ سے بچایا۔ اسے مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی والا بنا دیا۔“

پھر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کی: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے شرف ہمکلامی بخشا۔ میرے ہاتھوں فرعون کو ہلاک کیا۔ بنو اسرائیل کو نجات دی۔ میری امت میں سے ایک ایسی قوم بنائی جو حق کے ساتھ راہ نمائی کرتی ہے اور اس کے ساتھ عدل کرتی ہے۔“ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ انہوں نے کہا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے بڑا ملک بنایا۔ مجھے زبور کا علم عطا کیا۔ میرے لیے لوہا نرم کیا۔ میرے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا وہ پرندوں کے ساتھ مل کر تسبیح بیان کرتے تھے۔ مجھے حکمت اور

فیصلہ کرنے کی قوت عطا کی۔“

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی یوں تعریف بیان کی: ”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے ہوا کو مسخر کیا۔ میرے لیے شیاطین اور انسانوں کو مسخر کیا۔ وہ میرے لیے محراب، مجھے بڑے بڑے پیالے اور جم جانے والی ہنڈیاں بناتے۔ مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں۔ مجھے اپنے فضل و کرم سے ہر چیز عطا کی۔ میرے لیے جن و انس کے لشکر، شیاطین اور پرندوں کو مسخر کیا۔ مجھے اپنے بہت سے مؤمن بندوں پر فضیلت عطا کی۔ مجھے عظیم سلطنت عطا کی جو میرے بعد کسی کے حصہ میں نہ ہوگی۔ میرے ملک کو پاکیزہ ملک بنایا جس میں نہ حساب ہے نہ ہی عذاب۔“

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ انہوں نے کہا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا۔ مجھے حضرت آدم علیہ السلام کی مثل بنایا۔ انہیں مٹی سے بنایا پھر انہیں کہا: ”ہو جا“ تو وہ بن گئے۔ مجھے کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائی۔ مجھے یہ سعادت بخشی کہ میں مریضوں کو شفا یاب کر دیتا تھا۔ میں اذن الہی سے مردے زندہ کر دیتا تھا۔ اس نے مجھے بلند کیا۔ مجھے پاک کیا۔ مجھے اور میری والدہ ماجدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی۔ شیطان کو ہم پر کوئی تسلط نہ تھا۔“

پھر حضور ﷺ نے فرمایا: ”تم سب نے اپنے رب تعالیٰ کی تعریف بیان کی ہے۔ میں بھی اپنے رب تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے لگا ہوں۔“ پھر فرمایا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا مجھے سارے لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ مجھ پر قرآن پاک نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ میری امت کو بہترین امت قرار دیا۔ جس کا ظہور لوگوں کے لیے کیا گیا ہے۔ میری امت کو بہترین امت بنایا۔ میری امت کو اول اور آخر بنایا۔ میرے لیے میرا سینہ کھولا۔ مجھ سے میرا بوجھ دور کیا۔ میرا اذ کر بلند کیا۔ مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔“

پھر انہوں نے باہم قیامت کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے اپنا معاملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹایا۔ انہوں نے فرمایا: ”مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں۔“ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹایا۔ انہوں نے بھی فرمایا: ”مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں ہے۔“ انہوں نے معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹایا۔ انہوں نے فرمایا: ”اس کے مقررہ وقت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میرے رب نے میرے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ دجال کا ظہور ہوگا۔ میرے پاس دو تلواریں ہوں گی۔ جب دجال مجھے دیکھے گا تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح سیدہ پگھلتا ہے۔ وہ جب مجھے دیکھے گا تو رب تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا۔ حتیٰ کہ پتھر کہے گا: ”اے مسلمان! میرے نیچے کافر ہے۔ آؤ اسے تہ تیغ کر دو۔ رب تعالیٰ انہیں ہلاک کر دے گا۔ لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اس وقت یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا۔ وہ ہر بلند جگہ سے تیزی کے ساتھ آئیں

گے۔ وہ ہر چیز کو تباہ کر دیں گے۔ وہ جس چیز کے پاس سے گزریں گے اسے کھا جائیں گے۔ جس پانی کے پاس سے گزریں گے اسے پی جائیں گے۔ لوگ واپس آئیں گے۔ میرے پاس ان کی شکایت کریں گے۔ میں رب تعالیٰ سے دعا کروں گا۔ وہ انہیں ہلاک کر دے گا۔ زمین پر ان کی بو پھیل جائے گی۔ رب تعالیٰ بارش کو نازل کرے گا۔ پانی ان کے اجسام کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دے گا۔ رب تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے۔ جب صورت حال اس طرح ہوگی تو قیامت اس حاملہ اونٹنی کی طرح ہوگی جس کے اہل خانہ نہیں جانتے کہ دن یارات میں کسی وقت اس کا وضع حمل ہو جائے۔“

حضور سید المرسلین ﷺ کو پیاس نے آیا۔ آپ کی خدمت اقدس میں دو پیالے پیش کیے گئے۔ ایک دائیں طرف سے دوسرا بائیں طرف سے۔ ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی خدمت میں تین برتن پیش کیے گئے۔ ان کے منہ ڈھانپے ہوئے تھے ان میں سے ایک برتن آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس میں پانی تھا۔ آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پی لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس میں سے کچھ بھی نہ پیا۔ پھر آپ کی خدمت میں ایک اور برتن پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے سیر ہو کر پیا۔ پھر ایک اور برتن پیش کیا گیا۔ جس میں شراب تھی۔ آپ سے عرض کی گئی کہ آپ نوش فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں سیراب ہو چکا ہوں۔“ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ”یہ عنقریب آپ کی امت پر حرام کر دی جائے گی۔“ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ کی خدمت میں پانی، شراب اور دودھ پیش کیا گیا۔ ایک روایت میں پانی کی جگہ شہد کا تذکرہ ہے۔ آپ نے تھوڑا سا شہد تناول فرمایا۔ دودھ کا برتن پکڑا تو اس سے سیر ہو کر پیا۔ حضرت جبرائیل امین نے آپ کے شانہ اقدس پر ہاتھ رکھا اور عرض کی: ”آپ نے فطرت کو پالیا ہے۔ اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ ان میں سے بہت تھوڑے آپ کی اتباع کرتے۔ اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔“ ایک روایت میں ہے کہ اس بزرگ نے حضرت جبرائیل سے کہا جو منبر کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ ”تمہارے رفیق نے فطرت کو پالیا ہے۔ یہ ہدایت یافتہ ہیں۔“

پھر آپ کی خدمت میں وہ سیرھی لائی گئی جس سے اولاد آدم کی ارواح اوپر چڑھتی ہیں مخلوق نے اتنی حسین سیرھی نہ دیکھی ہوگی۔ اس کا ایک زینہ چاندی کا اور دوسرا زینہ سونے کا تھا۔ ابوسعید نے شرف المصطفیٰ میں لکھا ہے کہ جنت الفردوس سے ایک سیرھی آپ کی خدمت میں لائی گئی۔ جس پر موتی جڑے ہوئے تھے۔ آپ کے دائیں اور بائیں فرشتے تھے۔ آپ اور حضرت جبرائیل اس پر چڑھ گئے۔ حتیٰ کہ آسمان دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازے تک پہنچ گئے۔ اس دروازے کو باب الحفظہ کہا جاتا ہے اس پر نگران فرشتے کا نام اسماعیل ہے۔

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ہوا پر سکون ہوتی ہے۔ وہ نہ کبھی آسمان کی طرف چڑھتی ہے نہ زمین کی طرف آتی ہے۔ مگر

اس روز جب حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا تھا۔ آپ کے آگے ستر ہزار فرشتے تھے۔ ہر فرشتے کے ساتھ ستر ہزار کاشکرتھا۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ پوچھا گیا: ”کون ہو؟“ انہوں نے کہا: ”جبرائیل!“ پوچھا گیا: ”تمہارے ہمراہ کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”محمد عربی ﷺ“ اس نے کہا: ”کیا ان کی طرف پیغام دے کر بلایا گیا ہے؟“ جبرائیل: ”ہاں!“ فرشتہ: ”انہیں مرحبا احلاً وسہلاً“ رب تعالیٰ بھائی اور خلیفہ کی طرف سے انہیں سلام پہنچائے۔ وہ کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ ہیں۔ وہ کتنے اچھے آنے والے ہیں۔“ فرشتہ آگے آیا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ جب آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت آدم تشریف فرما تھے۔ وہ اس صورت میں تھے جس میں رب تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ ان پر ان کی اولاد میں اہل ایمان کی ارواح پیش کی جاتیں وہ فرماتے: ”کتی پاکیزہ روح ہے۔ کتنا طیب نفس ہے۔ اسے علیین میں رکھ دو۔“ پھر ان پر کفار کی ارواح پیش کیں جاتیں۔ وہ کہتے: ”کتی خبیث روح ہے؟ کتنا خبیث نفس ہے؟ اسے سجین میں رکھ دو۔“ ان کی دائیں طرف ہجوم تھا۔ ایک دروازہ تھا جس سے عمدہ خوشبو نکل رہی تھی۔ ایک دروازہ بائیں طرف تھا جس سے گندی بو آرہی تھی۔ اس طرف بھی ہجوم تھا۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے تو مسکراتے۔ خوش ہو جاتے جب بائیں طرف دیکھتے تو غمزدہ ہو جاتے اور رونے لگتے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: ”صالح بیٹے اور صالح نبی کو خوش آمدید!“ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا: ”اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ یہ اژدہام ان کی اولاد کا ہے۔ دائیں طرف جنتی ہیں۔ بائیں طرف دوزخی ہیں۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں۔ ان کے دائیں طرف جنت کا دروازہ ہے۔ جب اپنی اولاد میں سے جنت میں داخل ہونے والے کو دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ ان کے بائیں طرف جہنم کا دروازہ ہے۔ جب اپنی اولاد میں سے اس میں داخل ہونے والے کو دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں غمزدہ ہوتے ہیں۔“

پھر آپ آگے تشریف لے گئے۔ اچانک آپ نے دسترخوان دیکھے جن پر عمدہ گوشت پڑا ہوا تھا۔ لیکن ان کے قریب کوئی نہ جاتا تھا۔ پھر آپ نے اور دسترخوان دیکھے جس سے بو آرہی تھی۔ لوگ ان سے کھا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: ”اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کے پاس جاتے ہیں۔“ دوسری روایت میں ہے ”آپ نے ایسے دسترخوان دیکھے جن پر انتہائی خوبصورت بھونا ہوا گوشت تھا۔ اس کے ارد گرد مردار پڑے ہوئے تھے۔ لوگ مردار کی طرف جا رہے تھے اور اسے کھا رہے تھے۔ وہ گوشت کو چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”جبرائیل! یہ کون ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ زانی ہیں۔ جو رب تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال کرتے ہیں اور اسے چھوڑ دیتے ہیں جسے رب تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔“

پھر آپ تھوڑا سا آگے تشریف لے گئے۔ آپ نے ایسے لوگ دیکھے جن کے پیٹ کمروں کی طرح تھے۔ جن میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ ان میں سے ایک سے جب بھی ڈنگ مارتا وہ گر پڑتا وہ کہتا: ”رب تعالیٰ قیامت قائم نہ ہو۔ وہ آل فرعون کی راہ پر تھے۔ وہ انہیں روندھ رہے تھے۔ وہ انہیں سن رہے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آہ وزاری کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں:

الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَيْمَنِ ۗ (البقرة: ۲۷۵)

ترجمہ: ”وہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر۔“

پھر آپ آگے تشریف لے گئے۔ آپ نے ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے۔ جو اپنے منہ کھولتے تھے اور پتھر نکل رہے تھے۔ دوسری روایت میں ہے، وہ اپنے منہ سے جہنم کے پتھر کھا رہے تھے وہ پتھر ان کے پیچھے سے نکل رہے تھے۔ وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: ”اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ وہ لوگ ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ

سَعِيرًا ﴿۱۰﴾ (النساء: ۱۰)

ترجمہ: ”بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں

آگ اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں۔“

پھر آپ آگے تشریف لے گئے۔ آپ نے کچھ خواتین دیکھیں جو پستانوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں۔ بعض کو پاؤں کے بل اوندھا لٹکایا گیا تھا۔ وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ و پکار کر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ وہ عورتیں ہیں جو بدکاری کرتی ہیں اور اپنی اولاد کو قتل کرتی ہیں۔“

پھر آپ آگے تشریف لے گئے۔ آپ نے ایسے لوگ دیکھے جن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹا جا رہا تھا۔ انہیں کہا جا رہا تھا: ”اے کھاؤ! جیسے تم اپنے بھائی کا گوشت کھاتے تھے۔“ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی غیبت اور عیب جوئی کرتے ہیں۔“

پھر یہ دونوں حضرات قدسی دوسرے آسمان کی طرف بلند ہو گئے۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو ان کو کہا گیا: ”کون؟“ انہوں نے کہا: ”جبرائیل!“ پوچھا گیا: ”تمہارے ہمراہ کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”جان عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم!“ پوچھا گیا: ”کیا ان کی طرف پیغام بھیج کر بلا یا گیا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں“ کہا گیا: ”انہیں مرحبا، احلا و سہلا اللہ

تعالیٰ انہیں ایک بھائی اور ایک خلیفہ کی طرف سے سلام بھیجے۔ وہ کتنے عمدہ بھائی اور کتنے عمدہ خلیفہ ہیں؟ وہ کتنے اچھے آنے والے ہیں۔ ان کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ جب وہ آسمان پر جلوہ افروز ہو گئے۔ وہاں دو خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام۔ ان میں سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ ان کے کپڑے اور ان کے بال ایک جیسے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کی قوم کے کچھ افراد تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قدمبارک میاں تھا۔ ان کی رنگت میں سرخی اور سفیدی تھی۔ بال سیدھے تھے گویا کہ وہ ابھی ابھی حمام سے نکلے ہوں۔ وہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شقی کے مشابہ تھے۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: ”صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید! انہوں نے آپ کے لیے دعائی۔

پھر یہ حضرات قدسی تیسرے آسمان کی طرف چلے گئے۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ ان سے پوچھا گیا: ”کون ہو؟“ انہوں نے کہا: ”جبرائیل!“ پوچھا گیا: ”آپ کے ہمراہ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”روح کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم“ پوچھا گیا: ”کیا انہیں پیغام بھیج کر بلایا گیا ہے۔“ انہوں نے کہا: ”ہاں۔“ آپ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا گیا۔ آپ کو سلام پیش کیا گیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب یہ دونوں حضرات آسمان پر آئے تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ ان کے ہمراہ ان کی قوم کے کچھ افراد تھے۔ انہوں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا: ”صالح بھائی اور صالح نبی کو مرحبا!“ انہوں نے آپ کے لیے دعائے خیر کی۔ انہیں حسن و جمال کا نصف عطا کیا گیا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے حسین ترین تھے۔ وہ اس طرح حسین تھے جس طرح ماہ تمام سارے ستاروں سے حسین ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔“ پھر یہ دونوں حضرات چوتھے آسمان تک پہنچے۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ پوچھا گیا: ”کون؟“ انہوں نے کہا: ”جبرائیل!“ ان سے پوچھا گیا: ”آپ کے ہمراہ کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم“ انہوں نے پوچھا: ”کیا انہیں پیغام دے کر بھیجا گیا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں!“ آپ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بھائی اور ایک خلیفہ کی طرف سے سلام بھیجے۔ آپ کتنے اچھے بھائی اور خلیفہ ہیں۔ آپ کتنے اچھے آنے والے ہیں۔ جب وہ آسمان تک پہنچے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں بلند مقام عطا کیا تھا۔ آپ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: ”صالح بھائی اور صالح نبی کو سلام۔“ پھر آپ نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔

پھر یہ دونوں حضرات پانچویں آسمان کی طرف رواں ہوئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے

کہا۔ ان سے پوچھا گیا: "کون؟" انہوں نے کہا: "جبرائیل۔" انہوں نے پوچھا: "آپ کے ہمراہ کون ہے؟" انہوں نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم۔" ان سے پوچھا گیا: "کیا انہیں پیغام بھیجا گیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے کہا: "خوش آمدید! مرحبا! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خلیفہ اور بھائی کی طرف آپ کو سلام! آنے والے کتنے اچھے خلیفہ اور کتنے اچھے بھائی ہیں۔" ان کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ جب وہاں پہنچے تو وہاں حضرت ہارون علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ ان کی نصف داڑھی سفید اور نصف داڑھی سیاہ تھی۔ داڑھی ان کی ناف تک تھی۔ ان کے ارد گرد بنو اسرائیل تھے۔ وہ انہیں کچھ بیان فرما رہے تھے۔ آپ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے انہیں سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: "صالح بھائی اور صالح نبی کو سلام۔" پھر دعائے خیر کی۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے کہا: "یہ اپنی قوم کے محبوب حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔" پھر یہ دونوں حضرات چھٹے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ ان سے پوچھا گیا: "کون؟" انہوں نے کہا: "جبرائیل!" ان سے پوچھا گیا: "آپ کے ہمراہ کون ہیں؟" انہوں نے کہا: "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔" پوچھا گیا: "کیا انہیں پیغام دے کر بھیجا گیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں!" آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہا گیا۔ آپ کو کہا گیا: "آپ کو ایک بھائی اور ایک خلیفہ کی طرف سے سلام! آپ کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ اور کتنے اچھے آنے والے ہیں۔" آپ کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ آپ بعض ایسے انبیاء کرام کے پاس سے گزرے جن کے ہمراہ ایک قبیلہ تھا۔ آپ بعض ایسے انبیاء کرام کے پاس سے گزرے جن کے ہمراہ ایک قوم تھی۔ بعض انبیاء کے ہمراہ ایک شخص بھی نہ تھا۔ پھر آپ ایک عظیم ہجوم کے پاس سے گزرے۔ آپ نے پوچھا: "یہ کون ہیں؟" آپ کو جواب دیا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم ہیں۔ لیکن آپ اپنا سراقدس بلند فرمائیں۔ آپ نے بہت ہی بڑا اژدہام دیکھا۔ جس نے اس طرف سے بھی اور اس طرف سے بھی افق کو گھیر رکھا تھا۔ آپ سے عرض کی گئی: "یہ آپ کی امت ہے۔ ان کے علاوہ ستر ہزار ایسے بھی ہیں جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔" جب یہ حضرات آسمان پر چڑھے تو وہاں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ ان کی رنگت گندم گوں تھی۔ وہ طویل قامت تھے۔ گویا کہ وہ شنؤۃ کے ایک آدمی ہوں۔ ان کے بال کثیر تھے۔ اگر انہوں نے دو قمیصیں بھی پہنیں ہوتیں وہ ان سے بھی باہر نکل آتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا: "صالح بھائی اور صالح نبی کو سلام۔" پھر آپ کے لیے دعائے خیر کی۔ پھر کہا: "لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں درگاہ ربانیہ میں ان سے زیادہ معزز ہوں۔ بلکہ یہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مجھ سے زیادہ معزز ہیں۔" جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے گزرے تو یہ رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا: "آپ کیوں رورہے ہیں؟" انہوں نے کہا: "میں اس لیے رورہا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے بعد میں مبعوث کیا گیا۔ لیکن ان کے امتی میرے امتیوں سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ بنو اسرائیل گمان کرتے ہیں کہ میں سارے بنو آدم سے

بارگاہ ربوبیت میں معزز ہوں۔ لیکن یہ ہستی مجھ سے بعد میں دنیا میں گئی۔ لیکن میں مرتبہ میں ان سے کم ہوں۔ اگر یہ اکیلے ہی ہوتے مجھے کوئی پرواہ نہ تھی۔ لیکن ان کے ہمراہ ان کی ساری امت ہوگی۔ پھر یہ حضرات آگے گزر گئے۔

جب ساتویں آسمان تک پہنچے تو اوپر رعد، برق اور بجلیاں دیکھیں۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ ان سے پوچھا گیا۔ ”کون؟“ انہوں نے کہا: ”جبرائیل!“ پوچھا گیا: ”آپ کے ہمراہ کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”محمد عربیؐ!“ پوچھا گیا کیا انہیں پیغام دے کر بلایا گیا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں!“ آپ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا گیا۔ آپ کو ایک بھائی اور ایک خلیفہ کی طرف سے خوش آمدید آپ کتنے اچھے آنے والے ہیں۔ ان کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ انہوں نے بلند آسمانوں سے تسبیح کی آوازیں سنیں۔ ان کے ساتھ بھی بہت سی تسبیحات تھیں۔ بلند آسمان ڈرتے ڈرتے تسبیح خوانی کر رہے تھے۔ یہ یوں کہہ رہے تھے: ”سبحان العلی الاعلیٰ سبحانہ و تعالیٰ“ جب یہ حضرات آسمان پر چڑھے تو وہاں حضرت ابراہیمؑ تشریف فرما تھے۔ ان کے بال سیاہ اور سفید تھے۔ وہ جنت کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ایک کرسی پر بیت المعمور کی طرف کمر انور کیے ہوئے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کی قوم کے کچھ افراد تھے۔ حضور اکرمؐ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: ”صالح نبی اور صالح فرزند کو خوش آمدید! انہوں نے کہا: ”آپ اپنی امت کو حکم دیں کہ جنت میں زیادہ پودے لگایا کرے۔ اس کی مٹی بہت عمدہ اور اس کی زمین بہت وسیع ہے۔“ آپ نے پوچھا: ”جنت کے پودے کیسے لگتے ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم پڑھنے سے“ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: ”اپنی قومیری طرف سے سلام دینا اور انہیں بتانا کہ جنت کی مٹی بہت عمدہ ہے۔ اس کا پانی بڑا شیریں ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ پڑھنے سے اس میں پودہ لگ جاتا ہے۔“ آپ اولاد ابراہیمؑ میں سے سب سے زیادہ ان کے مشابہ تھے۔ ان کے پاس ایسی قوم بیٹھی ہوئی تھی۔ جس کے چہرے سفید تھے۔ وہ اوراق کی مانند تھے۔ ایک قوم کی رنگت میں کچھ اختلاط تھا۔ یہ لوگ اٹھے جن کی رنگت میں اختلاط تھا۔ وہ ایک نہر میں داخل ہوئے۔ اس میں انہوں نے غسل کیا۔ جب وہ باہر نکلے تو ان کی رنگت بھی سفید ہو چکی تھی۔ ان کی رنگت ان کے ساتھیوں کی رنگت کی طرح ہو چکی تھی۔ حضور اکرمؐ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ سفید رنگت والے کون تھے۔ یہ کون تھے جن کی رنگت میں اختلاط تھا اور یہ کون سی نہر ہے؟“ انہوں نے کہا: ”یہ لوگ جو سفید رنگت والے تھے یہ وہ تھے جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا تھا۔ جن کی رنگت میں اختلاط تھا ان کے بعض اعمال پاکیزہ اور بعض اعمال عمدہ نہ تھے۔ انہوں نے توبہ کی۔ رب تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ ان نہروں میں سے پہلی نہر اللہ تعالیٰ کی رحمت دوسری اللہ تعالیٰ کی نعمت اور تیسری کا تذکرہ اس آیت طیبہ میں ہے:

وَسَقَّوْهُمْ رَبُّهُمْ شَرَّ آبًا طَهُورًا ﴿۲۱﴾ (الانسان: ۲۱)

ترجمہ: ”اور ان کا پروردگار انہیں شرابِ طہور پلائے گا۔“

آپ سے عرض کی گئی کہ یہ آپ کا اور آپ کی امت کا مقام ہے۔ آپ نے اپنی امت کو دو حصوں میں منقسم دیکھا۔ ایک حصہ نے کاغذ کی طرح سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ لیکن دوسرے حصے کے کپڑے صحیح سفید نہ تھے بلکہ میلے تھے۔ حضور ﷺ بیت المعمور میں داخل ہو گئے۔ آپ کی امت کے سفید پوش لوگ بھی آپ کے ہمراہ اس میں داخل ہو گئے۔ لیکن جن کے کپڑے میلے تھے انہیں روک دیا گیا۔ حالانکہ وہ بھی بھلائی پر تھے۔ آپ نے اور دیگر اہل ایمان نے بیت المعمور میں نماز ادا کی۔ اس مقدس گھر میں ہر روز ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں۔ پھر وہ دوبارہ حشر تک اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر آپ اور وہ سفید پوش لوگ اس سے باہر نکل آئے۔

الطبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب شب معراج مجھے ملائکہ اعلیٰ کی سیر کرانی گئی تو حضرت جبرائیل ختمیت الہیہ سے پرانے بوری کی طرح ہو گئے تھے۔ پھر آپ کے پاس تین برتن لائے گئے۔ ایک میں شراب دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد تھا۔ آپ نے دودھ نوش فرمایا۔ حضرت جبرائیل نے کہا: ”آپ کی امت فطرت پر عمل پیرا ہوگی۔“ یا ”یہ وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔“ پھر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ زمین سے بلند ہونے والی چیز اس جگہ جا کر رک جاتی ہے وہاں سے اسے حاصل کر لیا جاتا ہے۔ اوپر سے آنے والی چیز بھی اس جگہ آ کر رک جاتی ہے۔ اسے وہاں سے حاصل کر لیا جاتا ہے۔ آپ نے ایک درخت دیکھا اس کے نیچے سے نہریں نکل رہی تھیں۔ کچھ نہریں ایسے پانی کی تھیں جو بوسیدہ نہیں ہوتا تھا۔ کچھ نہریں شراب کی تھیں جو پینے والوں کے لیے سراپالذت تھیں۔ کچھ نہریں صاف شہد کی تھیں۔ اگر ایک سوار ستر سال اس کے سایہ میں چلتا رہتا وہ پھر بھی اسے طے نہ کر سکتا۔ اس کا پھل ہجر کے منکوں کی طرح تھا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے۔ قریب تھا کہ اس کا ایک پتا اس امت کو ڈھانپ دیتا۔ الطبرانی کی روایت میں ہے ”اس کا ایک پتا مخلوق کو سایہ کر سکتا تھا۔“ ہر ہر پتے پر ایک ایک فرشتہ بیٹھا ہوا تھا اس پر رنگ غالب تھا۔ پتے نہیں انہیں کس چیز سے بنایا گیا تھا۔ جب اس پر اللہ تعالیٰ کا وہ امر غالب آ گیا جو آسمان پر متغیر ہو گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ یا قوت اور زبرد میں تبدیل ہو گیا۔ کسی شخص میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس کا حسن و جمال بیان کر سکے۔ اس میں سونے کے بستر لگے ہوئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہاں سونے کی ٹڈیاں تھیں۔

آپ سے عرض کی گئی کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے اس پر آپ کی امت کا ہر وہ شخص فائز ہو گا جو آپ کی راہ پر چلے گا۔ اس کی اصل سے چار نہریں رواں تھیں۔ دو ظاہری اور دو باطنی نہریں۔ آپ نے پوچھا: ”اے جبرائیل یہ کیا ہے؟“ انہوں نے کہا:

”باطنی نہریں جنت کی نہریں ہیں جبکہ ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔“ دوسری روایت میں ہے کہ اس کے اصل سے ایک چمڑہ رواں تھا جسے سلسبیل کہا جاتا تھا۔ اس سے دو نہریں نکل رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نہر کوثر ہے۔ جو تیر کی طرح تیزی سے بھر پور رواں دواں تھی۔ اس پر موتی، یاقوت اور زبرجد کے خیمے تھے۔ اس پر سبز نرم پرندے تھے۔ آپ نے وہاں سونے اور چاندی کے برتن دیکھے۔ یہ نہر یاقوت اور زمرہ پر بہ رہی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ آپ نے ایک برتن لیا۔ اس پانی سے بھرا اور نوش فرمایا۔ وہ شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ حضرت جبرائیل نے کہا: ”یہ وہ نہر ہے جسے رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ دوسری نہر، نہر رحمت تھی۔ جو اس میں غسل کرتا ہے اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرة المنتہی کے پاس حضرت جبرائیل کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔ ایک پر نے افق کو گھیر رکھا تھا۔ ان کے پروں کی رنگت یاقوت اور موتیوں کے بارے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر آپ جنت کے اندر تشریف فرما ہو گئے۔ وہاں ایسی نعمتیں تھیں جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا تھا۔ جن کے بارے کسی کان نے نہ سنا تھا۔ نہ ہی ان کے بارے کسی بشر کے دل پر گمان گزرا تھا۔ آپ نے دیکھا اس کے دروازے پر لکھا تھا۔ ”صدقہ کا اجر دس گنا ہے اور جبکہ قرض کا اجر اٹھارہ گنا ہے۔“ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! کیا وجہ ہے کہ قرض صدقے سے افضل ہے؟“ انہوں نے کہا: ”اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل جب مانگتا ہے تو اس کے پاس کچھ ہوتا ہے لیکن قرض مانگنے والا صرف حاجت کے وقت ہی مانگتا ہے۔“ آپ کے سامنے ایک حور آگئی۔ آپ نے اس سے پوچھا: ”تو کس کے لیے ہے؟“ اس نے عرض کی: ”حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے۔“ آپ نے جنت کو دیکھا جسے سفید موتی سے بنایا گیا تھا۔ وہاں موتیوں کے قبے تھے۔ آپ نے کہا: ”جبرائیل! میرے صحابہ مجھ سے جنت کے بارے سوال کریں گے۔“ انہوں نے عرض کی: ”انہیں بتائیں کہ جنت ایک بلند جگہ ہے جس کی مٹی مشک ہے۔“ آپ نے باہر سے ایک ہلکی سی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کیسی آواز ہے؟“ انہوں نے کہا: ”یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز ہے۔“ آپ آگے بڑھے وہاں دودھ کی نہریں تھیں جن کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا۔ وہاں شراب کی نہریں تھیں جو پینے والے والوں کے لیے سراپا لذت تھیں۔ وہاں صاف شہد کی نہریں تھیں۔ وہاں ڈول جتنے بڑے انار تھے۔ روایت ہے کہ وہ انار ایسے تھے کہ گویا کہ وہ کجاوے والے اونٹوں کی جلد ہوں۔ وہاں کے پرندے بختانی اونٹوں کی طرح تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ پرندے تو بڑے نرم و ملائم ہوں گے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں نے ان سے بھی زیادہ نرم اور ملائم پرندے کھائے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی ان سے کھاؤ گے۔“ اسی اثناء میں کہ آپ رواں دواں تھے کہ آپ نے ایک نہر

ملاحظہ فرمائی۔ اس کے دونوں کناروں پر آپ نے موتی دیکھے۔ اس کی مٹی مشک اذفر کی تھی۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ کوثر ہے۔“

پھر آپ پر آگ کو پیش کیا گیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب، زجر اور انتقام تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا پھینک دیا جاتا تو اسے بھی ہڑپ کر جاتی۔ وہاں ایک قوم تھی جو مردار کھا رہی تھی۔ آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں۔“ آپ نے نیلی آنکھوں والا سرخ شخص دیکھا۔ پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”یہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا ہے۔“ آپ نے آگ کے نگران فرشتے مالک کو دیکھا۔ وہ ایک ترش رو شخص تھا۔ جس کے چہرے سے غصہ عیاں تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے سلام کیا۔ پھر جہنم کو بند کر دیا گیا۔ آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اٹھایا گیا۔ وہاں خلایق اور ملائکہ کے انوار تھے۔ یہ انوار درخت پر پڑ رہے تھے۔ اس کے ہر ہر پتے پر ایک ایک فرشتہ تھا۔ اس پر ہر رنگ کا بادل چھا رہا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل نے کہا: ”آپ کا رب تسبیح بیان کر رہا ہے۔“ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: ”وہ کیا کہہ رہا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”وہ کہہ رہا ہے: ”سبوح قدوس رب الملائکة والروح سبقت رحمتی غضبى۔“ پھر حضرت جبرائیل پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ کو سیر کرائی گی۔ حتیٰ کہ آپ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے قلموں کے چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آپ نے ایک شخص دیکھا جو نور عرش میں غوطہ زن تھا۔ آپ نے پوچھا: ”یہ کون ہے؟ کوئی فرشتہ ہے؟“ جواب دیا گیا: ”نہیں!“ آپ نے پوچھا: ”نبی ہے؟“ جواب دیا گیا: ”نہیں!“ آپ نے پوچھا: ”پھر کون ہے؟“ آپ سے عرض کی گئی: ”یہ وہ شخص ہے جو ہر وقت دنیا میں ذکر الہی میں مصروف رہتا تھا۔ اس کا دل مساجد کے ساتھ معلق ہوتا تھا۔ اور جو اپنے والدین کو گالیوں کے لیے پیش نہیں کرتا تھا۔“

آپ ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کی زیارت کی۔ آپ سجدہ ریز ہو گئے۔ اس وقت رب تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ اس نے کہا: ”اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے عرض کی: ”لبیک یارب!“ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”مانگو!“ آپ نے عرض کی: ”مولا! تو نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا۔ انہیں عظیم ملک عطا کیا ہے۔ تو نے موسیٰ سے کلام کیا ہے۔ تو نے حضرت داؤد کو عظیم سلطنت بخشی ہے۔ حضرت سلیمان کے لیے جن و انس اور شیاطین کو مسخر کیا۔ ان کے لیے ہوا مسخر کی۔ انہیں اتنی عظیم سلطنت بخشی جو کسی اور کے لیے نہ ہوگی۔ تو نے حضرت عیسیٰ کو تورات اور انجیل سکھائی۔ انہیں اس طرح بنایا کہ وہ مادر زاد کوڑھیوں اور برص کے مریضوں کو درست کر دیتے تھے۔ وہ تیرے حکم سے مردے زندہ کرتے تھے انہیں اور ان کی والدہ ماہدہ کو مردود شیطان سے پناہ دی۔ اسے ان پر کوئی تسلا مائل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں نے آپ کو اپنا حبیب بنا لیا۔“

ہے۔ (راوی کہتے ہیں: "تورات میں آپ کا اسم گرامی حبیب مکتوب ہے) میں نے آپ کو سارے لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کے لیے آپ کا سینہ کھولا۔ آپ سے آپ کا بوجھ کم کیا۔ آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کیا۔ جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر ہوگا۔ میں نے آپ کی امت کو بہترین امت بنایا ہے۔ اس کا اخراج لوگوں کے لیے کیا ہے۔ انہیں اول و آخر بنایا ہے۔ آپ کی امت کے لیے خطبہ جائز نہیں حتیٰ کہ وہ یہ گواہی دے دیں کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کی امت میں سے ایسے لوگ بھی بنائے جن کے سینے ان کے انجیل ہیں۔ میں نے آپ کو خلق کے اعتبار سے سارے انبیاء سے اول اور بعثت کے اعتبار سے آخر بنایا ہے۔ میں نے آپ کو سات ایسی آیات بخشی ہیں جنہیں بار بار پڑھا جاتا ہے۔ میں نے آپ سے پہلے کسی نبی کو یہ عطا نہیں کیا۔ میں نے آپ کو اپنے عرش کے خزانہ کے نیچے سے سورۃ البقرہ کی آخری آیات عطا کیں۔ میں نے آپ سے قبل کسی نبی کو یہ عطا نہیں کیں تھیں۔ میں نے آپ کو کوثر عطا کی۔ میں نے آپ کو اسلام، ہجرت، جہاد، صدقہ، رمضان المبارک، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عطا کیا۔ میں نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس دن سے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں ہیں۔ آپ اور آپ کی امت انہیں قائم کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے مجھے یوں فضیلت بخشی ہے۔ اس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھے سارے لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا۔ مجھ سے قبل یہ کسی کے لیے حلال نہیں تھیں۔ ساری زمین کو میرے لیے مسجد اور پاکیزگی بنا دیا گیا ہے۔ مجھے فواح الکلم، خواتم الکلم اور جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔ مجھ پر میری امت پیش کی گئی۔ مجھ پر تابع اور متبوع مخفی نہ رہے۔ میں نے انہیں ایسی قوم پر دیکھا جو بالوں کے جوتے پہنیں گے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ ایسی قوم کے پاس آئے ہیں جن کے چہرے چوڑے ہیں آنکھیں چھوٹی ہیں گویا کہ ان کی آنکھوں میں سوئی سے شگاف کیا گیا ہے۔ مجھ پر کچھ مخفی نہ رہا جس پر وہ تھے۔ میرے بعد کوئی قوی نہیں ہے۔ مجھے پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا۔" آپ کو یہ تین اسمائے گرامی عطا کیے گئے: سید المرسلین، امام المتقین، قائد الغر المحجلین۔

حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازیں، سورۃ البقرہ کی آخری آیات اور اس شخص کی بخشش کا مزدو سنایا گیا جس نے شرک نہ کیا۔

پھر آپ سے بادل چھٹ گیا۔ حضرت جبرائیل نے آپ کا دست اقدس تھام لیا۔ آپ جلدی سے واپس آ گئے۔ آپ حضرت ابراہیم کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے کچھ نہ کہا۔ پھر آپ حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرے۔ آپ نے ان کے

متعلق فرمایا: ”وہ تمہارے لیے بہت اچھے صاحب تھے۔“ انہوں نے پوچھا: ”محمد عربیؐ! آپ نے کیا کیا۔ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟“ آپ نے فرمایا رب تعالیٰ نے مجھ پر اور میری امت پر دن میں اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔“ اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں۔ میں آپ سے پہلے تجربہ کر چکا ہوں۔ میں بنو اسرائیل کو آزمایا تھا۔ میں اس سے بھی کم فریضہ کی وجہ سے ان کی طرف سے شدت کا سامنا کر چکا ہوں۔ انہوں نے کمزوری کا اظہار کیا اور اسے ترک کر دیا۔ آپ کی امت تو جسم، بدن، بصارت اور سماعت کے اعتبار سے کمزور ہے۔“ حضور اکرمؐ نے حضرت جبرائیل امین کی طرف دیکھا گویا کہ مشورہ لے رہے ہوں۔ حضرت جبرائیل نے کہا: ضرور! اگر آپ پسند کرتے ہیں۔ آپ جلدی سے واپس آئے۔ درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ بادل نے آپ کو ڈھانپ لیا اور آپ سجدہ ریزی کرتے ہوئے گر پڑے۔

آپ نے عرض کی: ”مولا! ہم سے تخفیف فرما۔“ دوسرے الفاظ میں ہے: ”میری امت سے تخفیف فرما۔ وہ ساری امتوں سے کمزور امت ہے۔“ اس نے فرمایا: ”میں نے پانچ نمازوں کی تخفیف کر دی ہے۔“ آپ حضرت کلیم اللہ کے پاس آئے فرمایا: ”مجھ سے پانچ نمازوں کی تخفیف کر دی گئی ہے۔“ انہوں نے کہا: ”اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ چلیں۔ تخفیف کا سوال کریں۔ آپ کی امت یہ طاقت نہیں رکھتی۔“ آپ اسی طرح اپنے رب تعالیٰ اور حضرت کلیم اللہ کے مابین آتے جاتے رہے۔ رب تعالیٰ پانچ نمازیں کم کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے فرمایا: ”محمد!“ آپ نے عرض کی: ”لبیک و سعیدیک“ اگر اس نے فرمایا: ”یہ شب و روز میں پانچ نمازیں ہیں۔ ہر نماز کا اجر دس گنا ہے۔ یہ پچاس نمازیں ہیں۔ میرے ہاں قول کو تبدیل نہیں کیا جاتا۔ جس نے نیکی کا ارادہ کیا مگر اس پر عمل نہ کیا میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا۔ اگر اس نے اس پر عمل کیا میں دس نیکیاں لکھوں گا۔ جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اس کے لیے کچھ نہیں لکھا جائے گا۔ اگر اس نے برائی کر دی تو اس کے لیے صرف ایک برائی لکھی جائے گی۔“ آپ نیچے اترے۔ حضرت کلیم اللہؑ تک پہنچے انہیں بتایا۔ انہوں نے کہا: ”اپنے رب تعالیٰ کے پاس جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ آپ کی امت میں یہ طاقت نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”میں اتنی بار تخفیف کے لیے حریم ناز میں گیا ہوں کہ اب مجھے اس مقصد کے لیے وہاں جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن میرا راضی ہوں۔ میرا سر تسلیم خم ہے۔“ ایک صداد سینے والے نے صدادی۔ میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا ہے اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔“

حضرت موسیٰؑ نے آپ سے عرض کی: ”اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نیچے تشریف لے آئیں۔“ آپ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ یہی کہتا۔ ”آپ دیکھنے لگوایا کریں۔“ دوسری روایت میں ہے: ”اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ تم سے

لگوائے۔ پھر آپ بیچے تشریف لے آئے۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا: ”میں اہل آسمان میں سے جس کے پاس سے بھی گزرا اس نے مجھے مرجبا کہا میرے لیے مسکرایا سوائے ایک ہستی کے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ مجھے مرجبا کہا میرے لیے دعا کی۔ لیکن وہ مسکرایا نہیں۔“ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ”وہ مالک آگ کانگراں تھا۔ جب سے اس کی تخلیق ہوئی ہے وہ نہیں ہنسا۔ اگر وہ کسی کے لیے ہنستا تو آپ کے لیے ضرور ہنستا۔“ جب آپ آسمان دنیا تک پہنچے تو آپ نے بیچے دیکھا تو آپ کو دھواں اور غبار نظر آیا۔ آپ نے پوچھا: ”اے جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ شیطین ہیں جو بنو آدم کی آنکھوں کے سامنے جا مل جاتے ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کے ملکوت میں غور و فکر نہیں کرتے اگر اس طرح نہ ہوتا تو وہ عجائب دیکھتے۔“

پھر آپ سوار ہو کر واپس لوٹ آئے۔ آپ قریش کے کارواں کے پاس سے گزرے وہ فلاں جگہ تھا۔ ان میں سے ایک اونٹ کے اوپر دو بورے تھے۔ ایک سیاہ بورا اور دوسرا بورا سفید تھا۔ جب آپ اونٹوں کے پاس سے گزرے تو اونٹ ڈر گئے۔ وہ بھاگ نکلے۔ ایک اونٹ گر پڑا اور اس کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پھر آپ ایسے کارواں کے پاس سے گزرے جس کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ آپ نے انہیں سلام کیا ان میں سے ایک نے کہا ”یہ آواز تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔“ پھر آپ صبح سے کچھ دیر پہلے مکہ مکرمہ میں واپس آگئے۔ وقت صبح آپ پر گراں گزرا کہ لوگ آپ کی تکذیب کریں گے آپ غمزدہ ہو کر بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو جہل آپ کے پاس سے گزرا وہ آکر آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے از روئے مذاق کہا: ”کیا نیا واقعہ رونما ہوا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ اس نے پوچھا: ”وہ کیا؟“ آپ نے فرمایا: ”مجھے آج رات سیر کرائی گئی ہے۔“ ابو جہل: ”کہاں تک؟“ آپ نے فرمایا: ”بیت المقدس تک۔“ اس نے کہا: ”وقت صبح آپ ہمارے سامنے آگئے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ اس نے اس غدشہ سے آپ کی تکذیب نہ کی کہ ممکن ہے کہ آپ اس کی قوم کو یہ بات نہ بتائیں جب وہ اسے بلائے۔ اس نے کہا: ”آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں آپ کی قوم کو بلاؤں تو کیا آپ اسے وہ کچھ بتانا پسند کریں گے جو کچھ مجھے بتایا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ اس نے یوں صدا لگائی: ”اے بنو کعب کے قبیلے! لوگ اٹھ کر اس کے پاس آنے لگے حتیٰ کہ وہ آکر بیٹھ گئے۔ ابو جہل نے کہا: ”اپنی قوم کو وہی بات بتائیں جو مجھے ابھی ابھی بتائی ہے۔“ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے آج رات سیر کرائی گئی ہے۔“ لوگوں نے پوچھا: ”کہاں تک؟“ آپ نے فرمایا: ”بیت المقدس تک۔“ انہوں نے پوچھا: ”پھر آپ صبح کے وقت ہمارے پاس آگئے۔“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ ان میں سے بعض تالیاں بجانے لگے۔ بعض نے تعجب کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لیے۔ وہ شور و غل کرنے لگے۔ انہوں نے اس امر کو عجیب سمجھا۔ مطعم بن عدی نے کہا: ”آج سے پہلے تک آپ کا ہر معاملہ واضح تھا لیکن آپ کا آج کا قول واضح نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ

جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ منہ) ہم ایک ماہ جاتے ہوئے اور ایک ماہ وہاں سے آتے ہوئے اپنے اونٹوں کے جگر پگھلاتے ہیں۔ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ایک رات میں وہاں سے ہو کر آگئے۔ لات وعربی کی قسم! میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مطعم سے کہا: ”تو نے اپنے محترم بھتیجے کے ساتھ کتنی بری بات کی ہے۔ ان کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔ ان کی تکذیب کی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق و صدیق ہیں۔“ قریش نے کہا: ”محمد مصطفیٰؐ! ہمارے لیے بیت المقدس کے اوصاف بیان کریں۔ اس کی عمارت اور بیت کیسی ہے۔ وہ پہاڑ سے کتنا قریب ہے۔“ آپ مسجد اقصیٰ کے اوصاف بیان کرنے لگے۔ آپ پر کچھ وصف ملتبس ہو گیا جس کی وجہ سے آپ پریشان ہونے لگے کہ مسجد اقصیٰ کو آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اسے عقیل یا عقال کے گھر کے پاس رکھ دیا گیا۔ قریش نے پوچھا: ”اس کے کتنے دروازے ہیں۔“ آپ نے اس کے دروازے نہیں گنے تھے۔ آپ اس مسجد کی طرف دیکھ کر ایک ایک دروازہ دیکھ کر بتانے لگے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرتے رہے: ”آپ سچ کہتے ہیں۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔“ قریش نے کہا: ”بخدا! آپ نے اس مسجد کے اوصاف تو سچ بیان فرمائے ہیں۔“ پھر انہوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: ”کیا آپ ان کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ایک رات میں بیت المقدس گئے اور صبح سے قبل واپس آگئے۔“ انہوں نے کہا: ”ہاں! میں آپ کی اس سے بھی دور کی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں صبح و شام آپ کے پاس آنے والی خبروں کی تصدیق کرتا ہوں۔“ اسی وجہ سے ان کا نام ابو بکر صدیق پڑ گیا۔ قریش نے کہا: ”محمد مصطفیٰؐ! ہمیں ہمارے کارواں کے بارے بتائیں۔“ آپ نے فرمایا: ”میں فلاں کارواں سے روماء کے مقام پر ملا۔ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ وہ اس کی جستجو میں تھے۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہاں پانی کا پیالہ تھا میں نے اس میں سے پانی پیا۔ پھر میں نے فلاں کارواں کو تنعمیم کے مقام پر دیکھا۔ اس کارواں کے آگے آگے سیاہی مائل سفید اونٹ ہے۔ اس پر سیاہ ٹاٹ تھا۔ اس پر دو سیاہ بورے تھے۔ یہ کارواں ابھی ابھی ثلیہ سے تمہارے پاس آنے ہی والا ہے؟“ قریش: ”وہ کارواں کب آئے گا؟“ آپ نے فرمایا: ”بدھ کے روز کو۔“ جب بدھ کا دن آیا تو قریش اس کارواں کا انتظار کرنے لگے۔ دن ختم ہونے والا تھا مگر ابھی تک کارواں نہیں پہنچا تھا۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔ آپ کے لیے دن کی ایک ساعت میں اضافہ کر دیا گیا۔ سورج آپ کے لیے روک دیا گیا۔ حتیٰ کہ کارواں آ گیا۔ رات کے وقت قریش ان کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: ”کیا تمہارا اونٹ گم ہوا تھا؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں!“ انہوں نے دوسرے کارواں سے پوچھا: ”کیا تمہاری سرخ اونٹنی کی ہڈی ٹوٹی تھی؟“ انہوں نے بھی ہاں میں جواب دیا۔ قریش نے پوچھا: ”کیا تمہارے پاس پانی کا پیالہ تھا؟“ ایک شخص نے کہا: ”ہاں! بخدا! میں نے ہی اسے رکھا تھا۔ اس میں سے کسی نے نہیں پیا تھا۔ میں نے سمجھا کہ شاید اسے زمین پر اٹھیل دیا گیا“

ہے۔“ قریش نے آپ پر جادو کر ہونے کا الزام لگایا۔ انہوں نے کہا: ”ولید نے سچ کہا ہے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ . (الاسراء: ۶۰)

ترجمہ: ”اور ہمیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔“

فائدہ:

ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو آپ سے بہت عمدہ خوشبو آنے لگی جو دلہنوں سے آنے والی خوشبو سے عمدہ تھی۔“ اس شاعر پر رب تعالیٰ رحم کرے جس نے یہ اشعار لکھے ہیں:

ساد الانام محمد خیر الوری
بفضائل جلت عن الاحصاء

ترجمہ: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیر الوری ان فضائل کی وجہ سے سارے لوگوں کے سردار بن گئے جو حد و شمار سے ماوراء ہیں۔“

و جوامع الکلم التي مانا لها
احد من الفصحاء والبلغاء

ترجمہ: ”اور ان جوامع الکلم کی وجہ سے سردار بن گئے جنہیں فصحاء اور بلغاء میں سے کوئی بھی حاصل نہ کر سکا۔“

و الى الخلائق كلهم ارساله
فشفى القلوب الجمة الادواء

ترجمہ: ”آپ کو ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ دلوں نے ساری مرضوں سے شفاء پائی۔“

وله الشفاعة والوسيلة في غد
و مقامه السامی علی الشفعاء

ترجمہ: ”کل روزِ حشر شفاعت اور وسیلہ آپ کا ہی مقام ہے۔ آپ کا مقام سارے شفاعت کرنے والوں سے بلند ہے۔“

و یحیی یومئذ کما قد قاله
انا را کب والرسل تحت لوائی

ترجمہ: ”کل روزِ حشر آپ اسی طرح آئیں گے جس طرح آپ لے فرمایا: ”میں سوار ہوں گا اور رسل عظام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔“

و لقد دنا من ربه لئلا دنا
فی لیلۃ المعراج والاسراء

ترجمہ: ”جب آپ شب معراج کو قریب ہوئے تو آپ اپنے رب تعالیٰ کے بہت قریب ہو گئے۔“

سمع الخطاب بحضرة قدسية ما حلها بشر من العطاء

ترجمہ: ”آپ نے حریم ناز سے خطاب سماعت فرمایا۔ جو بڑے بڑے عظیم انسانوں کو نصیب نہ ہوا تھا۔“

و برؤية الجبار فازونا لها من نعمة عظمت على النعماء

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے آپ کامیاب ہو گئے اور ایسی نعمت حاصل کر لی جو بڑی بڑی نعمتوں سے عظیم

ہے۔“

مَا نَالَ مُوسَى وَالْخَلِيلَ وَمَجْتَبَى مَا نَلْتَهُ يَا سَيِّدَ الشَّفَعَاءِ

ترجمہ: ”اے شفاعت کرنے والوں کے سردار! جو کچھ آپ نے پایا ہے اے حضرت موسیٰ اور حضرت خلیل علیہما

السلام بھی نہ پاسکے۔“

يَا كَنْزَ مَفْتَقَرٍ وَ مَلْجَأَ عَائِدٍ يَا أَفْضَلَ الْاِجْوَادِ وَ الْكِرْمَاءِ

ترجمہ: ”اے فقیر کے خزانہ اور پناہ طلب کرنے والے کی پناہ! اے وہ ذات والا جو سارے کریموں اور سچوں

سے افضل ہیں۔“

انت الوسيلة للإله فسل لنا عفو عن الزلات والهواء

ترجمہ: ”رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارا وسیلہ آپ ہی ہیں آپ ہمارے لیے سوال کریں کہ وہ ہماری خطائیں اور

لغزشیں بخش دے۔“

و دخولنا الجنات اول و هلة و شفاعة للمفسد الخطاء

ترجمہ: ”وہ ہمیں سب سے پہلے جنت میں داخل کر دے اور فساد اور خطا کار کے لیے شفاعت فرمائیں۔“

بك نستغيث و نستجير و نلتجى من ذى البلاء و فتنة الهواء

ترجمہ: ”ہم آپ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں آپ سے ہی پناہ کرتے ہیں خواہشات کے فتنہ اور مصیبت میں

آپ سے ہی پناہ کے طالب ہوتے ہیں۔“

و لزوم فضلاً من جنابك سيدى و شفاعة يا سيد العشفاء

ترجمہ: ”اے شفاعت کرنے والوں کے سردار! میں آپ کی جناب سے فضل اور شفاعت کی التجاء کرتا ہوں۔“

فاليك ساق الله سمح صلوتہ و جزا لك رب الناس خير جزاء

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ آپ پر سلام اور درود کا اجر کم نیچے اور لوگوں کا پروردگار آپ کو عمدہ جزائے خیر دے۔“

و علی صحابك الرضى متعددا
والآل والاتباع والعلماء
ترجمہ: ”آپ کے پسندیدہ صحابہ کرام پر سلام ہو اور آپ کی اولاد پاک پر، اتباع کرنے والوں پر اور علماء پر سلام ہوں۔“

امام بوسیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مخاطب کر کے کیا خوب کہا ہے:
سریت الی حرم لیللاً الی حرم
کما سری البدر فی داج من الظلم
ترجمہ: ”آپ رات کے مختصر حصہ میں ایک حرم پاک سے دوسرے حرم پاک کی طرف اس طرح تشریف لے گئے جس طرح تاریک رات میں ماہ تمام چلتا ہے۔“

و بت ترقی الی ان نلت منزلة
من قاب قوسین لم تدرك ولم ترم
ترجمہ: ”آپ مسلسل رفعت حاصل کرتے گئے حتیٰ کہ آپ نے قرب الہی کی وہ منزل پالی جو نہ پائی جاسکتی ہے نہ بی جس کا قصد کیا جاسکتا ہے۔“

و قدمتک جمیع الانبیاء بہا
والرسل تقدیم مخدوم علی خدم
ترجمہ: ”سارے انبیاء کرام نے وہاں آپ کو اپنا اس طرح امام بنا لیا جس طرح مخدوم اپنے خادموں کا پیشوا بنایا جاتا ہے۔“

وانت تحترق السبع الطباق بہم
فی موب کنت فیہ صاحب العلم
ترجمہ: ”آپ نے اس کارواں میں ساتوں آسمانوں کو چیرا جس کارواں کے علمبردار آپ ہی تھے۔“
حتی اذا لم تدع شأؤ المستبق
من الدنو ولا مرقی لستنم
ترجمہ: ”آپ چلتے چلتے وہاں پہنچ گئے کہ آگے بڑھنے والے کے لیے کوئی درجہ نہ رہا اور اوپر جانے والے کے لیے رفعت کا کوئی مقام نہ رہا۔“

حفضت کل مقام بالاضافة اذ
نودیت بالرفع مثل المفرد العلم
ترجمہ: ”آپ نے اس وقت اپنے مقام کی وجہ سے سارے انبیاء کرام کے مقامات کو پست کر دیا جب آپ کو رفعت کے لیے مفرد علم کی طرح بلا یا گیا۔“

کیما تفوز بوصل الی مستتر
عن العیون و سر ای مکتتم
ترجمہ: ”تا کہ آپ ایسے وصال سے شاد کام ہوں جو کسی مقرب کی آنکھ کو دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔ اور ایسے راز سے

آگاہ ہوئے جن سے کوئی عارف آگاہ نہ ہو سکا۔“

فخرت کل فخر غیر مشترک
و حزت کل مقام غیر مزدحم
ترجمہ: ”آپ ہر قسم کی عزت کا بلا شرکت غیر مالک بن گئے۔ اور ہر مقام سے مزاحمت کے بغیر گزر گئے۔“

و جل مقدار ما اولیت من رتب
و عز مقدار ما اولیت من نعم
ترجمہ: ”جو رفیع مناصب آپ کو دیے گئے ان کی منزلت بہت بڑی ہے۔ جو نعمتیں آپ کو عطا کی گئی ہیں وہ بہت عظیم ہیں۔“

بشری لنا معشر الاسلام ان لنا
من العنایة رکننا غیر منہدم
ترجمہ: ”اے گروہ اسلام! ہمارے لیے بشارت! عنایت ربانی سے آپ ہمارے لیے ایسا ستون ہیں جو کبھی نہیں گر سکتا۔“

لنا دعا الله داعینا لطاعته
یا اکرم الرسل کنا اکرم الامم
ترجمہ: ”جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو ”یا اکرم الرسل“ کہہ کر مخاطب کیا تو ہم معزز امت بن گئے۔“



معراج کے بارے کچھ تنبیہات

ابن المنیر نے لکھا ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی عزت و اکرام ہے کہ آپ کو فوراً سیر کے لیے بلا یا گیا۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا: ”اسی اثناء میں کہ میں سویا ہوا تھا۔ جبکہ حضرت کلیم اللہ ﷺ کے لیے ایک مدت مقررہ کی گئی۔ انہیں اس مقصد کے لیے تیار کیا گیا۔ آپ سے انتظار کی اذیت کو ختم کر دیا گیا۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ مقام مرید پر اور حضور اکرم ﷺ مقام مراد پر فائز تھے۔

ابن دحیہ نے آپ کے فرمان ”میرے گھر کی چھت کو چیرا گیا“ کے زمرہ میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور وازد سے کیوں داخل نہ ہوئے۔ حالانکہ ارشادِ بانی ہے:

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا۔ (البقرة: ۱۸۹)

اس میں حکمت یہ ہے تاکہ مناجات میں مبالغہ ہو۔ یہ اس امر پر تنبیہ تھی کہ یہ کرامات اور عزت و وعدہ کے بغیر تھی۔ شاید یہ آپ کے شق صدر کی طرف اشارہ ہو۔ یہ اس کی تمہید ہو۔ فرشتے نے چھت میں سوراخ کر کے آپ کو دکھایا ہو۔ چھت فوراً مل گیا ہو۔ اس طرح فرشتے نے آپ کو وہ کیفیت دکھائی ہو جو آپ کے ساتھ ہونا تھا۔ آپ کے حق میں لطف اور بصارت کے عیاں کرنے کے لیے آپ کے گھر میں اس کا مشاہدہ آپ کو کرادیا ہو۔ اگر فرشتہ حسب معمول دروازے سے آتا۔ وہ پہلے صحن میں آتا۔ پھر اس کمرہ میں جاتا۔ جس میں آپ جلوہ افروز تھے۔ الحافظ نے لکھا ہے: ”فرشتہ کے چھت سے نیچے آنے میں شاید یہ حکمت ہے کہ اس طرح فرشتہ اچانک آپ کے پاس آجائے۔ نیز اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ یہ سفر بلندی کی طرف ہوگا۔

وہ دو افراد جن کے مابین حضور ﷺ لیٹے ہوئے تھے وہ حضرت حمزہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب تھے۔ ابن ابی جریر نے لکھا ہے کہ یہ آپ کی تواضع اور حمن خلق ہی تھا۔ حالانکہ آپ ساری مخلوق سے افضل ہیں اس کے باوجود آپ لوگوں کے ساتھ لیٹ جاتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ اپنے نفس کے لیے کسی فضیلت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اس میں یہ

دلیل بھی ہے کہ ایک گروہ کو ایک جگہ سو جانا چاہیے لیکن شرط یہ ہے ہر ایک کے پاس اتنا کپڑا ہو جس سے وہ اپنے ساتھی سے اپنے جسم کو ڈھانپ سکے۔

شق صدر، خاتم النبوة، طشت، سونے اور آب زمزم کے بارے پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

جبرائیل کے بارے گفتگو۔ اس میں کئی فوائد ہیں:

اس اسم کے بارے۔ اس اسم میں کئی لغات ہیں۔ یہ کل لغات ۲۱ ہیں: (۱) جبریل (۲) خبریل (۳) خیریل (۴) خبریل (۵) خیرائیل (۶) جبرائیل (۷) خبرائیل (۸) جبرائیل (۹) جبرئیل (۱۰) جبرئیل (۱۱) جبرئیل (۱۲) خبرئیل (۱۳) جبرال (۱۴) جبرال (۱۵) خبرال (۱۶) خبرین (۱۷) خبرین (۱۸) جبرئیل (۱۹) خبرین (۲۰) خبرائیل (۲۱) جبرائیل

الروض الانف میں ہے "جبرائیل کا معنی عبد الرحمان یا عبد العزیز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف اور مرفوع روایت مروی ہے۔ موقوف روایت زیادہ صحیح ہے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ اس اسم کا آخری لفظ "ایل" عجمی ہے۔ حضرت ابن عربی علیہ الرحمۃ کا موقف یہ ہے کہ ان اسماء میں اضافہ مغلوبہ ہے عجم کے کلام میں کہا جاتا ہے غلام زید، زید غلام۔ اس اعتبار سے ایل کا معنی عبد ہوگا۔ اس اسم کا پہلا حصہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل کا نام عبد اللہ اور میکائیل کا نام عبید اللہ ہے۔ ہر وہ چیز جو "ایل" کی طرف راجع ہو۔ وہ رب تعالیٰ کی بندگی کرنے والی ہوتی ہے۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے یہ اضافہ کیا ہے "اسرائیل کا معنی عبد الرحمان ہے" عکرمہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ایل کا معنی اللہ تعالیٰ ہے۔ علامہ ماوردی نے لکھا ہے "اس روایت میں کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہیں کی۔" امام سیہلی نے لکھا ہے کہ یہ اکثر کا قول ہے۔ امام شہاب الدین حلبی نے لکھا ہے "اس اسم کے بارے علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مشتق ہے یا نہیں۔" جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ مشتق نہیں ہے کیونکہ عجمی اسماء کا اشتقاق نہیں ہوتا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ جبروت اللہ سے مشتق ہے۔ اسی طرح اس میں یہ اختلاف بھی ہے کہ یہ اسم بسیط ہے یا مرکب ہے۔ کیونکہ خیر کا معنی ہے عبد اور ایل اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اسرائیل کے بارے بھی اسی طرح کہا گیا ہے۔ پھر اس کی ترکیب میں اختلاف ہے کہ کیا مرکب اضافی ہے یا مرکب مزجی ہے۔ بعض نے پہلا موقف اختیار کیا ہے۔ پہلا موقف رد کر دیا گیا ہے کیونکہ اس طرح چاہیے کہ انہیں مضاف اور مضاف الیہ کا اعراب دیا جاتا۔ پہلے اسم کو عمل کے مطابق اعراب دیا جاتا جبکہ دوسرے اسم کو تثنیہ اور جردی جاتی کیونکہ یہ غیر منصرف نہیں ہے جیسے کہ اس فرمان میں "ان" ہے یہ

اس شخص کے نزدیک ہے جس نے اسے رب تعالیٰ کا اسم بنایا ہے۔

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَا ذِمَّةً ط (التوبہ: ۱۰)

ترجمہ: ”وہ نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں کسی رشتے داری کا اور نہ کسی وعدے کا۔“

یہ ایسے ہو گا جیسے تم کہو جاء عبد اللہ، رائیت عبد اللہ، مررت بعبد اللہ۔ بعض علماء مثلاً ابو عباس مہدوی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ مرکب مزجی ہے جیسے بعلبک، حضرموت۔ یہ موقف درست لگتا ہے لیکن بعض نے اس کا رد اس طرح کیا ہے کہ اس طرح لازمی تھا کہ پہلا حصہ مبنی بر فتح ہوتا لیکن بعض اہل لغت اسے کسرۃ دیتے ہیں۔ بعض نے یہ رد اس طرح کیا ہے کہ اگر یہ مرکب مزجی ہوتا تو یہ روا تھا کہ اسے مضاف اور مضاف الیہ کا اعراب دیا جاتا۔ یا اسے مبنی علی الفتح رکھا جاتا جیسے احد عشر، یہ مرکب مزجی ہے۔ اس میں یہ وجوہات جائز ہیں۔ اس کے بارے نہ تو یہ سنا گیا ہے کہ یہ مبنی ہے نہ ہی اسے مضاف اور مضاف جیسا اعراب دیا جاتا ہے۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ یہ مرکب مزجی نہیں ہے۔ لیکن یہ رد بھی مردود ہے کیونکہ یہ دونوں جواز میں سے ایک پر آتا ہے۔ اور اتفاق ہے کہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔“

امام سہیلی نے لکھا ہے ”حضرت جبریل علیہ السلام کے اسم میں اتفاق ہے کہ یہ جہت عربی کے موافق ہے۔ اگرچہ یہ عجمی ہے۔ جبر کا معنی اس چیز کی اصلاح کرنا ہے جو فاسد ہو گئی ہو۔ حضرت جبرائیل وحی پر مومل ہیں۔ وحی میں اس چیز کی اصلاح ہوتی ہے جو خراب ہو جائے۔ یہ اسم مبارک مکہ مکرمہ اور عرب میں معروف نہیں تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو بتایا تو وہ عداس، نسطور اور ورقہ سے اس کے بارے پوچھنے گئیں۔ انہوں نے کہا: ”قدوس قدوس! ان شہروں میں حضرت جبرائیل کا تذکرہ کیوں کیا جاتا ہے۔“

حضرت جبرائیل کے بعض فضائل۔ رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں ۳۵ مقامات پر ان کا تذکرہ صراحت وغیرہا کے ساتھ کیا ہے۔ تین مقامات پر رب تعالیٰ نے ان کا نام، اسم لے کر ذکر فرمایا ہے۔ دو بار سورۃ البقرہ میں ذکر فرمایا ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ . (البقرہ: ۹۷)

ترجمہ: ”آپ فرمائیے جو دشمن ہو جبرئیل کا۔“

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ . (البقرہ: ۹۸)

ترجمہ: ”جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل کا۔“

سورۃ التحریم میں ہے:

وَإِنْ تَطَهَّرَ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ - (التحریم: ۴)

ترجمہ: "اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے اور جبریل۔"

چار مقامات پر از روئے تعظیم جمع کے صیغے کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا۔ جیسے کہ آل عمران میں فرمایا:

فَنَادَتْهُ الْمَلِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ > (آل عمران: ۴۱)

ترجمہ: "پھر آزدی ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اپنی عبادت گاہ میں۔"

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لِمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ - (آل عمران: ۴۲)

ترجمہ: "اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم بیشک اللہ تعالیٰ نے جن لیا ہے تمہیں۔"

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لِمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ > (آل عمران: ۴۵)

ترجمہ: "جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی اپنے پاس سے۔"

يُنزِّلُ الْمَلِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ.

یعنی جبرائیل امین اور روح سے مراد وحی ہے۔ آٹھ مقامات پر لفظ روح کے ساتھ تذکرہ کیا ہے:

تَعْرُجُ الْمَلِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ - (المعارج: ۴)

ترجمہ: "عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں۔"

تَنْزِيلُ الْمَلِكَةِ وَالرُّوحِ فِيهَا - (القدر: ۴)

ترجمہ: "اترتے ہیں فرشتے اور روح القدس اس میں۔"

فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا - (مریم: ۱۷)

ترجمہ: "پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے جبریل کو۔"

وَإِيذْنَهُ يُرْوَجُ الْقُدْسُ > (البقرة: ۸۷)

ترجمہ: "اور ہم نے انہیں تقویت دی جبریل سے۔"

إِذْ آيَدُكَ بِرُوحِ الْقُدْسِ > (المائدة: ۹)

ترجمہ: "جب میں نے تمہاری روح القدس کے ذریعے مدد کی۔"

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدْسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ - (النحل: ۱۰۲)

ترجمہ: ”فرمائیے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔“

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٥٠﴾ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٥١﴾ (الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴)

ترجمہ: ”اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبرائیل)۔“

رب تعالیٰ نے انہیں ایک مقام میں سات خوبصورت صفات کے ساتھ یاد فرمایا وہ صفات یہ ہیں۔ رسالت، کرم، قوت، مکانہ، قربیہ، طاعت الملائکہ اور امانت۔ سورۃ التکویر میں فرمایا:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٥٢﴾ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿١٥٣﴾ (التکویر: ۱۹، ۲۱)

ترجمہ: ”یہ (قرآن) معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے، جو قوت والا ہے، مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے

(سب فرشتوں کا) سردار اور ہاں کا امین ہے۔“

ابو الشیخ نے ”عظمتہ“ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مخلوق میں سے رب تعالیٰ کے قریب حضرات جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل ہیں۔ وہ رب تعالیٰ سے ایک ہزار سال کی مسافت سے دور ہیں۔“ ابو شیخ نے حضرت وہب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”یہ چار فرشتے ہیں۔ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت مالک الموت، رب تعالیٰ نے انہیں سب سے پہلے تخلیق کیا اور سب سے آخر میں ان پر موت طاری کرے گا۔ سب سے پہلے انہیں زندہ کرے گا۔ یہ منتظرین ہیں۔ خالد بن ابی عمران سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ”حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کے رسل عظام کی طرف سے اس کے امین ہیں۔ حضرت میکائیل لوگوں کے وہ اعمال حاصل کرتے ہیں جو بلند ہوتے ہیں حضرت اسرافیل نگران کی طرح ہیں۔“

ابو الشیخ نے عکرمہ بن خالد سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی: ”یا رسول اللہ! رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے اس کے ہاں معزز کون ہے۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے علم نہیں۔“ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ”جبرائیل! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اس کے ہاں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”میں نہیں جانتا۔“ حضرت جبرائیل اوپر گئے۔ پھر نیچے آئے۔ اور عرض کی: ”جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور فرشتہ اجل۔“ حضرت جبرائیل انبیاء پر وحی لانے اور جنگ میں ان کی مدد کرنے پر موکل ہیں۔ حضرت میکائیل ہر اس قطرہ پر یا پتے پر نگران ہیں جو نیچے گرتا ہے۔ فرشتہ اجل تری اور خشکی میں ہر بندے کی روح قبض کرنے پر موکل ہیں۔ اسرافیل رب تعالیٰ کے امین ہیں۔

◆ میکائل میں درج ذیل لغات ہیں: (۱) میکال (۲) مکائل (۳) میکائل (۴) میکٹیل (۵) میکٹیل (۶) میکاتیل (۷) میکاءیل۔

◆ براق، البریق سے مشتق ہے۔ اس کے رنگ کے بارے روایت ہے کہ وہ سفید ہے یا یہ البرق سے مشتق ہے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ یا یہ شاقہ بقاء سے مشتق ہے ایسی بکری مراد ہے جس کی سفید اون میں کالے بال ہوں۔ حدیث پاک میں اس کا جو وصف اس کی سفیدی سے بیان کیا گیا ہے وہ اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ ایسی بکری سفید بکریوں میں ہی شمار کی جاتی ہے۔ امام احمد اور حارث نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ابرقوا فان دم عفرأ از کی عند الله من دم شودوین" اس حدیث پاک میں سفید بکری کو دو سیاہ بکریوں کے مقابلہ میں رکھا جس سے سفید رنگ کی فضیلت عیاں ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے براق کی رنگت سارے رنگوں سے افضل ہوگی۔ یہ بھی روا ہے کہ دونوں معانی کو اکٹھا کیا جائے اس کی رنگت اور تیز رفتاری کی وجہ سے اسے براق کہا جاتا ہو۔ اس صورت میں اس کا اعتبار ایسے مجمل الفاظ میں ہوگا جو بیک وقت دو معانی کا احتمال رکھتا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مشتق نہ ہو۔"

ابن ابی جبرہ نے لکھا ہے کہ براق پر آپ کا سوار ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کیونکہ کسی سے یہ نقل نہیں کہ وہ کسی ایسے جانور کا مالک بنا ہو جو اس کی جنس کے خلاف ہو۔ آپ میں یہ طاقت بھی تھی کہ آپ براق کے بغیر اوپر تشریف لے جاتے۔ لیکن براق میں آپ کی عظمت و رفعت کی بشارت تھی۔ کیونکہ اگر آپ خود اوپر چڑھ جاتے تو یہ چلنے والے کی شکل میں ہوتا۔ سوار پیدل چلنے والے کے برعکس ہوتا ہے۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے "کبھی کبھی خرق عادت اور عادت کو ساتھ ملا دیا جاتا ہے تاکہ اس حاصل ہو۔" حق تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو براق کے بغیر سیر کرائے۔ لیکن سواری کرانا آپ کے عظیم مقام کے پیش نظر تھا۔ براق پر آپ کو سیر کرانا آپ کی عورت و کرامت کے اظہار کے لیے تھا۔ جب عظیم شہنشاہ اپنے کسی خاص دوست کو اپنے ہاں بلاتا ہے تو اس کے لیے خصوصی سواری بھیجتا ہے جو اسے اٹھا کر اس کے پاس لے آتی ہے۔ براق کی شکل گھوڑے سے نہیں بلکہ خمر سے ملتی تھی تاکہ یہ اشارہ ملے کہ یہ سواری حالت امن میں ہے۔ جنگ اور خوف کی حالت نہیں ہے۔ یا اس کی تیز رفتاری سے اس معجزہ کا اظہار تھا کہ یہ تیز رفتار جانور اس جانور کے مشابہ ہے جو عموماً تیز رفتار نہیں ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ جنگ میں خمر پر سوار ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی نبوت کی تحقیق

کے لیے تھا کہ آپ شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے مقام پر ایسے جانور پر سوار ہوتے ہیں جو سریع رفتار نہیں یہ دشمن کی شکست کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو شجاعت اور قوت عطا کی تھی۔ کیونکہ عام طور پر امن اور سکون کے مقام پر چرخ پر سوار ہوا جاتا ہے۔ اس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ جنگ آپ کے نزدیک حالت امن کی طرح تھی۔ آپ قوت قلب، شجاعت نفس، توکل اور اعتماد کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ فرشتوں نے جنگ کی حالت میں گھوڑوں پر سواری کی۔ کیونکہ عرف میں اس حالت میں عمومی طور پر گھوڑوں پر ہی سواری کی جاتی ہے۔ براق کی شکل خچر کی شکل سے لطیف تھی۔ ایسی سواری یقیناً خچر سے بہت عمدہ اور اچھی ہوگی۔ وہ پھولے ہوئے جسم سے اچھی ہوگی۔ لیکن گھوڑے کی کیفیت اس کے برعکس ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی اس سیر کو طیران (پرواز) نہیں کہا بلکہ سیر ہی کہا ہے کیونکہ عرب رات کو چلنے کو سُری کہتے ہیں۔ اس سے یہی آشکارہ ہوتا ہے کہ جب کسی ولی کامل کے لیے بعید مسافت کو سمیٹ دیا جائے تو اس پر مسافر کے لفظ کا ہی اطلاق ہوگا۔ اور اس پر مسافر کے احکام ہی لاگو ہوں گے۔ رب تعالیٰ نے واپسی کے سفر میں براق ذکر نہیں کیا کیونکہ اوپر چڑھتے وقت اس کا تذکرہ کر دیا تھا۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:

وَجَعَلْ لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ الْحَرَّ۔ (النحل: ۸۱)

ترجمہ: ”اور تخلیق کیا تمہارے لیے وہ لباس جو تمہیں گرمی سے بچاتا ہے۔“

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لباس سردی سے بھی بچاتا ہے۔

فتح الصفا میں ہے: ”یہ سیر فرشتوں کے پروں پر یا ہوا کے دوش پر کیوں نہ ہوئی جیسے ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھا کر لے جاتی تھی یا ایک قدم میں فاصلہ سمیٹ کیوں نہ دیا گیا جیسے طسی زمان ہوتا ہے۔ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں تاکہ آپ خلاف عادت نشانیوں سے آگاہ ہو سکیں اور عجیب امر سے آگاہ ہو سکیں۔ اگر ملائکہ اٹھا کر لے جاتے یا یہ مسافت ہوا کے ذریعہ طے کی جاتی تو اس میں زیادہ تعجب نہ ہوتا۔ اتنی عظیم براق پر سفر کرنے میں تعجب ہے اس میں فرشتوں کی ایسی تعظیم منقول ہے جو ان کے پروں پر اٹھانے سے زیادہ ہے حضرت جبرائیل امین نے آپ کی رکاب تھام رکھی تھی۔ حضرت میکائیل نے لگام پکڑ رکھی تھی۔ ان کا تعلق اکابر فرشتوں سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ براق پر سوار تھے۔ یہ شرف بہت زیادہ ہے۔“

براق کی صورت کیسی تھی اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس سے اس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ صاحب الاحتمال نے لکھا ہے کہ خچر سے کم اور گدھے سے بڑا تھا۔ اس کا چہرہ انسان کے چہرے کی طرح تھا۔ اس کا جسم

گھوڑے کے جسم کی طرح تھا۔ اس کے پائے بیل کے پاؤں کی طرح تھے۔ اس کی دم ہرن کی دم کی طرح تھی۔ ایک اور شخص نے لکھا ہے "اس کا جسم انسان کے جسم کی طرح تھا۔ اس کی دم اونٹ کی دم کی طرح تھی۔ اس کے بال گھوڑے کے بالوں کی طرح تھے۔ اس کے پاؤں اونٹ کے پاؤں کی طرح تھے۔ اس کے سم گائے کے سم کی طرح تھے۔ اس کا سینہ سرخ یا قوت کی طرح تھا۔ اس کی کمر سفید موتی کی طرح تھی۔ اس کی رانوں کے پاس دو پد تھے۔" لیکن یہ سارا حلیہ صحیح نہیں ہے۔ پروں کے رانوں میں ہونے میں راز یہ ہے کہ سواری کا پچھلا حصہ بوجھل ہو سکے۔ یا اسے خرق عادت امر پر محمول کیا جاسکے یا اس لیے کہ اس سے سوار کو سہولت میسر آسکے۔ کیونکہ اگر یہ پد پہلوؤں میں ہوتے تو یہ سواری رانوں کے نیچے یا اس کے اوپر ہوتے۔ جب یہ سیکڑتی یا پھیلاتی تو اس سے سوار کو تکلیف ہوتی۔

بعض روایت میں ہے کہ یہ نہ مذکر تھی نہ ہی مؤنث تھی۔ اس کا تقاضا ہے کہ یہ خلقت میں منفرد ہو۔ اور یہ تولید کے بغیر ہی پیدا ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔ (الذاریات: ۴۹)

ترجمہ: "اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے۔"

شیخ سعد الدین نے لکھا ہے کہ معزز فرشتے نہ مذکر ہیں نہ ہی مؤنث ہیں۔ ایک اور اثر میں ہے کہ حضرت جبرائیل اسے مؤنث کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ براق پر لرزہ کیوں طاری ہوا؟ اس کی حکمت میں اختلاف ہے۔ ابن بطال نے لکھا ہے کہ کیوں کہ انبیاء کو اس پر سواری کیے کافی مدت گزر چکی تھی۔ اس لیے وہ اچھلنے لگا۔ المبتداء میں ابن اسحاق نے اسی طرح لکھا ہے: "براق اچھلنے لگا۔ مجھ سے پہلے انبیاء اس پر سواری کرتے تھے۔" انبیاء کی سواری کو کافی مدت گزر چکی تھی۔ فترت کے زمانہ میں اس پر کوئی سوار نہ ہوا تھا۔

ابن دجیہ اور ابن منیر نے لکھا ہے کہ براق خوشی سے جھومنا تھا کہ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ تشریف فرما ہو رہے ہیں۔ حضرت جبرائیل نے اسے زبان حال سے یوں فرمایا تھا۔ ان کا مقصد یہ نہ تھا۔ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی وجہ سے جھومنا تھا۔ اس وجہ سے اس کو پسینہ آگیا تھا۔ گویا کہ اس نے زبان حال سے یہ جواب دیا تھا۔ اس نے اچھلنے سے برأت کا اظہار کیا تھا۔ عتاب کی ندامت سے اسے پسینہ آگیا تھا۔ یہ اس پہاڑ کے لرزہ کے قریب ہے جسے آپ نے فرمایا تھا: "نمہر جا۔ تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور ایک شہید سوار ہے۔" یہ خوشی سے جھومنا تھا۔ غصہ سے اچھلنا نہیں تھا۔ شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی نے لکھا ہے کہ "یہ بعید نہیں کہ یوں کہا جائے کہ وہ جانور ہمارے نبی کریم ﷺ کی بیست

کی وجہ سے کانپا ہو۔“

حافظ نے لکھا ہے کہ عجیب و غریب حکایات میں سے یہ بھی ہے کہ جب حضرت جبرائیل نے براق کو عتاب کیا تو براق نے ان کے سامنے عذر پیش کیا کہ آپ نے آج صفراء کو مس کیا تھا صفراء سے مراد وہ بت ہے جو خانہ کعبہ کے پاس نصب تھا۔ حضور اکرم اس کے پاس سے گزرے تو فرمایا ”اس کے لیے ہلاکت ہے جو تیری پوجا کرے۔“ آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو منع فرمادیا تھا کہ وہ اسے مس نہ کریں فتح مکہ کے روز اسے توڑ دیا گیا تھا۔ الزہراءؑ میں ہے اس روایت کا تذکرہ کرنا بھی درست نہیں ہے اسے حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرنا بھی درست نہیں ہے یہ حضرت امام احمد کے فرزند حضرت عبد اللہ نے روایت کیا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ انہوں نے اس کا شدت سے انکار کیا ہے۔

عجیب و غریب روایات میں سے وہ روایت بھی ہے جسے ماوردی، ثعلبی، قرطبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ موت اور حیات دو جسم ہیں۔ موت کی بوجو بھی سوگھتا ہے وہ مر جاتا ہے۔ حیات سیاہ و سفید داغوں والی گھوڑی کی مانند ہے۔ حضرت جبرائیل امین اور دیگر انبیاء اسی پر سوار ہوتے تھے۔ یہ کسی چیز کے پاس سے نہیں گزرتی نہ ہی کوئی چیز اس کی بوسوگھتی ہے مگر اسے زندگی نصیب ہو جاتی ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا حضرت جبرائیل امین حضور اکرم ﷺ کے ساتھ براق پر سوار ہوئے تھے یا نہیں۔ اگر سوار ہوئے تھے تو حضور اکرم ﷺ کے آگے یا پیچھے سوار ہوئے تھے۔ امام احمد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس براق لایا گیا۔ حضور اکرم ﷺ اور حضرت جبرائیل امین اس پر سوار رہے حتیٰ کہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے آپ کو اپنے آگے سوار کر لیا اور وہ انہیں لے کر چلے۔ ابولہلی کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل براق لے کر آئے اور حضور اکرم ﷺ کو اپنے آگے سوار کر لیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میرے پاس براق لایا گیا۔ میں حضرت جبرائیل امین کے پیچھے بیٹھ گیا۔ صحیح موقف یہ ہے کہ یہ براق حضور کریم ﷺ سے قبل انبیائے کرام ﷺ کی سواری کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ امام فاکہی نے حسن سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خلیل اللہ ﷺ براق پر سوار ہو کر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہما کی ملاقات کے لیے آتے تھے۔“ حضرت ابوسعید کی روایت میں ہے: ”مجھ سے قبل انبیائے کرام ﷺ اس پر سواری کرتے تھے۔“ حضرت انس سے روایت ہے ”مجھ سے پہلے انبیائے کرام کے لیے اسے مسخر کر دیا گیا تھا۔“ حضرت سعید بن مسیب اور ابوسلمہ

عبد الرحمان سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو براق پر سیر کرائی گئی۔ یہ حضرت ابراہیم کی سواری تھی۔ جس پر سوار ہو کر وہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بچپن میں چار بچوں نے گفتگو کی۔ ابن ماشطہ، حضرت یوسف علیہ السلام کا گواہ، جریج کا صاحب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے۔ ”پنگھوڑے میں صرف تین بچوں نے گفتگو کی ہے۔“ امام مسلم نے اصحاب اخذ و دکی داستان میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت کو آگ میں پھینکنے کے لیے لایا گیا تا کہ وہ رب تعالیٰ کا انکار کر دے۔ اس کے پاس ایک شیر خوار بچہ تھا۔ وہ عورت تھوڑی سی پیچھے ہٹی۔ اس بچے نے کہا: ”امی جان! صبر کریں۔ آپ حق پر ہیں۔“ ابن قطیبہ نے اس بچے کی عمر سات ماہ لکھی ہے۔ ثعلبی نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ حضرت یحییٰ رضی اللہ عنہ نے پنگھوڑے میں گفتگو کی تھی۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے پنگھوڑے میں گفتگو کی تھی۔ امام واقدی کی سیر میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ولادت کے ابتدائی ایام میں گفتگو کی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے عہد ہمایوں میں مبارک الیمامہ نے گفتگو کی تھی۔ جب یہ علم ہو گیا تو پھر آپ کے فرمان کے بارے کہا جائے گا کہ یہ اس وقت کا ہے جب آپ کو زیادہ افراد کا علم نہیں ہوا تھا۔

روایات میں ہے کہ آپ براق سے نیچے تشریف لائے اور متعدد مقامات پر نماز ادا کی۔ جبکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ براق پر ہی رہے حتیٰ کہ آپ بیت المقدس پہنچ گئے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ ممکن ہے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کہا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اس موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے براق باندھنے اور بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا انکار کیا ہے حالانکہ صحیح احادیث میں صحابہ کرام کی ایک جماعت سے یہ امور منقول ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے براق باندھنے کا انکار کیا ہے امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ براق باندھی گئی تو انہوں نے فرمایا: ”کیا یہ خدشہ تھا کہ براق بھاگ جائے گا۔ حالانکہ آپ کے لیے ماہ الغیب والشہادۃ مسخر کر دیا گیا تھا۔“ امام بیہقی اور امام سیہلی نے لکھا ہے ”مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ یعنی جو نے بیت المقدس میں براق باندھنے کا موقف اختیار کیا ہے اس کے پاس اس سے زیادہ علم ہے جس نے اسے نفی کی ہے۔ اسے قبول کرنا اولیٰ ہے۔“ امام نووی نے لکھا ہے ”براق باندھنے میں امور میں احتیاط سے کام لینے اور اسباب ترک نہ کرنے پر عمل کیا گیا تھا۔ اس طرح توکل پر زور نہیں پڑتی جبکہ اعتماد رب تعالیٰ کی ذات پر ہو۔“

سہیلی نے لکھا ہے ”اس میں توکل کی صحت کے ساتھ ساتھ احتیاط کو لازم پکڑنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ تقدیر پر ایمان کامل ہو۔“ جیسے کہ ابن منبہ سے روایت ہے جو ہلاکتوں سے بچا اس نے احتیاط کا دامن نہ چھوڑا۔ انہوں نے کہا: ”میں نے اللہ تعالیٰ کی سابقہ سرکتاب میں پڑھا ہے یہ آپ کے اس فرمان کی طرح ہے ”پہلے سواری کو باندھو پھر توکل کرو۔“ آپ کو یقین تھا کہ آپ کے لیے کائنات مسخر کر دی گئی ہے۔ آپ کو تقدیر الہی پر بھی ایمان تھا۔ آپ کو یہ بھی یقین تھا کہ جو کچھ ہونا ہے وہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ پھر بھی آپ نے سفروں میں زاد راہ لیا۔ جنگوں میں ہتھیار استعمال کیے۔ غزوہ احد میں دوزریں پہنیں۔ براق باندھنے کا تعلق بھی اسی باب سے ہے۔

◆ بیت المقدس کے فضائل۔

① اس کی تعمیر کے بارے

ابو بکر واسطی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”زمین پر پانی تھا۔ رب تعالیٰ نے ہوا بھیجی جس نے پانی کو چھوا۔ سطح زمین پر جھاگ نمودار ہوئی رب تعالیٰ نے اسے چار حصوں میں منقسم کیا۔ ایک حصہ سے مکہ مکرمہ، دوسرے سے مدینہ طیبہ، تیسرے سے بیت المقدس اور چوتھے حصے سے کوفہ کو بنایا۔“

امام احمد، امام نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر کیا تو اس کے درمیان میں تین دعائیں مانگیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں یہ عطا فرمادیں۔ یہ دعا مانگی کہ ان کا فیصلہ اس کے موافق ہو جائے۔“ رب تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ انہوں نے یہ التجاء کی کہ وہ انہیں ایسی مملکت عطا کرے جو ان کے بعد کسی کو نصیب نہ ہو۔ رب تعالیٰ نے یہ التجاء بھی قبول کر لی۔ انہوں نے التجاء کی کہ جو شخص بھی بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نیت سے اس کی طرف سفر کرے۔ وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جائے گویا ابھی ابھی اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہم امید کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کی یہ التجاء قبول کر لی ہوگی۔“

ابن ابی شیبہ اور واسطی نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بیت المقدس سارے آسمانوں تک اور اسی کی مقدار زمین تک مقدس ہے۔ واسطی نے حضرت عطاء خراسانی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضرت سلیمان بیت المقدس کو بنانے سے فارغ ہوئے۔ رب تعالیٰ نے ”باب الرحمۃ“ کے نزدیک دو درخت اگائے ایک سے سونا اور دوسرے سے چاندی اگی۔ ان میں سے ہر ایک سے ہر روز ایک رطل سونا اور ایک رطل چاندی اٹھائی جاتی تھی۔ مسجد میں فرش

لگایا گیا۔ ایک ٹائل سونے کی اور دوسری ٹائل چاندی کی لگائی گئی۔ جب بخت نصر آیا تو اس نے بیت المقدس کو گرا دیا سونے اور چاندی کی اسی ٹائلیں اٹھا کر لے گیا انہیں رومیہ میں پھینک دیا۔

واسطی نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے بنو اسرائیل کے دس ہزار قاری مختص کیے۔ پانچ ہزار دن کے وقت پانچ ہزار رات کے وقت عبادت کرتے تھے۔ شب و روز کی ہر ساعت میں اس میں عبادت ہوتی تھی۔ واسطی نے حضرت کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے۔ انہوں نے یہ دعا مانگی: ”مولا! جو اس میں ڈرتا ہو داخل ہو اسے امن عطا فرما۔ جو اس میں دعا کرے اس کی دعا کو قبول فرما۔ جو مغفرت طلب کرے اس کی بخشش فرما۔ رب تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی ”میں نے آل داؤد کی دعائیں قبول کر لیں ہیں۔“ انہوں نے چار ہزار گائیں، سات ہزار بکریاں ذبح کیں۔ بہت سا کھانا تیار کیا اور بنو اسرائیل کی دعوت کی۔ اس ضمن میں بہت سے آثار ہیں۔ مورخین نے اس کی عمارت، جواہر، معادن، یا قوت، چھت، زمین اور دیواروں کے بارے ایسی باتیں لکھیں ہیں دنیا کے ملوک اور شہنشاہ جن سے عاجز ہیں۔ جب بخت نصر آیا تو اس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا۔ وہ عمدہ چیزیں لے لیں جو اس میں تھیں۔

۴ اس کے بعض فضائل:

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلٰی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ
بَرَّکْنَا حَوْلَہٗ. (الاسراء: ۱۰)

ترجمہ: ”پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو۔“

یہ آیت طیبہ اس کی شان والا کو آشکارا کر رہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں کی سیر کرانے سے قبل اس کی سیر کرائی گئی۔ رب تعالیٰ نے اس برکت کا تذکرہ کیا جو اس کے ارد گرد ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَجَّیْنٰہُ وَاَوْطَا اِلٰی الْاَرْضِ الَّتِیْ بَرَّکْنَا فِیْہَا لِلْعٰلَمِیْنَ ۝۴۱ (الانبیاء: ۷۱)

ترجمہ: ”اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوٹ کو اس سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان

والوں کے لیے۔“

المقدسی نے اس کے فضائل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جنت بیت المقدس کی مشاق ہے۔ بیت المقدس کی چٹان جنت الفردوس میں سے ہے۔“ واسطی نے حضرت مکحول سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جس نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بیت المقدس میں پڑھیں پھر نماز صبح اس میں ادا کی وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو گیا کہ گویا کہ اس کی ماں نے اسے ابھی ابھی جنم دیا۔“

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”بیت المقدس میں ایک دن ایک ہزار دن کی طرح اور اس میں ایک ماہ ایک ہزار ماہ کی طرح اور اس میں ایک سال ایک ہزار سال کی طرح ہے۔ جو اس میں وصال کر گیا گویا کہ اس نے آسمان پر وصال کیا۔“ حضرت کعب سے روایت ہے کہ ”اللہ تعالیٰ ہر روز دو بار بیت المقدس کی طرف دیکھتا ہے۔“ بیت المقدس کی فضیلت میں بہت سی آثار روایت ہیں۔

۳ بیت المقدس کے اسماء

(۱) مسجد اقصیٰ (۲) مسجد ایلیا (۳) بیت المقدس (۴) بیت المقدس۔

اس سے مراد پاکیزہ گھریا پاک کر دینے والا گھر ہے۔ یہ گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ ابن سراقہ نے لکھا ہے کہ مقدس سرزمین تین ہیں۔ (۱) فلسطین (۲) اردن (۳) دمشق۔ ان شہروں تک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نگاہ اس وقت پہنچی تھی۔ جب انہیں پہاڑ پر بلند کیا گیا۔ ان سے کہا گیا ”جہاں تک آپ کی نظر جائے گی۔ وہ آپ کی ملکیت میں ہوگا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کی ملکیت میں ہوگا۔“ (۵) بیت المقدس (۶) مسلم اسے شلم بھی پڑھا ہے۔ طبرانی میں اس کا معنی بیت السلام ہے۔ (۷) حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ جنت ساتویں آسمان پر بالکل بیت المقدس کے اوپر ہے۔ اگر اس سے کوئی پتھر گرے تو وہ عین صحرہ کے اوپر گرے گا۔ اسی لیے اس کا نام ”اوری شلم“ جنت کو دار السلام کہا جاتا ہے (۸) اوری شلم (۹) کورہ الیا (۱۰) اورای سلم (۱۱) بیت ایل یعنی بیت اللہ (۱۲) صہبیون (۱۳) مصرث (۱۴) بابوش (۱۵) کورشیلاہ (۱۶) صلعون (۱۷) سلیم (۱۸) فرط مصر (۱۹) ارض المحشر والمشر (۲۰) المحفوظہ (۲۱) المفزوقہ (۲۲) مدینۃ الجنۃ۔

۴ اس کے خصائص کے بارے

نماز کا کئی گنا اجر ملتا۔ اس میں نماز ادا کرنے کا اجر کتنے گنا ہے اس کے بارے مختلف روایات ہیں:

(۱) پانچ سو نمازوں کا ثواب۔ امام احمد، ابن ماجہ، بزار اور ابن عساکر نے حضرت ابو ذرؓ نے اور انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "بیت المقدس میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔"

(۲) ایک ہزار نمازوں کا ثواب۔ ابن ماجہ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کیا ہے۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں بیت المقدس کے بارے بتائیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ حشر کی زمین ہے۔ اس میں جاؤ وہاں نماز ادا کرو وہاں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔" امام نووی لکھتے ہیں "اس کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے امام ذہبی نے اسے منکر لکھا ہے۔"

(۳) پچاس ہزار نمازوں کا ثواب۔ ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "گھر میں کسی شخص کی ادا کی ہوئی ایک نماز کا ثواب ایک نماز کے برابر ہے۔ قبیلہ کی مسجد میں ادا کی گئی نماز کا ثواب پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔ جبکہ مسجد قصیٰ میں ادا کی گئی نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ جبکہ مسجد حرام میں ادا کی گئی نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔"

(۴) دو سو پچاس نمازوں کا ثواب۔ امام الطبرانی نے اپنی معجم میں حضرت ابو ذرؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میری اس مسجد میں نماز ادا کرنا بیت المقدس میں نماز ادا کرنے سے چار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیت المقدس میں ایک نماز کا ثواب دو سو پچاس نمازوں کے برابر ہے۔"

(۵) بیس ہزار نمازوں کے برابر ثواب۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ اس کی مزید تفصیل مدینہ طیبہ کے فضائل کے ابواب میں آئے گی۔

دوسرا فائدہ

اس کی زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف رخت سفر نہ باندھا جائے۔ (۱) میری مسجد (۲) مسجد حرام کی طرف (۳) مسجد قصیٰ کی طرف۔"

تیسرا فائدہ

اس میں قرآن پاک ختم کرنا مستحب ہے۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ابو جملہ سے روایت کیا ہے کہ علماء مستحب

سمجھتے ہیں کہ جو ان مساجد میں سے کسی مسجد میں جائے تو وہ باہر نکلنے سے قبل قرآن پاک ختم کرے۔

چوتھا فائدہ

اس میں ٹھہرنا مستحب ہے۔ حضرت مکحول سے روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہما بیت المقدس میں قیام کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ کرام اس میں قیام کرتے تھے۔

پانچواں فائدہ

اس میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔ روایت ہے کہ بیت المقدس میں روزہ رکھنا آگ سے نجات ہے۔

چھٹا فائدہ

اس سے عمرہ اور حج کا احرام باندھنا مستحب ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عمرہ یا حج کا احرام مسجد اقصیٰ سے باندھا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔

ساتواں فائدہ

اس کے لیے زیتون کا تیل بطور تحفہ بھیجنا مستحب ہے۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں بیت المقدس کے بارے بتائیں۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ حشر کی سرزمین ہے۔ وہاں جاؤ اور نماز ادا کرو۔ اس میں نماز ادا کرنے کا ثواب کسی اور جگہ نماز پڑھنے سے ایک ہزار گنا درجہ رکھتا ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! اگر میں وہاں جانے کی استطاعت نہ رکھوں تو؟“ آپ نے فرمایا: ”اس کے لیے زیتون کا تیل بطور تحفہ بھیجو۔ تاکہ اس میں روشنی ہو سکے۔ جس نے اس طرح کیا گویا وہ وہاں خود گیا۔“

آٹھواں فائدہ

بعض اسلاف نے لکھا ہے کہ اس میں گناہوں کا عذاب بھی دو گنا ہوتا ہے۔ حضرت کعب سے روایت ہے کہ جب وہ حمص سے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کے لیے آئے۔ جب ایک میل کی مسافت تک پہنچے تو وہ ذکر تلاوت اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ وہ مسجد اقصیٰ سے ایک میل باہر بھی اسی طرح نکلے۔ انہوں نے کہا: ”اس میں گناہوں کا عذاب بھی کئی گنا ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی مقدس جگہوں پر گناہ کرنے والا زیادہ جرأت کرتا ہے اور وہ رب تعالیٰ سے کم خوف کھاتا ہے۔“ واسطی نے حضرت نافع سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”مجھے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”ہمارے ہمراہ اس مسجد کی طرف نکلو۔ اس میں

برائی کی سزا اس طرح دوگنی ہے جس طرح اس میں نیکیوں کی جزاء دوگنی ہے۔“

نوال فائدہ

دجال بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ ساری زمین پر غالب آجائے گا۔ مگر وہ حرم پاک اور بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ وہ اہل ایمان کو بیت المقدس میں محصور کر دے گا۔ رب تعالیٰ اسے اور اس کے لشکر کو شکست دے دے گا۔ حتیٰ کہ دیوار کے اندر سے اور درخت کے تنے سے آواز آئے گی۔“ اے مؤمن! کافر اس جگہ چھپا ہے۔ آواز سے قتل کر دو۔“

دسواں فائدہ

مسجد اقصیٰ کی چٹان مسجد حرام میں حجر اسود کی طرح ہے۔ ابو نعیم نے حضرت وہب سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی چٹان سے فرمایا: ”میں اپنا عرش تجھ پر ضرور رکھوں گا۔ میں اپنی مخلوق کو تیرے پاس ضرور جمع کروں گا۔ اس روز حضرت داؤد علیہ السلام سوار ہو کر تیرے پاس ضرور آئیں گے۔“

امام واسطی اور ابن عساکر نے حضرت یزید بن جابر سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے لکھا ہے:

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۴۱﴾ (ق: ۴۱)

ترجمہ: ”اور کان لگا کر سنو اس دن کے بارے میں جس دن پکارنے والا قریب سے پکارے گا۔“

حضرت اسرافیل بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہوں گے۔ وہ صور پھونکیں گے۔ وہ کہیں گے۔ ”اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ جلدو! اے ٹکڑے ٹکڑے بالو! رب تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلے کے لیے جمع ہو جاؤ۔“

ابن جریر اور واسطی نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم بیان کرتے تھے کہ وہ بیت المقدس کی چٹان سے یہ صدا لگائیں گے۔ وہ زمین کے وسط میں ہے۔“ حضرت کعب سے روایت ہے کہ یہ جگہ دوسری زمین سے اٹھارہ میل آسمان کے قریب ہے۔

گیارہواں فائدہ

بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا مکروہ ہے۔

بارھواں فائدہ

روایت ہے کہ جسے بیت المقدس میں دفن کیا گیا اسے قبر کے فتنہ اور منکر نکیر کے سوالات سے بچا لیا گیا۔ جسے ایلیاء میں دفن کیا گیا اسے آسمان دنیا میں دفن کیا گیا۔ ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو بیت المقدس میں فوت ہوا گویا کہ وہ آسمان پر فوت ہوا۔“

تیرھواں فائدہ

خطیب نے الموضع میں لکھا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پہلے انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر بیت اللہ کے مؤذن پھر بیت المقدس کے مؤذن پھر میری مسجد کے مؤذن پھر سارے مؤذنین۔“

چودھواں فائدہ

بیت المقدس، مسجد حرام اور مسجد نبوی میں جھوٹی قسم اٹھانے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس کی سزا جلد مل جاتی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے سلیمان بن عبد الملک کے گوزر کو صحفہ کی طرف لے جانے کا حکم دیا تا کہ وہ اس کے پاس قسم اٹھائیں۔ سوائے ایک کے سب نے قسمیں اٹھا دیں۔ اس نے اپنی قسم کافیہ ایک ہزار دینار ادا کر دیا۔ ایک سال میں دیگر سارے عمال مر گئے تھے۔

پندرھواں فائدہ

ابن جریر نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت کا ایک گروہ حق کے ساتھ غالب رہے گا۔ ان کا مخالف انہیں نقصان نہ دے سکے گا۔“ عرض کی گئی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ کہاں ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”بیت المقدس میں یا بیت المقدس کے اطراف میں۔“ ابو یعلیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت کا ایک گروہ دمشق کے دروازوں پر، بیت المقدس کے دروازوں پر اور اس کے ارد گرد مصروف جنگ رہے گا۔ سوائے کرنے والوں کی رسوائی انہیں نقصان نہیں دے گی۔ وہ حق کے ساتھ غالب رہیں گے۔ حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔“

سولہواں فائدہ

ابوالمعالی نے روایت کیا ہے کہ جس نے حج کیا اور ایک ہی سال میں مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی وہ اس طرح پاک ہو گیا کہ گویا کہ اس کی ماں نے اسے ابھی جنم دیا ہو۔ لیکن امام نووی نے فرمایا ہے: "اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔" اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

سترہواں فائدہ

دارمی نے لکھا ہے کہ بیت المقدس کے محراب میں دائیں بائیں اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے اسے مسجد نبوی کے ساتھ ملایا ہے۔

اٹھارہواں فائدہ

صدیلانی، ماوردی، رویانی، بغوی اور بند نیجی، امام غزالی اور امام کراسانی نے لکھا ہے کہ بیت المقدس میں نماز عید ادا کرنا مستحب ہے۔ اس میں نماز عید ادا کرنا، عید گاہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

انیسواں فائدہ

ابن سراقہ نے کتاب الممداد میں لکھا ہے "اسلام کی بڑی بڑی مساجد میں سے ایک مسجد بیت المقدس ہے۔" کہا جاتا ہے کہ عید یا جمعۃ المبارک کے روز اس کی ایک صف بھی مکمل نہیں ہوتی۔

بیسواں فائدہ

وہ مقامات جو انبیائے کرام علیہم السلام کے آثار کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ان کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ خصوصاً اس جگہ کی زیارت کرنا مستحب ہے جہاں ہمارے نبی کریم ﷺ نے نماز ادا کی۔

اکیسواں فائدہ

خانہ کعبہ کا بیت المقدس کی طرف جانا۔ واسطی نے فضائل بیت المقدس کو خالد بن معدان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ خانہ کعبہ حج کر صخرہ کی طرف جائے گا۔ سارے حاجی اور عمرہ کرنے والے اس کے ساتھ معلق ہوں گے۔ جب چٹان اسے دیکھے گی تو وہ اس کی زیارت کرنے والوں کو مر جائے گی۔ حضرت کعب سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی۔ حتیٰ کہ بیت اللہ کو سہا کر بیت المقدس کی طرف لے جایا

جائے گا۔ انہیں جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ اس کے ساتھ حاجی اور عمرہ کرنے والے معلق ہوں گے۔ ابن مردویہ۔
اصفہانی اور دہلی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”روزِ حشر خانہ کعبہ حج کر میری قبر انور کی طرف آئے گا۔ وہ عرض کرے گا: ”السلام علیک یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)“ میں کہوں گا: علیک یا بیت اللہ! میرے بعد میری امت نے کیا کیا؟ وہ کہے گا: ”جو میرے پاس آگیا میں اسے کافی ہو جاؤں گا میں اس کی شفاعت کروں گا اور جو میرے پاس نہیں آئے گا۔ آپ اس کے لیے کافی ہو جائیں گے۔ آپ ان کے شفیع ہوں گے۔“

◆ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے انکار کیا ہے کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات بیت المقدس میں نماز ادا کی ہو۔ انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ اگر آپ نے نماز ادا کی ہوتی۔ تو تمہارے لیے بھی اس میں نماز ادا کرنا فرض کر دیا جاتا۔ امام بیہقی اور امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ مثبت کو نافی پر مقدم کیا جائے گا۔ یعنی جس نے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں نماز ادا کی۔ اس کی بات مان لی جائے گی۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے۔ اسکا علم اس سے زیادہ ہے جس نے اس نماز کی نفی کی ہے۔ لہذا اس زیادتی کو قبول کرنا بہتر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نماز میں تلازم سے منع کیا گیا ہے اگر نماز پڑھنا مشروع قرار دینا ہو تو آپ نے اس میں نماز پڑھنے کو مشروع قرار دیا ہے۔ آپ نے اسے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے ساتھ ملا یا ہے۔

◆ روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے عروج سے قبل انبیائے کرام کو نماز پڑھائی۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہی موقف ظاہر ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے واپسی سے دوبارہ انبیائے کرام کو نماز پڑھائی۔ حافظ ابن کثیر نے اس موقف کو درست قرار دیا ہے۔ صاحب السراج نے لکھا ہے کہ اس امر سے کوئی مانع نہیں کہ آپ نے انہیں دوبار نماز پڑھائی ہو۔

◆ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے انبیائے کرام کو کیسے نماز پڑھائی حالانکہ وہ وصال کے بعد دارِ آخرت میں ہیں۔ وہ دارِ عمل نہیں ہے۔ قاضی اور امام بکی نے اس کے دو جوابات دیے ہیں: (۱) ہم کہتے ہیں کہ انبیائے کرام شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں۔ شہداء اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ بعید نہیں کہ وہ حج کرتے ہوں اور نماز پڑھتے ہوں۔ جیسے کہ روایت میں اس امر کا تذکرہ ہے۔ وہ حسب استطاعت رب تعالیٰ کا قرب اختیار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کا وصال ہو چکا ہے۔ وہ اسی دنیا میں ہیں جو دارِ العمل ہے جب اس کی مدت ختم ہوگئی تو اس کے بعد آخرت آجائے گی جو دارِ الجزاء ہے تو عمل منقطع ہو جائے گا۔ لب لباب یہ ہے ان کے کثیر اعمال اور زیادہ اجر کی وجہ سے انکے برزخ پر دنیا کا حکم لگایا جائے گا۔ (۲) امام بکی لکھتے ہیں ”ہم کہتے ہیں کہ آخرت میں منقطع ہونے والی چیز

تکلیف ہے۔ کبھی کبھی اعمال تکلیف کے بغیر از روئے تلذذ اور رب تعالیٰ کے لیے خشوع و خضوع کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ لہذا روایت ہے کہ انبیائے کرام تسبیح بیان کرتے ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ شفاعت کے وقت حضور سرور عالم ﷺ کے سجدہ کی طرف دیکھو کیا یہ عبادت اور عمل نہیں ہے۔ ان دونوں جوابات پر برزخ کی مدت میں ان اعمال کا حصول ممتنع نہیں ہے۔

حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ انہوں نے یہ دعا مانگی: ”مولا! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق دی ہے تو مجھے یہ توفیق دینا۔“ انہیں اس کے وصال کے بعد دیکھا گیا۔ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہی کافی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر سارے انبیاء کرام علیہم السلام کا وصال نہیں ہوا حتیٰ کہ اختیار دیا گیا کہ انہیں دنیا میں باقی رہنے اور آخرت کے مابین اختیار دیا گیا۔ انہوں نے آخرت کو اختیار کیا۔ بلاشبہ اگر وہ دنیا میں اور رہتے تو ان کے اعمال صالحہ میں اضافہ ہو جاتا پھر وہ جنت میں تشریف لے جاتے اگر وہ یہ نہ جانتے کہ رب تعالیٰ کے حریم ناز میں ان کا جانا افضل ہے تو وہ اسے اختیار نہ کرتے۔ اگر اس دنیا سے ان کا انتقال قرب الہی میں کمی کرتا تو وہ اسے منتخب نہ کرتے۔ اس کی مزید تفصیل باب حیات النبی ﷺ میں آئے گی۔“

یہ کون سی نماز تھی جو حضور اکرم ﷺ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو پڑھائی تھی صحیح موقف یہ ہے کہ وہ مشہور نماز ہی تھی۔ کیونکہ لغت کے اعتبار سے نص کو اس کی شرعی حقیقت پر ہی محمول کیا جائے گا الا یہ کہ اسے شریعت پر محمول کرنا مشکل ہو۔ اس جگہ ایسا کوئی عذر نہیں اس لیے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ نماز عشاء کی یا صبح کی نماز تھی۔

میں کہتا ہوں ”یہ برابر ہے کہ خواہ ہم کہیں کہ آپ نے عروج سے قبل یا بعد میں انبیاء کرام کو نماز پڑھائی۔ کیونکہ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے نماز ظہر ادا فرمائی۔ جو امر ظاہر ہے وہ یہی ہے کہ یہ نقلی نماز تھی یا شب معراج سے قبل فرض نماز تھی۔ امام نووی کا فتویٰ دوسرے موقف کی تائید کرتا ہے۔

بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ آسمان پر آپ کا انبیاء کو دیکھنا ان کی ارواح کو دیکھنے پر محمول کیا جائے گا۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔ کیونکہ صحیح یہ ہے کہ ان کو جسم اقدس کے ساتھ اٹھایا گیا تھا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے بھی اسی طرح کہا گیا ہے۔ البتہ جنہوں نے آپ کے ہمراہ بیت المقدس میں نماز پڑھی اسے خاص ارواح پر محمول کیا جائے گا۔ امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے انبیائے کرام کی ارواح سے ملاقات کی۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ ارواح اپنے اجسام میں متشکل ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ

ارواح اجسام کے ساتھ ہوں۔ وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جسے امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سارے انبیائے کرام آپ کے لیے جمع کیے۔ البزار اور الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میرے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا۔ جن کا رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے یا ذکر نہیں فرمایا وہ سارے انبیاء وہاں جمع تھے۔ میں نے انہیں نماز پڑھائی۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ”اس نے مجھے عظیم مملکت عطاء کی ہے۔“ ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کسی عربی سلطنت کا وعدہ نہ تھا۔ یا تو مملکت کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہوگی۔ اس سے مراد ان کا بڑے بڑے بادشاہوں پر غالب آجانا ہے بطور مثال نمرود ہی کافی ہے۔ رب تعالیٰ نے اسے اپنے خلیل کے لیے مغلوب کر دیا تھا۔ وہ ان کے سامنے بے بس ہو گیا تھا۔ عظیم بادشاہ کا مغلوب ہو جانا عظیم مملکت کے مغلوب کے مانند ہے۔ قاہر مقہور سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اضافت ان کی اولاد اور بیٹوں کی طرف ہو۔ اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی سلطنت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سلطنتیں مراد ہوں۔ ارشادِ باری ہے:

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۳﴾ (النساء: ۵۳)

ترجمہ: ”ہم نے مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب و حکمت اور عظیم الشان سلطنت عنایت فرمادی ہے۔“

اس جگہ آپ کی ذریت اور اولاد کی طرف ہی اشارہ ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے انہیں اپنے نفس پر پورا کنٹرول تھا۔ اضطراب کے مقامات پر بھی ان کے نفس پر ان کا قبضہ رہا جیسے کہ جب حضرت جبرائیل نے ان سے پوچھا: ”کیا کچھ حاجت ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”تمہاری طرف تو نہیں۔“

اس میں اختلاف ہے کہ برتن کب پیش کیے گئے۔ کیا وہ عروج سے پہلے تھے یا بعد میں ان کی تعداد کتنی تھی؟ اکثر روایات میں ہے کہ عروج سے قبل برتن پیش کیے گئے۔ امام احمد، شیخین، امام نسائی، ترمذی نے حضرت مالک بن معصوم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ”پھر آپ کو بیت المعمور کی طرف اٹھایا گیا..... پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے۔ ایک میں شراب جبکہ دوسرے میں دودھ تھا۔“ امام بخاری نے حضرت انس سے مرفوع روایت کیا ہے ”مجھے سدرۃ المنتہی لے جایا گیا۔ وہاں چار نہریں تھیں..... مجھے تین پیالے پیش کیے گئے۔ ابن عابد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی: ”پھر ہم روانہ ہوئے۔ ہمیں تین ڈھانپے ہوئے برتن پیش کیے گئے۔“ امام سہلی، ابن دجیہ، ابن منیر، ابن کثیر اور الحافظ نے لکھا ہے ”شاید یہ برتن دو دفعہ پیش کیے گئے تھے۔“ تاکہ ساری روایات کو جمع کیا جاسکے۔ ابن کثیر اور الحافظ نے لکھا ہے کہ برتنوں کی تعداد میں

اختلاف ہے۔ اسکو اس امر پر معمول کیا جائے گا کہ بعض راویوں نے ان امر کا تذکرہ کر دیا جس کا ذکر دوسرے نے نہ کیا۔ چار برتن تھے جنہیں دو بار پیش کیا گیا۔ چار نہریں تھیں جو سدرة المنتہیٰ کی اصل سے نکلتی تھیں۔

اگر ہم یہ کہیں کہ برتن دو بار پیش کیے گئے تھے تو شراب پیش کرنے اور آپ کے اعراض اور حضرت جبرائیل کا درست قرار دینے کا مدعا یہ ہے کہ اس سے بہت زیادہ اجتناب کیا جائے۔ کیا یہ شراب جنت کی شراب تھی یا دنیا کی۔ اگر یہ جنت کی شراب تھی تو اس سے اجتناب اس لیے تھا کیونکہ یہ اس شراب کے صورتہ مشابہ تھی جو حرام تھی یہ تقویٰ کی انتہاء ہے۔ اگر اس سے مراد دنیا کی شراب ہے تو پھر اس سے اجتناب کا سبب واضح ہے۔ اگر پہلا امر مراد لیا جائے تو اس سے ایک فائدہ سمجھ آتا ہے۔ وہ یہ کہ جس نے مشروبات کی ایسی کیفیت بنائی جو شراب سے ملتی ہو۔ اور اس شکل میں پیش کیا جس میں اہل شہوات پیش کرتے ہیں تو اس سے برا کام کیا اگرچہ اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ پانی کا گلاس اس طرح پھرانا جس سے شراب نوش کی مشابہت پیدا ہو جائے ایسا کرنے والے پر تعزیر لگائی جائے گی۔

ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ اختیار کبھی تو دو واجبوں کے مابین ہوتا ہے جیسے کفارة یا دو مباح اشیاء میں ہوتا ہے لیکن واجب اور ممنوع اور مباح اور ممنوع میں اختیار محال ہے۔ ذرا دودھ اور شراب پیش کرنے کے بارے غور کرو۔ کیا ارادہ یہ تھا کہ ان دونوں کو مباح قرار دیا جائے اور ان کا اذن دیا جائے۔ جیسے تم کسی مہمان کو دو کھانے پیش کرو تو تم اس کے لیے دونوں مباح قرار دو گے۔ ان میں سے ایک کو اختیار کرنے کا کیا مفہوم ہے۔ حضرت جبرائیل کے اس قول کا کیا مفہوم ہے "آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے یا آپ نے صحیح موقف اختیار کیا ہے۔ اگر مراد یہ ہو کہ ان میں سے ایک میں اذن دیا جائے اس طرح کہ دوسرے کو ممنوع قرار دیا جائے تو پھر ممنوع اور مباح میں اختیار لازم آئے گا۔ یہ متصور نہیں ہو سکتا۔ وہ امر جس سے یہ اشکال اٹھ جائے گا وہ یہ ہے کہ حرام امر کی حرمت اور حلال امر کی حلت کو حضور اکرم ﷺ کے اجتہاد کے سپرد کیا جائے آپ کی معصوم نگاہ ناز کے سپرد کیا جائے جب آپ نے انہیں دیکھا تو اجتہاد نے شراب کی حرمت اور دودھ کی حلت کا فتویٰ دے دیا وہ رب تعالیٰ کے علم کے ساتھ موافقت پا گیا۔ اس لیے جبرائیل امین نے کہا: "آپ نے درست کام کیا ہے" اگر یہ مقدر مانا جائے کہ شاید شراب حرام نہ ہو کیونکہ اسے مدینہ طیبہ میں حرام کیا گیا تھا۔ تو آپ کا اجتناب از روئے تقویٰ ہو گا کہ اسے عنقریب حرام کر دیا جائے گا۔ ابو خطاب کلبی نے لکھا ہے "فطرۃ کا اطلاق اسلام پر اور اصل خلقت پر ہوتا ہے پہلے معنی کے اعتبار سے آپ کا یہ فرمان ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے" رب تعالیٰ کے اس فرمان کا دوسرا معنی ہے۔

فَطَرَتِ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم: ۳۰)

ترجمہ: ”(مضبوطی سے پکڑو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔“

فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ. (فاطر: ۱)

ترجمہ: ”(سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔“

یعنی ان کی تخلیق کا مبداء ہے۔ حضرت جبرائیل کا قول ”آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔“ کی مراد یہ ہے کہ آپ نے وہ دودھ اختیار کیا ہے جس پر تخلیق کی بنیاد ہے اسی سے گوشت بنتا ہے یا آپ نے اسے اس لیے اختیار کیا ہے کہ دین اسلام میں ہمیشہ کے لیے حلال ہے۔ جبکہ شراب کو حرام کر دیا جائے گا۔ تعبیر کے علم کی رو سے دودھ سے مراد علم ہوتا ہے۔ جیسے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا میں نے اسے پیا حتیٰ کہ میں سیراب ہو گیا۔ وہ میرے ناخنوں سے نکلنے لگا۔ میں نے بقیہ دودھ حضرت عمر کو پکڑا دیا۔“ صحابہ کرام نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”علم“

اگر یہ سیر عالم بیداری میں ہو تو بعض اوقات عالم بیداری میں بھی ایسے اشارات پائے جاتے ہیں جو تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ عمدہ فال کو پسند کرتے تھے۔ جب آپ کا قلب انور ایمان اور حکمت سے بھر گیا تو اس کے مطلق علم اس میں ڈالا گیا۔ رب تعالیٰ نے اس دودھ کو علم اور قلب انور کی تقویت کا سبب بنایا تا کہ وہ اس کے انوار کو برداشت کر سکے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ شاید دودھ کو فطرت اس لیے کہا گیا ہو کیونکہ یہ وہی خوراک ہے جو سب سے پہلے بچے کے پیٹ میں داخل ہوتی ہے اور اس کی آنتیں کھولتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا میلان اس کی طرف تھا اس لیے آپ نے اسے پسند فرمایا۔ اس لیے بھی کہ اس سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر آپ شراب کو اختیار فرمالتے تو یہ لغزش ہوتی حضور اکرم ﷺ لغزش سے معصوم ہیں اس وقت یہ مسئلہ اجتہادی ہوتا۔ کیونکہ شراب کو بعد میں حرام کیا گیا۔

آپ نے فرمایا: ”پھر سیرھی لائی گئی۔ اگلا سفر براق پر نہیں ہوا تھا۔ اس میں اختلاف ہے حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں ہے کہ آپ براق پر ہی سوار رہے حتیٰ کہ آپ کو آسمان کی سیر کرادی گئی۔ ابو جمرہ اور ابن دحیہ نے یہی موقف اختیار کیا ہے لیکن دیگر علماء کا موقف ہے کہ روایات آشکارا کرتی ہیں کہ اگلا سفر براق پر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ سیرھی کے ذریعے ہوا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے ”پھر میرے پاس سیرھی لائی گئی۔“ ابن کثیر نے لکھا ہے ”جب آپ بیت المقدس سے فارغ ہوئے تو آپ کے لیے سیرھی نصب کی گئی۔ آپ اس پر چڑھ کر

آسمان پر تشریف لے گئے۔ یہ چڑھنا براق پر نہیں تھا جیسے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے بلکہ براق تو مسجد اقصیٰ کے ساتھ بندھی رہی تاکہ آپ اسی پر مکہ مکرمہ لوٹ چلیں۔“ شیخ نے لکھا ہے کہ یہی موقف درست ہے جس پر احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔

◆ ابن وحید نے معراج کو دس اقسام میں تقسیم کیا ہے جتنے ہجرت کے سال ہیں سات معراج ساتوں آسمانوں تک تھے۔ آٹھواں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک تھا۔ نواں معراج اقلام کی آواز سننے تک تھا جبکہ دسواں معراج عرش اور رُفوف تک تھا۔

◆ روایت ہے کہ جنت کے ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک پانچ سو سال کا سفر ہے ایک درجہ نیچے آتا ہے تاکہ ولی اللہ اس پر چڑھے پھر وہ اپنے مقام پر چلا جاتا ہے ظاہر ہے کہ معراج کا زینہ بھی اسی طرح تھا۔

◆ معراج کے قصے میں چڑھنے اور اترنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ رب تعالیٰ اور اس کے بندے کے مابین مسافت ہے یہ کفر ہے۔ ہم اس سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں یہ چڑھنا اور اترنا بندے کی نسبت سے ہے اللہ تعالیٰ کی نسبت سے نہیں۔ حضور اکرم ﷺ انتہائی قرب کے باوجود اس رات مقام عبودیت سے آگے نہیں گئے تھے۔ آپ اور حضرت یونس علیہ السلام اس وقت جب مچھلی نے انہیں نگل لیا تھا ہوا نہیں لے کر سمندر میں چلی گئی تھیں وہ پھر انہیں لے کر سمندر کی تہ میں اتر گئی تھے، عدم جہت، تحمیز، حد اور احاطہ کے اعتبار سے برابر تھے۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ آپ نے چھ ہزار سال کی مسافت طے کی تھی۔ جب تمہیں یہ علم ہو گیا تو پھر آپ کی یہ مسافت اور سفر اس لیے تھا تاکہ اہل آسمان کے نزدیک آپ کی رفعت کا اظہار ہو سکے۔ نیز یہ علم ہو سکے کہ آپ ساری مخلوقات سے افضل ہیں۔ اس مقصد کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ آپ کو براق پر سوار کرایا گیا۔ آپ کے لیے سیزھی نصب کی گئی۔ آپ کو انبیائے کرام اور ملائکہ کا امام بنایا گیا۔ حالانکہ رب تعالیٰ قادر تھا کہ آپ کو براق اور سیزھی کے بغیر ہی سیر کراتا۔

اصحاب جہت سے کہا جائے گا ”تمہیں اس چیز نے حق کا عقیدہ رکھنے سے روکا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ ہر موجود کا کسی نہ کسی جہت میں ہونا ضروری ہے۔ ہمیں عرش اور اس سے اوپر کی اشیاء کے بارے بتائیں کہ کیا وہ قدیم ہیں یا حادث ہیں۔ اگر کہیں کہ قدیم ہیں تو انہوں نے عالم کے قدیم ہونے کا قول کیا۔ اس نے دو محال امور کی طرف دعوت دی۔ (۱) ازل میں رب تعالیٰ کے علاوہ اس کے ہمراہ اور بھی تھا۔ دو قدیموں میں سے ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا جو اس سے افضل ہو۔ جہت اور مکان یا تو جسم ہوں گے یہ سارے اجسام کے وجود کی طرف دعوت دیتی ہے یہ اس شخص کا قول ہے جس نے کہا ہے کہ عالم قدیم ہے نعوذ باللہ منہ۔ اگر وہ کہیں کہ عالم حادث ہے تو کھوکھو کہتی

نے سچ کہا ہے کہ رب تعالیٰ پہلے موجود تھا حالانکہ اس وقت جہت نہیں تھی۔ مجال جائز یا واجب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قدیم حادث کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ اس کے ہونے سے قبل اس سے مستغنی تھا۔ وہ ماضی میں اس سے مستغنی تھا اور مستقبل میں اسی طرح مستغنی رہے گا۔ یہ مجال ہے کہ کل کا خالق اپنی ہی بعض مخلوق کا محتاج ہو۔ استواء اور نزول وغیرہ کے وہ الفاظ اور صفات جن کو ظاہری طور پر جاری کرنا مشکل ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے معنی کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ ہم اسے اس کی کسی مخلوق سے مشابہت نہیں دیتے۔ نہ ہی کسی اس صفت کا انکار کرتے ہیں جو اس ذات نے اپنے لیے ثابت کی ہے یا حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے ثابت کی ہے۔

ابن حبیب سے روایت ہے کہ زمین اور آسمان کے مابین ایک سمندر ہے جسے مکفوف کہا جاتا ہے اس کے سامنے اس دنیا کے سمندر اسی طرح ہیں جس طرح بحر بے کراں کے سامنے ایک قطرہ ہو۔ اس سمندر کو ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے شق کیا گیا۔ یہ حضرت موسیٰ کے لیے شق بحر سے بڑا معجزہ ہے۔

آسمان اور زمین کے مابین فیصلہ

امام احمد، ابو داؤد، امام ترمذی، ابن حزم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین کے مابین کتنا فیصلہ ہے؟“ ہم نے کہا: ”اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”ان کے مابین پانچ سو سال کی مسافت ہے ہر آسمان کے مابین پانچ سو سال جتنی مسافت ہے۔ ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال مسافت جتنی ہے۔ ساتوں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے وہ اوپر سے نیچے تک اتنا بڑا ہے جتنا زمین اور آسمان کے مابین فاصلہ ہے۔ ان کے اوپر آٹھ فرشتے ہیں جن کے پاؤں سے لے کر گھٹنوں تک کا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی مسافت جتنا ہے۔ اس کے اوپر عرش ہے۔ اس کی موٹائی اتنی ہے جتنی ایک آسمان سے دوسرے آسمان کا فاصلہ ہے۔ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔“

ابن راہویہ اور بزار نے صحیح سند سے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”آسمان و زمین کے مابین پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ ہر آسمان پانچ سو سال کی مسافت جتنا موٹا ہے۔ ساتوں آسمانوں تک اسی طرح ہے۔ اسی طرح زمینیں ہیں۔ ساتویں آسمان سے لے کر عرش تک اسی طرح ہے۔“

ابن جریر اور ابن منیر نے حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”رب تعالیٰ کا

عرش پانی پر تھا۔ اس نے جو کچھ تخلیق کیا تھا اس کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ جب اس نے خلق کو بنانے کا ارادہ کیا تو پانی سے دھواں نکالا وہ پانی کے اوپر پھیلا اس لیے اس کا نام سماء رکھ دیا۔ پھر اس نے پانی کو خشک کر دیا۔ ایک زمین بنا دی۔ پھر اسے چیر کر دو دنوں میں سات زمینیں بنا دیں۔ زمین کو مچھلی پر بنایا۔ رب تعالیٰ نے اس فرمان میں اسی کا تذکرہ ہے۔

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿۱﴾ (نون: ۱)

ترجمہ: ”ن، قلم ہے اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔“

مچھلی پانی میں ہے پانی پتھر پر ہے۔ پتھر فرشتے کی پشت پر ہے فرشتہ چٹان پر ہے چٹان ہوا میں ہے۔ لقمان نے اسی چٹان کا ذکر کیا ہے جو نہ آسمان میں اور نہ زمین پر ہے۔ مچھلی نے حرکت کی جس سے لرزہ پیدا ہوا زمین پر زلزلہ آیا۔ رب تعالیٰ نے اس پر پہاڑ گاڑ دیے۔ زمین قرار پذیر ہو گئی۔ اس نے اس میں پہاڑ تخلیق کیے۔ اس کے باسیوں کے لیے رزق اور اس کے درخت پیدا کیے۔ دو دن منگل اور بدھ میں یہ امور مکمل کیے پھر آسمان کی طرف توجہ فرما ہوا یہ دھواں کی طرح تھا یہ دھواں پانی کے سانس لینے سے پیدا ہوا تھا۔ رب تعالیٰ نے اسے ایک آسمان بنا دیا پھر اسے چیر کر سات آسمان بنا دیے۔ دو دن جمعرات اور جمعہ میں یہ کام مکمل ہوئے۔ روز جمعہ کو اسی لیے جمعہ کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن آسمانوں اور زمین کی تخلیق کو جمع کیا۔ ہر آسمان کے امور اس کے سپرد کیے۔ یعنی اس کے ملائکہ، سمندر، پہاڑ اور برد وغیرہ تخلیق کیے۔ آسمان دنیا کو ستاروں سے سجایا، نہیں شیطین سے تحفظ اور باعث زینت بنایا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے عرش آسمانوں پر ہے۔ آسمان اس کی زمین کے اوپر ہیں۔ انہوں نے انگی سے اشارہ کیا کہ وہ قبہ کی طرح ہیں۔ ابن ابی حاتم نے قاسم بن بزہ سے روایت کیا ہے کہ آسمان مربع شکل میں نہیں۔ وہ گول گنبد دار ہے جو لوگوں کو سبز نظر آتا ہے۔ الطبرانی اور ابن منذر نے حضرت ربیع بن انس سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ آسمان دنیا گول موج سے، دوسرا آسمان سفید زمرہ سے تیسرا آسمان لوہے سے چوتھا آسمان تانبے سے اور پانچواں آسمان چاندی سے چھٹا آسمان سونے سے اور ساتواں آسمان سرخ یا قوت سے بنایا گیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے یہ اضافہ کیا ہے ”اس کے اوپر نور کا صحرا ہے۔ اس کے اوپر کیا ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہر دوں پر ایک فرشتہ نگران ہے جسے میطاطروس کہا جاتا ہے۔“ حضرت کعب سے روایت ہے کہ آسمان دودھ سے زیادہ سفید اور کوہ قاف سے زیادہ سبز ہے۔

﴿۱۷﴾ حضرت جبرائیل امین نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ ممکن ہے انہوں نے دروازے پر دستک دی ہو یا آواز دی ہو۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ پہلی بات زیادہ قرین صواب ہے کیونکہ معروف صدایہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت

ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے آسمان کے دروازے کھولنے کے لیے کہے کیونکہ انہوں نے یہ دروازے بند پائے تھے۔ آپ کے آنے سے قبل دروازے کھولے نہیں گئے تھے۔ اگرچہ زیادہ اکرام اسی میں تھا۔ کیونکہ آپ اگر انہیں کھلا دیکھتے تو آپ یہ گمان کرتے کہ یہ اسی طرح رہتے ہیں۔ اس طرح اس لیے کیا گیا تا کہ آپ کو علم ہو سکے کہ اس طرح آپ کے لیے ہی کیا گیا ہے۔ نیز رب تعالیٰ نے آپ کو بتانا چاہا کہ آپ اہل آسمان میں معروف ہیں۔ حضرت جبرائیل سے جب پوچھا گیا ”کون؟“ تو انہوں نے ”جبرائیل“ کہا اپنا نام لیا تا کہ کسی اور کے ساتھ التباس لازم نہ آئے۔ انہیں انتظار نہ کرنا پڑے کیونکہ وہ نیچے اترتے رہتے تھے اوپر چڑھتے رہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے اسم گرامی کو مقدم کیا۔ کیونکہ وہ حضور اکرم ﷺ کو لانے کے لیے قاصد بن کر گئے تھے۔ فرشتے کے جواب مرحبا سے ابن دجیہ اور ابن منیر نے یہ استنباط کیا ہے کہ سلام کا جواب اس لفظ کے علاوہ کسی اور لفظ سے دینا جائز ہے۔ لیکن ان کی گرفت یوں کی گئی ہے کہ فرشتے کا قول ”مرحبا“ سلام کا جواب نہیں ہے کیونکہ اس نے دروازے کھولنے سے قبل آپ کو خوش آمدید کہا تھا۔ ابن ابی حمرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ جب بھی کسی نبی کے پاس سے گزرے تو حضرت جبرائیل نے کہا: ”آپ انہیں سلام کریں۔“ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔

اذن طلب کرنے والے سے اگر کہا جائے کہ وہ اپنا نام بتائے تو لازمی ہے کہ وہ محمد شامی کہے۔ صرف محمد پہ اکتفاء نہ کرے۔ کیونکہ محمد نامی افراد بہت سے ہوتے ہیں۔ اس سے اشتباہ لازم آتا ہے نہ ہی ”انا“ ”میں“ کہے۔ بلکہ اپنا نام لے کیونکہ حضرت جبرائیل نے ”میں“ نہیں کہا تھا بلکہ جبرائیل کہا تھا۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ سے ایک شخص نے اجازت طلب کی آپ نے پوچھا: ”کون؟“ جواب آیا: ”میں۔“ آپ نے اس کا انکار فرماتے ہوئے فرمایا: ”انا انا“ کیا ہوتا ہے۔ آپ نے دو وجہوں سے اس لفظ کا انکار فرمایا۔ (۱) اس میں عظمت کا احساس ہے۔ سب سے پہلے یہ لفظ شیطان نے استعمال کیا تو وہ مردود ہو گیا۔ اس نے کہا:

أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ، خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿۱۲﴾ (الاعراف: ۱۲)

ترجمہ: ”میں اس سے بہتر ہوں تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔“

فرعون نے بھی کہا تھا:

أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَى ﴿۲۳﴾ (النازعات: ۲۳)

ترجمہ: ”میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔“

نیز یہ مبہم ہے کہ ضمیر کس طرف راجع ہو یہ بیان ناکافی ہے۔ جب ضمیر کا مضمحل متعین ہو تو سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اجازت طلب کرنے والا اس سے پردہ میں ہوتا ہے جس سے اجازت طلب کر رہا ہوتا ہے اس کے لیے متعین نہیں ہوتا گویا کہ اس نے اسے جاہل رکھ کر ذلیل کیا ہے۔



غازن کا قول ”کیا انہیں پیغام دے کر بھیجا گیا ہے؟ یہ دراصل یوں عبارت تھی: ”أَوْ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ“ علماء نے کہا ہے کہ اس بعثت سے مراد رسالت نہیں ہے۔ آپ ملکوت اعلیٰ میں معروف تھے۔ بلکہ اس سے مراد معراج کے لیے بلانا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس نعمت الہیہ پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے یا خوش ہوتے ہوئے اس طرح کہا تھا۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ کوئی بشر اذن الہی کے بغیر اس قدر رفعت پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ حضرت جبرائیل اسے لے کر نہیں جاتے جس کے لیے انہیں نہ بھیجا گیا ہو۔ غازن نے کہا: ”آپ کے ہمراہ کون ہے؟“ اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ حازن کو علم ہو گیا تھا کہ ان کے ساتھ کوئی ہستی ہے ورنہ سوال اس طرح ہوتا ”کیا آپ کے ہمراہ کوئی ہے؟ یہ علم یا تو مشاہدہ سے ہوا تھا کیونکہ آسمان شفاف ہیں۔ یا امر معنوی کی وجہ سے تھا یعنی انوار زیادہ ہو گئے تھے۔ لہذا لازم تھا کہ حضرت جبرائیل کو اذن دیا جاتا اور دروازہ کھول دیا جاتا۔ غازن نے اتنا انتظار نہ کیا کہ اس پر دروازہ کھولنے کے لیے وحی کی جائے کیونکہ اس کے لیے لازم تھا کہ جب آپ کو سیر کے لیے بلایا گیا ہے تو دروازہ فوراً کھول دیا جائے۔ غازن نے کہا ”مرحبا“ اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر ماتحتوں کو علم ہو جائے کہ ان کا سردار اور آقا کسی کی عورت کرنا چاہتا ہے تو ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اسے اس کی بشارت دے دیں۔ اگرچہ اس نے انہیں اس کا اذن نہ بھی دیا ہو۔ نہ ہی اس طرح راز افشاء ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ غازن خوب جانتا تھا کہ آپ کو عورت و اکرام کے لیے بلایا گیا ہے۔ اس نے آپ کو جلدی بشارت دی۔ سچی فراست سے اسی طرح علم حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ یہ اپنے اہل اور محل میں ہو جیسے اسے وحی سے علم حاصل ہوتا ہے۔

غازن نے آپ کو غائب کے صیغہ سے مخاطب کیا۔ آپ کو مخاطب کے صیغہ سے مرحبا نہ کہا۔ کیونکہ اس نے دروازہ کھولنے سے قبل آپ کو مرحبا کہا تھا۔ حضور ﷺ کے مخاطب کرنے سے پہلے کہا تھا۔ اس لیے اس نے حضرت جبرائیل سے کہا تھا ”آپ کے ہمراہ کون ہے؟“ انہیں خطاب کے صیغہ سے مخاطب کیا۔ کیونکہ انہوں نے فرشتے کو خطاب کیا تھا۔ جانہیں سے مخاطب کی وجہ سے غیب کا حکم اٹھ گیا تھا۔ شاید اس نے آپ کو خطاب کے صیغہ کے بغیر آپ کی تعظیم کرتے ہوئے آپ کو خطاب کیا ہو۔ غائب کی ہاں بعض اوقات خطاب کے کاف سے زیادہ تعظیم کا اظہار کرتی ہے۔

حضرت جبرائیل سے جب پوچھا گیا: ”آپ کے ہمراہ کون ہے؟“ تو انہوں نے جواب دیا: ”(جان عالم، راحت جاں) محمد ﷺ۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ اسم کنیت سے زیادہ مقام رکھتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کا نام لیا تھا۔ کنیت نہیں کہی تھی۔ کیونکہ حضور ﷺ علوی اور سفلی سارے عالمین میں معروف تھے۔ اگر کنیت اسم سے زیادہ معزز ہوتی تو حضرت جبرائیل آپ کی کنیت سے بتاتے۔

ملائکہ نے کہا: ”و قد ارسل الیہ“ اس کے استفہام کے بارے ابن ابی حمرہ لکھتے ہیں۔ ”عالم علوی آپ کی رسالت اور عظمت سے آگاہ تھے۔ کیونکہ رسالت کے وقت کے بارے سوال کیا۔ رسالت کے بارے سوال نہیں کیا۔ اسی لیے انہوں نے یہ جواب دیا: ”خوش آمدید! آنے والے کتنی شان کے مالک ہیں۔“ ان کا اس طرح کہنا یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ فرشتے آپ کی شانِ جلالت اور عظیم رفعت سے آشنا تھے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کو حسن خطاب سے مخاطب کیا تھا۔ علماء کرام نے رب تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں لکھا ہے۔

لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴿۱۸﴾ (النجم: ۱۸)

ترجمہ: ”یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“

آپ نے ملکوت میں اپنی مبارک صورت (سراپا) دیکھا تھا۔ وہ عالمین کا دلہا تھی۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: ”یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔“ یقیناً آپ کا یہ سوال حضرت آدم علیہ السلام کے مرحبا کہنے کے بعد میں ہوگا۔ حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت اس کے برعکس ہے۔ وہی قابل اعتماد ہے۔ اسے اسی پر محمول کیا جائے گا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ترتیب نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کو یوں استقبال کیا تھا ”مرحبا بالابن الصالح“ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ انہیں حضور اکرم ﷺ کے باپ ہونے پر فخر تھا۔ بنو آدم کی ارواح آپ پر پیش کی جاتی ہیں۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ اہل جنت اور اہل نار کی ارواح آسمان میں ہیں۔ قاضی نے اسے مشکل کہا ہے۔ کیونکہ احادیث میں ہے کہ مؤمنین کی ارواح جنت میں نعمتوں سے شاد کام ہوتی ہیں جبکہ کفار کی سبب میں ہوتی ہیں۔ وہ آسمان میں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ بعض اوقات یہ ارواح پیش کی جاتی ہوں۔ حضور اکرم ﷺ اس وقت گزرے ہوں جب یہ ارواح پیش کی جا رہی ہوں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ظاہر کرتا ہے کہ انہیں کسی وقت (صبح و شام) آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (مومن: ۴۶)

ترجمہ: ”دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام۔“

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کفار کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے جیسے کہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ احتمال ہے کہ جنت حضرت آدم کے دائیں طرف اور آگ بائیں طرف ہو دونوں طرف سے ان کے لیے عیاں کر دیا جاتا ہو۔“

الحافظ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ نظر آنے والی ارواح ابھی تک اجسام میں داخل نہ ہوئی ہوں۔ انہیں اجسام سے قبل تخلیق کر دیا گیا ہو۔ ان کا ٹھکانہ حضرت آدم کے دائیں اور بائیں طرف ہو۔ انہیں بتایا گیا کہ عنقریب ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ اس لیے جب وہ اپنی دائیں طرف دیکھتے تو خوش ہو جاتے جب بائیں طرف دیکھتے تو غمزدہ ہو جاتے۔ ارواح جو اجسام میں ہیں۔ وہ قطعاً مراد نہیں ہیں۔ نہ ہی وہ مراد ہیں جو اجسام سے جنت یا دوزخ کی طرف منتقل ہو چکی ہیں۔ یہ مراد بھی ختم ہو گئی۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ ان سے عام مخصوص ارواح ہیں۔ یا ان سے خصوصاً ارواح مراد لی گئی ہیں۔

الفتح میں معراج کے باب میں ہے: ”اب میرے لیے ایک اور احتمال عیاں ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ارواح ہیں جو جسموں سے نکل چکی ہیں۔ وہ مستقر نہیں ہیں۔ آسمان دنیا میں حضرت آدم کا انہیں دیکھنا اس کو لازم نہیں کرتا کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہوں اور وہ اس میں داخل ہوتی ہوں۔ ابن اسحاق کی یہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔“ میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس تھا۔ ان پر ان کی مؤمن اولاد کی ارواح پیش کی جا رہی تھیں۔ وہ کہہ رہے تھے ”یہ پاکیزہ روح اور پاکیزہ نفس ہے۔ اسے علیین میں رکھ دو۔“ پھر ان فاجروں کی ارواح پیش کی گئیں۔ انہوں نے کہا: ”یہ خبیث روح اور خبیث نفس ہے۔ اسے سجین میں رکھ دو۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ”ان کے دائیں طرف ایک دروازہ تھا جس سے عمدہ خوشبو آرہی تھی۔ ان کے بائیں طرف ایک دروازہ تھا جس سے خبیث بو آرہی تھی۔“ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کو اپنا لینا سب سے بہتر ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے لہذا اسے متقدم پر لازم نہیں کیا جاسکتا۔“

امام سہلی نے لکھا ہے ”اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے اپنے دائیں طرف اصحاب یمن کو کیسے دیکھ لیا مالا اس وقت ان کی تعداد قلیل تھی۔ شاید اس رات ان میں سے ایک بھی نہ مرا ہو۔ حالانکہ حدیث پاک کا ظاہر تقاضا ہے کہ وہ پوری جماعت تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ سیر دل کی آنکھ کے ساتھ تھی تو اس تناویل یہ ہے کہ عنقریب ایسا ہوگا۔ اگر آنکھ کے مشاہدہ سے سیر ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اہل ایمان

ارواح کو وہاں دیکھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی نیند کی وجہ سے اس پر موت طاری کر دیتا ہے۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ

عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ (الزمر: ۴۲)

”اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی رو میں) ”

حالت نیند میں پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے

دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک۔“

وہ ارواح اوپر چلی گئیں تھیں پھر اپنے اجسام میں واپس آگئیں۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے ”اگر کہا جائے کہ یہ کیسے ہو سکتا

ہے کہ سارے سعادت مندوں کی ارواح آسمانوں میں ہوں۔ حالانکہ اس وقت کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا میں موجود

تھے۔ وہ سب سعادت مند تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں زمین میں ان کے مقامات پر

دیکھ لیا تھا۔ لیکن انہیں اپنی دائیں سمت میں دیکھا۔ تقييد نظر کے لیے ہے۔ منظور کے لیے نہیں۔

حضرت جبرائیل امین نے کہا: ”یہ آپ کے باپ ہیں آپ انہیں سلام کریں۔ اس کا تقاضا یہ ہے آنے والا مقیم کو

پہلے سلام کرے۔“

شریک کی روایت ہے کہ آپ نے آسمان دنیا میں دو رواں نہریں دیکھیں۔ یعنی نیل اور فرات۔ ان کی اصل ایک

تھی۔ حضرت مالک بن معصوم کی روایت میں اس کی مخالفت ہے وہاں سدرة المنتہی کے ذکر کے بعد ہے کہ اس

کی اصل سے چار نہریں نکل رہی تھیں۔“ ان میں نیل اور فرات کا تذکرہ کیا۔ ان روایات کو اس طرح جمع کیا جاسکتا

ہے کہ ان نہروں کا منبع سدرة المنتہی کے نیچے ہے۔ ان کا مقر آسمان دنیا ہے وہ وہاں سے نیچے زمین پر نازل ہوتی

ہیں۔

شریک کی روایت میں ہے ”پھر حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان دنیا پر تشریف لے گئے آپ نے وہاں ایک اور نہر

ملاحظہ کی۔ وہاں موتی اور زبرجد کے محلات تھے۔ آپ نے اس میں دست اقدس مارا اس کی مٹی مشک اذفر کی تھی۔

آپ نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ وہ کوثر ہے جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔“

شریک کی روایت میں یہ اشکال ہے۔ کوثر جنت میں ہے جبکہ جنت ساتویں آسمان پر ہے۔ امام احمد نے

حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں ایک نہر تھی۔ جس کے دونوں

کناروں پر موتیوں کے خمبے تھے۔ میں نے پانی کے نیچے ہاتھ مارا تو اس کی یہ مشک اذفر کی تھی۔ حضرت جبرائیل

امین نے عرض کی: ”یہ وہ کوثر ہے جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔“ اس روایت کی اصل بخاری میں ہے انہوں نے اسے اپنی تفسیر میں حضرت انس سے روایت کیا ہے لیکن اس میں جنت کا ذکر نہیں ہے۔ ابو داؤد نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سیاح لامکان ﷺ کو سیر کرائی گئی تو جنت میں آپ کو ایک نہر دکھائی گئی۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ شاید کچھ عبارت مخدوف ہو۔ وہ یوں ہو ”پھر آپ آسمان دنیا سے سیر کرتے کرتے ساتویں آسمان تک جا پہنچے۔ وہاں ایک نہر ملاحظہ کی۔“ ان کے شاگرد حافظ قطب الدین الخیضری نے الخصاص میں لکھا ہے ”یہ بعید ہے کیونکہ پہلے آسمان اور ساتویں آسمان کے مابین دوسرے پانچ آسمان بھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے اوصاف دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ ان کے دروازے جداگانہ ہیں۔ ان کے خدام جداگانہ ہیں۔ لیکن یوں کہا جاسکتا ہے کہ نہر کوثر کی اصل جنت میں ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کی ایک شاخ کو آسمان دنیا میں رواں کر دیا تاکہ حضور اکرم ﷺ اسے جلدی دیکھ کر مسرور ہوں۔ کیونکہ یہ مراتب علویہ میں سے پہلا مرتبہ ہے۔ حضرت جبرائیل کی یہ عرض بھی اسی کی تائید کرتی ہے ”یہ آپ کے رب نے آپ کو عطا کی ہے۔“

حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کا یون استقبال کیا ”صالح فرزند اور صالح نبی کو خوش آمدید! یہ آپ کی بہت خوبصورت تعریف ہے۔ صلاح کا دو بار تذکرہ نبوت کے ساتھ کیا۔ یعنی سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے ہمراہ آپ صالح ہیں۔ اس میں صلاح کی فضیلت اور اس کے بلند منصب کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کا اس کے ساتھ وصف بیان کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انبیاء کرام کی صلاح خاص صلاح ہوتی ہے جو صالحین کی عمومیت کو شامل نہیں ہوتی۔ بہت سارے انبیاء نے یہ تمنا کی ہے کہ وہ انہیں صالحین کے زمرہ میں شامل کر دے۔ اعلیٰ ادنیٰ کے زمرہ میں آنے کی تمنا نہیں کرتا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ امم کے صالحین کی صلاح سے نبوت اعلیٰ مقام ہے۔ لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صلاح جس کی نسبت انبیاء کی طرف کی جاتی ہے وہ اس صلاح سے علیحدہ ہے جس کی نسبت امم کی طرف کی جاتی ہے۔ انبیاء کی صلاح کامل صلاح ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے سارے فساد ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے مکمل صلاح ہوتی ہے۔ ان سے کم مرتبہ لوگوں میں درجہ بہ درجہ صلاح ہوتی ہے۔ اس سے جس قدر فساد زائل ہوگا۔ اسی قدر صلاح کے لفظ کا اس پر اطلاق ہوگا۔ انبیاء کرام نے آپ کا وصف صلاح کا تذکرہ کیا کیونکہ یہ خیر کی ساری خصلتوں کو شامل ہے۔ اسی لیے ہر نبی نے آپ کو اسی وصف سے یاد کیا۔ صالح وہ ہوتا ہے جو رب تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کو پورا کرتا ہے یہ ایک ایسا جامع مانع کلمہ ہے جو سارے اچھے خصائل کو شامل ہے اسی لیے کسی نے آپ کو نبی صادق یا نبی امین کے ساتھ یاد نہیں کیا۔

آپ نے سو د خوروں کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے پیٹ پھولے ہوئے تھے یہ سزا گناہ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ سو د خور اپنا پیٹ اسی طرح بڑھاتا ہے جس طرح وہ حرام امور سے اپنا پیسہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اس کے مال سے برکت اٹھادی جاتی ہے۔ اس کے پیٹ میں ہوا بھردی جاتی ہے وہ اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔

كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَيْمَنِ ۗ (البقرة: ۲۷۵)

ترجمہ: ”جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر۔“

انہیں آل فرعون کے رستہ میں اس لیے رکھا گیا وہ ان پر سے صبح و شام گزرتے ہیں کیونکہ دیگر کفار کی نسبت انہیں سخت عذاب ہو رہا ہے۔ وہ ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کے جہنم کے رستے میں ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس حیثیت سے کفار ان پر سے گزرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں اس امر کے مابین رکھا ہے کہ وہ رک جائیں تو ان کے لیے بہتر ہو یا وہ زیادہ اصرار کریں اور انہیں جہنم کے سپرد کر دے۔ یہ اس شخص کی صفت ہے جو آگ کے رستہ میں ہوگا۔ ارشادِ باری ہے:

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ۗ وَأَمْرًا إِلَىٰ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۷۵﴾ (البقرة: ۲۷۵)

ترجمہ: ”پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے تو وہ (سو د سے) رک گیا تو جائز ہے اس کے لیے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جو شخص پھر سو د کھانے لگے تو وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ان کے پیٹ دیکھے جو گھروں کی طرح تھے جن میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔

اگر یوں کہا جائے کہ سو د خوروں کے یہ احوال جن کا تذکرہ آپ نے کیا ہے اگر انہیں ان کے آخرت کے احوال سے تعبیر کیا جائے تو آل فرعون کو تو شدید عذاب میں داخل کر دیا گیا ہے۔ برزخ میں صبح و شام انہیں آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر حالت وہی ہو جس پر آپ نے انہیں دیکھا ہے تو ان کے پیٹ کون سے تھے؟ حالانکہ وہ صرف بڑیاں رو گئے ہیں وہ بوسیدہ ہو چکے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے انہیں برزخ میں دیکھا۔ یہ ان کی ارواح کی حالت تھی۔ اس میں اس شخص کے موقف کی تصحیح ہے جو کہتا ہے کہ ارواح لطیف اجسام ہیں جو نعمتوں اور عذاب کے قابل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح میں ایسے آلام اور درد پیدا کر دیے ہیں جو پیٹ پھولنے سے

ہوتا ہے حتیٰ کہ انہیں قدموں سے روندھا جاتا ہے وہ کھڑے ہونے پر قادر نہیں ہیں۔ اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ انہیں آل فرعون سے شدید عذاب دیا جاتا ہے۔ البتہ اس میں یہ دلیل ہے کہ انہیں آل فرعون وہ کفار روندھتے ہیں جو سو دخور نہیں تھے۔ وہ برزخ میں اسی طرح رہیں گے۔ حتیٰ کہ وہ روز حشر جب اٹھیں گے تو اس طرح ہوں گے جس طرح شیطان نے چھو کر انہیں مجنوب الحواس کر دیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کا منادی یہ اعلان کرے گا۔

أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ (غافر: ۴۶)

ترجمہ: ”داخل کر دو فرعونوں کو سخت تر عذاب میں۔“

اسی طرح آپ نے ان عورتوں کو دیکھا جو پستانوں کے بل لٹکائی گئی تھیں یہ روا ہے کہ آپ نے ان کی ارواح کو دیکھا ہو۔ ان میں ایسے درد پیدا کر دیے گئے ہوں جو اس حالت سے پیدا ہوتے ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے ان کی آخرت کے حالات کو مثالی شکل میں پیش کیا گیا ہو۔

آپ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو جو تھے آسمان پر دیکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ (مریم: ۵۷)

ترجمہ: ”اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک۔“

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ ان سے بلند تر تھے۔ حضرت کعب سے روایت لی گئی کہ حضرت ادریس کو یہ خصوصیت دی گئی ہے کہ انہیں انکے وصال سے قبل جو تھے آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ وہ فرشتہ انہیں اٹھا کر لے گیا تھا جو ان کا دوست تھا۔ وہ فرشتہ سورج کانگر ان تھا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے انہیں کہا کہ وہ انہیں جنت کی سیر کرائیں۔ رب تعالیٰ نے اسے یہ اذن دے دیا۔ جو تھے آسمان پر انہوں نے موت کا فرشتہ دیکھا جسے دیکھ کر انہیں تعجب ہوا۔ اس نے کہا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ابھی حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر لوں۔“ انہیں زندہ ہی اس بلند مقام تک لے جایا گیا جو ان کے ساتھ مختص تھا۔ یہ ان کی خصوصیت ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا یہ رونا حسد کی وجہ سے نہیں تھا۔ اس عالم میں کسی ایک عام مومن کے بارے حسد کا تصور نہیں کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ کے چیدہ چیدہ لوگوں کے بارے یہ تصور کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ ان کا یہ گریہ اس اجر کی وجہ سے تھا جو ان کی امت کے اجر کی وجہ سے کم تھا۔ کیونکہ ان کی امت نے بہت سے ایسے اعمال کیے تھے جن کی وجہ سے ان کا اجر کم ہو گیا تھا۔ کیونکہ ہر نبی کو اس کے متبعین کا اجر بھی دیا جائے گا۔ ان کے پیرو کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کاروں سے کم تھے۔ اگرچہ ان کی عمریں اس امت کی عمروں سے قلیل تھیں۔ ابن ابی

حجرۃ نے لکھا ہے ”اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام ﷺ کے دلوں میں ان کی امتوں کے بارے رحم ڈال دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ گریہ بارہ ہوتے۔ آپ سے اس گریہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”یہ رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والوں بندوں پر رحم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو اس کی رحمت سے وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔ ان کے دلوں میں بندگانِ خدا کے لیے کثیر رحمت ہوتی ہے۔ اس لطف اور رحمت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے تھے۔ یہ امت پر رحم کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ یہ فضل اور جود و کرم کا وقت تھا۔ انہوں نے امید کی کہ شاید قبولیت کے اس وقت کے طفیل رب تعالیٰ ان کی امت پر رحم کرے۔“

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کی امت دو حصوں میں منقسم ہے: (۱) وہ قسم جو ایمان پر مری ہے (۲) وہ امت جو کفر پر مری تھی۔ جو ایمان پر مری تھے وہ لازماً جنتی تھے۔ جو کفر پر مری تھے جنت ان کے لیے حرام تھی۔ جو وجہ تم نے ذکر کی ہے اس کی وجہ سے ان کا رونا درست نہیں۔ کیونکہ ان کے بارے حکم گزر چکا ہے۔ وہ نافذ ہو چکا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے رب تعالیٰ نے انہیں اسی طرح دو حصوں میں منقسم کیا ہے جیسے کہ اس کی حکمت کا منشاء تھا ایک ایسی تقدیر تھی جو ہر حال میں نافذ ہو چکی تھی۔ دوسری تقدیر کا نفاذ نہیں ہوا تھا۔ جو کسی کی دعایا صدقہ کے سبب نافذ ہونا تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے تین دعائیں مانگیں۔ وہ یہ دعائیں ہیں۔ (۱) اُن کا دشمن ان پر غالب نہ ہو۔ (۲) وہ انہیں قحط سالی سے ہلاک نہ کرے۔ یہ دونوں دعائیں قبول ہو گئیں۔ آپ نے تیسری دعایہ مانگی کہ وہ ان کے مابین باہم خونریزی نہ کرے۔ یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ آپ سے کہا گیا ”یہ امر ایسا ہے جس کا نفاذ ہو چکا ہے۔“ پہلی دو دعائیں ایسی تھیں جن کا نفاذ آپ کی دعا کے طفیل ہونا تھا۔ جبکہ تیسری دعا کا نفاذ ہر حال میں ہونا تھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اپنی امت پر بڑے شفیع اور لطیف تھے۔ انہوں نے سوچا کہ شاید رب تعالیٰ اس وقت دعا اور آہ زاری کے صدقہ ان کی امت کے مقدر کو تبدیل کر دے۔ کیونکہ وہ وقت لطف و احسان کا وقت تھا۔ کیونکہ یہ اس کے حبیب مکرم ﷺ کی سیر کا وقت تھا۔ تاکہ وہ انہیں قرب اور فضل عظیم کی خلعتیں زیب تن کرے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے سوچا کہ شاید ان کی امت کو بھی اس وقت کچھ حصہ مل جائے۔

اس کی ایک اور وجہ بھی بیان کی جاتی ہے وہ یہ کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کو دیکھ کر مسرور ہوئے۔ جب حضور اکرم ﷺ آگے بڑھے تو وہ رونے لگے۔ اس وقت حضور ﷺ قریب ہی تھے۔ تاکہ آپ یہ سماعت فرما لیں۔ اگر اس گریہ کا تعلق صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوتا تو وہ اس وقت روتے جب حضور اکرم ﷺ ان سے دور چلے جاتے کیونکہ ان کا رونا اور آپ کے سماعت فرمانے میں ان کے لیے آسانی تھی۔ کیونکہ اس سے اس

بشارت کو عیاں کرنا تھا جو ان کے رونے اور حضور اکرم ﷺ کے سماعت کرنے میں تھی۔ وہ بشارت حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: "حضور ﷺ کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی۔" نماز کے بارے بھی اس امت کے حق میں اس رعایت کا ظہور ہوا جو کسی اور سے نہ ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ "جب میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا تو وہ مجھ پر بڑے شدید تھے۔ جب میں ان کے پاس آیا تو وہ میری امت کے لیے بہت بہتر ثابت ہوئے۔" حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں واپس آیا میں موسیٰ کے پاس سے گزرا۔ وہ تمہارے لیے بہترین ساتھی ثابت ہوئے۔"

حضرت موسیٰ ﷺ کا یہ فرمان کہ ایک لڑکا..... از روئے تنقیص نہ تھا۔ بلکہ یہ رب تعالیٰ کے عظیم کرم اور قدرت کا اظہار تھا۔ کیونکہ اس عمر میں حضور ﷺ کو وہ کچھ عطا کیا گیا جو آپ سے قبل کسی نبی کو بھی عطا نہیں کیا گیا تھا جس کی عمر آپ کی مبارک عمر سے زیادہ تھی۔ علامہ خطاب نے لکھا ہے "آدمی کو اس وقت غلام کہا جاتا ہے جب بڑھاپے کے باوجود قوت پائی جائے۔" ابن جریر نے لکھا ہے "اہل عرب آدمی کو اس وقت غلام کہتے تھے جب وہ ان میں سردار ہوتا تھا۔ لہذا اس لفظ میں افضلیت کے دیگر الفاظ سے زیادہ اختصاص پایا جاتا ہے لہذا حضرت موسیٰ نے آپ کے لیے یہی لفظ استعمال کیا۔ الحافظ نے لکھا ہے "ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کلیم اللہ ﷺ نے اس نعمت کی طرف اشارہ کیا تھا جو آپ کی عمر مبارک زیادہ ہونے کے باوجود آپ میں رہی۔ آپ کے جسد اطہر میں بڑھاپا داخل نہ ہوا۔ نہ ہی قوت میں کمی واقع ہوئی۔ حتیٰ کہ جب ہجرت کے وقت اہل مدینہ نے آپ کو دیکھا تو آپ کو جو ان اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو بوڑھا کہا۔ حالانکہ آپ کی عمر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر سے زیادہ تھی۔"

حضرت کلیم اللہ ﷺ نے کہا: "میرا گمان نہیں تھا کہ رب تعالیٰ نے کسی اور کو مجھ سے بلند مرتبت کیا ہوگا۔" اس کے بارے ابن بطال نے لکھا ہے "حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ نے یہ اس لیے سمجھا تھا کیونکہ رب تعالیٰ نے دنیا میں ان کے ساتھ کلام فرمایا تھا۔" ارشاد فرمایا:

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي ۗ (اعراف: ۱۴۴)

ترجمہ: "میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے۔"

اس جگہ "الناس" سے مراد سارے انسان ہیں۔ وہ اس وجہ سے مستحق تھے کہ کسی کو ان سے بلند مرتبہ نہ دیا جاتا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو مقام محمود عطا کیا تو آپ حضرت کلیم سے بلند مرتبہ ہو گئے۔

ابن ابی جبرہ نے لکھا ہے "ظاہر ہے کہ وہ ذات جس نے حضرت موسیٰ سے پوچھا تھا "اہکاک" رب تعالیٰ کی ذات

تھی۔ حضرت کلیم اللہ ﷺ کا جواب اسی پر دلالت کرتا ہے۔ انہوں نے عرض کی: ”مولا! اس ہستی کو تو نے میرے بعد بھیجا ہے میری امت سے زیادہ ان کی امت جنت میں داخل ہوگی۔“

اکثر روایات میں ہے کہ حضرت کلیم اللہ ﷺ ساتویں آسمان پر تھے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے مطابقت رکھتا ہے۔
إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي ۖ (اعراف: ۱۴۴)

ترجمہ: ”میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے۔“

یہ اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ حضرت شریک نے کہا ہے کہ حضرت کلیم اللہ ﷺ سے آپ کی ملاقات ساتویں آسمان پر ہوئی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ان کی موافقت کرتی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”آپ نے آسمانوں میں حضرت آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کی۔ انہوں نے ان کی ملاقات کی جگہ کا تعین نہیں کیا۔ سوائے انہوں نے فرمایا کہ حضرت آدم نے آپ سے آسمان دنیا پر اور حضرت ابراہیم سے چھٹے آسمان پر ملاقات کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ ملاقات متعدد بار ہوئی تھی تو پھر تو کوئی اشکال نہیں۔ اگر یہ موقف اختیار نہ کیا جائے تو پھر ان روایات کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ حضرت موسیٰ حالت عروج میں چھٹے آسمان پر تھے اور حضرت ابراہیم ساتویں آسمان پر تھے۔ جبکہ واپسی پر حضرت کلیم اللہ ساتویں آسمان پر تھے کیونکہ اس طرح کی کوئی روایت نہیں جس میں تذکرہ ہو کہ حضرت خلیل اللہ ﷺ نے آپ سے اس طرح نماز کے بارے گفتگو کی ہو جس طرح حضرت کلیم اللہ ﷺ نے گفتگو کی تھی۔ واپسی پر آپ سب سے پہلے ساتویں آسمان پر آئے۔ اس آسمان پر ہی حضرت کلیم اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے حضرت کلیم اللہ سے چھٹے آسمان پر ملاقات کی ہو۔ پھر آپ کے ساتھ انہیں ساتویں آسمان پر لے جایا گیا ہو۔ کیونکہ وہ کلام الہی سے مشرف ہو چکے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے امت مرحومہ کی نماز کے بارے آپ سے گفتگو کر لی۔

حضرت شریک نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہر آسمان پر آپ کی ملاقات کسی نہ کسی نبی سے ہوئی۔ حضرت انس نے سب کے نام لیے تھے مگر مجھے صرف یہ یاد رہا کہ دوسرے آسمان پر حضرت ادریس سے اور چوتھے آسمان پر حضرت ہارون سے، پانچویں آسمان پر نہ جانے کس سے جبکہ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ ﷺ اور ساتویں آسمان پر حضرت خلیل اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت انس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”تذکرہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے آسمانوں میں حضرات آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کی۔“ لیکن انہوں نے ان کے مقامات کو ثابت نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ حضرت آدم کو

آسمان دنیا پر پایا حضرت ابراہیم سے چھٹے آسمان پر ملاقات کی۔ یہ روایت شریک کی روایت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ لیکن یہ دونوں اس روایت کی مخالفت کرتے ہیں جو قتادہ نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضرت ابن معصہ سے روایت کی ہے۔ اکثر نے ان کی موافقت کی ہے۔ سیاق بھی ان کی روایت کے رجحان پر دلالت کرتا ہے۔ انہوں نے ہر اس نبی اور اس کے مقام کا نام لیا جس نے آپ سے ملاقات کی۔ حضرت ثابت نے حضرت انس سے اسی طرح روایت کی ہے۔ امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”پھر مجھے اوپر لے جایا گیا۔ حتیٰ کہ دوسرا آسمان آگیا۔ وہاں حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام موجود تھے۔ یہ دونوں خالہ زاد تھے۔ انہوں نے تذکرہ کیا کہ آپ نے تیسرے آسمان پر حضرت یوسف سے، چوتھے پر حضرت ادریس سے، پانچویں پر حضرت ہارون سے۔ چھٹے پر حضرت موسیٰ سے اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ لیکن حضرت انس نے حضرت ابو ذر سے روایت کیا ہے۔ لیکن انہوں نے ان کے نام نہیں لیے۔ شریک کی روایت میں ان کے مقامات کا تعین نہیں بلاشبہ جنہوں نے اسماء اور مقامات کا تذکرہ کیا ہے ان کی روایت بہتر ہے۔ حضرت قتادہ اور حضرت ثابت کی روایت میں اتفاق بھی ہے۔

یزید بن ابی مالک نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ البتہ انہوں نے حضرات ادریس اور ہارون علیہما السلام کے بارے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا: ”حضرت ہارون چوتھے جبکہ حضرت ادریس نے پانچویں آسمان پر ملاقات کی۔ حضرت ابوسعید خدری نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن انہوں نے کہا ہے: ”آپ نے حضرت یوسف کو دوسرے آسمان پر اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کو تیسرے آسمان پر دیکھا۔ پہلا قول زیادہ بہتر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے ارجح روایت ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر تھے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کہ آپ نے انہیں دیکھا کہ وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تھے۔ بیت المعمور ساتویں آسمان پر ہی ہے۔ جو روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بیت المعمور چھٹے آسمان پر شجرۃ طوبیٰ کے پاس ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو اسے اس بیت المعمور پر محمول کیا جائے گا۔ جو چھٹے آسمان پر شجرۃ طوبیٰ کے پاس ہے کیونکہ آپ سے روایت ہے کہ ہر آسمان پر ایک بیت اللہ ہے جو عین خانہ کعبہ کے اوپر ہے۔ ہر بیت اللہ فرشتوں سے بھرا رہتا ہے۔ حضرت زبج بن انس سے روایت ہے کہ بیت المعمور آسمان پر ہے۔

متکلمین نے ان انبیاء اور ان کے مقامات کے بارے گفتگو کی ہے جنہوں نے مختلف آسمانوں پر آپ سے ملاقات کی۔ بعض علماء نے اس پر بالکل گفتگو نہیں کی۔ بعض نے ان کے بارے گفتگو کی ہے۔ پھر انہوں نے باہم اختلاف

کیا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ جن انبیاء کرام کا ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے ملاقات کی ان کا تذکرہ لوگوں کے عرف کے مطابق کیا گیا ہے۔ جب وہ کسی آنے والے کا استقبال کریں اور جلدی جلدی اس کی ملاقات کے لیے جائیں۔ یقیناً ان میں سے بعض دوسروں پر سبقت لے جائیں گے۔ بعض نے آپ سے ملاقات کر لی اور بعض نے ملاقات نہ کی۔ ابن بطال کا یہی رجحان ہے۔ امام سہیلی نے ان کا یہ موقف باطل قرار دیا ہے۔ ابن بطال کے علاوہ دیگر علماء نے لکھا ہے کہ یہ ان خاص حالات پر تنبیہ ہے جو ان انبیاء کرام کے ساتھ مختص ہیں۔ ایسے حالات کا عنقریب آپ کو بھی سامنا کرنا پڑے گا جیسے کہ رب تعالیٰ نے ان کا تذکرہ کلام مقدس میں کیا ہے۔ حضور ﷺ عمدہ فال کو پسند کرتے تھے۔ نیند میں خواب کی مثال عالم بیداری میں فال کی طرح ہے۔ اہل تعبیر کہتے ہیں کہ جس نے خواب میں کسی نبی کی زیارت کی تو اس کی شدت یا نرمی یا دیگر امور میں اس کی کیفیت بالکل اسی طرح ہوگی جیسے کہ قرآن پاک اور احادیث طیبہ میں ان کا تذکرہ ہے۔

ابن ابی حمزہ نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے آسمان دنیا پر ملاقات کی۔ کیونکہ وہ اول الانبیاء اور اول آباء ہیں۔ وہ اصل ہیں۔ وہ اولیٰ میں سے اول ہیں۔ اس لیے انہوں نے نبوت کو ابوت کے ساتھ ملایا۔

امام سہیلی نے لکھا ہے: ”حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات میں یہ تنبیہ ہے انہیں جنت سے نکال کر زمین میں بھیجا گیا۔ عنقریب آپ نے بھی ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے جانا تھا۔ اس میں یہ مشقت اور کراہت مشترک ہے۔ جو ان حضرات قدسیہ کو وطن کے فراق میں برداشت کرنا پڑی۔ پھر ان میں سے ہر ایک اپنے اس وطن لوٹ آیا جس سے اسے نکالا گیا تھا۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے: ”یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں آپ ﷺ کو حضرت آدم جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ حضرت آدم نے اپنی اولاد کے ساتھ دنیا کو آباد کیا تھا۔ اسی طرح حضور پاک ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال اسلام کو ترقی دی۔ اہل اسلام کی تربیت کی۔ آپ نے انصار کے ساتھ اتحاد کیا تاکہ اس دین کے ساتھ اس ساری زمین کو آباد کریں جس کو رب تعالیٰ نے سارے ادیان پر غلبہ دینا تھا۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لیے زمین کو سمیٹ دیا گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے زمین کے مشارق اور مغارب کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ”میری امت کی سلطنت اس جگہ تک پہنچے گی جو میرے لیے سمیٹی گئی۔ یہ بشارت ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں پوری ہوئی حتیٰ کہ شرق و غرب کا خراج اس کے پاس آتا تھا۔ جب بادل چھاتا تو وہ کہتا ”جہاں چاہو برسو۔ تمہارا خراج میرے پاس ہی آئے گا۔“

آپ نے دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰؑ سے ملاقات کی۔ یہودی ان کی آزمائش بنے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی تکذیب کی۔ انہیں شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اوپر اٹھالیا۔ حضرت یحییٰ کو انہوں نے شہید کر دیا۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کا دوسری آزمائش سے گزرنایا تھا کہ آپ کو وہاں یہودیوں کے ساتھ آزمایا گیا۔ انہوں نے آپ کو اذیت دی۔ آپ پر غالب آنے کی کوشش کی۔ آپ پر پتھر گرانے کی کوشش کی تاکہ آپ کو شہید کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی طرح بچالیا جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو بچایا تھا۔ انہوں نے آپ کو بکری کے گوشت میں زہر دینے کی کوشش کی۔ وہ لقمہ آپ کو ہمیشہ اذیت دیتا رہا حتیٰ کہ تا دم وصال اس کی اذیت ہوتی رہی جیسے کہ آپ نے وصال کے وقت فرمایا تھا۔ ابن ابی حرمہ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں انبیاء حضور اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں کے قریب ہی گزرے تھے۔

ابن دجیہ نے لکھا ہے "حضرت عیسیٰؑ کی حالت یہ تھی کہ وہ بنو اسرائیل کے ساتھ مصروف جہاد رہے۔ ان کی اذیتوں، جیلوں اور مکرو فریب پر صبر کیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان کے خلاف یوں مدد مانگی۔

مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ (آل عمران: ۵۱)

ترجمہ: "کون میرے مددگار ہیں اللہ کی راہ میں۔"

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ مَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ (آل عمران: ۵۱)

ترجمہ: "(یہ سن کر) کہا حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی۔"

ہجرت کے دوسرے سال حضور اکرم ﷺ کو ایسے حالات سے گزرنا پڑا۔ اس سال آپ نے انصار کو غزوہ بدر کی طرف نکلنے کی دعوت دی۔ انہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ آپ کی نصرت کی۔ دوسرے آسمان پر آپ نے حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کی۔ یہ اس امر پر تنبیہ تھی کہ آپ کو عنقریب ان جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آپ نے تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ سے ملاقات کی۔ یہ آپ کی تیسری حالت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جو حضرت یوسفؑ کے حالات کے مشابہ ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے انہیں گھر سے نکال دیا۔ پھر وہ اپنے بھائیوں پر فتح یاب ہوئے۔ انہوں نے انہیں یہ کہہ کر معاف کر دیا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ ۚ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ﴿٩٢﴾ (یوسف: ۹۲)

ترجمہ: "انہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن معاف فرما دے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں کو) وہ سب

مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔"

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کو ان کی قوم نے وطن سے باہر نکالا۔ غزوہ فتح کے روز ان پر غلبہ پالیا اور انہیں معاف کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ”میں تمہیں اسی طرح کہتا ہوں جس طرح میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ... ابن ابی حبرہ نے لکھا ہے کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ علی صا جہا الصلوٰۃ والسلام ان کی صورت میں جنت میں داخل ہوگی۔ ابن اقرص نے لکھا ہے کہ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ رب تعالیٰ آپ کو زمین کے خزانوں کا مالک بنا دے گا۔ ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کرنے میں یہ مناسبت بھی ہے کہ ہجرت کے تیسرے سال غزوہ احد رونما ہوا۔ مسلمانوں کو اس جیسی آزمائش نہ اس سے قبل اور نہ بعد میں سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ غم اور حزن کی داستان تھی۔ اہل تعبیر کہتے ہیں: ”جس شخص نے خواب میں اپنا نام یوسف دیکھا تو اسے دکھ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ مادہ اشتقاق کی حیثیت سے ہے۔ ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کا انجام بہت عمدہ تھا۔ ان کا ہر اگلہ لمحہ پہلے لمحہ سے عمدہ تھا۔ غزوہ احد میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ حضور ﷺ شہید ہو چکے ہیں جسے سن کر مسلمانوں کو بہت زیادہ دکھ ہوا۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے مفقود ہونے پر دکھ ہوا تھا۔ حتیٰ کہ طویل مدت کے بعد انہوں نے اس کی خوشبو پائی۔ ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مکرو فریب کیا گیا۔ انہیں تار یک کنویں میں پھینک دیا گیا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی جبین اطہر پر پتھر لگا۔ حتیٰ کہ آپ پہلو کے بل آپ اس گڑھے میں گر پڑے جو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے کھودے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ حضرت طلحہ نے آپ کا سراقدس اپنی گود میں رکھا حتیٰ کہ آپ سو گئے۔

امام سہلی نے لکھا ہے ”چوتھے آسمان پر آپ کی ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ اسی جگہ کہ رب تعالیٰ نے ”مکاناً علیاً“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ذریعے لکھا۔ اس سے آپ کی چوتھی حالت سے آگہی ہوتی ہے۔ وہ آپ کی علوشان ہے۔ حتیٰ کہ بادشاہ بھی آپ سے ڈرنے لگے۔ آپ نے ان کی طرف خطوط لکھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف دعوت دی۔ حتیٰ کہ ابوسفیان نے اس وقت کہا جب وہ ہرقل کے پاس تھا۔ جب اس کے پاس آپ کا گرامی نامہ پہنچا اور اس نے ہرقل کا خوف دیکھا۔ ابن ابی کبشہ (حضور اکرم ﷺ) کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے حتیٰ کہ بنو صفر کا بادشاہ بھی اس سے ڈرنے لگا ہے۔ آپ نے قلم کے ذریعے ساری زمین کے بادشاہوں کو خطوط لکھے۔ بعض نے آپ کی اتباع کر لی جیسے نجاشی اور عمان کا بادشاہ۔ بعض نے آپ کے ساتھ صلح کر لی۔ آپ کو تحائف بھیجے جیسے ہرقل اور مقوقس۔ جس نے نافرمانی کی رب تعالیٰ

نے آپ کو اس پر غلبہ عطا فرما دیا۔ یہ بلند مرتبت مقام ہے۔ آپ نے قلم کے ساتھ اس طرح لکھا (لکھوایا) جیسے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھا تھا۔

پانچویں آسمان پر آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات کی۔ وہ اپنی قوم کے محبوب تھے۔ اس سے قریش کی اور سارے عرب کی آپ کے لیے محبت عیاں ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ پہلے آپ سے بغض رکھتے تھے۔ ابن ابی حمزہ لکھتے ہیں "حضرت ہارون علیہ السلام نے پانچویں آسمان پر آپ سے ملاقات کی۔ کیونکہ انہیں حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا قرب حاصل تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام الہی سے مشرف ہونے کی وجہ سے بلند منصب پر فائز تھے۔" ابن دجیہ نے لکھا ہے "حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم سے اذیتیں برداشت کیں۔ ان سے انتقام لیا۔ ان کی توبہ کے لیے انہیں ایک دوسرے کو قتل کرنا لازم قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کلیم اللہ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو بنو اسرائیل کے پاس چھوڑ گئے اور مناجات کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام سے اختلاف کیا۔ مختلف پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے۔ انہیں قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ انہوں نے عہد توڑا۔ وعدہ خلافی کی۔ انہیں کمزور کیا۔ ان سے بہت بڑا قصور سرزد ہو گیا۔ انہوں نے پھردے کی پوجا کی۔ رب تعالیٰ نے صرف قتل کے ساتھ ان کی توبہ قبول کی۔ ایک ساعت میں ان کے ستر ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں اس کی مثال وہ امور ہیں جن کا آپ کو بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیوں سے کرنا پڑا۔ انہوں نے عہد کو توڑا۔ مختلف پارٹیاں بنائیں۔ انہیں جمع کیا۔ لوگوں کو اکٹھا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کا اظہار کیا۔ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ اس واقعہ سے کچھ مدت قبل آپ ان کے پاس گئے تاکہ آپ دو مقتولوں کی دیت میں ان سے تعاون کے لیے کہیں۔ انہوں نے بظاہر آپ کی عزت کی۔ آپ کو دیوار کے نیچے بٹھایا۔ پھر آپ پر چکی پھینکنے کا ارادہ کیا۔ حضرت جبرائیل نازل ہوئے۔ آپ کو ان کے مکر و فریب سے آگاہ کیا جو انہوں نے ارادہ کیا تھا۔ اس وقت آپ نے ان کے ساتھ جنگ کرنے اور انہیں تیغ کرنے کا عزم کیا۔

رب تعالیٰ نے انہیں قتل کر دیا۔ بنو قریظہ کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی مالشی میں قتل کر دیا گیا۔ برے مکر نے انہیں ہی گھیر لیا۔ یہودیوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اسی طرح کمزور سمجھا جیسے غزوہ خندق میں مسلمانوں کو کمزور سمجھا۔ ساتویں آسمان پر آپ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ یہ آپ کی اس حالت کے ساتھ مشابہت ہے جب آپ نے شام پر حملہ کیا۔ جابر بادشاہوں پر غلبہ پالیا۔ بنو اسرائیل کو اس شہر میں داخل کر دیا جس سے وہ باہر نکلے تھے۔ اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پر حملہ کیا۔ صاحب دومت پر غلبہ پالیا۔ حتیٰ کہ جزیہ پر اس کے ساتھ صلح کر

لی۔ اسے قیدی کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر آپ نے حضرت کلیم اللہ ﷺ سے ملاقات کی۔ اس سے آپ کی قوم کی مخالفت کا اشارہ ملتا ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ کو اپنی قوم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے ان کی اذیتوں پر صبر کیا۔ آپ کو ہجرت کے ساتویں سال جس مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس سے قبل اتنی مخالفت کا سامنا کبھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ اسی سال آپ نے خیبر، فدک اور یسودوں کے سارے قلعے فتح کیے۔ رب تعالیٰ نے ان کے مقدر میں جلاوطنی لکھ دی۔ انہیں مصیبت کے چھانٹنے سے مارا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ ﷺ کو ان کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے سرزمین مقدسہ میں شریعت نافذ کرنے کا ارادہ کیا۔ اپنی قوم کو اس پر ابھارا مگر انہوں نے سستی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے کہا: ”وہاں جبارین کی قوم ہے، ہم کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ خود وہاں سے باہر نکل آئیں۔“ حتیٰ کہ انہوں نے بالکل مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”ہم اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ وہاں ہیں۔“ رب تعالیٰ ان سے ناراض ہوا۔ وہ ان کے اور اس زمین کے مابین حائل ہو گیا۔ انہیں میدان تیرہ میں پھینک دیا۔ ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ارادہ کیا کہ آپ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ وہاں شریعت مطہرہ اور سنت ابراہیمی کا نفاذ کریں۔ قریش نے آپ کو روک دیا۔ آپ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو سکے۔ اس لیے اس جگہ آپ کی ملاقات حضرت کلیم اللہ ﷺ سے ہوئی۔

ساتویں آسمان پر آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ اس میں دو حکمتیں کارفرما ہیں۔ (۱) آپ نے انہیں بیت المعمور کے پاس دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ یہ گھر بالکل خانہ کعبہ کے اوپر ہے فرشتے اس کا حج کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا لوگوں میں اعلان کیا کہ وہ آکر اس کا حج کریں۔ (۲) حضور ﷺ کی حیات ظاہری کے آخری احوال میں سے ہے کہ آپ نے بیت اللہ کا حج کیا آپ کے ہمراہ ستر ہزار صحابہ کرام تھے۔

اگر کوئی شخص حضرت ابراہیم کو خواب میں دیکھے تو یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ اسے حج کی سعادت نصیب ہوگی۔ کیونکہ وہ ہی حج کے داعی ہیں اور بیت اللہ کی بنیادیں انہوں نے ہی اٹھائی ہیں۔

ابن جریر نے لکھا ہے ”آپ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ کیونکہ وہ آپ کے اب اخیر تھے۔ تاکہ آپ ان کے ساتھ ملاقات کر کے انس حاصل کریں۔ کیونکہ اس کے بعد دوسرے عالم کی طرف جانا تھا۔ حضرت خلیل اللہ ﷺ کے منصب کا تقاضا تھا کہ انہیں بلند مرتبہ نصیب ہو۔ حبیب کا مقام خلیل سے ارفع ہوتا ہے۔ اسی

لیے آپ قاب قوسین کے مقام تک پہنچے۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے: "آپ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں مناسبت یہ ہے کہ آپ نے ہجرت کے ساتویں سال عمرہ قضاء کیا۔ آپ اور صحابہ کرام لبیک کا ترانہ الاپتے ہوئے سنت ابراہیمی زندہ کرتے ہوئے اور اس رسم کو قائم کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ جاہلیت نے جس کا تذکرہ بھی ختم کر دیا تھا۔ اس کا معاملہ تبدیل ہو چکا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت ابراہیم کو دیکھا کہ وہ ساتویں آسمان پر بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ آپ ساتویں سال بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ ہجرت کے بعد آپ پہلی بار مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ خانہ کعبہ بیت المعمور کے بالکل نیچے ہے۔ آپ نے بیت المعمور کے وصف میں فرمایا: "ہر روز اس میں ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں۔ جن کی دوبارہ باری نہیں آتی۔" یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوں گے۔ پھر اس کی طرف نہیں لوٹیں گے حتیٰ کہ آپ فتح مکہ کے سال اور حجۃ الوداع کے وقت اس میں داخل ہوئے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے بیت المقدس میں انبیاء کرام کو امامت کرائی۔ انہیں سلام کیا۔ آپ نے انہیں پہچان لیا۔ پھر اسی رات انہیں آسمانوں پر دیکھا تو حضرت جبرائیل سے ان کے بارے سوال کیا۔ اگر آپ انہیں دیکھ لیتے اور انہیں پہچان لیتے تو آپ کو ضرورت نہ تھی کہ آپ ان کے بارے حضرت جبرائیل سے سوال کرتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انبیاء کرام آپ کے ہمراہ بیت المقدس میں جمع ہوئے۔ آپ نے ہیئت بشریہ یہ پران کی امامت کرائی۔ تو ان کا وجود زمین پر متحقق ہو گیا۔ پھر آپ علوی ملکوت پر تشریف لے گئے۔ انہیں اس حالت پر نہ پایا جس پر انہیں دیکھا تھا۔ وہ ان روحانی اشکال پر تھے جو رب تعالیٰ نے ملکوت علوی کے مطابق انہیں عطا کیں تھیں۔ یہ ان کے بشری اصل سے انس اور ان کی تکریم و تعظیم کے لیے تھا کہ آپ نے پہلے انہیں زمین پر دیکھا پھر آسمان پر انہیں ان کے مقامات پر دیکھا۔ آپ نے وثوق کے لیے نہ کہ تعجب کے لیے پوچھا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ ذات باری تعالیٰ جس نے ایک لمحہ میں آپ کو اس مقام تک پہنچایا ہے۔ وہ انبیاء کرام بیہم کو آنکھ جھپکنے سے قبل آسمانوں پر لے جاسکتی ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو آسمانوں پر کیسے دیکھ لیا حالانکہ ان کے اجسام تو ان کی قبور میں تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کی ارواح نے ان کے اجسام کی صورتوں کی شکلیں بنا لیں تھیں یا انبیاء کرام کے اجسام کو آپ کی عزت و تکریم کی خاطر اس رات کو وہاں حاضر کیا گیا۔ امام بیہمی کی یہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ "آپ کو حضرت آدم اور ان کے علاوہ سارے انبیاء بیہم کو جمع کیا گیا۔ ابن ابی جبرہ نے لکھا ہے کہ

ان انبیاء کرام کو دیکھنا کئی وجوہ کا اعتبار رکھتا ہے۔

آپ ﷺ نے ہر نبی کو اس کی قبر انور میں دیکھا اس شکل و صورت میں دیکھا جس کے بارے آپ کو بتایا گیا تھا۔ اللہ رب العزت نے آپ کو بصر و بصیرت کی اتنی قوت عطا فرمائی تھی۔ جس سے آپ نے ان کا ادراک کر لیا۔ آپ کا یہ فرمان اس پر دلالت کرتا ہے۔ میں نے دیوار کی جانب میں جنت اور آگ کو دیکھا۔ یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: (۱) آپ نے انہیں اس جگہ دیکھا ہو جیسے کہا جاتا ہے: ”میں نے اپنے گھر کے طاق سے چاند دیکھا۔ اس سے مرد طاق کی جگہ ہے۔“ (۲) آپ کے لیے دیوار کی ایک طرف میں ان کی تمثیل پیش کی گئی۔ قدرت دونوں امور پر قادر ہے۔

یا آپ نے انبیائے کرام کی ارواح کو ان کی صورتوں میں دیکھا ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو معراج کرانا چاہا تو ہمارے نبی کریم ﷺ کی عورت و توقیر کے لیے انہیں ان کی قبور سے اٹھایا۔ حتیٰ کہ ان کی طرف سے آپ کو بشارت اور انس حاصل ہو گیا۔ بعض کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے اور بعض کی طرف ہم نے اشارہ نہیں کیا۔ نہ ہی ہم انہیں جانتے ہیں۔ تاکہ آپ کے لیے اس قدرت کا اظہار ہو سکے۔ جس پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی۔ نہ ہی وہ کسی امر سے عاجز ہے۔ ان سارے وجوہ کا احتمال ہو سکتا ہے۔ کسی ایک کو دوسری پر ترجیح نہیں دی جاسکتی کیونکہ قدرت ان سب پر قادر ہے۔

ابن قیم نے کتاب الروح میں لکھا ہے ”ارواح کی دو اقسام ہیں: (۱) وہ روح جسے عذاب دیا جاتا ہے (۲) وہ روح جس پر انعام کیا جاتا ہے۔ وہ روح جسے عذاب دیا جا رہا ہوتا ہے وہ عذاب کی وجہ سے نہ زیارت کر سکتی ہے نہ ہی ملاقات۔ جب کہ وہ روح جس پر انعام ہو رہا ہوتا ہے وہ مقید نہیں ہوتی بلکہ آزاد ہوتی ہے وہ ملاقات کر سکتی ہے۔ زیارت کر سکتی ہے۔ وہ یاد کر سکتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو گا اور جو کچھ ہوا۔ اس کے ہمراہ ہر وہ روح ہوتی ہے جس کے اعمال اس جیسے ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی روح رفیق اعلیٰ میں ہے ارشاد بانی ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۖ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿۶۹﴾ (النساء: ۶۹)

ترجمہ: ”اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔“

یہ معیت دنیا، دار برزخ اور دار جزاء میں ثابت ہے۔ انسان اسی کے ہمراہ ہو گا جس سے محبت کرتا ہے۔ پھر انہوں

نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول روایت کا تذکرہ کیا۔ ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ نے حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی۔ انہوں نے قیامت کے بارے گفتگو کی۔ اس نص سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارواح علم کا مذاکرہ کرتی ہیں۔ رب تعالیٰ نے شہداء کے بارے بتایا ہے کہ وہ زندہ ہیں انہیں رب تعالیٰ کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل پر مسرور ہو رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی ملاقات تین اعتبار سے ہوتی ہے۔

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ جب وہ اس کے ہاں زندہ ہیں تو وہ ملاقات کرتے ہیں۔ (۲) وہ اپنے بھائیوں سے ملاقات کر کے خوش ہوتے ہیں۔ (۳) یَسْتَبْشِرُونَ کالغت میں معنی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بشارت دے رہے ہوتے ہیں..... پھر انہوں نے بہت سی خوابوں کا تذکرہ کیا ہے پھر لکھتے ہیں:

”صریح روایت سے ثابت ہے کہ ارواح باہم ملاقات کرتی ہیں اور باہم پہچانتی ہیں۔ ابن ابی الدنیاء نے عبد الرحمان بن ابی انیسہ سے اور انہوں نے اپنے دادا جان سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو ان کی والدہ کو ان کا بڑا صدمہ ہوا۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بنو سلمہ میں لگاتار افراد کا وصال ہوتا جا رہا ہے کیا مرنے والے ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں کہ میں بشر کو اپنا سلام بھیج دوں۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں! ام بشر! مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ باہم یوں تعارف رکھتے ہیں جیسے درخت کے سروں پر پرندے ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں..... انہوں نے اس زمرہ میں بہت سے آثار کا تذکرہ کیا پھر لکھا: ”روح بنفسہا قائم ذات ہے جو اوپر چڑھتی ہے نیچے اترتی ہے جو ملتی ہے جدا ہوتی ہے جو آتی جاتی ہے وہ حرکت کرتی ہے پرسکون ہوتی ہے۔ اس کے ایک سو سے زائد دلائل ہیں جسے ہم نے اپنی کتاب معرفۃ الروح والنفس میں ذکر کر دیا ہے۔ ہم نے وہاں اس شخص کا دعویٰ باطل ثابت کیا ہے جو اس کی مخالفت کرتا ہے۔ جس نے اس کے علاوہ کسی اور موقف کو اپنایا اس نے اپنا نفس نہ پہچانا۔ رب تعالیٰ کی ارواح کا وصف دخول، خروج، قبض اور رجوع سے فرمایا ہے ان کے آسمان پر چڑھنے ان کے لیے آسمان کے دروازے کھلنے اور دروازے بند ہونے کا تذکرہ کرتا ہے اس کے بارے انہوں نے بہت سی آیات اور احادیث کا تذکرہ کیا پھر لکھا: ”آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آپ نے معراج کی شب انبیائے کرام کو دیکھا ہے۔ بعض اہل حدیث نے یہ گمان کیا ہے کہ آپ نے ان کی اشباح اور ارواح کو دیکھا تھا۔ انہوں نے فرمایا: ”وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔“

حضور اکرم ﷺ نے حضرت خلیل اللہ ﷺ کو دیکھا وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت موسیٰ ﷺ کو دیکھا۔ وہ اپنی قبر انور میں نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے جن انبیائے کرام کو دیکھا ان کا علیہ بیان فرمایا تو ان کے اجسام کا علیہ بیان کیا۔

ایک گروہ نے اس میں مخالفت کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ روایت ان کی ارواح کے بارے سے اجسام کے بارے سے نہیں۔ ان کے اجسام اسی زمین کے اندر تھے۔ انہیں اس وقت اٹھایا جائے گا جب دیگر اجسام کو اٹھایا جائے گا۔ اس سے قبل نہیں اٹھایا جائے گا۔ اگر اس سے قبل انہیں اٹھایا جائے تو روزِ حشر سے قبل ان کی وجہ سے زمین شق ہو جائے۔ وہ صور پھونکتے وقت پھر موت کا ذائقہ چکھیں تو یہ تیسری بار موت ہوگی۔ یہ قطعی طور پر باطل ہے۔ اگر ان کے اجسام کو قبور سے نکالا جاتا تو رب تعالیٰ انہیں واپس نہ لوٹاتا وہ جنت میں ہوتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو انبیاء کرام پر حرام قرار دیا ہے حتیٰ کہ آپ جنت میں تشریف فرما ہو جائیں۔ آپ سب سے قبل جنت کے دروازے پر دستک دیں گے سب سے پہلے آپ ہی کے لیے زمین شق ہوگی۔ آپ سے قبل کسی کے لیے زمین شق نہیں ہوگی اس سے لازمی طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا جسم اطہر زمین کے اندر ہے۔

آپ کے صحابہ کرام نے آپ سے عرض کی: ”آپ پر ہمارا درود شریف کیسے پیش کیا جائے گا۔ آپ کا جسم اطہر تو بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟“ آپ نے فرمایا: ”رب تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے اجسام طیبہ کو کھائے۔ اگر آپ اپنی قبر انور میں تروتازہ نہ ہوتے تو آپ اس طرح جواب نہ دیتے۔ آپ ﷺ سے یہ صحیح روایت منقول ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کی قبر انور پر ملائکہ مقرر کیے ہیں جو آپ تک آپ کی امت کا درود و سلام پہنچاتے ہیں۔ یہ بھی آپ سے صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب آپ حضرات ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ہمراہ باہر نکلے تو آپ نے فرمایا: ”ہمیں اسی طرح اٹھایا جائے گا۔“

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ کی روح مبارک رفیقِ اعلیٰ میں اعلیٰ علیین میں ارواح انبیاء رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ہے۔ یہ بھی صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت کلیم اللہ ﷺ کو دیکھا وہ اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر آپ نے انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔ روح مبارک تو اعلیٰ علیین میں تھی۔ لیکن اس کا اتصال ان کی قبر انور میں جسم اطہر کے ساتھ بھی تھا۔ روح مبارک جسم اطہر کے ساتھ اس طرح تھی کہ وہ اپنی قبر انور میں نماز ادا کر رہے تھے اور سلام کرنے والے کو سلام کا جواب بھی مرحمت فرما رہے تھے۔ ان دونوں امور میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ارواح کی کیفیت اجسام کی کیفیت سے جداگانہ ہے۔ تم پاؤ گے کہ دو ارواح باہم ملی ہوتی

ہیں۔ ان میں بہت زیادہ قرب ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کے اجسام کے مابین بہت بعد ہوتا ہے۔ اسی طرح تم دو ارواح کو دیکھو گے وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتی ہیں اگرچہ ان کے اجسام باہم ملے ہوتے ہیں۔ روح کا اترنا اور چڑھنا، اور اس کا قرب و بعد کا تعلق اس امر سے نہیں جس کا تعلق بدن کے امور سے ہو۔ یہ ساتویں آسمانوں کے اوپر جاتی ہے پھر زمین پر آجاتی ہے۔ حالانکہ صرف روح کو قبض کرنے اور میت کو قبر میں رکھنے کے مابین تھوڑا سا وقت ہوتا ہے۔ اتنے مختصر وقت میں جسم نہ اوپر جاسکتا ہے نہ نیچے اتر سکتا ہے۔ اسی طرح یہ نیند اور بیداری میں جسم سے اوپر جاتی ہے پھر واپس آجاتی ہے۔ بعض علماء نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ یہ سورج کی طرح ہے جو آسمان پر ہے اور اس کی شعاعیں زمین پر ہیں۔ لیکن ہمارے شیخ ابو العباس حزانی نے لکھا ہے کہ یہ مثال مطابق نہیں ہے۔ سورج آسمان پر ہی رہتا ہے۔ اس کی شعاع زمین پر ہی ہوتی ہے۔ وہ نہ تو سورج اور نہ ہی اس کی صفت ہے۔ بلکہ عرض ہے جو سورج اور جسم کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے جو اس کے بالمقابل ہوتا ہے جبکہ روح بذات خود اوپر چڑھتی ہے۔ نیچے آتی ہے۔ اس کی مزید تفصیل باب ”حیۃ النبی ﷺ“ میں آئے گی۔

◆ بیت المعمور کی تفصیل

ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ معمور کا معنی چھا جانے والا کثیر ہے۔ اسے ضراح بھی کہا جاتا ہے ملائکہ اسے ضراح کہتے ہیں کیونکہ یہ زمین سے دور ہے۔ مجاہد نے معمور کا معنی ضریح یعنی بعید بھی کیا ہے۔ اکثر روایات کے مطابق یہ ساتویں آسمان پر ہے۔ ابن جریر، منذر، حاکم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یہ ساتویں آسمان پر ہے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر وہ تاقیام قیامت دوبارہ اس جگہ نہیں آتے۔“ ابن راہویہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے بیت المعمور کے بارے روایت کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا: ”یہ ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کے بالکل اوپر اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اس کی حرمت خانہ کعبہ کی طرح ہے۔ ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جو تاقیام قیامت دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے۔“

ابن مردویہ، عقیلی اور ابن ابی حاتم نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ساتویں آسمان پر ایک بیت اللہ ہے جسے بیت المعمور کہا جاتا ہے جو تھے آسمان پر ایک نہر ہے جسے الجیوان کہا جاتا ہے حضرت جبرائیل ہر روز اس میں داخل ہوتے ہیں۔ اس میں ایک غوطہ لگاتے ہیں پھر یہ بھاڑتے ہیں جن سے ستر ہزار قطرات گرتے ہیں۔ رب تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں جائیں۔ اس میں نماز ادا کریں۔ وہ

یوں کرتے ہیں پھر تا قیام قیامت ان کی باری نہیں آتی۔

ایک فرشتے کو ان کا امیر بنا دیا جاتا ہے اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ان فرشتوں کو آسمان پر ٹھہرائے۔ وہ وہاں تا قیام قیامت رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ صحیح موقف یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں ہے۔ جیسے کہ میں نے "الفوائد المجموعۃ فی بیان الاحادیث الموضوۃ" میں صراحت کی ہے۔

ابو اسحاق نے خالد بن سعید سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ اسرافیل اہل آسمان کے مؤذن ہیں ان کی اذان جن وانس کے علاوہ آسمان اور زمین کے سارے مکین سنتے ہیں۔ وہ ایک عظیم فرشتے کو آگے کرتے ہیں وہ انہیں نماز پڑھاتا ہے۔" مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت میکائیل انہیں بیت المعمور میں نماز پڑھاتے ہیں۔ اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کی تعداد ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ کیونکہ سارے عوالم میں کسی کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ اس کی جنس میں سے ہر روز ستر ہزار افراد پیدا ہوتے ہیں۔

◆ **فَرَفِعَ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ**۔ رفع کا معنی اُری لہ ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے رفع اور روایت دونوں مراد ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آپ کے اور بیت المعمور کے مابین اتنے عالم ہوں جن پر ادراک کسی کو حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ اسے اٹھا کر آپ کے سامنے لایا گیا ہو۔ آپ نے اسے اپنی بصارت اور بصیرت سے دیکھ لیا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ سارے عالم جو آپ کے اور بیت المعمور کے مابین ہوں انہیں زائل کر دیا گیا ہو۔ حتیٰ کہ آپ کی بصارت نے اس کا ادراک کر لیا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عالم اپنی حالت پر اور بیت المعمور اپنی حالت پر ہی ہو۔ آپ کی بصارت اور بصیرت میں اضافہ کر دیا گیا ہو۔ حتیٰ کہ آپ نے اس کا ادراک کر لیا ہو اس کا معائنہ کر لیا ہو۔ قدرت کو ہر چیز پر دسترس حاصل ہے۔

اکثر روایات میں "رُفِعَتْ" کا صیغہ ہے۔ لیکن بعض میں رُفِعَتْ بھی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ رفع سے مراد یہ ہے کہ اسے اٹھا کر آپ کے قریب کر دیا گیا کیونکہ اس لفظ کا اطلاق قریب پر بھی ہوتا ہے۔

◆ آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی۔ اس میں مناسبت یہ ہے کہ ہجرت کے آٹھویں سال میں مکہ منکرہ فتح ہوا۔ مکہ ام القریٰ ہے۔ یہی مبتداء اور منتہیٰ ہے کیونکہ روایت ہے کہ ساری زمین مکہ منکرہ سے پھجائی گئی۔ اسی لیے اس کا نام ام القریٰ رکھا گیا۔ یا اس لیے کہ ساری بستیوں والے دین و دنیا کے لیے اسی کی طرف آتے ہیں۔ وہ حج اور عمرہ، تجارت اور روزگار کے لیے آتے ہیں۔ ارشاد بانی ہے:

جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ - (المائدة: ۹۷)

ترجمہ: ”بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عورت والا گھر ہے بقاء کا باعث لوگوں کے لیے۔“

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَيَسْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ - (الحج: ۲۸)

ترجمہ: ”تا کہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی دنیوی) فائدوں کے لیے۔“

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اجراء و تجارت ہے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ اور ام القریٰ میں وہ مناسبت ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ تک مخلوق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ مکہ مکرمہ تک شرق و غرب کے اہل آفاق کی انتہاء ہوتی ہے۔ اس میں اجتماع ہوتا ہے۔ آپ کا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا اس بات پر تنبیہ ہے کہ آپ آٹھویں سال مکہ مکرمہ کو فتح فرمائیں گے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر ٹڈیاں اور بستر چھائے ہوئے تھے۔ یہ رب تعالیٰ کے لشکر میں سے ایک لشکر ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کے روز وہاں اللہ تعالیٰ کا لشکر چھارہا تھا۔ اسی طرح وہاں لوگوں کی مختلف جنسیں موجود ہوتی ہیں۔ وہاں سیاہ و سفید لوگ آتے ہیں۔ یہ دونوں الفاظ حدیث پاک میں موجود ہیں۔ جیسے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر ایسے رنگ چھائے تھے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ان کی حسن و زیبائی سے صرف رب تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔ زیادہ جمال کی وجہ سے کوئی ان کی تعریف نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ ان صحابہ کرام کے رنگ بڑے حسین تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا۔ وہ ایمان اور قرآن سے مزین تھے۔ ان کی عظمت شان کا عالم یہ تھا کہ کوئی ان کی تعریف نہیں کر سکتا تھا۔

پھر چار نہروں کا ظہور ہوا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عنقریب یہ امت ان تک پہنچ جائے گی۔ اس طرح آپ کا یہ فرمان بھی سچ ثابت ہو گیا۔ ”میرے لیے زمین کے مشارق و مغارب کو لپیٹ دیا گیا۔ جہاں تک میرے لیے لپیٹا گیا میری امت عنقریب وہاں تک پہنچ جائے گی۔“

حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے جبکہ حضرت انس کی روایت میں ہے کہ یہ ساتویں آسمان پر ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے ”یہ تعارض ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ علماء کا موقف وہی ہے جس کا تذکرہ حضرت انس کی روایت میں ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ایسے وصف سے متصف ہو کہ اس جگہ ہر نبی مرسل اور ملک مقرب کا علم ختم ہو جاتا ہو۔ نیز حضرت انس کی روایت مرفوع جبکہ حضرت ابن مسعود کی روایت موقوف ہے۔ الحافظ لکھتے ہیں: ”سدرۃ المنتہیٰ کا چھٹے آسمان پر ہونا تعارض پیدا نہیں کرتا۔ جیسے کہ بقیہ روایات“

دلالت کرتی ہیں۔ آپ ساتویں آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد اس تک پہنچے۔ اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ اس کی اصل چھٹے آسمان پر ہے۔ اس کی شاخیں اور فروع ساتویں آسمان پر ہیں چھٹے آسمان میں اس کے تنے کی اصل ہے۔“

ابن ابی حمزہ نے لکھا ہے کہ ظاہر بات یہی ہے کہ جنت شجرۃ المنتہی کے نیچے زمین بچھائی گئی ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا: ”وہاں دو باطنی نہریں تھیں۔ اس لفظ کا اطلاق اسی چیز پر ہو سکتا ہے جسے سمجھا جاسکتا ہو۔ باطن کے لیے لازم ہے کہ اس کی روانی کسی چیز کے نیچے ہو اس وقت اس پر باطن کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔“

قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے ”حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سدرۃ المنتہی کی اصل زمین میں ہو۔ کیونکہ آپ نے فرمایا: ”نیل اور فرات اس کے اصل سے نکلتے ہیں۔“ مشاہدہ سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ وہ زمین سے نکلتے ہیں۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سدرۃ المنتہی کی اصل زمین میں ہو۔“ امام نووی نے ان کی گرفت کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اس کی اصل سے رواں ہوتی ہے۔ لیکن وہ زمین سے پھوٹی نہیں ہیں۔ لب لباب یہ ہے کہ ان کی اصل جنت سے ہے وہ پہلے سدرہ کی اصل سے رواں ہوتی ہیں پھر زمین پر قرار پذیر ہوتی ہیں پھر وہاں سے پھوٹی ہیں۔

آپ کا یہ فرمان ”اس کی اصل سے چار نہریں نکلتی ہیں“ دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں ان الفاظ کا احتمال ہے کہ انہیں حقیقت پر محمول کیا جائے گا یا اسے اس باب پر محمول کیا جائے جس میں کسی چیز کے قرب کی وجہ سے اسے یہ نام دے دیا جاتا ہے۔ اگر اسے حقیقت پر محمول کیا جائے تو یہ نہریں درخت کی اصل سے رواں ہوتی ہوں گی۔ اس درخت کا ذائقہ بیر کی طرح ہوگا۔ اس کی جڑ سے پانی نکل رہا ہوگا۔ قدرت اس سے عاجز نہیں ہے۔ اگر اسے دوسرے امر پر محمول کیا جائے تو پھر نہروں کا منبع درخت کی اصل کے قریب ہوگا۔

آپ کا فرمان ”دو باطنی نہریں جنت کی نہریں ہیں۔“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باطن ظاہر سے اجل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اصل میں باطن تھیں انہیں دار البقاء میں رکھا گیا۔ جبکہ ظاہر کم اجل ہوتا ہے لہذا ظاہری نہروں کو دار الفناء میں رواں کیا گیا۔ اسی طرح اعتقاد اسی پر ہوتا ہے جو باطن میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ”رب تعالیٰ تمہاری سورتوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔“

حضرت ابوسعید کی روایت میں ہے ”ساتویں آسمان پر ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ جب سے دو نہریں رواں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کوثر ہے۔ جبکہ دوسری رحمت کی نہر ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی تشریح ان دو باطنی

نہروں سے کی جائے۔ جن کا تذکرہ اس حدیث پاک میں ہے جیسے کہ مقاتل سے روایت ہے کہ دو باطنی نہریں سلسبیل اور کوثر ہیں۔“

♦ امام نووی لکھتے ہیں: ”نیل اور فرات کی اصل جنت سے ہے۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ کی اصل سے نکلتی ہیں پھر وہاں رواں ہوتی ہیں جہاں اللہ رب العزت چاہتا ہے پھر زمین پر نازل ہوتی ہیں اس میں رواں ہوتی ہیں پھر اس سے باہر آتی ہیں۔“ عقل اسے منع نہیں کرتا۔ روایت کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔

♦ اس روایت سے نیل اور فرات کے پانی کی فضیلت پر استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ ان کا منبع جنت میں ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سبحان، جحان، نیل اور فرات جنت کی نہریں ہیں۔“ علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زمین میں چار نہریں ایسی ہیں جن کی اصل جنت سے ہے۔ اسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سبحان اور جحان کا منبع بھی سدرۃ المنتہیٰ کے اصل سے ہے۔ نیل اور فرات ان سے ممتاز ہوں گی۔ مذکورہ روایت میں باطنی نہروں سے مراد سبحان اور جحان کے علاوہ ہیں۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: ”شب معراج میں ان کا تذکرہ نہیں ہے شاید اصلاً سدرۃ المنتہیٰ سے رواں نہ ہوتی ہوں۔ شاید یہ فرات اور نیل سے نکلتی ہوں۔“

♦ ان نہروں کو شیرینی، حسن اور برکت کی وجہ سے جنت کی نہروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے بہتر موقف یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ جنت کی نہریں ہیں۔ دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ شاید یہ اس طرح گرتی ہوں جس طرح بارش گرتی ہے۔ پھر یہ زمین سے ایک جگہ جمع ہو جاتی ہوں۔ حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مستقر تک پہنچ جاتی ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان انہار کے قرب و جوار میں زمین میں گرتی ہوں۔ حتیٰ کہ ان کی ابتداء سے آج تک کوئی آگاہ نہ ہو۔ ابوالشیخ نے العظمتہ میں لکھا ہے کہ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ بنو عیص کا ایک شخص تھا جسے حامد بن شالموم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم ؑ کہا جاتا تھا۔ وہ بادشاہوں کے خوف سے بھاگ نکلا۔ وہ سرزمین مصر میں داخل ہو گیا۔ وہیں ٹھہرا رہا۔ جب اس نے دریائے نیل کے عجیب امور دیکھے تو اس نے قسم اٹھائی کہ وہ نیل کا ساحل نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ اس کے آخری سرے تک پہنچے گا کہ یہ کہاں سے نکلتا ہے۔ یا وہ مرجائے گا۔ وہ چلتا رہا۔ تیس سال لوگوں میں اور تیس سال لوگوں کے بغیر چلتا رہا۔ یا وہ پندرہ سال لوگوں میں اور پندرہ سال آہاری کے بغیر ہی چلتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ بحر احمر تک پہنچ گیا۔ اس نے نیل کی طرف دیکھا جہاں سے وہ شق ہو کر نکلتا تھا سیدب کے درخت کے نیچے ایک شخص نماز ادا کر رہا تھا۔ جب اس نے اسے دیکھا تو اسے

اس سے انس پیدا ہو گیا۔ اس نے اسے سلام کیا۔ پوچھا: ”تم کون ہو؟“ اس نے کہا: ”میں حاند بن شالوم ہوں۔ تم کون ہو؟“ اس نے کہا: ”میں عمران بن فلان بن عیص ہوں۔“ حاند: کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا: ”میں اس نیل کی وجہ سے آیا ہوں۔ کیا کسی کتاب میں لکھا ہے کہ کوئی شخص اس دریا کے منبع تک پہنچا ہو۔ میرا گمان ہے کہ وہ شخص تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اس کے منبع تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟“ اس نے کہا: ”اس سمندر کے کنارے رواں ہو جاؤ۔ عنقریب تم ایک سواری سے ملو گے جس کی ابتداء تو تمہیں نظر آئے گی لیکن اس کی انتہاء نظر نہیں آئے گی۔ اس کا آخر تمہیں خوفزدہ نہ کر دے۔ یہ سورج سے عداوت رکھتی ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے یہ اس پر جھپٹتی ہے تاکہ اسے نکل لے۔ جب سورج غروب ہوتا ہے تو یہ اسی طرح اس پر جھپٹتی ہے۔ تم اس سواری پر سوار ہو جانا یہ تمہیں سمندر کے کنارے پر لے جائے گی۔ اس پر رواں رہنا یہ تمہیں عنقریب لوہے کی زمین تک لے جائے گی۔ اگر تم اس پر آگے رواں رہو گے تو تم سونے کی زمین تک پہنچ جاؤ گے۔ وہیں نیل کا علم ختم ہوتا ہے۔“ وہ شخص عازم سفر ہوا حتیٰ کہ سونے کی سرزمین تک پہنچ گیا۔ پھر سونے کی دیوار آگئی پھر سونے کی بالکونی آگئی۔ پھر سونے کا گنبد آگیا جس کے چار دروازے تھے۔ اس نے وہ چیز دیکھی جو اس دیوار کے اوپر سے گر رہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ قبہ میں قرار پذیر ہو جاتی تھی۔ پھر وہ چاروں دروازوں کی طرف آتی تھی۔ تین نہریں زمین کے اندر چلی جاتی تھیں جبکہ چوتھی نہر سطح زمین پر رواں ہوتی تھی وہ نیل تھا۔ اس نے اس سے پانی پیا، وہاں آرام کیا دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی۔ ایک فرشتہ اس کے پاس آیا اس نے کہا: ”حاند! رک جا۔ تجھے اس دریا کا علم حاصل ہو چکا ہے یہ جنت ہے یہ جنت سے نازل ہوتا ہے۔“

ابن ابی حمزہ نے حضرت جبرائیل امین کے فرمان ”دونہریں جو باطنی ہیں وہ جنت میں ہیں اور دو ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔“ میں لکھا ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیل اور فرات جنتی نہریں ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ حضرت جبرائیل نے آپ کو عرض کی ہے کہ ان انہار کا منبع سدرة المنتہی ہے وہ باطنی نہریں جنت کی طرف چلی جاتی ہیں۔ نیل اور فرات دنیا کی طرف نازل ہوتی ہیں۔ سدرة المنتہی جنت میں نہیں کہ یہ کہا جائے کہ یہ پھوٹنے کے بعد جنت سے رواں ہوتی ہیں۔ یہ موقف اس روایت کے مخالف ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”سبحان، جحان، نیل اور فرات جنتی نہریں ہیں۔“ ان دونوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ نیل اور فرات کا منبع سدرة المنتہی ہے۔ جب یہ نیچے اترتی ہیں تو پہلے جنت کی طرف جاتی ہیں وہ جنت میں داخل ہوتی ہیں پھر زمین کی طرف اترتی ہیں۔

◆ ابن ابی حمزہ نے لکھا ہے کہ روایت ہے کہ جس نے جنت کا پانی پی لیا وہ نہ مرے گا نہ فناء ہوگا۔ نہ ہی اس کا فضلہ اس طرح نکلے گا جس طرح دنیا میں نکلا کرتا تھا۔ بلکہ اس کے جسم سے مشک کے قطرات نکلیں گے۔ رب تعالیٰ نے اس پانی میں یہ عظیم خاصیت رکھی ہے۔ جب اس کی حکمت نے تقاضا کیا کہ یہ نہریں اس دنیا میں اتریں اس نے ان سے یہ خاصیت چھین لی۔ اس کے جوہر کو ان کے حال پر باقی رکھا۔ سارے خواص کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا ہے تو اس کی خاصیت کو باقی رکھتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو اس کے جوہر کو باقی رکھ کر اس کی خاصیت کو سلب کر لیتا ہے خواص کی ذاتوں کی تاثیر نہیں ہوتی۔ بلکہ خاصیت بھی اس کی مخلوق ہے۔ جوہر بھی اس کی مخلوق ہے۔ قدرت ان سب میں موثر ہے۔

◆ ابن کثیر لکھتے ہیں ”اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نہریں اپنی صفائی، شیرینی، روانی اور دیگر صفات میں جنت کی نہروں کے مشابہ ہیں۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ”عجوبہ جنت کی کھجور ہے“ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ جنتی پھل کے مشابہ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اسے جنت سے چنا گیا ہے جس اس کے خلاف کی گواہی دیتی ہے جس سے یہ نفعین ہو گیا کہ مراد اس کا غیر ہوگا۔ اسی طرح ان انہار کے مصادر کو زمین میں دیکھا جاسکتا ہے، لیکن اس موقف پر ان کی گرفت کی گئی ہے کہ ان نہروں کی یہ کیفیت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جنت سے نہ ہوں۔ کیونکہ نزول کی کیفیت کے بارے پہلے لکھا جا چکا ہے امام نووی وغیرہ نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ جنت سے ہیں اس میں کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ جنت کے پانی میں وہ خواص ہیں جو ان نہروں میں نہیں۔ ابن ابی حمزہ کا کلام پہلے گزر چکا ہے۔

◆ حضرت شریک کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آسمان دنیا میں دو نہریں دیکھیں۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ”یہ نیل اور فرات کا عنصر ہے۔“ دوسرے محدثین کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان نہروں کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔ ابن دجیہ نے لکھا ہے ”ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ آپ نے یہ دو نہریں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیگر نہروں کے ہمراہ دیکھیں پھر آسمان دنیا میں یہ دو نہریں دیکھیں عنصر سے مراد ان کا انتشار ہے۔“

◆ ابو نعیم اور ضیاء نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”تم یہ گمان کرتے ہو کہ شاید جنت کی نہریں زمین کو چیر کر بنائی گئی ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ یہ سطح زمین پر رواں ہیں۔“

◆ حارث نے اپنی سند میں اور امام بیہقی نے الشعب میں حضرت کعب الاحبار سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”شہد کی نہر دریائے نیل ہے۔ دودھ کی نہر دریائے دجلہ ہے۔ شراب کی نہر دریائے فرات ہے اور پانی کی نہر

دریائے سحان ہے۔“

”سدرہ پر سونے کی ٹڈیاں چھائی ہوئی تھیں۔“ امام بیضاوی نے لکھا ہے کہ ٹڈیوں اور بستروں کا تذکرہ ازروئے تمثیل ہے کیونکہ درخت کے اوپر کیڑے پتنگے گرتے رہتے ہیں۔ ان کی صفائی، پاکیزگی اور سفیدی کی وجہ سے انہیں سونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔“ الحافظ نے لکھا ہے ”شاید یہ حقیقت میں ہی سونے کی ہوں۔ رب تعالیٰ نے ان میں پرواز کا وصف پیدا کر دیا ہو۔ قدرت اس امر پر قادر ہے۔“

”غفر لی ما تقدم من ذنبی وما تاخر“ امام بکی نے لکھا ہے: ”مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اس امر سے مشرف کر دیا ہے یعنی اگر آپ کے گناہ ہوتے تو انہیں معاف کر دیا جاتا لیکن آپ کے گناہ تو بالکل تھے ہی نہیں۔“ شیخ نے اپنی کتاب المحرر میں لکھا ہے کہ اس امر پر بارہ اقوال ہیں: امام بکی نے پانچ اور شیخ نے بقیہ کو فاسد قرار دیا ہے جو مقبول اقوال ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ علامہ قاضی نے الشفاء میں لکھا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ یوں نہیں:

وَمَا أَدْرِ مَآ يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ؕ (الاحقاف: ۹)

ترجمہ: ”اور میں (ازخود یہ) نہیں جان سکتا کہ کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا جائے گا تمہارے ساتھ۔“

اس وقت کفار خوش ہو گئے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (الفتح: ۲)

ترجمہ: ”تا کہ دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو

(ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔“

جبکہ اہل ایمان کے انجام کا تذکرہ دوسری کسی اور آیت طیبہ میں کیا۔ آیت طیبہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی بخشش کر دی گئی ہے کسی گناہ کی وجہ سے آپ کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اس اثر کو ابن منذر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

قاضی نے لکھا ہے ”اس جگہ المغفرة سے مراد عیوب سے پاکیزگی ہے۔“ بعض محققین نے لکھا ہے کہ اس جگہ مغفرت عصمت سے کنایہ ہے۔ یعنی آپ کو گزشتہ اور آئندہ عمر مبارک میں معصوم بنا دیا گیا ہے۔ یہ قول بہت عمدہ ہے۔ بلغاء نے قرآن پاک کے بلاغت کے اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ بھی شمار کیا ہے کہ اس نے مغفرت، عفو اور توبہ سے کنایہ تخفیفات مراد لیں ہیں۔ جیسے رات کے قیام کے منسوخ کرتے وقت فرمایا:

عَلِمَ أَنَّ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ۔ (الزل: ۲۰)

ترجمہ: ”وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی۔“

آپ سے سرگوشی کرنے سے قبل صدقہ دینے کو منسوخ کرتے وقت فرمایا:

فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ۔ (المجادلہ: ۱۳)

ترجمہ: ”پس جب تم ایسا نہیں کر سکتے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی۔“

رمضان المبارک کی رات کو جماع کی حرمت کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا:

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ؕ فَالَّذِينَ بَآسُورٌ وَهُمْ۔ (البقرہ: ۱۸۷)

ترجمہ: ”پس اس نے نظر کرم فرمائی تم پر اور معاف کر دیا تمہیں سوا ب تم ان سے ملو ملاؤ۔“

امام بکی نے لکھا ہے: ”میں نے اس آیت طیبہ اس کے ماقبل اور مابعد میں غور و فکر کیا ہے۔ میں نے پایا ہے کہ یہ

صرف ایک احتمال رکھتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس سے مراد صرف آپ کو مشرف فرمانا ہے۔ حالانکہ آپ گناہوں سے

معصوم ہیں۔ لیکن ارادہ کیا گیا ہے کہ آیت طیبہ میں ان تمام نعمتوں کا تذکرہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر

کی ہیں۔ تمام اخروی نعمتیں دو امور میں منقسم ہیں۔ (۱) سلبیہ۔ اس سے مراد گناہوں کی معافی ہے۔ (۲) ثبوتیہ۔ یہ

ان گنت ہیں۔ رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ۔ (البقرہ: ۱۸۷)

تمام دنیوی نعمتیں دو امور میں منقسم ہیں۔ (۱) دینیہ۔ ان کی طرف اپنے اس فرمان میں اشارہ کر دیا۔

وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۲﴾ (الفتح: ۲)

ترجمہ: ”اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر۔“

دنیویہ۔ اگر ان سے دین مقصود ہو تو وہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيمًا ﴿۳﴾ (الفتح: ۳)

ترجمہ: ”اور تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے۔“

اخروی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں پر مقدم کیا۔ تاکہ اہم نعمتیں مقدم ہو سکیں۔ اس سے یہ انتظام فرمایا کہ حضور نبی پاک

ﷺ پر ہر قسم کی نعمتوں کی تکمیل ہو سکے۔ اس معنی سے آگاہ ہو جانے کے بعد میں نے ابن عطیہ کا قول دیکھا۔ وہ

بھی اسی کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔ یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو اس حکم سے مشرف فرمانا۔ آپ کے گناہ تو

بالکل تھے ہی نہیں۔“ انہیں صحیح موقف کی توفیق دی گئی ہے۔

”ثم اخذ علی الكوثر حتى دخل الجنة“ شیخ عبدالدین نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث پاک اس بات کی دلیل ہے کہ سدرۃ جنت میں داخل نہیں ہے۔ ابن ابی جبرہ نے اسی قول کو یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے: ”ثم اس جگہ ترتیب کے لیے نہیں ہے جیسے کہ اس فرمان میں ہے:

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا. (البلد: ۱۷)

ترجمہ: ”پھر وہ ایمان والوں سے ہو۔“

یہ واؤ کی طرح جمع اور اشتراک کے لیے ہے۔ یہ اپنی اصل سے خارج ہے۔ فتح الصفا کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ موقف ظاہر کے خلاف ہے۔

بعض علماء نے قرض کے درہم کا اٹھارہ گنا اجر ہونے کی توجیہ میں لکھا ہے۔ قرض کا ایک درہم صدقہ کے دو درہم کے برابر ہے۔ جبکہ صدقہ کے درہم کا اجر دس گنا ہے۔ قرضہ کا درہم قرض دینے والے کی طرف لوٹتا ہے۔ وہ دو درہم ہے اگر بیس درہم سے دو درہم نکال لیں تو باقی اٹھارہ درہم بچ جاتے ہیں۔ میں نے علامہ نور الدین المکلی کو پڑھا۔ انہوں نے اصول میں اسی طرح لکھا تھا۔ پھر میں نے حکیم ترمذی کی نوادر الاصول پڑھی۔ انہوں نے لکھا تھا: ”اس حدیث پاک کا معنی یہ ہے کہ صدقہ دینے والے کو ایک درہم کا دس گنا اجر ملتا ہے۔ ایک درہم صدقہ کا دیا گیا اور بقیہ نو درہم۔ یہ کل دس درہم بنتے ہیں۔ قرض کے درہم کو گنا گیا تو یہ اٹھارہ درہم بن گئے۔ قرض کا ایک درہم شمار نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ قرض خواہ کی طرف واپس آجاتا ہے۔ اس طرح دگنا کرنے سے اٹھارہ درہم رہ جاتے ہیں۔ جبکہ صدقہ میں درہم واپس نہیں ہوتا تو دس ہوتے ہیں۔“

ابن دحیہ نے لکھا ہے ”آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی اس میں بہت زیادہ عورت و کرامت ہے کیونکہ آپ اپنی امت کو جنت خریدنے کے لیے کہتے تھے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۗ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۗ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۗ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٠﴾ (التوبة: ١١٠)

ترجمہ: ”یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمان داروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے

لیے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو سب سے بڑی فیروز مندی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو وہ جنت دکھادی جو آپ اپنی امت کو خریدنے کے لیے کہتے تھے۔ تاکہ آپ اس کا مشاہدہ کر سکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کو جنت کی طرف بلا تے تھے۔ یہ وہ گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی ضیافت کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا تاکہ آپ اس کی طرف دعوت دیں۔ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ آپ کو یہ دار دکھادے۔ کثیر نعمتیں دکھادے۔ تاکہ آپ پوری دُجھمی کے ساتھ دعوت دیں۔ تاکہ آپ جان سکیں کہ ساری مخلوق اس میں سما سکتی ہے۔ یہ پھر بھی نہیں بھرتی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق کو پیدا فرمادے۔ جیسے روایت سے ثابت ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو جنت اس لیے دکھائی ہو۔ تاکہ اس کے مقابلہ میں آپ کو دنیا کی خست کا علم ہو سکے۔ تاکہ آپ دنیا میں زیادہ زہد اختیار فرمائیں۔ مصائب پر زیادہ صبر کریں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آزمائش کتنی عمدہ ہوتی ہے جو اپنے صاحب کو آسائش کی طرف لے جائے اور وہ نعمت کتنی بری ہوتی ہے جو اپنے صاحب کو آزمائش کی طرف لے جائے یہ بھی احتمال ہے کہ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو جو بھی نعمت اور کرامت کسی اور کے لیے ہو وہ حضور ﷺ کے لیے بھی ضرور ہو۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے لیے یہ نعمت تھی کہ انہیں روز قیامت سے قبل جنت میں داخل کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ نعمت اپنے حبیب اور نخی حضور اکرم ﷺ کے لیے بھی ہو۔

ابن دجیہ نے لکھا ہے ”آپ کو آگ اس لیے دکھائی گئی تاکہ آپ روز حشر امن میں رہیں۔ جب سارے انبیاء کی نفسی کبہ رہے ہوں گے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ امتی امتی کبہ رہے ہوں گے۔ یہ اس وقت ہے جب جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اس سے امن عطا فرمادیا۔ فرمایا:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ - (التحریم: ۸)

ترجمہ: ”اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو۔“

اس میں یہ حکمت کار فرما ہے تاکہ آپ اپنی امت کی شفاعت کے لیے فارغ ہو سکیں۔ اگر وہ آپ کو امن عطا نہ فرماتا تو آپ بھی دیگر انبیاء کی طرح اپنے نفس میں مشغول ہوتے۔ کیونکہ انہوں نے روز قیامت سے قبل اس میں

کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ اسے دیکھیں گے تو گھبرا جائیں گے۔ اس کی وجہ سے ان کی زبانیں شفاعت سے رک جائیں گی۔ ان کے نفوس اپنی امت سے مشغول ہو جائیں گے۔ جبکہ آپ نے اس سے قبل آگ کو دیکھا ہوگا۔ آپ اس طرح نہیں گھبرائیں گے جس طرح دیگر انبیاء گھبرا جائیں گے۔ آپ خطبہ پر قادر ہوں گے۔ اس سے مراد مقام محمود ہے۔ کیونکہ کفار آپ کی تکذیب کرتے تھے آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ آپ کو بہت زیادہ ستاتے تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو وہ آگ دکھادی جو اس نے کفار کے لیے تیار کر رکھی تھی۔ تاکہ آپ کے قلب انور کو تسلی ہو سکے۔ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس کے دشمن رسوا ہوں اور ان سے انتقام لینے سے اس کے دل کو سکون ملے۔ وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ دوستوں کی شفاعت قبول کر کے اس کے دل کو خوش کیا جائے۔ نیز یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان ہو کہ وہ آپ کی برکت اور شفاعت سے اہل ایمان کو آتش دوزخ سے بچالے۔

آپ نے کسی فرشتے کو اس شکل میں نہیں دیکھا جس میں وہ لوگ آخرت میں اسے دیکھیں گے جنہیں عذاب دیا جائے گا۔ اگر آپ اسے اس شکل میں دیکھ لیتے تو آپ اسے نہ دیکھ سکتے۔

الطیبی نے لکھا ہے: ”مالک نے حضور اکرم ﷺ کو پہلے سلام کیا تاکہ آپ کا خوف زائل ہو سکے۔ حالانکہ دیگر انبیاء کو پہلے آپ نے سلام کیا تھا۔“

روایت ہے کہ آپ آگ کے خازن کے علاوہ جس فرشتے سے بھی ملے وہ آپ سے مسکراتا ہوا ملا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ تو آپ سے قبل اور نہ ہی آپ کے بعد کسی سے مسکراتے ہوئے ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَلَيْهَا مَلِيكَةٌ غَلَاظٌ شِدَادًا. (التحریم: ۶)

ترجمہ: ”اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند و سخت مزاج ہیں۔“

یہ فرشتے رب تعالیٰ کے غضب پر مؤکل ہے۔ یہ غضب ان سے کبھی بھی زائل نہیں ہوتا۔ یہ روایت اس روایت کے معارض ہے جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میں نے کبھی بھی میکائیل کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ”جب سے آگ کو تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ مسکراتے نہیں۔“ یہ روایت اس روایت کے معارض ہے جسے دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز میں مسکرائے۔ اس کے بارے آپ سے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: ”میں نے حضرت میکائیل کو قوم کی جستجو میں دیکھا ان کے پروں پر غبار تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے میں انہیں دیکھ کر مسکرایا۔“ امام سہلی نے لکھا ہے ”جب دونوں روایات صحیح ہیں تو انہیں اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ حضرت میکائیل اس وقت سے نہ مسکرائے جب سے

آگ کو پیدا کیا گیا۔ مگر اس وقت وہ حضور اکرم ﷺ کے لیے مسکرائے۔ یہ روایت عام ہوگی جس سے خصوص مراد لیا گیا ہے۔ یا حضور اکرم ﷺ نے پہلی حدیث دوسری حدیث سے پہلے بیان کی ہو۔ پھر ان کے مسکرانے کی بات کی۔

ساتویں معراج جس میں آپ نے اقلام کے چلنے کی آواز سنی تھی اس میں مناسبت یہ ہے کہ ہجرت کے نویں سال غزوہ تبوک ہوا تھا۔ اس میں حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ سے شام کی طرف تشریف لے گئے۔ اس میں تیس ہزار صحابہ کرام نے شرکت کی۔ آپ نے اس غزوہ کو مخفی نہ رکھا۔ بلکہ اعلان فرمایا تاکہ صحابہ کرام اس کے لیے تیاری کر لیں۔ آپ نے تیاری میں مکمل کوشش کی۔ نہ تو جنگ کی نوبت آئی نہ ہی آپ نے کوئی شہر فتح کیا کیونکہ ابھی تک شام کی فتح کا وقت نہیں آیا تھا۔ عزم تقدیر کی وجہ سے منسوخ ہو گیا۔ قلم خشک ہو گیا۔ آپ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ مسلمانوں پر وقار تھا۔ سکون تھا۔ ان پر اضطراب نہ تھا۔

خریف الاقلام سے مراد اقلام کی حرکت ہے۔ ملائکہ ان اقلام کو حرکت دے کر رب تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی وحی لکھتے ہیں۔ یادہ چیز لکھتے ہیں جسے لوح محفوظ سے منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ یا جسے رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے لکھا جائے اور جس امر کو وہ چاہتا ہے کہ اسے اٹھا دیا جائے۔ اس میں امل النہ کے لیے دلیل ہے کہ یہ صحیح موقف ہے کہ وحی اور مقادیر کو ان اقلام سے لوح محفوظ پر لکھ دیا جاتا ہے جن کی کیفیت سے صرف اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح آیات طیبہ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ جو کچھ اس ضمن میں ہے اسے اس کے ظاہر پر رکھا جائے گا۔ لیکن اس کی کیفیت اور جنس سے صرف اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔ یادہ آگاہ ہے جسے وہ آگاہ کرتا ہے مثلاً اس کے ملائکہ اور رسل عظام۔ جو صرف کمزور ایمان والا ہے وہ اس کی تاویل کرتا ہے اور جیلہ جوئی کرتا ہے۔ کیونکہ شریعت مطہرہ میں اس کا تذکرہ ہے۔ عقل کی دلیل اس کے مابین حائل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہتا ہے وہ حکم کرتا ہے۔ اہمیں اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کو عیاں کرنا مقصود ہوتا ہے۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے اپنے غیب کا اظہار کر دیتا ہے ورنہ وہ کتابت اور یاد کرانے سے مستغنی ہے۔

ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ اقلام تقادیر لکھتی ہیں۔ تقدیر پہلے سے لکھی جا چکی ہے کتابت حادث ہے۔ روایت کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوح محفوظ کو اس کی کتابت سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل قلم خشک ہو چکا ہے۔ یہ کتاب ملائکہ کے صحیفوں تک محدود ہے۔ جیسے وہ فروع جنہیں اصل سے منسوخ کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ محو اور اثبات بھی ہے جس کا ذکر اڑ میں ہے۔ وہ اصل لوح محفوظ جس سے لوح پر لکھا جاتا ہے وہ قدیمی علم غیب ہے جو ازل سے قدیم ہے۔ اس میں محو اور اثبات نہیں ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ

لوح ہے نہ قلم۔ آپ نے اقلام چلنے کی آواز سنی۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ آپ کو قلموں کے خشک ہو جانے پر اطمینان ہو جائے حتیٰ کہ آپ امور کو تقدیر کے سپرد کر دیں سبب کے سپرد نہ کریں۔ حتیٰ کہ سبب پر تعبد کی رو سے بحث کی جاتی ہے نہ کہ تعوذ کی رو سے۔ اسی سے توکل مکمل ہوتا ہے۔ اسباب کے اختلاف کے وقت اسی سے اضطراب میں سکون آتا ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: ”جن اقلام کی اس جگہ توصیف کی گئی ہے ان کی اصل وہ قلم ہے جس کی قسم رب تعالیٰ نے اس فرمان میں کھائی ہے:

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ① (القلم: ۱)

ترجمہ: ”قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔“

یہ اقلام جنس کے لیے ہوگا۔

دسویں معراج جو رفرن ہے۔ جب آپ نے رب تعالیٰ سے ملاقات کی۔ حریم ناز میں حاضر ہوئے۔ مقام انس پر فائز ہوئے۔ حجابات اٹھا دیئے گئے۔ آپ نے خطاب سنا آپ قاب قوسین اودنی کے مقام پر فائز ہوئے۔ یہ صورت کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی کے اعتبار سے ہے۔ اس میں مناسبت یہ ہے کہ ہجرت کے دسویں سال دو ملاقاتیں جمع ہوئیں۔ (۱) بیت اللہ سے ملاقات، بیت اللہ کا حج، وقوف عرفہ، تکمیل دین اور مسلمانوں پر نعمتوں کی تکمیل۔ (۲) اس میں آپ کا وصال ہوا۔ رب تعالیٰ سے ملاقات ہوئی۔ آپ دار فناء سے دار بقاء کی طرف تشریف لے گئے۔ اپنی روح کریمہ کے ساتھ مقعد صدق کی طرف تشریف لے گئے۔ حق کے وعدہ اور وسیلہ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ ایک بلند منصب ہے جو صرف ایک عبد کریم کے لیے مختص ہے۔ وہ عبد کریم حضور اکرم ﷺ کی ذات ہے۔ صحیح روایت میں ہے کہ آپ سے وسیلہ کے بارے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ جنت میں ایک منصب ہے جس پر رب تعالیٰ کا ایک بندہ خاص فائز ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ وہ عبد خاص میں ہی ہوں گا۔“ آپ کی امید پوری ہوگی۔ آپ کے دل اقدس کو یہ توفیق ملے گی۔

ابن دجیہ نے لکھا ہے حضور کریم ﷺ کو دیدار اور کلام الہی کے لیے مختص کیا گیا کیونکہ آپ روز حشر کے شفیع ہیں۔ رب تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی اس مقام پر فائز کر دیا تا کہ اس روز آپ پر اس طرح خوف طاری نہ ہو جس طرح دیگر انبیاء پر طاری ہوگا۔ رب تعالیٰ نے چاہا کہ آپ سے انقباض دور ہو جائے تا کہ آپ مقام محمود پر فائز ہو سکیں۔ رب تعالیٰ نے اس سے قبل ہی آپ کو اپنا دیدار کر دیا اور کلام الہی سے بلند منصب پر فائز کر دیا۔

رب تعالیٰ نے فرمایا: ”میں نے آپ کو سورۃ البقرۃ کا آخر اپنے عرش کے نیچے خزانہ سے عطا کیا ہے۔۔۔۔۔ تو رشتی نے

لکھا ہے: ”اعطی کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ پر نازل ہوا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ التجاء قبول کر لی گئی:
غُفِرَ اِنَّكَ رَبَّنَا وَ اَلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۳۸﴾ لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۗ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَ عَلَيهَا مَا كَتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۗ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلٰى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۗ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا
بِهٖ ۗ وَ اَعْفُ عَنَّا ۗ وَ اَغْفِرْ لَنَا ۗ وَ اَرْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلَانَا ۗ فَانصُرْنَا عَلٰى الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۹﴾ (البقرہ: ۲۸۶)

ترجمہ: ”ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے ذمہ داری نہیں
ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر جتنی طاقت ہو اس کی اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر
و وبال ہو گا جو (برا عمل) اس نے کیا یا اے ہمارے رب نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا خطا کر بیٹھیں اے
ہمارے رب! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے تو نے ڈالا تھا ان پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے
ہمارے پروردگار نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور
بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے تو مدد فرما ہماری قوم کفار پر۔“

الطیبی نے لکھا ہے ”اس کلام میں یہ اشارہ ہے کہ اعطاء، انزال کے بعد ہو۔ اس سے مراد دعا کا قبول ہونا ہے یہ طلب
سے مہوق ہے۔ کیونکہ یہ سورت طیبہ مکہ میں نازل ہوئی اور معراج بھی مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یوں
کہا جائے کہ اس کا تعلق اس آیت طیبہ سے ہے۔“

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳۹﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُُّوْحٰى ﴿۴۰﴾ (انجم: ۳)

ترجمہ: ”اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔“

اسے اعطاء اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس کو کنز تحت العرش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام احمد نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے
روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے سورۃ البقرہ کی آخری آیات عرش کے نیچے خزانہ سے عطا کی گئی
ہیں۔ یہ مجھ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔“

شب معراج میں نماز فرض کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا تو اس رات آپ
نے ملائکہ کی عبادت ملاحظہ فرمائی۔ ان میں بعض کھڑے تھے وہ بیٹھے نہیں تھے۔ بعض رکوع میں تھے وہ سجدہ نہیں
کرتے تھے۔ بعض سجدہ میں تھے وہ قعدہ نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی امت کی ایک رکعت

میں یہ ساری عبادات جمع کر دیں، جسے ایک بندہ پورے خلوص اور اطمینان سے اس کی شرائط سے پڑھتا ہے۔ نیز اس رات میں یہ عبادت فرض کرنے میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ یہ ایک عظیم الشان عبادت ہے اس لیے اسے بلا واسطہ فرض کیا گیا۔ امام سہلی لکھتے ہیں: ”نمازوں کو آپ پر حریم ناز میں فرض کیا گیا تاکہ ان کی فضیلت آشکارا ہو سکے۔ کیونکہ یہ درگاہ قدسیہ میں فرض ہوئیں۔ لہذا ان کے لیے پاکیزگی ہونا بہت ضروری ہے۔ ان کے لیے یہ شرط ہے۔ ان میں رب تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔ رب تعالیٰ بندے سے ہمکلام ہوتا ہے۔ فرماتا ہے: ”میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے۔ میرے بندے نے میری تعریف بیان کی ہے۔ حریم ناز میں ان کے فرض ہونے میں یہی مشابہت ہے۔ کیونکہ وہاں آپ نے اپنے رب کا کلام سنا۔ اس سے مناجات کیں۔ آپ کے ظاہر اور باطن کو آب زمزم سے دھو کر آپ کو سیر کرائی گئی۔ اسی طرح نمازی بھی طہارت حاصل کرتا ہے۔ حضور سیاح لامکان ﷺ اپنے جسد اطہر کے ساتھ اس دنیا سے نکل گئے۔ اس وقت نمازی پر بھی رب تعالیٰ سے مناجات کرنے اور قبلہ رو ہو جانے کے علاوہ ہر چیز حرام ہو جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ اسی طرح نمازی بھی اپنے ہاتھ آسمانوں کی طرف اٹھاتا ہے۔ اس میں بیت المعمور کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں معبود برحق کی طرف اشارہ ہے جس سے نمازی سرگوشی کر رہا ہوتا ہے جس کے لیے وہ نماز ادا کر رہا ہوتا ہے۔

”میں نے آپ سے پانچ نمازیں کم کر دیں ہیں۔“ حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حضرت مالک بن معصومہ کی روایت میں دس نمازوں کا ذکر ہے۔ حضرت شریک کی روایت میں ”شطرھا“ کا تذکرہ ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں: ”اس سے مراد ہے کہ بعض نمازیں کم کر دی گئیں۔ بار بار حریم ناز میں جانے پر نمازیں کم ہوتی گئیں۔ یہ روایت حضرت ثابت کی روایت کے مخالف نہیں ہے۔“ الحافظ لکھتے ہیں: ”اسی طرح دس نمازوں کا ذکر ہے گویا کہ دو بار حریم ناز میں جانے سے دس نمازیں کم ہو گئیں۔ اور پانچ بار جانے سے شطر نمازیں کم ہو گئیں۔ شطر سے مراد بعض ہے۔ حضرت ثابت کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ پانچ پانچ نمازوں کی تخفیف ہوئی تھی۔ یہ زیادتی معتمد ہے باقی روایات کو اسی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ امام بیہقی اور امام ابن خزیمہ نے حضرت ابن معصومہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دی گئیں۔ میں حضرت کلیم اللہ اور رب تعالیٰ کے مابین آتا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھ سے پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی گئیں۔“ ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ شطر کا لفظ اعم ہے۔ تاکہ یہ شعور نہ ملے کہ یہ نمازیں ایک ہی بار کم کر دیں گئیں۔

ابو طالب جمحی نے اپنی کتاب "التحیات" میں لکھا ہے "ہر قوم کا سلام کرنے کا اپنا انداز تھا۔ اہل عرب کا سلام "السلام" تھا۔ کسریٰ کا سلام اس کے سامنے سجدہ کرنا تھا۔ زمین چومنا تھا۔ اہل فارس کا سلام بادشاہ کے سامنے ہاتھوں کو زمین پر پھینکنا تھا۔ حبشہ کا سلام بادشاہوں کے سامنے ہاتھ سینے پر رکھنا تھا۔ اہل روم کا سلام سر جھکا کر سرنگا کرنا تھا۔ اہل نوبہ کا سلام ہاتھوں سے دعا کا اشارہ کرنا تھا۔ اہل بجا کا سلام یہ تھا کہ آنے والا بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا تھا۔ اگر وہ خدمت تک پہنچ جاتا تو ہاتھ اٹھا کر بار بار ہاتھ رکھتا۔ یہ سارے انداز اس نماز میں شامل ہیں جو مالک الملوک کے سامنے ادا کی جاتی ہے۔ اس لیے نماز کے آخر میں کہا جاتا ہے "التحیات للہ" یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سارے التحیات کی مستحق وہی ذات ہے۔

حضرت انس نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نماز میں فرض کیں۔" حضرت ثابت نے حضرت انس سے روایت لکھی ہے "ہر شب و روز میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔" کہا جاسکتا ہے کہ دوسری روایت اختصار کے لیے ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے اللہ نے فرمایا: "میں نے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ آپ پر فرض کا ذکر آپ کی امت پر فرض کو مستلزم ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہے الایہ کہ وہ آپ کی خصوصیت ہو۔

ابن ابی جبرۃ نے لکھا ہے "حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کی تخفیف کے بارے گفتگو نہ کی۔ کیونکہ مقام خلعت رضا اور تسلیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس طرح کلام کرنا اس منصب کے منافی ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام تھے کلیم کو ادلال اور انبساط عطا کیا جاتا ہے۔" امام قرطبی نے لکھا ہے: "اس مقصد کے لیے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو اس لیے مختص کیا گیا کیونکہ ان کی امت کو نماز کا اس طرح مکلف بنایا گیا کہ اس طرح کسی اور امت کو مکلف نہیں بنایا گیا۔ انہیں یہ بوجہ گراں لگا۔ حضرت کلیم اللہ نے امت محمدیہ پر شفقت فرمائی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا یہ قول بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے "میں آپ سے قبل لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں۔" بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شاید اس میں حکمت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور نبی نہیں جس کے پیروکار حضرت موسیٰ سے زیادہ ہوں۔ نہ ہی کسی کو اتنی بڑی کتاب دی گئی نہ ہی کسی کی کتاب میں اتنے جامع احکام تھے۔ اس اعتبار سے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ مناسب تھا کہ وہ تمنا کرتے کہ آپ پر بھی وہی انعام ہو جو ان پر ہوا تھا۔ وہ اس کے زوال کا ارادہ نہ کرتے۔ یہ بھی مناسب تھا کہ وہ آپ کو اس امر سے آگاہ کرتے جو ان کے لیے واقع ہوا تھا۔ اور اس کے بارے خلوص کا اظہار کرتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جب ابتداء میں حضرت موسیٰ نے جو خواہش کی اس کا تدارک انہوں نے خلوص اور شفقت کا اظہار کر

کے کیا ہو۔ تاکہ ابتداء میں جو کچھ ہوا تھا اس کے غلط وہم پیدا نہ ہو سکے۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔“
امام قرطبی لکھتے ہیں: ”جس شخص نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آپ نے نیچے آتے وقت سب سے پہلے حضرت موسیٰ سے ملاقات کی۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن معصود کی روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں چھٹے آسمان پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔“

یہ روایت حضرت شریک کی اس روایت سے قوی ہے جس میں ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔ الحافظ لکھتے ہیں: ”اگر ہم یوں کہیں کہ آپ نے جاتی دفعہ حضرت موسیٰ کو چھٹے اور واپسی پر ساتویں آسمان پر دیکھا تو یہ اشکال دور ہو سکتا ہے۔“

امام سہیلی نے لکھا ہے ”حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اس امت پر خصوصی شفقت کی تھی۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اصرار کیا تھا کہ وہ اس امت کے لیے شفاعت فرمائیں۔ تخفیف کے لیے التجاء کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں وادی سینا کے مغربی کنارے پر الواح عنایت ہوئیں تو انہوں نے ان میں امت مرحومہ کی صفات پڑھیں۔ انہوں نے کہا: ”میں نے الواح میں ایسی امت کا تذکرہ پڑھا ہے۔ جو ان صفات کی حامل ہے۔“
مولانا سے میری امت بنا دے۔“ آپ سے فرمایا گیا: ”وہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔“ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ”مولا! پھر مجھے ان کی امت میں سے بنا دے۔“ ان کی اس امت پر یہ خصوصی شفقت اسی لیے تھی۔

حضرت موسیٰ نے آپ سے عرض کی: ”میں آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا چکا ہوں۔“ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ تجربہ کا علم علوم پر زائد ہوتا ہے۔ یہ علوم کی کثرت سے حاصل نہیں ہوتا یہ صرف تجربہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سارے لوگوں سے زیادہ ہے سارے لوگوں سے افضل ہیں آپ اسی وقت ہی حریم ناز میں اس سے ملاقات کر کے آئے۔ اس جگہ جلوہ افروز ہوئے جہاں نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ ہی نبی مرسل فائز ہو سکا۔ اس فضل و کرم کے باوجود حضرت موسیٰ نے آپ سے عرض کی: ”میں لوگوں کے بارے آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔“ اس کا سبب بھی ذکر کر دیا کہ انہوں نے بنو اسرائیل کو خوب آزمایا تھا۔ انہوں نے بتا دیا کہ اس علم کا دار و مدار تجربہ پر ہے۔ وہ ان کے پاس زیادہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ کسی امر کا جو معمول بنا ہوا ہو اسے کسی دوسری چیز پر لاگو کرنے کی بھی اس میں دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے بارے یہ فیصلہ دیا تھا کہ یہ اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ اس کے ثبوت کے لیے انہوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے تجربہ کا تذکرہ کیا وہ قوم بعد میں آنے والی قوم سے زیادہ

قوی اور مضبوط تھی۔ ارشادِ بانی ہے:

كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا. (الروم: ۹)

ترجمہ: ”وہ زیادہ تھے ان سے زور میں اور انہوں نے خوب بل چلائے زمین میں اور انہوں نے اسے آباد کیا

اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کیا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ جو بوجھ قوی نہ اٹھا سکا اسے کمزور بدرجہ اولیٰ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ بات معمول کے روال کرنے میں حکمت کے اثر سے محکم ہے۔ جبکہ قدرت اس پر قادر ہے کہ کمزور سے وہ بوجھ اٹھوادے جو قوی نہ اٹھا سکے۔ روایت ہے کہ بنو اسرائیل پر دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کو فرض تھیں مگر وہ یہ بوجھ نہ اٹھا سکے تھے۔

اس امت کے لیے تخفیف کرانا اس امر کی دلیل ہے کہ جب حضور ﷺ اوپر تشریف لے گئے تھے تو جو حضرت کلیم اللہ کا رونا اسی وجہ سے تھا جس کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور سبب ہوتا تو وہ اس وقت بھی روتے جب آپ واپس تشریف لائے تھے یا خاموش رہتے۔ بلکہ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت اور خلوص کے اظہار کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہ ان عطیات میں سے ایک عطیہ تھا جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مختص تھے۔ انہوں نے اس امت پر تخفیف کرنے پر تعرض کیا تھا۔ یہ عطیہ بالکل اپنی درست جگہ پر عیاں ہوا۔ کیونکہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ آپ نے اس بارے گفتگو کی تو آپ کی ضرورت کو پورا کر دیا گیا۔ رب تعالیٰ نے التجاء قبول کر لی۔ نماز میں پچاس سے کم ہو کر پانچ رہ گئیں۔ فضل و کرم کا اضافہ ہو گیا۔ ایک نیکی کا اجر دس گنا ہو گیا۔ رب تعالیٰ نے اس امت سے ان نمازوں کے فرض کو زائل کر دیا لیکن فضل و احسان کرتے ہوئے ان کا ثواب باقی رکھا۔

ابن ابی حبرہ نے لکھا ہے کہ اس روایت میں صوفیائے کرام کے اس فرمان کی دلیل ہے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ کیونکہ حضرت خلیل اللہ ﷺ نے اس ضمن میں کوئی گفتگو نہ کی کیونکہ ان کا مقام بلند تھا۔ اگر وہ یہ بات کرتے تو یہ ان کے بلند مقام کے زیبا نہ ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ گفتگو کی جو ان کے مقام کے ساتھ مختص تھی۔ ہر ایک کا خاص مقام تھا جس سے اس نے تجاوز نہ کیا۔

ابن دحبہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ کی بار بار ملاقات میں کئی فوائد ہیں۔ (۱) ایک شیخ داستان میں شفاعت کا تکرار تا کہ شافع کا مقصود پورا ہو سکے۔ (۲) جب معاملہ اصرار کی حد تک پہنچ جائے تو اس کو ترک کرنا بہتر ہوتا ہے (۳) اس امر کی تعظیم جس پر قدرت نہ ہو (۴) ناصح مشیر کی طرف رجوع کرنا۔ (۵) شافع مشفوع لہ کی طلب پر توقف نہ کرے (۵) اگر عذر ہو تو شافع مشفوع لہ کے سامنے بیان کر دے (۶) شفاعت سے

روکا جائے اگرچہ وہ شخص اس میں شامل بھی ہو۔

(۹۶) جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ نے دسویں بار جانے کے لیے عرض کی تو آپ نہ گئے۔ اس کے دو اسباب ہیں:

(۱) جب معاملہ اصرار کی حد تک پہنچ جائے تو اسے ترک کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔ (۲) حضور اکرم ﷺ نے نور فراست سے سمجھ لیا تھا کہ نمازیں اس سے کم نہ ہوں گی۔ آپ نے حیا کی اور التجاء نہ کی۔ فراست کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے پانچ پانچ کی تخفیف کی۔ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اگر وہ آخری پانچ بھی تخفیف کر دیتا تو ساری نمازیں ختم ہو جاتیں۔ آپ یہ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی وظیفہ کا ہونا ضروری ہے۔ لہذا سوال کو ترک کر دیا۔ آپ کے لیے غیب منکشف ہوا کہ علم قدیم ان پانچ نمازوں کی بقاء کے ساتھ ہے لہذا وہ باقی رہیں۔ فراست نے سچ کہا۔ غور و فکر صحیح نتیجہ تک پہنچا۔ روایت ہے جب آپ دسویں بار حریم ناز میں جانے سے رک گئے تو منادی نے ندا دی: ”میں نے اپنا فریضہ لاگو کر دیا ہے۔ اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔“

(۹۷) ابن وحیہ نے لکھا ہے ”آپ بار بار حریم ناز میں جاتے رہے کیونکہ آپ کو علم تھا کہ ہر بار اس علی سبیل الالزام نہیں ہے۔

صرف آخری بار حکم الزام کے اعتبار سے تھا۔ جیسے کہ ارشادِ بانی ہے:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿۲۹﴾ (ق: ۲۹)

ترجمہ: ”میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں۔“

(۹۸) ابن ابی جبرۃ نے لکھا ہے ”حضور اکرم ﷺ دسویں بار تخفیف کے لیے نہ گئے۔ اس میں یہ دلیل ہے جب رب تعالیٰ

کسی بندے کی سعادت مندی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا اختیار رب تعالیٰ کی رضا میں رکھ دیتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے اپنا اختیار اور ترجیح رب تعالیٰ کی رضا میں رکھ دی تھی۔ وہ پانچ نمازوں کی فرضیت ہے۔ یہ آپ کی تکریم اور رفعتِ شان کے لیے ہے۔ اگر آپ تخفیف کے لیے واپس جاتے لیکن تخفیف نہ کی جاتی تو آپ کا اختیار تقدیر کے مخالف ہوتا۔ جب آپ کو اختیار دیا گیا۔ اختیار میں آپ کی منشاء پوری کر دی گئی تو یہ وہی دلیل ہے جس سے ہم نے استدلال کیا ہے۔ یہ آپ کی رفعتِ شان ہے۔ آپ نے جب تخفیف کا ارادہ کیا تو آپ کی رضا پوری کر دی گئی ہر دو حالات، طلب یا عدم طلب میں آپ کا اختیار تقدیر کے موافق تھا۔ اس میں صوفیاء کرام ﷺ کے لیے یہ دلیل بھی ہے کہ حالِ حامل ہوتا ہے محمول نہیں ہوتا۔“ جب آپ ﷺ پر اپنی امت پر شفقت کرنے کا حال وارد ہوا تو آپ نے تخفیف کے لیے جلدی کی کسی طرف نہ دیکھا۔ جب رب تعالیٰ سے حیا کا حال وارد ہوا تو امت کے لیے توجہ نہ کی نہ ہی کسی چیز کی التجاء کی۔

(۹۹) اس حدیث پاک میں اس امر کی دلیل ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے (۱) وہ تقدیر جس کے بارے میں یہ مقدر ہے کہ وہ کسی واسطہ یا دعاء کی وجہ سے نافذ نہ ہو سکے گی۔ جیسے کہ اس جگہ پچاس نمازیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے پہلے پچاس نمازوں کا حکم دیا۔ اس کا ارادہ بوقت لے گیا کہ ان کا نفاذ نہ ہو۔ رب تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ کو سبب بنا دیا۔ (۲) وہ تقدیر جن کا نفاذ مقدر ہو چکا ہے۔ کوئی لوٹانے والا اسے نہیں لوٹا سکتا۔ وہ پانچ نمازوں کا فرض ہونا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے جب ان کا حکم دیا تو اس کا ارادہ بوقت لے گیا یہ نافذ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ ﷺ کا کلام نفع نہ دے سکا۔

(۱۰۰) ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ اگر تم کہو کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا معنی ہے:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ. (ق: ۲۹)

ترجمہ: ”میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا۔“

اگر اس سے مراد یہ ہو کہ خبر تبدیل نہیں ہوتی تو پھر بات کو مطلق کیسے رکھا جاتا ہے کیونکہ احکام کی بات ہو رہی ہے۔ اسی لیے پچاس نمازوں کو پانچ میں تبدیل کیا۔ نسخ کا تبدیل ہونا باقی نہیں رہتا۔ اگر مراد یہ ہو کہ حکم تبدیل نہیں ہوتا تو یہ بات طے ہے کہ احکام میں نسخ جائز ہے۔ جیسے کہ نمازیں پانچ رہ گئیں تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ کسی حکم کے بارے میں بتا دے کہ وہ ابدی ہے تو اس کی تبدیلی اور نسخ محال ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے یہ خبر دی ہے کہ یہ ابدی ہے خبر تبدیل نہیں ہوتی نہ ہی اس کے بعد نسخ کی توقع ہو سکتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ملائکہ کی زبانوں سے یا ان کے صحیفے میں اس امت کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ انہیں ہر روز پچاس نمازوں کا اجر و ثواب ملے گا۔ جب نمازیں پانچ کر دیں تو ان کی تعداد کم ہو گئی لیکن اجر میں کمی نہ ہوئی کیونکہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تعداد کے اعتبار سے پانچ نمازیں اور اجر کے اعتبار سے پچاس ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کا فضل ہے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کی طرح ہے: ”جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے پھر شوال کے چھ روزے رکھے اس نے گویا کہ پورے سال کے روزے رکھے۔“ اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے چھتیس روزوں کو دس سے ضرب دیں تو یہ تین سو ساٹھ بنتے ہیں۔ ایک سال میں اتنے ہی دن ہوتے ہیں۔

نیز اس چیز کا اعتبار بھی کیا گیا نماز میں جس کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً وضو وغیرہ۔ اس کے لیے وہ کچھ پایا گیا جو دو ساعتوں اور ایک ساعت کے بعض حصہ میں جو کچھ آتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر امت مرحومہ پر پچاس

نمازیں برقرار رکھی جاتیں تو سارا دن اور ساری رات نماز کی ضروریات میں گزر جاتا کیونکہ ابتداء میں ہر نماز کے لیے وضوء ضروری تھا۔ پھر اسے مستحب قرار دیا گیا۔ گویا کہ اس امت کا ایک شخص ان پانچ نمازوں کی وجہ سے ہمہ وقت نماز میں رہتا ہے جیسے کہ رمضان المبارک کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے والا پورا سال روزہ سے رہتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ پچاس نمازوں سے پانچ نمازوں کی طرف کمی کا تعلق تبدیل القول سے نہیں بلکہ تبدیل تکلیف ہے۔ البتہ پانچ نمازوں کے بعد پچاس کی خبر دینا تبدیل اخبار ہے۔

(۱۰۱) ابو خطاب اور ابن منیر نے لکھا ہے کہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ دخول وقت سے قبل فعل کے تمکن سے قبل نسخ جائز ہے۔ اس میں معتزلہ سے اختلاف ہے۔ ہر گروہ نے اپنے قاعدے اور عقیدہ کے مطابق گفتگو کی ہے۔ اہل سنت کے نزدیک خلاف استطاعت مکلف بنانا جائز ہے۔ بلکہ یہ واقع ہوتا ہے کیونکہ سارے افعال اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہیں۔ بندہ کسی فعل کی تخلیق پر قدرت نہیں رکھتا۔ نہ ہی اس کی حفاظت کے لیے اس میں تاثیر پیدا کرنا ممکن ہوتی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَإِنَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ (الصافات: ۹۶)

ترجمہ: ”حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔“

اس آیت طیبہ میں ”ما“ مصدریہ ہے لیکن اس ”ما“ کو موصولہ کہتے ہیں۔ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق کہتے ہیں ”انسان اپنے فعل کی تخلیق خود کرتا ہے۔ وہ اپنے اختیار اور استطاعت کے مطابق اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے۔ ان کے نزدیک خلاف استطاعت پر تکلیف ساقط نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک تمکن سے قبل نسخ کا تصور بھی نہیں ہے۔ جیسے کہ اس کے قاعدہ کا تصور ہو سکتا ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک تمکن سے قبل نسخ جائز ہے۔ کیونکہ یہ واقع ہوا ہے۔ وقوع سے بڑھ کر اور اس کے جواز کی دلیل کیا ہو سکتی ہے۔

انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کے واقعہ کو بطور دلیل پیش کیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ پھر اس میں تخفیف کر دی۔ اسے فدیہ سے منسوخ کر دیا حالانکہ وہ وقت نہیں گزرا تھا جس میں انہیں ذبح کیا جاسکتا تھا۔

اس دلیل سے معتزلہ مختلف مشکلات میں گر پڑے حتیٰ کہ انہوں نے حقائق کو خلط ملط کر دیا۔ اس کے مختلف جوابات دیے۔ بعض نے کہا: ”انہیں ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ خواب تھا۔ عالم بیداری میں نہ تھا۔ اس شخص کی عقل سے زیادہ کسی کی عقل زیادہ گمراہ نہیں جو یہ کہتا ہے کہ ایک واقعہ میں کسی نبی کو مغلوب کر لیا گیا۔ حالانکہ اس

واقعہ کا ظہور اس نبی سے ہوا تھا۔ اس نے ہی وہ فیصلہ کیا تھا۔ اس سے ہی اس کا صدور ہوا تھا۔ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام نے کہا تھا۔

يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (الصافات: ۱۰۲)

ترجمہ: ”میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ حدیث پاک کا راوی اس کی تاویل اور تشریح کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر دو تاویلوں میں اختلاف ہو جائے تو ہم صاحب واقعہ کی تاویل کو معلوم کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کے بارے سب سے زیادہ جانتا ہے۔ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام جو ایک پاکباز اور راست گو نبی تھے ان کی اس تاویل کو جسے رب تعالیٰ نے درست اور صحیح قرار دیا اس شخص کی تاویل سے کیسے مقدم نہیں کیا جائے گا جو بدعتی، گمراہ اور مبہوت ہے۔

بعض معترضہ نے کہا ہے ”یہ حکم ہے لیکن ابتدائی امور جیسے پکڑنا، باندھنا، لٹانا اور چھری پکڑنے کے بارے حکم ہے۔ لیکن یہ دلیل بھی سابقہ دلیل کی طرح بے سرو پا ہے۔ جیسے کہ حضرت غلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

أَيُّ أَدْبْحُكَ (الصافات: ۱۰۲)

ترجمہ: ”میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔“

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں لٹا رہا ہوں۔ نیز یہ کہ یہ مقدمات ”لا“ کے ساتھ نہیں ہیں۔ خصوصاً حضرت غلیل اللہ علیہ السلام کے حق میں۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ مقصد صرف اس طرح حاصل نہ ہوگا جس طرح کہ اس طرح لٹانا جیسے ذبح کے لیے نہیں لٹایا جاتا۔ یہ صحیح رستہ سے پہلو تہی ہے۔ اور سرکشی اور عناد کی طرف رجحان ہے۔

بعض معترضہ کہتے ہیں: ”انہیں ذبح کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے یوں کر بھی دکھایا تھا۔ لیکن چھری الٹی ہو گئی اور اس نے نہ کاٹا۔ یا حضرت ذبیح اللہ کی گردن لوہے کی بن گئی۔ یہ بھی بے تکی دلیل ہے۔ اس کالب لباب یہ ہے کہ اندازے سے نقل کرنا بھی کذب ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ ذبح ہو گئے تھے۔ پھر زخم بھر گیا تھا۔ یہ موقف بھی عقل اور نقل کے خلاف ہے۔ اگر معاملہ اس طرح ہوتا تو آیت طیبہ میں یوں کہنے پر اقتصار نہ کیا جاتا:

وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿۱۰۳﴾ (الصافات: ۱۰۳)

ترجمہ: ”اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔“

نیز ذبح کے ذکر میں زیادہ آزمائش ہے اور فدہ کا فائدہ ساقط ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمکین سے قبل نسخ جائز ہے۔ وب معراج کی داستان سے اس کی تردید کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں

کوئی خفاء نہیں ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اور آپ کی امت پچاس نمازیں پڑھیں پھر نماز کا وقت ہونے سے قبل اسے منسوخ کر دیا گیا جسے منسوخ کر دیا گیا۔

امام سہلی لکھتے ہیں ”اللہ تعالیٰ نے پہلے پچاس نمازیں فرض کیں پھر دس دس کی کمی کر کے صرف پانچ کو باقی رکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ پانچ پانچ کی کمی کی گئی۔ ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ پانچ بھی دس میں شامل ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اسے نسخ کہیں گے یا نہیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ اس کا تعلق عمل سے قبل عبادت کے نسخ سے ہے۔ لیکن ابو جعفر النخاس نے اس کا رد کیا ہے۔ انہوں نے اس رد کی بنیاد دو ستونوں پر رکھی ہے۔ ان کا اصول اور نقطہ نظر یہ ہے کہ عبادات ان پر عمل پیرا ہونے سے قبل منسوخ نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ البداء ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی ذات پر محال ہے۔ (۲) اگر بعض کے نزدیک عبادت کا اس پر عمل پیرا ہونے سے قبل نسخ جائز بھی ہو۔ پھر بھی کسی کے نزدیک اس کا نسخ زمین پر پہنچنے سے قبل اور مخا طبین سے پہنچنے سے پہلے جائز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نسخ کا یہ دعویٰ علامہ قاشانی اور ان کے ہم نوا علماء نے کیا ہے۔ تاکہ ان کا موقف درست ثابت ہو جائے کہ بیان مؤخر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تو ایک شفاعت تھی جو حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے کی تھی۔ یہ اپنے پروردگار سے ایک التجا تھی کہ وہ اس امت مرحومہ سے تخفیف کرے۔ اس لیے اسے نسخ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن علامہ ابو جعفر النخاس کا یہ موقف درست نہیں ہے کہ عبادات کا نسخ ان پر عمل پیرا ہونے سے قبل نہیں ہو سکتا۔ ان کا اسے البداء کہنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ بداء کی حقیقت یہ ہے کہ کسی امر کے لیے ایک حقیقت ظاہر جو اسے درست معلوم ہو۔ حالانکہ اسے پہلے اس میں کوئی صحت نظر نہ آتی تھی۔ یہ اس ذات پاک کے لیے محال ہے جو اشیاء کو علم قدیمی اور علم ازلی سے جانتی ہے۔ اس میں نسخ نامی کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ نسخ تو ایک حکم کو دوسرے حکم سے تبدیل کرنا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ذات باری تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ اس کی حکمت کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے۔ جس طرح کہ مرض کو صحت اور صحت کو مرض میں تبدیل کرنا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عبد مامور پر جب کوئی حکم لاگو ہوتا ہے تو اس کے لیے تین امور کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ (۱) اس کام کا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ (۲) حکم سنتے وقت اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم۔ (۳) اگر وہ حکم واجب ہو تو اس کے وجوب کا عقیدہ رکھنا۔ اگر فعل سے قبل ہی منسوخ کر دیا جائے تو اس طرح صرف دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ عزم اور وجوب کا اعتقاد۔ اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے بندہ اپنی آزمائش اور امتحان میں پورا اترتا ہے۔ اسے اس کی نیت کے مطابق اجر و ثواب دیا جاتا ہے بلاشبہ امر کا نسخ اس کے نزول سے پہلے جائز نہیں نہ ہی مخاطب کے علم سے پہلے جائز ہے۔ جس نسخ کا ذکر علامہ نخاس

نے کیا ہے وہ نسخ کی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عبادت جس کا اسے حکم دیا گیا تھا وہ منسوخ ہو چکی ہے۔ ہمارے نزدیک حضور اکرم ﷺ اور آپ کی امت مرحومہ سے پینتالیس نمازوں کا ختم ہو جانا دو اعتبار میں سے ایک لحاظ سے ہے۔ (۱) یا تو حضور ﷺ سے ان کی ادائیگی منسوخ ہوگی۔ اس طرح آپ سے عزم اور وجوب کا اعتقاد رکھنا بھی ختم ہو جائے گا۔ یہی حقیقت میں نسخ ہے۔ اس سے اس کی تبلیغ بھی آپ سے منسوخ ہو جائے گی۔ کیونکہ آپ ہر اس چیز کی تبلیغ پر حریص تھے جس کا آپ کو حکم دیا جاتا۔ ابو جعفر نوح اس کا یہ قول کہ یہ ایک سفارش اور شفاعت تھی اس سے نسخ کی نفی ہو جاتی ہے۔ درست نہیں کیونکہ نسخ کبھی کبھی ایک مشہور سبب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی شفاعت ہی آپ کے لیے نسخ کا سبب بنی۔ یہ حقیقت میں نسخ کو باطل کرنے والی نہیں۔ صرف اس تبلیغ کا حکم آپ سے منسوخ ہوا ہے۔ جو نسخ سے قبل آپ پر واجب تھی۔ پانچ نمازوں کا حکم دینا آپ کے خواص میں سے ہے۔ جہاں تک آپ کی امت کا تعلق ہے تو اس سے کوئی حکم منسوخ ہی نہیں ہوا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سے صرف خبر دینا مقصود ہو عبارت مقصود نہ ہو۔ اگر یہ خبر ہو تو اس میں نسخ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے خبر کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو خبر دی کہ آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہیں یعنی وہ لوح محفوظ پر پچاس نمازیں ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا: ”یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن ان کا اجر پچاس جتنا ہے۔ ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ تاویل کی کہ بالفعل پچاس نمازیں فرض ہیں۔ پھر آپ بارگاہِ صمدیت میں جاتے رہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ پچاس نمازیں ثواب کے اعتبار سے ہیں۔ عمل کے اعتبار سے نہیں ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ از روئے خبر ہو از روئے عبادت نہ ہو۔ اگر یہ خبر ہو تو پھر اس میں نسخ کا عمل دخل نہیں ہے۔ خبر کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کو بتایا ہو کہ آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوح محفوظ میں پچاس ہیں۔ جیسے کہ روایت کے آخر میں ہے۔ ”یہ پانچ پچاس ہی ہیں۔ ایک نیکی کا اجر ثواب دس گنا ہے آپ نے اس کی یہ تاویل فرمائی کہ یہ فضیلت کے اعتبار سے پچاس ہیں۔ آپ حریم ناز میں تشریف لے گئے حتیٰ کہ آپ کو بیان کر دیا گیا کہ یہ ثواب کے اعتبار سے پچاس ہیں نہ کہ عمل کے اعتبار سے۔

(۱۰۲) اس تفصیل سے عیاں ہو گیا ہے کہ فعل کا نسخ اس کے ممکن سے قبل جائز ہے۔ یہ آپ کے حق میں تو صحیح ہے۔ لیکن آپ کی امت کے حق میں صحیح نہیں۔ کیونکہ ابلاغ سے قبل نسخ محال ہے۔ کیونکہ تکلیف کے لیے شرط ہے کہ مکلف کو علم کے ساتھ تمکین حاصل ہو۔ جب اس کے لیے علم شرط نہ ہو تو ابلاغ سے قبل تکلیف کا نسخ اس کے تناقض میں سے ہے۔

ابن دجیہ لکھتے ہیں: ”آپ کی امت کے حق میں بھی نسخ صحیح ہے۔ کیونکہ اسلام ہر مسلمان پر لازم قرار دیتا ہے کہ اسلام کی فروعات اور دین کی ساری شرائع میں ان کی تفصیل کے ساتھ داخل ہو جائے ہر وہ شخص جو اپنی زندگی میں ایمان لے آیا وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ حالانکہ ابھی تک ایسے احکام تھے جن کا ابھی تک نزول نہیں ہوا تھا اور جو نہ ہی پوری طرح بیان کیے گئے تھے۔ ان میں سے بعض ایک اعتبار سے مجمل اور دوسرے اعتبار سے مبہن نازل ہوئے تھے۔ بعض ابھی تک نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا نزول بعد میں ہوا تھا۔ ایمان اور التزام تو سب کو شامل ہے جس طرح ابلاغ سے بعد نسخ جائز ہے اسی طرح ابلاغ سے قبل بھی نسخ جائز ہے۔ اکثر احکام پہلے مجمل واجب ہوئے بعض میں ضرورت کے وقت ان کی تفصیلات بیان کی گئیں۔ جیسے نماز اور زکوٰۃ۔ وجوب کی ابتداء میں ان کی تعداد اور تیاری کے متعلق نہ بتایا گیا۔ نہ ان کے اوقات نہ ہیئت اور نہ ہی شرائط کے بارے بتایا۔ ان اجمالات کے باوجود تکلیف برقرار تھی۔ کیونکہ التزام اول کے ساتھ ہی مکلف ان کے التزام پر داخل ہو گیا تھا خواہ وہ امر جیسا بھی تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے آپ سے اسلام کے بارے سوال کیا تھا ”تو یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ تم فرض نماز ادا کرو۔ فرض زکوٰۃ دو۔ رمضان المبارک کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج ادا کرو۔“ ان مجمل اور غیر مبہن قواعد کی وجہ سے اس پر تکلیف مکمل ہو گئی۔

(۱۰۳) ابن دجیہ نے لکھا ہے ”جب تم علماء کو سنو کہ وہ فعل سے قبل نسخ پر گفتگو کر رہے ہوں تو جان لو کہ ان کا ارادہ ہے کہ یہ نسخ اس زمانہ کے گزرنے سے قبل ہو پہلے فعل کی وسعت رکھتا ہو۔ اسی میں اختلاف ہے۔ وہ ہر متفق علیہ نسخ کا فعل سے قبل کا ہی تصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو ہو گیا وہ گزر گیا اس کی تکلیف ختم اور اس کا نسخ بھی ختم۔ اگر تم انہیں یوں کہتے ہوئے سنو: ”ابلاغ سے قبل تکلیف کا نسخ متعذر ہوتا ہے کیونکہ ابلاغ تکلیف کے لیے شرط ہے تو جان لو کہ ان کا ارادہ یہ ہے تکلیف کی تکمیل ہو۔ ابلاغ کے ساتھ ہی مشروط ہے ہمارے نزدیک اصل تکلیف اس پر موقوف نہیں ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ امر قدیمی ہے۔ وہ مامور کے وجود سے بھی پہلے محقق ہے چہ جائیکہ اسے اس کا ابلاغ ہو۔“

(۱۰۴) بعض عارفین نے لکھا ہے: ”جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں محبت متمکن ہو گئی ان کے لیے طور کے انوار روشن ہو گئے تاکہ وہ انہیں حاصل کر سکیں لیکن روک دیا گیا۔ جب انہیں ندادی گئی انہیں منادی کا اشتیاق پیدا ہوا۔ وہ بنو اسرائیل میں یہ کہتے ہوئے گھوما کرتے تھے ”کون میرا بوجھ اٹھائے گا حتیٰ کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں۔“ ان کی مراد یہ تھی کہ وہ اپنے حبیب کے ساتھ مناجات کو طول دے سکیں۔ جب شب معراج حضور اکرم ﷺ

کا گزران کے پاس سے ہوا۔ تو انہوں نے آپ کو حریمِ ناز میں بھیجا تا کہ وہ بار بار حبیب کے حبیب کی زیارت سے شاد کام ہو سکیں۔ ایک عارف نے لکھا ہے ”جب حضرت کلیم اللہ ﷺ نے دیدار کا سوال کیا تو ان کی یہ التجاء پوری نہ ہوئی۔ یہ شوق انہیں مضطرب رکھتا تھا۔ یہ امید ان کی آتش شوق کو بھڑکاتی تھی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو دیدار الہی نصیب ہوا ہے اور ان کے لیے فضیلت کا دروازہ کھلا ہے تو انہوں نے کثرت سے سوال کیا تا کہ اس ہستی کی زیارت کر لیں جس نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔

واستفشق الارواح من نحو ارضکم
و انشد من لاقیت عنکم عسا کم
فانتم حیاتی ان حییت و ان امث
لعلی اراکم او ازی من یراکم
تجو و دون لی بالعطف منکم عسا کم
فیاً حبذا ان مت عبد ہوا کم

ترجمہ: ”تمہاری سر زمین سے آنے والی ارواح کا میں مشتاق رہتا ہوں کہ شاید میں تمہیں دیکھ لوں یا انہیں دیکھوں جنہوں نے تمہاری زیارت کی ہو۔ میں جس سے ملاقات کرتا ہوں اسے تمہارے بارے پوچھتا ہوں کہ شاید تم مجھ پر بھی کرم نوازی کر دو۔ شاید! تم میری زندگی ہو۔ اگر میں زندہ رہوں۔ اگر میں مر جاؤں تو اگر میں تمہاری محبت کا غلام ہوں تو پھر یہ کتنی اچھی موت ہے۔“
ایک اور شاعر نے لکھا ہے:

و انما السیر فی موسی یردۃ
یبده سناھا علی وجہ الرسول
لیجتلی حسن لیلی حدین یشہدہ
فیاً لله دد رسول حدین اشہد

ترجمہ: ”حضرت موسیٰ نے آپ کو بار بار لولٹایا تا کہ وہ اپنے حبیب کا حسن پوری طرح دیکھ لیں حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر اس کا حسن عیاں تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا فیضان کتنا کثیر تھا جب میں نے آپ کی زیارت کی۔“
ایک عارف نے لکھا ہے: ”جب حبیب لبیب ﷺ مقام قرب پر تشریف فرما ہوئے محبت کے جام گردش میں آئے جب واپس آئے تو ”مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى“ (انجم: ۱۱) کا چاند چشمان مقدس کے مابین عیاں تھا۔ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ“ (انجم: ۱۰) کی بشارت نے آپ کے قلب انور اور مبارک کانوں کو بھر دیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ ﷺ کا گذر آپ کے پاس سے ہوا تو انہوں نے زبان حال سے آپ سے عرض کی:

یا واردًا من اہیل الحیٰ یخبرنی
ناشدتک اللہ یا راوی حدیہم
عن جبرتی شرف الاسماع بالخبر
حدث فقد ناب سمعی الیوم عن بصری

ترجمہ: ”اے قبیلے کے ٹیلے پر اترنے والے مجھے میرے پڑوسیوں کے بارے بتاؤ ان کی خبر دے کر میرے کانوں کو محفوظ کرو۔ اے ان کی داستان بیان کرنے والے! ان کی حکایت شوق سناؤ۔ آج میرے کان میری بصارت کے نائب بن چکے ہیں۔“
حضور اکرم ﷺ نے انہیں زبانِ حال سے فرمایا:

و لقد خلوت مع الحبيب و بیننا
و اباح طرفی نظرة املتها
سڑارق من النسیم اذا سزی
فغدوت معروفا و کنت منکراً

ترجمہ: ”میں نے اپنے یار کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی۔ ہمارے مابین ایک ایسا راز بھی ہے جو بادِ نسیم سے بھی زیادہ نرم اور رقیق ہے۔ جب وہ چلے۔ اس نے میری طرف نظر کرم کی۔ جس کی مجھے امید تھی۔ میں معروف ہو گیا حالانکہ پہلے میرا انکار کیا جاتا تھا۔“

(۱۰۵) آپ نے فرمایا: ”جب میں واپس لوٹا تو یہ صدا دی گئی: ”میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا ہے۔ میں نے اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔“ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے شبِ معراج بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی حاصل کیا تھا۔

(۱۰۶) حضرت شریک کی روایت کا ظاہر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ نے آپ سے عرض کی تھی: ”آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نیچے تشریف لے جائیں۔“ کیونکہ انہوں نے اس کے بعد آپ کا یہ فرمان نقل کیا ہے ”میں نمازوں کی تخفیف کے لیے حریمِ ناز میں اتنی بار گیا ہوں کہ اب مجھے حیا آتی ہے۔“ لیکن صحیح موقف یہ ہے کہ یہ گزارش حضرت جبرائیل امین نے کی تھی داؤدی نے اسی کو یقین کے ساتھ لکھا ہے۔

(۱۰۷) امام سہلی نے لکھا ہے ”اگر یہ کہا جائے کہ اس پیالے سے پانی پینا کیسے مباح تھا جو کسی اور کی ملکیت میں تھا۔ اس وقت تک نہ بخاری املاک اور نہ ہی ان کے خون بہانے مباح ہوئے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ مسافروں کے لیے صرف پانی ہی نہیں بلکہ دودھ بھی مباح قرار دیتے تھے۔ وہ اپنے چردا ہوں کو مقرر کرتے وقت یہ شرط عائد کرتے تھے کہ مسافر کو دودھ سے بھی منع نہ کریں۔ یہ تو پانی ہے۔ عرف کا حکم شریعت میں اصول ہوتا ہے۔ امام بخاری نے کتاب البیوع میں روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت ہند بنت عتبہ سے کہا تھا: ”بھلائی کے ساتھ اتنا لے لیا کرو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہو۔“
ہمارے آئمہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے لیے کسی دوسرے کا کھانا اور پانی لینا حلال ہے۔ مالک کے لیے واجب

ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پانی آپ پر قربان کر دے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ۔ (الاحزاب: ۶)

ترجمہ: ”نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔“

(۱۰۸) سورج کے روک لینے کے معجزہ کا تذکرہ معجزات میں آئے گا۔

(۱۰۹) آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ میرے سامنے آگئی۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ امام احمد، امام نسائی نے ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ

نے فرمایا: ”قریش نے اس وقت مجھے کچھ اشیاء کے بارے پوچھا جو مجھے ثابت نہ تھیں۔ میں بہت زیادہ پریشان

ہوا اتنا غمزدہ میں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ رب تعالیٰ نے مسجد کو اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ قریش مجھ سے جس چیز کے

بارے بھی سوال کرتے میں اس کی طرف دیکھ کر انہیں بتا دیتا۔“ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

آپ نے فرمایا: ”رب تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے لیے عیاں کر دیا۔ میں اسے دیکھ دیکھ کر لوگوں کو بتا رہا تھا:

”یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور مسجد اقصیٰ کے مابین سے حجابات اٹھا دیے تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے اسے دیکھ لیا۔ یہ

بھی احتمال ہے کہ مسجد اقصیٰ کو اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہو حتیٰ کہ آپ اسے دیکھ رہے ہوں۔ حضرت ابن

عباس کی سابقہ روایت سے یہی عیاں ہوتا ہے۔ یہ زیادہ بلیغ معجزہ ہے۔ یہ محال نہیں ہے۔ بلقیس کا عرش آنکھ

جھپکنے سے قبل حاضر کر دیا گیا تھا۔ حضرت ام ہانی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ نے فرمایا: ”بیت

المقدس میرے تصور میں آگیا۔ میں قریش کو اس کی علامات بتانے لگا۔“ اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید اس کی مثالی

شکل آپ کے قریب کر دی گئی ہو جیسے کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے جنت اور آگ کو دیکھا۔“ روایت بھی ہے کہ اس

کی مثال سامنے لائی گئی۔

(۱۱۰) حضرت شریک کی روایت دیگر روایات سے بارہ امور میں مخالف ہے:

① معراج بعثت سے قبل تھی۔ اس کا تفصیلی جواب گزر چکا ہے۔

② یہ معراج عالم نیند میں تھی۔ اس کا جواب بھی گزر چکا ہے۔

③ انبیائے کرام کے مقامات آسمانوں پر تھے۔ یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ انہیں مقامات یاد ہی نہ رہے تھے۔ لیکن

امام زہری نے بعض جگہوں میں ان کی موافقت کی ہے۔

④ سدرة المنتہی کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا

ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ ساتویں یا چھٹے آسمان پر ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔

انہوں نے دونہروں میں بھی مخالفت کی ان سے مراد دریائے نیل اور فرات ہیں۔ ان کا عنصر آسمان دنیا ہے۔
ان سے علاوہ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ نہریں ساتویں آسمان میں ہیں۔ یہ سدرۃ المنتہی کے نیچے ہیں۔
معراج کے وقت آپ کا سینہ اقدس چاک کیا گیا۔ دوسرے راوی کی روایت بھی ان کی موافقت کرتی ہے۔ اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے۔

انہوں نے روایت کیا ہے کہ نہر کوثر آسمان دنیا پر ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ یہ جنت میں ہے۔
انہوں نے الدنوا المتمدلی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت جبرائیل تھے۔ خطاب نے لکھا ہے کہ اس کتاب (بخاری) میں اس سے عجیب تر اور کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ قریب ہوا۔ پھر وہ اور قریب ہوا حتیٰ کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس امر کا تقاضا ہے کہ ان دونوں کے مابین مسافت کی حد بندی کی جائے۔ ہر ایک مکان کو تمیز کی جائے۔ پھر تمدلی میں اس چیز کے ساتھ تشبیہ اور تمثیل ہے جس کا تعلق اوپر سے نیچے سے ہو۔ جس تک روایت کا صرف یہ حصہ پہنچا ہے تو اس نے اس قصہ کے نہ تو اول کا اور نہ ہی آخر کا اعتبار کیا ہے۔ اس پر اس کی وجہ سے اور معانی مشتبه ہو گئے ہیں یا تو اس نے حدیث پاک کا رد کر دیا ہے یا تشبیہ میں گر پڑا ہے۔ یہ دونوں غلطیاں ہیں۔ لیکن جس نے از اول تا آخر حدیث پاک کا اعتبار کیا ہے۔ اس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے یہ خواب تھا کیونکہ آپ نے فرمایا: "وہو نائم... استیقظ" بعض روایات میں ضرب المثل بیان کی گئی ہے تاکہ انسان اس اعتبار سے حاصل کر سکے جس پر تعبیر کا معنی پھیرنا لازم ہو۔ بعض خواب تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ کی طرح ہوتے ہیں۔

الحافظ نے لکھا ہے: "صحیح موقف وہی ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے اس شخص کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی جس نے یہ کہہ کر ان کی گرفت کی ہے۔" صحیح روایت میں ہے کہ انبیائے کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ وہ تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے۔ "کیونکہ اس نظریہ میں باریک نظری سے کام نہیں لیا گیا۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعض خواب تعبیر قبول کرتے ہیں۔ قمیص کی تعبیر کے بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟" آپ نے فرمایا: "دین۔" آپ نے دودھ کی تعبیر علم سے کی۔ خطاب نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی۔ لیکن ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ معراج عالم بیداری میں تھی۔ خطاب نے اس روایت کے بارے لکھا ہے: "اس ساری حکایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے بیان کیا

ہے اسے نہ تو حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے نہ اسے آپ سے نقل کیا ہے۔ نہ ہی آپ کی طرف اضافت کی ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ ساری روایت حضرت انس کی طرف سے ہے۔ جہاں تک شریک کی روایت کا تعلق ہے تو ان کی روایت میں بہت زیادہ تفرق پایا جاتا ہے۔ ان میں ایسے منکر الفاظ ہیں جو دیگر راویوں نے بیان نہیں کیے ہیں۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ خطاب نے جو یہ نفی کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو حضور پاک ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس کا کوئی اثر نہیں۔ اس میں کم سے کم معاملہ یہ ہے کہ یہ صحابی کی مرسل روایت ہے یا انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سنی ہوگی۔ یا اس صحابی سے سنی ہوگی جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سنی ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسے امور پر مشتمل ہے جسے اپنی طرف سے نہیں کہا جاسکتا۔ لہذا اس روایت کا حکم مرفوع روایت کی طرح ہوگا۔ اگر اس میں وہ تاثیر ہوتی جس کا تذکرہ خطاب نے کیا ہے تو اس کو مرفوع روایت کا درجہ کوئی نہ دیتا۔ لیکن محدثین کا عمل اس کے خلاف ہے۔ لہذا یہ تفصیل مردود ہے۔ خطاب لکھتے ہیں: "اس روایت تدلی کی جو نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے وہ تمام سلف، علماء اور اہل تفسیر کے موقف کے خلاف ہے۔ اس کے بارے میں اقوال ہیں: (۱) حضرت جبرائیل حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی تدلی فدنا کیونکہ تدلی دنو کا سبب تھا۔ (۲) آپ نے حضرت جبرائیل کو آتے جاتے دیکھا۔ یہ رب تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تھا۔ کیونکہ وہ کسی سہارے کے بغیر ہوا میں آ جا رہے تھے۔ کسی چیز کو پکڑے ہوئے بھی نہ تھے۔ (۳) حضرت جبرائیل قریب ہوئے تو حضور اکرم ﷺ اس نعمت قرب کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے۔ یہ الفاظ حضرت انس سے شریک کی سند کے علاوہ دوسری سند میں تحریر کیے گئے ہیں۔ انہوں نے ان الفاظ کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ یہ الفاظ شریک کے ہیں۔"

الحافظ نے لکھا ہے "امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے فرمان وَلَقَدْ رَاَهُ نَزِلًا اخْرٰی ﴿۱۳﴾ (انجم: ۱۳) سے مراد ہے کہ آپ کا رب تعالیٰ آپ کے قریب ہوا۔ اس روایت کی سند حسن ہے۔ یہ شاہد ہے جس سے شریک کی روایت کو تقویت نصیب ہوتی ہے۔" خطاب نے لکھا ہے: "اس روایت میں ایک اور لفظ بھی ہے جس میں شریک متفرد ہیں کسی اور نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ وہ "علا بہ" ہے۔ یعنی حضرت جبرائیل رب تعالیٰ کے پاس گئے۔ آپ نے اپنی جگہ سے ہی عرض کی: "رب خفف عنا" مکان کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا مقام ہے جس میں آپ حضرت جبرائیل امین کے نزول سے قبل جلوہ افروز تھے۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ اخیر متعین ہے۔ سیاق میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ جگہ کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

جو انہوں نے یہ لکھا ہے کہ سلف اور خلف نے اس موقف کی مخالفت کی ہے۔ ہم نے ان کا بھی تذکرہ کر دیا ہے جنہوں نے اس کی موافقت کی ہے۔ امام قرطبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ قریب ہوا۔" امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس کا امر اور حکم قریب ہوا۔ تدلی کا اصل معنی ہے کسی چیز کی طرف نزول حتیٰ کہ وہ اس کے قریب ہو جائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ رفرن حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوا۔ حتیٰ کہ آپ اس پر جلوہ افروز ہو گئے۔ پھر حضور اکرم ﷺ اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہو گئے۔ علماء نے یہ اشکال کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ قاضی نے لکھا ہے: "اللہ کی طرف اور یا اس کی طرف سے یہ دنو یا قرب سے مراد قرب مکانی نہیں جو کسی حد پر ختم ہوتا ہو۔ حضور ﷺ کا اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہونے سے مراد آپ کی عظیم منزلت کی تعظیم آپ کی شان والا کی تکریم اور اس نعمت کبریٰ کا اظہار ہے جو آپ کے علاوہ کسی اور کو عطا نہ کی گئی۔ اس سے مراد معرفت کے انوار کا چمکنا اور غیب اور قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کرنا تھا۔ جیسے کہ حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہما نے لکھا ہے: "رب تعالیٰ کی طرف سے دنو کی کوئی حد نہیں فہم یا وہم جس تک پہنچ سکے۔ اس دنو کے بارے کچھ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حضرت جبرائیل کو دنو سے کیسے روک دیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ اس معرفت اور ایمان کے قریب ہوئے جو آپ کے قلب انور میں ڈالا گیا تھا۔ آپ اپنے سکون قلب کے ساتھ حریم ناز کے قریب ہوئے۔ سارا شک و شبہ ختم ہو گیا۔ یہ قرب حریم ناز سے بخشا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کی بارگاہ سے انعام اکرام اور شرف و قدر کے عطیات حاصل کیے۔ رب تعالیٰ نے آپ کی امیدوں کو کامیاب فرمایا۔ آپ معرفت اور ایمان کے اعتبار سے سارے لوگوں سے زیادہ ثابت تھے۔ آپ کا قلب انور سب سے زیادہ پرسکون تھا۔ رب تعالیٰ کا قرب یا اس کی طرف سے قرب سے مراد یہ ہے کہ اس نے آپ پر بہت زیادہ انعامات و اکرام کیے۔ آپ سے آوازوں کو روک کر آپ کی وحشت کو دور کیا۔ آپ پر عظیم نعمتیں فرما کر آپ کو اکرام سے نوازا۔ رب تعالیٰ کے دنو کی تاویل وہی کی جاسکتی ہے جو آپ ﷺ کے اس فرمان کی تاویل ہے "ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا پر تشریف فرما ہوتا ہے۔ جب کہ رات کا آخری ثلث باقی رہ جاتا ہے۔" اس کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ نزول فضل و کرم، قبول توبہ اور احسان و معرفت کے ساتھ ہوتا ہے۔ "واسطی لکھتے ہیں: "جس نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ بذات خود قریب ہو اس نے وہاں مسافت بنادی۔ لیکن وہاں مسافت محال ہے کیونکہ جب انسان اس کے قریب ہوتا ہے تو وہ اس سے اتنا ہی دور چلا جاتا ہے۔ یعنی وہ جس قدر اس کے قریب ہوتا ہے وہ دوری میں ہو جاتا ہے۔ یا تو یہ قرب و بعد کی نفی سے کنایہ ہے یا اس کی حقیقت کے ادراک کی نفی سے کنایہ ہے۔ یا اس حقیقت کے ادراک کے

لیے ہے کہ کوئی اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ حق کے لیے کوئی قرب و بعد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اس ذات کے لیے محال ہیں۔ جہاں تک رب تعالیٰ کے اس فرمان "فَإِنِّي قَرِيبٌ" کا تعلق ہے تو یہ اس کے کمال علم کی تمثیل ہے۔ وہ قرب سے بلند و برتر ہے۔ دنو کے بارے وہی تاویل کی جا سکتی ہے جو حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان میں کی جاتی ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ذراع اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔" یہ ایک تمثیل ہے جو معنی کے افہام کے قریب کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ یعنی جو میری اطاعت کے قریب ہوتا ہے تو اس کو اس کا کئی گنا اجر دیتا ہے۔ "جو چل کر میرے پاس آتا ہے میں بھاگ کر اس کی طرف آتا ہوں۔" یعنی اسے جزاء دینے میں پہل کرتا ہوں۔ "وہ اجابت اور قبول کے لحاظ سے سب سے قریب ہے۔ وہ احسان کرنے اور امید پورا کرنے اور دگنا ثواب عطا کرنے کے لحاظ سے قریب ہے۔ اسے از روئے مشاکلہ قریب کہا گیا ہے۔"

یہ صراحت موجود ہے کہ آپ پانچویں بار تخفیف کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور نہ گئے جبکہ حضرت ثابت کی روایت کا تقاضا ہے کہ آپ ساتویں بار کے بعد تخفیف کے لیے حریم ناز میں نہ گئے۔

فعلا بہ الجبار۔ اس کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔

پانچویں بار رجوع کے بعد مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ نے آپ کو واپس جانے کے لیے کہا تا کہ مزید تخفیف ہو جائے مگر آپ واپس نہ گئے۔

بعض روایات میں طشت میں "توز" کا اضافہ ہے۔ آپ نے فرمایا: "میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا۔ جس میں سونے کا "توز" تھا۔ شاید اس سے مراد چھوٹا ٹرے ہو جو بڑے ٹرے میں شامل ہو۔ تاکہ اس سے کچھ بکھرنے نہ پائے۔ جو گرے وہ بڑے ٹرے میں گرے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما اور حضرت شریک رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ فرشتوں نے آپ کے قلب انور کو آب زمزم سے دھویا۔ یہ احتمال ہے کہ ایک طشت میں آب زمزم اور دوسرا ایمان سے بھرا ہوا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تور پانی اور ایمان کے لیے برتن ہو۔ اور ٹرے اس لیے ہوتا کہ غسل کے وقت اس میں موجود چیزیں نیچے نہ گریں۔ وہ ٹرے پر ہی رہیں۔ الحمد للہ رب العلمین، والصلوة والسلام علی سید المرسلین صاحب البراق والمعراج وقاب قوسین او ادنیٰ و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔

نماز کیسے فرض ہوئی

امام شافعی، امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، طحاوی، بیہقی، امام نسائی، دارقطنی، الحاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "حضرت جبرائیل امین نے بیت اللہ کے پاس مجھے امامت کرائی۔ دوسری روایت میں ہے: "بیت اللہ کے دروازے کے پاس انہوں نے مجھے دو بار امامت کرائی۔ مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج زائل ہو چکا تھا۔ وہ تسمتہ کی مقدار کے برابر ڈھل چکا تھا۔ مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو چکا تھا۔ مجھے نماز مغرب اس وقت پڑھائی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ مجھے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہو گیا مجھے فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ دوسرے روز مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کسی چیز کا سایہ اس کی مثل ہو چکا تھا۔ دوسری روایت میں ہے "جیسے کہ کل عصر کا وقت تھا۔" پھر مجھے نماز عصر اس وقت پڑھائی۔ جب چیز کا سایہ اس کے دو مثل تھا۔ مجھے مغرب اس وقت پڑھائی جب روزہ افطار کرتا ہے اور مجھے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب رات کا پہلا ثلث گزر چکا تھا۔ مجھے نماز فجر اس وقت پڑھائی جب صبح خوب روشن ہو چکی تھی۔ پھر انہوں نے میری طرف توجہ کر کے کہا: "اے محمد عربی (جان عالم) ﷺ یہ آپ سے پہلے انبیاء (کی نمازوں) کا وقت تھا۔ ان دو اوقات کے مابین نمازوں کا وقت ہے۔" میں اسی طرح آگاہ ہوا ہوں کہ حضرت جبرائیل امین نے آپ کو پانچ نمازیں اسی طرح پڑھائی تھیں۔ نمازوں کی رکعتوں کے بارے بعض علماء کا خیال ہے کہ پہلے دو دور کعتیں فرض کی گئیں تھیں۔ پھر حضر کی نماز میں دو دو کا اضافہ کر کے انہیں چار چار کعتیں بنا دیا گیا سوائے نماز مغرب کے۔ جبکہ سفر کی نماز میں دو کعتیں برقرار رکھی گئیں۔ امام شعبی، ابن اسحاق اور میمون بن مہران نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ جبکہ دیگر علماء کرام کا خیال ہے کہ مغرب کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں میں پہلے ہی چار چار کعتیں فرض کی گئیں تھیں۔ جبکہ صبح کی دو کعتیں فرض ہوئیں تھیں۔ یہ حسن، نافع، جبیر بن مطعم اور ابن جریر کا موقف ہے۔ بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ حضر میں چار چار اور سفر میں دو دو کعتیں فرض کی گئیں یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سارے اقوال کے دلائل المطولات میں مذکور ہیں۔

امام بخاری، امام مسلم، ابن اسحاق نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پہلے دو دور کعتیں فرض ہوئیں پھر حضر میں انہیں چار چار کر دیا گیا اور سفر میں پہلی دو رکعتوں کو برقرار رکھا گیا۔

تنبیہات

❖ نماز کے اوقات کے بارے بعض علماء نے عند البیت اور بعض نے عند بیت الباب کا ذکر کیا ہے یہ امام شافعی، طحاوی اور امام بیہقی کی روایت ہے۔

❖ سابقہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء ظہر کی نماز سے ہوئی تھی۔ لیکن امام مسلم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سرور کائنات ﷺ پر نماز فرض کی گئی کہ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کو نماز صبح اس وقت پڑھائی جب فجر طلوع ہو چکی تھی..... اسی طرح امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یہ حضرت جبرائیل میں جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے ہیں۔“ آپ نے نماز صبح اس وقت پڑھی جب فجر طلوع ہو چکی تھی۔

❖ ابو عمر نے لکھا ہے ”حضرت جبرائیل امین رضی اللہ عنہ کی یہ گزارش کہ یہ آپ کی اور آپ سے قبل انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کی نمازوں کے اوقات ہیں۔“ یہ صرف اس روایت میں ہے جسے حضرت ابن عباس نے روایت کیا ہے قاضی ابن عربی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے: ”اس کے ظاہر سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ نمازیں انہی اوقات میں سابقہ انبیاء کرام رضی اللہ عنہم پر فرض تھیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے: ”یہ آپ کے لیے مشروع وقت ہے۔ یعنی وہ وقت جو ان دونوں حدود کے مابین ہے یہ اول و آخر وقت ہے۔ یہ آپ سے پہلے انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کا وقت ہے ان کی نماز بھی اسی طرح دو اوقات کے مابین تھی۔ ورنہ یہ نمازیں ان اوقات میں فرض ہونا صرف اس امت کی خصوصیت ہے دیگر ائم پر بعض نمازیں فرض تھیں۔ ابو داؤد نے عشاء کی روایت میں لکھا ہے: ”اس نماز کا اہتمام کیا کرو اس نماز کے ذریعے تمہیں دیگر ساری اقوام پر فضیلت دی گئی ہے تم میں سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔“ ابوالفتح نے لکھا ہے: ”اس سے ان کے لیے وقت کی وسعت سے مراد ہے کہ یہ اس وقت کا اول اور آخر ہے۔ ورنہ اوقات بعینہا وہی ہیں۔“

❖ بعض علماء نے ”عند البیت“ سے ایک اشکال ظاہر کیا ہے کہ آپ ہجرت سے قبل بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ آپ بیت اللہ کو اپنے اور بیت المقدس کے مابین رکھتے ہوں۔ اسی طرح ”عند الباب“ میں بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ بیت اللہ کے دروازے کے پاس نماز پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز اس کی طرف منہ کر کے پڑھی ہو۔

ابن منیر نے لکھا ہے ”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سکھائیں تو یہ نماز ان پر فرض تھی۔ کیونکہ انہیں اس کا حکم دیا گیا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نماز مفترض کے پیچھے مفترض کی نماز تھی۔

حربی نے لکھا ہے: ”جو پہلے آپ پر نماز فرض کی گئی وہ دن کے وقت دو رکعتیں اور رات کے وقت دو رکعتیں تھیں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”آپ پر دو دو رکعتیں نماز فرض ہوئی پھر حضر میں اضافہ کر دیا گیا۔“

ابو عمر نے لکھا ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایت میں حربی کے موقف کی کوئی دلیل نہیں ہے ہی اس کے بارے کوئی صحیح اثر مروی ہے بلکہ اس میں یہ دلیل ہے کہ دو دو رکعتیں جو نماز فرض ہوئی تھی وہ پانچ نمازیں تھیں کیونکہ ”الصلاة“

میں الف لام سے المعہود کی طرف اشارہ ہے۔“ الحافظ نے لکھا ہے: ”جو بات ظاہر ہے اور جسے دلائل ظاہر کرتے ہیں

وہ یہ ہے کہ شب معراج دو دو رکعتیں نماز فرض کی گئی۔ سوائے مغرب کے پھر ہجرت کے بعد ان میں اضافہ کر دیا

گیا۔ سوائے صبح کی نماز کے۔“ جیسے ابن خزیمہ، ابن حبان اور امام بیہقی نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

روایت کیا ہے کہ سفر و حضر میں دو دو رکعتیں فرض کی گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے اور پرسکون ہو

گئے تو حضر کی نماز میں دو دو رکعتوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ فجر کی نماز کی طویل قرأت کی وجہ سے اس کی دو رکعتیں ہی رکھی

گئیں اور نماز مغرب کی تین رکعتیں رکھی گئیں کیونکہ وہ وتر ہے۔

پھر سفر میں چار رکعتوں والی نماز میں تخفیف کر دی گئی اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تھی۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّ خِفْتُمْ

أَنْ يَفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ إِنَّ الْكُفْرَيْنَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠١﴾ (النساء: ۱۰۱)

ترجمہ: ”اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں اگر ڈرو تم اس بات سے کہ تکلیف

پہنچائیں گے تمہیں کافر بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں۔“

جو کچھ ابن اثیر نے مسند شافعی کی شرح میں لکھا ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال ربیع الاول کے ماہ مبارک میں

نماز قصر فرض کی گئی۔ کیونکہ آیۃ الخوف اسی میں اتری تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ہجرت کے پہلے سال ربیع الاول میں

فرض ہوئی۔ امام دولابی اور امام سہلی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول ہے کہ ہجرت سے چالیس روز بعد نماز قصر

فرض ہوئی۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ تخفیف کے اعتبار سے نماز سفر کو برقرار رکھا گیا کیونکہ وہ

اس وقت سے برقرار ہے جب سے اسے فرض کیا گیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قصر عزیمت ہے۔

امام سہلی نے لکھا ہے کہ نماز میں یہ اضافہ نسخ ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب دیا جائے گا کہ دو یا ایک رکعت کا اضافہ حتیٰ

کہ وہ ایک مکمل نماز بن جائے یہ نسخ ہے۔ کیونکہ نسخ کا معنی ہے حکم اٹھا دینا۔ دو رکعتوں کے اجزاء کا حکم اٹھ گیا جس نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا وہ نماز کو فاسد کرنے والا ہوگا۔ اگر وہ سلام پھیرنے کے بعد نماز پڑھنا چاہے گا تو اس کے لیے جائز نہ ہوگا۔ الا یہ کہ وہ نماز کو از سر نو شروع کرے۔ نسخ سے اجزاء کا حکم اٹھ گیا نماز کی تعداد میں اضافہ کہ پہلے دو تھیں پھر پانچ ہو گئیں۔ امام ابوحنیفہ نے اسے بھی نسخ لکھا ہے۔ یہ زیادتی ان کے نزدیک نسخ ہے۔ لیکن جمہور متکلمین نے اسے نسخ نہیں کہا لیکن یہاں اس تفصیل کی جگہ نہیں ہے۔



انصار کے اسلام کی ابتداء

پہلا باب

انصار کا نسب

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ انصار ناصر کی جمع ہے۔ لیکن ناصر کے الف کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ زائد ہے۔ ان کا یہ نام زمانہ جاہلیت میں نہ تھا۔ بلکہ رب تعالیٰ نے کتاب حکیم میں انہیں اس نام سے موبوم کیا۔ انصار کے دو گروہ تھے:

(۱) اوس

لغت میں اس کا معنی عطیہ یا عوض ہے۔ الزھر میں ہے کہ بکریوں اور گاؤں کو جھڑکنے کو اوس کہا جاتا ہے۔ اس پر الف لام اسی طرح داخل کر دیا گیا ہے جس طرح التیم پر داخل کیا گیا ہے اس کی جمع تیمی آتی ہے۔ یہ روم اور رومی کے باب سے ہے۔ اس طرح کے علم میں الف لام داخل نہیں ہوتا۔

(۲) بنو خزرج

امام سہیلی نے لکھا ہے: ”لغت میں ٹھنڈی ہوا کو خزرج کہا جاتا ہے۔ یا خاص جنوب کی ہوا کو خزرج کہتے ہیں۔ زھر میں ہے کہ شدید ہوا کو خزرج کہتے ہیں۔ اوس اور خزرج حارثہ کے بیٹے تھے۔ جو ثعلبہ کا بیٹا تھا۔ اس کی گردن طویل تھی۔ اس لیے اسے العنقاء کہا جاتا تھا۔ یہ عمرو مز یقیاء کا بیٹا تھا۔ اسے یمن کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے یہ لقب ملا تھا۔ یہ روزانہ دو حلے پہنتا

تھا۔ رات کے وقت انہیں پھاڑ دیتا تھا۔ انہیں دوبارہ پہننا پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ ابن عامر ماء السماء کا فرزند تھا۔ جب اس کی قوم کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے ان میں اپنا مال بکھیر دیا۔ یہ ان کے لیے آسمان کا پانی ثابت ہوا۔ یہ حارثہ کا بیٹا تھا جو غطفریف کے نام سے موسوم تھا۔ لغت میں سردار یا شاہین کے بچے کو غطفریف کہا جاتا ہے۔ یہ امری القیس کا فرزند تھا۔ اس کا لقب بطریق تھا۔ یہ روم کے قائدین میں سے ایک تھا۔ ابن ثعلبہ۔ اس کا لقب بہلول تھا۔ ابن مازن۔ اس کا لقب زاد السفر تھا۔ ابن الازد۔ ازد کا نام در تھا۔ بن غوث بن مالک بن کہلان بن سبا بن شجب بن یعرب بن قحطان۔ اس نے سب سے پہلے عربی میں گفتگو کی تھی۔ یہ عرب الممتعر بہ کا باپ تھا۔ جبکہ حضرت اسماعیل عرب الممتعر بہ کے باپ تھے۔ اسے سب سے پہلے ابیت اللعن اور عم صبا کہا گیا۔ زبیر بن بکار کا موقف ہے قحطان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اس کے والد کا نام شمیمع تھا۔ یہ حضرت اسماعیل کے فرزند تھے۔ حضرت ابوہریرہ نے جب انصار سے کہا تھا: "تلك امكم يا بنى ماء السماء" تو ان کی مراد یہی نسب تھا۔ الحافظ نے لکھا ہے "میرے نزدیک یہی موقف راجح ہے۔"



انصار کی فضیلت

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (الانفال: ۷۴)

ترجمہ: ”اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی لوگ سچے ایماندار ہیں۔“

وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾ (الحشر: ٩)

ترجمہ: ”اور (اس حال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔“

فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ (الانعام: ٨٩)

ترجمہ: ”تو اگر انکار کریں اس کا یہ (مکہ والے) ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لیے ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں۔“

حضرت غیلان بن جریر سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”کیا انصار نام تم نے خود رکھا تھا یا اللہ تعالیٰ نے؟“ انہوں نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ہمارا یہ نام رکھا تھا۔“ (بخاری نسائی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے بنو قیلہ! اللہ تعالیٰ نے میری مدد ایسی

قوم سے فرمائی ہے جو زبان اور بازو کے اعتبار سے بہت مضبوط ہے۔“ بنو قیلہ سے مراد اوس اور خزرج ہیں۔ (الطبرانی) ابو اقداللیثی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں بارگاہ رسالت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے سرگوشی کی جسے سن کر آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا۔ آپ کے خدو خال میں خون تیزی سے دوڑنے لگا۔ پھر فرمایا: ”یہ عامر بن طفیل کا قاصد ہے جو مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ رب تعالیٰ میری طرف سے اسے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے دو گھرانوں کے ساتھ کافی ہو گیا ہے۔ اے بنو قیلہ! یعنی انصار۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ نے بچے اور خواتین دیکھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی شادی سے آرہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ”بخدا! تم مجھے سارے لوگوں سے زیادہ پیارے ہو۔“ آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ انصار کی ایک خاتون بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ اس کے ہمراہ اس کا بچہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے تم مجھے سارے لوگوں سے محبوب ہو۔“ آپ نے دو بار اسی طرح فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”انصار سے ایک مؤمن ہی محبت کرتا ہے۔ ان سے ایک منافق ہی بغض رکھ سکتا ہے۔ جو ان سے محبت کرتا ہے رب تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے رب تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے جبکہ انصار سے بغض منافقت کی نشانی ہے۔“ ان سے ہی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی ایک گلی میں سے گزرے۔ آپ نے انصار کی بچیوں کو سناوہ دف بجا کر یہ پڑھ رہی تھیں۔

نحن جوار من بنی نجار یا حبذا محمد من جار

ترجمہ: ”ہم بنو نجار کی بچیاں ہیں۔ محمد عربی ﷺ کتنے عمدہ ہمسائے ہیں۔“

یہ سن کر آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا: ”انصار کا یہ قبیلہ آزمائش (کسوٹی) ہے۔ ان سے محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق ہے۔“ (امام احمد) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار سے محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ایسا شخص انصار سے بغض نہیں رکھتا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔“ ان ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں نے مجھ سے محبت کی اس نے انصار سے محبت کی جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے انصار سے بغض رکھا۔ منافق ان سے محبت نہیں کرتا۔ مؤمن ان سے بغض نہیں رکھتا۔ جو ان سے محبت کرتا ہے جو ان سے بغض ہے رب تعالیٰ ان سے بغض رکھتا ہے لوگ دثار ہیں۔ جبکہ انصار شعار ہیں۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلتے انصار دوسری وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس میں انصار چلتے۔“

حضرت رباح بن عبد الرحمان نے مرفوع روایت کیا ہے۔ ”جس کا وضوء نہ ہو اس کی کوئی نماز نہیں۔ وضوء کے وقت نے ذکر نہ کیا اس کا وضوء نہیں ہے۔ جو مجھ پر ایمان نہ لایا اس کا رب تعالیٰ پر ایمان نہیں ہے۔ جو انصار سے محبت نہیں کرتا مجھ پر ایمان نہیں ہے۔“ حضرت علی بن سبرہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: ”اے لوگو! وضوء کے بغیر نماز نہیں ہوتی جو کرتے وقت ذکر نہیں کرتا اس کا وضوء نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لایا۔ اس کا مجھ پر ایمان نہیں جو مجھ پر ایمان نہ لایا اس انصار کا حق نہ جانا۔“ حضرت حارث بن زیاد نے مرفوع روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے انصار سے محبت کی اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ جس نے انصار سے بغض رکھا۔ رب تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔“ ان سے ہی روایت ہے کہ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے جو شخص انصار سے محبت رکھتا ہے۔ جب وہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو رب تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہوگا۔ جو انصار سے بغض رکھے گا وہ رب تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو رب تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھتا ہوگا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے دو قبائل اوس اور خزرج نے باہم فخر کیا۔ اوس نے کہا: ”ہم میں غسل حضرت خنظلہ ہیں ہم میں وہ ذات بھی ہیں جس کی وفات پر عرش الہی لرزا اٹھا تھا یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔ ہم میں وہ ہیں جنہیں شہد کی مکھیوں نے گھیر لیا تھا۔ یعنی حضرت عاصم بن ثابت۔ ہم میں وہ ہیں جن کی گواہی دو افراد کی گواہیوں کے برابر دی گئی۔ یعنی حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ خزرج نے ہم میں چار ایسے افراد ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن پاک کو جمع کیا تھا۔ ان کے علاوہ کسی اور نے قرآن مجید جمع نہ کیا۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو زید، ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔“

حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے انصار سے محبت کی اس نے رب تعالیٰ سے محبت کی جس نے انصار سے محبت کی۔ رب تعالیٰ نے اس سے محبت کی۔“ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے انصار سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ جس نے انصار سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔“ حضرت انس سے روایت ہے کہ جب مکہ فتح ہوا۔

حضور اکرم ﷺ نے سردارانِ قریش کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا تو بعض انصار نے کہا: ”بخدا! یہ عجیب بات ہے۔ ہماری تلواریں قریش کے خون سے آلود ہیں۔ ہمارا مالِ غنیمت انہیں دیا جا رہا ہے۔“ یہ بات حضور اکرم ﷺ تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے گھروں میں مالِ غنیمت لے کر جائیں اور تم اپنے ہمراہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ﷺ کو لے کر جاؤ۔ اگر انصار کسی وادی یا گھاٹی میں چلتے تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں چلتا، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک شخص ہوتا۔ مولا! انصار پر رحم فرما انصار کے بیٹوں اور ان کے بیٹوں کے بیٹیوں پر رحم فرما۔“ یہ سن کر انصار رونے لگے حتیٰ کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ انہوں نے عرض کی: ”ہم حضور اکرم ﷺ کی تقسیم اور حصہ پر راضی ہیں۔“ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”لوگ دثار ہیں انصار شعار ہیں۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلتے انصار دوسری وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس میں انصار چلتے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔ جو انصار کے کسی امر کا والی بنے تو ان کے محن کے ساتھ احسان کرے اور ان کے برے کے ساتھ درگزر کرے۔ جس نے انہیں خوفزدہ کیا تو اس نے اسے خوف زدہ کیا جو ان کے سامنے ہے۔“ آپ نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

جب آپ ﷺ نے غزوہ حنین سے ملنے والا مالِ غنیمت تقسیم کیا تو آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا: ”اے انصار! کیا رب تعالیٰ نے تم پر احسان نہیں کیا کہ تم ایمان لے آئے۔ اس نے عورت کے ساتھ تمہیں مختص کر دیا۔ تمہیں عمدہ اسماء انصار اللہ و انصار رسولہ کے نام سے یاد فرمایا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک شخص ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلتے اور تم دوسری وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس میں تم چلتے۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بھیڑ بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔“ انصار نے کہا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم راضی ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”جو کچھ میں نے تمہیں کہا ہے تم اس کا جواب دو۔“ انصار نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے ہمیں تاریکی میں پایا۔ رب تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ اس سے نکال دیا۔ آپ نے ہمیں آگ کے گڑھے کے کنارے پر پایا رب تعالیٰ نے آپ کے طفیل ہماری نصرت کی۔ آپ نے ہمیں گمراہ پایا رب تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں ہدایت دی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے رب ہونے، اسلام سے دین ہونے اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ جیسے چاہیں کریں۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر تم مجھے کسی اور طریقے سے جواب دیتے تو تم پھر بھی سچے ہوتے۔ اگر تم اس طرح کہتے“ آپ ہمارے پاس تشریف لائے کفار مکہ نے آپ کو نکال دیا تھا۔ ہم نے آپ کو پناہ دی۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی تھی ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے آپ کی نصرت کی۔ ہم نے آپ کی اس چیز کو قبول کیا جسے لوگوں نے رد کر دیا تھا۔ اگر تم اس طرح کہتے تو تم سچے ہوتے۔“ انصار نے کہا: ”بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا ہے۔“

ہمارے علاوہ دیگر لوگوں پر بھی فضل کیا ہے۔“ پھر وہ بہت زیادہ روئے۔ حضور اکرم ﷺ بھی ان کے ساتھ رو رہے تھے۔
(الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ پر کسبل تھا جس نے آپ کے مبارک شانوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ آپ نے سیاہ پٹی باندھ رکھی تھی۔ آپ منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: ”اما بعد! اے لوگو! لوگ زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ انصار کم ہوتے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس طرح ہو جائیں گے جس طرح کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ جو تم میں سے ان کے کسی امر کا والی ہے۔ جس میں کسی کو نفع یا نقصان دے سکتا ہو تو وہ ان کے محسن سے قبول کر لے اور ان کے برے سے درگزر کرے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”انصار میرے مخلص اور ہمراز ہیں۔ عنقریب لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے۔ انصار کم ہوتے جائیں گے۔ ان کے محسن سے قبول کر لینا اور ان کے برے سے تجاوز کرنا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما انصار کی ایک محفل کے پاس سے گزرے۔ انصار رو رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا: ”تم کیوں رو رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہمیں حضور اکرم ﷺ کی محفل یاد آ گئی تھی۔“ یہ حضرات حضور والا ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور انصار کی بات بتائی۔ حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ نے اپنے سر اقدس پر چادر کا کنارہ (بطور پٹی) باندھ رکھا تھا۔ آپ منبر پر رونق افروز ہو گئے۔ (اس کے بعد منبر پر رونق افروز نہ ہوئے۔) رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: ”میں تمہیں انصار کے بارے وصیت کرتا ہوں۔ وہ میرے ساتھی اور ہمراز ہیں۔ انہوں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ ان کا حق باقی ہے۔ ان کے محسن سے قبول کر لو اور ان کے برے سے تجاوز کرو۔“

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”انصار میرے مخلص اور ہمراز ہیں۔ عنقریب لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے۔ یہ کم ہوتے جائیں گے۔ ان کے محسن سے قبول کر لینا اور ان کے برے سے تجاوز کرنا۔“ حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میرے وہ ساتھی جن کے پاس اہل بیت جائیں گے اور میرے ہمراز انصار ہیں ان کے برے سے درگزر کرو ان کے محسن سے قبول کر لو۔“ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ شہدائے احد کے لیے مغفرت طلب کی۔ پھر فرمایا: ”اے مہاجرین کے گروہ! تم میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ انصار کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ انصار میرے مخلص ہیں میں ان کے پاس آیا ہوں۔ ان کے معزز کی عزت کرو۔ ان کے برے سے تجاوز کرو۔ انہوں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ ان کا حق باقی ہے۔“ امام احمد

نے حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے بنو ہوازن کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: ”انصار! تم میرے بعد خود غرضی دیکھو گے۔ صبر کرنا حتیٰ کہ تم حوض پر میرے ساتھ ملاقات کر لو۔“ حضرت ابو طلحہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میں تمہاری قوم کو سلام پیش کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ عقیف اور صابر ہیں۔“

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جو عورت انصار کے گھروں کے مابین اترے یا اپنے والدین کے سامنے اترے اسے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ملائکہ نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ انصار نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ بنو عبد القیس نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا ہے۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ہر نبی کے لیے ترکہ اور وراثت ہوتی ہے۔ میرا ترکہ اور وراثت انصار ہیں۔ ان کے بارے مجھے یاد رکھو۔“ آپ نے فرمایا: ”انصار میرے محبوب ہیں۔ میرے دین میں میرے بھائی ہیں۔ میرے دشمن کے خلاف میرے مددگار ہیں۔“



انصار میں اسلام کی ابتداء

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی تبلیغ کا انداز یہ تھا کہ جب بھی ایام حج میں لوگ جمع ہوتے تو آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے اور قبائل کو اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دیتے۔ ان پر اپنا آپ پیش کرتے۔ ہدایت اور رحمت پیش کرتے۔ اگر آپ کو پتہ چلتا کہ عرب کا کوئی بااثر شخص مکہ مکرمہ میں آیا ہے تو آپ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے۔ ابن اسحاق نے محمود بن لبید سے عمدہ سند سے روایت کیا ہے کہ ابو الحخیر اس بن رافع مکہ مکرمہ آیا۔ اس کے ہمراہ بنو عبد الاشہل کے کچھ جوان بھی تھے۔ وہ خزرج کے خلاف قریش سے معاہدہ کرنے آئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے سنا۔ آپ ان کے پاس آئے اور وہاں تشریف فرما ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ”کیا میں تمہیں اس چیز سے بہتر نہ بتاؤں جس کے لیے تم یہاں آئے ہو؟“ انہوں نے پوچھا: ”وہ کیا؟“ آپ نے فرمایا: ”میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے۔ تاکہ انہیں یہ دعوت دوں کہ وہ خدائے یکتا کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اس نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے۔“ پھر آپ نے ان پر اسلام پیش کیا انہیں قرآن پاک پڑھ کر سنایا۔ ایسا بن معاذ نوخیز جوان تھے۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! یہ چیز اس سے بہتر ہے۔ جس کے لیے ہم آئے ہیں۔“ ابو الحخیر نے منٹھی بھرٹی لی اور اسے ایسا کے چہرے پر دے مارا۔ اس نے کہا: ”ہمیں چھوڑ دو ہم اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے آئے ہیں۔“ ایسا خاموش ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ کارواں مدینہ طیبہ آ گیا۔ پھر اس اور خزرج کے مابین جنگ ہوئی۔ پھر ایسا کا انتقال ہو گیا۔ محمود بن لبید نے کہا ہے ”مجھے اس شخص نے بیان کیا ہے جو ان کی موت کے وقت وہاں موجود تھا کہ لوگ لگاتار ایسا کو سنتے رہے۔ وہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے رہے۔ وہ تکبیر و تسبیح کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا وصال ہو گیا۔ انہیں ذرا شک نہ رہا ان کا انتقال حالت اسلام پر ہوا ہے اسلام اسی مجلس میں ہی ان کے دل میں جا گزیں ہو گیا تھا جس وقت انہوں نے آپ سے اسلام کی تعلیمات سنی تھیں۔“

ابوزرہ نے اپنی دلائل نبوت میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ معاذ بن رفاعہ بن رافع اپنے جد امجد سے

روایت کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے خالہ زاد حضرت معاذ بن عفراء عازم سفر ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے۔ جب ثنیہ سے نیچے اترے تو انہوں نے درخت کے نیچے ایک شخص کو دیکھا۔ یہ انصار کے چھ افراد کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ جب ہم نے اس شخص کو دیکھا تو ہم نے کہا: ”ہم اس کے پاس جاتے ہیں اپنی سواریاں اس کے حوالے کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم بیت اللہ کا طواف کر لیں۔“ ہم اس شخص کے پاس گئے۔ اسے اہل جاہلیت کا سلام کہا۔ اس نے ہمیں اہل اسلام کا جواب دیا۔ ہم نے پوچھا: ”آپ کون ہیں؟“ اس ہستی نے کہا: ”نیچے اترو۔“ ہم نیچے اترے۔ ہم نے حضور اکرم ﷺ کے بارے سن رکھا تھا۔ ہم نے پوچھا: ”وہ ذات کہاں ہے جو دعویٰ کرتی ہے، جو کرتی ہے۔ اور کہتی ہے جو کہتی ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں ہی وہ ذات ہوں۔“ ہم نے عرض کی: ”آپ ہم پر اسلام پیش کریں۔“ آپ نے اسلام پیش کیا۔ آپ نے پوچھا: ”آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی تخلیق کس نے کی ہے؟“ ہم نے کہا: ”انہیں اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔“ آپ نے پوچھا: ”تمہیں کس نے بنایا ہے؟“ ہم نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے۔“ آپ نے پوچھا: ”ان بتوں کو کس نے گڑھا ہے جن کی تم پرستش کرتے ہو؟“ ہم نے کہا: ”ہم نے۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا خالق عبادت کا زیادہ مستحق ہے یا مخلوق۔“ ہم نے کہا: ”خالق۔“ آپ نے فرمایا: ”تم اس بات کے زیادہ مستحق ہو کہ تم اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو۔ تم بتوں کو جانتے ہو۔ رب تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کی عبادت کرو۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ صلہ رحمی کرو۔ عداوت ترک کرو۔“ انہوں نے کہا: ”جس کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں اگر یہ باطل بھی ہو پھر بھی یہ اعلیٰ امور اور عمدہ اخلاق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ آپ ہماری سواریوں کی نگرانی کریں۔ حتیٰ کہ ہم بیت اللہ کا طواف کر لیں۔“ حضرت معاذ آپ کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

حضرت رافع نے فرمایا: ”میں گیا۔ میں نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ میں نے سات تیر نکالے۔ ایک تیر آپ کے لیے مختص کیا۔ میں نے دعا مانگی: ”مولا! جس چیز کی طرف محمد عربی ﷺ دعوت دے رہے ہیں۔ اگر وہ سچ ہے تو آپ کا تیر سات بار نکال دے۔ سات بار آپ کا ہی تیر نکلا۔ میں پکار اٹھا۔ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لوگ میرے پاس اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے کہا: ”یہ پاگل صابی ہو گیا ہے۔“ میں نے کہا: ”نہیں! میں ایک مومن شخص ہوں۔“ پھر میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جب حضرت معاذ بن عفراء نے مجھے دیکھا تو کہا: ”رافع! تم اس چہرے سے واپس نہیں لوٹے جو یہاں سے لے کر گئے تھے۔“ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں سورۃ یوسف سکھائی۔ سورت علق کی بھی تعلیم دی پھر ہم مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔



یومِ بعاث کا تذکرہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ سے روایت ہے کہ بعاث کی جنگ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے لڑی گئی۔ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو اہل مدینہ کی جمعیت منتشر تھی۔ ان کے سردار قتل کیے جا چکے تھے۔ کچھ زخمی تھے۔ انصار کے اسلام میں داخل ہونے سے قبل حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل یہ جنگ ہو چکی تھی۔“



بیعت عقبہ اولیٰ

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنا دین حق غالب کرے۔ اپنے نبی کریم ﷺ کو عورت عطا فرمائے اور اپنا وعدہ پورا کرے۔ تو حضور مہلبغ اعظم ﷺ ایام حج میں تبلیغ کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ آپ نے انصار کے چند افراد کے ساتھ ملاقات کی۔ آپ نے قبائل کو کہا کہ وہ آپ کی نصرت و اعانت کریں۔ آپ عقبہ کے پاس تھے کہ بنو خزرج کے ایک گروہ نے آپ کے ساتھ ملاقات کی۔ رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا: ”تم کون ہو؟“ انہوں نے عرض کی: ”ہمارا تعلق خزرج کے ساتھ ہے۔“ آپ نے استفسار کیا ”کیا تم یہودیوں کے حلیف ہو؟“ انہوں نے عرض کی: ”ہاں!“ آپ نے فرمایا: ”کیا تم بیٹھ نہیں جاتے میں چاہتا ہوں کہ تم سے چند باتیں کروں“ انہوں نے عرض کی: ”ضرور! وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ ان پر اسلام پیش کیا۔ انہیں قرآن پاک سنایا۔ ان کے ساتھ ایک بھلائی یہ بھی تھی کہ یہودی ان کے شہروں میں رہتے تھے۔ وہ اہل کتاب اور علم والے تھے۔ جبکہ یہ مشرک اور بت پرست تھے۔ ان کے مابین جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ جنگ کے وقت یہودی ان سے کہتے ”ایک جلیل اور عظیم نبی جلوہ افروز ہونے والے ہیں۔ ان کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ ہم ان کی پیروی کریں گے اور ان کے ہمراہ تمہیں عادی و ارم کی طرح قتل کریں گے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اس گروہ سے گفتگو کی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ”اے قوم! جان لو! قسم بخدا! یہ وہی نبی ہیں جن سے یہود تمہیں ڈراتے ہیں۔ ان کے پیغام کو قبول کرنے میں کوئی تم سے سبقت نہ لے جائے۔ ان کی دعوت پر لبیک کہو۔“ انہوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی۔ آپ کی تصدیق کی۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ! ہم اپنے پیچھے ایک قوم چھوڑ آئے ہیں۔ ان کے مابین عداوت و دشمنی پورے جو بن پر ہے۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ آپ کی برکت سے انہیں متحد فرمادے۔ ہم ان کے پاس جا کر آپ کا معاملہ انہیں پیش کریں گے۔ اپنے اس دین سے انہیں بھی آگاہ کریں گے جو ہم نے قبول کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں متحد کر دیا تو پھر ہمیں آپ سے محبوب اور معزز اور کوئی نہ ہوگا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اگلے سال آپ کی خدمت میں آئیں گے۔ حضور اکرم

سیدنا محمدؐ اس پر راضی ہو گئے۔ وہ اپنے شہر لوٹ آئے وہ ایمان لا چکے تھے۔ وہ تصدیق کر چکے تھے۔
بنو خزرج میں سے وہ چھ افراد درج ذیل تھے:

❖ بنو نجار میں سے حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ

❖ عوف بن حارث رضی اللہ عنہ

❖ بنو زریق میں سے حضرت رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ

❖ بنو سلمہ میں سے حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

❖ بنو حرام بن کعب میں سے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

❖ بنو عبید بن عدی میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

ابن ابی حازم نے حضرت ابن اسحاق کی روایت میں عقبہ بن عامر کی جگہ معاذ بن عفراء کا نام لکھا ہے۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ ان کی تعداد آٹھ تھی۔ انہوں نے حضرت ذکوان بن عبد قیس اور حضرت ابو الہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہما کا اضافہ کیا ہے۔



بیعت عقبہ ثانیہ

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”آئندہ سال حج کے زمانہ میں انصار کے بارہ افراد نے آپ کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی اس طرح بیعت کی جس طرح عورتیں آپ کی بیعت کرتی تھیں۔ یہ ان پر جہاد فرض کرنے سے پہلے کی بات ہے۔ ان خوش بخت افراد میں درج ذیل افراد شامل تھے: حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت ذکوان بن عبد قیس، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عباس بن عبادہ، حضرت قطبہ بن عامر، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عوف بن حارث، حضرت عویم بن ساعدہ، حضرت مالک بن تیہان، حضرت معوذ بن حارث اور حضرت یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہم۔“

امام بخاری، امام مسلم اور امام بیہقی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور ﷺ نے ہمیں عورتوں کی طرح بیعت کیا۔ یہ ہم پر جہاد فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ آپ نے ہمیں اس شرط پر بیعت کیا کہ ہم کسی کو رب تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرائیں گے نہ چوری کریں گے، نہ بدکاری کریں گے، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے، نہ کسی پر ایسا بہتان لگائیں گے جسے ہم نے خود گھڑا ہوگا، اور نیکی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔“

آپ نے فرمایا: ”تم میں سے جو اس بیعت کو پورا کرے گا۔ اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یا جنت ہے۔ جو ان امور میں سے کسی امر میں مبتلا ہو گیا۔ اگر اسے دنیا میں سزا مل گئی تو یہ اس کے لیے کفارہ اور پاکیزگی ہے۔ جس کے معاملہ کو رب تعالیٰ نے بوسیدہ کر دیا تو اس کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے تو اسے سزا دے چاہے تو اسے معاف کر دے۔“ اس پر ہم نے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کر لی۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”جب انصار واپس جانے لگے تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا۔ ابن اسحاق نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف اس وقت بھیجا جب انہوں نے انہیں بھیجنے کے لیے عرض کی تھی۔ موسیٰ بن عقبہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن انہوں نے دوسری بار حاضر ہونے کو

پہلی بار لکھا ہے۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کا سیاق زیادہ مکمل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ انصار کو قرآن پاک پڑھائیں۔ اسلام کی تعلیم دیں۔ دین کی سوجھ بوجھ سکھائیں۔ انہیں مدینہ طیبہ میں المقرئ یا القاری کہا جاتا تھا۔ ان کا قیام حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوس ناپسند کرتے تھے کہ ان میں سے بعض بعض کو امامت کرائیں۔



ساتواں باب

حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام

ابن ابی دنیا، خراطی اور امام بیہقی نے عبدالمجید بن ابی عیسیٰ سے اور ابن عساکر نے امام بخاری سے تاریخ اوسط میں ابو محمد الکوفی سے روایت کیا ہے کہ قریش نے کسی کہنے والے کو سنا وہ کوہِ ابی قیس کو کہہ رہا تھا۔

فان یسلم اسعدان یصبح محمد بمکة لا یخشی خلاف المخالف

ترجمہ: ”اگر دو سعدوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر مکہ مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ کی یہ کیفیت ہو جائے گی کہ آپ کو کسی مخالف کی مخالفت کا اندیشہ نہیں رہے گا۔“

صبح کے وقت ابوسفیان نے پوچھا: ”یہ دو سعد کون ہیں؟ کیا ان سے مراد سعد بن بکر اور سعد بن ہذیم ہے؟ دوسری رات کسی کی صدا آئی وہ یوں کہہ رہا تھا۔“

و یا سعد سعد الخزرجین العطارف

فیا سعد سعد الاوس کن انت ناصر

علی اللہ فی الفردوس زلفۃ عارف

اجیباً الی داعی الہدی و تمنیاً

جنان من الفردوس ذات زخارف

فان ثواب اللہ لطالب الہدی

ترجمہ: ”اے قبیلہ اوس کے سعد آپ مددگار بن جائیں اے بنو خزرج کے سردار سعد! تم دونوں ہدایت کے

داعی حضور پاک ﷺ کو جواب دو۔ پھر جنت الفردوس کے بلند مقام کی رب تعالیٰ سے تمنا کرو۔

ہدایت کے طالب کے لیے رب تعالیٰ کے ہاں بطور اجر فردوس کے ایسے باغات ہیں جنہیں بہت زیادہ

سجایا گیا ہے۔“

قریش کو پتہ چل گیا کہ اس سے مراد حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہما ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عبید اللہ بن مغیرہ اور عبد اللہ بن ابی بکر نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ

حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کو لے کر باہر نکلے وہ چاہتے تھے کہ بنو ظفر اور بنو عبد الأشہل کے پاس جائیں حضرت سعد بن معاذ حضرت

اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت اسعد حضرت مصعب کو بنو ظفر کے باغ میں لے گئے۔ مسلمان ان کے پاس جمع ہونے گئے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر بنو عبدالاشہل کے سرداروں میں سے تھے۔ لیکن ابھی تک دولت اسلام نہیں سمیٹی تھی۔ جب انہوں نے حضرت مصعب کے بارے سنا تو سعد نے اسید سے کہا: ”تیرا والد تجھ پر روئے ان دونوں کے پاس جاؤ جو ہمارے باغ میں آئے ہیں تاکہ ہمارے ضعیف اور کمزور لوگوں کو گمراہ کریں انہیں ڈانٹو انہیں روکو کہ وہ بارگرا اس طرف آنے کی جرأت نہ کریں اگر اسعد میرے رشتہ دار نہ ہوتے تو میں انہیں کافی ہو جاتا وہ میری خالہ کے بیٹے ہیں۔ میں ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔“ اسید نے اپنا نیزہ لیا اور حضرت اسعد اور حضرت مصعب کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت اسعد نے انہیں آتے دیکھا تو وہ حضرت مصعب سے کہنے لگے ”تمہارے پاس قوم کا سردار آرہا ہے۔ اس سے حق تعالیٰ کے بارے سچ کہنا۔“ حضرت مصعب: ”اگر وہ بیٹھ گیا تو میں اس سے بات چیت کروں گا۔“ اسید ان کے پاس آ کر انہیں برا بھلا کہنے لگے۔ انہوں نے کہا: ”کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہوتا کہ ہمارے کمزوروں کو گمراہ کرو۔ اگر تمہیں اپنی جانوں کی ضرورت ہے تو فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔“ حضرت مصعب: آپ ذرا بیٹھ جائیں۔ چند باتیں تو سنیں۔ اگر وہ پسند آجائیں تو انہیں قبول کر لینا ورنہ رد کر دینا۔“ اسید: ”آپ نے انصاف کی بات کی ہے۔“ پھر انہوں نے اپنا برچھا زمین میں گھاڑا۔ ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب نے انہیں تعلیمات اسلامیہ سے آگاہ کیا قرآن مجید سنایا۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب نے فرمایا: ”بخدا! ہم نے حضرت اسید کی گفتگو سے قبل ہی ان کے چہرے پر اسلام کا نور دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے کہا: ”یہ کلام کتنا باجمال ہے۔ اگر تم یہ دین اختیار کرنا چاہو تو کیا کرتے ہو؟“ حضرت مصعب: غسل کرو۔ پاکیزگی حاصل کرو۔ اپنے کپڑے صاف کرو۔ حق تعالیٰ کی گواہی دو۔ پھر نماز ادا کرو۔“ حضرت اسید اٹھے، نہائے، پاکیزہ کپڑے پہنے، دو رکعت نماز ادا کی پھر حضرت اسعد اور حضرت مصعب سے کہا: ”میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے اگر اس نے تمہاری اتباع کر لی تو پھر اس کی قوم کا ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ میں اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اس کا نام سعد بن معاذ ہے۔“ وہ حضرت سعد کے پاس آئے۔ وہ اپنی قوم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! اسید کا چہرہ وہ نہیں جو وہ یہاں سے لے کر گیا تھا۔“ حضرت اسید ان کے پاس آئے تو سعد نے پوچھا: ”کیا بنایا؟“ انہوں نے کہا: ”میں نے ان دونوں سے بات چیت کی ہے مجھے تو کوئی خطرہ نہیں لگا۔ میں نے ان دونوں کو منع کر دیا ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ بنو حارثہ حضرت اسعد کو تہ تیغ کرنے چلے گئے ہیں وہ جان گئے ہیں کہ وہ تمہارے خالہ زاد بھائی ہیں۔ وہ انہیں قتل کر کے تمہیں تکلیف دینے کے خواہاں ہیں۔“ یہ سن کر حضرت سعد جلدی جلدی اٹھے۔ وہ یہ بات سن کر انتہائی غصے میں تھے۔ انہوں نے اپنا برچھا سنبھالا اور کہا: ”بخدا! تم نے مجھے کوئی فائدہ نہیں دیا۔“ وہ حضرت

اسعد اور حضرت مصعب کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ بہت زیادہ مطمئن اور پرسکون تھے۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ حضرت اسید کا ارادہ ہے کہ میں بھی ان کی باتیں سنوں۔ وہ انہیں برا بھلا کہتے ہوئے ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے حضرت اسعد کو مخاطب کر کے کہا: ”ابو امامتہ! اگر میرے اور تمہارے مابین قربت نہ ہوتی تو پھر تم کبھی اس کا ارادہ نہ کر سکتے کیا تم ہمارے گھروں میں ہم پر ایسی چیز مسلط کرنا چاہتے ہو جسے ہم ناپسند کرتے ہیں۔“ حضرت اسعد نے حضرت مصعب سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ ”مصعب! آپ کے پاس وہ سردار آرہا ہے جسے اس کی قوم کا پورا پورا تعاون حاصل ہے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر ان کی قوم کے دو افراد بھی باقی نہیں رہیں گے۔“ حضرت مصعب نے حضرت اسعد سے کہا: ”کیا آپ بیٹھ کر ہماری باتیں نہیں سنیں گے۔ اگر وہ اچھی لگیں تو انہیں قبول کر لینا اگر پسند نہ آئیں تو انہیں ترک کر دینا۔“ حضرت اسعد نے سچ کہا ہے۔ ”انہوں نے اپنا برچھا ایک طرف گاڑھا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب نے ان پر اسلام پیش کیا۔ قرآن پاک سنایا۔ یہ دونوں حضرات کہتے ہیں ”ہم نے پہلے ہی حضرت اسعد کے چہرے سے ایمان کا نور دیکھ لیا تھا۔ حضرت اسعد نے پوچھا: ”جب تم اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”آپ غسل کر لیں پاکیزگی حاصل کریں۔ عمدہ کپڑے پہنیں۔ حق تعالیٰ کی گواہی دیں اور دو رکعت نماز ادا کریں۔“ حضرت اسعد اٹھے۔ غسل کیا صاف کپڑے پہنے۔ رب تعالیٰ کی شہادت دی پھر دو رکعت نماز ادا کی۔ اپنا برچھا لیا اور اپنی قوم کی طرف آنے لگے۔ ان کے ہمراہ حضرت اسید بھی تھے۔ جب قوم نے آتے دیکھا تو اس نے کہا ”سعد تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آرہے جس چہرہ کے ساتھ وہ یہاں سے گئے تھے۔ وہ اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا: ”اے بنو عبد الاشہل! میری حیثیت اور وقعت تم میں کیا ہے؟“ قوم نے کہا: ”آپ ہمارے سردار ہیں۔ رائے کے اعتبار سے فاضل ہیں۔ عقل کے اعتبار سے دانائیں۔“ حضرت اسعد: ”تم تمام مردوں اور عورتوں سے میری گفتگو اس وقت تک حرام ہے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لے آؤ۔“ حضرت اسعد اور حضرت مصعب نے فرمایا: ”بخدا! شام تک بنو عبد الاشہل کے سارے مرد و خواتین طلقہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ دونوں حضرت اسعد کے گھر آگئے اور لوگوں کو دین حق کی طرف بلانے لگے۔ انصار کے سارے مرد اور خواتین دامن اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے۔ مگر بنو امیہ بن زید، خنظلہ اور واقف اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہے۔ یہ اوس اللہ کہلاتے تھے۔ یہ اوس بن حارثہ میں سے تھے۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ابو قیس بن اسلت تھا۔ اس کا نام صیغی تھا۔ یہ ان کا شاعر اور قائد تھا۔ یہ اس کی بات سنتے تھے اور اطاعت بجالاتے تھے۔ اس نے انہیں اسلام سے روکے رکھا۔ یہ اسی حالت پر رہے حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہو گئے۔ اور غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق بھی گزر گیا۔

سعید بن یحییٰ بن سعید اموی نے لکھا ہے کہ اس ابو قیس نے زمانہ جاہلیت میں رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ یہ موٹے کپڑے پہنتا تھا۔ بتوں سے کنارہ کش ہو گیا تھا۔ یہ جنابت سے غسل کرتا تھا۔ حائضہ عورتوں سے دور رہتا تھا۔ اس نے عیسائی بننے کا ارادہ کیا پھر اپنے اس ارادہ سے باز آ گیا۔ یہ اپنے گھر میں داخل ہو گیا ایک مسجد بنالی۔ جس میں جنبی اور حائضہ داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ کہتا: ”میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی پوجا کرتا ہوں۔ اس کے بتوں کو چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنا اسلام بہت عمدہ کیا یہ بہت عمر رسیدہ تھا۔ یہ حق کی باتیں کرتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں رب تعالیٰ کی تعظیم بجالاتا تھا۔ حضرت حسان بن علیؓ نے اس کے بارے اشعار بھی لکھے تھے۔



بیعت عقبہ ثالثہ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تبلیغ فرماتے رہے کہ آپ مجھ اور عکاظہ کے بازاروں میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایام حج میں منیٰ میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ فرماتے: ”مجھے پناہ کون دے گا؟ میری مدد کون کرے گا؟ حتیٰ کہ میں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچا لوں اس کے لیے جنت ہے۔“ آپ نے کسی کو نہ پایا جو آپ کو پناہ دیتا آپ کی مدد کرتا۔ حتیٰ کہ ایک شخص مضر یا یمن سے چلتا وہ اپنی قوم اور رشتہ داروں کے پاس آتا وہ اسے کہتے: ”قریش کے اس جوان سے بچنا۔ وہ تجھے فتنہ میں مبتلا نہ کر دے۔ آپ ان کے خیموں کے پاس سے گزرتے۔ وہ اپنی انگلیوں سے آپ کی طرف اشارہ کرتے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ہمیں یثرب سے آپ کے پاس بھیج دیا۔ ہم میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا وہ آپ پر ایمان لاتا آپ اسے قرآن پاک سناتے وہ اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ جاتا وہ بھی اسلام لے آتے۔ یثرب کے سارے گھروں میں اسلام کا اجالہ پھیل گیا۔ پھر رب تعالیٰ نے ہمیں بھیج دیا۔ ہم نے باہم مشاورت کی اور یہ طے کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کب تک مکہ مکرمہ کے پہاڑوں میں گھومتے رہیں گے۔ ہمارے ستر افراد عازم سفر ہوئے۔ ایام حج میں آپ سے ملاقات کی۔ ہم نے عقبہ کی گھاٹی میں آپ سے ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ ہم ایک ایک دو دو کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ کی خدمت میں سارے حاضر ہو گئے۔ ہم نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! ہم کس چیز پر آپ کی بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا: ”تم اس امر پر میری بیعت کرو کہ تم ہر چستی اور سستی کے عالم میں میری اتباع کرو گے۔ آسائش اور تنگی میں خرچ کرو گے۔ نیکی کا حکم دو گے برے کام سے روکو گے اور رب تعالیٰ کے بارے حق کہو گے کسی ملامت گر کی ملامت کا تمہیں خوف نہیں ہوگا۔ جب میں یثرب آؤں گا تو تم میری مدد کرو گے۔ تم ہر اس امر سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی جانوں، بیویوں اور بیٹوں کا دفاع کرتے ہو تمہارے لیے جنت ہے۔“

ہم نے اٹھ کر آپ کی بیعت کی۔ حضرت اسعد بن زرارہ نے آپ کا دست اقدس تھام لیا۔ وہ سوائے میرے باقی سارے حاضرین سے چھوٹے تھے۔ انہوں نے کہا: ”اے اہل یثرب! ذرا ٹھہرو! ہم اپنی سواریوں پر سوار ہو کر آپ کی طرف

صرف اس لیے آئے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ آپ کو آج لے جانا گویا کہ مارے عرب کے ساتھ جنگ ہے۔ تمہارے بہترین افراد کا قتل ہونا ہے۔ تلواروں کا کام ہی زخمی کرنا ہے۔ اگر تم تلواروں کے زخموں پر صبر کر سکتے ہو۔ اپنے سرداروں کے قتل پر صبر کر سکتے ہو مارے عرب سے جنگ کر سکتے ہو تو انہیں حاصل کر لو۔ اس کا اجر و ثواب رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ اگر تمہیں اپنے بارے کچھ خطرہ ہے۔ تو پھر انہیں چھوڑ دو۔ یہ بات رب تعالیٰ کے ہاں تمہارے معذور ہونے کے لیے بہتر ہے۔ ہم نے کہا: ”اسعد بن زرارہ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔ بخدا! ہم اس بیعت کو ترک نہیں کریں گے۔ ہم اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ہم اٹھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ایک ایک کر کے ہم نے آپ کی بیعت کی۔ آپ نے اپنی شرائط پیش کیں اور ان کے پورا کرنے والے کے لیے جنت کا وعدہ کیا۔ (امام احمد، بیہقی)

ابن اسحاق نے حضرت کعب بن علقمہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم عازم سفر ہوئے ہمارے ساتھ ہماری قوم کے مشرک لوگ بھی تھے۔ ہم نماز بھی ادا کرتے رہے اور دین کے مسائل بھی سیکھتے رہے۔ ہمارے مابین حضرت براء بھی تھے۔ وہ ہمارے سردار تھے۔ ہم سب سے عمر رسیدہ تھے۔“ حاکم نے یہ اضافہ کیا ہے ”ہماری تعداد پانچ سو تھی جب ظاہر البیداء تک پہنچے تو انہوں نے کہا: ”اے میرے ہمسفر! میرا ایک مشورہ ہے میں نہیں جانتا کہ تم اس میں میری مخالفت کرو گے یا موافقت۔“ ہم نے پوچھا: ”وہ کیا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”میں نہیں چاہتا کہ میں اس عظیم عمارت کعبہ معظمہ کی طرف پشت کروں۔ میں اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔“ ہم نے کہا: ”بخدا! ہمیں تو یہی خبر ملی ہے کہ حضور اکرم ﷺ شام کی طرف منہ مبارک کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ہم آپ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے۔“ انہوں نے کہا: ”میں تو کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھوں گا۔“ ہم نے ان کی بات نہ مانی۔ وقت نماز ہوتا تو ہم شام کی طرف منہ کر لیتے جب کہ حضرت براء خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیتے۔ حتیٰ کہ ہم خانہ کعبہ پہنچ گئے۔ ہمیں حضرت براء کا یہ عمل اچھا نہیں لگتا تھا۔ مگر ان کا یہی اصرار تھا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر انہوں نے مجھے کہا: ”میرے بھتیجے! آؤ ہم حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کرتے ہیں۔ اور اس مسئلہ کے بارے آپ سے استفسار کرتے ہیں جو میں نے اختیار کیا ہے۔ تمہاری مخالفت کی وجہ سے میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔“

ہم آقا ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ ہم نے اس سے قبل آپ کو دیکھا ہوا نہ تھا۔ ہم مکہ مکرمہ کے ایک باسی سے ملے۔ اس سے حضور اکرم ﷺ کے بارے پوچھا۔ اس نے کہا: ”کیا تم آپ کو پہچانتے ہو؟“ ہم نے کہا: ”نہیں۔“ اس نے کہا: ”کیا تم حضرت عباس بن عبدالمطلب کو جانتے ہو؟“ ہم نے کہا: ”ہاں! ہمارا حضرت عباس سے تعارف تھا۔ وہ تجارت کی غرض سے ہمارے پاس آتے جاتے تھے۔“ اس نے کہا: ”جب تم مسجد حرام میں جاؤ گے تو جو سستی پاک ﷺ حضرت عباس کے

پاس تشریف فرما ہوگی وہ حضور پاک ﷺ ہی ہوں گے۔“ جب ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حضرت عباس وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ ان کے پاس ہی جلوہ افروز تھے۔ ہم نے سلام عرض کیا اور وہیں بیٹھ گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اے عباس! کیا آپ ان دو افراد کو جانتے ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”ہاں! یہ اپنی قوم کے سردار حضرت براء اور یہ کعب بن مالک ہیں۔“

حضرت کعب فرماتے ہیں: ”بخدا! مجھے آپ کا یوں کہنا کبھی نہیں بھولے گا۔“ وہ کعب جو شاعر ہیں۔“ انہوں نے عرض کی: ”ہاں!“ حضرت براء نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب میں اس سفر پر روانہ ہوا۔ تو توفیق الہی سے میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے اس مبارک عمارت کی طرف پشت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں اسی کی سمت منہ کر کے نماز پڑھتا رہا۔ میرے ساتھیوں نے میری مخالفت کی۔ جس کی وجہ سے میرے دل میں شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ حضور والا! آپ کی اس کے بارے رائے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تم ایک قبلہ پر تھے کاش! تم اس پر صبر کر لیتے۔“ یہ سن کر حضرت براء بھی حضور اکرم ﷺ کے قبلہ کی طرف لوٹ آئے اور شام کی طرف منہ کر کے ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے رہے۔ ان کے اہل کا خیال یہ ہے کہ شاید وہ تا وقت وصال ہی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن ان کی یہ بات صحیح نہیں۔ ہم انہیں ان سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ عون بن ایوب الانصاری کہتے ہیں:

و منّا المصلیٰ اول الناس مقبلا علی کعبۃ الرحمن بین المشاعر

ترجمہ: ”ہم میں سے ہی وہ شخص تھا جس نے رحمان کے مشاعر میں سے سب سے قبل خانہ کعبہ کی طرف منہ کیا۔“

شاعر کی مراد حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

حضرت کعب نے فرمایا: ”پھر ہم ادائگی حج کے لیے چلے گئے۔ ہم نے ایام تشریق کے وسط میں حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو وہ رات آگئی جس کا وعدہ حضور ﷺ نے ہم سے کیا تھا۔ ابن سعد نے یہ اضافہ کیا ہے۔ ”اس مبارک گروہ نے آپ سے یہ وعدہ کیا کہ جب لوگ سکون سے سو جائیں گے تو وہ منیٰ میں اترتے ہوئے دائیں جانب گھائی میں آپ سے ملاقات کریں گے۔ جہاں آج کل مسجد بیعت ہے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ سوتے ہوئے کونہ جگائیں اور غائب کا انتظار نہ کریں۔“

حضرت کعب فرماتے ہیں: ”جب ہم حج سے فارغ ہو گئے تو وہ رات بھی آگئی حضور اکرم ﷺ نے جس کا ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ ہمارے ہمراہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بھی تھے۔ وہ ہمارے راہ نماؤں اور سرداروں میں سے تھے۔ ہم نے انہیں بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ ہم اپنا معاملہ مشرک قوم سے چھپا رہے تھے۔ ہم نے عبد اللہ سے کہا: ”ابو جابر! آپ ہمارے

سردار ہیں ہم نہیں چاہتے کہ آپ جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں۔ ہم نے انہیں اسلام کے چشمہ صافی کی طرف بلایا۔ انہیں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ملاقات کے بارے بتایا۔ انہوں نے دولت اسلام سمیٹ لی اور ہمارے ہمراہ عقبہ میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔ اس رات ہم اپنے خیموں میں سو گئے جب رات کا تہائی حصہ بیت گیا تو ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لیے باہر نکل آئے۔ ہم قطا کی مانند چھپتے چھپاتے نکل آئے۔ عقبہ کے پاس ہم ایک گھائی میں جمع ہو گئے۔ ہمارے ہمراہ دو خواتین بھی تھیں۔ (۱) حضرت ام عمارہ نبیہ رضی اللہ عنہا وہ بنو مازن بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ (۲) حضرت ام منیع اسماء بنت عمرو رضی اللہ عنہا۔ ان کا تعلق بنو سلمہ سے تھا۔ ہم اس گھائی میں بیٹھ کر آپ کا انتظار کرنے لگے۔ ابن سعد اور ابو معشر نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ان سے پہلے تشریف لا چکے تھے آپ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت کعب نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ وہاں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے۔ وہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر ہی تھے۔ لیکن انہوں نے پسند کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کے اس معاملہ میں شرکت کریں اور اس معاہدہ کی توثیق کریں۔ حضور اکرم ﷺ کے تشریف فرما ہو جانے کے بعد حضرت عباس نے گفتگو کا آغاز کیا۔ انہوں نے کہا: ”اے خزیج کے گروہ! حضور اکرم ﷺ ہم میں کس حیثیت کے مالک ہیں تم خوب جانتے ہو۔ ہم نے ان کی بھرپور حفاظت کی ہے۔ اس حفاظت میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اپنی رائے میں ہم سے مستفق نہ تھے۔ یہ اپنی قوم میں معزز ہیں اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس جائیں۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں اگر تم جانتے ہو کہ تم ان کے ساتھ کیے گئے عہد کو نبھاسکو گے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کر سکو گے تو پھر یہ بارگراں تمہیں مبارک ہو۔ لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہجرت کے بعد انہیں دشمن کے سپرد کر دو گے اور انہیں رسوا کرو گے تو ابھی وقت ہے۔ انہیں چھوڑ دو۔ یہ اپنی قوم میں معزز ہیں۔ اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔“

امام احمد نے حضرت ابو مسعود بدری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”حضور اکرم ﷺ روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ آپ نے عقبہ کے پاس درخت کے نیچے ستر انصار سے ملاقات کی۔“ آپ نے فرمایا: ”تم میں سے جو گفتگو کرنے والا بات کا آغاز کرے۔ وہ گفتگو طویل نہ کرے۔ مشرکین کے جاسوس تمہارے تعاقب میں ہیں۔ اگر انہیں تمہارے بارے پتہ چل گیا تو وہ تمہیں رسوا کر دیں گے۔“ ہم نے عرض کی: ”عباس! آپ نے جو کچھ کہا ہے ہم نے سن لیا ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ بھی کچھ بیان کریں۔ اپنے لیے اور اپنے رب تعالیٰ کے لیے جو پسند کریں لے لیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ قرآن پاک کی تلاوت کی۔ اسلام کی طرف ترغیب دی۔ پھر فرمایا: ”میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم ہر چیز سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی عورتوں اور بچوں کا دفاع کرتے ہو۔“ حضرت

براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک تھا ما اور عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بالکل! ہم آپ کی حفاظت ہر اس چیز سے کریں گے جس سے ہم اپنی بیویوں اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ ہمیں بیعت فرمائیں۔ ہم جنگی چالوں میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ ہمارے دوست و احباب کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ ہم نسل در نسل اس کے وارث ہیں۔" اس کے بعد حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے اور یہودیوں کے مابین معاہدے ہیں۔ ہم انہیں ختم کر دیں گے۔ ایسا تو نہ ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ دے تو آپ اپنی قوم کے پاس آجائیں اور ہمیں چھوڑ دیں۔ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ مسکرائے۔ پھر فرمایا: "تمہاری پناہ میری پناہ اور تمہاری حرمت میری حرمت ہے۔ میں تم سے اور تم مجھ سے ہو میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تم جنگ کرو گے۔ میں اس سے صلح کروں گا جس سے تم صلح کرو گے۔"

حضرت کعب نے فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا: "خود میں سے مجھے بارہ نقیب دو۔ جو اپنی قوم میں اس وقت فیصلہ کریں جب ان میں اختلاف رونما ہو۔" آپ نے ان میں سے بارہ نقیب مقرر کیے نو کا تعلق خزرج سے اور تین کا تعلق اوس سے تھا۔ خزرج میں سے حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ۔ یہ بنو نجار کے نقیب تھے۔ حضرت رافع بن مالک یہ بنو زریق کے نقیب تھے۔ حضرت سعد بن ربیع۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ یہ بنو حارث کے نقیب تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ۔ حضرت منذر بن عمرو یہ بنو ساعدہ کے نقیب تھے۔ حضرت براء بن معرور، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبادہ بن صامت۔ اوس میں سے حضرت اسید بن حضیر، یہ بنو عبدالاشہل کے نقیب تھے۔ رفاعہ بن عبد المنذر اور حضرت سعد بن خثیمہ۔ عمرو بن عوف کے نقیب تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ابن اسحاق کہتے ہیں "مجھے عبداللہ بن ابی بکر نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان نقباء سے کہا: "تم اپنی قوم کے اس طرح کفیل ہو جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کفالت کی تھی۔ میں اپنی قوم کا کفیل ہوں۔" انہوں نے عرض کی: "بالکل" ابن ہشام لکھتے ہیں "اہل علم حضرت ابوالہیثم کو تو نقیبوں میں شمار کرتے ہیں لیکن حضرت رفاعہ کو ان میں شمار نہیں کرتے۔" امام بیہقی نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے انصار کے ایک بزرگ نے بیان کیا ہے کہ حضرت جبرائیل اشارہ کر رہے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کے نقیب بنائیں۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں: "میں پریشان تھا کہ یہ کیسے ہوا۔ دو شخص ایک قبیلہ سے اور ایک شخص دوسرے قبیلے سے نقیب بنایا گیا۔ حتیٰ کہ مجھے یہ روایت بیان کی گئی کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کو اشارہ کر رہے تھے۔" ابونعیم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور پاک ﷺ نے نقیب بنائے تو فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اس وجہ سے اپنے دل میں کچھ تردد نہ پائے۔ میں نے اسے نقیب بنایا ہے جن کی طرف حضرت جبرائیل نے اشارہ کیا ہے۔" روایت ہے کہ آپ نے اسعد

بن زرارہ کو نقیبوں کا نقیب بنایا۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو بنو نجار حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی کہ آپ ان میں سے کسی اور کو نقیب بنا دیں۔ آپ نے فرمایا: ”تم میرے ننھال ہو۔ میں تمہارا نقیب ہوں۔“ حضور اکرم ﷺ نے یہ ناپسند فرمایا کہ آپ کسی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نقیب بنائیں۔ امام سہیلی لکھتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی اقتداء کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے بارہ نقیب بنائے۔“

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (المائدہ: ۱۲)

ترجمہ: ”اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار۔“

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اسی واقعہ کے متعلق درج ذیل اشعار لکھے تھے:

فابلع ابیًا انه قال رایہ و حان غداة الشعب والحین واقع

ترجمہ: ”ابی تک یہ پیغام پہنچا دو کہ جو اس نے اپنی رائے سے کہا ہے وہ غلط نکلا ہے۔ شعب ابی طالب کی صبح

گزر چکی ہے اب موت واقع ہونے والی ہے۔“

ابی اللہ ما منتک نفسک انه بمرصاد امر الناس راء و سامع

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے انکار فرما دیا ہے کہ وہ ان خواہشات کو پورا کرے جو تیرے نفس نے کیں ہیں وہ دیکھنے

والا، سننے والا اور لوگوں کا نگران بھی ہے۔“

و ابلع اباسفیان ان قد بدالنا باحمد نور من ہدی اللہ ساطع

ترجمہ: ”ابوسفیان تک بھی یہ پیغام پہنچا دو کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات والا میں ہدایت الہیہ کا پھیلنے والا نور نکلا ہے۔“

فلا ترعین فی حشد امر تریدہ والب و جمع کل ما انت جامع

ترجمہ: ”اس معاملہ میں رغبت نہ کر جسے تو پورا کرنے کی تمنا کرتا ہے تو جو کچھ جمع کرنا چاہتا ہے اسے جمع کر

لے۔ سب کو اکٹھا کر لے۔“

و دونک فاعلم ان نقص عہودنا اباہ علیک الرھط حین تبایعوا

ترجمہ: ”خوب سمجھ لے کہ ہمارے قبیلے نے انکار کر دیا ہے کہ وہ اس عہد کو توڑے جو اس نے حضور اکرم ﷺ سے کیا تھا۔“

اباہ البراء و ابن عمرو کلاہما واسعد یاباہ علیک و رافع

ترجمہ: ”حضرت براء اور حضرت ابن عمرو دونوں نے یہ عہد توڑنے سے انکار کر دیا ہے۔ اسی طرح حضرت اسعد

اور حضرت رافع نے اس کا انکار کر دیا ہے۔“

و سعد اباه الساعدی و منذ لانفك ان حاولت ذلك جادع

ترجمہ: ”حضرت سعد بن کا باپ ساعدی ہے اور حضرت منذر نے بھی یہ معاہدہ توڑنے سے انکار کر دیا ہے۔ اگر تو نے کوشش کی تو تیری ناک کٹ جائے گی۔“

وما ابن ربیع ان تناولت عہدہ بمسلمہ لا یطعن ثم طامع

ترجمہ: ”حضرت ابن ربیع بھی یہ عہد نہیں توڑیں گے خواہ تو کتنی ہی کوشش کر لے وہ حضور ﷺ کو تمہارے سپرد نہیں کریں گے۔“

و ایضا فلا یعطیکہ ابن رواحہ و اخفاره من دونہ اسم نافع

ترجمہ: ”اس معاملہ میں حضرت ابن رواحہ بھی تیری پیروی نہیں کریں گے۔ یہ بیعت توڑنا ان کے لیے زہر ہلاک ہے۔“

و فاءً بہ والقو قلی ابن صامت بمنذوحہ عما تحاول یافع

ترجمہ: ”یہ سارے آپ کے ساتھ وفاء کرنے والے ہیں۔ قو قلی بن صامت میں بھی اتنی وسعت ہے کہ وہ اس امر کو روک لے جس کا تو ارادہ کر رہا ہے۔“

ابوہیثم ایضاً و فی مثلها وفاءً بما اعطی من العہد خانع

ترجمہ: ”حضرت ابوہیثم بھی با وفائیں اور وہ اپنے معاہدہ کو نبھانے والے ہیں۔ جو معاہدہ بھی وہ کر لیں۔“

وما ابن حضیر ان اردت بمطبع فهل انت عن احموقۃ الغی نازع

ترجمہ: ”اگر تو حضرت اسید کے پاس اپنا لالچ لے کر جائے گا تو وہاں بھی کامران نہ ہوگا۔ کیا تو اپنی ہلاکت سے باز آئے گا یا نہیں۔“

و سعد اخو عمرو بن عوف فانه فروح لما حاولت للامر مانع

ترجمہ: ”حضرت سعد عمرو بن عوف کے بھائی بھی تیرے عزم کو قدم کی ٹھوک سے اڑانے والے ہیں۔ وہ اس معاملہ کو روکنے والے ہیں۔“

اولاک النجوم لا یغیبک منهم علیک بنحس فی دجی اللیل طالع

ترجمہ: ”یہ سارے تارباں تارے ہیں جو رات کی ظلمت میں تیرے لیے نخواست لے کر طلوع ہوں گے۔“

حضرت کعب نے حضرت ابوالہیثم کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے رفاۃ کا ذکر نہیں کیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: ”مجھے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے روایت کیا ہے کہ جب یہ لوگ بیعت کے لیے اکٹھے ہوئے تو حضرت عباس بن عبادہ نے انہیں کہا: ”اے خزرج کے گروہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم آپ کی بیعت کس امر پر کر رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں۔“ حضرت عباس: ”تمہاری یہ بیعت اس امر پر ہے کہ تم ہر کالے اور سرخ سے جنگ لڑو گے۔ ذرا سوچ لو۔ جب تمہارے مال تباہ ہونے لگیں جب تمہارے سرداروں کے سر کٹنے لگیں تو ایسا نہ ہو کہ تم آپ کو چھوڑ دو۔ یہ دنیا اور آخرت کی ذلت ہوگی۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ تم اپنے اموال کی ہلاکت اور سرداروں کے قتل کے باوجود ان سے وفا کرو گے تو پھر یہ دامن کرم مضبوطی سے تھام لو۔ اللہ کی قسم! دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔“ انہوں نے کہا: ”ہم اپنے اموال کی بربادی اور اپنے سرداروں کی ہلاکت کے باوجود آپ کو ہی ترجیح دیں گے۔“ وہ عرض گزار ہوئے: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر ہم نے وفاء کی تو ہمیں کیا ملے گا؟“ آپ نے فرمایا: ”جنت“ وہ عرض پیرا ہوئے ”اپنا دست اقدس آگے بڑھائیں۔“ آپ نے اپنا دست ہدایت بخش آگے کیا تو انہوں نے آپ کی بیعت کر لی۔“

حضرت عاصم نے فرمایا: ”قسم بخدا! حضرت عباس نے یہ بات اس لیے فرمائی تھی تاکہ حضور اکرم ﷺ کی بیعت کا قلابہ ان کی گردنوں میں مضبوطی سے پڑے۔“ حضرت عبداللہ بن ابی بکر فرماتے ہیں: ”انہوں نے یہ بات اس لیے کی تھی تاکہ یہ لوگ اس رات اس بیعت کو مؤخر کر دیں ان کی امید بھی کہ عبداللہ بن ابی بکر بھی آجائے گا۔ اور انہیں تقویت مل جائے۔“ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا؟

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنو نجار کا خیال ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ نے سب سے پہلے آپ کی بیعت کی تھی۔ جبکہ بنو عبدالاشہل کہتے ہیں کہ یہ سعادت عظمیٰ سب سے پہلے حضرت ابوالہیثم نے حاصل کی تھی۔ جبکہ حضرت کعب نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کر۔ نے کاشرف حاصل کیا تھا۔ پھر دیگر لوگوں نے بیعت کی۔ جب ہم نے بیعت کر لی تو عقبہ کی چوٹی سے شیطان با آواز بلند جلایا۔ یہ آواز ان ساری آوازوں سے اونچی تھی جو میں نے سنی تھی۔ اس نے کہا: ”اے اہل حباب! کیا تمہیں علم ہے کہ مذمم اور صابی تمہارے خلاف جنگ لڑنے کے لیے جمع ہو چکے ہیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یہ عقبہ کا شیطان ہے یہ ازبب کا بیٹا ہے۔ اے اللہ کے دشمن! سن لے بخدا! میں تیرے لیے ضرور فارغ ہوں گا۔“ پھر آپ نے فرمایا: ”اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ۔“ حضرت عباس بن عبادہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ پسند کریں تو ہم صبح ہی اپنی تلواریں لے کر اہل منیٰ پر ٹوٹ پڑیں۔“ آپ نے فرمایا: ”ہمیں ابھی اس کا حکم نہیں ملا۔ تم اپنے اپنے خیموں میں چلے

جاؤ۔ حضرت کعب فرماتے ہیں: ”پھر ہم اپنے خیموں میں آگئے وہاں صبح تک سوئے رہے۔“

سلیمان بن طرخان التیمی نے اپنی کتاب السیر میں لکھا ہے کہ جب ان انصار نے اسلام قبول کر لیا تو ابلیس چلایا: ”اگر تمہیں محمد عربیؐ سے کوئی حاجت ہے تو فلاں جگہ پہنچ جاؤ۔“ یثرب کے باسیوں نے ان کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے۔“ حضرت جبرائیل امینؑ نیچے آئے۔ قوم میں سے انہیں کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ابلیس کی اس چیخ و پکار پر قریش پر معاملہ سخت ہو گیا۔ مشرکین اور انصار کے مابین معاملہ عظیم ہو گیا قریب تھا کہ ان کے مابین جنگ ہو جاتی۔ پھر ابو جہل نے ان پیام میں جنگ کو ناپسند کیا۔ اس نے کہا: ”اے اوس اور خزرج کے گروہ! تم ہمارے بھائی ہو۔ تم نے ایک عظیم امر کو اختیار کیا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ تم اپنے صاحب کی وجہ سے ہم پر غالب آ جاؤ۔ حضرت حارثہ بن نعمان نے کہا: ”ہاں! تیری ناک خاک آلود ہو۔ اگر ہم جان لیتے کہ حضور پاکؐ کا حکم ہے کہ تجھے باہر نکال دیں تو ہم تجھے باہر نکال دیتے۔“ ابو جہل نے کہا: ”ہم یہ امر تمہیں پیش کرتے ہیں کہ ہم تین ماہ بعد حضور اکرمؐ کے صحابہ کرام کو تمہارے ساتھ ملا دیں گے۔ ہم تمہیں ایسا معاہدہ لکھ کر دیں گے جس سے تم راضی ہو جاؤ گے۔ ہم محمد عربیؐ کو بھی نہیں روکیں گے۔“ انصار نے کہا: ”ضرور! اگر حضور اکرمؐ اس پر راضی ہو جائیں۔“

حضرت کعب نے فرمایا: ”قریش نے کہا: ”اے خزرج کے گروہ! ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ہمارے اس صاحب کے پاس آئے ہوتا کہ انہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔ تم نے ہمارے خلاف جنگ کرنے کے لیے ان کی بیعت بھی کر لی ہے۔“ خدا! اس سے ناپسندیدہ تر امر اور کوئی نہیں کہ ہمارے اور تمہارے مابین جنگ ہو۔“ اس وقت ہم میں سے مشرک اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا: ”کسی بھی ایسے واقعہ کا ظہور نہیں ہوا۔ نہ ہی ہمیں اس کا کچھ علم ہے۔ انہوں نے سچ ہی بولا تھا۔ انہیں اس بیعت کے بارے کوئی علم نہ تھا۔ ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر قریش کے وہ افراد اٹھ کر جانے لگے۔ ان میں حارث بن ہشام بھی تھا۔ اس نے نئے نئے جوتے پہن رکھے تھے۔ میں نے اس سے ایک بات کی گویا کہ میں چاہتا تھا کہ اس میں بھی اس بات چیت میں شرکت کروں۔ میں نے کہا: ”ابو جابر! تم تو سردار ہو۔ کیا تم مجھے اس طرح کا جوتا خرید کر نہیں دے سکتے جس قسم کا جوتا اس قریشی جوان نے پہن رکھا ہے۔“ میری بات حارث نے بھی سن لی۔ اس نے جوتے اتار کر میری طرف بھینک دیے۔ اس نے کہا: ”اللہ کی قسم! اب انہیں تم ہی پہنو گے۔“ ابو جابر نے کہا: ”کو! لگتا ہے کہ تم نے اس جوان کو ناراض کر دیا ہے۔ اس کے جوتے واپس کر دو۔“ میں نے کہا: ”میں یہ جوتے واپس نہیں کروں گا۔ یہ ایک عمدہ فال ہے۔ اگر یہ فال سچ نکلی تو میں اس سے سب کچھ چھین لوں گا۔“ پھر قریش مکہ مکرمہ میں ابن ابی کے پاس آئے۔ انہوں نے اس سے وہی سوال کیا جو ہم سے پہلے کر چکے تھے۔ اس نے کہا: ”یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ میری قوم اس معاملہ میں مجھے دور کیسے رکھ سکتی

ہے۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر قریش وہاں سے چلے گئے۔“

”پھر لوگ منیٰ سے واپس آگئے۔ قریش اس خبر کی جستجو میں لگ گئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ کوئی واقعہ رونما ضرور ہوا ہے وہ انصار کو ڈھونڈنے نکلے انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت منذر بن عمرو کو مقام اذخر میں پایا۔ یہ دونوں نقیب تھے۔ وہ حضرت منذر کو تو نہ پکڑ سکے لیکن حضرت سعد کو انہوں نے پکڑ لیا۔ ان کے ہی تسے سے ان کے ہاتھ ان کی گردن سے باندھے اور انہیں مکہ مکرمہ لے آئے۔ وہ انہیں مارنے لگے۔ بالوں سے کھینچے لگے۔ کیونکہ ان کے بال کثیر تھے۔“

حضرت سعد فرماتے ہیں: ”بخدا! میں قریش کے ہاتھوں گرفتار تھا۔ اچانک قریش کی ایک جماعت میرے پاس آئی۔ ان میں ایک سفید رنگت والا، چمکدار اور دل موہ لینے والا شخص بھی تھا۔ میں نے دل میں کہا: ”اگر ان میں سے کسی سے بھلائی کی امید ہو سکتی ہے تو وہ یہی شخص ہے۔ مگر وہ شخص جب میرے قریب ہوا تو اس نے مجھے زور سے مکا مارا۔ میں نے دل میں سوچا۔“ قسم بخدا! اس کے بعد ان میں کسی بھی قسم کی بھلائی کی امید نہیں ہو سکتی۔ میں ان کے ہاں پابند سلاسل تھا۔ اسی دوران ایک شخص میرے پاس آیا ان کا تعلق ان کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: ”کیا قریش کے کسی شخص کے ساتھ تیرا معاہدہ یا پناہ نہیں ہے؟“ میں نے کہا: ”کیوں نہیں؟“ میں جبیر بن مطعم کو تجارت کے وقت پناہ دیتا تھا۔ اپنے شہر کے باسیوں کے ظلم و ستم سے اسے بچاتا تھا۔ میں اسی طرح حارث بن حرب کو بھی پناہ دیتا تھا۔“ اس نے کہا: ”ان دونوں کا نام لے کر صدادو۔ تمہارے مابین جو تعلقات ہیں انہیں یاد کراؤ۔“ میں نے اسی طرح کیا۔ وہ ان دونوں کے پاس گیا۔ اس نے انہیں مسجد حرام میں پایا۔ اس نے انہیں کہا: ”وادیٰ بطحاء میں ایک شخص کو مارا جا رہا تھا۔ وہ تمہارا نام لے کر صدا میں لگا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس کے اور تمہارے مابین پناہ ہے۔“ انہوں نے پوچھا: ”وہ کون ہے؟“ اس نے کہا: ”وہ سعد بن عبادہ ہے۔“ انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! اس نے سچ ہی کہا ہے۔ وہ ہمارے تجارتی کارواں کو پناہ دیتا تھا۔ اپنے اہل شہر کے ظلم و تعدی سے ہمیں بچاتا تھا۔“ وہ وادیٰ بطحاء میں آئے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کو ان کے ہاتھوں سے نجات دلائی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: ”ضرار بن خطاب نے ہجرت کے متعلق سب سے پہلے یہ دو اشعار کہے تھے۔ یہ اس واقعہ کے بارے سب سے پہلے شعر تھے۔ ضرار کا تعلق بنو محارب سے تھا۔“

تدارکت سعدا عنوةً فاخذته و کان شفاء لو تدارکت منذرا

ولو نلتہ طلت هناك جراحہ و کانت صریا ان یہان و یہدرا

میں نے فوراً سعد کو پکڑ لیا۔ اس پر غلبہ پایا۔ اس سے مجھے شفاء نصیب ہوئی۔ کاش میں منذر کو بھی پکڑ لیتا۔ اسے کثیر

زخم آتے۔ وہ اس سے بلند ہوتا کہ اس کی بے عزتی کی جائے وہ رائیگاں بھی ہوتا۔

حضرت حسانؓ نے اسے ان اشعار میں جواب دیا:

فلس ت الی عمرو ولا المرء منذر اذا ما مطايا القوم اصبحن ضمرا

ترجمہ: ”ارے! تو نہ سعد اور نہ ہی منذر کی طرح ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جب ان کے لیے چھری سواریاں تیار کیں جائیں۔“

اتفخر بالبکتان لما لبسته و قد يلبس الانباط ريطا مقصرا

ترجمہ: ”کیا تو اس لیے فخر کرتا ہے کہ تو نے روئی کا لباس پہنا ہے۔ حالانکہ قبلی بھی سفید چادریں پہنتے ہیں۔“

فلو لا ابو وهب لمرت قصائد علی شرف البرقاء يهوين حسرا

ترجمہ: ”اگر ابو وهب موجود نہ ہوتا تو پھر قصائد برقاء کی چوٹی سے بھی آگے نکل جاتے وہ تھک کر نیچے گرتے جاتے۔“

فلاتك كالو سنان يحلم انه بقرية كسرى او بقرية قيصر

ترجمہ: ”تو اس اونگھنے والے کی طرح نہ ہو جا جو قیصر یا کسری کے شہروں کے بارے خواب دیکھتا ہے۔“

ولاتك كالشكلي كانت بمعزل عن الشكل لو كان الفؤاد تفكرا

ترجمہ: ”تو اس عورت کی طرح نہ ہو جا جو اپنے اکلوتے بیٹے کی موت پر شب و روز روتی رہتی ہے۔ اگر اس کے پاس سوچنے والا دل ہوتا تو یوں نہ کرتی۔“

ولا تك كالشاة التي كانت حتفها بحفر ذراعيها فلم ترض محفرا

ترجمہ: ”تو اس بکری کی مانند نہ ہو جا جس کی موت اس کے اپنے بازو سے کھودے ہوئے گھرے سے ہوئی۔ وہ اس گڑھے پر خوش نہ تھی۔“

ولاتك كالغاوى فاقبل نحره ولم يخشه سهما من النبل مضرا

ترجمہ: ”تو اس کتے کی طرح نہ ہو جا جو گردن باہر نکالے کھڑا ہوا سے مخفی تیر کا اندیشہ نہ ہو۔“

فانا و من يهدى القصائد نحونا كاستبضع تمرا الی اهل خيبر

ترجمہ: ”ہم اور وہ شخص جو ہماری طرف اشعار روانہ کرتا ہے اس طرح ہیں جس طرح کوئی شخص خیر میں کھجوریں فروخت کرنے جاتے۔“

تنبیہ

حضور اکرمؐ کی بیوی نے حضرت براءؓ کو وہ نمازیں لوٹانے کا حکم نہیں دیا تھا جو انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر

کے پڑھیں تھیں۔ کیونکہ ان کے لیے لازم تھا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کو دیکھ کر سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ اسی لیے آپ نے انہیں نمازیں نہ لوٹانے کا حکم دیا۔ حضرت براءؓ حضور اکرم ﷺ کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت براءؓ نے خانہ کعبہ کی طرف منہ اس لیے کیا ہو کہ انہوں نے علمائے یہود سے سنا ہو کہ ان کے زمانہ میں جو نبی مبعوث ہوں گے وہ دین ابراہیمی پر ہوں گے۔ اور ان کا قبلہ کعبہ معظمہ ہوگا۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا کیونکہ انہوں نے تاویل کی تھی۔

عقبہ کی شب بیعت کرنے والے خوش نصیب افراد کے نام

یہ مبارک گروہ تہتر مرد اور خواتین پر مشتمل تھا۔ ”العیون“ میں ہے کہ یہی تعداد معروف ہے۔ اگر تفصیل میں زیادتی ہو تو یہ اس میں زیادتی نہیں ہوگی تو حاضرین کے اختلاف کی بنیاد پر ہوگا۔ ایک راوی نے ایک شخص کا اثبات کیا ہے لیکن دوسرے نے اس کا اثبات نہیں کیا۔ ابن اسحاق نے ان کو قبائل کی ترتیب سے لکھا ہے۔ لیکن میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان کا تذکرہ کروں گا۔

ابی بن کعب، اسعد بن زرارہ، اسید بن حضیر، اوس بن ثابت، اوس بن زید، براء بن معروف، بشر بن براء، بہیز بن پیشم، ثابت بن جذع، جابر بن عبد اللہ، جبار بن صخر، حارث بن قیس، خارجہ بن زید، خالد بن زید، خالد بن عمرو، خالد بن قیس، خدیج بن سلامہ، خلاد بن سوید، ذکوان بن عبد قیس، رافع بن مالک، رفاعہ بن رافع، رفاعہ بن منذر، رفاعہ بن عمرو، زیاد بن لبید، زید بن سہیل، سعد بن خدیثمہ، سعد بن ربیع، سعد بن زید، سعد بن عبادہ، سلمہ بن سلامہ، سلیم بن عمرو، منان بن صیفی، سہیل بن تحسک، شمر بن سعد، صیفی بن سداد، ضحاک بن زید، ضحاک بن حارث، طفیل بن مالک، ظہیر بن رافع، عامر بن نابی، عباد بن قیس، عباس بن عبادہ، عبد اللہ بن انیس، عند بن عمر، عبد اللہ بن جبیر، عبد اللہ بن ربیع، عبد اللہ بن رواحہ، عبد اللہ بن زید، عبد اللہ بن عمرو، عیس بن عامر، عبید بن تیہان، عقبہ بن عمرو، عقبہ بن وہب، عمارہ بن حزم، عمرو بن جموح، عمرو بن حارث، عمرو بن عنمہ، عمرو بن غزنیہ، عمیر بن عامر، عوف بن حارث، عدیم بن ساعدہ، فروہ بن عمر، قتادہ بن نعمان، قطبہ بن عامر، قیس بن ابی صعصعہ، کعب بن عمرو، کعب بن مالک، مالک بن تیہان، مالک بن دشتم، مالک بن رفاعہ، معاذ بن جبل، معاذ بن حارث، معاذ بن عمرو، معقل بن منذر، معن بن عدی، معوذ بن حارث، نعمان بن عمرو، نہیر بن بھیر، ہانی بن نیار، یزید بن ثعلبہ، یزید بن خدام، یزید بن عامر، یزید بن منذر رضی اللہ عنہم۔ جبکہ خواتین میں سے حضرت اسماء بنت عمروؓ منبج اور حضرت زینب بنت کعب ام عمارہؓ نے یہ سعادت حاصل کی۔



حضرت عمرو بن جموح کا قبولِ اسلام

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب یہ خوش بخت صحابہ کرام مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا ان کی قوم میں بعض بزرگ ایسے بھی تھے جو اپنے شرک پر ہی تھے۔ ان میں سے ایک عمرو بن جموح بھی تھے۔ ان کے فرزند دلبند معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے عقبہ میں حضور اکرم ﷺ کی بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ عمرو بنو سلمہ کے سرداروں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں لکڑی کا پتھر بنا رکھا تھا جس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ اسے مناة کہا جاتا تھا۔ جب بنو سلمہ کے نوجوانوں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاذ بن عمرو وغیرہما نے اسلام قبول کر لیا اور عقبہ میں حضور اکرم ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کر لی تو وہ رات کی تاریکی میں عمرو کے بت کے پاس جاتے اسے اٹھاتے اور اسے بنو سلمہ کے کسی کنویں میں پھینک دیتے۔ جس میں لوگوں کی گندگی پھینکی جاتی تھی۔ وہ اسے اس میں الٹا پھینک دیتے وقت صبح عمرو کہتے "آج رات ہمارے معبود کے ساتھ دشمنی کس نے کی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑتے اسے پالیتے اسے پاک و صاف کرتے اسے خوشبو لگاتے۔ اسے کہتے: "بخدا! اگر میں جان لیتا کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کون کرتا ہے تو میں اسے رسوا کر دیتا۔ رات کے وقت وہ سو جاتے۔ یہ جوان صحابہ کرام اس بت کے پاس جاتے اور اسے اسی طرح کرتے۔ عمرو پھر اسے تلاش کرتے۔ اسے ڈھونڈ کر اسے صاف کرتے۔ اس پر خوشبو لگاتے اور اسے اس کی جگہ پر رکھ دیتے۔ جب اکثر یہ معمول بن گیا تو ایک روز انہوں نے بت کو کنویں سے نکالا۔ اسے پاک و صاف کیا۔ خوشبو لگائی۔ ایک تلوار لے کر آئے اس کے گلے میں لٹکایا۔ پھر کہا: "بخدا! میں نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کون کرتا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہے تو اس تلوار کے ساتھ آنے والے کو روک لینا۔ رات کے وقت عمرو سو گئے۔ جوان صحابہ کرام اس بت کے پاس گئے۔ اس کی گردن سے تلوار اتاری۔ ایک مردہ ہمتا اس کی گردن کے ساتھ باندھا اور اسے بنو سلمہ کے گندھے کنویں میں پھینک دیا۔ صبح کے وقت عمرو اس کی تلاش میں نکلے اپنے بت کو کنویں میں پایا وہ منہ کے بل لٹکا ہوا تھا ایک مردہ ہمتا اس کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ جب اسے دیکھا تو نگاہوں سے پردے اٹھ گئے۔ فوراً اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ جب اسلام قبول کر لیا۔ رب تعالیٰ

نے عرفان عطا کر دیا تو رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ اشعار کہے جس نے انہیں گمراہی اور ضلالت سے بچالیا تھا۔

والله لو كنت الها لم تكن
انك و كلب وسط بئر في قرن
اقبل لملقائك الها مستدن
الآن فتشناك عن سوء الغبن
الحمد لله العليّ ذى المنن
الواهب الرزاق ديان الدين
هو الذى انقذنى من قبل ان
اكون فى ظلمة قبر مرتين

با احمد المهدى النبى المؤمن

ترجمہ: ”قسم اللہ کی! اگر تو خدا ہوتا تو پھر تیری لاش غلیظ کتے کے ساتھ بندھی ہوئی کنویں سے نہ ملتی۔ اس حقارت آمیز حالت میں تمہاری ملاقات پر صد افسوس! اب ہمیں علم ہوا ہے کہ ہم تمہارے بارے دھوکہ میں مبتلا تھے۔ ساری ستائش اللہ رب العزت کے لیے ہے جو بلند و ارفع ہے جو بہت احسانات کرنے والا ہے وہ ہی دیتا ہے رازق بھی وہی ہے وہی سارے اہل ادیان کو جزاء دینے والا ہے۔ اس ذات والا نے ہی مجھے کفر سے نجات دی۔ اس سے قبل کہ میں قبر کے اندھیروں میں رہن رکھا جاتا۔ اس نے مجھے ہدایت یافتہ نبی مکرم ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق دی۔“



ہجرتِ مدینہ

پہلا باب

مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن

ابن سعد نے ابو امامتہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما سے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب یہ ستر افراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے چلے گئے تو آپ کے قلب انور کو مسرت نصیب ہوئی۔ رب تعالیٰ نے آپ کا دفاع ایسی قوم سے کر دیا تھا۔ جو جنگی چالوں سے خوب آگاہ تھی۔ وہ ایک عمدہ قوم تھی۔ اس کے بعد مسلمانوں پر مشرکین کی طرف سے اذیتیں شدت اختیار کر گئیں۔ اب انہیں پتہ چل گیا تھا کہ مسلمان نکل جائیں گے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے زندگی کے دائرہ کو تنگ کر دیا۔ سب و شتم میں اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے اس چیز کا شکوہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ ہجرت کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: "مجھے تمہاری ہجرت گاہ دکھادی گئی ہے۔ میں نے دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین کھجوروں والی سخت زمین کو دیکھ لیا ہے۔ اگر ایسی بلند زمین ہو جو سخت چٹانوں والی اور کھجوروں والی ہو تو میں کہوں گا یہ وہی سرزمین ہے۔" پھر کچھ ایام گزر گئے۔ آپ مسرور ہو کر اپنے صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: "مجھے تمہاری ہجرت گاہ کے بارے بتا دیا گیا ہے یہ یشرب ہے۔ جو وہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہو وہاں چلا جائے۔" مسلمان تیاری کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کی رفاقت میں چھپ کر نکلنے لگے۔ صحابہ کرام میں سے جس ذات نے سب سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی وہ حضرت ابوسلمہ بن اسد تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”انہوں نے بیعت عقبہ سے ایک سال قبل مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ کو ایک سال تک مکہ مکرمہ میں روک لیا گیا۔ پھر بنو مغیرہ نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں۔ وہ تنہا عازم سفر ہو گئیں جب تنعیم کے مقام پر پہنچی تو انہیں عثمان بن طلحہ ملے۔ یہ ابھی تک شرک پر ہی تھے۔ اس کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ ان کے ہمراہ ہو گئے۔ جب وہ قباء پہنچے تو انہوں نے کہا: ”اس بستی میں تمہارے خاوند ہیں۔“ پھر وہ مکہ مکرمہ میں واپس آگئے وہ فرماتی تھیں ”میں نے کسی رفیق راہ کو نہیں دیکھا جو عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف ہو۔ وہ جب کسی منزل تک پہنچتے تو اونٹ نیچے بٹھاتے۔ دور ہو کر کھڑے ہو جاتے جب میں اونٹ سے نیچے اتر جاتی تو وہ اونٹ لے جاتے۔ اسے درخت کے ساتھ باندھ دیتے پھر کسی درخت کے نیچے جا کر لیٹ جاتے۔ جب روانگی کا وقت آتا تو میرے اونٹ کے پاس آتے اسے آگے کرتے پھر دور ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ پھر کہتے: ”اس پر سواد ہو جاؤ۔“ جب میں سوار ہو جاتی اور اپنے اونٹ پر جم کر بیٹھ جاتی تو میرے پاس آتے نکیل تھام لیتے اور آگے آگے چلنا شروع کر دیتے۔ وہ اسی طرح کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے مجھے مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ امام بخاری اور امام حاکم نے حضرت براء سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”مہاجرین میں سے سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پہنچے۔“ امام ابن اسحاق اور امام ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسلمہ کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی خثمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے۔

”پھر حضرت عبداللہ بن جحش نے اپنی اہلیہ اور بھائی ابواحمد عبد بن جحش کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت ابواحمد نابینا تھے۔ وہ مکہ مکرمہ کے بالائی اور نشیبی علاقوں میں کسی قائد کے بغیر ہی آتے جاتے تے۔ یہ شاعر تھے۔ ان کی زوجیت میں حضرت فارعة بنت ابوسفیان تھیں۔ بنو جحش کے بارہ افراد نے اپنی بیوی بچوں سمیت ہجرت کر لی۔ ابوسفیان نے ان کے گھر پر قبضہ کر لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے اسے عمرو بن علقمہ سے خریدا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے اس کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ آپ نے فرمایا: ”عبداللہ! کیا تم راضی نہیں ہو کہ اس کے بدلے رب تعالیٰ تمہیں جنت میں ایسا محل عطا کرے جو اس سے بہتر ہو۔“ انہوں نے عرض کی: ”ضرور!“ آپ نے فرمایا: ”جنت کا گھر تمہارے لیے ہے۔“ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو ابواحمد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر کے بارے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا۔ لوگوں نے حضرت ابواحمد سے کہا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند فرما رہے ہیں کہ تم وہ چیز حاصل کرو جو راہ خدا میں تم سے لی جا چکی ہو۔“

انہوں نے دوبارہ بات نہ کی۔ بنو غنم نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے مرد و خواتین سارے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا چکے تھے۔ ابن السمان نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا جس نے اعلانہ ہجرت کی ہو۔ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنی تلوار حائل کی۔ اپنی کمان لی۔ اپنے ہاتھ میں تیر لیے۔ نیزہ لیا۔ کعبہ معظمہ کی طرف گئے۔ سرداران قریش مسجد حرام کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑے سکون سے بیت اللہ کا طواف کیا۔ مقام ابراہیمی پر آئے۔ دو رکعتیں پڑھیں۔ ایک ایک محفل میں گئے۔ انہوں نے ان سے کہا: ”چہرے برباد ہو جائیں رب تعالیٰ ان ناکوں کو خاک آلود کرے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس پر روئے یا اس کا بچہ یتیم ہو جائے یا اس کی بیوی بیوہ ہو جائے وہ اس وادی سے پرے مجھ سے ملاقات کرے۔“ حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”کوئی بھی ان کے پیچھے نہ آیا۔ حضرت عمر فاروق عازم سفر ہو گئے۔“ ابن اسحاق نے حضرت عمر فاروق سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب ہم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے، حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت ہشام بن عاص نے سرف کے اوپر بنو غفار کے اعضاء کے قریب کانٹوں والے درختوں کے پاس ایک دوسرے سے ملنے کا وعدہ کیا۔ ہم نے کہا: ”جو بھی وقت صبح وہاں نہ پہنچ سکا تو گویا کہ اسے روک دیا گیا ہو۔ اس کے بقیہ دونوں ساتھی عازم سفر ہو جائیں۔ میں نے اور حضرت عیاش نے صبح اسی جگہ کی لیکن حضرت ہشام کو ان کی قوم نے روک لیا۔ انہیں فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ پھر ابو جہل اور حارث بن ہشام مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں ہی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے حضرت عیاش بن ربیعہ سے کہا: ”تمہاری ماں نے یہ نذرمانی ہے کہ وہ اپنے بالوں میں کنگھی نہیں کرے گی حتیٰ کہ تجھے دیکھ لے۔ وہ سورج کے سایہ میں نہ بیٹھے گی حتیٰ کہ تمہیں دیکھ لے۔“ ان کے دل میں اس کے لیے رقت پیدا ہو گئی۔ میں نے حضرت عیاش سے کہا: ”عیاش! بخدا! یہ لوگ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں ان سے بچو بخدا! جب تمہاری ماں کے سر میں جوئیں پڑیں گی وہ خود بخود کنگھی کر لے گی۔ جب مکہ مکرمہ کی گرمی شدید ہو جائے گی تو وہ خود بخود سایہ میں بیٹھنے لگے گی۔“ مگر انہوں نے کہا: ”میں اپنی ماں کی نذر پوری کروں گا۔ اس جگہ میرا مال بھی ہے میں اسے بھی لے آؤں گا۔“ میں نے کہا: ”عیاش! کیا تمہیں علم ہے کہ میں سارے قریش سے زیادہ امیر ہوں۔ تم میرا نصف مال لے لو اور ان کے ہمراہ نہ جاؤ۔“ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اور ان کے ہمراہ جانے کے لیے اصرار کیا۔ میں نے ان کی ضد دیکھی تو میں نے کہا: ”اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو میری اس اونٹنی پر سوار ہو جاؤ۔ یہ تیز رفتار ہے۔ اس کی پشت پر ہی بیٹھے رہنا اگر اس قوم سے کچھ شک گزرے تو اس پر بیٹھ کر بیچ نکلنا۔ حضرت عیاش اس اونٹنی پر سوار ہوئے اور ان کے ہمراہ قباء سے باہر آ گئے۔ جب کچھ مسافت طے ہو چکی تو ابو جہل نے کہا: ”میرے بھتیجے! میں نے اپنے اونٹ پر بہت سا سامان لا دیا ہے۔ کیا تم مجھے اس اونٹنی پر بیٹھنے کی اجازت

نہیں دیتے۔“ حضرت عیاش: ”ضرور! وہ اونٹنی سے نیچے آئے۔ وہ دونوں بھی اپنے اپنے اونٹ سے نیچے اترے۔ انہوں نے عیاش پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے انہیں پکڑا باندھا اور مکہ معظمہ لے آئے۔ انہیں وہاں مختلف فتنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اعلان کیا تھا: ”اے مکہ والو! جس طرح ہم نے اپنے پاگل کے ساتھ کیا ہے تم بھی اپنے احمقوں کے ساتھ اسی طرح کرو۔“ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں: ”ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے کوئی فرض نفل یا توبہ قبول نہیں کرے گا جو فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس قوم نے اپنے رب تعالیٰ کو پہچانا پھر کسی اذیت یا تکلیف کی وجہ سے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ وہ لوگ بھی اپنے بارے اسی طرح کہتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو رب تعالیٰ نے ان کے بارے یہ آیت طیبہ نازل کی:

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ
الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاَنْيَبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمْ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ
رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمْ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ (الزمر: ۵۴-۵۶)

ترجمہ: ”آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر مایوس نہ ہو جاؤ۔ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سرفرم کر دو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آجائے تم پر عذاب۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور پیروی کرو، عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے۔ اس سے پیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے۔“

حضرت عمر فاروق نے فرمایا: ”میں نے اپنے ہاتھ سے اس آیت طیبہ کو ایک کاغذ پر لکھا اور اسے ہشام بن عاصی کے پاس بھیج دیا۔“ ہشام کہتے ہیں: ”جب یہ مکتوب میرے پاس پہنچا میں ذی طوی کے مقام پر اسے پڑھنے لگا۔ میں نشیب و فراز میں گھوم رہا تھا۔ اسے پڑھ رہا تھا لیکن مجھے اس کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔“ میں نے عرض کی: ”مولا! مجھے ان آیات کا مفہوم سمجھا دے۔ رب تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈال دیا کہ یہ ہمارے بارے ہی اتریں ہیں۔ اس کے بارے اتری ہیں جو کچھ ہم اپنے بارے کہتے ہیں۔ میں اپنے اونٹ کے پاس آیا۔ اس پر سوار ہوا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گیا۔“

حضرت ابن ہشام نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: ”کون ہے جو عیاش بن ربیعہ کو میرے پاس لے کر آئے گا۔“ حضرت ولید بن ولید نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں انہیں

لے کر آؤں گا۔ وہ مکہ مکرمہ کی طرف نکلے۔ چھپتے چھپاتے وہاں پہنچ گئے۔ وہ ایک عورت سے ملے جو کھانا لایا رہی تھی۔ انہوں نے اسے پوچھا: ”خدا کی بندی! کہاں جا رہی ہو؟“ اس نے کہا: ”ان دو قیدیوں کے پاس۔“ وہ اس عورت کے پیچھے چلے حتیٰ کہ ان کی قید کی جگہ کو دیکھ لیا۔ وہ ایسے کمرے میں مقید تھے جس پر چھت نہیں تھی۔ رات کے وقت وہ دیوار پھلانگ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ایک پتھر لیا اسے ان کو زنجیروں کے نیچے رکھا اور تلوار مار کر انہیں کاٹ دیا۔ ان کی تلوار کو ذوالمرہ کہا جاتا تھا۔ انہیں اپنے اونٹ پر سوار کیا اور اسے ہانکنے لگے۔ راستہ میں انہیں ٹھوکر لگی جس سے ان کی انگلی زخمی ہو گئی۔ انہوں نے کہا:

هل انت الا اصبع دمیت و فی سبیل اللہ ما لقیتم

ترجمہ: ”تو صرف ایک انگلی ہے جو خون آلود ہے۔ راہِ خدا میں تو مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں پہنچی۔“

انہوں نے ان دونوں کو بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر کر دیا۔ پھر لگاتار مہاجرین آنے لگے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت صہیب بن سنان حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہم کے ہاں ٹھہرے۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے تھے۔

ابن سعد نے حضرت ابن مسیب سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ تو کفار قریش نے انہیں کہا ”جب تم ہمارے پاس آئے تھے تو تم فقیر اور کنگال تھے ہمارے ہاں تمہارے پاس مال کی فراوانی ہوئی ہے۔ پھر تم اپنے نفس اور مال کے ساتھ ہجرت کرنا چاہتے ہو۔ بخدا! اس طرح نہیں ہو سکتا۔“ حضرت صہیب نے انہیں فرمایا: ”اگر میں تمہیں اپنا مال دے دوں تو کیا تم میرا رستہ چھوڑ دو گے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں!“ انہوں نے کہا: ”میں اپنا مال تمہیں دیتا ہوں۔“ جب اس واقعہ کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ”صہیب نفع پائے گا۔“ ابن سعد نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گروہ درگروہ آنے لگے۔ انصار نے ان کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔ انہیں پناہ دی۔ ان کے ساتھ ہمدردی کی۔ ان کی مدد کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل قبائ میں حضرت سلام مولیٰ حدیفہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو امامت کراتے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مہاجرین کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہرے رہے۔ آپ اذن ہجرت کے منتظر تھے۔ اب مکہ مکرمہ میں صرف وہی لوگ رہ گئے تھے جنہیں مجوس کر دیا گیا تھا۔ یا وہ فتنہ میں مبتلا ہو چکے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ میں تھے۔ کتنی ہی بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے ہجرت کی اجازت مانگی مگر آپ انہیں فرماتے: ”جلدی نہ کرو شاید رب تعالیٰ کسی کو تمہارا رفیق بنا دے۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا

تھا کہ وہ رفاقت آپ ﷺ کی ہی ہے۔

ابن سعد نے لکھا ہے ”انصار کے ایک گروہ نے عقبہ آخرہ میں آپ کی بیعت کی۔ پھر مدینہ طیبہ واپس آگئے۔ پھر وہ مکہ مکرمہ چلے گئے پھر وہ ہجرت کر گئے مدینہ طیبہ آگئے۔ انہیں مہاجر انصار کہا جاتا ہے۔ ان میں حضرت ذکوان بن عبد قیس، حضرت عقبہ بن وہب، حضرت عباس بن عبادۃ اور حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔“

تنبیہات

ابن اسحاق اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن ابن ابی شیبہ اور امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”مہاجرین میں سے سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر ہمارے پاس آئے۔“ الحافظ نے لکھا ہے کہ ان دونوں روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ ایک کو خاص صفت کے ساتھ اولیت پر محمول کیا جائے گا۔ ابن عقبہ نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ سب سے پہلے مہاجرین میں سے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ وہ حبشہ سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ مکہ مکرمہ میں انہیں ستایا گیا۔ انہیں یہ خبر ملی کہ عقبہ اولیٰ میں بارہ انصاری صحابہ نے شرکت کی ہے۔ تو وہ اسی سال کے درمیان مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ اس روایت اور حضرت براء کی روایت کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوسلمہ مدینہ طیبہ میں اقامت کی نیت سے عازم سفر نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ مشرکین سے راہ فرار اختیار کیا تھا۔ جبکہ حضرت مصعب بن عمیر مدینہ طیبہ میں اقامت کی نیت سے گئے تھے۔

ابو عمر نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ پہلی خاتون محترمہ جنہوں نے سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں آنے کی سعادت حاصل کی تھی وہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حنمہ رضی اللہ عنہا تھیں لیکن حضرت ابن عقبہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا ہے۔

ابن اسحاق نے بنو غنم کی مہاجرات میں حضرت ام حبیبہ کا نام لیا ہے لیکن امام سہلی نے انہیں ام حبیب لکھا ہے اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

ابن اسحاق نے بنو حنشل کی خواتین میں حضرت جذامۃ بنت جندل رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا ہے۔ امام سہلی نے لکھا ہے۔ ”میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جذامۃ بنت وہب تھیں کیونکہ جذامۃ بنت جندل نہ تو آل حنشل الاسیدین اور نہ ہی دوسروں میں تھی۔ یہ وہم ہے۔ وہ جذامۃ بنت وہب بن محسن ہیں۔ لیکن ابن جریر نے جذامۃ کا تذکرہ مہاجرات میں کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے محدثین جذامۃ بنت وہب کہتے ہیں۔ لیکن پرندیدہ موقف یہ ہے کہ وہ بنت جندل

الاسدیہ ہیں۔ یہ حضرت عکاشہ بن محض کی بہن تھیں شاید والدہ کی طرف سے بہن تھیں۔ ابن حبان نے کتاب صحابہ میں لکھا ہے کہ حضرت جذامہ بنت جندل بنو غنم کی مہاجرات میں سے تھیں۔ جبکہ جذامہ بنت وہب کا تعلق بنو ہلال سے تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت جذامہ بنت جندل الاسدیہ نے پیغمبر ﷺ نے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے بیعت کی۔ سعادت حاصل کی اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ یہ بات اس امر سے مزید واضح ہو جاتی ہے جسے ابوالحسن خزر جی نے تقریب المدارک شرح مؤطا امام مالک رضی اللہ عنہ میں لکھا ہے کہ جذامہ بنت وہب نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تھا۔



ہجرت مدینہ اور کفار کا مکرو فریب

ابن اسحاق، عبدالرزاق، امام احمد، ابن جریر، ابن منذر اور الطبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب قریش نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کو مخلص ساتھی مل گئے ہیں۔ وہ ایسے جاٹار تھے جو قریش کے علاوہ تھے ان کا تعلق بھی ان کے شہر کے ساتھ نہیں تھا۔ قریش نے دیکھا کہ آپ کے صحابہ کرام بھی ان کی طرف ہجرت کرتے جا رہے تھے۔ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ انہیں امن و سلامتی کی جگہ مل جائے گی۔ انہیں وہاں مکمل تحفظ حاصل ہوگا۔ اگر یہ بھی خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں حضور اکرم ﷺ بھی ہجرت فرما کر وہیں تشریف نہ لے جائیں اور اپنے جاٹار ان کو جمع فرما کر ان پر حملہ آور نہ ہو جائیں تو وہ دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ وہ وہاں مشورہ کرنے لگے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے معاملہ میں کیا کرنا ہے۔ جس روز قریش وہاں جمع ہوئے اس دن کو یوم الزحمتہ کہا جاتا ہے ابلیس لعین بھی ایک بزرگ کی شکل میں وہاں آ گیا۔ اس نے موٹی سی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ وہ دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ جب قریش نے اسے دیکھا تو پوچھا: ”کون ہو؟“ اس نے کہا: ”میرا تعلق اہل نجد سے ہے میں نے سنا ہے کہ تم کسی اہم مقصد کے لیے یہاں جمع ہوئے ہو۔ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ سنو کہ تم کیا مشاورت کرتے ہو۔ شاید تمہیں کوئی عمدہ مشاورت دے سکوں۔“ قریش نے کہا: ”بہت اچھا اندر آ جاؤ۔ وہ ان کے پاس چلا گیا۔ دارندوہ میں قریش بنو عبد شمس میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان، بنو نوفل میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر، بنو عبد الدار میں سے نصر بن حارث بنو اسد میں سے ابوالختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، بنو مخزوم میں سے ابو جہل، بنو سہم میں سے نبیہ، منبہ ابنا حجاج، بنو جمح میں سے امیہ بن خلف میں جمع تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ قریش کے اور بھی افراد تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ”تم اس شخص (حضور اکرم ﷺ) کے امر کا مشاہدہ کر چکے ہو۔ بخدا! ہم اس سے امن میں نہیں کہ وہ اپنے جاٹاروں کو جمع کریں اور ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔ ان کے بارے ایک رائے پر اتفاق کر لو۔ وہ باہم مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا: (امام پہلی نے لکھا ہے کہ وہ ابوالختری بن ہشام تھا) انہیں لو ہے کی زنجیروں میں مقید کر دو۔ پھر ان کا دروازہ بند کر دو پھر ان شعراء کی طرح ان کا انتظار کرو جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں مثلاً زہیرا، ربابہ، حذافہ۔“

موت ان کا کام تمام کر دے۔“ شیخ نجدی نے کہا: ”بخدا! تمہاری یہ رائے درست نہیں ہے اگر تم انہیں مقید کر دو گے تو ان کا معاملہ پھیل جائے گا۔ وہ بات ان کے صحابہ تک پہنچ جائے گی۔ بلاشبہ وہ تم پر حملہ آور ہو کر انہیں تمہارے ہاتھوں چھین کر لے جائیں گے پھر وہ کثرت کے ساتھ تم پر حملہ آور ہوں گے۔ یہ رائے درست نہیں تم کسی اور رائے کا اظہار کرو۔“

پھر وہ مشاورت کرنے لگے ان میں سے ایک شخص نے کہا: ”امام سہلی نے لکھا ہے کہ وہ ابوالاسود ربیعہ بن عمرو تھا۔ اس کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا۔ اس نے کہا: ”ہم انہیں اپنے شہر سے نکال دیتے ہیں اور اپنے شہر سے جلاوطن کر دیتے ہیں۔ جب وہ یہاں سے چلے جائیں گے تو پھر ہمیں پرواہ نہ ہوگی کہ وہ کہاں جاتے ہیں۔ جب وہ چلے جائیں گے ہم ان سے فارغ ہو جائیں گے تو ہم اپنے معاملہ کی اصلاح کر لیں گے اور پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔“ شیخ نجدی نے کہا: ”نہیں! بخدا! یہ بھی رائے درست نہیں ہے کیا تم ان کی عمدہ گفتگو نہیں سنتے ان کی باتوں کی شیرینی نہیں دیکھتے۔ وہ اپنے کلام کے ساتھ لوگوں کے دل کس طرح موہ لیتے ہیں۔ بخدا! اگر تم نے اس طرح کیا تو تمہیں یہ خطرہ رہے گا کہ وہ عرب کے کسی قبیلے کے پاس چلے جائیں گے۔ وہ اپنے قول کی عمدگی اور باتوں کی شیرینی سے انہیں اپنا بنا لیں گے حتیٰ کہ وہ ان کی اتباع کرنے لگیں۔ پھر وہ تمہارے پاس آئیں گے اور تمہیں روندھ ڈالیں گے۔ معاملہ تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا جو جیسے چاہیں گے تم سے سلوک کریں گے۔ لہذا کوئی اور رائے دو۔“

ابو جہل نے کہا: ”بخدا! میرے پاس ایک ایسی رائے ہے جس کے بعد تمہیں کسی مشورہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔“ سرداران قریش نے پوچھا: ”ابو الحکم! وہ کون سی رائے ہے؟“ اس نے کہا: ”میری رائے یہ ہے کہ تم ہر قبیلے سے ایک ایسا جوان لو جو توانا، مضبوط اور حسب و نسب والا ہو پھر ہم ہر جوان کو ایک شمشیر بزاں دیں گے۔ پھر وہ یکبار حملہ کر کے حضور ﷺ کا کام تمام کر دیں گے۔ وہ انہیں قتل کر دیں گے ہم ان سے نجات پالیں گے۔ اگر وہ اس طرح کر گزریں گے تو ان کا خون تمام قبائل میں منقسم ہو جائے گا۔ بنو عبد مناف ان سے جنگ نہیں کر سکیں گے۔ وہ دیت پر راضی ہو جائیں گے۔ ہم انہیں دیت دے دیں گے۔ شیخ نجدی نے کہا: ”بخدا! رائے وہی ہے جو اس نے دی ہے اس کے علاوہ اور کوئی رائے نہیں۔“

ابن کلبی نے لکھا ہے کہ جب ابلیس لعین نے ابو جہل کی رائے کی تعریف کی تو اس نے کہا:

الرأی رأیان: رای لیس يعرفه

یكون اوله نمر و مکرمه

هاد و رای کنصل السیف معروف

یومًا و آخره جدو تشریف

ترجمہ: ”رائے دو ہی ہوتی ہیں۔ ایک ایسی رائے ہوتی ہے جسے کوئی ہادی نہیں جانتا جبکہ دوسری رائے تلوار کے پھل کی طرح معروف ہوتی ہے۔ جس کی ابتداء عرت و مکریم ہوتی ہے اور اس کا آخر بزرگی اور

شرافت ہوتی ہے۔“

یہ بات طے کر کے قوم منتشر ہو گئی۔ ان کا اسی امر پر اتفاق ہو گیا تھا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آج اس بستر پر آرام فرمانا ہوں۔ جس پر پہلے آرام فرما جوتے ہیں۔“ انہوں نے آپ کو قوم قریش کے اس مکرو فریب کی خبر دی۔ نیز بتایا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا اذن دے دیا ہے۔“ رات کے ابتدائی حصہ میں نوجوانان قریش آپ کے در اقدس پر جمع ہو چکے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ آپ کب آرام فرما جوتے ہیں اور وہ آپ پر حملہ کر دیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”میرے بستر پر سوجاؤ میری سبز حضرتی چادر اوڑھ لو۔ اس میں سوجاؤ تمہیں کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ حضور اکرم اپنی اسی چادر میں آرام فرما جوتے تھے۔“

جب نوجوانان قریش وہاں جمع ہو گئے تو ابو جہل نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم گمان کرتے ہیں کہ اگر تم نے ان کے امر کی اتباع کر لی تو تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ پھر تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا۔ تمہیں اردن کے باغوں کی مانند باغ ملیں گے۔ اگر تم نے اس طرح نہ کیا تو تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا تمہیں آگ میں جلا یا جائے گا۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف باہر نکلے۔ دست اقدس میں مٹھی بھرٹی لی پھر فرمایا: ”ہاں! میں اس طرح کہتا ہوں۔ تو ان میں سے ایک ہے۔“ رب تعالیٰ نے ان کی بصارت چھین لی وہ آپ کو دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ آپ وہ مشت خاک ان کے سروں پر پھینکنے لگے۔ آپ ان آیات طیبات کی تلاوت کر رہے تھے۔

نِسْ ۱ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۲ إِنَّکَ لَیِّنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۴
تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۵ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤَهُمْ فَهُمْ غٰفِلُونَ ۶ لَقَدْ حَقَّ
الْقَوْلُ عَلٰی أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُونَ ۷ إِنَّا جَعَلْنَا فِیْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى
الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ۸ وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ أَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَأَعْشَيْنَهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُونَ ۹ (نِس: ۹۲۱)

ان میں سے ہر ایک شخص کے سر پر وہ خاک پڑی۔ پھر جہاں چاہتے تھے تشریف لے گئے۔

ایک شخص ان لوگوں کے پاس آیا جو ان میں سے نہ تھا۔ اس نے پوچھا: ”تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔“ اس شخص نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسوا کر دیا ہے۔ بخدا! وہ تمہارے پاس سے گذر کر چلے گئے ہیں۔“

انہوں نے تم میں سے ہر ایک کے سر پر مٹی پھینک دی ہے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ تمہاری کیا حالت ہوئی ہے؟ ہر شخص نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہاں مٹی پڑی ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے اندر جا کر دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کی چادر اوڑھے آرام فرما تھے۔ انہوں نے کہا: ”بخدا! یہ محمد عربیؐ میں جو اپنی چادر اوڑھے آرام کر رہے ہیں۔ وہ صبح تک اسی طرح رہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے بستر سے اٹھے۔ قریش نے کہا: ”بخدا! اس شخص نے ہمیں سچ ہی کہا تھا۔“ پھر حضور اکرمؐ غار ثور کی طرف تشریف لے گئے۔“

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی جان بیچ دی تھی۔ انہوں نے حضور اکرمؐ کی مبارک چادر اوڑھی اور سو گئے۔ مشرکین یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ حضور اکرمؐ میں حتیٰ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وضوء کرنے کے لیے اٹھے۔“

امام حاکم نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”وہ ذات جس نے سب سے پہلے اپنی جان بیچنے کے لیے پیش کی۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اس کے بارے میں یہ اشعار بھی کہے ہیں:

وقیت نفسی خیر من وطئ الحصى
رسول اللہ خاف ان یمکروا بہ
و بات رسول اللہ فی الغار آمنا
و بت اراعیہم وما یتہموننی
و من طاف بالبيت العتیق و بالحجر
فنجاة ذوالطول الا له من المکر
موقی و فی حفظ الا له و فی سر
وقد و طنت نفسی علی القتل و الاسر

ترجمہ: ”میں نے اپنی جان کے بدلے اس ہستی پاک کو بچایا۔ جو ہر اس ذات سے بہتر ہے جس نے شی کو روندھایا جس نے بیت اللہ اور حجر کا طواف کیا۔ حضور اکرمؐ کا غدشہ تھا کہ کہیں مشرکین آپ سے کوئی مکر نہ کریں۔ قوت والے معبود نے آپ کو مکر سے نجات عطا کر دی۔ حضورؐ نے امن کے ساتھ غار ثور میں رات بسر کی۔ آپ کی حفاظت کی گئی تھی۔“

آپ اپنے رب تعالیٰ کے تحفظ اور پردہ میں تھے۔ میں نے انہیں دیکھتے ہوئے رات بسر کی انہوں نے مجھ پر تہمت نہ لگائی۔ میں نے قتل ہونے یا قید ہونے کے لیے اپنے نفس کو تیار کر لیا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: ”اس وقت یہ آیات طیبات نازل ہوئیں:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۗ وَيَمْكُرُونَ
وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ﴿٣٠﴾ (الانفال: ٣٠)

ترجمہ: ”اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا۔ یا کہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے۔ اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا۔ اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔“

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿۳۹﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ﴿۴۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿۴۱﴾ (الطور: ۳۹-۴۱)

ترجمہ: ”پس آپ سمجھاتے رہیے آپ اپنے رب کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں نہ مجنون۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں۔ ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردش زمانہ کا۔ فرمائیے انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔“

تنبیہات

ابن جریر، ابن منذر نے عبید بن عمیر سے اور ابن جریر نے ایک اور سند سے مطلب بن وراعہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جب قریش نے باہم مشاورت کی کہ وہ آپ کو مجبوس کر دیں یا شہید کر دیں یا جلاوطن کر دیں تو آپ کے چچا جناب ابوطالب نے کہا: ”کیا آپ جانتے ہیں کہ قریش کیا مشاورت کر رہے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”وہ ارادہ کر رہے ہیں کہ مجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں۔“ جناب ابوطالب: ”آپ کو یہ کس نے بتایا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میرے رب تعالیٰ نے۔“ انہوں نے کہا: ”آپ کا رب تعالیٰ کتنا عمدہ ہے۔“ البدایہ میں ہے کہ اس واقعہ میں جناب ابوطالب کا تذکرہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے اس وقت جناب ابوطالب کی موت کو تین سال گزر چکے تھے۔

امام سہلی نے لکھا ہے: ”ابلیس نے قریش سے کہا تھا کہ اس کا تعلق اہل نجد سے ہے۔ کیونکہ قریش نے کہا تھا: ”اہل تہامہ میں سے کوئی شخص تمہاری اس مشاورت میں شامل نہ ہو۔ کیونکہ ان کی ہمدردیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔“ اس لیے وہ شیخ نجدی کی شکل میں آیا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ اس وقت بھی شیخ نجدی کی شکل میں آیا تھا۔ جب قریش نے حجر اسود کو رکھنے کے لیے آپ کو ثالث مقرر کیا تھا۔ اس نے کہا تھا: ”اے گروہ قریش! کیا تم اس بات پر راضی ہو گئے ہو کہ تمہارے عمر رسیدہ اور بزرگوں کو چھوڑ کر ایک جوان حجر اسود کو رکھے۔“ اس نے ایک بار پھر شیخ نجدی کی شکل اپنائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نجد سے شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی:

”آپ ہمارے نجد کے لیے بھی دعا کریں تو آپ نے فرمایا: ”وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے وہاں سے شیطان کا سینک ظاہر ہوگا۔“

بعض سیرت نگاروں نے وہ سبب بھی لکھا ہے جس کی وجہ سے وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر اس رات حملہ نہ کر سکے حالانکہ وہ انہیں حضور ﷺ گمان کر رہے تھے وہ صبح تک انتظار کرتے رہے۔ گھر کی دیواریں بھی چھوٹی چھوٹی تھیں۔ وہ آپ کو شہید کرنے کے لیے آئے تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے حملہ کرنے کی کوشش کی گھر کے اندر سے ایک خاتون چلا آئی۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ”یہ ہمارے لیے“ عار ہے کہ لوگ ہماری باتیں کریں گے کہ ہم نے اپنی چچا زادوں کے لیے دیواریں پھلانگیں تھیں۔ اپنی حرمت کا پردہ چاک کیا تھا۔ اس لیے وہ صبح تک انتظار کرتے رہے۔ پھر ان کی بصارت چھین لی گئی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے سروں پر مٹی ڈالنے میں حکمت یہ تھی تاکہ پتہ چل جائے کہ وہ ذلیل و رسوا ہیں ان پر مٹی ڈال دی گئی۔ نیز یہ کہ وہ عنقریب مٹی چائیں گے۔

ابن مندہ نے حضور ﷺ کی خادمہ حضرت ماریہ سے روایت کیا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے لیے جھکیں حتیٰ کہ آپ دیوار پر چڑھ گئے اور مشرکین سے دور چلے گئے۔ لیکن پہلے روایت گزر چکی ہے کہ آپ کا شانہ اقدس کے دروازہ سے باہر نکلے تھے۔ اس کی سند اس روایت سے قوی ہے۔ حضرت ماریہ کی روایت میں کئی مجہول راوی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اس وقت سورت یسین پڑھی تھی۔ خوفزدہ لوگوں کو آپ کی اقتداء کرتے ہوئے خوف کے وقت یہی سورت تلاوت کرنی چاہیے۔ روایت ہے کہ جو خائف یہ سورت پڑھتا ہے۔ وہ امن میں ہو جاتا ہے۔



بعثت کے بعد حضور اکرم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں قیام

امام بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام فرمایا۔ حضرت ابن عباس سے مختلف روایات مروی ہیں ان سب کا تذکرہ وصال النبی کے باب میں ہوگا۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے اس زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں۔ میرا گمان یہ تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے۔ لیکن وہ تو مدینہ منورہ (یثرب) ہے۔“ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تمہاری ہجرت گاہ دیکھ لی ہے۔ وہ شوروالی سرزمین ہے جو دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین ہے۔ وہ یا ہجر ہے یا یثرب ہے۔“

امام احمد اور امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عدی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ الحزورۃ تشریف لے گئے۔ فرمایا: ”بخدا! تو رب تعالیٰ کی بہترین سرزمین ہے۔ مجھے ساری زمین سے پیاری ہے۔ اگر تیرے باسی مجھے یہاں نہ نکالتے تو میں کبھی بھی نہ نکلتا۔“

تنبیہات

1 ابن التین نے لکھا ہے کہ پہلے حضور اکرم ﷺ کو دار ہجرت ایسی صفات سے دکھایا گیا جو اس میں اور دیگر شہروں میں جمع تھیں پھر اس وصف کے ساتھ دکھایا گیا جو مدینہ طیبہ کے ساتھ مختص ہے جس سے اس شہر خوباں کا تعین ہو گیا۔

2 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ آپ نے یہ دعا مانگی: ”مولا! تو مجھے زمین کے اس ٹکڑے سے نکال دیا ہے۔ جو مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ اب مجھے اس ٹکڑے میں سکونت دے جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔“ اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اہل علم کا اختلاف نہیں کہ یہ روایت منکر اور موضوع ہے۔



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجِ صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ
سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ (الاسراء: ۸۰)

ترجمہ: ”اور دعا مانگ لیجئے کہ اے میرے رب جہاں کہیں تو مجھے لے جائے۔ سچائی کے ساتھ لے جا اور جا کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ۔ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔“

امام احمد، امام ترمذی، امام حاکم اور ضیاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو ہجرت کا حکم ملا تو اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ مدخل صدق سے مراد مدینہ طیبہ مخرج صدق سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ زبیر بن بکر نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو مدخل صدق مکہ مکرمہ کو مخرج صدق اور انصار کو ”سلطاناً نصیراً“ بنا دیا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کا شانہ اقدس سے نکلے تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ پھر رات تک وہیں تشریف فرما رہے۔ پھر آپ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما عازم سفر ہو کر غار ثور تک پہنچے۔ اس میں داخل ہو گئے۔

ابن عقبہ، ابن اسحاق، امام احمد اور امام بخاری نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور ابن اسحاق اور امام الطبرانی نے ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ آپ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ٹھہر جاؤ مجھے امید ہے کہ مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو یہ امید ہے۔ میرے والدین

آپ پر ثارا! آپ نے فرمایا: ”ہاں! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود کو روک لیا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں آسکے۔ انہوں نے اپنی دو اونٹنیوں کو اس مقصد کے لیے مختص کر دیا۔“

ابن شہاب نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز ہمارے ہاں صبح و شام تشریف لاتے تھے۔ ایک دن ہم دوپہر کے وقت بیٹھی ہوئی تھیں کہ کسی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے چادر اوڑھ رکھی ہے۔“ آپ اس وقت ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے کہا: ”میرے والدین آپ پر خدا! بخدا! آپ کسی ضروری کام کے لیے اس وقت تشریف لاتے ہیں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اجازت طلب کی۔ آپ کو اجازت دے دی گئی۔ آپ اندر تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ چار پائی سے پیچھے ہٹ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما ہو گئے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”جو تمہارے پاس بیٹھے ہیں انہیں باہر نکال دو۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کوئی حرج نہیں یہ میری نوران نظر ہیں۔“ دوسرے الفاظ یہ ہیں: ”یہ آپ کے اہل ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”رب تعالیٰ نے مجھے ہجرت اور سفر کی اجازت دے دی ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے رفاقت نصیب ہوگی۔“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! ام المؤمنین نے فرمایا: ”بخدا! میں نے پہلے کسی کو و فور مسرت سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا حتیٰ کہ میں نے اس روز سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میری ان دو اونٹنیوں میں ایک آپ لے لیجئے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیمت کے ساتھ۔ میں اس اونٹنی پر سوار نہیں ہوں گا جو میری نہیں ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ آپ ہی کی ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں! لیکن اس قیمت کے ساتھ جس سے میں اسے خریدوں گا۔“ آپ نے فرمایا: ”میں نے یہ اتنی رقم میں خرید لی ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”یہ آپ کی ہوگئی۔“ امام بخاری نے لکھا ہے کہ یہ جدعاء اونٹنی تھی۔ امام واقدی نے اس کی قیمت آٹھ سو درہم بتائی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اجرت پر لیا۔ اس کا تعلق بنو عبد بن عدی تھا۔ وہ ابھی تک مشرک تھا بعد میں اسلام لے آیا۔ انہوں نے یہ اونٹنیاں اس شخص کے سپرد کیں اور تین راتوں کے بعد غار ثور کے سامنے ملنے کا وعدہ کیا۔“

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”ہم نے جلدی جلدی تیاری کی۔ ہم نے ایک توشہ دان میں زاد راہ رکھا۔ امام واقدی نے لکھا ہے کہ وہ بکری کے چمڑے کا تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کیے ایک سے توشہ دان کا منہ بند کیا۔ دوسرے سے مشکیزے کا منہ باندھا۔ اسی لیے انہیں ذات النطاق یا ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔ امام بلاذری نے لکھا

ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "انہیں جنت میں دو کمر بند ملیں گے۔" اس لیے ان کا یہ نام پڑ گیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے سفر کے بارے بتایا آپ نے انہیں حکم دیا کہ مکہ مکرمہ میں ہی رہیں حتیٰ کہ وہ لوگوں کو امانتیں واپس کر کے آئیں جو وہ آپ کے پاس رکھتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے لوگوں کو اپنی جس چیز کے بارے خطرہ محسوس ہوتا۔ وہ اسے آپ کے پاس رکھ دیتے تھے۔ کیونکہ وہ آپ کے صدق و امانت سے خوب آگاہ تھے۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ غار ثور کی طرف چلے گئے۔" امام بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات قدسی رات کے وقت عازم سفر ہوئے۔" ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ حضرات اس چھوٹے دروازے سے باہر نکلے تھے۔ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے پچھلے حصہ میں تھا۔ عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں حضرت ابو بکر صدیق کی کھڑکی سے باہر نکلا۔ مجھے سب سے پہلے ابو جہل ملا۔ رب تعالیٰ نے اس کی بصارت چھین لی۔ وہ مجھے اور ابو بکر کو نہ دیکھ سکا۔" حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے پانچ ہزار درہم اپنے ساتھ لے گئے تھے۔" علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ جس روز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس روز ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ جب ہجرت مدینہ کے لیے عازم سفر ہوئے تو اس روز چار یا پانچ ہزار درہم تھے۔ یہ رقم حضرت عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اٹھا کر غار ثور کی طرف گئے تھے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: "میرے پاس میرے دادا ابو قحافہ آئے۔ ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ ابو بکر نے تمہیں نفس کے ساتھ ساتھ مال سے بھی تکلیف دی ہے۔" میں نے کہا: "دادا جان! انہیں انہوں نے ہمارے لیے بہت سا مال چھوڑا ہے۔" انہوں نے کہا: "میں نے پتھر لیے انہیں گھر کے روشن دان میں رکھا۔ ہمارے والد گرامی اپنا مال اسی میں رکھتے تھے۔ میں نے ان پر کپڑا رکھا۔ اپنے دادا کا ہاتھ تھا ما اور کہا: "دادا جان! اپنا ہاتھ اس مال پر رکھو۔" انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تو کہا: "کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے تمہارے لیے کافی مال چھوڑا ہے یہ تمہارے لیے کافی ہے۔" بخدا! والد گرامی ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑ کر گئے تھے۔ لیکن میں نے ارادہ کیا کہ اس طرح اس بزرگ کو کٹلی ہو جائے۔" امام بیہقی نے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما غار ثور کی طرف نکلے تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی آپ کے آگے کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں چلنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب مجھے یہ خدشہ لگتا کہ آگے دشمن نے گھات نہ لگائی تو میں آپ کے آگے ہو جاتا ہوں۔ جب دشمن کی جستجو کا خطرہ لاحق ہوتا ہے تو آپ کے پیچھے ہو جاتا ہوں۔ کبھی آپ کے دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں تاکہ آپ کے بارے مجھے امن رہے۔"

جب وہ غار کے دہانے تک پہنچے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”آپ کو اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ اس میں داخل نہ ہوں حتیٰ کہ میں خود اس میں داخل ہو جاؤں۔ اگر اس میں کچھ موجود ہو تو وہ آپ سے قبل مجھ پر حملہ آور ہو۔“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اندر چلے گئے۔ ہاتھ سے ٹٹولنے لگے۔ جب بھی کوئی سوراخ نظر آتا تو اپنا کپڑا لیتے اسے چیرتے اور اس کو اس سوراخ میں ٹھونس دیتے۔ حتیٰ کہ سارا کپڑا ختم ہو گیا ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ انہوں نے اپنی ایرھی اس میں رکھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ سانپ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ڈنگ مار دیا۔ ان کے آنسو نیچے گرنے لگے۔

ابن ابی شیبہ اور ابن منذر نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ دونوں ہستیاں غار توڑ تک پہنچیں تو وہاں ایک سوراخ تھا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی ایرھی اس میں رکھ دی۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر اس کے اندر کوئی بچھو یا سانپ ہو تو وہ مجھے ڈنگ مارے۔“ ابن مردویہ نے حضرت جناب بن سفیان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عازم سفر ہوئے غار تک پہنچے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ غار کے اندر تشریف نہ لے جائیں حتیٰ کہ میں اسے صاف کر لوں۔“ حضرت ابو بکر صدیق اندر داخل ہو گئے۔ ان کے ہاتھ کو کوئی چیز لگی جس کی وجہ سے انگی سے خون بہنے لگا۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا:

هل انت الا اصبع دمیت و فی سبیل اللہ ما لقیتم

ترجمہ: ”تو صرف ایک انگی ہے جس سے خون نکل رہا ہے۔ راہِ خدا میں یہ تکلیف کچھ بھی نہیں ہے۔“

ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وقت صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”آپ کا کپڑا کہاں ہے؟“ انہوں نے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔ ”مولا! ابو بکر صدیق کو جنت میں میرا درجہ عطا فرما۔“ رب تعالیٰ نے وحی کی۔ ”آپ کی دعا قبول ہو چکی ہے۔“

ابن سعد، ابو نعیم، امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے ابو مصعب امکی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت انس، حضرت زید بن ارقم، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو پایا سب ہی بیان کرتے تھے کہ ہجرت کی شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کو حکم دیا۔ قاسم بن ثابت کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الزاءۃ کا درخت وہاں اگا دیا۔ یہ درخت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اگا۔ اس نے آپ کو چھپا دیا۔ رب تعالیٰ نے مکروا بھیج دیا۔ اس نے غار کے دہانے پر جالا تن دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دو جنگلی بھوتروں کو حکم دیا۔ انہوں نے غار کے دہانے میں گھونسلا بنا دیا قریش کے جوان ہروادی سے اپنی تلواریں ڈنڈے اور سونے لے کر آگئے۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس گز کے فاصلے پر رک گئے۔ ان میں سے ایک غار کے

اندر دیکھنے لگا۔ اس نے دو جنگی کبوتر دیکھے جو غار کے دہانے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا۔ انہوں نے پوچھا: ”تمہیں کیا ہوا ہے؟“ اس نے کہا: ”میں نے دو جنگی کبوتر دیکھے ہیں میں سمجھا اس کے اندر کوئی نہیں ہے۔“ حضور اکرم ﷺ نے یہ بات سماعت فرمائی۔ آپ کو علم ہو گیا کہ رب تعالیٰ نے اسے آپ سے دور کر دیا ہے۔ آپ نے ان کبوتروں کے لیے برکت کی دعا کی۔ وہ جوڑا حرم پاک میں چلا گیا۔ حرم پاک کے سارے کبوتر ان کی اولاد میں سے ہیں۔

امام احمد نے حسن سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے حضور اکرم ﷺ کا تعاقب کیا جب وہ پہاڑ تک پہنچے تو رستہ مختلف ہو گیا۔ وہ پہاڑ پر چڑھے غار کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے غار کے دہانے پر مکڑے کا جال دیکھا۔ حضور اکرم ﷺ تین روز تک اس غار میں ٹھہرے رہے۔

حافظ ابو بکر احمد بن سعید نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”قریش حضور اکرم ﷺ کے تعاقب میں آگئے۔ جب انہوں نے غار کے دہانے پر مکڑا دیکھا تو انہوں نے کہا: ”اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوا۔“ حضور اکرم ﷺ کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی نگرانی فرما رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کی قوم آپ کے تعاقب میں ہے۔ بخدا! میں اپنے آپ کے لیے نہیں رو رہا۔ لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”لا تخف ان اللہ معنا“ نہ ڈرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“

امام احمد اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم غار میں تھے۔“ میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو قدموں کے نیچے ہمیں دیکھ لے گا۔“ آپ نے فرمایا: ”ان دو کے بارے تمہارا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیرا اللہ تعالیٰ ہو۔“ ابو نعیم نے الحلیۃ میں لکھا ہے کہ مکڑے نے دو بار جالا تانا تھا۔ ایک بار حضرت داؤد علیہ السلام پر جب طالوت ان کے تعاقب میں تھا۔ دوسری بار حضور اکرم ﷺ کے لیے غار پر۔“ علامہ بلاذری نے تاریخ میں اور ابو سعید نے شرف میں لکھا ہے کہ مشرکین نے ایک شخص علقمہ بن زرقوا جرت پر لیا۔ اس نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ آپ کے قدمین شریفین کے نشانات پر چلتا رہا۔ حتیٰ کہ غار ثور تک پہنچ گیا۔ اس نے کہا: ”قدمین شریفین کے نشانات اس جگہ ختم ہیں۔ میں نہیں جانتا آپ دائیں یا بائیں یا اوپر چلے گئے۔ جب وہ غار کے دہانے تک پہنچے تو امیہ بن خلف نے کہا: ”تمہیں غار کے اندر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر مکڑے نے جالا تانا ہے جو محمد عربی ﷺ کی ولادت مبارکہ سے بھی پہلے کا ہے۔“ پھر وہ آیا اور پیشاب کیا۔

امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے جب مشرکین نے حضور اکرم ﷺ کو مفقود پایا تو وہ سوار ہو کر ہر طرف آپ کو تلاش کرنے لگے۔ انہوں نے کنوؤں کے مالکوں کے پاس پیغام بھیجا۔ انہیں آپ کے متعلق کہا اور ان کے لیے بہت بڑا انعام مقرر کیا۔ وہ اس پہاڑ پر بھی آئے جس میں غارِ ثور تھا۔ جس کے اندر حضور ﷺ جلوہ افروز تھے۔ وہ اس کے اوپر چڑھ گئے۔ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے ان کی آوازیں سن لیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غم و اندوہ نے آلیا۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (التوبہ: ۴۰)

ترجمہ: ”مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے دعا مانگی۔ رب تعالیٰ نے ان پر سکینت اتار دی۔ ابن ابی حاتم، ابوشیخ، ابن مردویہ، بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان

فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ (التوبہ: ۴۰)

ترجمہ: ”پھر نازل کی اللہ نے اپنی سکین ان پر۔“

سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سکینت اتاری۔ حضور اکرم ﷺ پر تو پہلے یہ اتری ہوئی تھی۔ ابو نعیم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو غار کی طرف منہ کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ ہمیں دیکھ لے گا۔“ آپ نے فرمایا: ”ہرگز نہیں! ملائکہ اپنے پروں کے ساتھ ہمیں چھپائے ہوئے ہیں۔“ جلد ہی وہ ہماری طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: ”ابوبکر! اگر یہ تمہیں دیکھتا تو اس طرح کرتا۔“

امام بوصیری رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

الفتة ضابها والظباء
و قلوہ و ردة الغرباء
و حمتہ حمامة و رقاء
ما كفته الحمامة الحصداء

ويح قوم جفوا نبيا بارض
و سلوة و حن جذع اليه
اخرجوة منها و آواه غار
و كفته بنسجها عنكبوت

ترجمہ: ”اس قوم کے لیے ہلاکت جس نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو اس زمین سے نکالا جس کے گوہ اور ہرن بھی آپ سے پیار کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کو بھلا دیا حالانکہ کھجور کے تنے نے آپ سے محبت کی۔“

انہوں نے آپ کو ناراض کیا حالانکہ اجنبیوں نے آپ سے محبت کی انہوں نے آپ کو شہر مکہ سے باہر نکالا۔ جبکہ غار نے آپ کو پناہ دے دی۔ خاکستری کبوتر نے آپ کی حفاظت کی۔ مکڑا جالا بن کر آپ کے لیے کافی ہو گیا۔ بہت زیادہ پروں والی کبوتری آپ کے لیے کافی ہو گئی۔“
انہوں نے لکھا ہے:

اقسمت بالقمر المنشق ان له
وما حوى الغار من خير و من كرم
فالصديق في الغار الصديق لم ير دا
ظنوا الحيام و ظنوا العنكبوت على
و وقاية الله اغنت عن مضاعفة
من قلبه نسبة مبرورة القسم
و كل طرف من الكفار عنه عم
وهم يقولون ما بالغار من ارم
خير البرية لم تنسج ولم تحم
من الدروع و عن عال من الاطم

ترجمہ: ”میں اس چاند کی قسم اٹھاتا ہوں جو آپ کی مبارک انگلی سے شق ہو گیا تھا کہ اس چاند کو آپ کے قلب انور کے ساتھ صحیح نسبت ہے۔ میں اس سراپا خیر اور سراپا کرم کی قسم اٹھاتا ہوں۔ جس کو غار نے اپنے اندر چھپا لیا تھا۔ اس طرح کہ سارے کافروں کی آنکھیں آپ کو دیکھنے سے اندھی ہو گئیں تھیں۔ آپ اور آپ کے یار غار، غار کے اندر موجود تھے۔ کفار کہتے تھے کہ غار میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ کفار نے گمان کیا کہ نہ تو حضور اکرم ﷺ کے اس غار ثور کے دہانے پر مکڑے نے جالا بنا اور نہ ہی کبوتری نے انڈے دیے۔ رب تعالیٰ حفاظت نے آپ کو دوہری زرہوں اور بلند وبالا قلعوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔“

بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ آپ دیگر غاروں کو چھوڑ کر غار ثور کی طرف تشریف لے گئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ”کیونکہ آپ عمدہ فال لیتے ہیں۔“ روایت ہے کہ کہا جاتا ہے کہ زمین بیل کے سینک پر ہے۔ اسی مناسبت سے آپ نے غار ثور کا قصد کیا۔ تاکہ آپ کو بھی سکون اور قرار نصیب ہو۔“

ابن عدی اور ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حنان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”کیا تم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں کچھ لکھا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”ہاں!“ آپ نے فرمایا: ”کہو میں سن رہا ہوں۔“ انہوں نے یہ شعر پڑھے:

والثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
کان حب رسول الله قد علموا
طاف العدو به اذ صعد الجبلا
من البرية لم يعدل به رجلا

ترجمہ: ”وہ بلند غار میں دو میں سے دوسرے تھے۔ دشمن وہاں تلاش کر رہے تھے۔ جب وہ پہاڑ پر چڑھے۔ وہ جانتے تھے کہ مخلوق میں سے وہی حضور اکرم ﷺ کے محبوب تھے۔ کوئی انسان ان کا ہم پلہ نہیں ہے۔“
یہ سن کر حضور اکرم ﷺ مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہونے لگے۔ آپ نے فرمایا: ”حسان! تم نے سچ کہا ہے وہ اسی طرح ہیں جس طرح تم نے کہا ہے۔“

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”یہ حضرات قدسی تین راتیں غار ثور میں مخفی رہے۔ حضرت عبداللہ ان کے پاس رات گزارتے تھے۔ وہ ایک ذہین و فطین جوان تھے۔ وہ وقت سحران کے پاس سے آ جاتے۔ وہ صبح کے وقت قریش کے پاس ہوتے۔ قریش کی باتیں غور سے سنتے اور رات کے وقت غار میں جا کر آپ کو بتا آتے۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رات کے وقت کھانا لے آتی تھیں۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے چرواہوں کے ہمراہ بکریاں چرواتے تھے۔ عشاء کے وقت وہ بکریاں لے کر غار کے پاس آ جاتے اور ان حضرات کو دودھ پیش کرتے۔ پھر اندھیرے میں ہی بکریاں لے کر واپس لوٹ آتے۔ وہ رات اسی طرح کرتے رہتے۔
جب تین راتیں گزر گئیں۔ لوگ پرسکون ہو گئے۔ تو وہ شخص آ گیا جسے انہوں نے اجرت پر بطور راہ نما مقرر کیا تھا۔ حضرت عامر بن فہیرہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھالیا تھا تا کہ یہ راستہ میں آپ کی خدمت کریں۔ ابو نعیم نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”مجھے یہ خبر ملی ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت کے ارادہ سے باہر تشریف لائے تو یہ دعا مانگی:

الحمد لله الذي خلقني و لم اك شيئاً. اللهم اعنني على هول الدنيا و بوائق
الدهر و مصائب الليالي و الايام اللهم اصبحني في سفرى و اخلفني في اهلى و
بارك لي فيما رزقتني ملك فدللتني و على صالح خلقى و فقو منى و الى ربى محببى و
الى الناس فلا تكلى انت رب المستضعفين و انت ربى اعوذ بوجهك الكريم
الذى اشرقت له السموات و الارض فكشفت به الظلمات و صلح عليه امر
الاولين و الاخرين ان يحل بى غضبك او ينزل على سخطك اعوذ بك من زوال
نعمتك و فجاءة نقيمتك و تحول عاقبتك و جميع سخطك لك العتبي خير ما
استطعت ولا حول ولا قوة الا بك.

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور یعقوب بن سنان نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد گرامی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: ”جب آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عازم سفر ہوئے تو آپ نے کیا کیا تھا؟“ انہوں نے فرمایا: ”ہم عازم سفر ہوئے ہم نے دن اور رات سفر کیا۔ حتیٰ کہ دو پہر ہو گئی۔ سایہ سر پر آ گیا۔ میں نے دیکھا کہ کیا مجھے سایہ نظر آتا ہے جس کی طرف جا کر ہم قیام کر سکیں۔ مجھے ایک چٹان نظر آئی۔ میں اس کی طرف گیا۔ وہاں کچھ سایہ تھا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جگہ ہموار کی۔ میں نے آپ کے لیے پوتین بچھائی۔ میں آپ کی حفاظت کرتا رہا۔ میں اس مقصد کے لیے باہر نکلتا کہ دیکھوں کہ کوئی آپ کی تلاش میں تو نہیں۔ میں نے ایک چرواہا دیکھا جو چٹان کا سایہ حاصل کرنے کے لیے اسی طرف آ رہا تھا۔ میں نے اس سے ملاقات کی۔ میں نے اس سے کہا: ”تم کس کے غلام ہو؟“ اس نے کہا: ”مکہ مکرمہ کے فلاں شخص کا۔“ اس نے جس شخص کا نام لیا میں اسے جانتا تھا۔ میں نے اسے پوچھا: ”کیا تیری بکریوں کے نیچے دودھ ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں!“ میں نے کہا: ”کیا میرے لیے دودھ نکالو گے؟“ اس نے کہا: ”ہاں! میں نے اسے حکم دیا۔ اس نے ایک بکری کے پاؤں باندھے۔“ میں نے اسے کہا: ”کھیری کو مٹی اور تنکوں سے جھاڑ لینا۔ اس نے ایک پیالے میں دودھ نکالا۔ آپ کے ہمراہ ایک پیالہ تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی نوش فرماتے تھے اور وضوء کرتے تھے۔ اس کو کپڑے سے ڈھانپ دیا جاتا تھا۔ میں دودھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے ناپسند کیا کہ آپ کو نیند سے بیدار کروں۔ میں ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ آپ خود ہی بیدار ہو گئے۔ میں نے دودھ میں پانی ڈالا اسے ٹھنڈا کیا۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ دودھ نوش فرمائیں۔“ آپ نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ آپ نے فرمایا: ”کیا کوچ کرنے کا وقت نہیں آیا۔“ میں نے عرض کی: ”ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!“ جب سورج ڈھل گیا تو ہم عازم سفر ہوئے۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کی داستان

الطبرانی، الحاکم، ابو نعیم، ابو بکر شافعی نے حضرت جمیش بن خالد خزاعی سے یہ حضرت ام معبد کے بھائی تھے۔ ابن سعد اور امام بیہقی نے حضرت ابو معبد اور ابن مسکن نے حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سفر ہجرت پر روانہ ہوئے۔ ان کے ہمراہ حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ رستہ دکھانے کے لیے عبد اللہ بن الاریقہ بھی ساتھ تھا۔ وہ حضرت ام معبد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے گزرے۔ وہ آپ کو نہیں پہچانتی تھی۔ وہ ایک دانا اور عقلمند خاتون تھیں۔ وہ اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھ جاتی تھیں اور مسافروں کو کھلاتی پلاتی تھیں۔ اس مبارک کارواں نے ان سے گوشت اور کھجوروں کے بارے پوچھا۔ تاکہ اس سے خرید لیں۔ اس وقت اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ ایک خستہ حال اور

قحط زدہ قوم تھی۔ انہوں نے کہا: ”بخدا! ہمارے پاس کچھ ہوتا ہم تم سے نہ چھپاتے۔ حضور اکرم ﷺ نے خیمہ کے ایک کونے میں ایک بکری دیکھی۔ آپ نے پوچھا: ”ام معبد! یہ کیسی بکری ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ اتنی کمزور ہے کہ یہ چرنے کے لیے ریوڑے کے ساتھ نہ جاسکی۔“ آپ نے پوچھا: ”کیا اس کے نیچے دودھ ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”اس کے نیچے دودھ نہیں ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تم مجھے اذن دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ نکال لوں۔“ انہوں نے عرض کی: ”میرے والدین آپ پر فدا! ضرور! اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو ضرور نکال لیں۔“ حضور ﷺ نے وہ بکری اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔ اپنا دست شفاء بخش اس کی کھیری اور کمر پر پھیرا۔ بسم اللہ پڑھی اس کے لیے دعا مانگی۔ اس نے اپنی ٹانگیں کھول دیں۔ وہ دودھ اتار لائی۔ آپ نے ایک ایسا برتن منگوایا جس سے دس افراد سیر ہو سکتے تھے۔ آپ نے اس میں بہت زیادہ دودھ نکالا۔ حتیٰ کہ اس پر دودھ کی جھاگ آگئی۔ پہلے حضرت ام معبد کو پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئیں پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا وہ بھی سیر ہو گئے۔ پھر سب سے آخر میں خود نوش فرمایا۔ فرمایا: ”قوم کو پلانے والا سب سے آخر میں پیتا ہے۔“ پھر دوبارہ اس کا دودھ نکالا۔ وہ اس کے پاس چھوڑ دیا۔ اسے بیعت کیا اور وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔ ابن سعد اور ابو نعیم نے حضرت ام معبد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جس بکری کی کھیری کو حضور ﷺ نے مس کیا تھا وہ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں ۱۸ھ تک ہمارے پاس رہی۔ اسی سال قحط آیا تھا۔ ہم صبح و شام اس کا دودھ نکالتے تھے۔ حالانکہ زمین پر کچھ بھی نہ تھا۔ حضرت ہشام بن عیش نے کہا: ”میں نے وہ بکری دیکھی تھی۔ یہ حضرت ام معبد کے خاندان اور وہاں کے بایسوں کے لیے کافی ہو جاتی تھی۔“

تھوڑی مدت کے بعد اس کا خاوند بھی گھر آگیا۔ وہ کمزور اور ناتواں بکریوں کو ہانک رہا تھا۔ وہ کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑاتے ہوئے چل رہی تھیں۔ ان کا گودا بھی تھوڑا سا باقی رہ گیا تھا۔ جب اس نے اتنا کثیر دودھ دیکھا تو وہ بہت متعجب ہوا۔ اس نے پوچھا: ”ام معبد! اتنا دودھ کہاں سے آگیا؟ کوئی شیردار جانور تو گھر موجود نہ تھا۔“ انہوں نے کہا: ”نہیں! بخدا! ابھی ابھی یہاں سے ایک مبارک ذات گزری ہے۔“ ابو معبد نے کہا: ”ذرا مجھے ان کا طریقہ تو بیان کرو۔“ انہوں نے کہا: ”میں نے ایک ایسی ذات دیکھی ہے جس کا حسن نمایاں تھا جن کا چہرہ خوبصورت اور تخلیق بہت عمدہ ہوئی تھی۔ نہ بڑھی ہوئی تو ندا سے معیوب بنا رہی تھی اور نہ ہی پتلی گردن اور چھوٹا سر اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین بہت خوبصورت۔ آنکھیں سیاہ اور بڑی اور پلکیں لابی۔ اس کی آواز گونج دار تھی۔ سیاہ چشم سر مگیں۔ دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے تھے۔ گردن چمکدار تھی۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ جب وہ خاموش ہوتے تو پروقار ہوتے۔ جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پر نور اور بارونق ہوتا۔ شیریں گفتار، گفتگو واضح ہوتی نہ بے فائدہ ہوتی۔ نہ بیہودہ گفتگو موتیوں کی لڑی ہوتی جس سے موتی جوڑے ہوتے۔ دور سے دیکھنے سے سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے۔ جب قریب سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ خوب اور حسین دکھائی دیتے۔ قدمیانہ تھا۔ نہ اتنا طویل کہ

آنکھوں کو برا لگے۔ نہ اتنا پت کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں۔ آپ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی مانند تھی۔ جو سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور قد آور ہو۔ ان کے لیے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بناتے ہوئے تھے۔ اگر آپ انہیں کچھ کہتے تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرتے۔ اگر آپ انہیں کوئی حکم دیتے تو وہ فوراً بجالاتے۔ سب کے مخدوم سب کے محترم نہ وہ ترش رو تھے۔ نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی۔

یہ سراپا سن کر ابو معبد نے کہا: ”بخدا! یہ تو وہی ذات والا ہیں جن کا معاملہ ہمیں مکہ مکرمہ سے پہنچا ہے میری خواہش ہے کہ میں ان کی رفاقت اختیار کرتا۔ اگر مجھ میں یہ قدرت ہوتی تو میں اس طرح ضرور کر گزرتا۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”جب حضور اکرم ﷺ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عازم سفر ہو گئے تو قریش کا ایک گروہ ہمارے پاس آیا۔ ان میں ابو جہل بھی تھا۔ میں باہر نکلے۔ اس نے پوچھا: ”ابو بکر کی نور نظر! تمہارے والد گرامی کہاں ہیں؟“ میں نے کہا: ”میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہیں۔“ اس غیث نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ وہ ایک گند اور فحش گوانبان تھا اور مجھے ایک تھپڑ مار دیا۔ جس سے میرے کان کی بالی دور جا گری۔ پھر وہ چلے گئے۔ تین روز گزر گئے ہمیں کوئی خبر نہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ کس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کی نشیبی علاقے میں ایک جن آیا اس نے یہ اشعار گنگنائے۔ لوگ اس کی آواز سننے لگے۔ وہ اس کے تعاقب میں نکلے۔ وہ اس کی آواز سن رہے تھے۔ لیکن اسے دیکھ نہیں رہے تھے۔ وہ مکہ مکرمہ کے بالائی علاقے کی طرف نکل گیا۔ وہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

جزی رب الناس خیرا جزائہ رفقین قالا خیمتی ام معبد
ترجمہ: ”لوگوں کا رب تعالیٰ انہیں عمدہ جزائے خیر دے۔ ان دو ہستیوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں جلوہ افروز ہوئے ہیں۔“

ہما نزلا بالبر وارتحلا بہ فافلح من امسی رفیق محمد
ترجمہ: ”انہوں نے پاکبازی کے ساتھ وہاں قیام فرمایا ہے۔ اور پھر عازم سفر ہو گئے۔ جو حضور اکرم ﷺ کا ساتھی بن گیا وہ کامیاب ہو گیا۔“

فیالقصی ما زوی اللہ عنکم بہ من فعال لا تجازی و سودد
ترجمہ: ”اے قصی کی اولاد! رب تعالیٰ نے جو عمدہ افعال اور سرداری تمہیں بخشی ہے اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔“
یہن بنی کعب مقام فتاتہم و مقعدھا للمؤمنین بمرصد
ترجمہ: ”بنو کعب کو مبارکباد! ان کی خواتین کی نشست و برخواست کے اہل ایمان پناہ گاہ ہیں۔“

سلو اختکم عن شایئها و اناعها فانکم ان تسألوا الشاة تشهد

ترجمہ: ”ذرا اپنی بہن سے اس کی بکری اور اس کے برتن کے بارے پوچھو تو یہی۔ اگر تم بکری سے سوال کرو گے تو وہ بھی یہی گواہی دے گی۔“

دعاها بشاة حائل فتحلبت له بصریح ضرة الشاة مزبد

ترجمہ: ”آپ نے بکری کو اپنے پاس بلایا پھر اس کی کھیری سے ایسا دودھ نکالا جس میں مکھن کی آمیزش تھی۔“
فغادرها رهنا لیدیها طالب یرددها فی مصدر ثم مورد
ترجمہ: ”آپ نے وہ بکری اس کے مالک کے لیے باقی رکھی۔ جو بکریوں کو کبھی چراگاہ پر اور کبھی گھر لے کر جاتا تھا۔“

جب یہ اشعار حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سنے تو انہوں نے ہاتھ کو یوں جواب دیا۔

لقد غاب قوم غاب عنهم نبیہم و قدس من یسری الیہ و یغندی

ترجمہ: ”وہ قوم گھانا اٹھانے والی ہو گئی۔ جس کے شہر سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ آپ جس قوم میں تشریف لائے وہ سعادتوں کی امین بن گئی۔“

ترحل عن قوم فضلت عقولہم و حل علی قوم بنور مجدد

ترجمہ: ”آپ ایسی قوم سے جدا ہوئے جس کی عقلیں گمراہ ہو چکی تھی آپ ایک تاباں نور کے ساتھ دوسری قوم میں تشریف فرما ہو گئے۔“

هداهم بعد ضلالتہم ربہم و ارشدهم من تبع الحق یرشد

ترجمہ: ”آپ کی وجہ سے رب تعالیٰ نے انہیں ہدایت کا راستہ دکھایا جو حق کی پیروی کرتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔“

و هل یرتوی ضلال قوم تسفہوا لخی و ہدایة یرتدون بمہتد

ترجمہ: ”کیا اس کے گمراہ برابر ہو سکتے ہیں جو جان بوجھ کر بے وقوف بنے رہے اور اپنے راہ نما پر ہر قسم کی تہمت لگاتے رہے۔“

لقد نزلت منه علی اهل یثرب رکاب ہدی حلت علیہم باسعد

ترجمہ: ”آپ کی وجہ سے اہل یثرب کو ہدایت ملی اور ان کے مقدر میں ساری سعادتیں لکھ دی گئیں۔“

نبی یری ما لا یری الناس حوله و یتلو کتاب اللہ فی کل مسجد
ترجمہ: ”وہ ایسے محبوب مکرم ﷺ ہیں جو وہ چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں جسے لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ ہر مسجد اللہ
تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔“

و ان قال فی یوم مقالة غائب فتصدیقها فی الیوم او فی الغد
ترجمہ: ”اگر وہ کوئی غیب کی بات فرمادیتے ہیں تو وہ آج ہی یا کل وقت چاشت ضرور پوری ہو جاتی ہے۔“

لیهن ابابکر سعادة جده بصحبته من یسعد اللہ یسعد
ترجمہ: ”جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور پاک ﷺ کی رفاقت مبارک ہو۔ درحقیقت سعید و ہی ہوتا ہے
جسے اللہ تعالیٰ سعادت مند کرتا ہے۔“

امام بیہقی کے حسن سند سے اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں حضور اکرم ﷺ
کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوا۔ ہم عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کے ہاں اترے۔ حضور ﷺ نے ایک جداگانہ گھر
دیکھا آپ اس کی طرف تشریف لے گئے۔ ہم نے دیکھا کہ وہاں صرف ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ اس عورت نے کہا: ”اے
اللہ کے بندو! میں ایک خاتون ہوں۔ میرے ہمراہ اور کوئی نہیں ہے۔ اگر تم ضیافت چاہتے ہو تو قبیلے کے سردار کے پاس
چلے جاؤ۔“ ہم نے اسے جواب نہ دیا۔ یہ شام کا وقت تھا۔ اس کا بیٹا بکریاں ہانک کر لے آیا۔ اس نے کہا: ”نور نظر! یہ بکری اور یہ
چھری ان دو افراد کی طرف لے جاؤ اور انہیں کہو کہ میری امی جان تمہیں کہہ رہی ہیں کہ یہ بکری ذبح کرو اور ہمیں بھی کھلاؤ۔ وہ بچہ
جب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ”یہ چھری لے جاؤ اور میرے پاس پیالہ لے کر آؤ۔“ حضور اکرم
ﷺ نے اس کی کھیری پر دست اقدس پھیرا۔ پھر پیالہ بھر کر دودھ نکال لیا۔ فرمایا: ”اسے اپنی امی کے پاس لے جاؤ۔“ اس
نے سیر ہو کر دودھ پیا پھر وہ پیالہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ پیالہ لے جاؤ دوسرا پیالہ لے کر آؤ۔ اس
بچے نے اسی طرح کیا۔ آپ نے پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پلایا پھر آپ نے دودھ نوش فرمایا۔“

ہم وہاں دو راتیں ٹھہرے رہے پھر آگے چلے گئے۔ انہوں نے آپ کا نام مبارک رکھا۔ ان کی بکریاں کثیر ہو گئیں۔
وہ اپنا دودھ مدینہ طیبہ لے کر آتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے اس عورت کا بچہ
دیکھا۔ اسے پہچان لیا۔ اس نے کہا: ”یہ وہ شخص ہیں جو اس مبارک ذات کے ساتھ تھے۔“ وہ عورت آپ کی خدمت میں حاضر
ہوئی۔ اس نے کہا: ”اللہ کے بندے! وہ ہستی کون ہے جو اس وقت آپ کے ہمراہ تھی؟“ انہوں نے پوچھا: ”تم ان کے
بارے کیا جانتی ہو؟“ اس عورت نے کہا: ”کچھ بھی نہیں۔“ انہوں نے کہا: ”وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔“ اس عورت نے کہا: ”مجھے

ان کی خدمت میں لے چلیں۔ وہ اسے آپ کی خدمت میں لے گئے آپ نے اسے کھلایا اور عطا کیا۔ روایت ہے کہ آپ نے اسے ساز و سامان عنایت کیا۔ اسے کپڑے دیے۔ نوازشات کیں اس عورت نے اسلام قبول کر لیا۔“

امام بیہقی نے الدلائل میں لکھا ہے: ”یہ داستان اس داستان سے کم و بیش ہے جو ہم نے حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کی حکایت بیان کی ہے۔ شاید یہ ایک ہی قصہ ہو۔ ابن اسحاق کی بیان کردہ حکایت سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ یہ داستان ایک ہی ہے۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ ام معبد کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ ان کا نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ اس نے ضیافت کا ارادہ کیا۔ اس نے کہا: ”بخدا! نہ تو ہمارے پاس کھانا ہے۔ نہ کچھ عطیہ ہے صرف بکری کا ایک بچہ ہے۔ حضور ﷺ نے اس کی ایک بکری کو بلایا۔ اس کی کھیری کو اپنا دست اقدس لگایا۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ آپ نے اسے پیالے میں دوہا حتیٰ کہ اسے جھاگ اوپر اٹھ آئی۔ آپ نے فرمایا: ”ام معبد! پیو!“ انہوں نے عرض کی: ”آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔“ آپ نے اسے پیالہ عنایت کیا۔ اس نے دودھ پیا۔ پھر آپ نے دوسری بکری منگوائی۔ اس کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ وہ اپنے رستہ بتانے والے کو پلایا۔ پھر ایک اور بکری منگوائی۔ اس کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ وہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو پلایا پھر آپ آرام فرما ہو گئے۔“

قریش آپ کی جستجو میں نکلے حتیٰ کہ وہ ام معبد تک پہنچ گئے۔ ان سے آپ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: ”کیا تو نے محمد عربی ﷺ کو دیکھا ہے۔ جس کا حلیہ یہ یہ ہے۔“ ام معبد نے کہا: ”مجھے پتہ نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ بکری کے بچہ کا دودھ نکالنے والے تو میرے مہمان بنے تھے۔“ قریش نے کہا: ”ہم ان کا ہی ارادہ کیے ہوئے ہیں۔“ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ آپ نے خیمہ کے ایک گوشے میں وہ بکری دیکھی ہو۔ جیسے کہ ہم نے حضرت ام معبد سے روایت کیا ہے۔ پھر ان کا بچہ اپنی بکریاں لے کر آگیا ہو۔ پھر ان کا خاندان آیا ہو تو انہوں نے ان سے آپ کا مبارک سراپا بیان کیا ہو۔

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی داستان

امام احمد، یعقوب بن سفیان اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے انہوں نے اس شخص کو ایک سواونٹ انعام دینے کا اعلان کیا جو حضور اکرم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دے یا زندہ گرفتار کر دے۔ میں اپنی قوم بنو مدج کی ایک محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آیا۔ وہ ہم پر کھڑے ہو گیا۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا: ”سراقہ! میں نے ابھی ابھی سائل کے پاس ایک مختصر سا کارواں دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ وہ محمد عربی ﷺ اور آپ کے ساتھی ہیں۔“ سراقہ نے کہا: ”میں نے انہیں پہچان لیا ہے کہ وہ وہی ہیں۔“

لیکن اس نے مجھے آنکھ کا اشارہ کیا تا کہ میں خاموش ہو جاؤں۔ وہ شخص خاموش ہو گیا۔ پھر میں نے اسے کہا: ”وہ تو نہیں ہیں۔ وہ تو فلاں اور فلاں ہیں۔ وہ اپنی گم شدہ اونٹنی کی تلاش میں ہیں۔“ میں اسی محفل میں ٹھہرا رہا۔ پھر میں اٹھا۔ اپنے گھر گیا۔ اپنی لوٹدی کو حکم دیا کہ وہ ان ٹیلوں کے پیچھے میرا گھوڑا لے جائے اسے وہیں روکے رکھے۔ میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پچھلے حصہ سے نکل گیا۔ میں نے نیزے کا پچھلا حصہ زمین پر لگایا اور اس کا اوپر والا حصہ نیچے کیا، حتیٰ کہ میں اپنے گھوڑے کے پاس آ گیا۔ اس پر سوار ہوا۔ اسے تیز دوڑایا۔ حتیٰ کہ اس نے مجھے اس کارواں کے قریب کر دیا۔ میں نے وہ کارواں دیکھ لیا۔ جب میں ان کے قریب گیا تو میرا گھوڑا پھسلا۔ اس سے نیچے گر پڑا۔ میں اٹھا۔ میں نے اپنا ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا۔ میں نے اس میں سے تیر نکالے۔ میں نے قرعہ اندازی کی کہ کیا میں آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ تیر نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا۔ یعنی میں آپ کو نقصان نہیں دے سکتا۔ میں آپ کو گرفتار کر کے ایک سواونٹ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں گھوڑے پر سوار ہوا۔ میں نے قرعہ کی مخالفت کی۔ اس گھوڑے نے مجھے اس کارواں کے قریب کر دیا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی قرأت کی آواز سن لی۔ آپ التفات نہیں فرما رہے تھے۔ جبکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہما بار بار دیکھ رہے تھے۔ میرے گھوڑے کے اگلے سم زمین میں دھنس گئے۔ حتیٰ کہ وہ گھٹنوں تک نیچے چلا گیا۔ میں نیچے اترا میں نے گھوڑے کو جھڑکا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے سم باہر نکالے۔ اس کے پاؤں کے ساتھ ہی آگ کا بگولہ نکلا جو دھوئیں کی طرح آسمان پر پھیل گیا۔ میں نے قرعہ اندازی کی۔ وہی تیر نکلا جسے میں پسند نہیں کرتا تھا۔ یعنی میں آپ کو نقصان نہیں دے سکتا۔ مجھے علم ہو گیا کہ آپ مجھ سے محفوظ ہیں۔ میں نے امان کے لیے پکارا۔ میں نے عرض کی: ”آپ مجھے مہلت دے دیں۔ بخدا! میں نہ تو تمہیں اذیت دوں گا نہ ہی تمہیں کسی ناپسند امر کا سامنا کرنا پڑے گا۔“ حضور اکرم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ”اس سے پوچھو کہ یہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟“ میں نے عرض کی: ”آپ کی قوم نے آپ کو پکڑنے کا انعام ایک سواونٹ مقرر کیا ہے۔“ میں نے سارا واقعہ سنایا۔ میں نے آپ کو زور اور راہ بھی پیش کیا۔ آپ نے نہ تو میرے سامان میں کمی کی اور نہ ہی مجھ سے کچھ پوچھا مگر فرمایا: ”ہم سے دور چلے جاؤ۔“ میں نے عرض کی کہ آپ مجھے امان نامہ لکھ کر دیں۔“ آپ نے فرمایا: ”ابوبکر! اسے امان نامہ لکھ دو۔“ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔ انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر مجھے امان نامہ لکھ دیا۔ حضور اکرم ﷺ آگے روانہ ہو گئے۔

میں واپس آ گیا۔ میں خاموش تھا۔ کسی سے بات تک نہ کی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ آپ غزوہ حنین اور غزوہ طائف سے فارغ ہو گئے۔ میں آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے نکلا۔ میرے ہمراہ وہ نوشتہ تھا جو آپ نے میرے لیے لکھوایا تھا۔ میں نے جعرانہ میں آپ سے ملاقات کی۔ میں آپ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اسی اثناء میں انصار کا ایک گروہ میرے سامنے آ گیا۔

مجھے نیزے چھونے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے ”دور ہو جا دور ہو جا“ حتیٰ کہ میں حضور ﷺ کے قریب ہو گیا۔ آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ گویا کہ میں رکاب میں آپ کی پنڈلی کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ کھجور کے درخت کی گوند کی طرح سفید تھی۔ میں نے ہاتھ بلند کر دیا۔ میرے ہاتھ میں وہ نوشتہ تھا۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ نوشتہ ہے جسے آپ نے میرے لیے لکھوایا میں سراقہ بن مالک ہوں۔“ آپ نے فرمایا: ”آج وفاء اور نیکی کا دن ہے اسے میرے قریب کر دو۔“ میں قریب ہوا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے یاد کیا کہ میں حضور ﷺ سے کیا سوال کروں۔ مجھے کچھ یاد نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! گمشدہ اونٹ میرے اس حوض پر آتے ہیں جسے میں نے اپنے اونٹوں کے لیے بھرا ہوتا ہے۔ اگر میں وہ پانی انہیں پلا دوں تو کیا مجھے اجر ملے گا۔“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! ہر جگر والی چیز کو پانی پلانے میں اجر ہے۔“

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”سراقہ نے ہمارا تعاقب کیا، ہم سخت زمین میں چل رہے تھے۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ تلاش کرتے کرتے ہم تک پہنچ گیا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”غم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“ جب ہمارے قریب ہو اس کے اور ہمارے مابین ایک، دو یا تین نیزوں کا فاصلہ تھا۔ میں نے عرض کی: ”یہ تو بالکل قریب پہنچ گیا ہے۔“ میں رونے لگا۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: ”کس لیے رو رہے ہو؟“ میں نے عرض کی: ”بخدا! میں اپنی ذات کے لیے نہیں رو رہا۔ بلکہ آپ کے لیے رو رہا ہوں۔“ حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا مانگی: ”مولا سے تو اس طرح کافی ہو جا جس طرح چاہے۔“ اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھس گیا۔ وہ نیچے اتر آیا۔ اس نے کہا: ”محمد عربی (جان عالم ﷺ) میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کا عمل ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے نجات عطا کرے۔ بخدا! میں اپنے پیچھے جستجو کرنے والوں کو روک لوں گا۔ یہ میرا ترکش ہے۔ آپ اس میں سے تیر لے لیں۔ آپ فلاں جگہ سے میرے اونٹوں اور بکریوں کے پاس سے گزریں گے۔ آپ اپنی ضرورت کے مطابق ان سے لے لیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ہمیں تمہارے اونٹوں اور بکریوں کی کوئی ضرورت نہیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے دعا کی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا۔ وہ جسے بھی ملتا اسے کہتا۔ اس جگہ تک تو میں تلاش کر چکا ہوں۔ وہاں تک کوئی نہیں۔ وہ اس کو اپنے ساتھ واپس لے جاتا۔ اس نے ہمارے ساتھ وفا کی۔“

ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب سراقہ واپس آیا تو اس نے قریش سے کہا: ”تم میری نظر اور باریک بینی سے آگاہ ہو۔ میں نے بہت جستجو کی لیکن مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔“ قریش واپس آگئے۔ ابن سعد اور بلاذری نے کہا: ”سراقہ نے منگل کے روز قدید کے مقام پر آپ سے ملاقات کی تھی۔“ ابن عساکر نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غارتور میں جانے، اپنے سفر اور سراقہ کے تعاقب کے بارے میں یہ اشعار لکھے ہیں:

قال النبی و لم یجزع یوقرنی و نحن فی شدة من ظلمة الغار
ترجمہ: "اس عالم میں کہ ہم غار کے اندھیرے کی ظلمت میں تھے۔ آپ بالکل خوفزدہ نہ تھے۔ آپ محبت الہیہ
میں اضافہ فرما رہے تھے۔ آپ نے کہا۔"

لا تخش شیئا ان الله ثالثنا و قد توکل لی منه باظہار
ترجمہ: "تم کسی چیز سے نہ ڈرو۔ ہمارے ساتھ تیسرا رب تعالیٰ ہے۔ اس نے میرے ساتھ غلبہ کا وعدہ کیا ہے۔"

و انما کید من تخشی بوادرة کید الشیاطین کادته لکفار
ترجمہ: "وہ مکرو فریب جس کے رونما ہو جانے سے تم خوفزدہ ہو وہ شیطانی چال ہے وہ کفار کے لیے ہی ہوگی۔"
والله مهلكم طرًا بما کسبوا و جاعل المنتهی منها الی النار
ترجمہ: "رب تعالیٰ انہیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دے گا۔ اور ان کا ٹھکانہ
آتش دوزخ کو بنا دیا گیا۔"

و انت مرتحل عنہم و تارکهم اما عدوا و اما مدبج ساری
ترجمہ: "تم سفر پر روانہ ہو جاؤ گے اور انہیں چھوڑ دو گے۔ صبح کے اجالے یا شام کے اندھیرے میں تم عازم سفر
ہو جاؤ گے۔"

و ہاجر رضمہم حتی یکون لنا قوم علیہم ذوو عز و انصار
ترجمہ: "تم ان کی سر زمین کی طرف ہجرت کرو گے حتیٰ کہ ایک معزز اور مددگار قوم ہمیں نصیب ہوگی۔"
حتى اذالیل وارتنا جوانبہ و شد من دون من تخشی باستار
ترجمہ: "جب رات کی ظلمت نے ہمیں ڈھانپ دیا اور اس نے ہر اس چیز کو پردوں سے روک لیا جس سے تو
خوفزدہ ہوتا ہے۔"

سار الاریقط یهدینا و اینتنہ ینعین بالقدم نعبا تحت اکوار
ترجمہ: "اریقط ہماری راہ نمائی کرنے لگا اور اس کی اونٹنیاں کجاؤوں کے نیچے تیزی سے چلنے لگیں۔"

یعسفن عرض الثنایا بعد اطولها و کل سہب رقاق الترب موار
ترجمہ: "وہ گھائی کے طول اور عرض میں روانہ ہوئیں۔ ہر نرم اور ہموار زمین کو انہوں نے عبور کر لیا۔"

حتى اذا قلت قد انجدن عارضها من مدبج فارس فی منصب واری

ترجمہ: ”جب میں نے سوچا کہ یہ بلندی پر پہنچ چکی ہیں تو بنو مدج کے ایک تیز رفتار سوار نے انہیں آکھیا۔“

یودی بہ مشرف الاقطار معتزم کالسید ذی اللبدة المستأسد انصاری

ترجمہ: ”اے ایک برق رفتار اور ہر طرف دوڑانے والا گھوڑا اڑائے جا رہا تھا۔ وہ سردار نما، بہت زیادہ

بالوں والا شیر کی طرح نقصان دینے والا تھا۔“

فقال: کزوا فقلنا: ان کرتنا من دونہالك نصر الخالق الباری

ترجمہ: ”اس نے کہا: ”لوٹ چلو۔“ ہم نے کہا: ”ہمارا لوٹنا تمہارے لیے ذرا جداگانہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی

نصرت اور مدد ساتھ ہے۔“

ان یخسف الارض بالاحوی وفارسہ فانظر الی اربع فی الارض غوار

ترجمہ: ”کہ وہ تیز رفتار گھوڑے اور اس کے شہ سوار کو نیچے دھنسا دے۔ ذرا موسم بہار والی نشیبی سرزمین کو دیکھو۔“

فہیل لما رأی ارساخ مہرتہ قد سخن فی الارض لم تحفر بمحفار

ترجمہ: ”جب اس نے اپنے گھوڑے کے سم دیکھے کہ وہ زمین کے اندر جا چکے ہیں۔ حالانکہ زمین کو کسی آلے

کے ساتھ کھودا بھی نہیں گیا تو وہ خوفزدہ ہو گیا۔“

فقال هل لكم ان تطلقوا فرسی و تاخذوا موثقا فی نصح اسرارہ

ترجمہ: ”کیا تم میرے گھوڑے کو آزاد کر دو گے اور ایک عہد نامہ لکھ کر دو جو پر خلوص اسرار میں سے ہو۔“

و اصرف الحی عنکم ان لقیتمہم و ان اعور منهم عین عوار

ترجمہ: ”اگر میں نے قریش کے لوگوں کو دیکھا تو انہیں تم سے دور لے جاؤں گا اور ان کی بند آنکھوں کو بند ہی

رہنے دوں گا۔“

فادع الذی ہو عنکم کف عورتنا یطلق جوادی و انتم خیر ابرار

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو جس نے ہماری تکلیف کو تم سے روکا ہے کہ وہ میرے گھوڑے کو آزاد کر دے تم

سارے انسانوں سے بہترین ہو۔“

فقال قولا رسول اللہ مبتہلا یا رب ان کان منہ غیر اخفار

ترجمہ: ”حضور اکرم ﷺ نے پرسوز دی مانگی ”مولا! اگرچہ اس کی یہ سلامتی ان کے خلاف ہی ہے تو اسے آزاد

کر دے۔“

فنجہ سالبا من شر دعوتنا و مہرہ مطلقا من کلمہ آثار
ترجمہ: ”مولا! اسے ہماری دعا کے اثر سے نجات دے دے اور اس کے گھوڑے کو بھی زخموں کی تکلیف سے
نجات دے دے۔“

فاظہر اللہ اذ یدعو حوا فرہ و فاز فارسہ من ہول اخطار
ترجمہ: ”جب آپ نے دعا مانگی تو رب تعالیٰ نے اس کے سموں کو آزاد کر دیا۔ اور اس کا سوار برباد ہونے سے
نجات پا گیا۔“

امام بخاری حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ راستہ میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت زبیر سے ملاقات کی وہ
مسلمان تاجروں کے قافلہ میں تھے جو شام سے واپس آرہا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کو سفید کپڑے پیش کیے۔ امام بیہقی
نے حضرت موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو
انہیں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ملے جو شام سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے تھے۔ جب انہیں حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے بتایا گیا تو وہ ان سے ملاقات کرنے کے لیے آئے۔ انہوں نے ان دونوں حضرات کو کپڑے پیش
کیے۔ ان کپڑوں میں سے بعض کپڑے انہوں نے زیب بدن فرمائے۔

ابو نعیم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”جب حضور اکرم ﷺ اور سیدنا ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت فرمائی تو وہ ححفہ کے مقام پر ہمارے اونٹوں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے پوچھا: ”یہ کس کے
اونٹ ہیں؟“ لوگوں نے بتایا: ”بنو اسلم میں سے ایک شخص کے۔“ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی اور
فرمایا: ”ان شاء اللہ! ہم سلامتی پا گئے ہیں۔“ میرے والد گرامی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ایک اونٹ پر سوار کیا
اور اپنا غلام مسعود آپ کے ہمراہ بھیجا۔“

ابو یعلیٰ، الطبرانی، حاکم، بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت قیس بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اور سیدنا ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ مخفی طور پر سفر رواں رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک غلام دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا۔ انہوں نے اس سے
دودھ مانگا۔ اس نے کہا: ”میرے پاس شیردار بکری نہیں ہے۔ البتہ وہ بھیڑ کی بچی ہے جو سال کی ابتداء میں باردار ہوئی
تھی۔ اب اس کے تھنوں میں دودھ نہیں ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”اسی کو لے آؤ۔“ وہ اسی کو لے آیا۔ آپ نے اس کی ٹانگوں کو
باندھا۔ اس کی کھیری پر دست اقدس پھیرا۔ حتیٰ کہ وہ دودھ اتار لائی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک برتن لے آئے۔ آپ نے
دودھ دوہا۔ پہلے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پلایا۔ پھر دودھ نکالا وہ چرواہے کو پلایا۔ پھر دودھ نکالا تو خود نوش فرمایا۔ چرواہے

نے پوچھا: ”آپ کون ہیں؟ بخدا! میں نے آپ کی مثل کوئی نہیں دیکھا۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تم میرا یہ راز رکھو گے؟“ اس نے کہا: ”ہاں!“ آپ نے فرمایا: ”میں محمد رسول اللہ ہوں۔“ چرواہے نے کہا: ”کیا آپ وہی ہیں جسے قریش صابی گمان کرتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”وہ اسی طرح کہتے ہیں۔“ چرواہے نے کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی کریم ﷺ ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور آپ نے جس معجزہ کا اظہار کیا ہے اس کا اظہار ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔“

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سفر میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: ”ان لوگوں کو مجھ سے دور کر دو۔ ایک نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ جھوٹ بولے۔“ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا جاتا: ”آپ کون ہیں؟“ وہ کہتے: ”میں باغی ہوں۔“ جب ان سے پوچھا جاتا: ”آپ کے ساتھ کون ہے؟“ وہ فرماتے: ”یہ میرے راہ نما ہیں جو میری رہبری کرتے ہیں۔“ امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑھے لگتے تھے۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ جو ان لگتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ان سے پوچھا: ”یہ تمہارے سامنے کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”یہ وہ ذات ہے جو مجھے راستہ دکھاتی ہے۔“ پوچھنے والے نے اس سے مراد راستہ لیا تھا جبکہ آپ کی مراد راہ خیر تھی۔

زبیر بن بکار نے الموقھیات میں اور ابو نعیم نے حضرت سعد بن عبادہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب ہم نے حضور ﷺ کی بیعت عقبہ کی۔ میں کسی کام کے لیے حضور موت گیا۔ میں نے وہ کام کیا میں واپس آنے لگا۔ رستہ میں میں سو گیا۔ میں گھبرا کر اٹھا ایک پکارنے والا پکار رہا تھا:

وراح النوم و انقطع الوجود

ابا عمرو تا و بنی السہود

ترجمہ: ”ابو عمرو! مجھے بیداری نے تھکا دیا ہے۔ نیند چلی گئی ہے۔ سونا ختم ہو گیا ہے۔“

دوسرا ہاتف بولا: ”یا خرب! تمہاری تھکاوٹ ختم ہو جانی چاہیے سب سے عجیب بات وہ ہے جو مکہ مکرمہ اور یثرب کے مابین رونما ہوئی ہے۔“ اس نے پوچھا: ”شاہب! وہ کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”سلام کے نبی کریم ﷺ کو عمدہ کلام کے ساتھ سارے لوگوں کی طرف مبعوث کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے حرم پاک مکہ مکرمہ سے کھجوروں اور نیلوں والی سرزمین مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی ہے۔“

پھر فجر طلوع ہو گئی۔ میں غور و فکر کرنے لگا۔ میں نے دو سانپ دیکھے جو مرے پڑے تھے۔ مجھے علم ہو گیا کہ حضور اکرم

ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آگئے ہیں۔

جب حضور سید عالم ﷺ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو آپ کو حضرت ابو عبد اللہ بریدہ بن الحصیب الاسلمی اپنی قوم کے ستر افراد کے ساتھ ملے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا: ”آپ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”بریدہ“ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”ہمارا امر ٹھنڈا اور درست ہو گیا۔“ پھر آپ نے ان سے پوچھا: ”تمہارا تعلق کس قبیلہ کے ساتھ ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”اسلم کے ساتھ۔“ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”ہم سلامتی پا گئے ہیں۔“ پھر فرمایا: ”تم کس کی اولاد میں سے ہو؟“ انہوں نے عرض کی: ”بنو سہم سے۔“ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”ابو بکر! تمہارا تیرا نکل آیا ہے۔“ حضرت بریدہ نے عرض کی: ”آپ کون ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”میں جانِ عالم، روحِ کائنات، محمد بن عبد اللہ، اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔“ حضرت بریدہ نے کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔“ حضرت بریدہ اور ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت بریدہ نے کہا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے بنو سہم کو برضا و رغبت اسلام لانے کی توفیق عطا کی۔“ وقت صبح انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ جھنڈے کے بغیر مدینہ طیبہ داخل نہ ہوں۔“ انہوں نے اپنا عمامہ اتارا۔ اسے نیزے کے ساتھ باندھا پھر آپ کے آگے آگے چلنے لگے۔ حتیٰ کہ یہ مبارک کارواں مدینہ طیبہ داخل ہو گیا۔

تنبیہات

- ❖ الحافظ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام کی ہجرت، عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کی بیعت اور آپ کی ہجرت کے مابین دو ماہ اور کچھ ایام کی مدت ہے۔
- ❖ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ اس سے پہلے نہیں جانتی تھیں کہ شدتِ خوشی سے بھی رویا جاتا ہے امام سہلی نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ اس لیے فرمایا تھا۔ کیونکہ وہ اس وقت بہت چھوٹی تھیں۔ وہ پہلے اس سے آگاہ نہ تھیں۔ حالانکہ عرب کے شعراء نے اپنے اپنے اشعار میں یہ منظر قلمبند کیا ہے۔ طائی بادلوں کی تعریف میں کہتا ہے۔

دھم اذا و کفت فی روضہ طفقت عیون ازہارہا تبکی من الفرج

ترجمہ: ”وہ سیاہ بادل جب اس کے گلشن میں برساتو اس کے پھولوں کی آنکھیں خوشی کی شدت کی وجہ سے رونے لگیں۔“

ابوطیب کہتا ہے:

لا تنكون لها صرعةً فمن فرح النفس ما يقتل

ترجمہ: ”اس کی اس حالت کا منکر نہ بن کبھی کبھی زیادہ خوشی کی وجہ سے بھی نفس ہلاک ہو جاتا ہے۔“

دوسرا شاعر کہتا ہے:

و رد الكتاب من الحبيب بانه سيزورني فاستعبرت اجفاني

غلب السرور على حتى انه من فرط ما قد سرتني ابكاني

يا عين صار الدمع عندك عادةً تبكين في فرح و في احزان

ترجمہ: ”میرے محبوب کی طرف سے مجھے خط ملا ہے کہ وہ عنقریب ہی مجھ سے ملاقات کرے گا۔ یہ پڑھ کے

میری آنکھوں سے چھم چھم آنسو گرنے لگے۔ مجھ پر مسرت کا غلبہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس سے زیادہ خوشی نے

مجھے رلا دیا۔ میری آنکھ! آنسو بہانا تیری عادت سی بن گئی ہے۔ تو خوشی اور غم دو حالتوں میں رونے لگتی

ہے۔“

♦ امام سہیلی نے اہل مغرب کے بعض شیوخ سے روایت کیا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

اوٹنی قبول نہ کی۔ حالانکہ انہوں نے اسلام کی اشاعت کے لیے کثیر رقم خرچ کی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ رب

تعالیٰ کی طرف آپ کی ہجرت مال اور نفس کے ساتھ مکمل ہو۔

♦ آپ نے نبوت کے تیرھویں سال ماہ ربیع الاول میں ہجرت کی۔ اس دن سوموار تھا۔ امام احمد نے حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”پیر کے روز تمہارے نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے۔ پیر کے دن

ہی ہجرت کے لیے مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے اور پیر کے دن ہی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور پیر کے روز ہی

آپ کا وصال ہوا۔ امام حاکم نے لکھا ہے کہ اس کے بارے روایات متواتر ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے پیر

کے دن ہی عازم سفر ہوئے۔ پیر کے روز ہی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ لیکن محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے لکھا ہے کہ

آپ جمعرات کے دن مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کرنا ممکن

ہے کہ آپ مکہ مکرمہ سے جمعرات کے روز عازم سفر ہوئے تھے لیکن غار ثور سے پیر کے روز مدینہ طیبہ کی طرف رواں

ہوئے۔ آپ نے وہاں تین راتیں جمعۃ المبارک کی رات، ہفتہ کی رات اور اتوار کی رات قیام فرمایا۔ اور سوموار کی

رات آپ عازم سفر ہو گئے۔

♦ روایت ہے کہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار ثور میں تھے۔ تو آپ نے ایک مشرک کو دیکھا۔ اس کا تذکرہ بارگاہ

رسالت مآب میں کیا تو آپ نے فرمایا: ”اگر وہ ادھر سے آگئے تو دوسری طرف سے نکل جائیں گے۔“ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غار کی دوسری طرف دیکھا تو وہ دوسری طرف سے پھٹ چکا تھا۔ سمندر اس کے ساتھ متصل تھا۔ ایک طرف ایک کشتی باندھی گئی تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: ”رب تعالیٰ کی عظیم قدرت کے سامنے ہر چیز ناممکن نہیں۔ لیکن اس کی کوئی قوی یا ضعیف مند نہیں۔ ہم کسی چیز کو اپنی طرف سے ثابت نہیں کرتے۔ لیکن جو صحیح یا حسن ہو اسے کہتے ہیں۔“

بعض عجمی رافضی شیعہ اپنے بالوں کی مینڈھیاں بنا کر اپنے سروں کے اوپر لپیٹتے ہیں۔ اس سے وہ سانپوں کے لیے تعظیم کا اظہار کرتے ہیں جنہوں نے غار کے اندر جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ڈسا تھا۔

امام احمد اور امام الحاکم نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں اپنے رفیق راہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس ایام سے کچھ زائد دن ٹھہرا رہا۔ ہمارا کھانا صرف بریر (جھاؤ درخت کا پھل) ہوتا تھا۔“ الحاکم نے لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے ”ہم غار میں اور رستہ میں دس سے کچھ زائد دن مشرکین سے مخفی رہے۔“ الحافظ نے لکھا ہے کہ امام احمد کی روایت میں غار کا ذکر نہیں ہے۔ یہ بعض راویوں کی زیادتی ہے۔ اسے ہجرت پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ غار میں دودھ لے کر آتے تھے۔ اسی طرح آپ نے رستہ میں ایک چرواہے سے ملاقات کی۔ حضرت ام معبد کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے۔

امام سہلی نے لکھا ہے کہ اے بندے! ذرا رب تعالیٰ کے اس فرمان میں غور تو کرو:

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (التوبہ: ۴۰)

ترجمہ: ”جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“

ان دونوں حضرات قدسی کو کس طرح لفظاً اور معنی رب تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہ معیت اس طرح حاصل ہے کہ رب تعالیٰ نصرت اور نعمت کے اعتبار سے ان کے ساتھ رہا۔ ہدایت و ارشاد کے اعتبار سے ان کے ہمراہ رہا۔ لفظ کے اعتبار سے یہ معیت اس طرح حاصل ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کے پاک نام کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے ”قبیل یا رسول اللہ! یا فعل رسول اللہ“ اسی طرح آپ کے یار غار کے لیے بھی یہ معیت حاصل تھی۔ انہیں یوں کہا جاتا تھا: ”خليفة رسول الله! فعل خليفة رسول الله.“ آپ کے لیے رسالت اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے

لیے خلافت کا لفظ۔ رب تعالیٰ کی معیت کے ساتھ بولا جاتا تھا۔ کسی اور خلیفہ کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے تھے۔

مہلت بن ابی صفرہ نے کہا ہے ”اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کا دودھ نوش فرمایا کیونکہ آپ مشکل دور سے گزر رہے تھے۔ یہ روایت آپ کے اس امر کے مخالف نہیں ہے ”تم میں سے کوئی کسی کی بکری کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نہ دو ہے۔“ کیونکہ یہ یا تو مشکل کے وقت میں رونما ہوا تھا۔ یا اسے حملہ کی صورت پر محمول کیا جائے گا۔ لیکن یہ امر درست نہیں۔ بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خود چرواہے کے پاس گئے۔ فرمایا: ”کیا تم دودھ نکالنے والے ہو؟“ اس نے عرض کی: ”ہاں! گویا کہ انہوں نے یہ سوال کیا ”کیا تمہارے مالک نے تمہیں اس شخص کے لیے اسے دوہنے کی اجازت دی ہے جو اس کے پاس آئے۔“ اس نے کہا: ”ہاں! یا عرب میں یہ رواج تھا کہ یہ مباح تھا۔ مسافر اور ابن سبیل کے لیے اس طرح دودھ نکال لینا مباح تھا۔ اس کے بارے ہر چرواہے کو اجازت تھی۔“

داؤدی نے لکھا ہے کہ آپ نے یہ دودھ اس لیے نوش جا کر لیا تھا کیونکہ آپ مسافر تھے۔ مسافر کے لیے یہ دودھ روا ہوتا ہے خصوصاً جبکہ اسے اس کی احتیاج ہو۔ بالخصوص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ مباح تھا۔ اس شخص نے دور کا موقف اختیار کیا ہے جس نے کہا ہے: ”آپ نے اسے اس لیے جائز سمجھا کیونکہ وہ حربی کا مال تھا۔ کیونکہ جہاد بعد میں فرض کیا گیا اور ابھی تک مالِ غنیمت بھی مباح نہیں ہوتی تھی۔“ الحافظ نے لکھا ہے: ”حضرت ابو بکر صدیق کے فرمان ”کیا تیری بکری کے پاس دودھ ہے؟“ اس سے مراد یہ استفہام ہے کہ کیا تیرے پاس اذن ہے کہ تو یہ دودھ اس شخص کو پیش کرے جو یہاں سے گزرے تاکہ اس کی ضیافت ہو سکے۔ یہ بھی احتمال ہے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بکریوں کے مالک کو پہچان لیا ہو۔ اس کی صداقت کی وجہ سے اس کی رضا کو جان گئے ہوں یا اس نے یہ اذن عام دے رکھا ہو۔“

ابو نعیم نے اس جگہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ بیان کیا ہے جو بعض اسناد سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ”میں نوخیز جوان تھا۔ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں مکہ مکرمہ میں چراتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے۔ وہ مشرکین سے چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: ”جوان! تمہارے پاس دودھ ہے..... یہ ساری روایت معجزات میں آئے گی۔“

البدایۃ اور الفتح میں ہے ”حضرت ابن مسعود کے اس فرمان کہ یہ دونوں حضرات قدسی دشمن سے چھپے ہوئے تھے یا

بھاگے ہوئے تھے۔“ سے مراد وقت ہجرت نہیں۔ کیونکہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے حبش کی طرف ہجرت بھی کی تھی۔ ان کا واقعہ صحیح میں مرقوم ہے۔

العیون میں حضرت سراقہ کا قصہ حضرت ام معبد کی دانتان سے پہلے رقم کیا گیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ انہوں نے واقعات کو ترتیب سے لکھا ہے۔ لیکن ”الاشارة“ میں ہے کہ حضرت ام معبد کی دانتان سراقہ کی دانتان سے پہلے رونما ہوئی۔ میں نے انہی کی پیروی کی ہے۔ صحیح یہی ہے ایک گروہ نے یہی صراحت بیان کی ہے۔

حضرت سعدان کے بارے ہاتف کے اشعار ذکر کیے گئے ہیں۔ ان کے بارے السید نے لکھا ہے ”قیاس یہی بتاتا ہے کہ یہ اشعار بہت پہلے پڑھ گئے تھے کیونکہ ان سعدان نے اس سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔“



اہلِ مدینہ کا استقبال، آپ کا قباء میں نزولِ اجلال اور مسجد قباء کی بنیاد

امام بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور ابن سعد نے حضرت عبدالرحمان بن عویم اور صحابہ کرام کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ کے مسلمانوں نے سنا کہ حضور پاک ﷺ مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہو چکے ہیں۔ وہ آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگے۔ وہ صبح کی نماز پڑھ کر ٹیلوں کی طرف نکل جاتے۔ وہاں آپ کا انتظار کرتے رہتے۔ جب ٹیلوں پر دھوپ آجاتی اور دوپہر کی دھوپ انہیں تکلیف دینے لگتی۔ جب انہیں کہیں سایہ نہ ملتا تو وہ واپس آجاتے۔ یہ گرم دن تھے۔ جب وہ دن آیا جس روز حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کو رشکِ ارم بنانا تھا تو وقتِ دوپہر صحابہ کرام گھروں کی طرف واپس آگئے تھے تو ایک یہودی ان ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر ضروری کام کے لیے چڑھا۔ اس نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو واضح طور پر دیکھ لیا۔ اس سے رہا نہ گیا اس نے باواز بلند کہا: "اے بنو قیلہ! (یا اے عرب! تمہارے وہ صاحب تشریف لا رہے ہیں جن کے تم منتظر تھے۔" مسلمانوں نے جلدی سے اسلحہ اٹھایا اور چٹان کے پاس آپ کی دست بوسی کی۔ پیر کا مبارک دن تھا۔ ربیع الاول کا ماہ مقدس تھا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کھجور کے سایہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ عمر میں حضور اکرم ﷺ کے برابر ہی تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ حضور انور ﷺ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ انصار میں سے جس شخص نے پہلے آپ کی زیارت نہیں کی تھی وہ آ کر حضور اکرم ﷺ کی بجائے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سلام کرتا۔ جب دھوپ آپ ﷺ کے سراقدس پر آگئی تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی چادر سے آپ کو سایہ کرنے لگے۔ اس وقت وہ انصار جان گئے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک تو وہ ہے جسے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سایہ کر رہے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب انصار نے دیکھا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سایہ میں آپ کے لیے جگہ بنا رہے ہیں تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو پہچان لیا۔ حضور اکرم ﷺ ان کے لیے دائیں طرف ہو گئے۔ آپ قباء تشریف لے گئے اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ حضرت سعد بن خیشمہ کے ہاں جلوہ افروز ہوئے تھے۔

رزین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح امام حاکم، ابن شہاب اور دمیاطی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرمایا۔ جب آپ لوگوں کے لیے باہر تشریف لاتے تو پھر حضرت سعد بن خنیسہ رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہو جاتے۔ کیونکہ وہ کنوارے تھے ان کے اہل خانہ وہاں نہ رہتے تھے۔ وہ مہاجرین بھی ان کے ہاں ہی ٹھہرے تھے جو کنوارے تھے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت سعد کے ہاں قیام فرمایا تھا۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب بن اساف یا حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما کے گھر قیام فرمایا تھا۔ زبیر بن بکار نے حضرت عبداللہ بن حارثہ سے روایت رقم کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر قیام فرمایا۔ انہوں نے اپنے غلام کو پکارا "یا نَجِیح!" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ابو بکر! تم کامیاب ہو گئے ہو۔" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے بعد مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہرے رہے۔ کسی نے کہا کہ آپ کے بعد انہوں نے تین روز تک مکہ مکرمہ میں قیام کیا۔ حتیٰ کہ لوگوں کی وہ امانتیں انہیں واپس کیں جو وہ آپ کے پاس رکھتے تھے۔ پھر وہ عازم سفر ہو کر قباء میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہ بھی حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہا کے گھر ہی ٹھہرے۔ حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں قباء میں ٹھہرا۔ ایک مسلمان خاتون تھی جس کا خاوند نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک انسان رات کے اندھیرے میں اس کے پاس آتا۔ اس کے دروازے پر دستک دیتا۔ وہ اسے کچھ دیتا جسے وہ لے لیتی۔ مجھے کچھ شک گزرا۔ میں نے اس عورت سے کہا: "خدا کی بندی! یہ کون شخص ہے جو ہر رات تیرا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ تو اس کی طرف جاتی ہے اور وہ تجھے کچھ دیتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہوتا ہے؟ تو ایک مسلمان عورت ہے۔ تیرا خاوند بھی نہیں ہے۔" اس عورت نے کہا: "یہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ میں ایک بے سہارا عورت ہوں۔ جب رات پڑتی ہے تو اپنی قوم کے بتوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ انہیں توڑتے ہیں۔ پھر لکڑیاں میرے پاس لے آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "انہیں بطور ایندھن استعمال کرلو۔" اسی وجہ سے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں بڑا مقام تھا۔ ان کا وصال عراق میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی ہوا۔ حضرت علی یہ واقعہ بیان کرتے تھے۔

حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس زمین کا ایک قطعہ تھا جس میں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے وہ جگہ خرید لی۔ وہاں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔ صحیح میں حضرت عروہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ بنو عمرو بن عوف میں قیام فرماتے تھے اور اس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ ابن عائد نے لکھا ہے: "حضور سید کائنات ﷺ بنو عمرو بن عوف میں تین دن قیام فرما رہے۔ وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ آپ اس میں نماز ادا کرتے رہے۔ اسی مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔"

یونس بن بکر نے زیادات المغازی میں حضرت حکم بن عتیبہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے تو پہلے آپ قباء میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے لیے ایک ایسی جگہ مختص کی جائے جس میں آپ نماز ادا فرمائیں اور جس کے سایہ میں بیٹھیں۔ پتھر جمع کیے گئے اور مسجد قباء تعمیر کی گئی۔ یہ پہلی مسجد تھی جسے تعمیر کیا گیا۔“ الحافظ اور السید نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ عام مسلمانوں کے لیے یا حضور ﷺ کے لیے پہلی مسجد تھی۔ جس میں آپ نے اپنے صحابہ کرام کو ظاہر اجماعت کرائی۔ اس کے علاوہ دیگر مساجد بھی بنائی گئیں تھیں۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری سے دو سال قبل ہم مدینہ طیبہ میں مساجد بناتے تھے اور نماز قائم کرتے تھے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مہاجرین جو ہجرت کر کے قباء پہنچے تھے انہوں نے اور انصار نے مسجد بنائی تھی۔ جس میں وہ نماز پڑھتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے تو آپ نے اس مسجد میں صحابہ کرام کو امامت کرائی اور بیت المقدس کی طرف منہ کیا۔ ابتداء میں اس میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ کیونکہ ابن شیبہ نے یہ روایت لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسجد قباء بنائی تھی اور اس کا قبلہ اس سمت رکھا جہاں آج کل محراب ہے۔ آپ نے فرمایا: ”جبرائیل امین علیہ السلام نے میرا رخ بیت اللہ کی طرف کیا تھا۔“

الطبرانی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جب اہل قباء نے حضور اکرم ﷺ سے التجاء کی کہ آپ ان کے لیے مسجد بنا دیں۔ تو آپ نے انہیں فرمایا: ”تم میں سے ایک اٹھے اور اونٹنی پر سوار ہو جائے۔“ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور اونٹنی پر سوار ہوئے اسے حرکت دی مگر وہ نہ اٹھی۔ وہ واپس آگئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے۔ اونٹنی پر سوار ہوئے اسے حرکت دی مگر وہ نہ اٹھی۔ وہ واپس آگئے۔ آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی ایک اٹھے اور اونٹنی پر سوار ہو جائے۔“ حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ جب اس کی رکاب میں پاؤں مبارک رکھ دیا اور جم کر بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا: ”اس کی نکیل چھوڑ دو۔ جہاں جہاں تک یہ چکر لگائے وہاں تک مسجد بنا لو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔“

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے۔ حضرت شمس بنت نعمان رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”جب حضور انور ﷺ قباء تشریف لائے تو میں نے آپ کی زیارت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے یہاں جلوہ فرمایا اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ میں نے آپ کی زیارت کی۔ آپ نے بہت بڑا پتھر اٹھایا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے آپ نیچے کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ مجھے آپ کے پیٹ مبارک پر سفید مٹی نظر آرہی تھی۔ آپ کے ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر فدا! مجھے پتھر دیں میں آپ کی طرف سے اٹھا لیتا ہوں۔“ آپ نے فرمایا:

”نہیں! اس کی طرح کا ایک اور اٹھالو۔“ آپ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے حضرت جبرائیل نے خانہ کعبہ کی سمت دکھائی۔ اسی لیے کہا جاتا تھا کہ مسجد قباء کا قبلہ ساری مساجد سے درست ہے۔“

السید نے لکھا ہے ”صحیح روایت میں ہے کہ آپ بیت المقدس کی طرف رخ انور کرتے تھے حتیٰ کہ یہ منسوخ ہو گیا نماز صبح میں آپ کے نقیب حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں بتایا۔ ان کے چہرے شام کی طرف تھے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف چہرے کر لیے۔ ایک احتمال یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے آپ کو بیت اللہ کی سمت دکھائی۔ تاکہ آپ کو بیت المقدس کی سمت کا علم ہو سکے۔ تاکہ دونوں جہتیں سامنے آسکیں اور انہوں نے آپ کو یہ بھی بتایا ہو کہ آپ عنقریب خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کر لیں گے۔ یا یہ کہ آپ کو ہجرت کی ابتداء میں یہ اختیار حاصل تھا کہ آپ چاہیں تو بیت المقدس کی طرف اور پسند کریں تو خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کریں۔ یہ ربیع کا قول ہے۔ آپ نے ابتداء میں بیت المقدس کی طرف رخ کیا شاید یہودی اسلام قبول کر لیں یا اس وقت خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کرنا مشروع تھا۔ پھر بیت المقدس سے منسوخ ہو گیا پھر یہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے سے منسوخ ہو گیا۔ جیسے قاضی ابوبکر بن عربی وغیرہ نے لکھا ہے کہ قبلہ کو دو دفعہ منسوخ کیا گیا۔ یا پھر یہ تائیس پہلی تائیس کے علاوہ ہے۔ ابن شہبہ کی وہ روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ ابن شہبہ نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مسجد قباء بناتے وقت یہ کہا تھا: ”افلح من یعمر المساجد“ مساجد کو آباد کرنے والا کامیاب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”المساجد“ حضرت عبد اللہ نے عرض کی: ”یقراً القرآن قائماً وقاعداً“ جو بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر قرآن پاک پڑھتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”وقاعداً“ حضرت عبد اللہ نے عرض کی: ”ولا یبیت اللیل عنہ راقداً“ وہ سو کر رات بسر نہیں کرتا۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”راقداً“

تشبیہات

حضور پاک ﷺ نے بنو عمرو بن عوف میں کتنی مدت قیام فرمایا۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح میں حضرت ابن شہاب نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے دس اور کچھ راتیں وہاں قیام فرمایا۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے وہاں چودہ راتیں قیام فرمایا۔ ”الاشارة“ میں ہے کہ آپ نے وہاں پانچ راتیں قیام فرمایا۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ آپ نے وہاں منگل، بدھ اور جمعرات کے تین ایام بسر فرمائے اور جمعۃ المبارک کے روز مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ انہوں نے جمعۃ المبارک کو ان ایام میں شمار نہیں کیا۔ ابن عباس اور ابن عقبہ نے تین راتوں کا قول کیا ہے۔ گویا کہ انہوں نے آپ کی تشریف آوری اور جانے کے

دن کو ان ایام میں شمار نہیں کیا۔

معتمد موقوف یہ ہے کہ آپ پیر کے روز قباء میں جلوہ افروز ہوئے۔ جیسے کہ صحیح میں ہے۔ ابن عقبہ نے کہا ہے کہ ربیع الاول کے یکم تاریخ کو آپ قباء تشریف لائے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ ابن سعد نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزر چکی تھی۔ ابوسعید نے شرف المصطفیٰ میں ابن حزم سے روایت کیا ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ربیع الاول کی تیرہ راتیں گزر چکی تھیں۔ اس اختلاف کو روایت بلال کے اختلاف پر محمول کیا جائے گا۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ آپ دن کے وقت تشریف لائے۔ امام مسلم کی روایت میں رات کا تذکرہ ہے۔ اس دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ آپ رات کے آخری وقت میں تشریف لائے۔ دن کے وقت قباء میں داخل ہو گئے۔



اہلِ مدینہ کی مسرت

امام احمد، امام مسلم اور امام بخاری نے سیدنا ابوبکر صدیق سے، سعید بن منصور نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے، امام بیہقی نے حضرت موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے بنو نجار کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ آپ کے ننھیال تھے جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔ وہ تلواریں حمال کیے آگئے۔ انہوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: ”امن کے ساتھ سوار ہو جاؤ۔“ اس روز جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ جب سورج بلند ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی سواری منگوائی۔ مسلمان جمع ہو گئے۔ انہوں نے ہتھیار سجالیے حضور اکرم ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر جلوہ افروز ہو گئے۔ آپ کے دائیں، بائیں اور پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل تھے۔ بنو عمرو بن عوف آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ ہم سے اتنا کر یہاں سے تشریف لے جا رہے ہیں؟ یا آپ ہمارے گھر سے بہتر کسی گھر کا ارادہ کیے ہوئے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”مجھے ایسی بستی کا حکم دیا گیا ہے جو دیگر بستیوں کو کھا جائے گی۔ اس اونٹنی کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔“ آپ قباء سے باہر تشریف لائے۔ آپ مدینہ طیبہ کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ لوگوں نے آپ سے ملاقات کی۔ وہ راہوں پر نکل آئے۔ وہ اونٹوں پر سوار تھے۔ خدام اور بچے یہ نعرے لگانے لگے: ”اللہ اکبر! جاء نارسول اللہ! جاء محمد“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں بچوں کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔“ جبکہ لوگوں نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔“ ہم آگے گئے لیکن ہمیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ حتیٰ کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ کے ہمراہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ہم مدینہ طیبہ کی دیواروں کے پیچھے چھپ گئے۔ آپ نے اعرابوں میں سے ایک شخص کو بھیجا تا کہ انصار سے اذن لے۔ پانچ سو سے زائد معزز انصار نے آپ کا استقبال کیا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: ”آپ امن کے ساتھ تشریف لے چلیں۔“ حضور ﷺ اور آپ کے یار غار لوگوں کے آگے آگے تھے۔ اہل مدینہ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ خواتین مدینہ آپ کی زیارت کے لیے چھتوں پر چڑھ گئیں۔ وہ پوچھ رہی تھیں: ”سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں؟ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ چشم

فلک نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا؟“

امام احمد اور امام ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے آنے کی خوشی میں حبشیوں نے اپنے نیزوں کے ساتھ کرتب دکھائے۔“ امام بیہقی اور رزین نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ طیبہ کی عورت مآب خواتین، بچیوں اور بچوں نے یہ اشعار پڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔

طلع	البدر	علینا	من	ثنیات	الوداع
وجب	الشکر	علینا	ما	دعا	لله
ایہا	المبعوث	فینا	جئت	بالامر	المطاع

ترجمہ: ”چودھویں کا چاند ہم پر وداع کی گھائی سے طلوع ہوا۔ جب تک رب تعالیٰ کی طرف بلانے والا بلاتا رہے ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔ اے وہ ذات والا! جو ہم میں مبعوث ہوئی ہے آپ ایسے امر کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی اطاعت کی جائے گی۔“

امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے اہل مدینہ کو اتنا مسرور کبھی نہیں دیکھا۔ جتنے مسرور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے تھے۔“ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جس روز حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اس دن مدینہ طیبہ کی ہر چیز چمک اٹھی۔ حضرت ابن ابی خلیثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے وہ دن دیکھا ہے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے۔ میں نے اتنا روشن اور حسین دن کبھی نہیں دیکھا تھا۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے جس محلہ میں سے گزرتے تو انصار عرض کرتے: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! عورت، دفاع اور دولت کی طرف تشریف لے آئیں۔“ آپ انہیں دعائے خیر سے نوازتے۔ آپ فرماتے: ”اس اونٹنی کو چھوڑ دو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔“ آپ بنو سالم کے محلہ سے گزرے۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکولی۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے پاس تشریف لے آئیں۔ ہم تعداد میں کثیر ہیں ہمارا قبیلہ اور حلقہ یاراں بہت بڑا ہے۔ یا رسول اللہ! ہماری وسیع زمین ہے۔ ہم باغات کے مالک ہیں۔ ہم شجاع اور بہادر ہیں۔ اگر کوئی شخص ڈرتا ہو اس بستی میں داخل ہو جائے۔ تو وہ ہمارے پاس آتا ہے۔ ہم اسے کہتے ہیں ”جہاں چاہو پھرو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔“ ان کا یہ خلوص دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ آپ نے فرمایا: ”اس

مبارک اونٹنی کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دیا جا چکا ہے۔“ حضرت عبادۃ بن صامت، حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے پاس تشریف لے آئیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تم پر برکت ڈالے۔ اسے چھوڑ دو۔ اسے حکم مل گیا ہے۔“

جب آپ بنو سالم کی مسجد تک پہنچے۔ یہ مسجد وادی رانواناء میں ہے تو وہاں نماز جمعہ کا وقت ہو گیا آپ نے نماز جمعہ ادا کی۔ مدینہ طیبہ میں یہ پہلی نماز جمعہ ادا کی گئی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے مسجد قباء میں نماز جمعہ ادا کی تھی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ کے ہمراہ ایک صحابہ کرام نے نماز جمعہ ادا کی۔ پھر آپ رستہ کے دائیں طرف ہو گئے۔ حتیٰ کہ بنو حنیبلہ آگئے۔ آپ نے عبد اللہ بن ابی کے ہاں اترنے کا ارادہ کیا۔ وہ اس وقت خزرج کا سردار تھا۔ اس نے کہا: ”انہی کے پاس جائیں جنہوں نے آپ کو بلایا ہے۔“ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کی بات کا برا نہ منائیں۔ جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو بنو خزرج اسے اپنا بادشاہ بنانے کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ جب اس حق سے اس کا رد ہو گیا جسے رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے تو یہ تنگ سینہ ہو گیا۔ لیکن یہ میرا گھر ہے یہ حاضر ہے۔“ اس روایت کا تذکرہ ابن عقبہ اور رزین نے کیا ہے۔ السید نے لکھا ہے کہ صحیح میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا تھا۔ جب آپ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ شاید انہوں نے دو بار یہ گزارش کی ہو۔ ”واللہ اعلم

حضور نبی رحمت ﷺ بنو ساعدۃ کے پاس سے گزرے۔ حضرت سعد بن عبادۃ، حضرت منذر بن عمرو اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوں ہمارے پاس عورت، دولت، قوت اور مضبوطی ہے۔“ حضرت سعد نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میری قوم کا کوئی ایسا شخص نہیں جس کے کھجوروں کے باغات مجھ سے زیادہ ہوں۔ یا اس کے چشمے مجھ سے زیادہ ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ دولت، قوت اور کثیر تعداد بھی ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”ابو ثابت! اس کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔“ آپ آگے روانہ ہو گئے۔ حضرت سعد بن ربیع، حضرت عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہم نے آپ سے ملاقات کی۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ ہمیں چھوڑ کر آگے نہ جائیں ہماری کثیر تعداد ہے۔ دولت بھی وافر ہے۔ حلقہ احباب بھی وسیع ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے۔ اس کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔“ پھر حضرت زیاد بن لبید، حضرت فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے آپ سے ملاقات کی۔ ان کا تعلق بنو بیاضہ سے تھا۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوں۔ ہمارے پاس ہمدردی، عورت، ثروت اور قوت و طاقت ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”اس کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دیا جا چکا ہے۔“ حضرت براء کی روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میں جناب عبد المطلب کے نضیال کے ہاں اتروں

گا۔ انہیں اس شرف سے مشرف کروں گا۔“ پھر آپ بنو عدی بن نجار کے پاس سے گزرے۔ یہ آپ کے ننھیال تھے۔ حضرت ابوسلیط، حضرت ہرمہ بن ابی انس رضی اللہ عنہما اور ان کی قوم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ کے ننھیال ہیں ہمارے پاس کثیر تعداد، دفاع اور قوت کے ساتھ ساتھ قرابت بھی ہے۔ ہمیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس نہ جائیں۔ قرابت کی وجہ سے کوئی اور قوم ہم سے زیادہ مستحق نہیں ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”اس کا رسہ چھوڑ دو اسے حکم دیا جا چکا ہے۔“

آپ آگے رواں ہوئے۔ حتیٰ کہ بنو عدی بن نجار کے گھر آگئے۔ ان کے سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ آگے روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس جگہ آگئے جہاں آج کل مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ مسجد کے دروازہ پر اونٹنی بیٹھ گئی۔ ابن نافع نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اونٹنی مسجد کی جگہ پر آئی تو بیٹھ گئی۔ آپ اپنی اونٹنی پر ہی سوار تھے حتیٰ کہ آپ پر وحی کے نزول کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ اونٹنی اٹھی کچھ آگے گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اوپر ہی سوار تھے۔ آپ نے اس کی نیل چھوڑ رکھی تھی۔ اونٹنی واپس آگئی اور اس جگہ بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ وہ اسی جگہ بیٹھ گئی۔ اسے لازم پکڑ لیا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ حضرت جبار بن صخر رضی اللہ عنہ اونٹنی کو لکڑی چھونے لگے کہ شاید یہ اٹھے اور بنو سلمہ کے محلہ میں بیٹھ جائے۔ مگر اس نے حرکت نہ کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی سے نیچے تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا: ”ان شاء اللہ! مقام اسی جگہ ہو گا۔“ آپ نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی۔

وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۲۹﴾ (المؤمنون: ۲۹)

ترجمہ: ”اور یہ بھی عرض کرنا اے میرے رب اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔“ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہ آپ سے قیام کے بارے گفتگو کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب سے زیادہ قریب کس کا گھر ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ میرا گھر ہے۔ یہ اس کا دروازہ ہے۔ ہم نے آپ کا کجاوہ وہاں رکھ دیا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”جاؤ اور ہمارے آرام کرنے کی جگہ تیار کرو۔“ وہ گئے اور آپ کا بستر تیار کیا۔

امام الطبرانی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”وہاں ایک عریش تھا لوگ وہاں چھڑ کاؤ کر کے اسے ٹھنڈا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی سے نیچے تشریف لائے۔ سایہ کے پاس آئے۔ وہاں نیچے اترے۔ حضرت ابویوب انصاری آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس جگہ سے میرا گھر سارے گھروں سے زیادہ قریب ہے۔ کیا میں آپ کا سامان اپنے گھر منتقل کر لوں؟“ آپ نے فرمایا:

”ہاں! وہ آپ کا سامان اپنے گھر لے گئے۔ ایک اور شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے پاس تشریف لے چلیں۔“ آپ نے فرمایا: ”آدمی اپنے بچاؤ کے پاس ہوتا ہے وہ جہاں بھی ہو“ یہ ضرب المثل بن گئی۔ حضور اکرم ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر جلوہ افروز ہو گئے۔ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی۔ اس کے گھر کو چین ملا۔ آپ کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔“

ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ نے آپ کی مبارک اونٹنی کی نکیل پکڑی ہوئی تھی۔ پہلی بار اونٹنی انہی کے ہاں بیٹھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا ہمارے ہاں قیام ہوگا؟“ آپ نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو۔ اسے حکم دیا جا چکا ہے۔“ مبارک اونٹنی اٹھی۔ مسجد نبوی کی جگہ پر اس مقام پر بیٹھ گئی جہاں آج کل منبر مبارک ہے۔ آپ اس سے نیچے تشریف لے آئے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرا گھر سارے گھروں سے زیادہ قریب ہے۔ آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ میں آپ کا سامان اپنے ہاں منتقل کر لوں۔“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ انہوں نے آپ کا سامان اپنے گھر منتقل کر لیا اور اپنے گھر آپ کی اونٹنی کو بٹھایا۔

امام حاکم اور ابوسعید نسیا پوری نے لکھا ہے کہ جب آپ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہو گئے تو بنو نجار کی پنجیاں دف بجاتے ہوئے باہر نکل آئیں۔ وہ یوں کہہ رہی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار یا حبذا محمد من جار

ترجمہ: ”ہم بنو نجار کی (فرخندہ فال) پنجیاں ہیں۔ محمد عربی رضی اللہ عنہ کتنے اچھے ہمسائے ہیں۔“

آقائے نامدار رضی اللہ عنہم نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ”کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟“ انہوں نے عرض کی: ”ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!“ آپ نے فرمایا: ”قسم بخدا! میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔“ آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔

ابن اسحاق نے المبداء میں اور ابن ہشام نے التبیان میں لکھا ہے کہ وہ مقدس گھر جس میں حضور اکرم ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔ اسے تبع اول نے بنایا تھا۔ اس کا نام تبان اسعد تھا۔ اس کے ہمراہ چار سو علماء تھے۔ انہوں نے باہم عہد کر لیا کہ وہ اس شہر سے نہیں جائیں گے۔ تبع نے اس کا راز پوچھا۔ تو انہوں نے کہا: ”ہم نے اپنی کتب میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ یہاں تشریف لائیں گے۔ ان کا اسم گرامی محمد عربی رضی اللہ عنہم ہوگا۔ یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔ ہم اسی جگہ قیام کریں گے۔ شاید ہم ان سے ملاقات کر لیں۔ تبع نے ان کے ساتھ ہی قیام کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک گھر تعمیر کیا۔ انہیں ایک ایک لوٹھی دی۔ ہر ایک کی ایک لوٹھی کے ساتھ شادی کی۔ انہیں بہت مالا مال کیا۔ ایک خط لکھا

اس میں اپنے اسلام کا تذکرہ کیا۔ اس میں یہ اشعار بھی لکھے:

شہدت علی احمد انه
فلو مد عمری الی عمرہ
و جاہدت بالسیف اعداءہ
رسول من اللہ باری النسم
لکنت وزیرا له و ابن عم
و فرجت عن صدرہ کل ہم

ترجمہ: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اس معبودِ برحق کی طرف سے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں جو ارواح کو پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میری عمر نے آپ کی عمر مبارک تک وفا کی تو میں آپ کا وزیر اور چچا زاد بنوں گا۔ تلوار کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جہاد کروں گا۔ اور آپ کے سینہ اقدس سے سارے غم دور کر دوں گا۔“

اس نے سونے کے ساتھ اس پر مہر لگائی۔ اسے ایک عظیم سردار کو دیا تاکہ وہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پالے تو آپ کو پیش کرے یا اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد جسے یہ شرف حاصل ہو وہ یہ خط آپ کی خدمت میں پیش کر دے۔ اس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک گھر تعمیر کیا۔ جب آپ مدینہ طیبہ گئے تو اسی گھر میں قیام فرمایا۔ وہ گھر نسل در نسل آگے منتقل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری کے پاس آگیا۔ وہ اس عالم کی اولاد میں سے تھے۔ وہ سارے اہل مدینہ جنہوں نے آپ کی نصرت کی تھی وہ انہی علماء کی اولاد میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ خط جس میں یہ اشعار تھے۔ وہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے پاس ہی تھا۔ وہ انہوں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ہی رونق افروز ہوئے تھے۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو لوگ آپ کی زیارت کے لیے آنے لگے میں بھی زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ میں نے چہرہ و لضحیٰ کی زیارت کی تو میں سمجھ گیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے آپ کی یہ پہلی گفتگو سنی۔ آپ فرما رہے تھے: ”اے لوگو! سلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ۔ صلہ رحمی کرو۔ اس وقت نماز پڑھو۔ جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

امام مسلم اور امام ابن اسحاق نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں رونق افروز ہوئے تو آپ گھر کے نچلے حصہ میں جلوہ افروز ہوئے جبکہ میں اور حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہما گھر کے اوپر والے حصہ میں تھے۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر نثار! میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں آپ کے اوپر رہوں اور آپ میرے نیچے جلوہ گر ہوں۔ آپ اوپر والی منزل میں تشریف لے

جائیں۔ ہم نچلی منزل میں رہیں گے۔“ آپ نے فرمایا: ”ہمارے لیے اور اس شخص کے لیے اس میں سہولت ہے۔ جو میرے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے آتا ہے کہ ہم نچلی منزل میں رہیں۔“ آپ نچلی منزل میں اور ہم اوپر کی منزل میں رہتے تھے ایک دفعہ ہمارا ایک گھڑا ٹوٹ گیا جس میں پانی تھا۔ ہمارے پاس ایک ہی لحاف تھا ہم اس کے ساتھ پانی جذب کرنے لگے۔ ہمیں خدشہ تھا کہ کہیں آپ پر نہ گرے اور آپ کو اذیت نہ دے۔“ روایت ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ اوپر والی منزل میں جلوہ نما ہو گئے اور وہ نیچے آ گئے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کرتے تھے۔ پھر آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ جو کھانا بیچ جاتا وہ ہم کھاتے تھے۔ ہماری کوشش ہوتی تھی کہ اس جگہ سے کھانا کھائیں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس لگے ہوتے تھے۔ ہم حصول برکت کے لیے اس طرح کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دن آپ نے ہمارا رات کا کھانا واپس کر دیا۔ ہم نے اس میں پیاز یا لہسن ڈالا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا واپس کر دیا۔ ہم نے اس میں آپ کے دست اقدس کے اثرات نہ دیکھے۔ میں گھبرا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر نثار! آپ نے کھانا واپس کر دیا ہے۔ میں نے آپ کے دست اقدس کے نشانات نہیں دیکھے۔ جب آپ کھانا واپس کرتے ہیں تو میں اور ام ایوب اس جگہ سے کھاتے ہیں جہاں آپ کے دست اقدس لگے ہوتے ہیں۔ ہم حصول برکت کے لیے اس طرح کرتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”آج میں نے اس میں اس درخت کی بو پائی ہے۔ میں وہ شخص ہوں جس کے ساتھ سرگوشی کی جاتی ہے۔ تم اسے کھا لو۔“ ہم نے وہ کھانا کھالیا اور اس کے بعد اس میں پیاز یا لہسن نہ ڈالا۔

اخبار مدینہ میں حضرت یحییٰ بن حسن نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہوئے تو ابتداء میں آپ کی خدمت میں ہدیہ نہیں آتا تھا۔ میں نے سب سے پہلے آپ کو ہدیہ پیش کیا۔ میں نے ایک پیالہ پیش کیا۔ جس میں گندم کی روٹی کی ٹرید گوشت اور دودھ تھا۔ میں نے اسے آپ کے سامنے رکھا۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! امی جان نے یہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے۔“ آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ انہوں نے اس میں سے کھایا۔ میں ابھی دروازہ تک۔ ہی پہنچا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا پیالہ آ گیا۔ غلام نے اسے ڈھانپ کر اپنے سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کا کپڑا اٹھایا تاکہ دیکھوں میں نے ٹرید دیکھی جس میں بڑی نظر آ رہی تھی۔ اس نے اسے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔“ حضرت زید نے فرمایا: ”ہم بنو مالک بن نجار کے گھروں میں رہتے

تھے۔ ہم میں تین یا چار افراد ہر روز کھانے کے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتے۔ حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر سے منتقل ہو گئے۔ آپ نے سات ماہ تک وہاں قیام کیا۔ حضرت سعد بن عبادۃ اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما کا پیالہ ہر روز آپ کی خدمت میں آتا۔ اس کتاب میں ہے کہ حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا سے عرض کی گئی کہ حضور اکرم ﷺ نے تمہارے ہاں قیام کیا ہے۔ ذرا بتائیں کہ حضور اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ کون سا کھانا پسند تھا۔ انہوں نے کہا: میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی مخصوص کھانے کا حکم دیا ہو یا ہم نے آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا ہو۔ اور آپ نے اس میں عیب نکالا ہو۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے مجھے بیان کیا ہے کہ ایک رات حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو کھانا بھیجا۔ اس میں طفیشل تھا۔ آپ نے وہ کھانا سیر ہو کر کھایا۔ آپ پہلے اس قدر سیر ہو کر نہ کھاتے تھے۔ ہم یہ کھانا آپ کے لیے پکاتے تھے۔ ہم آپ کے لیے طوہ بناتے تھے طوہ آپ کو بہت پسند تھا۔ رات کے کھانے میں پانچ سے لے کر سولہ تک صحابہ کرام شرکت کرتے تھے۔ اس کا انحصار کھانے کی قلت یا کثرت پر ہوتا تھا۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ انہیں دو اونٹ اور پانچ سو دراہم دیے وہ حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمہ، سیدہ ام کلثوم، سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہما کو لے کر آ گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ حضرت ام ایمن اور فرزند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کو لے کر آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کو لے کر آ گئے۔ ان میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، حضرت اسماء، حضرت ام رومان رضی اللہ عنہما شامل تھیں۔ یہ ہستیاں جب مدینہ طیبہ پہنچیں تو یہ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہریں۔ رزین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقظ کو حضرت زید کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ ان کے اہل خانہ کو لے آئیں۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”مہاجرین حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مل گئے مکہ مکرمہ میں صرف وہی مسلمان رہ گئے جو یا تو فتنہ میں مبتلا کر دیے گئے تھے یا مقید تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ پر سکون ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین غالب فرمایا اور مہاجرین اور انصار آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو حضرت ابو قیس حرمہ بن ابی انس رضی اللہ عنہ نے رب تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے یہ اشعار لکھے:

یذکر لویلقی صدیقاً مواتیا
فلم یرمن یؤوی ولم یرداعیا
فاصبح مسروراً بطیبة راضیا
و کان لنا عوناً من اللہ بادیا

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة
و یرض فی اهل المواسم نفسه
فلما اتانا اظہر اللہ دینہ
والفی صدیقاً و اطمأنت بہ النوی

وما قال موسى اذا جاب المناديا
قريباً ولا يخشى من الناس نائيا
و انفسنا عند الوغى والتأسيا
و نعلم ان الله افضل هاديا
جميعاً و ان كان الحبيب المصافيا
تباركت قد اكرت لاسمك داعيا
حنانيك لا تظهر على الاعاديا
و انك لا تبقى لنفسك باقيا
اذ هو لم يجعل له الله واقيا
اذا صبحت ريتا واصبح ثاويا

يقص لنا ما قال نوح لقومه
فاصبح لا يخشى من الناس واحدا
بذلنا له الاموال من جل مالنا
و نعلم ان الله لا شى غيره
نعادى الذى عادى من الناس كلهم
اقول اذا ادعوك فى كل بيعة
اقول اذا جاوزت ارضا مخوفة
فطأ معرضا ان المحتوف كثيرة
فوالله ما يدري الفتى كيف يتقى
ولا تحفل النحل المعيمة ربها

ترجمہ: "تقریباً دس سال تک حضور اکرم ﷺ قریش کو وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ آپ کو امید تھی کہ شاید ان میں آپ کو کوئی مخلص دوست مل جائے۔ آپ ایام حج میں اپنا نفس نفیس لوگوں کو پیش کرتے تھے۔ لیکن آپ نے کسی کو نہ پایا جو آپ کو پناہ دیتا۔ آپ نے ایسا آدمی نہ پایا جو رب تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہوتا۔ جب آپ ہمارے ہاں جلوہ گر ہوئے تو رب تعالیٰ نے آپ کے دین کو غالب کر دیا۔ آپ مدینہ منورہ میں فرحان و شاد ایں ہو گئے۔ آپ نے ایسا قبیلہ پایا جو آپ کا دوست تھا۔ آپ کی غریب الوطنی پر سکون ہو گئی۔ آپ ہمارے لیے ایک واضح مددگار ثابت ہوئے۔ آپ نے ہمیں وہی کچھ فرمایا جو کچھ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ آپ وہ کچھ بھی بیان فرماتے تھے جو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے منادی کو جواب دیا تھا۔ آپ لوگوں سے نہیں ڈرتے خواہ کوئی قریبی ہو یا بعید کا۔ ہم نے جنگ کے وقت ہمدردی کے وقت آپ پر حلال مال اور جانیں قربان کیں۔ ہم نے سمجھ لیا کہ رب تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم نے یہ بھی جان لیا کہ رب تعالیٰ تمام راہ نماؤں سے افضل ہے۔ جس نے بھی آپ سے دشمنی کی ہم اس کے دشمن ہیں خواہ وہ ہمارا جگری دوست ہی کیوں نہ ہو۔ مولا! جب میں مسجد میں جا کر سوال کرتا ہوں تو میں عرض کرتا ہوں کہ مولا! تو کتنا بابرکت ہے۔ میں نے کتنا ہی تجھے تیرے نام سے یاد کیا ہے میں جب کسی خوفناک جگہ سے گزرتا ہوں تو میں کہتا ہوں مولا! میں تجھ سے رحمت کی التجا کرتا

ہوں مجھ پر کسی دشمن کو غالب نہ کرنا۔ اے دشمن! پیٹھ پھیر کر یہاں سے چلا جا۔ بلاشبہ موت کے بے شمار اسباب ہیں تو اپنا نفس سدا کے لیے باقی نہیں رکھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! کوئی جوان نہیں جانتا کہ وہ اپنا بچاؤ کیسے کرے۔ جبکہ خداوند قدوس اس کے لیے بچنے کے اسباب پیدا نہ کرے۔ ایک کھڑی کھجور اپنے مالک کو سیراب کس طرح کر سکتی ہے۔ جبکہ وہ خود پیاسی ہو اور اس کا مالک بھی بلاکت کے گڑھے میں گر رہا ہو۔“



مدینہ طیبہ کے بعض فضائل

پہلا باب

اس کی ابتداء

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مکہ مکرمہ ایسا شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تعظیم بخشی ہے۔ اس کی حرمت کو عظیم کیا ہے۔ اس نے مکہ مکرمہ کی تخلیق کی۔ ملائکہ نے اسے گھیر لیا۔ یہ زمین کی تخلیق سے ایک ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ اسے مدینہ طیبہ کے ساتھ ملا دیا۔ مدینہ طیبہ کو بیت المقدس کے ساتھ ملا دیا۔ پھر ایک ہزار سال بعد رب تعالیٰ نے ساری زمین کو تخلیق کیا۔“

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”زمین پانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی اس زمین کو چھوا۔ سطح زمین پر جھاگ نمودار ہوئی۔ رب تعالیٰ نے اسے چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصہ سے مکہ مکرمہ، دوسرے سے مدینہ طیبہ، تیسرے سے بیت المقدس اور چوتھے سے کوہِ تخلیق کیا۔“

ان دونوں روایتوں کو خطیب نے اپنی کتاب فضائل بیت المقدس میں ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن سید کا قول اس کے برعکس ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان روایات کی کوئی اصل نہیں ہے۔ میں نے ان روایات میں کوئی فرد نہیں پایا جس کے بارے کلام کی گئی سوائے ابن لہیعہ کے۔ وہ بھی راست باز تھے۔ لیکن آخری عمر میں ان سے اختلاف ہو جاتا تھا۔ امام ترمذی نے ان کی تعریف کی ہے۔

امام الطبرانی نے حضرت ذی مخبر سے روایت کیا ہے یہ نجاشی کے بھتیجے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ

نے اہل مدینہ کی طرف دیکھا۔ یہ اس کے آباد ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ یہ ایک کشادہ وادی تھی اس جگہ نہ ڈھیلے تھے نہ اون تھی۔ اس نے کہا: ”اہل یرب! میں تمہارے لیے تین شرائط رکھنے لگا ہوں۔ میں تمہاری طرف ہر قسم کے اہل لے کر آؤں گا۔ تم نہ میری نافرمانی کرو گے نہ سرکشی کرو گے نہ ہی تکبر کرو گے اگر تم نے اس میں سے کوئی امر سرانجام دیا تو پھر میں تمہیں اس اونٹنی کی طرح چھوڑ دوں گا جسے کھانے سے نہیں روکا جاتا۔“

ایک قول یہ ہے کہ عمالیق میں سے بنو عملاق بن ارفحشد بن سام بن نوح نے اسے آباد کیا۔ یہاں کاشت کاری کی اور پودے لگائے۔ انہوں نے دو سمندروں کے مابین، عمان، حجاز سے شام تک پھر مصر تک ساری زمین پر قبضہ کر لیا۔ جابر اور فرعون انہی میں سے تھے۔

ابومنذر نے لکھا ہے ”میں نے مدینہ طیبہ کی بنیاد کی روایت سلیمان بن عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ سے سنی۔ پھر میں نے قریش کے ایک شخص سے سنا۔ اس نے یہی چیزیں ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے سنی۔ میں نے ان کی روایت کو جمع کیا کیونکہ ان میں اتفاق زیادہ تھا اور اختلاف کم تھا۔ انہوں نے کہا: ”ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ نے حج کیا تو بنو اسرائیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان کے ساتھ حج کیا۔ وہ واپسی پر مدینہ طیبہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے اس کی وہ صفات دیکھیں جو شہر مصطفیٰ ﷺ کی صفات ان کے ہاں تورات میں موجود تھی۔ وہاں مرقوم تھا کہ آپ خاتم النبیین ہوں گے۔ ان میں سے ایک گروہ نے مشورہ کیا کہ وہ اسی جگہ رہ جاتے ہیں۔ وہ بنو قینقاع کے بازار کی جگہ میں فروش ہوئے۔ عرب کے دیگر لوگوں نے ان کے ساتھ الفت کی ان کا دین اپنا لیا۔ انہوں نے سب سے پہلے مدینہ طیبہ کو آباد کیا تھا۔ ایک روایت ہے کہ ان سے قبل عمالقہ کی ایک قوم نے اسے آباد کیا تھا۔“

ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ جب یہودیوں پر بخت نصر غالب آ گیا اور انہیں بربادی کا سامنا کرنا پڑا تو وہ بکھر گئے۔ وہ اپنی کتب میں حضور پاک ﷺ کی تعریف پاتے تھے کہ ان کا ظہور عرب کی کھجوروں والی سرزمین سے ہوگا۔ جب وہ سرزمین شام سے نکلے۔ وہ شام اور یمن کے مابین جس شہر کو اس طرح پاتے جس طرح کی صفات یرب کی بیان کیں گئیں تھیں تو ان میں سے ایک گروہ اپنا بصرہ میں کر لیتا۔ انہیں امید تھی کہ شاید وہ حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کر لیں۔ آپ کی اتباع کر لیں۔ حتیٰ کہ حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک گروہ یرب فروش ہو گیا۔ وہ حاملین تورات میں سے تھے۔ آباء مر گئے۔ وہ حضور پاک ﷺ پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ اپنی اولاد کو بھی آپ کی اتباع پر ابھارتے تھے۔ جب ان کی اولاد میں جس نے آپ کا عہد ہمایوں پالیا تو انہوں نے حسد کرتے ہوئے آپ کا انکار کر دیا۔ یہ حسد انصار سے تھا جو ان سے سبقت لے گئے تھے۔ حالانکہ وہ آپ کو خوب جانتے تھے۔“

زبیر بن بکار نے حضرت عثمان بن عبدالرحمان لثیمی سے روایت کیا ہے کہ اہل مدینہ کہتے تھے کہ گزشتہ زمانہ میں مدینہ طیبہ میں ایک قوم بستی تھی۔ جسے صعل اور فالج کہا جاتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر حملہ کیا ان کی ایک ہزار دو شیواؤں کو گرفتار کر لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کی گردنوں میں ایک کیمڑا پیدا کر دیا جس نے انہیں ہلاک کر دیا۔ یہاں تک یہود یثرب پر غالب رہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مدینہ طیبہ ہی مراد ہے۔

بَلَدًا طَيِّبَةً وَرَبُّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾ (سباء: ۱۵)

ترجمہ: "اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور!"

یہ سارے شہروں سے سرسبز و شاداب تھا۔ یہ سخت زمین نہ تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس جگہ نہ پھر تھانہ مکھی تھی۔ نہ پسو تھے نہ بچھو تھے۔ نہ سانپ تھے۔ اگر کوئی مسافر ان کی وادیوں میں سے گزرتا۔ اس کی کیمڑوں پر چھجڑی ہوتی تو وہ وہیں ہلاک ہو جاتی۔ اگر ایک عورت نکلتی اس کے سر پر اس کی ٹوکری ہوتی۔ وہ اپنے چرنے کا کام کرتی اگر وہ ان درختوں کے پاس سے گزرتی تو اتنے پھل گرتے کہ اس کی ٹوکری بھر جاتی۔ اگر ایک تیز رفتار سوار چلتا رہتا تو وہ دو ماہ سے زائد مدت میں ان کے شہر کے طول کو عبور کرتا۔ اس کا عرض بھی اتنا ہی تھا۔ اس کے باسی کثیر تھے انہیں طاقت اور قوت بھی حاصل تھی۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرَى ظَاهِرَةً. (سباء: ۱۸)

ترجمہ: "اور ہم نے بنادی تھیں ان کے درمیان اور ان شہروں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی اور کئی بستیاں سر راہ۔"

یعنی وہ بستیاں اتنی قریب تھیں کہ ایک بستی سے دوسری بستی نظر آتی تھی۔ وہ اپنے شہروں میں امن سے رہ رہے تھے۔ ایک عورت نماز سفر ہوتی۔ وہ کچھ بھی زاد راہ نہ لیتی وہ ایک بستی میں شام گزارتی دوسری میں قیلوہ کرتی حتیٰ کہ شام پہنچ جاتی۔ انہوں نے نعمت کی ناشکری کی۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا. (سباء: ۱۹)

ترجمہ: "پھر وہ بولے اے ہمارے رب! دور دراز کر دے ہماری مسافتوں کو۔"

یعنی ان کے مابین اور شام کے مابین جنگلات بنا دے جن میں سے وہ سوار ہو کر گزریں۔ رب تعالیٰ نے ان کی دعا کو بلند قبول فرمایا۔ جیسے کہ اس نے فرمایا ہے:

فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ. (سباء: ۱۹)

ترجمہ: ”پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان (کی جمعیت) کو پارہ پارہ کر دیا۔“

وہ اپنی وادیوں کے پانی پر لڑتے تھے۔ بلقیس نے حکم دیا تو ایک بند (ڈیم) بنا دیا کیا حمیر کی زبان میں بند کو عمر کہا جاتا تھا۔ اس نے دو پہاڑوں کے مابین پتھروں اور تارکول سے ایک بند تعمیر کیا۔ اس نے اس کے تین دروازے بنائے۔ جو ایک دوسرے کے اوپر تھے۔ اس کے پیچھے ایک بڑا سا تالاب بنایا۔ اس میں سے بارہ نہریں نکالیں وہ انہیں اس وقت کھولتے تھے جب انہیں پانی کی ضرورت ہوتی تھی۔ جب ان کی ضرورت پوری ہو جاتی تھی تو وہ دروازے بند کر دیتے تھے۔ جب بارش ہوتی تو یمن کی وادیوں کا پانی اس ڈیم میں جمع ہو جاتا۔ بند کی وجہ سے پانی ڈیم کے اندر ہی رک جاتا۔ سب سے اوپر والا دروازہ کھولا جاتا۔ اس کا پانی تالاب میں گرنے لگتا وہ اوپر والے دروازے سے سیراب کرتے پھر دوسرے اور پھر تیسرے دروازے سے سیراب کرتے۔ پانی ختم نہ ہوتا حتیٰ کہ اگلا سال آجاتا۔ دس دن کی مسافت سے پانی بہہ کر ان کے پاس آجاتا وہ ان کی وادیوں میں ٹھہر جاتا۔ اس ڈیم کی لمبائی ایک فرسخ اور چوڑائی بھی ایک فرسخ ہی تھی۔ لقمان اکبر عادی نے اسے بنایا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اسے سباء بن یثجب نے بنایا تھا۔ وہ اس کی تکمیل سے پہلے مر گیا تھا۔ حمیر کے بادشاہوں نے اسے مکمل کیا۔

حمیر بن سباء اور کہلان بن سباء کی اولاد اس وقت یمن کے سرداروں میں سے تھی۔ عمرو بن مزریقیا بن عامر ماء السماء ان کا سردار تھا۔ عمرو کی بیوی کو طریقہ کہا جاتا تھا۔ یہ کاہنہ تھی۔ اس کے ہاں تیرہ بچے ہوئے۔ اوس اور خزرج کے باپ کا نام ثعلبہ، خزاعہ کے باپ کا نام حارثہ تھا۔ جفنہ اور دغسان بھی اس کی اولاد میں سے تھے۔ اس عورت کے ہاں وداعہ، ابو حارثہ و حارث، عوف، کعب، مالک اور عمران پیدا ہوئے۔ ان کی آگے نسل چلی لیکن تین کی نسل نہ چلی۔ عمرو کے لیے بہت سے محلات اور اموال تھے۔ جو کسی دوسرے کو نصیب نہ تھے۔ اس کے بھائی عمران نے دیکھا یہ کاہنہ تھا کہ عنقریب یہ پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ اس نے اس کا تذکرہ عمرو سے کیا۔ پھر طریقہ کاہنہ نے بھی اس طرح کیا۔ اس نے سب کلام کیا جو اسی پر دلالت کرتا تھا۔ عمرو نے پوچھا: ”اس کی علامت کیا ہے؟“ کاہنہ نے کہا: ”جب تم دیکھو کہ جنگلی چوہے زیادہ ہو گئے ہیں وہ ڈیم میں سوراخ کر رہے ہیں تو سمجھ لینا کہ امر واقع ہو گیا ہے۔“

جب رب تعالیٰ نے ان اپنا غضب نازل کیا۔ ان کی ہلاکت کا اذن دیا۔ عمرو بن عامر اس بند میں داخل ہوا۔ اس کے چوہوں کو دیکھا جو اپنے بچوں کو وادی کے دامن سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر منتقل کر رہے تھے۔ اس نے کہا: ”یہ اپنی اولاد کو صرف اس لیے منتقل کر رہے ہیں کیونکہ ان شہروں پر عذاب آنے کا وقت آ گیا ہے۔“ اس ڈیم میں شگاف ہو گیا اس سے پانی نکلنے لگا۔ اس شگاف کو بند کر دیا گیا۔ وقت صبح اس میں اس سے بھی بڑا شگاف تھا۔ اسے بھی بند کر دیا گیا۔ اگلے روز اس میں

اس سے بھی بڑا شگاف تھا۔ اس کے دو بلوں کے مابین ایک بلی باندھنے کا حکم دیا۔ معاملہ شدت اختیار کرتا گیا۔ جو ہے اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں سے اس طرح پتھر الٹا رہے تھے جس طرح اسے پچاس افراد بھی الٹا نہیں سکتے تھے۔ جب اس نے یہ دیکھا تو اس نے اپنے بھتیجے کو بلایا۔ اس نے کہا: ”جب میں رات کے وقت اپنی قوم میں بیٹھوں تو تم میرے پاس آنا۔ مجھے کہنا۔“ میرے مال پر کیوں بیٹھے ہو؟ میں تمہیں کہوں گا ”تیرا میرے پاس کوئی مال نہیں ہے نہ ہی تیرا باپ کچھ چھوڑ کر گیا ہے تو جھوٹا ہے۔“ تم میری تکذیب کرنا میں تمہاری تکذیب کروں گا۔ تو مجھے جواب دینا میں تمہیں جواب دوں گا۔ میں تمہیں گالیاں دوں گا تو مجھے گالیاں دینا۔ تو مجھے تھپڑ مار دینا میں تمہیں تھپڑ مار دوں گا۔“ اس نے کہا: ”چچا! میں تمہارے ساتھ اس طرح نہیں کر سکتا۔“ اس نے کہا: ”تم ضرور اس طرح کرنا۔ اس طرح میں تمہاری اور تمہارے اہل خانہ کی درنگی چاہتا ہوں۔“

اس جوان نے کہا: ”ضرور! اس نے اسی طرح کیا جس طرح عمرو نے اسے کہا تھا۔ اس نے اسے اور اس نے اسے طمانچہ دے مارا۔ بزرگ نے کہا: ”اے فلاں کے گروہ! کیا مجھے تمہارے ہاں طمانچے مارے جاتے ہیں۔ میں اس شہر میں کبھی نہیں رہوں گا۔ جہاں مجھے طمانچہ مارا گیا ہو۔ مجھ سے میری جاگیر کون خریدے گا؟“ جب قوم نے اس کا اصرار دیکھا تو انہوں نے اسے عطیات دیے۔ اس نے دیکھا کہ بڑا عطیہ کس کا تھا؟ اس نے اس کے لیے بیع کو لازم کر دیا۔ اس نے مال منگوا لیا اور اسے نقد دے دیا۔ عمرو اور اس کی اولاد اسی رات عازم سفر ہو گئی۔

دوسری روایت میں ہے جب اسے اپنی رقم مل گئی تو اس نے کہا: ”اے میری قوم! عذاب تمہارے پاس آرہا ہے تمہارے معاملہ کا زوال قریب آچکا ہے جو جدید گھر، خوبصورت اونٹ اور بعید مسافت کا خواہاں ہو وہ عمان چلا جائے۔ جو شراب، خمیر، دیباچ اور ریشم کو پسند کرتا ہو وہ بصری چلا جائے وہ سدیر چلا جائے۔ جو دلدل میں مضبوط ہونے کا ارادہ کرتا ہو۔ جو قحط سالی میں کھانوں کا متمنی ہو اور کم گہرے پانی میں ٹھہرنے کا خواہاں ہو۔ اسے یشرب کھجوروں والی سرزمین میں چلے جانا چاہیے۔ اہل عمان عمان کی طرف چلے گئے۔ غسان بصری کی طرف چلے گئے۔ اوس، خزرج اور بنو کعب بن عمرو یشرب کی طرف آگئے۔ جب وہ مرکی وادی میں تھے تو بنو کعب نے کہا: ”یہ ایک عمدہ جگہ ہے۔ ہم اس کا بدل نہیں چاہتے اس لیے انہیں خزاہہ کہا جانے لگا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گئے تھے۔ اوس اور خزرج نے مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ جب رب تعالیٰ نے ان کے بقیہ افراد کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کے شہروں کو برباد کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ایک سرخ چوہیا ان بلیوں میں سے ایک بلی کی طرف آئی۔ اس نے بلی پر حملہ کر دیا۔ بلی پیچھے ہٹ گئی۔ وہ اس بل میں گھس گئی جو اس کے پاس تھا۔ وہ بند میں گھس گئی اس میں بل کھودنے لگی۔ حتیٰ کہ اسے سیلاب کے لیے کمزور کر دیا۔ لوگوں کو علم تک نہ تھا جب سیلاب آیا۔ اس نے خالی جگہ پائی۔ وہ اس میں داخل ہو گیا۔ اس نے بند کو جو سے اکھیر پھینکا پانی اموال پر بہہ نکلا وہ اموال اٹھا کر لے گیا۔ صرف

وہی کچھ باقی رہ گیا جس کا تذکرہ رب تعالیٰ نے کیا ہے۔

جب اوس اور خزرج مدینہ طیبہ پہنچے وہ اس کے نشیب و فراز میں منتشر ہو گئے کچھ بنو اسرائیل کے ہمراہ ان کی بستیوں میں ٹھہر گئے۔ کچھ تنہا سیرا کر گئے۔ وہ نہ تو بنو اسرائیل کے ساتھ ٹھہرے اور نہ ہی اہل عرب کے ساتھ قیام کیا۔ مال و دولت بنو اسرائیل میں تھی۔ انہوں نے بستیاں آباد کیں تھیں۔ اوس اور خزرج اتنی دیر ٹھہرے رہے جتنا اللہ رب العزت نے چاہا پھر یہودیوں سے کہا کہ وہ باہم معاہدے کر لیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ امن سے رہیں۔ دیگر اقوام سے اپنا دفاع کر سکیں۔ انہوں نے باہم معاہدے کر لیے اور طویل مدت تک ان پر عمل پیرا رہے۔ اوس اور خزرج امیر بن گئے۔ ان کے پاس اموال آگئے ان کی تعداد کثیر ہو گئی۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر کو یہ خدشہ دامن گیر ہوا کہ وہ ان کے گھروں اور اموال پر غالب آ جائیں گے انہوں نے ان کے لیے غصے کا اظہار کیا۔ انہوں نے معاہدے توڑ دیے۔ اوس اور خزرج اس خدشہ کے پیش نظر گھر میں ٹھہر گئے کہ یہود انہیں جلا وطن نہ کر دیں۔ حتیٰ کہ ان میں مالک بن عجلان پیدا ہوا۔ یہ بنو سلام میں سے ایک شخص تھا۔ اوس اور خزرج نے اسے اپنا سردار بنا لیا۔

یہود کے بادشاہ فطیون نے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ کوئی دہن اپنے خاوند کے پاس نہیں جاسکتی۔ حتیٰ کہ وہ پہلے اس کے پاس آئے۔ جب اوس اور خزرج مدینہ طیبہ آئے تو اس نے یہی قبیح عادت اوس اور خزرج میں بھی جاری کرنے کی کوشش کی۔ مالک بن عجلان کی بہن کی شادی بنو سالم کے ایک شخص کے ساتھ ہوئی۔ فطیون نے اس مقصد کے لیے اپنا ایک قاصد بھیجا۔ مالک غائب تھا گھر میں نہ تھا۔ اس کی بہن نے اس کی تلاش میں آدمی بھیجا۔ اس نے ایک قوم میں اسے پالیا اس نے اسے آواز دی۔ مالک نے اسے کہا: ”تو نے مجھے عار دلانی ہے۔ تو نے مجھے آواز دی ہے تجھے حیا نہیں آئی۔“ اس نے کہا: ”جو میرے ساتھ ارادہ کیا جا رہا ہے وہ اس سے بڑا ہے۔“ اس نے اسے ساری صورت حال بتائی۔ مالک نے کہا: ”میں تجھے اس کے بارے کافی ہو جاؤں گا۔“ بہن نے پوچھا: ”وہ کیسے؟“ اس نے کہا: ”میں عورتوں جیسا لباس پہنوں گا۔ میں تمہارے ساتھ تلوار لے جاؤں گا۔ میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس نے اسی طرح کہا پھر عازم سفر ہو کر شام میں ابو حبیلیہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ایک لشکر جراتیار کیا وہ روانہ ہوا گویا کہ وہ یمن کا ردہ کیسے ہوئے تھا۔ مالک بن عجلان ان کے ہمراہ پوشیدہ تھا۔ وہ ذوحض کے مقام پر پہنچا اور مدینہ طیبہ میں اوس اور خزرج کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ ان کے پاس آگئے۔ پھر بنو اسرائیل کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے کہا جو عطیات لینے کا خواہش مند ہو وہ بادشاہ کے پاس آئے۔ اسے اندیشہ تھا کہ وہ قلعوں میں چھپ نہ جائیں وہ ان پر قادر نہ رہے۔ ان کے مردان کے پاس گئے۔ اس نے انہیں اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ جب سارے جمع ہو گئے تو انہیں قتل کر دیا۔ اوس اور خزرج سارے اہل مدینہ سے معزز ہو گئے۔

دوسرا باب

مدینہ طیبہ کے نام

اسماء کی کثرت مسکنی کے شرف پر دلالت کرتی ہے۔ اسے زرکشی نے اعلان میں ذکر کیا ہے۔ صاحب قاموس نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ السید نے تاریخ میں ۱۹۵ اسماء کا تذکرہ کیا ہے جو یہ ہیں:

اثر ب

یثرب میں ایک لغت یہ بھی ہے۔ یہ اس شخص کا نام تھا جو سب سے پہلے یہاں مقیم ہوا۔ ابو عبیدہ کے نزدیک ساری زمین مدینہ کو یثرب کہا جاتا ہے یا صرف مدینہ طیبہ کو یا صرف اس کے ایک کونے کو یثرب کہا جاتا ہے۔ مدینہ طیبہ پر اس کا اطلاق صحیح روایت سے ثابت ہے۔ یا تو اسے اسی کے لیے وضع کیا گیا تھا یا بعض اسم کا اطلاق کل پر کیا گیا یا یہ اسی طرح مشہور ہو گیا۔ اسے اس نام سے یاد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ارض اللہ

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَأَسِعَتْ فُتُهَا جُرُؤًا فِيهَا (النساء: ۹۷)

ترجمہ: ”کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں۔“

ایک جماعت نے لکھا ہے اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ اس اضافت میں جو تعظیم ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

ارض الہجرۃ

حدیث پاک ہے کہ مدینہ طیبہ اسلام کا قبہ ہے۔

اکالۃ البلدان

سارے شہروں پر اس کے تسلط کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ یہ اطراف کے سارے شہروں سے بلند ہے۔

اکالۃ القری

حدیث پاک ہے: آپ نے فرمایا: ”مجھے اس بستی کا حکم دیا گیا ہے جو بستیوں کو کھا جائے گی۔“

الایمان

ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ - (الحشر: ۹)

ترجمہ: ”اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دارِ ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے۔“

حضرت عثمان بن عبدالرحمان اور حضرت عبداللہ بن جعفر نے کہا ہے کہ رب تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو دار اور الایمان کہا ہے۔ امام بیضاوی نے لکھا ہے: ”مدینہ طیبہ کو ایمان اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایمان کا مظہر اور ملجا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کے فرشتے نے کہا ”میں مدینہ طیبہ میں بسیرا کروں گا۔“ حیاء کے فرشتے نے کہا: ”میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں۔“

البازة، البرة

کیونکہ اس کے فیوض و برکات اہل مدینہ کے لیے خصوصی اور پورے عالم کے لیے عمومی ہیں۔

البحرة، البحيرة

امام زرکشی نے ان تینوں ناموں کا تذکرہ الاعلام میں منتخب کراہ سے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ اذین نے معجم یا قوت سے روایت کیا ہے۔ وسعت کو الاستبحار کہا جاتا ہے کیونکہ یہ وسیع زمین ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا: ”اس بحیرہ (بستی) کے اہل نے اس شرط پر صلح کی ہے کہ وہ اسے پٹی سے باندھ دیں گے۔ جب رب تعالیٰ نے اس کا رد اس حق سے کیا جو آپ کو عطا کیا تو یہ اس سے جگمگا اٹھا۔ اسے البحر بھی کہا جاتا ہے اس کا اصل بستی ہے ہر بستی بحیرہ ہے۔“

البلاط

ابن خالویہ نے اپنی کتاب ”نہیس“ میں اس کا تذکرہ کیا ہے لغت میں اس سے مراد پچھائے ہوئے پتھر ہیں۔ کثیر پتھروں کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

البلد

ارشادِ ربانی ہے:

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ① (البلد: ۱)

ترجمہ: ”میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی۔“

ایک قول میں اس سے مراد مدینہ طیبہ اور دوسرے قول میں اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ یہ سورت مکہ ہے۔

لغت میں اس سے مراد شہروں کا سردار ہے۔

داہلی نے قاضی سے روایت کیا ہے یعنی آپ کے رب نے آپ کے لیے اس شہر کی قسم اٹھائی ہے۔ جسے یہ شرف

حاصل ہے کہ آپ حیاتِ ظاہری میں اس میں جلوہ افروز رہے اور بعد از وصال بھی آپ کی برکات کالبر کرم برتتا رہے گا۔ اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔

بلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الہزار نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شیاطین مایوس ہو چکے ہیں کہ

میرے شہر میں ان کی پوجا کی جائے۔“ یعنی مدینہ طیبہ اور جزیرۃ العرب میں۔ لیکن ان کے مابین لڑائیاں ہوں گی۔

بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ م (الانفال: ۵)

ترجمہ: ”جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے۔“

یہ آپ کے ساتھ اس طرح مختص ہے جس طرح گھر کے مقیم کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔ یا اس سے مراد آپ کا کاشانہ

اقدس ہے۔

تند، تندر، الجابرة

مدینہ طیبہ کے دس ناموں میں اس کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے کیونکہ شکرہ کو جوڑ دیتا ہے۔ فقیر کو غنی کرتا ہے۔ یہ کثرت

برکات اور آیات کے مشاہدات کی وجہ سے تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یا اس نے شہروں کو اسلام لانے پر مجبور کیا۔

جبار، الجبارۃ

یہ تورات سے منقول ہے۔

جزیرۃ العرب

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث پاک ”مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو“ کی شرح میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ باہر نکلا۔ آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا: ”رب تعالیٰ نے اس جزیرہ کو شرک سے بری کر دیا ہے۔“ (ابو یعلیٰ، البراء، الطبرانی)

الجنة الحصدیۃ

اس سے مراد پناہ گاہ ہے۔ یہ نام آپ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے جو آپ نے غزوہ احد کے روز فرمایا تھا۔ ”میں محوڈ ڈھال میں ہوں۔ انہیں مدینہ طیبہ میں آنے دو۔ ہم یہیں ان کے ساتھ لڑیں گے۔“

الحبیب

کیونکہ حضور اکرم ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کے لیے دعا فرماتے ہیں۔

الحرم

یہ تحریم کی وجہ سے حرم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”المدینہ حرمہ“ دوسری روایت میں ہے ”یہ امن عطا کرنے والا حرم ہے۔“

حرم رسول اللہ ﷺ

کیونکہ آپ نے اسے حرم بنایا تھا۔ حدیث پاک میں ہے: ”جس نے میرے اہل حرم کو خوفزدہ کیا۔ اسے اللہ تعالیٰ خوفزدہ کرے گا۔“ دوسری روایت میں ہے ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حرم مکہ مکرمہ اور میرا حرم مدینہ طیبہ ہے۔“

حنتہ

یہ لفظ سینتہ کے مقابلہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَنْبُوْنَتَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۗ (نحل: ۴۱)

ترجمہ: ”تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا دیں گے۔“

یعنی عمدہ پناہ گاہ۔ اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ کا نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ حسن حسنی اور حسن معنوی پر مشتمل ہے۔ یہ قول امام فخر الدین رازی نے نقل کیا ہے۔

الخیرۃ، الخیرۃ

یہ کثیر خیر کے معنی میں ہے۔ حدیث پاک ہے: ”مدینہ طیبہ ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ کاش! وہ جان لیتے۔“

الدار

ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ (الحشر: ۹)

ترجمہ: ”اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دارِ ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں۔“

دارالابرار، دارالمختار

کیونکہ یہ حضرت مصطفیٰ المختار ﷺ اور مہاجرین و انصار کا گھر ہے۔ کیونکہ یہ شریر لوگوں کو باہر نکال دیتا ہے۔ جو شریر یہاں اقامت اختیار کرتا ہے حقیقت میں اس کا گھر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات یہاں دفن کرنے کے بعد بھی مردے کو دوسرے جگہ منتقل کر دیا جاتا ہے۔

دارالایمان

الطبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ اسلام کا قبہ، ایمان کا گھر، ہجرت کی زمین اور حلال اور حرام کا مقام ہے۔“

بزار نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ایمان سمٹ کر مدینہ طیبہ کی طرف اس طرح آجائے گا جس طرح سانپ اپنے سوراخ کی طرف آتا ہے۔“

دارالسنۃ، دارالسلامۃ، دارالفتح

صحیح میں ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا ”حسنی کہ تم مدینہ طیبہ پہنچ جاؤ۔ یہ دارِ ہجرت اور دارِ سنت ہے۔“ اس سے مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ سارے شہر فتح ہوئے۔ حضور نبی مختار ﷺ نے اسی کی طرف ہجرت کی

تھی اسی سے عالم میں سنت پھیلی تھی۔

الدرع الحصینۃ

امام احمد نے صحیح راویوں سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا ہے کہ گویا کہ میں محفوظ ذرہ میں ہوں۔ میں نے محفوظ ذرہ کی تعبیر مدینہ طیبہ سے کی ہے۔“

ذات الحجج، ذات الحرار، ذات النخل

خنافر اور عمران بن عامر کے واقعات پہلے گزر چکے ہیں۔ ”فلیلحق یثرب، ذات النخل“ حدیث پاک ہے ”میں نے ہجرت گاہ کو دیکھا ہے وہ کھجوروں والی اور چٹانوں پر زمین ہے۔“

السلفۃ

اس کا یہ نام تورات سے ماخوذ ہے۔ اس کی وسعت کی وجہ سے اسے مدینہ طیبہ کہا جاتا ہے۔ اس کی شدت گرمی کی وجہ سے اسے یوں کہا جاتا ہے۔

الشافیۃ

حدیث پاک ہے ”اس کی مٹی میں ہر مرض سے شفاء ہے۔ ابن سدی نے لکھا ہے کہ اگر اس کے نام لکھ کر اس شخص کے گلے میں ڈالے جائیں جسے بخار ہو تو رب تعالیٰ اسے شفاء عطا کر دیتا ہے۔ عنقریب یہ بھی آئے گا کہ یہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور گناہوں کی مرض سے نجات عطا کرتا ہے۔“

طابہ

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ آپ نے فرمایا: ”رب تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھا ہے۔“

طیبہ، طیبہ، طائب، المیطیبہ

یہ چاروں الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ یہ صیغہ اور بناء کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ مدینہ طیبہ کے دس نام ہیں۔ یہ مدینہ، طیبہ اور طابہ ہے۔ تورات میں اس کا نام طیبہ اور میطیبہ ہے۔ یہ یا تو الطیب سے مشتق ہے۔ اس کا معنی پاک ہے۔ کیونکہ یہ شرک کی میل کچیل سے پاک ہے۔ یا اس میں وہ ذات والا جلوہ نما ہوئی ہے جو طیب ہے۔ یا یہ بھٹی کی

مانند ہے جو گندگی کو نکال دیتی ہے اور عمدہ کو رکھتی ہے۔

اشبیلی نے لکھا ہے ”مدینہ طیبہ کی مٹی سے ایسی خوشبو آتی ہے جو کسی اور مٹی سے نہیں آتی۔“ یہ امر سارے امور سے عمدہ

ہے۔

بعض اہل علم نے لکھا ہے: ”اس کی ہوا میں اور مٹی میں خوشبو ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نام بجا طور پر درست

ہے۔ کیونکہ جو شخص یہاں قیام کرتا ہے وہ اس کی مٹی اور دیواروں میں ایسی خوشبو پاتا ہے جو اور کہیں نہیں پائی جاتی۔“

طبایا

اسے یا قوت نے لکھا ہے۔ اس سے مراد زمین کا مستطیل قطعہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ طبایا ہو۔ کیونکہ اس جگہ

بہت زیادہ وہ بائیں آتی تھیں۔

العاصمۃ

کیونکہ اس نے مہاجرین کو مشرکین سے بچایا تھا۔ یا یہ محفوظ پناہ گاہ ہے یا یہ معصومۃ کے معنی میں ہے۔ کیونکہ دجال

اور طاعون اس میں داخل نہیں ہو سکتے جو اس کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے ختم کر دیتا ہے۔

العذراء

یہ شہر دشمنوں کے لیے ممنوع تھا حتیٰ کہ اس کے مالک حقیقی حضور اکرم ﷺ اس کے مالک بن جائیں۔

العراء

کیونکہ اس کی بنیاد آسمان کی طرف کم بلند ہے۔

العروض

اس کی پست جگہوں اور وادیوں میں سیلاب کی گزرگاہوں کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

الغراء

یہ الاغر کی تانیٹ ہے۔ پیشانی کی سفیدی کو غراء کہا جاتا ہے۔ ہر چیز میں سے بہترین کو غرہ کہا جاتا ہے۔ انسان کے

چہرے کو غرہ کہا جاتا ہے۔ الاغر ہر چیز میں سے سفید کو کہا جاتا ہے اسی طرح کریم شخص کو، شدید گرمی والے ان کو الاغر کہا جاتا

ہے۔ الغراء ایسی بوٹی ہوتی ہے جس کی خوشبو بہت عمدہ ہوتی ہے۔ اس کی خوشبو کائنات میں پھیل گئی ہے۔ اس کے اصل کی

تعظیم کی گئی ہے۔ اس کے درخت کثیر ہیں۔ اس کا نور سفید ہے اور اس کا اجالا پھیل گیا ہے۔

غلبہ

زمانہ جاہلیت میں اسے اس نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس جگہ یہود نے عمالیق پر غلبہ پایا تھا۔ اوس اور خزرج نے یہود پر قبضہ پایا تھا۔ مہاجرین اوس اور خزرج پر غالب آگئے تھے۔ عجمی مہاجرین پر غالب آگئے تھے۔

الفاضحہ

اس جگہ وہ شخص نہیں چھپ سکتا جس کا عقیدہ فاسدہ ہو۔ جو کبھی کسی معاملہ کو چھپاتا ہے اسے ظاہر کر دیا جاتا ہے جس سے وہ رسوا ہو جاتا ہے۔ یہ اس مفہوم میں ہے کہ یہ خبیث کو باہر نکال دیتا ہے۔

قبة الاسلام

حدیث پاک ہے کہ مدینہ طیبہ اسلام کا قبہ ہے۔

قریۃ الانصار

انصار پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

قریۃ رسول اللہ ﷺ

الطبرانی سے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے کہ پھر دجال آگے بڑھے گا۔ وہ مدینہ طیبہ آئے گا اسے اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔ وہ کہے گا: ”یہ اس شخص (نبی کریم ﷺ) کی بستی ہے۔“

قلب الایمان

ابن جوزی نے اسے المدینۃ قبة الاسلام کی شرح میں لکھا ہے۔

المؤمنۃ

یا تو اس نے حقیقت میں رب تعالیٰ کی تصدیق کی ہوگی۔ اس کی تخلیق ہی اس طرح ہوگی کہ اس نے اس امر کو قبول کر لیا ہوگا۔ جیسے سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا۔ یا اسے یا نام مجاز آدیا گیا ہے کیونکہ اس کے باسی ایمان سے متصف ہیں۔ اس جگہ سے ایمان پھیلا یا یہ مؤمن کے اوصاف پر مشتمل ہے یا اس میں داخل ہونے والا دشمنوں، طاعون اور دجال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ مدینہ طیبہ کی مٹی مؤمنہ ہے۔“ دوسری روایت میں ہے: ”تورات میں اس کا نام مؤمنہ ہے۔“

المبارکۃ

آپ کی دعا کے طفیل رب تعالیٰ نے اس میں برکت ڈالی۔

مبوء الحلال والحرام

الطبرانی کی روایت میں ہے ”المدينة قبة الاسلام“ میوہ تمکن اور استقرار کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ان دونوں امور کا محل ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

مبین الحلال والحرام

اس نام کو ابن جوزی نے لکھا ہے۔

المجبورة

حدیث پاک میں ہے کہ ”مدینہ طیبہ کے دس اسماء ہیں“ یہ اسماء سابقہ کتب سے نقل کیے گئے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ یہ زندہ اور مردہ حالات میں ان کا فیصلہ ہے۔ کیونکہ اس کی وہاں کسی اور جگہ مستقل کر دی گئی اور حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے کئی بار دعا کی۔

المحبة

یہ نام سابقہ کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔

المجبوبة

یہ نام بھی سابقہ کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔

المحبة، المحببة

ان کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے۔ آپ کی اس کے لیے محبت اور دعا مشہور و معروف ہے۔ آپ کی محبت رب تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے۔

المحجورة

یہ الحجرت سے مشتق ہے۔ اس کا معنی مسرور ہے یا الحجرت سے مشتق ہے۔ اس کا معنی نعمت ہے یا اوصاف جمیلہ میں مبالغہ مقصود ہے۔ الحجرت ایسی زمین کو کہا جاتا ہے جہاں نباتات جلدی اگتی ہوں اور کثیر خیرات والی ہو۔

المحزومہ

اس کی حرمت کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔

المحرومۃ

حدیث پاک ہے کہ مدینہ طیبہ ملائکہ سے بھرا ہوا ہے اس کے ہر ہر کونے میں فرشتہ مقرر ہے جو اس کی حفاظت کرتا

ہے۔

المحفوظۃ

یہ برکات اور آسمانی ملائکہ سے محفوظ ہیں۔ حدیث پاک ہے: ”مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ اس طرح آئیں گے کہ ملائکہ نے ان کا گھیرا دیا ہوگا۔“

المحفوظۃ

یہ طاعون اور دجال سے محفوظ ہے۔ روایت ہے کہ چار شہر محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک مدینہ طیبہ ہے۔

المختارۃ

رب تعالیٰ نے اپنے مختار نبی ﷺ کے لیے پسند فرمایا تھا۔

مدخل صدق

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجِ صِدْقٍ وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ

سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ (الاسراء: ۸۰)

مدخل صدق سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔

المدینہ

قرآن پاک میں اس نام کا بار بار تذکرہ ہے۔ تورات میں بھی یہ نام مذکور ہے۔ یہ شہر نبی ﷺ کے لیے علم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ جب اسے مطلق بولا جائے تو ذہن کسی اور کی طرف جاتا ہی نہیں۔ جب اسے نکرہ استعمال کیا جائے تو ہر شہر کا نام ہو سکتا ہے۔ ہر شہر کے لیے نسبت مدینہ ہی ہے جبکہ مدینہ طیبہ کے لیے نسبت مدنی ہے تاکہ ان کے مابین فرق ہو سکے۔

مدینہ رسول اللہ ﷺ

الطبرانی کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے میرے اس شہر میں کوئی واقعہ رونما کیا یا کسی واقعہ کو رونما کرنے والے کو پناہ دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی، اس کے ملائکہ کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔ رب تعالیٰ اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں کرے گا۔“

المرحومۃ

یہ اسم مبارک تورات میں موجود ہے کیونکہ یہ اس ہستی کا گھر ہے جسے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا گیا ہے اس پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

المرزوقۃ

کیونکہ رب تعالیٰ نے اس میں وہ ہستی جلوہ افروز کی جو افضل المخلوق ہے۔ یا اس کے اہل کو رزق دیا جاتا ہے حدیث پاک ہے: ”کوئی بھی اس میں سے نہیں نکلتا مگر رب تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کرتا ہے۔“

مسجد الاقصیٰ

ابن المقفع نے الاشارات میں صاحب المطالع سے نقل کیا ہے۔

المسکینہ

یہ اسم مبارک تورات سے نقل کیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے: ”مدینہ طیبہ کے دس اسماء ہیں۔“ حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کتاب میں فرمایا: ”اے طلحہ! یا طیبہ! یا مسکینہ۔ خزانے قبول نہ کرنا، میں تیری سطحوں کو بستوں کی سطحوں سے بلند کروں گا۔ مسکنت سے مراد خضوع ہے۔ رب تعالیٰ نے اس میں خضوع پیدا فرمایا۔ یا چو

خاشعین اور خاضعین کا مسکن ہے۔

المسلمۃ

یہ مؤمنہ کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں تسلیم و رضا کو پیدا کیا تھا۔ یا اس کے اہل نے سر تسلیم خم کیا تھا۔ ان کا شہر قرآن پاک کے ساتھ فتح ہوا تھا۔

مصحح رسول اللہ ﷺ

آپ نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ میری ہجرت گاہ اور میرا ٹھکانہ ہے۔“

المطیبہ، المقدسة

کیونکہ یہ شرک سے پاک ہے۔ یہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

المقر

السید نے اسے بعض کتب سے نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”اللهم اجعل لنا بها قرارًا و رزقًا حسنًا۔“

المکمان

حضرت سعد بن ابی سرح نے اس وقت کہا تھا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تھا۔ ”وانصارنا بالمکتین قلیل۔“

نصر بن حجاج نے مدینہ طیبہ سے جلاوطن ہونے کے بعد کہا:

فاصبحت منغیا علی غیر ریبۃ و قد کان لی بالمتکین مقام

ترجمہ: ”میں بلاشبہ جلاوطن ہو چکا ہوں پہلے متکین میں میرا مقام ہوتا تھا۔“

السید نے لکھا ہے: ”اس سے یہی ظاہر ہے کہ اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور نصر بن حجاج کا واقعہ اس جگہ رونما ہوا تھا۔ اہل مکہ یہاں آئے تھے اور یہاں غالب آگئے تھے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ یا اس سے مراد مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ ہے۔“

المکینہ

رب تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت بڑا مقام ہے۔

مہاجر رسول اللہ ﷺ

آپ نے فرمایا: ”المدينة مهاجری“

الموفیۃ

یہ حسی اور معنوی طور پر وفدوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے اس کے باشندے اس عہد کو پورا کرتے ہیں جو وہ رب تعالیٰ سے کرتے ہیں۔

الناجیۃ

یہ سرکشوں، طاعون اور دجال سے نجات عطا کرتا ہے۔ یہ بھلائیوں میں جلدی کرتا ہے۔ اس نے اپنی بلند منزلت کی وجہ سے مخلوق میں سے اعلیٰ رتبہ حاصل کر لیا۔

نبلاء

یہ کراع سے نقل کیا گیا ہے۔ الید نے لکھا ہے کہ یہ اللیل سے ماخوذ ہے اس کا معنی فضل اور نجابت ہے۔

النحر

اسکی شدید گرمی کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے یا اس لیے کہ یہ اسلام کے شہروں کی بنیاد ہے۔

الہذراء

ابن نجار نے اسے تورات سے عذراء کی جگہ نقل کیا ہے۔ اسے ذال سے روایت کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں بہت زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ یا کثیر پانی کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔

یشرب

اثر میں ایک لغت یہ بھی ہے۔ اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ حدیث پاک میں اسے اس نام سے یاد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

یندر

اے کراع نے ذکر کیا ہے۔ یہ یا تو اللہ سے مشتق ہے۔ معروف خوشبو کو اللہ کہا جاتا ہے۔ یا اللہ بلند ٹیلے کو کہا جاتا ہے یا اللہ الناز سے مشتق ہے اس کا معنی رزق ہے۔

یندر

بعض کتابوں میں ہے کہ مدینہ طیبہ کے دس نام ہیں۔ بعض کتب میں تند ہے۔ ابن زبالہ نے نو ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن شہبہ نے آٹھ ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے "الدار" کو حذف کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ انہوں نے اسے الدار اور الایمان کا نام دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے۔ پہلی حدیث میں آٹھ ناموں کا تذکرہ ہے۔ اس حدیث پاک میں دو نام آئے ہیں۔ "خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دس اسماء ہیں یا نہیں۔ ابن زبالہ نے نو نام لکھے ہیں۔ انہوں نے الدار کا اضافہ کیا ہے اور دسوں کو حذف کر دیا ہے۔ ابن زبالہ نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز بن الدار وردی نے لکھا ہے "مجھ تک یہ پہنچا ہے کہ تورات میں مدینہ طیبہ کے چالیس نام ہیں۔" زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ طیبہ کے چالیس نام ہیں۔ انہوں نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "مدینہ طیبہ کے دس نام ہیں وہ یہ ہیں: "المدینہ، طیبہ، طلبہ، مسکینہ، جابرة، مجبورة، یندو، یشرب، کدار۔"

حضرت ابراہیم بن حسن سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مدینہ طیبہ کے دس نام ہیں: "المدینہ، طیبہ، طلبہ، المسکینہ، الجابرة، المجبورة، المرحومة، العذراء، المحبوبة، القاصمة۔"



مدینہ طیبہ کا نام یثرب رکھنے کی ممانعت

امام احمد، امام مالک، شیخان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے ایسے شہرہ کا حکم دیا گیا ہے جو شہروں کو کھا جائے گا۔ اسے یثرب کہا جاتا ہے۔ یہ مدینہ طیبہ ہے یہ لوگوں سے میل کچیل اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو دور کرتی ہے۔“

امام احمد، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے جمہور سے روایت کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہا وہ رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔ یہ طابہ ہے یہ یہ طابہ ہے۔“ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو اسے یثرب کہے اسے تین بار مغفرت طلب کرے۔ یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے۔“

امام عیسیٰ بن دینار نے لکھا ہے: ”جس نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہا اس کی خطا لکھی جائے گی۔ اسی لیے امام، علامہ شیخ کمال دمیری نے اپنی منظوم کتاب الحج میں لکھا ہے:

و من دعاها یثربا یتغفر
فقوله خطیئة لتنظر

جس نے اسے یثرب کہا وہ مغفرت طلب کرے۔ اس کا یہ قول خطا ہے اسے غور کرنا چاہیے اس کراہت کا سبب یہ ہے یہ یا تو الشرب سے مشتق ہے۔ اس کا معنی فساد ہے یا یہ تثریب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے گناہوں کا مواخذہ کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمدہ نام پسند کرتے تھے۔ اس لیے آپ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا ہے۔ قرآن پاک میں یثرب نام منافقین کی حکایت کرتے ہوئے درج کیا گیا ہے۔ جہاں تک آپ کے اس فرمان کا تعلق ہے: ”میرا خیال مجھیا کہ یہ ہمامہ یا ہجر ہے یہ یثرب ہے“ میں اسے یثرب ہی گمان کرتا ہوں“ یہ اس ممانعت کے پہلے کے فرمان ہیں۔



آپ کے اس شہرِ خوباں سے محبت، اس کے لیے دعا اور آپ کی دعا کے طفیل و باء کا ختم ہو جانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے جب مدینہ طیبہ کی دیواروں پر نظر پڑتی۔ (جب اس کے درختوں پر نظر پڑتی) تو مبارک شانوں سے چادر مبارک اتار لیتے۔ فرماتے: ”یہ پاکیزہ ارواح ہیں۔ اپنی سواری کو تیز چلاتے۔“ سواری کو مدینہ طیبہ کی محبت کی وجہ سے تیز چلاتے۔ مدینہ طیبہ کو دیکھ کر یہ دعا مانگتے۔

”مولا! یہاں ہمارے لیے چین و قرار اور عمدہ رزق بنا دے۔“

امام احمد، امام مسلم اور امام بخاری نے لکھا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں ساری روئے زمین سے بڑھ کر بخاری و باء آتی تھی۔ اس کی وادیوں میں بہنے والا پانی کا ذائقہ اور بوی صحیح نہ تھی۔ جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ کرام بیمار ہو گئے۔ لیکن رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محفوظ رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ایک ہی گھر میں تھے۔ انہیں بخار نے آیا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تاکہ ان کی عیادت کر آؤں۔ آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ میں عیادت کرنے ان کے پاس گئی۔ یہ پردہ کی آیات کے نزول سے پہلے کی بات ہے انہیں بہت شدید بخار تھا۔ میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ میں نے پوچھا: ”والد گرامی! آپ کیسے ہیں؟“ انہوں نے کہا:

کل امرئ مصبح فی اہلہ . والموت ادنی من شرک نعلہ .

ترجمہ: ”ہر شخص اپنے اہل خانہ کے پاس صبح کرتا ہے۔ حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی قریب ہوتی ہے۔“

انہوں نے کہا: ”میں نے کہا: ”بخدا! میں نہیں جانتی کہ میرے والد گرامی کیا کہہ رہے ہیں؟“ میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے قریب آئی۔ میں نے عرض کی: ”عامر! آپ خود کو کیسے پاتے ہیں؟“ انہوں نے کہا:

لقد وجدت الموت قبل ذوقه ان الجبان حتفه من فوقه

كل امری مجاہد بطوقه كالشور یحمی جلدہ بروقہ

ترجمہ: ”میں نے موت سے پہلے ہی اس کا ذائقہ چکھ لیا۔ بزدل کی موت اس کے اوپر سے آتی ہے۔ ہر شخص اپنی قوت کے مطابق سعی کرتا ہے۔ جیسے کہ بیل اپنے سینگوں سے اپنا تحفظ کرتا ہے۔“

انہوں نے فرمایا: ”میں نے کہا: ”بخدا! میں نہیں جانتی کہ عامر کیا کہہ رہے ہیں؟“ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہما کا بخار اترتا تو وہ گھر کے صحن میں آکر لیٹ جاتے۔ پھر بلند آواز سے یہ اشعار پڑھتے:

الالیة شعری هل ابیتن لیلة بواد حولی اذخر و جلیل

و هل اردن یومًا میاه مجنّة و هل یبدون لی شامة و طفیل

ترجمہ: ”مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں وادی میں ایک رات بسر کر سکوں گا۔ جبکہ میرے ارد گرد اذخر اور جلیل ہوں

گے۔ کیا میں کسی روز مجنہ کے چشمہ پر فروکش ہوں گا۔ کیا میرے لیے کسی روز شامہ اور طفیل ظاہر ہوں گے۔“

ام المؤمنین رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”میں نے اس امر کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ میں نے عرض کی: ”انہیں شدید

بخار کی وجہ سے علم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟“ آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور یہ دعا مانگی: ”مولا! مدینہ طیبہ کو

ہمارے ہاں اس طرح محبوب بنادے جس طرح مکہ مکرمہ محبوب ہے۔ یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔ اس کی آب و ہوا کو

صحت مند بنادے۔ ہمارے لیے اس کے صاع اور مد میں برکت کر دے۔ اس کی و باء کو جحفہ کی طرف منتقل کر دے۔ آپ

جحفہ کے چشمے عین خم سے پانی پینے سے اجتناب کرتے تھے۔

امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ اور محمد بن حسن مغزومی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے ایک سیاہ عورت دیکھی جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ مدینہ طیبہ سے نکلی

وہ جحفہ چلی گئی۔ میں نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ مدینہ طیبہ کی و باء جحفہ منتقل ہو گئی ہے۔“ ابن بکار نے حضرت عروہ بن زبیر

سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ایک دن وقت صبح ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ وہ مکہ مکرمہ کے رستہ

سے آیا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: ”کیا تم نے کسی سے ملاقات کی ہے؟“ اس نے عرض کی: ”نہیں! یا رسول اللہ صلی اللہ

علیک وسلم! سوائے ایک کالی عریاں عورت کے۔ اور کسی سے ملاقات نہیں کی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔“ آپ

نے فرمایا: ”یہ بخار تھا آج کے بعد وہ ادھر نہیں آئے گا۔“ موسیٰ بن محمد نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ جب حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیمار ہو گئے۔ ایک شخص آیا۔ اس نے ایک مہاجر عورت سے

نکاح کر لیا۔ حضور اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ پھر فرمایا: ”اے لوگو! اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے (آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا) جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے لیے ہوگی۔ اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے لیے ہوگی۔ جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہوگی۔ وہ اس کی تلاش میں ہوگا۔ یا عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی جس کے لیے وہ ہجرت کرے گا۔“ پھر آپ نے دست اقدس بلند کیے اور عرض کی: ”مولا! اس کی و باء کو ہم سے کسی اور جگہ منتقل کر دے۔“ آپ نے تین بار اسی طرح کہا۔ وقت صبح آپ نے فرمایا: ”میرے پاس آج رات بخار کولا یا گیا۔ وہ کالی سیاہ بڑھیا تھی۔ اس نے اپنے کپڑے اٹھا رکھے تھے۔ وہ اس کے سامنے تھی جو اسے لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا: ”یہ بخار ہے اس کے بارے آپ کی کیا رائے ہے؟“ میں نے کہا: ”اسے خم میں رکھ دو۔“

امام بیہقی نے حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہما سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مدینہ طیبہ کی و باء معروف تھی۔ اگر کوئی وادی و باء زدہ ہوتی اس پر سے انسان گزرتا۔ اسے کہا جاتا: ”گدھے کی طرح رینگو۔ اگر وہ اس طرح کرتا تو یہ و باء اسے کوئی نقصان نہ دیتی۔ شاعر نے کہا:

لعبری لئن عشرت من خشية الردی نہیق الحمار انبی لجزوع

ترجمہ: ”مجھے اپنی زندگانی کی قسم! اگر میں ہلاکت کے اندیشے سے اسی طرح رینگوں جس طرح گدھا رینگتا ہے تو میں گھبرایا ہوا ہوں گا۔“

ہشام نے کہا: ”جب کوئی بچہ جحفہ میں پیدا ہوتا وہ بالغ نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ بخار اسے آلیتا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مدینہ طیبہ آئے۔ تو انہیں مدینہ طیبہ کے بخار نے آکھا۔ مرض نے انہیں تھکا دیا۔ رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام جنی بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام اسی طرح بیٹھ کر نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”جان لو! کھڑے ہو کر پڑھنے والے کا ثواب بیٹھ کر پڑھنے والے سے دوگنا ہے“ مسلمان کمزوری اور بیماری کے باوجود کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگی: ”مولا! تو نے جو برکت مکہ معظمہ میں ڈالی ہے اس سے دوگنی برکت مدینہ طیبہ میں ڈال دے۔“

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو حرم بنایا تھا۔ میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں۔ میں اس کے مد اور اس کے صاع کے بارے اسی طرح دعا کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا مانگی تھی۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عرض کی: ”مولا! میں مکہ کی طرح اہل مدینہ کے لیے بھی تجھ سے دعا مانگتا ہوں۔“ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں: ”ہم اس کا اعتراف کرتے تھے ہم کو مد اور صاع اسی طرح کافی ہو جاتے تھے جس طرح مکہ مکرمہ میں کافی ہو جاتے تھے۔“

حضرت زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان بکریوں کے لیے دعا یہ مانگی جو مدینہ طیبہ میں چرتی تھیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا مانگی ”مولا! ابراہیم تیرے بندے اور خلیل تھے انہوں نے اہل مکہ کے لیے برکت کی دعا مانگی۔ میں (جان عالم) محمد (ﷺ) ہوں۔ میں تیرا بندہ اور رسول ہوں میں مدینہ طیبہ کے بایوں کے لیے دعا کرتا ہوں تو ان کے صاع اور مد میں برکت ڈال دے جس طرح کی برکت تو نے اہل مکہ کے لیے ڈالی تھی۔ اس برکت کے ساتھ ساتھ دو برکتیں اور ڈال دے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب پہلا پھل پک کر تیار ہوتا تو لوگ اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتے۔ حضور اکرم ﷺ اسے لے لیتے۔ اپنے چشمان مقدس پر لگاتے۔ پھر یہ دعا مانگتے: ”مولا! ہمارے پھل میں برکت ڈال۔ ہمارے مدینہ میں ہمارے لیے برکت ڈال۔ ہمارے صاع میں ہمارے لیے برکت ڈال۔ ہمارے مد میں ہمارے لیے برکت ڈال۔ مولا! حضرت ابراہیم تیرے بندے، خلیل اور نبی تھے انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی تھی۔ میں اسی طرح کی دعا مدینہ طیبہ کے لیے کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ اسی کی مثل کی دعا کرتا ہوں۔“ پھر آپ سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ پھل اسے عطا کر دیتے۔

تنبیہات

- ❖ یہ حدیث پاک تقاضا کرتی ہے کہ جب بھی کوئی پھل پک کر تیار ہو جاتا تو اسے آپ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا۔ آپ اس کے لیے دعا مانگتے۔
- ❖ آپ مدینہ طیبہ سے محبت کرتے تھے اس لیے آپ بار بار اس کے لیے دعا مانگتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ دعا پہلی دفعہ ہی قبول ہو گئی تھی۔ مزید حصول کے لیے بار بار دعا مانگتے تھے۔
- ❖ دباہ عمومی امراض کا نام ہے یہ طاعون سے اعم ہے۔ یہ اس امر کے منافی نہیں ہے کہ آپ نے طاعون کے نہ آنے کی دعا مانگی تھی۔ کیونکہ یہ نبی سے پہلے کی بات ہے یا یہ کہ یہ نبی طاعون کے ساتھ ہو۔ یا پھیلنے والی موت کے ساتھ

مختص ہو۔ مرض کے ساتھ مختص نہ ہو۔ خواہ وہ عام ہو۔

◆ حدیث پاک میں مذکورہ برکت دین و دنیا کو شامل ہے۔ کیونکہ اس سے مراد نمو اور زیادتی ہے۔ یہ برکت کیلی چیزوں میں حاصل ہے۔ اس حیثیت سے کہ ایک مدد کافی ہو جاتا ہے جو اسی کے علاوہ کہیں اور کافی نہیں ہوتا۔ یہ امر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جو وہاں بسیرا رکھتا ہو۔

◆ مدینہ طیبہ سے وباء کا منتقل ہو جانا بہت بڑا معجزہ ہے۔ کیونکہ سارے اطباء بھی اس پر قادر نہیں ہیں۔ امام نووی نے لکھا ہے ”یہ آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ان دنوں میں جحفہ و بواء زدہ ہو گیا تھا۔ جو بھی اس کا پانی پیتا تھا اسے بخار آلیتا تھا۔“ خطابی نے لکھا ہے کہ اس وقت اہل جحفہ یہودی تھے۔



آپ کی دعا کے طفیل مدینہ طیبہ کا دجال اور طاعون سے محفوظ ہو جانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ کے رستوں پر فرشتے مقرر ہیں۔ جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ طاعون اور دجال مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”دجال عنقریب ہر شہر کو روندھ ڈالے گا سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے ان کے رستوں میں سے ہر ہر رستے پر فرشتے پرے باندھے کھڑے ہیں جو ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ وہ سختہ اترے گا۔ مدینہ طیبہ اپنے اہل کے ساتھ تین دفعہ لرزائے گا۔ ہر منافق اور کافر دجال کی طرف چلا جائے گا۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”سبح الدجال کا رعب مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوگا۔ اس روز مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے۔ ہر دروازے پر دو فرشتے مقرر ہوں گے۔ (بخاری)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث مروی ہے کہ دجال نے کہا: ”عنقریب مجھے باہر نکلنے کا اذن دیا جائے گا۔ میں باہر نکلوں گا۔ زمین پر چلوں گا۔ میں چالیس روز میں ہر شہر میں جاؤں گا۔ مگر میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکوں گا۔ انہیں مجھ پر حرام کر دیا گیا ہے۔ میں جب بھی ان میں سے کسی ایک میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا تو مجھے ایک فرشتہ ملے گا جو اپنے ہاتھ میں تلوار سونٹے ہوگا۔ وہ مجھے ان سے دور کر دے گا۔ ان کے ہر ہر رستے پر فرشتے مقرر ہیں جو ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے اپنا عصا مبارک منبر پر مار کر فرمایا: ”یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے۔“ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”دجال مدینہ طیبہ کی طرف آئے گا۔ وہ ملائکہ کو پائے گا۔ وہ اس کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ دجال اور طاعون اس کے قریب تک نہ جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا فرمان ”ان شاء اللہ“ تبرک اور اس پر یقین کے لیے ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”دجال آئے گا لیکن مدینہ طیبہ کے رستوں میں داخل ہونا اس کے لیے حرام ہوگا۔ وہ اس باخ جگہ پر اترے گا جو مدینہ طیبہ کے ساتھ ملی ہے۔ ایک شخص اس کے پاس جائے گا۔ وہ لوگوں میں سے بہترین ہوگا۔ وہ کہے گا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی

دجال ہے جس کے بارے ہمیں حضور اکرم ﷺ نے بتا دیا تھا۔ دجال کہے گا ”تمہار کیا خیال ہے اگر میں اسے قتل کر دوں پھر اسے زندہ کر دوں تو کیا تمہیں میرے معاملہ میں کوئی شک رہے گا؟ لوگ کہیں گے ”نہیں“ وہ اسے قتل کرے گا پھر اسے زندہ کرے گا۔ وہ شخص کہے گا۔ ”بخدا! تیرے بارے جتنی بصیرت آج مجھے حاصل ہوئی ہے پہلے حاصل نہ تھی۔“ دجال اسے دوبارہ قتل کرنے لگے گا لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔“ (بخاری)

تنبیہات

صحیح احادیث میں تذکرہ ہے کہ طاعون شہادت ہے۔ اگر اس طرح ہے تو پھر اسے دجال کے ساتھ کیوں ملا دیا گیا ہے۔ اور مدینہ طیبہ کی توصیف یوں کیوں بیان کی گئی ہے کہ طاعون کا مرض اس میں داخل نہ ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا رحمت اور شہادت ہونے سے مراد اس کی توصیف مقصود نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے شہادت اور رحمت اس پہ مرتب ہوتی ہیں۔ اس سے پیدا ہوتی ہیں یہ ان کا سبب ہے جب یہ امر محکم ہوگا اور اسی طرح وہ احادیث جو طاعون عموماً اس کے بارے وارد ہیں۔ ان سے مدینہ طیبہ کی توصیف ظاہر ہوتی ہے کہ طاعون کا مرض اس شہر خوباں میں داخل نہ ہوگا۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ کفار کے جنات اور شیاطین مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی اتفاق سے داخل بھی ہو جائے تو پھر وہ رب تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے کسی ایک کو طاعون میں مبتلا نہیں کر سکتے۔

اگر کہا جائے کہ جنات کا طاعون میں مبتلا کرنا یہ اس امر کے ساتھ مختص نہیں ہے کہ ان کے کفار کی طرف سے مؤمن انسانوں میں ہو۔ بلکہ یہ مؤمن جنات کی طرف سے کفار انسانوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ جب مدینہ طیبہ میں کفار جنات داخل نہیں ہو سکتے تو ان جنات کو منع نہیں کیا جاسکتا جو اہل ایمان ہیں کہ وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کافر انسان مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ وہ مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو اسلام کا اظہار کرے۔ اس پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں۔ وہ شخص جس کا اسلام خالص نہ ہو وہ خالص کے تابع ہو گیا۔ لہذا اس سے امن حاصل ہو گیا کہ جنات ان کے پاس نہیں جاسکتے۔ اس لیے اس شہر مبارک میں طاعون نہیں آسکتی۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ جواب اس جواب سے احسن ہے جو انہوں نے ”المفہم“ میں لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ”اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح کا طاعون مدینہ طیبہ میں نہیں پھیلے گا جس طرح عموماً اس اور حارف میں طاعون پھیلا تھا۔“ یہ جواب اس صورت میں ہوگا جب طاعون میں سے کچھ نہ کچھ آنے کو مقدر سمجھا جائے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ

رحمت کا سبب طاعون میں منحصر نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے دعا میں عرض کی تھی: ”مولا! تیری طرف سے عافیت میرے لیے زیادہ وسعت رکھتی ہے۔“ مدینہ طیبہ کے خصائص میں سے ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی تھی۔

المصنف نے یہ جواب دیا کہ اس سے مراد طاعون کا تھوڑا پھیلنا ہے۔ یعنی اتنا طاعون نہیں پھیلے گا۔ جو اس کے اہل کو برباد کر دے۔ ایک جواب یہ ہے طاعون کے عوض انہیں بخار دے دیا گیا۔ کیونکہ طاعون مدتوں بعد آئے گا۔ جب کہ بخار کا ہے بگاڑ ہے اتار ہے گا۔ الحافظ نے لکھا ہے ”جب میں نے حضرت ابوالمسیب کی روایت پڑھی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”حضرت جبرائیل امین بخار اور طاعون لے کر میرے پاس آئے۔ میں نے بخار کو مدینہ طیبہ میں روک دیا اور طاعون کو شام بھیج دیا۔“ تو مجھے یہ جواب دیگر جوابوں سے عمدہ لگا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد قلیل تھی۔ سامان زیست ان کے پاس نہ تھا۔ مدینہ طیبہ کا شہر و باء زود تھا۔ مدینہ طیبہ کو صحت افزاء بنانے کے لیے حال دعا کے مناسب ہو گیا تاکہ وہاں کے باسیوں کے اجسام تندرست ہو جائیں تاکہ وہ کفار کے ساتھ جہاد پر قادر ہو سکیں۔ حضور اکرم ﷺ کو دو امور میں سے ایک پر اختیار دیا گیا۔ جن حضرات کو یہ امراض لاحق ہو جائیں ان سے عظیم ثواب کا وعدہ تھا یہ امراض بخار اور طاعون تھیں۔ آپ نے بخار کو منتخب کر لیا۔ کیونکہ اس کا معاملہ طاعون کے معاملہ سے خفیف ہے کیونکہ طاعون سے عموماً جلد موت واقع ہو جاتی ہے۔ بخار سے عموماً اجسام کمزور ہو جاتے ہیں۔ جب آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا تو آپ نے دعا فرمائی کہ بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ آپ کی دعا قبول کر لی گئی۔ مدینہ طیبہ سارے شہروں سے زیادہ صحت افزاء مقام بن گیا۔ جب رب تعالیٰ ان میں سے کسی ایک کو مارنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسے وہ طاعون لگ جاتی ہے جو اسے مرتبہ شہادت پر فائز کر دیتی ہے۔ یہ ایک عظیم منصب ہے۔ جو اس سعادت سے رہ گیا۔ اسے بخار آلیتا۔ بخار بھی آگ میں سے مومن کا حصہ ہوتا ہے بخار کا ایک دن ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔

آپ کی دعا کی قبولیت کی وجہ سے مدینہ طیبہ کو یہ سعادت آپ کے وصال کے بعد بھی حاصل رہی۔ مکہ مکرمہ بھی اس سعادت میں شامل ہو گیا۔ ماضی میں یہاں کبھی بھی طاعون کا مرض نہیں پھیلا۔ یہ بات ابن قتیبہ نے معارف میں لکھی ہے۔ ایک جماعت نے ان سے نقل کی ہے۔ اور امام نووی کے زمانہ تک اسے برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے کتاب الاذکار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن کہا گیا ہے کہ اس کے بعد ایک دفعہ ۷۷۹ء میں یہاں طاعون کا مرض پھیلا تھا۔ اس زمانہ کے لوگوں میں سے بعض نے اس کی سزا لکھی ہے۔

طاعون کا مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہونا آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ کیونکہ سارے اطباء مل کر بھی شہروں میں سے کسی ایک شہر سے اسے دور نہیں کر سکتے نہ ہی کسی بستی سے دور کر سکتے ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کی دعا کے طفیل مدینہ طیبہ کو اس سے محفوظ کر دیا گیا۔

احادیث طیبہ کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دجال سارے شہروں میں داخل ہوگا۔ جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔ ابن حزم نے اسے شاذ لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: ”اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اور اس کا لشکر اچانک داخل ہوں گے۔ گویا کہ انہوں نے اس امکان کو بعید سمجھا ہے کہ دجال سارے شہروں میں داخل ہو۔ کیونکہ اسے تھوڑی سی مدت نصیب ہوگی۔ لیکن وہ اس روایت سے آگاہ نہ ہو سکے جو مسلم شریف میں ہے کہ اس کے بعض دن ایک سال کے برابر ہوں گے۔“



مدینہ طیبہ میں قیام کرنے، اسی جگہ مرنے اور اس کے مصائب پر صبر کرنے کی ترغیب

حضرت صمیۃ اللیثیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا ”تم میں سے جس کو یہ طاقت حاصل ہو کہ وہ مدینہ طیبہ میں ہی مرے تو اسے وہاں ہی مرنا چاہیے جو وہاں مرتا ہے اس کی شفاعت کی جاتی ہے یا اس کے لیے گواہی دی جاتی ہے۔ (ابن حبان، بیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جو مدینہ طیبہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس شہر خوباں میں ضرور مرے۔ جو اس میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔“ (امام احمد، ترمذی، ابن حبان)

حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا۔ آپ نے فرمایا: ”یمن فتح ہوگا۔ ایک قوم اپنے اہل خانہ اور اپنے پیرو کاروں کے ہمراہ اونٹوں کو ہانکتے ہوئے مدینہ طیبہ سے نکل جائے گی۔ مدینہ طیبہ ہی ان کے لیے بہتر ہے کاش وہ جان لیتے۔ عراق فتح ہوگا۔ ایک قوم اپنے اہل خانہ اور اطاعت گزاروں کے ساتھ اس طرف نکل جائے گی۔ مدینہ طیبہ ہی ان کے لیے بہتر ہے کاش وہ جان لیتے۔“

امام احمد، بزار، امام مسلم، امام الطبرانی نے حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو ایوب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابواسد الساعدی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں فتوحات ہوں گی۔ دجال ان کی طرف نکلے گا۔“ دوسرے الفاظ میں ہے: ”لوگ خوشحالی چاہتے ہوئے شاداب علاقوں کی طرف نکلیں گے۔ وہ خوشحالی پالیں گے۔“ دوسرے الفاظ میں ہے: ”انہیں کھانا، لباس اور سواری مل جائے گی۔ انہیں کہا جائے گا، ہماری طرف آؤ۔ تم حجاز کی قحط زدہ سرزمین میں ہو۔ مدینہ طیبہ ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ کاش وہ جان لیتے۔“ بعض الفاظ میں ہے: ”وہ اپنے حاجیوں اور عمرہ کرنے والے بھائیوں کے پاس سے گزریں گے۔ وہ انہیں کہیں گے۔“ تم اس بھوک اور تنگدستی میں کیوں قیام کر رہے ہو۔“ آپ نے فرمایا: ”ان میں سے بعض چلے جائیں گے۔ بعض ٹھہرے رہیں گے۔“

آپ نے کئی بار اسی طرح فرمایا۔ پھر فرمایا: ”مدینہ منورہ ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ جو اس میں قیام کرتا ہے۔ وہ اس کی تنگدستی اور شدت کے باوجود ثابت قدم رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت آجاتا ہے میں روزِ حشر اس کا شفیع یا شہید (گواہ) ہوں گا۔ بخدا! جو بھی اس سے اعراض کرتے ہوئے اسے چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کر دیتا ہے۔ مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل نکال دیتی ہے۔ قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ مدینہ طیبہ خود سے شریر لوگوں کو اس طرح نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگار کو نکال دیتی ہے۔“ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرا جو امتی مدینہ طیبہ کی تنگی اور شدت پر صبر کرتا ہے میں روزِ حشر اس کی شفاعت کروں گا۔“ (مسلم)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگتے تھے ”مولا! مجھے اپنے رستہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک میں موت عطا فرما۔“ (بخاری)

یحییٰ بن سعید سے مرسل روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ سے بڑھ کر روئے زمین کا کوئی ٹکڑا مجھے پسند نہیں جہاں میری قبر انور بنے۔“ آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ (مؤطا امام مالک)

حضرت ابوسعید المہری کے غلام سے روایت ہے کہ وہ حرّۃ کی راتوں میں سے ایک رات حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ سے چلے جانے کے بارے مشاورت کی۔ اس کی تنگی اور کثرت عیال کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا: ”اب اس کی تنگی اور شدت پر وہ مزید صبر نہیں کر سکتے۔“

حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا: ”تمہارے لیے ہلاکت! میں تمہیں یہ مشورہ نہیں دے سکتا۔ مدینہ طیبہ کو لازم پکڑ لو۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے ”جو بھی اس کی شدت پر صبر کرتے ہوئے مر جائے گا میں روزِ حشر اس کا شفیع یا گواہ بنوں گا۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔“

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ اہل مدینہ کے ساتھ جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے آگ میں اس طرح پگھلائے گا جس طرح سیدہ آگ میں پگھل جاتا ہے یا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: ”جو شخص بھی مدینہ طیبہ کی سختی اور تنگی پر صبر کرے گا روزِ حشر میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا۔“ (مسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کی مدینہ طیبہ میں کوئی اصل ہو وہ اس سے مضبوطی کے ساتھ چمٹا رہے۔ جس کی وہاں اصل نہ ہو وہ وہاں اپنی اصل بنالے۔ لوگوں پر ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ جس کی وہاں اصل نہ ہوگی گویا کہ وہ اس سے نکلنے والا اور غیر کی طرف جانے والا ہوگا۔“ امام زہری نے مرسل روایت کیا ہے کہ مکہ

مکہ میں اموال نہ بناؤ۔ اپنی ہجرت گاہ میں اموال بناؤ انسان اپنے مال کے ساتھ ہوتا ہے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے ایسے شہر کا حکم دیا گیا جو شہروں کو کھا جائے گا۔ اسے شرب کہا جاتا ہے حالانکہ وہ مدینہ طیبہ ہے وہ لوگوں کو اس طرح پاک کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے زنگار کو دور کرتی ہے۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ اسے بخار نے آلیا۔ اس نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیعت واپس کریں۔“ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ وہ پھر حاضر خدمت ہوا۔ اس نے عرض کی: ”میری بیعت واپس کر دیں۔“ آپ نے انکار کر دیا۔ وہ اعرابی مدینہ طیبہ سے باہر نکل گیا۔ آپ نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے جو اپنی گندگی کو باہر نکال دیتی ہے اور عمدہ چیز کو خالص کر دیتی ہے۔“

(امام مسلم، امام بخاری)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مدینہ منورہ“ طیبہ“ ہے۔ یہ گندگی کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی چاندی کی میل کچیل نکال دیتی ہے۔“ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے قلعوں کو گرا دیا جائے۔ امام بزار نے حسن سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”مدینہ طیبہ میں گرانی ہوگی۔ حالات مشکل ہو گئے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”صبر کرو۔ خوش ہو جاؤ۔ میں نے تمہارے صاع اور مد میں برکت کی دعا کر دی ہے۔ کھاؤ۔ گروہ بندی نہ کرو۔ ایک فرد کا کھانا دو کو، دو افراد کا کھانا چار کو اور چار افراد کا کھانا پانچ چھ افراد کو کافی ہو جائے گا۔ برکت جماعت میں ہوتی ہے۔ جس نے اس کی شدت اور تنگی پر صبر کیا روز حشر میں اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔ جو اس سے اعراض کرتے ہوئے نکلے گا۔ رب تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کر دے گا۔ جو اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا۔ رب تعالیٰ اسے اس طرح پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھلتا ہے۔“

امام بخاری نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مدینہ منورہ طیبہ ہے یہ گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی چاندی کی میل کچیل کو دور کرتی ہے۔“

تنبیہات

❖ قاضی بیہد نے لکھا ہے کہ آپ کے فرمان ”کنت شہیدا او شفیعاً“ کے بارے مجھ سے بہت پہلے سوال کیا گیا۔ نیز یہ کہ اس جگہ آپ نے اہل مدینہ کو شفاعت کے لیے کیوں مخصوص کیا۔ حالانکہ آپ کی شفاعت عام ہوگی اور

آپ کی ساری امت کو شامل ہوگی؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جگہ "أَوْ شَكَكَ" کے لیے نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا موقف اس کے برعکس ہے اس روایت کو حضرات جابر، ابو ہریرہ، ابو سعید، سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، صفیہ بنت ابی عبید اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہم نے اسی لفظ سے روایت کیا ہے۔ یہ بعید از قیاس ہے کہ سب نے اسے اسی لفظ سے روایت کیا ہو۔ یا ان کے راویوں نے شک کے لفظ پر اتفاق کر لیا ہو اور یہ ایک ہی صیغہ سے واقع ہوا ہو۔ بلکہ ظاہر یہی ہے کہ آپ نے اسی طرح فرمایا ہے یا تو آپ ہی اس جملے کے بارے سب سے زیادہ جانتے ہیں یا اذ تقسیم کے لیے ہے۔ یعنی حضور اکرم ﷺ بعض اہل مدینہ کے لیے شفیع اور بعض کے لیے گواہ ہوں گے۔ آپ اطاعت گزاروں کے لیے گواہ اور گناہ گاروں کے لیے شفیع ہوں گے۔ یا جو آپ کی حیات طیبہ میں وصال کرے گا آپ اس کے لیے گواہ جو آپ کے بعد وصال کرے گا آپ اس کے لیے شفیع ہوں گے۔ یہ خصوصیت اس شفاعت سے زائد ہوگی جو عام گناہ گاروں کے لیے ہوگی۔ یہ اس گواہی سے زائد ہوگی جو عام امت کے لیے ہوگی۔ جیسے کہ آپ نے احد کے شہداء کے بارے فرمایا تھا: "میں ان پر گواہ ہوں۔" یہ ان کے بلند مقام کی وجہ سے ان کے لیے تخصیص ہوگی یا اذ کے معنی میں ہے آپ اہل مدینہ طیبہ کے لیے عام شفیع اور گواہ ہوں گے۔ اگر اذ کو شک کے لیے بنایا جائے۔ جیسے کہ بعض حضرات کا موقف ہے اگر یہ صحیح لفظ ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے۔ یہ شفاعت عامہ سے زائد ہوگی۔ ورنہ یہ شفاعت اس شفاعت عامہ سے جدا گانہ ہوگی جو ساری امت کو شامل ہوگی۔ جو امت کو آگ سے نکلنے کے لیے ہوگی۔ یا آپ کی شفاعت سے آپ کی بعض امت کو آگ سے نکال دیا جائے گا۔ یہ شفاعت اہل مدینہ کے درجات کی بلندی کے لیے ہوگی۔ یا حساب میں تخفیف کے لیے ہوگی۔ اس کے ساتھ رب تعالیٰ انہیں گونا گوں نعمتوں سے نوازے گا۔

آپ نے فرمایا: "تنفی الناس" بعض روایتوں میں "الرجال" کا لفظ ہے۔ قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "یہ آپ کے عہد ہمایوں کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ ہجر پر اور آپ کے ہمراہ ٹھہرنے پر صرف اسی نے صبر کیا جس کا ایمان محکم تھا۔" امام نووی نے لکھا ہے "اس موقف کا تعلق حدیث پاک کے ظاہر کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ مدینہ طیبہ شریوں کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل پچیل کو دور کر دیتی ہے۔ دجال کے زمانہ میں اس طرح ہوگا۔ واللہ اعلم۔" الحافظ نے لکھا ہے: "یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں زمانے مراد ہوں۔ مذکور سبب کی وجہ سے آپ کی حیات طیبہ میں معاملہ اسی طرح ہو۔ اس کی تائید اس اعرابی کا قصہ بھی کرتا ہے جس نے آپ سے بیعت واپس کرنے کے لیے کہا تھا۔ آپ نے اعرابی کے نکل

جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ حدیث پاک بیان کی۔ پھر آخری زمانہ میں بھی اسی طرح ہو۔ جب دجال آئے گا زمین اپنے مکینوں کے ساتھ لرز اٹھے گی۔ ہر منافق اور کافر دجال کے پاس چلا جائے گا۔

الہیڈ نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ نے کامل خبث والوں کو اس سے دور کر دیا۔ وہ کفار تھے ان کے علاوہ جو (منافق) یہاں مرے گا تو ملائکہ اسے دوسری جگہ منتقل کر دیں گے۔ جیسے کہ الاقشہری نے اشارہ کیا ہے۔ اس سے مراد خبث کامل والے ہی ہیں۔ وہ اہل شقاوت اور کافر ہیں۔ ان سے مراد اہل اسلام اور اہل سعادت نہیں ہیں کیونکہ پہلی قسم شفاعت اور مغفرت کے قابل نہیں ہے۔ یا اعرابی اور دجال کے واقعات کے علاوہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نفوس کو ان کے شر اور گناہوں کی ظلمتوں سے دور کر دیتا ہے کیونکہ اس میں تنگیوں اور مشقتیں ہیں۔ ثواب کئی گنا ہے لگاتار حمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۗ (ہود: ۱۱۳)

ترجمہ: ”بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔“

یا اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص بھی اس جگہ خباثت کو چھپاتا ہے اس کی خباثت ظاہر ہو جاتی ہے۔

جیسے کہ مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہ احتمال بیان کیا ہو۔ بلکہ یہ مدت سے میرے ذہن میں ہے۔ اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو صحیح میں غزوہ احد کے بارے ہے کہ جب آپ غزوہ احد کے لیے تشریف لے گئے تو منافقین واپس آگئے تو آپ نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے..... جو بات میرے لیے غور و فکر کے بعد عیاں ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث پاک کے چاروں معانی ہیں۔ آپ کا فرمان ”کاش وہ جان لیتے“ کا معنی یہ ہے کہ کاش وہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب جان لیتے یا وہاں قیام کرنے کا ثواب جان لیتے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ ”لو“ ”لَئِیت“ کے معنی میں ہو۔ جو مقدر عبارت کا محتاج نہ ہو۔ دونوں اعتبار سے اس شخص کے لیے تجہیل ہے جو اس شہر خوباں سے جدا ہوا اور دوسرے شہر کو اس پر ترجیح دی۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو مدینہ طیبہ سے اعراض کرتے ہوئے اس سے نکلتے ہیں اسے ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن جو جہاد یا ضرورت وغیرہ کے لیے نکلا وہ اس حدیث پاک کے زمرہ میں نہیں آئے گا۔

الطیب نے لکھا ہے: ”لا یعلمون“ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس چیز کا عرفان بالکل نہیں رکھتے اگر ”لو“ تہنی کے لیے ہوتا تو یہ زیادہ بلیغ ہوتا کیونکہ یہ ایسی چیز کی تمنا کے لیے آتا ہے جس کا حصول ممکن نہیں ہوتا۔ یعنی کاش وہ شدت اور سختی کے اعتبار سے اہل علم میں سے ہوتے۔ امام بیضاوی نے لکھا ہے ”اس کا مفہوم یہ ہے کہ یمن فتح ہو گا اس کے

شہر قوم کو تعجب میں ڈال دیں گے اس کے یکنوں کی زندگی دیکھ کر وہ عیش عیش کر اٹھیں گے۔ وہ اس کی وجہ سے اپنے اہل خانہ سمیت وہیں چلے جائیں گے۔ وہ مدینہ طیبہ سے نکل جائیں گے۔ حال یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں اقامت ان کے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کا حرم پاک ہے۔ آپ کا پڑوس ہے۔ وحی کے نزول کا مقام ہے۔ برکات کے نزول کی جگہ ہے۔ کاش کہ وہ جان لیتے کہ اس جگہ اور کون کون سے فوائد ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان اخروی فوائد سے آگاہ ہو جاتے جن کے سامنے یہ فانی لذتیں حقیر ہیں۔ الطیبی نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے کیونکہ ”قوم“ نکرہ ذکر کی ہے اور ”یبسون“ سے اس کا وصف بیان کیا ہے۔ پھر لو کانوا یعلمون سے اس کی تاکید لگائی ہے۔ کیونکہ اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو فانی لذتوں اور عارضی خواہشات میں کھو گئے اور حضور اکرم ﷺ کے پڑوس میں رہنے سے اعراض کیا۔ اسی لیے ”قومًا“ کا لفظ بار بار ذکر کیا۔ اور یبسون کا لفظ ذکر کیا کیونکہ انہوں نے قبیحہ ہیت کو اپنایا تھا۔



جس نے یہاں کوئی واقعہ رونما کیا، واقعہ رونما کرنے والے کو پناہ دی
یا اس کے اہل کے ساتھ برارادہ کیا یا انہیں ڈرایا اس کے بارے وعید

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت ابو امامۃ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے مدینہ طیبہ میں کوئی حادثہ رونما کیا یا حادثہ رونما کرنے والے کو پناہ دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔ رب تعالیٰ اس سے کوئی فرضی یا نقلی عبادت قبول نہیں کرے گا۔" حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا۔ اسے اللہ تعالیٰ ڈرائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فرض یا نقل قبول نہیں کرے گا۔" (امام احمد)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو سرکش بھی مدینہ طیبہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا۔ رب تعالیٰ اسے اس طرح پگھلا دے گا جس طرح پانی میں نمک پگھلتا ہے۔" بزار نے حمن سند کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "مولا! جو اہل مدینہ کو کسی مصیبت میں مبتلا کرے اسے کافی ہو جا۔ جو بھی مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے اس طرح پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔"

محمد بن حمن نے حضرت سعید بن مسیب سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "مولا! جو میرے ساتھ اور میرے اہل شہر کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسے جلد ہلاک کر دے۔" امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اہل مدینہ طیبہ کو خوفزدہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے خوفزدہ کرتا ہے۔" (ابن حبان)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "مولا! جو اہل مدینہ طیبہ پر قلم کرے اسے ڈرائے تو بھی اسے ڈرا۔ اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔ رب تعالیٰ اس سے کوئی فرض یا

نفل قبول نہیں کرے گا۔“

المدارک میں ہے کہ محمد بن مسلمہ نے کہا: ”میں نے امام مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا۔ انہوں نے کہا: ”میں مہدی کے پاس گیا۔ اس نے کہا: ”مجھے وصیت کریں۔“ میں نے کہا: ”میں تمہیں اللہ وحدہ لا شریک سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ میں تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل شہر اور آپ کے پڑوسیوں پر مہربانی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ میری ہجرت گاہ ہے۔ اسی جگہ سے مجھے اٹھایا جائے گا۔ اسی جگہ میری قبر انور ہوگی۔ اس کے اہل میرے پڑوسی ہیں۔ میری امت پر یہ فرض ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کرے۔ جس نے میری وجہ سے ان کی حفاظت کی میں روزِ حشر اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا۔ جس نے میرے پڑوسیوں کے بارے میں میری وصیت کی حفاظت نہ کی۔ رب تعالیٰ اسے جہنمیوں کی پیپ پلائے گا۔“

مصعب نے لکھا ہے کہ جب مہدی مدینہ طیبہ آیا تو امام مالک اور دیگر رؤساء مدینہ نے کئی میل دور جا کر اس کا استقبال کیا۔ جب اس نے امام مالک کو دیکھا تو ان کی طرف گیا انہیں سلام کیا۔ ان کے ساتھ معانقہ کیا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی طرف توجہ کی۔ انہوں نے کہا: ”امیر المؤمنین! ابھی تم مدینہ طیبہ داخل ہونے لگے ہو۔ تم دائیں بائیں ایسی قوم کے پاس سے گزر دو گے۔ جو مہاجرین اور انصار کی قوم ہیں۔ انہیں سلام کرنا۔ روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نہیں جو اہل مدینہ سے افضل ہو۔ نہ ہی کوئی شہر مدینہ طیبہ سے افضل ہے۔“ اس نے کہا: ”امام صاحب! آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟“ اس نے کہا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے علاوہ روئے زمین پر کسی اور نبی کی قبر معروف نہیں ہے۔ جن کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہو۔ وہ قوم دیگر اقوام سے افضل ہوگی۔“ مہدی نے اسی طرح کہا جس طرح امام مالک نے اسے کہا تھا۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پڑوس کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حضرت جبرائیل مجھے لگاتار پڑوسیوں کے حقوق کے بارے بتاتے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ یہ عنقریب انہیں وارث بنا دیں گے۔“ آپ نے ایک پڑوسی کو چھوڑ کر دوسرے کو مخصوص نہیں کیا۔ جس نے اس فضیلت میں غور و فکر کیا اسے مدینہ طیبہ کی سکونت کی فضیلت میں شبہ نہ رہا کہ یہ مکہ مکرمہ کی سکونت سے افضل ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ مکہ مکرمہ میں اجر و ثواب کئی گنا ہوتا ہے۔ کیونکہ فضیلت کی جہت اس میں منحصر نہیں ہے۔ یہ ثواب و برکت کا کئی گنا ہوتا ہے۔ یہ بیت اللہ کا پڑوس ہے اور مدینہ طیبہ اللہ تعالیٰ کے حبیب لیب صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس ہے۔ وہ ہستی پاک رب تعالیٰ کی ساری مخلوق سے افضل ہے۔

تنبیہات

آپ نے فرمایا: ”جو شخص بھی مدینہ طیبہ سے اعراض کرتے ہوئے اس سے نکلتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کر دیتا ہے۔“ علامہ قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ ”اس میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے لکھا ہے کہ یہ امر آپ کی حیات طیبہ کے ساتھ مختص ہے۔ دوسرے گروہ نے لکھا ہے یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عام ہے۔ صحیح موقف یہی ہے۔ محب الطبری نے لکھا ہے۔ زیادہ ظاہر موقف یہی ہے۔ کیونکہ دوسری حدیث پاک میں ہے ”لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں انہیں فتوحات ہوں گی۔ لوگ خوشحالی کی طرف عازم سفر ہوں گے.....“

آپ نے فرمایا: ”جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے رب تعالیٰ اسے آگ میں پگھلا دیتا ہے.....“ علامہ قاضی عیاض نے لکھا ہے: ”آپ کا فرمان آگ میں پگھلا دیتا ہے۔“ ان احادیث مبارکہ کے اشکال کو دور کرتا ہے جن میں اس زیادتی کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ یہ حکم آخرت کا حکم ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس نے آپ کی حیات طیبہ میں اس کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے شر سے مسلمانوں کی کفایت کی گئی۔ اس کی چال اس طرح کمزور ہو جاتی ہے جس طرح سیدہ آگ میں کمزور ہو جاتا ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ جو مکرو فریب سے مخفی طور پر اس کے ساتھ مکر کرتا ہے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا جو اعلانیہ مکرو فریب کرے وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہوگی۔ یہ اس شخص کے لیے ہوگا جو دنیا میں اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مہلت نہیں دیتا۔ اس کے لیے تسلط ممکن نہیں بناتا۔ بلکہ اسے جلدی ہلاک کر دیتا ہے جیسے کہ بنو امیہ کے دور میں مسلم بن عقبہ نے اس شہر پر لشکر کشی کی تو وہ واپسی پر ہی مر گیا۔ اسی طرح یزید بھی فوراً ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح جس نے بھی اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا وہ فوراً ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑا۔



دیگر شہروں پر مدینہ طیبہ کی فضیلت

ابوالولید باجی، قاضی عیاض وغیرہ نے اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ زمین کا وہ مبارک ٹکڑا جو آپ کے اعضاء مبارکہ کے ارد گرد ہے۔ وہ خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے۔ ابن عساکر نے ”تحفہ“ میں اسی طرح لکھا ہے۔ ابو محمد عبد اللہ بن ابی عمر السبکی نے اپنے قصیدہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

جزم الجميع بان خير الارض ما قد حاط ذات المصطفى و حواها
و نعم لقد صدقوا بساكنها علت كالنفس حين زكت زكا مأواها

ترجمہ: ”سارے علماء نے یہ یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ روئے زمین کا وہ قطعہ ساری زمین سے افضل ہے۔ جو حضور

اکرم ﷺ کے اعضاء مبارکہ کے ارد گرد ہے۔ انہوں نے یقیناً ج کہا ہے زمین کو اس کے ساکن سے ہی

رفعت نصیب ہوتی ہے۔ جس طرح نفس پاکیزہ ہوتا ہے تو اس کا مسکن بھی پاکیزہ ہو جاتا ہے۔“

بلکہ امام بکی نے حضرت ابن عقیل حنبلی سے نقل کیا ہے کہ وہ قطعہ زمین میں عرش سے بھی افضل ہے۔ ابو عبد اللہ محمد بن

رزین الجبیری نے اپنے قصیدہ میں لکھا ہے:

ولا شك ان القبر اشرف موضع من الارض والسبع السموات طرة
واشرف من عرش المليك وليس في مقالی خلاف عند اهل الحقیقة

ترجمہ: ”اس میں کوئی شک نہیں کہ قبر انور زمین اور ساتوں آسمانوں سے افضل ہے۔ یہ جگہ رب تعالیٰ کے

عرش سے افضل ہے اہل حقیقت کے نزدیک میرے اس موقف میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

علامہ فاکہی نے یہ صراحت کی ہے یہ مبارک جگہ سارے آسمانوں سے افضل ہے۔ بلکہ ظاہر موقف یہی ہے کہ زمین

تمام آسمانوں سے افضل ہے کیونکہ آپ اس جگہ جلوہ افروز ہیں۔ امام تاج الدین بکی نے لکھا ہے کہ زمین کے افضل ہونے کی

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سارے انبیائے کرام ﷺ کی تخلیق اسی سے ہوئی اور اسی میں وہ دفن ہوئے۔

امام نووی نے لکھا ہے: ”مختار موقوف جسے جمہور علماء نے اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ آسمان زمین سے افضل ہیں۔ سوائے زمین کے اس قطعہ کے جو آپ کے اعضاء مبارکہ کے ارد گرد ہے۔ پھر علماء کا اتفاق ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ سارے شہروں سے افضل ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما، بعض صحابہ کرام اور اکثر مدنی علماء کرام کا موقوف یہ ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے۔ امام مالک، امام احمد (ایک قول کے مطابق) کے مطابق مدینہ طیبہ افضل ہے۔

انسان کو اس کی قبر کی مٹی سے تخلیق کیا جاتا ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ ایک قبر انور کے پاس سے گزرے۔ آپ نے پوچھا: ”یہ کس کی قبر انور ہے؟“ صحابہ کرام نے کہا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ فلان حبشی کی قبر انور ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”لا الہ الا اللہ۔ اے اپنے آسمان اور زمین سے اس جگہ لایا گیا۔ جس مٹی سے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔“

اس کتاب کے پہلے باب میں حضرت کعب کا یہ اثر گزر چکا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی تخلیق اس مٹی سے ہوئی جو آپ کی قبر انور سے حاصل کی گئی تھی۔ یزید الجری نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے ابن سیرین کو سنا۔ وہ کہہ رہے تھے، اگر میں قسم اٹھا دوں۔ تو میں اس قسم میں سچا اور پاکباز ہوں گا۔ اس میں ذرہ بھر شک نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو ایک مٹی سے پیدا کیا پھر انہیں اسی مٹی کی طرف سے لوٹا دیا گیا۔“

امام احمد، امام ترمذی، امام الطبرانی اور امام حاکم نے مطربن عکاس سے اور امام ترمذی نے ابو عروہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جب رب تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے کہ کسی شخص پر کسی جگہ موت طاری کرے۔ تو اس کے لیے اس کی طرف حاجت پیدا کر دیتا ہے۔“ حکیم ترمذی نے لکھا ہے ”اس کی موت اس جگہ اس لیے واقع ہوتی ہے کیونکہ اسے اسی زمین سے تخلیق کیا گیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى ﴿۵۵﴾ (ط: ۵۵)

ترجمہ: ”اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روزِ حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے یکبار۔“

آدمی کو اسی طرف لوٹایا جاتا ہے جہاں سے اس کی تخلیق ہوتی ہے۔

ابن الجوزی نے ”الوفا“ میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور انور ﷺ کا وصال ہو گیا تو آپ کے مدفن میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں

روئے زمین کا اور کوئی قطعہ اتنا معزز نہیں جتنا معزز وہ قطعہ ہے جہاں اس نے اپنے نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کو قبض کیا ہے۔“ ابو یعلیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: ”نبی کریم ﷺ کی روح پاک کو اسی جگہ قبض کیا جاتا ہے جو اسے سب سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔“

الید نے لکھا ہے: ”جو قطعہ زمین نبی کریم ﷺ کو اور آپ کے رب کریم کو پسندیدہ ہو۔“ کیونکہ آپ کی محبت رب تعالیٰ کی محبت کے تابع ہوتی ہے۔ جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم ﷺ کو پسند ہو وہ افضل کیوں نہ ہوگی۔“ اسی لیے یہ موقف بھی ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے۔ کیونکہ آپ نے یہ دعا مانگی تھی۔ ”مولا! مدینہ طیبہ ہمیں اس طرح محبوب بنا دے جس طرح مکہ مکرمہ محبوب ہے یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔“ آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی۔ حتیٰ کہ آپ جب مدینہ طیبہ کو دیکھتے تھے تو اپنی سواری کو تیز چلاتے تھے۔“

تنبیہ

سلطان العلماء شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے لکھا ہے ”مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے مابین فضیلت کا مفہوم یہ ہے کہ ان میں سے ایک میں اچھا کام کرنے کا ثواب دوسرے شہر میں وہ کام کرنے سے عمدہ ثواب رکھتا ہے۔ اس صورت میں علامہ قاضی کا یہ قول اشکال پیدا کر رہا ہے۔“ امت مرحومہ کا اتفاق ہے کہ آپ کی قبر انور کی جگہ افضل ہے۔ کیونکہ کسی ایک کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہاں عبادت کرے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کی فضیلت مجاورت (پڑوس) کی وجہ سے ہے۔ اس لیے ناپاک کے لیے حرام ہے کہ وہ قرآن پاک کی جلد کو مس کرے۔ یہ کثرت ثواب کی وجہ سے نہیں۔ ورنہ قرآن پاک کا افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس میں عمل کرنا ممکن نہیں۔ امام بکی نے لکھا ہے ”کبھی فضیلت عطا کردہ ثواب اور کبھی کسی اور وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر عمل کرنا مشکل ہو۔ قبر انور وہ مبارک جگہ ہے جہاں رحمت، رضوان اور ملائکہ کا پیہم نزول ہوتا ہے۔“

یہ جگہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کو اتنی محبت ہے عقول جس کے ادراک سے غاصر ہیں یہ محبت کسی اور جگہ کے لیے نہیں لہذا یہ جگہ مبارک دیگر مقامات سے افضل کیوں نہ ہوگی۔ ہمارے لیے تو اس جگہ عمل کرنا ممکن نہیں۔ لہذا اس کا مفہوم یہ نہیں کہ اس جگہ اعمال کئی گنا ہوتے ہیں۔ یہ فضیلت اس اعتبار سے بھی ہے کہ شخص وہیں دفن ہوتا ہے جس جگہ سے اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ اس مبارک جگہ میں اعمال کا اجر و ثواب کئی گنا اس لیے بھی ہوتا ہے کہ حضور والا ﷺ کی ذات اقدس زندہ ہے اور آپ کے اعمال مبارک کا اجر و ثواب کئی گنا ہے۔ اس کا تعلق اس امر سے نہیں کہ ہمارے اعمال وہاں کئی گنا ہوں۔“

السید نے لکھا ہے انہوں نے جو نفیس کلام کیا ہے اسے یہاں رقم کرنا بہت موزوں ہے۔ ”اس جگہ جو رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں ان کا فیضان ساری امت کو عام ہے۔ یہ غیر متناہی ہیں۔ کیونکہ ہر لمحہ آپ کا مقام بلند ہوتا رہتا ہے۔ امت مرحومہ جو کچھ اپنے نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے پالیتی ہے وہ فضل کی انتہاء ہے۔ اسی لیے یہ امت خیر الامم ہے کیونکہ اس کے نبی کریم ﷺ انبیائے کرام ﷺ سے بہترین ہیں۔ پھر آپ کی قبر انور کی جگہ سارے مقامات سے افضل کیوں نہ ہو۔ وہ خیرات کے فیض کا منبع کیوں نہ ہو۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کے موقف کے مطابق جو یہ کہتا ہے کہ اس میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے اس کے مطابق یہ ہمارے عمل کی جگہ نہیں ہے۔ کیا کوئی عاقل یہ کہے گا کہ اس کا ارد گرد خانہ کعبہ سے افضل ہے کیونکہ اس میں عمل کیا جاتا ہے حالانکہ اس ساری خیرات کے حصول کا سبب خانہ کعبہ ہی ہے.....

عنقریب مزید تفصیل رب تعالیٰ کے اس فرمان کی شرح میں آئے گی۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ . (النساء: ۶۴)

ترجمہ: ”اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے تو اپنے آپ پر حاضر ہوئے آپ کے پاس۔“

لب لباب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی قبر انور کی زیارت کے لیے آیا جائے۔ آپ کی زیارت کی جائے۔ آپ سے شفاعت کی التجاء کی جائے۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ والا میں آپ کا وسیلہ عظمیٰ پیش کیا جائے۔ آپ کا پڑوس ساری قبرتوں سے افضل ہے۔ آپ کے پاس ہی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ یہ مقام افضل کیوں نہ ہو؟ یہ ان خیرات و برکات کا سبب ہے۔ یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ بلکہ ان سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: ”جنت میں تمہاری کمان کا کنارہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔“



مدینہ طیبہ کا حرم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں۔ اس کا کانٹے دار درخت نہ کاٹا جائے۔ نہ ہی اس کے شکار کو مارا جائے۔“ (مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضور اکرم ﷺ کو سنا۔ آپ فرما رہے تھے۔ ”میں مدینہ طیبہ کی دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین جگہ کو حرم بناتا ہوں۔ یا مدینہ طیبہ کے دو پہاڑوں کے مابین جو جگہ ہے اسے حرم بناتا ہوں۔ ارے! اس میں نہ تو خونریزی کی جائے نہ اس میں اسلحہ اٹھایا جائے نہ ہی اس سے درخت کاٹا جائے سوائے چارہ کے لیے۔“

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”نہ اس کی سبز گھاس کاٹی جائے نہ ہی اس کے شکار کو چرنے سے روکا جائے۔ یہاں کا لقطہ اٹھانا بھی حلال نہیں سوائے اس شخص کے لیے جو اس کا اعلان کرے۔ کسی کے لیے یہ جائز نہیں۔ نہ اس میں جنگ کے لیے اسلحہ اٹھایا جائے۔ نہ ہی کسی کے لیے روا ہے کہ اس کا درخت کاٹے سوائے اس کے کہ آدمی اسے اپنے اونٹ کے لیے چارہ بنا دے۔“

امام احمد اور امام ابو داؤد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”کوہ عمیر سے لے کر کوہ ثور تک حرم ہے۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ احد پر تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا: ”یہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ مولا! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا۔ میں مدینہ طیبہ کی دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین جگہ کو حرم بناتا ہوں۔“



مدینہ طیبہ کے بعض خصائص

یہ خصائص ایک سو سے زائد ہیں۔ اسے امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ اسے اس ذات والا نے حرم بنایا ہے جو سارے انبیائے کرام سے افضل ہے۔ اس کے شکار یاد رخت سے تعرض والے سے شکار یاد رخت کا حصہ چھین لیا جائے گا۔ جیسے کہ کفار کا قتل۔ یہ زجر و توبیح میں مکہ مکرمہ کے بارے احکام سے زیادہ ہے۔ عدم کی صورت میں اس کی جزاء مشروع نہیں کی گئی یہ اس کی حرمت کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ شفاء کے حصول کے لیے اس کی مبارک مٹی منسقل کرنا جائز ہے۔ یہ افضل ترین قطعہ زمین پر مشتمل ہے۔ اس سے مراد آپ کی قبر انور ہے۔ اس جگہ وہ ہستی پاک تشریف فرما ہے جو ساری مخلوق سے افضل ہے۔ جو اس امت مرحومہ سے افضل ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور اسلاف عظام کی قبور اسی جگہ ہیں۔ وہ بہترین افراد تھے۔ انہیں اس کی مٹی سے تخلیق کیا گیا۔ اور روز حشر انہیں اسی جگہ سے اٹھایا جائے گا۔ یہ شہداء نے گھرا ہوا ہے جیسے کہ امام مالک نے کہا ہے۔ اس جگہ وہ افضل شہداء آرام فرمائیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے اپنی جانیں رب تعالیٰ کے لیے قربان کیں۔ آپ ان کے لیے گواہ تھے۔ رب تعالیٰ نے اسے ذات بابرکات ﷺ کے لیے مختص کیا جو ساری مخلوق سے افضل ہے۔ جو اسے ساری مخلوق سے محبوب ہے۔ اس نے اہل مدینہ کو آپ کی نصرت اور مدد کے لیے جن لیا۔ اسے قرآن پاک کے ذریعے فتح کیا۔ جبکہ دیگر سارے شہر شمشیر و سنان سے فتح ہوئے۔ اسلام کے سارے شہر اس مبارک جگہ سے فتح ہوئے۔ اللہ رب العزت نے اسے دین کا مظہر بنایا۔ فتح مکہ سے قبل اس کی طرف ہجرت واجب تھی۔ آپ کی نصرت اور مدد کے لیے اس جگہ ٹھہرنا لازم تھا۔ قاضی عیاض نے اسے متفق علیہ کہا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: "جس نے فتح مکہ سے قبل ہجرت کی تو جمہور علماء اسے فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں اقامت سے منع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قضائے نک کے بعد تین دن ٹھہرنے کی رخصت دی۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں رہنے پر ابھارا۔ وہاں اصل بنالینے کا حکم دیا۔ وہاں انتقال کرنے پر ابھارا۔ اور اس پر شفاعت یا گواہی یا دونوں کا وعدہ کیا۔ وہاں مرنے کی دعا کرنا مستحب ہے۔ آپ نے اسی شخص کے لیے شفاعت یا گواہی کا وعدہ کیا جو اس کی تنگی اور شدت پر صبر کرے گا۔ آپ نے مکہ مکرمہ سے زیادہ برکت کا سوال کیا۔ اس سے محبت کی دعا کی۔ اسے

قرار اور رزقِ حسن بننے کی دعا کی۔ جب آپ اس کے قریب جاتے تھے تو مبارک شانوں سے چادر مبارک اتار دیتے تھے۔ آپ نے اس کا نام طیبہ رکھا۔ اس کی ہوا عمدہ ہے۔ اس سے ایسی خوشبو آتی ہے جو کسی اور شہر سے نہیں آتی۔

یہاں زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔ اس کے کثیر نام ہیں۔ تورات میں اس کا نام مؤمنہ ہے۔ اس میں اس کا نام محبوبہ اور مرحومہ ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اسے اپنی طرف منسوب کیا۔

أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا (النساء: ۹۷)

ترجمہ: ”کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں۔“

بیت کے لفظ کے ساتھ اسے اپنے محبوب کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ فرمایا:

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ (الانفال: ۵)

ترجمہ: ”جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ۔“

رب تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی۔ فرمایا:

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۝ (البلد: ۱)

ترجمہ: ”میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی (یا مدینہ کی)۔“

رب تعالیٰ نے اس سے آغاز کیا۔ فرمایا:

وَقُلْ رَبِّ ادْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ (الاسراء: ۸۰)

ترجمہ: ”اور دعا مانگا کیجیے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے۔ سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں

کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ۔“

حالانکہ مخرج، مدخل سے مقدم ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کے محبوب کریم ﷺ نے اس کے لیے خصوصی برکت کی دعا کی۔

اس کے پھلوں، مکیال، بازاروں اور مکینوں کے لیے دعا کی۔ آپ نے فرمایا: ”یہ گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل پچیل کو دور کرتی ہے۔“

جو اس سے اعراض کرتے ہوئے نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کرے گا۔ جو اس کے اہل کے ساتھ

برائی کا ارادہ کرے گا۔ رب تعالیٰ اسے پگھلا دے گا۔ صرف ارادہ پر وعید کو مترتب کیا۔ جیسے کہ حرم پاک کے بارے فرمایا:

وَمَنْ يُرِدْ فِيْهِ بِإِحْتِدَابٍ يُّظْلَمِ نُدُقُهُ مِنْ عَذَابِ إِلِيْمٍ ۝ (الحج: ۲۵)

ترجمہ: ”اور جو اس میں زیادتی کا ارادہ کرے ناحق تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔“

جو اس میں واقعہ رونما کرے گا یا واقعہ رونما کرنے والے کو پناہ دے گا۔ اس کے لیے شدید وعید ہے۔ چھوٹے واقعہ کو بڑا سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اس شخص کی جرأت پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے سید المرسلین ﷺ کے حرم پاک اور آپ کی بارگاہ ناز میں اس جرم کے ارتکاب کی جرأت کی۔ جو اس کے اہل پر ظلم کرے یا انہیں ڈرائے اس کے لیے سخت وعید ہے۔ جو اس کے مکینوں کا احترام نہ کرے اس کے لیے وعید ہے۔ ان کی عزت و تعظیم کرنا امت پر لازم ہے۔ جو اس کے بارے میں ان کی حفاظت کرے گا آپ اس کے لیے شفیع یا گواہ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: ”جو اہل مدینہ کو ڈرائے گا یا کہ اس نے میرے پہلو میں قلب انور کو ڈرایا۔ یہ ایمان اور حیا کے فرشتے کے ساتھ مختص ہے۔ ایمان سمٹ کر اسی کی طرف آئے گا۔ ملائکہ اس کی حفاظت پر مختص ہیں۔ یہ ہمیشہ کے لیے دارالسلام ہے۔ آپ نے فرمایا: ”شیاطین مایوس ہو چکے ہیں کہ میرے اس شہر میں ان کی پوجا کی جائے۔“ اسلام کے شہروں میں سے سب سے آخر میں یہ خراب ہوگا۔ یہ دجال سے محفوظ ہوگا۔ دجال کے لیے اس شہر سے وہ شخص نکلے گا جو لوگوں میں سے بہترین یا بہترین لوگوں میں سے ہوگا۔ وہ دجال کی تکذیب کرے گا۔ اس کی دباؤ اور بخار کو منتقل کر دیا گیا۔ اس کی مٹی اور کھجور باعث شفاء ہے۔ آپ نے فرمایا: ”ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ اس کی طرف آئے۔ جو قبر انور کے پاس درود پاک پڑھتا ہے آپ اس کا درود شریف سماعت فرماتے ہیں۔ جو آپ کی زیارت کرتا ہے آپ کی شفاعت اس کے لیے لازم ہے۔ یہ پہلی مسجد ہے جسے اس امت کے عام مسلمانوں کے لیے تعمیر کیا گیا۔ اس کی بنیاد آپ کے دست اقدس سے رکھی گئی۔ آپ نے بنفس نفیس اس میں کام کیا۔ آپ کے ساتھ خیر الامم تھی۔ رب تعالیٰ نے اس کی شان کے بارے فرمایا:

لَمَسْجِدٍ أُتِيَ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ (التوبة: ۱۰۸)

ترجمہ: ”وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے۔ وہ اس امر کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں قیام کریں۔“

یہ انبیائے کرام ﷺ کی مساجد میں سے آخری مسجد ہے۔ یہ ان مساجد میں سے ایک ہے جن کی طرف سفر کیا جاتا ہے۔ یہ ساری مساجد سے زیادہ مستحق ہے کہ اس کی زیارت کی جائے۔ اس کی زیارت کرنے والے کے لیے اجر و ثواب لکھا جاتا ہے۔ جس نے اس میں چالیس نمازیں پڑھیں اسے آگ اور عذاب سے بری کر دیا جاتا ہے۔ وہ نفاق سے بری ہو جاتا ہے جو پاکیزگی حاصل کر کے صرف نماز پڑھنے کی نیت سے اس کی طرف جاتا ہے اسے ایک حج کا ثواب دیا جاتا ہے۔ جو مسجد قباء آتا ہے اور اس میں نماز ادا کرتا ہے اسے ایک عمرہ کا ثواب دیا جاتا ہے۔ آپ کے کاشانہ اقدس اور قبر انور کے مابین جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ بعض راویوں نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ فرمان ساری مسجد نبوی کو شامل ہے۔

یہ وہ مبارک مسجد ہے جس کے علاوہ زمین کے کسی اور ٹکڑے کے بارے میں معروف نہیں کہ وہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔
یہ آپ کے حوض پر ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کے منبر اور مصلیٰ کے مابین جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔
عنقریب آئے گا کہ اس سے مراد عید گاہ ہے جو اس شہر خوباں کے ایک طرف ہے۔

آپ نے احد کے بارے فرمایا: ”یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ جنت کی نہروں میں سے
ایک نہر پر ہے۔ آپ نے وادی بطحان کے بارے فرمایا: ”یہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر ہے۔“ آپ نے اس کی
وادی العقیق کو وادی مبارک کا نام دیا۔“ آپ نے فرمایا: ”وہ ہم سے پیار کرتی ہے ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔“ اس کے
پھلوں کے بارے آپ نے فرمایا: ”عجوبہ جنت میں سے ہے۔ عرس کے کنوئیں کے بارے آپ نے دیکھا کہ آپ نے جنت
کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں پر صبح کر رہے ہیں پھر آپ نے اس کنوئیں پر صبح کی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے
ہیں۔“

مسجد نبوی کی کئی خصوصیات ہیں۔ اس میں نماز پڑھنے والے کے لیے آگ، عذاب اور نفاق سے برأت لکھ دی
جاتی ہے۔ اس جگہ آواز پست رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”جو شخص میری اس مسجد میں آذان سنتا ہے وہ اس
سے صرف کسی ضروری ضرورت کے لیے ہی باہر نکلتا ہے جو واپس نہیں آتا وہ منافق ہے۔“ اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس
میں داخل ہونے والے کو لہسن کھا کر نہیں آنا چاہیے کیونکہ اس کا اختصاص وحی کے ملائکہ کے ساتھ ہے۔ جو اس کے منبر کے
پاس جھوٹی قسم اٹھاتا ہے اس کے لیے شدید وعید ہے۔ سارے اعمال کا اجر و ثواب یہاں کئی گنا ہو جاتا ہے جیسے کہ امام غزالی
نے صراحت بیان کی ہے۔ اس میں ایک نماز جمعہ دیگر مساجد میں سوائے مسجد حرام میں ایک ہزار جمعۃ المبارک کے برابر
ہے۔ اس میں ایک رمضان المبارک گزارنا دیگر مساجد میں ایک ہزار رمضان گزارنے کے برابر ہے۔

حضور اکرم ﷺ اہل مدینہ طیبہ کے لیے سب سے پہلے شفاعت کریں گے۔ ان کے لیے مزید شفاعت اور اکرام کا
بھی وعدہ ہے۔ روزِ حشر جو یہاں سے اٹھے گا وہ امن میں ہوگا۔ اس کے بقیع مبارک سے ستر ہزار افراد کو چاند کی صورت پر اٹھایا
جائے گا۔ وہ حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کے قبرستان بقیع پر فرشتے مقرر ہیں جو یہی بھر جاتا ہے
وہ اس کے اطراف میں پکڑ کر اسے جنت میں لے جاتے ہیں۔ روزِ حشر آپ بھی اسی مقام سے اٹھیں گے۔ اور وہاں کے لوگ
دیگر سارے لوگوں سے پہلے اٹھیں گے۔ جس جس مقام پر آپ نے دعا مانگی ہے وہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں ستونِ مخلتہ، منبر
مبارک، دارِ عقیل کا گوشہ اور مسجد فتح میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

اس شہر خوباں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں مساجد اور زیارت گاہیں کثیر ہیں۔ جو اس کی مبارک مٹی کے

عیب نکالے گا سے برا سمجھا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ جس نے کہا کہ اس کی مٹی ردی ہے اسے تیس درے مارے جائیں گے۔ اسے قید کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا: ”وہ اس امر کا کتنا مستحق ہے کہ اس کی گردن اڑادی جائے جس مبارک مٹی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک جلوہ افروز ہے وہ گمان کرتا ہے کہ طیب نہیں ہے۔“

مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کے لیے مستحب ہے کہ آدمی ایک راستہ سے داخل ہو دوسرے سے نکلے اس میں داخل ہونے کے لیے غسل کرے۔ اس کے اہل کا موافقت سب سے دور ہے۔ بعض اسلاف کا موقف ہے کہ مکہ مکرمہ سے قبل آغاز مدینہ طیبہ سے کیا جائے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حج کرتے وقت مدینہ طیبہ سے آغاز کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے: ”ہم اس مبارک مقام سے آغاز کرتے ہیں جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا ہے۔ حضرات علقمہ، الاسود، عمرو بن مسمون رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ سے آغاز کرتے تھے۔ امام مالک کے پیرو کار العبدی کہتے ہیں ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے لیے جانا کعبہ معظمہ کی زیارت کے لیے جانے سے افضل ہے۔ عنقریب یہ تفصیل بھی آئے گی کہ جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی نذر مانی اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اسے پورا کرے۔“

جو آپ کی قبر انور کے علاوہ کسی اور کی قبر کی نذر مانے اس کے لیے دو وجہیں ہیں۔ یہ بات حضرت ابن کح نے کہی ہے۔ امام شافعی اور امام نووی نے اسے برقرار رکھا ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی نذر مانے اس کے لیے کافی ہے کہ وہ مسجد نبوی میں حاضر ہو جائے۔ یہ شیخ ابو علی کا قول ہے۔ انہوں نے ایسے شخص کو لازم آنے کے قول سے فرع نکالی ہے۔ جیسے امام شافعی اور امام بو یطی نے کہا ہے کہ قربت کو آنے کے ساتھ ضم کرنا ضروری ہے صحیح موقف یہی ہے۔ شیخ ابو علی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ آپ کی زیارت قربات میں سے سب سے عظیم قربت ہے۔ لیکن امام نے اس میں توقف اختیار کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق مسجد اور اس کی تعظیم کے ساتھ نہیں۔ انہوں نے کہا: ”قیاس یہی ہے کہ اگر اس نے مسجد میں صدقہ کیا یا ایک دن کا روزہ رکھا تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ لیکن اس میں اختلاف ہے صحیح موقف وہی ہے جسے المختصر میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ اس کے نہ آنے کو مستلزم ہے۔“

اس کے بازار میں چیز لانے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے ذخیرہ اندوز کتاب اللہ میں الحاد کرنے والے کی طرح ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ حجاز کی آگ کا ظہور اس سرزمین سے ہوگا۔ یہ اس کے حرم پاک کے پاس آ کر بجھ جائے گی۔ امام نسائی، بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”عنقریب لوگ اپنے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے لیکن انہیں ایسا عالم نہ ملے گا جو عالم مدینہ سے زیادہ جاننے والا ہو۔“ حضرت سفیان بن عیینہ اس پیش گوئی کا مصداق حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھتے تھے۔ اس کے بارے اور بھی اقوال ہیں۔ امام مالک نے لکھا ہے کہ اہل مدینہ کا جماع خبر واحد

سے مقدم ہے کیونکہ ان کی رہائش نزول وحی کے مقام پر ہے اور وہ ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں۔

شوافع کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اہل مدینہ رمضان المبارک میں چھتیس رکعتیں پڑھتے ہیں۔ امام شافعی نے لکھا

ہے: ”میں نے اہل مدینہ طیبہ کو دیکھا وہ اتالیس رکعتیں پڑھتے ہیں اور ان میں سے تین وتر ہوتے ہیں۔“

علامہ رویانی وغیرہ نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اہل مدینہ اہل مکہ کے ساتھ مساوات کرتے تھے جو ترویجات کے درمیان طواف کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ وہ ہر چکر کو ایک ترویجہ کے قائم مقام رکھتے تھے۔ امام شافعی نے لکھا ہے: ”اہل مدینہ طیبہ کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ اہل مکہ کے ساتھ مقابلہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سارے شہروں پر فضیلت دی ہے۔“

یہ شہر مکہ مکرمہ کے ساتھ اس حیثیت سے بھی مشارکت کرتا ہے کہ اس کے سرسبز و شاداب درخت کو کائنا حرام ہے۔ اس کا گھاس کاٹنا اور شکار کرنا حرام ہے شکار کو خوفزدہ کرنا اور اسے بھگانا حرام ہے۔ جنگ کے لیے اسلحہ اٹھانا حرام ہے۔ یہاں سے لفظ اٹھانا جائز نہیں سوائے اس شخص کے جو اس کی تشہیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کی مٹی کو لے جانا جائز ہے۔ اگر کافر کو یہاں دفن کیا جائے تو اسے اکھیر پھینکنا لازم ہے۔ مسجد نبوی اور مسجد حرام مسجد اقصیٰ کے قائم مقام ہو جاتی ہے جو یہ نذر مانے کہ وہ اس میں نماز پڑھے گا یا یہاں اعتکاف بیٹھے گا۔ اگر کسی نے یہ نذر مسجد نبوی کے بارے مانی تو اسے مسجد اقصیٰ کافی نہیں ہوگی۔ لیکن مسجد حرام اسے کافی ہو جائے گی کیونکہ وہاں اجر و ثواب زیادہ ہے۔ اگر کسی نے بیت المقدس کی طرف چلنے کی نذر مانی تو اسے اختیار ہے کہ وہ بیت المقدس کی طرف چلے یا ان دونوں مساجد میں سے کسی ایک کی طرف چلے۔ لیکن جس موقف کو علماء نے راجح لکھا ہے جو امام بغوی کے کلام کا تقاضا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسجد حرام کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ چلے۔ اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ وہ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کو خوشبو لگائے گا تو اس میں امام الحرمین نے توقف کیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں مساجد کے ساتھ اسے مختص کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر ہم تعظیم کی طرف دیکھتے ہیں جو انہیں کعبہ کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اگر کعبہ معظمہ کے امتیازی فضل کی طرف دیکھتے ہیں تو پھر نہیں۔ السید نے لکھا ہے کہ جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ آپ کی قبر انور کو خوشبو لگائے گا تو اس کے لیے قبر انور کو خوشبو لگانا ہی لازم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ امام مالک ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن علی بن جابر اندلسی مالکی پر رحم کرے جنہوں نے یہ اشعار کہے ہیں:

هناؤ کم یا اهل طیبہ قد حقا فبالقرب من خیر الوزی خزتم السبقا

ترجمہ: ”اے مدینہ طیبہ والو! تمہیں بشارت ہو سچ بات یہ ہے کہ حضور خیر الوری صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی وجہ سے تم

سبقت لے گئے ہو۔“

فلا يتحرك ساكن ثوى بربوعها الى سواها وان جار الزمان ولو شقا
ترجمہ: ”اس جگہ پر رہنے والا اسے چھوڑ کر کسی اور جگہ نہیں جاتا اگرچہ زمانہ اس پر ظلم کرے اور اگرچہ زمانہ
شدت اختیار کر جائے۔“

و کم ملک رام الوصول لمثل ما وصلتہ فلم يقدر ولو ملك الخلقا
ترجمہ: ”کتنے ہی بادشاہوں نے وہاں تک پہنچنے کی کوشش کی جہاں تم پہنچے ہو لیکن وہ قادر نہ ہوا اگرچہ وہ
ساری زمین کا مالک بن گیا۔“

فبشرا کم نلتہ عنایہ ربکم فہا انتم فی بحر عنایہ غرق
ترجمہ: ”تمہیں بشارت ہو۔ تم نے اپنے رب تعالیٰ کی مہربانی سے یہ سعادت حاصل کی ہے تم اس کی مہربانی
کے سمندر میں غرق ہو۔“

ترون رسول اللہ فی کل ساعة و من یراہ فہو السعید بہ حقاً
ترجمہ: ”تم ہر لمحہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت کر رہے ہو۔ جو آپ کی زیارت کرتا ہے وہ سعید ہے سچی بات یہی ہے۔“
متی جئتم لا یغلق الباب دونکم و باب ذوی الاحسان لا یقبل الغلقا
ترجمہ: ”تم جب بھی حاضر ہو جاؤ تمہارے لیے درِ اقدس بند نہیں کیا جاتا۔ احسان کرنے والوں کے دروازے
بندش کو قبول نہیں کرتے۔“

فیسمع شکوا کم و یکشف ضرکم ولا یمنع الاحسان ضرہ لا رقا
ترجمہ: ”آپ تمہارے شکوے سنتے ہیں تم سے غم دور کرتے ہیں کوئی نقصان یا غلامی اس احسان کو نہیں روک
سکتی۔“

بطیبہ مشوا کم و اکرم مرسل یلا خطکم فالدھر یجری لکم وفقا
ترجمہ: ”مدینہ طیبہ تمہارا ٹھکانہ ہے اور سارے مرسلین سے معزز ترین رسول کریم ﷺ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔
زمانہ تمہارے لیے توفیق لے کر آیا ہے۔“

و کم نعمة اللہ فیہا علیکم فشکرا و نعم اللہ بالشکر تستبلی
ترجمہ: ”اس میں تم پر کتنی نعمتیں ہیں رب تعالیٰ کا شکر ہے۔ رب تعالیٰ کی نعمتیں شکر کے ساتھ ہی محفوظ ہوتی ہیں۔“
امنتم من الدجال فیہا فحولها ملائکة یحسون من دونہا الطرقا

ترجمہ: ”اس میں ہونے کی وجہ سے تم دجال سے محفوظ ہو۔ اس کے ارد گرد ایسے فرشتے ہیں جو اس کے رستوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔“

كذلك من الطاعون انتم بما من فوجه التلالی لا یزال لكم طلقاً

ترجمہ: ”اسی طرح تم طاعون سے بھی امن میں ہو اور پہاڑوں کی چوٹیاں خندہ پیشانی سے تمہارا استقبال کرتی ہیں۔“

فلا تنظروا الا لوجه حبیبکم و ان حادت الدنيا و مرّت فلا فرقا

ترجمہ: ”تم صرف اپنے حبیب لیب ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھو اگر دنیا آئے یا جائے کوئی فرق نہیں۔“

حياة و موتا تحت رحماہ انتم و حشر فستر الجاہ فوقکم ملقی

ترجمہ: ”زندگی اور موت میں تم آپ کی پناہ میں ہو۔ اور روزِ حشر جاہ و منصب کا پردہ تمہارے اوپر ہوگا۔“

فيا راحلا عنها لدنيا تردیها اتطلب ما یفنی و تترك ما یبقی

ترجمہ: ”اے دنیا کی وجہ سے اس سے اعراض کرنے والے کیا تو فانی کو تلاش کرتا ہے اور باقی رہنے والے کو

چھوڑ رہا ہے۔

أخرج عن حوز النبی و حرزہ الی غیرہ تسفیہ مثک قد حقا

ترجمہ: ”کیا تو آپ کی محفوظ پناہ اور قلعے سے نکلتا ہے کسی اور کی طرف جاتا ہے تمہاری بے وقوفی ثابت ہو چکی ہے۔“

لئن سرت من فیض المکارم عنده فاكرم من خیر البریة ما تلقی

ترجمہ: ”اگر آپ کے پاس اخلاق عالیہ کے فیضان کی وجہ سے تو جا رہا ہے تو تو اس ہستی سے بہترین ذات کو نہ پا

سکے گا جو ساری دنیا سے بہترین ہے۔“

هو الرزق مقسوم فلیس بزائد ولو سرت حتی کدت تخترق الافقا

ترجمہ: ”یہ تقسیم شدہ رزق ہے۔ اس سے زائد نہیں ہے اگر تو چلے اور قریب ہے کہ توافق کو چیر دے۔“

فکم قاعد قد وسعہ اللہ رزقه و مرتحل قد ضاق بین الوری رزقاً

ترجمہ: ”کتنے بیٹھنے والوں کے رزق کو رب تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے کتنے چلنے والے ہیں کائنات میں جن کا رزق

تنگ ہے۔“

فحش فی حمی خیر الانام و مت بہ اذا کنت فی الدارین تطلب ان ترقی

ترجمہ: ”حضور اکرم ﷺ کی پناہ میں زندہ رہو اور اسی میں مرجاؤ اگر تم دو جہاں میں ترقی کرنے کے خواہاں ہو۔“

اذا قمت فيما بين قبر و منبر بطيبه فاعرف اين خير لك الارقي

ترجمہ: ”اگر تم منبر شریف اور قبر انور کے پاس کھڑے ہو تو سمجھ لو کہ اس سے ارفع مقام تمہیں کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔“

لقد اسعد الرحمن جار محمد و من حال في تر حاله فهو الاشقى

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے پڑوس کو سعادت مند کیا ہے جس نے وہاں سے رخت سفر باندھا وہ

سب سے بد بخت ہے۔“

سب سے عظیم اور عجیب قصیدہ وہ ہے جسے امام ولی عارف باللہ ابو محمد عبداللہ بن ابی عمر البسکری نے لکھا ہے۔ علامہ بدرالدین فرحون نے لکھا ہے کہ ایک متقی شخص نے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ مجھے شک ہے کہ وہ شیخ تھا یا اور کوئی۔ اس نے یہ قصیدہ پڑھا۔ جب آخر تک پہنچا تو آپ نے فرمایا: ”ہم اس سے راضی ہو گئے ہیں ہم اس سے راضی ہو گئے ہیں۔“ امام ابو عبداللہ التوسی نے اس سے خماسی بنائی۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

◆ مدینہ طیبہ کے پہاڑوں کے علاوہ میرا اور کوئی مقصد نہیں۔ جن میں حبیب رب العالمین کا روضہ مبارک ہے اپنے دل کو ہمیشہ آپ کی محبت سے آباد رکھ۔ حبیب لبیب ﷺ کا شہر مبارک اس قابل ہے کہ تو اس سے محبت کرے بڑی خوشی سے اس کے ذکر میں نغمہ زن ہو۔

◆ ہمہ وقت اس مبارک شہر کی مٹی کے بو سے لیا کرو۔ ہر سال وہاں جانے کی سعادت حاصل کیا کرو۔ صرف ایک ہی بار اس کی زیارت نہ کرو۔ اے کریم لوگوں کی اولاد! جب بھی اس کی زیارت کا ارادہ کرو تو سر کے بل چل کر آؤ۔

◆ اگر تم سعادت مند ہو تو اپنی ساری زندگی یہیں بسر کرو اس مٹی میں حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز ہیں یہ سب سے پاکیزہ مٹی ہے۔ آپ کا پڑوس اختیار کر لو تو اس سے امن میں ہو جاؤ گے کہ تمہیں کسی شدت کا سامنا کرنا پڑے۔ حقیقت میں تمہاری زندگی اس وقت شروع ہوگی جب تم مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنا لو گے اور اس کے بلند مقامات پر بود و باش رکھو گے۔

◆ یہ میری ہر اس چیز سے پناہ گاہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں یہ میری جنت ہے۔ جو اس میں تشریف فرما ہیں ان کے طفیل میری روح پاک ہوگی۔ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو یہی مجھے میری منزل نظر آتی ہے۔ حسن کی اس منزل اور اس سراپا جمال نے اور اس کی عمدہ صفات نے عاشقین کی عقول کو سلب کر لیا ہے۔

◆ ان منازل کی مٹی کی مانند کوئی نعمت نہیں۔ یہ پانی ہیں جن کا پینا ہمارے لیے سراپا شفاء ہے۔ اے پاکیزہ ہوا اور عمدہ جھونکے والے شہر! پاکیزہ مشک کو بھی اس کی مٹی کی طرح خیال نہ کرو۔ افسوس! اس کی عمدہ خوشبو کو مشک کیسے پہنچ سکتی ہے۔

یہ شہر خوباں تعریف کے اعتبار سے عمدہ کیوں نہ ہو۔ ہم اس کی عزت و تکریم کیوں نہ کریں۔ حضور ﷺ قبل از وصال اور بعد از وصال یہیں جلوہ افروز ہیں۔ اس کی با صبح مرکب خوشبو کی نقل اتارتی ہے جب وہ خوشگوار ہوتی ہے۔ اسے جوان! اگر تم خوشبو حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر کچھ دیر کے لیے اپنے لب اس مٹی پر رکھ دو۔

اگر یہ سارے شہروں سے پاکیزہ نہ ہوتا۔ مطہر نہ ہوتا۔ تو رب تعالیٰ اسے اس وقت اپنے محبوب کریم ﷺ کے لیے پسند نہ کرتا جب آپ کو سیر کرائی۔ اس کی پاکیزگی پر یقین کر لو جو بہتان باندھتا ہے اسے چھوڑ دو خوش ہو جاؤ۔ صحیح روایت میں بار بار آیا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا نام طلبہ رکھا ہے۔

یہ ہمارے لیے ہمارے محبوب کریم ﷺ کا گھر ہے۔ نفس اپنے محبوب کے گھر کو پسند کرتا ہے۔ اس کے نصیب کی وجہ سے رب تعالیٰ نے اسے مشرف فرمایا ہے۔ اس کی عمدگی کی وجہ سے اسے عمدہ لوگوں کے لیے مختص کیا ہے۔ اسے پسند کیا اور یہاں سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس کے سایوں پر طویل ہو گئی ہیں۔ یہ اس ہستی کی وجہ سے ہے جس نے نفوس کو ان کی گمراہی سے روکا۔ تم شہروں میں گھوم کر دیکھ لو تمہیں اس جیسا مبارک شہر نہ ملے گا۔ مدینہ طیبہ کی طرح کی اور کوئی منزل نہیں ہے۔ اس کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ اس کے محن میں حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز ہوئے۔

میرے لیے کون ہے جو حبیب لبیب ﷺ سے ملاقات کرے اور کامیاب ہو جائے اور اس کی مٹی سے مشک اذفر جیسی خوشبو سونگھے۔ میں دیکھتا ہوں کہ کائنات کا دل جس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے اسے کائنات کی بہترین ذات پاک ﷺ ہی بھرتی ہے۔ جو قدر و منزلت میں سب سے عظیم ہیں تمہاری کیارائے ہے۔

اس کے ساتھ میری محبت تکلف کے بغیر طبعی ہے حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک کے لیے دلوں کو اس کے لیے پاکیزہ کر دیا گیا ہے۔ اس سر زمین مقدس کا جلال کسی پر مخفی نہیں ہے۔ جب اس کے مقابلہ میں دیگر شہروں کا تذکرہ ہوتا ہے تو وہ ان حروف کی مانند ہو جاتے ہیں جن کا کوئی معنی نہ ہو۔

یہ پاکیزہ دلوں کا محبوب ہے یہ اپنے اہل اور مہمانوں کے لیے کشادہ منزل ہے یہ ساری زمین سے فضیلت لے گیا ہے یہ عجیب بات ہے کہ یہ مسکنی القدس سے بلند ہے لیکن یہ قریب ہے پھر مکہ مکرمہ تو وہی ہے جو ہے۔

تین امور کے لیے اس کی زیارت کو لازم پکڑو۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں خوف سے امن ہوتا ہے۔ یہ دونوں شہر دلوں کو پاک کرتے ہیں۔ ان میں فرق نہیں صرف یہ بات ہے کہ جب بھی یہ ظاہر ہوتے ہیں ان کی روشنی ظلمتوں کو دور کرتی ہے۔

◆ یہ بات خوب سمجھ لو۔ مجھے امید ہے کہ تجھے افاقہ ہوگا۔ تم وہ امر سمجھ جاؤ گے جو آسمانوں سے بالا ہے کہ ان دونوں شہروں کے لیے فضیلت ہے۔ لیکن سارے علماء کا اتفاق ہے کہ وہ زمین جس نے آپ کے اعضاء مبارکہ کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ ساری زمین سے بہترین ہے۔

◆ عجیب امر یہ ہے کہ میری محبت اسی سے ہی تسلی پاتی ہے۔ اسی پاک زمین کو حضور اکرم ﷺ کی قبر انور کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ ہارا اپنے جواہرات کی وجہ سے گراں قدر ہوتے ہیں۔ جی ہاں! لوگوں نے سچ کہا ہے کہ زمین اپنے یکنوں کی وجہ سے ارفع مقام پاتی ہے۔ جیسے نفس اس وقت پاک ہوتا ہے جس وقت اس کا ٹھکانہ پاک ہو جاتا ہے۔

◆ میں تمہیں کہتا ہوں تم فراق اختیار کرنے والے نہ بنو۔ آپ کے حجرات مقدسہ کے پاس قیام کرو یہ ہیبت کا مقام ہے۔ وہاں التجا کرو تمہیں غائب و خاسر نہیں ہونا پڑے گا۔ اسی سے مدینہ طیبہ کی فضیلت آشکارا ہوتی ہے اور اب ساری فضیلتیں اس میں موجود ہیں۔

◆ اس سے مخلوق کے لیے واضح رسۂ ظاہر ہوا شہروں پر یہ بہت بڑا احسان ہے اس کی فضیلت کے خصائص طاقتور ہیں۔ اسے جنت کے باغ کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مشرف کیا ہے اور یہ عنایت کیا ہے۔

◆ یہ دیکھنے والے دل کے لیے مخفی نہیں ہے۔ اپنے دل کو خواہشات سے پاک کرو اور دیکھو اپنے دل کو خواہشات سے پاک کر دو غور و فکر کرو۔ وہاں پر اپنا رخسار رکھ دو۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور اس شہر خوباں کو سیراب کرے۔

◆ یہ رات کو آنے والے ہر شیطان سے محفوظ ہے۔ یہ دجال کے داخل ہونے اور طاعون کے لاحق ہونے سے محفوظ ہے۔ اس میں انسان کا دل پر اعتماد رہتا ہے۔ یہ اس کے عمدہ محاسن ہیں کیا اس کا کوئی دلفگار عاشق ہے جو اس سے دور رہنے پر انتہائی بخیل ہو۔

◆ مولا! مجھے ہمیشہ اس کی حمایت کے تحفظ میں رکھ۔ میں جب اس سے دور ہونے کا ارادہ کروں میری موت سے کچھ دیر قبل مجھے یہاں لے آ۔ میں خوفزدہ ہوں کہ میں کہیں اس سے جدا نہ ہو جاؤں۔ اس طرح میرے دل کو بہت دکھ اور درد ہو۔

◆ اے وہ بہترین ذات والا، جس سے کچھ مانگا جاتا ہے۔ اے سب سے کریم ذات جس سے دعا مانگی جاتی ہے۔ میرا کجاوہ اور اسلام اس شہر سے دور نہ کر۔ اس مبارک جگہ سے دور ہونا خسارہ ہی خسارہ ہے۔ میں جب بھی کسی جانے

والے کا حال دیکھتا ہوں تو میرا دل اس کے لیے غمزدہ اور مغموم ہو جاتا ہے۔

♦ جان بوجھ کر اس شہر سے کوچ نہ کرو۔ میں اس سفر کو ضائع سمجھتا ہوں۔ اگر تم یہاں ٹھہرے رہو تو تمہاری اطاعت ہے

میں تمہیں کیوں دیکھتا ہوں کہ تم یکے بعد دیگرے گروہوں کی صورت میں اس کی پناہ طلب کرتے ہوئے آرہے ہو۔

♦ یہ سفر کیوں ہے؟ مدینہ طیبہ میں ہی تمہاری حفاظت کا سامان ہے حضور خیر المخلوق ﷺ کے طفیل ہی تمہیں مدد حاصل

ہوگی یہاں تمہارا ہونا اور ٹھہرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ بخدا! تمہاری جدائی نے میرے دل کی آگ کو بھڑکا دیا

ہے اور میری آنکھوں سے پانی کے چشمے بہہ نکلے ہیں۔

♦ بخدا! تم نے ہر نیکی کو ضائع کر دیا ہے مدینہ طیبہ کی طرف واپس آ جاؤ اس کی برکات و خیرات کم نہیں ہیں۔ مجھے کیا

ہے اگر تم میرا یہ حیلہ قبول نہ کرو۔ اگر فضیلت کی جستجو میں پریشان ہو تو پھر اس شہر مبارک میں ساری خیرات جمع ہیں۔

♦ کیا تم کسی جاہ و منصب کے حصول کے لیے یہاں سے سفر کرنا چاہتے ہو۔ تو حضور اکرم ﷺ کا جاہ و منصب سب سے

اکمل ہے۔ یا تمہیں پیاس نے آکھیا ہے تو یہ عمدہ چشمہ ہے یا تمہیں کسی نقصان کا اندیشہ ہے تو پھر ان برکات میں غورو

فکر کرو جن میں سے عمدہ ترین تک تم پہنچو گے۔

♦ جب انسان کسی تنگی کی وجہ سے یہاں سے سفر نہیں کرتا یہاں تھوڑے رزق پر گزارہ کر لیتا ہے یہاں قناعت کرو

اگر چہ تھوڑے سے لقمے کے ساتھ ہی۔ اس کے لیے ہلاکت جو کسی خواہش نفسانی کی وجہ سے زیادہ مانگتا ہے۔ وہ

ایسی زندگی کے حصول کے لیے یہاں سے جاتا ہے جس کے انجام کا اسے علم نہیں۔

♦ خواہش نفسانی اور تلذذ کی وجہ سے یہاں سے کوچ نہ کرو۔ ذرا اس پناہ اور لذت کو دیکھو۔ جس پر نفس قائم رہ سکے۔

اسی پر قناعت کرو اور اتنی غذا حاصل کرو جو زندگی کے لیے وہ کافی ہو جو کفایت کرے۔ وہ صحیح نہیں جو نفوس کو سرکشی پر

ابھارے اور اس کی خیمیں آرزوؤں کو پورا کر دے۔

♦ وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جو اس میں قحط سالی کی پرواہ نہیں کرتا جو اطاعت گزار ہو کر یہاں زندگی بسر کرتا ہے وہ

وہاں سالوں کی مدت کو ایک ساعت سمجھتا ہے۔ مولا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس کے کم رزق پر مجھے قناعت

کرنے کی توفیق دے دے۔ اور اس کی پناہ گاہ میں مجھے قلعہ بند ہونے کی توفیق عطا فرما۔

♦ مولا! یہ سراپا نعمت ہے۔ اس کی نعمتوں کا ابر کرم مجھ پر برسا۔ اس کے زائر سے محبت کرو اور اس کے مقیم سے راضی ہو

جا۔ میں اس وقت سعید ہوں گا جب تو مجھے یہاں قیام کرنے کی سعادت عطا کرے گا اور تیری رضا اور وہاں دائمی

قیام حاصل ہو جائے گا حتیٰ کہ میں دنیا سے فانی کو خیر آباد کہہ جاؤں گا۔

♦ مولا! اس شہر خوباں تک پہنچنا میرے لیے آسان کر دے۔ میرے نفس کو آمادہ کر کہ وہ اس میں داخل ہو جائے۔
نفس تجھ سے سوال کرتا ہے اے کریم! اسے قبول فرما۔ میں نے نفس کی تمنا کو پورا کر دیا ہے۔ میں نے اس کی
التماء کو قبول کر لیا ہے اس کے لیے بشارت!

♦ اگر تم سچے اور ہمت والے ہو تو اس مبارک شہر کی خدمت کرو۔ اس کی خدمت ضائع ہونے والی نہیں ہوتی۔ یہاں
سیر کرو۔ یہ اس ذات کا پڑوس ہے جو ساری دنیا سے زیادہ اپنے عہد کو نبھانے والی ہے اور سب سے معزز ہے اس
کے قرب پر فخر کیا جاسکتا ہے۔

♦ ہر کارواں کے ساتھ طیبہ کا عزم کرو۔ وہاں قیام کرو اگر منگھی بھر غذا میسر ہو سکے تو اسی پر قناعت کرو ہر سال اس ذات
والا کی زیارت کرو جو آیات اور نور کے ساتھ تشریف لائی۔ دلوں کو اندھے پن سے شفا یاب کیا۔

♦ آپ کا یہ بہت بڑا منصب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیر کرائی۔ آپ ہمارے لیے شفیع کریم ہیں آپ ایسی کریم
ذات ہیں جنہیں دیدار الہی کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ آپ شرف اس مقام کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ جسے وسیلہ
کہا جاتا ہے۔ وہ بہترین ذات ہے جسے یہ مقام عطا کیا جائے گا۔

♦ سارے اخلاق کریمانہ آپ کی مبارک چادر کی تہ میں ہیں آپ کے ورود مسعود کی وجہ سے ساری کائنات روشن
ہو گئی۔ سمندر ان کی سخاوت کے عطیات سمیٹنے سے عاجز ہے۔ آپ کائنات کی آنکھ کی پتلی ہیں اور اس کے وجود کا راز
ہیں۔ آپ یسین، زندگی کی اکیر اور طہ ہیں۔

♦ غار کے کبوتر نے آپ کی حفاظت کی۔ جنگل میں بھیڑیے نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔ میں آپ کی ذات کی جلالت کو
شمار کیسے کر سکتا ہوں۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔ میں آپ کی کچھ صفات بھی بیان نہیں کر سکتا۔ اگرچہ میرے پاس
سنگریزوں جتنے منہ ہوں۔

♦ شفاعت کا امر آپ کے دست اقدس میں ہے۔ ہر نی نے آپ کو پکارا تو اس کا نقصان ختم ہو گیا۔ روح آپ کی
خدمت میں حاضر ہوتی ہے تو آپ اس کی قدر کو شرف عطا کر دیتے ہیں۔ آپ کے اتنے کثیر محاسن ہیں جن کا شمار
ممکن ہی نہیں آپ کی مثال اور نظیر ہمیں نظر ہی نہیں آتی۔

♦ رب تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے دونوں جہانوں میں آپ کو ہر قسم کی عنایت عطا کی ہے۔ آپ
بزرگی کی انتہائی رفعتوں پر فائز ہیں۔ میں قرآن پاک کی ایک ایسی آیت سے آگاہ ہوا ہوں۔ جس سے مجھے علم ہوا
ہے کہ آپ کی رفعت کو مشابہت نہیں دی جاسکتی۔

- ◆ میں نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو خصائص کے ساتھ مختص کیا ہے آسمان کے فرشتوں کے ساتھ آپ کی تائید کی گئی۔ انبیائے کرام کی زبان سے آپ کی تعریف کی گئی۔ میں نے دیکھا کہ عالمین کی فضیلت محدود ہے لیکن نبی مختار ﷺ کے فضائل ان گنت ہیں۔
- ◆ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی تعریفیں باقی رہیں گی۔ ہم میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں جو آپ کی عمدہ تعریف ہیں۔ آپ کے عمدہ اوصاف نے اہل زبان کو تھکا دیا ہے۔ اس ذات والا کی تعریف کا احاطہ کرنے کی سبیل کیسے ہو سکتی ہے جیسے اس کا معبود برحق فرمادے۔ ”آپ کا منصب رفیع ہے۔“
- ◆ تمہارے زندگی بھر کے ساتھی گمراہ نہ ہوئے۔ آپ کو منتخب کر لیا گیا اور آپ کی تکریم کی گئی۔ آپ کے دل نے جھوٹ نہ بولا بلند مقام پایا۔ آپ کے لیے یہی کافی ہے جو آسمان کے رب نے فرمایا ہے اس نے کہا ہے:۔ جو آپ کی بیعت کر رہے تھے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بیعت کر رہے تھے۔“
- ◆ سارے انبیائے کرام نے آپ کی فضیلت کی گواہی دی ہے۔ آپ ختم المرسلین ﷺ ہیں۔ اس لیے وہ آپ سے پہلے تشریف لائے۔ آپ کو لوہا حمد اٹھانے سے مختص کیا گیا ہے۔ کیا ایسے فخر آپ سے قبل کسی کے لیے تو نے سنے ہیں۔ آپ کی کریم خلقت کتنی پاکیزہ ہے۔
- ◆ اے ہادی کی امت! تمہاری مثل کون ہو سکتا ہے۔ احمد مجتبیٰ ﷺ کا جلال تمہارے کمال کو دیکھ رہا ہے۔ آپ ہی تمہاری پردہ پوشی فرمانے والے ہیں۔ آپ ہی تمہارے انجام کے لیے عمدہ ذخیرہ ہیں۔ آپ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرو۔ اسی کے ساتھ ہی نفوس کو رشد اور عنایت جیسی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔
- ◆ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں حضور اکرم ﷺ جیسا کوئی نہیں۔ روزِ حشر آپ ہی مقام محمود پر فائز ہوں گے۔ آپ کا حوض کوثر ایک عمدہ مورد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر کسی قید کے بغیر ہی صلوٰۃ و سلام بھیجے۔ آپ کی ذات والا پر رب تعالیٰ کی بہت زیادہ برکات ہوں۔
- ◆ آپ پر درود پڑھنا ہی ہمیں کل بچائے گا۔ جب غمزدہ ہو جاؤ تو اپنے پاس حضور انور ﷺ کا ذکر خیر کر لو۔ دشمنوں کے جگروں کو آپ پر درود شریف پڑھ کر غینظ میں مبتلا کر دو۔ آپ کی عظیم اولاد پاک پر بھی درود شریف بھیجو جو ہدایت کے سورج ہیں آپ کی عمرت پاک کی تکریم کرو اور جوان سے محبت کرے اس کی تعظیم کرو۔
- ◆ حضور اکرم ﷺ کی اولاد پاک کی تعظیم کرو۔ ان کے پاس ہی آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔ جو دو سخاں کے ہاتھوں کی ملکیت ہے۔ ہماری تعریف کا رخ آپ کی طرف اور آپ کی اولاد پاک کی طرف ہے۔ اسی طرح آپ پر اور آپ

کی اولاد پاک پر ہمارا سلام ہو۔ اور اس مبارک گروہ پر سلام ہو جنہوں نے ان کی اصلاح کی گواہی دی ہے۔

◆ جب فیاضی آپ کے بادل کو تلاش کرتی تو بلند اقبال لوگ ضرورت کے وقت آپ کے دروازوں کے پاس ہی آتے تھے۔ وہ موروثی بزرگی کے جوہر کے وارث بنے۔ میری مراد آپ کے دانشمند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو تقویٰ شعار گروہ ہے۔ جسے ہدایت ملی ان کی ہدایت کی وجہ سے ملی۔

◆ میں نے حضور اکرم ﷺ کی تعریف کی ہے۔ آپ کی پناہ کی طرح کی کوئی پناہ نہیں، آپ اس سے راضی ہو جائیں اور اس کے نفاذ کا کرم فرمادیں تو پھر وہ پناہ کتنی عمدہ ہے جسے میں حاصل کر رہا ہوں۔ ساری تعریفیں اللہ کریم کے لیے ہیں یہ عمدہ اشیاء ہیں میرا خیال ہے کہ آپ ان سے راضی ہو جائیں گے۔

شیخ ابو عبد اللہ محمد نے ایک قصیدہ کو یوں خماسی بنایا ہے۔

◆ علامہ بسکری کے قصیدہ نے قبولیت کا شرف حاصل کر لیا۔ مجھے کہا گیا کہ میں اسے خماسی بنا دوں تاکہ یہ طویل ہو جائے۔ میں نے ثواب کے دروازہ میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ میں نے کلام آراستہ کرنے کے لیے اپنا دامن کھینچا۔ کہا گیا کہ باغ پھلیں پھولیں اور ان کی خوشبو میں اضافہ ہو۔

◆ اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے۔ مجھے معاف کرے اور اسے معاف کرے جو اسے پڑھے۔ دار نعیم میں ہمارے لیے ضیافت کا اہتمام کرے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مخلصین کا اجر عطا کرے۔ ان کے قصیدہ پر سچائی کی روشنی دکھی جاسکتی ہے۔ ان کے لیے وہی خواب کافی ہے جو انہوں نے دیکھا۔

◆ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: ”میں اس قصیدہ کی وجہ سے راضی ہو گیا ہوں۔ انہوں نے اپنی عمدہ نیت کی وجہ سے بشارت کو پالیا ہے۔ اگر میں پسند کروں کہ میں بھی اس کی مثل پالوں تو یہ سعادت ہے جس سے مجھے نوازا گیا ہے۔ وہاں میرا دل اپنی خواہشات بر آنے پر کامیاب ہو جائے گا۔“

◆ مولا! حضور نبی مختار ﷺ کے طفیل ہمارا معاملہ آسان کر دے۔ ہماری لغزشیں بخش دے۔ ہمارا نقصان ختم کر دے۔ ہمارے عطیات کو بڑا کر دے۔ ہماری ستر پوشی فرما۔ مدینہ طیبہ میں آپ کی پناہ میں ہمارا ٹھکانہ بنا۔ ہمارے نفوس کے سوالات اور ان کی دعائیں قبول فرما۔

◆ اے اللہ! حضور اکرم ﷺ پر درود شریف بھیج۔ آپ کی آل پر اور صحابہ کرام پر جو قیام، رکوع اور سجود کرتے تھے جو اپنی زبان، ہاتھوں اور مال سے تیرے دین کا دفاع کرتے۔ وہ حضور اکرم ﷺ سے اور آپ کے بلند مقام سے محبت کرتے تھے۔

ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال کے اہم واقعات

پہلا باب

آپ کی نماز جمعہ

یہ پہلا جمعہ المبارک تھا جو آپ ﷺ نے ادا فرمایا۔ یہ پہلا خطبہ تھا جو اسلام میں دیا گیا۔ جیسے کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمان نے ”العیون“ میں ابن اسحاق سے نقل کیا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابی سلمہ بن عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”یہ پہلا خطبہ تھا جو حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں دیا۔ آپ اہل مدینہ طیبہ میں کھڑے ہو گئے۔ رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: ”اما بعد! اے لوگو! نیک اعمال سرانجام دو۔ تم سب کو ضرور جان لینا چاہے کہ تم میں سے ہر ایک نے صاعقہ کا سامنا کرنا ہے۔ وہ اپنی بھیڑ میں اس حالت میں چھوڑے گا کہ انہیں چرانے والا کوئی نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب تعالیٰ اس سے ضرور پوچھے گا۔ اس کے لیے نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ ہی حاجب۔ جو اس سے اس کے لیے پردہ کرے“ کیا تیرے پاس میرا رسول مکرم ﷺ تشریف نہیں لایا۔ اس نے تجھے تبلیغ نہیں کی۔ میں نے تجھے مال عطا نہیں کیا۔ کیا میں نے تجھ پر فضل و کرم نہیں کیا۔ اب بتا تو نے اپنے لیے کیا آگے بھیجا ہے؟ وہ اپنے دائیں بائیں دیکھے گا۔ اسے کچھ نظر نہ آئے گا وہ اپنے سامنے دیکھے گا اسے جہنم کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ جو اپنے چہرے کو جہنم سے بچانے کی استطاعت رکھتا ہو خواہ کھجور کے ٹکڑے سے ہی، وہ ضرور اس طرح کرے۔ جو یہ بھی نہ پائے اسے عمدہ گفتگو سے ہی اپنے آپ کو جہنم سے بچانا چاہیے۔ وہاں ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات گنا تک ہوگا۔ السلام علیکم و السلام علی رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پھر آپ نے دوسری بار ایک اور خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اس سے مدد طلب کرتا ہوں۔ ہم اپنے نفوس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے صرف اسی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمادے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت عطا نہیں کر سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ بہترین کلام رب تعالیٰ کی کتاب ہے وہ کامیاب ہو گیا جس کے دل میں رب تعالیٰ نے اسے مزین کر دیا۔ کفر کے بعد اسے اسلام میں داخل کر دیا۔ اسے لوگوں کی باتوں پر ترجیح دی۔ یہ ساری باتوں سے عمدہ کلام ہے۔ سارے کلاموں سے بلیغ ہے اس سے تم بھی پیار کرو جس سے اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے۔ دلوں کی اتھاہ گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرو۔ کلام الہی اور ذکر الہی سے اکتانہ جاؤ۔ تمہارے دل اس سے بیزار نہ ہو جائیں۔ کیونکہ یہ کلام ان چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے پھر انہیں منتخب کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اعمال میں سے عمدہ ترین بندوں میں سے برگزیدہ اور کلام میں سے صالح کا نام دیا ہے۔ جو کچھ لوگوں کو دیا گیا ہے اس میں سے بعض حلال اور حرام امور ہیں۔ رب تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ رب تعالیٰ کے بارے سچ کہو یہ بہترین بات ہے جو تم کرتے ہو۔ رحمت الہیہ کی وجہ سے باہم محبت کرو۔ رب تعالیٰ اس کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑنے سے ناراض ہوتا ہے۔“

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ابن جریر نے حضرت سعید بن عبد الرحمان الجمعی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے مدینہ طیبہ میں پہلے جمعۃ المبارک کے موقع پر یہ خطبہ دیا۔ ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں اسی کی تعریف کرتا ہوں۔ اسی سے مدد طلب کرتا ہوں اسی سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اسی سے ہدایت مانگتا ہوں۔ اسی پر ایمان لاتا ہوں۔ اس کا کفر نہیں کرتا۔ اسکے ساتھ جو کفر کرتا ہے اس سے عداوت رکھتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لا شریک ہے۔ محمد عربی (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس نے انہیں ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ نور اور نصیحت کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اس وقت رسل عظام کو تشریف لائے کافی مدت گزر چکی تھی۔ لوگوں کے پاس علم قلیل تھا۔ لوگ گمراہی میں مبتلا تھے۔ قیامت قریب آگئی ہے موت کا وقت بھی قریب آگیا ہے جو اللہ رب العزت اور اس کے رسول کریم ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ کامیاب ہے۔“

جس نے ان کی نافرمانی کی۔ وہ گمراہ ہو گیا۔ جس نے زیادتی کی اور بہت زیادہ گمراہ ہو گیا۔ میں تمہیں رب تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو جو عمدہ وصیت کر سکتا وہ یہ ہے کہ وہ اسے آخرت کی ترغیب

دے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرے۔ اس سے ڈرو جس سے رب تعالیٰ نے تمہیں ڈرایا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی ذکر نہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اس خوف کی بنا پر تقویٰ پر عمل کرتا ہے تو یہ امر اس کے لیے اس چیز کے حصول کے لیے عمدہ مددگار ہوگا۔ جو تم آخرت کے بارے چاہتے ہو۔ جو اعلانیہ اور مخفی طور پر اس امر کی اصلاح کر لیتا ہے جو اس کے اور اس کے رب تعالیٰ کے مابین ہے اس سے مقصود صرف رضائے الہی ہوتی ہے تو پھر اس دنیا میں یہ اس کے لیے ذکر بن جائے گا اور موت کے بعد اس کے لیے توشہ بن جائے گا۔ جب انسان اس چیز کا محتاج ہوگا جو اس نے آگے بھیجی ہوگی۔ جو کچھ اس کے علاوہ ہے اس کے بارے وہ چاہے گا کہ اس کے اور اس کے مابین طویل بعد ہوتا۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ (آل عمران: ۳۰)

ترجمہ: ”ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔“

اس نے سچ بات فرمائی۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اس میں کوئی وعدہ خلافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۲۹﴾ (ق: ۲۹)

ترجمہ: ”میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں۔“

اپنے جلد ملنے والے یادیر ملنے والے امور میں رب تعالیٰ سے ڈرو۔

بلاشبہ

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۗ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۗ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۗ (الطلاق: ۵)

ترجمہ: ”اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روزِ قیامت) اس کے اجر کو

بڑا کر دے گا۔“

جو رب تعالیٰ سے ڈرا وہ بہت بڑی کامیابی حاصل کر گیا۔ تقویٰ رب تعالیٰ کی ناراضگی سے بچاتا ہے۔ یہ اس کی سزا اور ناراضگی سے بچاتا ہے۔ تقویٰ چہرہ کو سفید کرتا ہے۔ رب کو راضی کرتا ہے درجات بلند کرتا ہے اپنا حصہ حاصل کرو۔ رب تعالیٰ کی جناب میں تفریط نہ کرو اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم دی ہے۔ اس نے تمہارے لیے اپنا رستہ واضح کیا۔ تاکہ وہ بچوں اور جھوٹوں کے بارے جان لے۔ تم اس طرح احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے اس کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھو۔ اس کے رستہ میں جہاد کا حق ادا کرو۔ اس نے تمہیں جن لیا ہے اور اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنِّي بِيْنَةً وَيَجِيءَ مَنْ حَيَّ عَنِّي بِيْنَةً ۗ (الانفال: ۴۲)

ترجمہ: ”تاکہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو اور جو جینے دلیل سے جینے۔“

اللہ تعالیٰ کی طاقت اور اختیار کے علاوہ اور کوئی طاقت اور اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو۔ موت کے بعد جو کچھ ہے اسے جان لو۔ جو اس امر کی اصلاح کر لیتا ہے جو اس کے اور رب تعالیٰ کے مابین ہے تو رب تعالیٰ اس کے اس امر کے لیے کافی ہو جاتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے مابین ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلے کرتا ہے۔ وہ اس کے خلاف فیصلے نہیں کر سکتے۔ لوگوں کا مالک وہی ہے۔ لوگوں کو اس پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ اللہ اکبر۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

تنبیہات

❖ الروض الانف میں ہے ”آپ نے فرمایا: ”احبوا اللہ من کل قلوبکم“ اس سے مراد یہ ہے کہ دل کے سارے اجزاء پر اس کی محبت کا غلبہ ہو۔ دل کا ہر عمل اور ذکر رب تعالیٰ کے لیے سراپا خلوص ہو۔ ”فانہ من کل ما یخلق اللہ یختار و یصطفی“ کے بارے امام سہلی نے لکھا ہے کہ فائزہ میں الہاء ضمیر کلام الہی کی طرف راجع نہیں ہے۔ بلکہ یہ امر اور حدیث کی ضمیر ہے۔ گویا کہ فرمایا: ”ان الحدیث من کل... کیونکہ سارے اعمال اللہ رب العزت کے تخلیق کردہ ہیں۔ ان میں سے جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ و ربک یخلق من یشاء و یختار۔ (قصص: ۶۸) آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ خیرتہ من الاعمال سے مراد ذکر اور تلاوت کلام الہی ہے۔ مصطفیٰ من عبادۃ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔

اللہ یصطفیٰ من الملیکۃ رسلاً و من الناس (ج: ۷۵)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ جن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بعض کو رسول۔“

ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ عمل ہو جو لوگوں کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں ”من“ تبعینیہ نہیں ہوگا۔ یہ ابتدائے غایت کے لیے ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جس کی توفیق رب تعالیٰ نے دی ہے۔ اور پھر اسے مکمل کرنے کی توفیق دی ہے۔

ان الحمد للہ احمدۃ میں الحمد للہ دال کے رفع کے ساتھ ہے۔ میں نے اس کا اعراب اسی طرح دیکھا ہے۔ یہ اعراب حکایتی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اضممار الامر کی وجہ سے ہے۔ گویا کہ یوں فرمایا: ”ان الامر الذی اذکرہ“ کی ضمیر جو امر کی طرف راجع تھی اسے حذف کر دیا۔ تاکہ کوئی بھی چیز رب تعالیٰ کی حمد سے مقدم نہ ہو

سکے۔ ان کا مقدم ہونا اسماء کی تقدیم میں سے نہیں ہے۔ یہ تو ایک حرف ہے جو اپنے مابعد کو مؤکد کرتا ہے۔ قرآن پاک کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے حصول برکت کے لیے اپنے خطبہ کا آغاز بھی حمد سے کیا۔

روز جمعہ کو جمعہ کیوں کہا جاتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اسے عروبہ کہا جاتا تھا۔ ابو جعفر النخاس نے اپنی کتاب "صناعة الكتابة" میں لکھا ہے کہ اہل عرب الف لام کے ساتھ شاذو نادر ہی معرب بناتے ہیں۔ اس کا معنی ہے واضح اور عظیم دن۔ اسکا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں مخلوق جمع ہوتی ہے۔ ابو حذیفہ بخاری نے اسے المبتداء میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کیونکہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی۔

امام احمد، امام نسائی، ابن خزیمہ اور ابن ابی حاتم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ روز جمعہ کیا ہے۔ میں نے عرض کی: "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول محترم ﷺ ہی جانتے ہیں۔" آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ تیسری بار آپ نے فرمایا: "کیونکہ اس میں تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی۔" اس روایت کا ایک شاہد بھی ہے۔ جسے ابن ابی حاتم نے قوی اسناد سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد نے اسے مرفوع روایت کہا ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے "یہ اصح ہے اس روایت کے ساتھ ساتھ وہ روایت بھی ہے جسے امام ابن سیرین نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انصار حضرت اسعد بن زرارہ کے ہمراہ جمع ہوتے تھے۔ وہ یوم جمعہ کو یوم العروبہ کہتے تھے۔ وہ انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ انہیں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ وہ اس کو اس اجتماع کی وجہ سے یوم جمعہ کہتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ کیونکہ لوگ اس میں نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اس لیے اسے روز جمعہ کہتے تھے۔ اسے ابن حزم نے یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کیونکہ یہ اسلامی نام ہے۔ جو زمانہ جاہلیت میں نہیں تھا اسے پہلے عروبہ کہا جاتا تھا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اہل لغت نے لکھا ہے "عروبہ ایک قدیمی نام ہے۔ جو زمانہ جاہلیت میں تھا۔ وہ کہتے تھے جمعہ سے مراد یوم العروبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے ساتوں دنوں کے نام تبدیل کر دیے تھے۔ ان کے پہلے نام یہ ہیں "اول، اھون، جبار، ذبار، مونس، عروبہ اور شیار۔"

علامہ جوہری نے لکھا ہے "اہل عرب اپنے پرانے ناموں میں سوموار کو "اھون" کہتے تھے۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نام تو تھے جو آج تک متعارف ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کعب بنی لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا تھا۔ یہ قول دلیل کا محتاج ہے کہ اہل عرب نے اس کا نام تبدیل کر کے جمعہ رکھا تھا۔ اور عروبہ کا نام خاص نقل کی طرف

باقی رکھا۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ آنے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ میں نماز جمعہ پڑھتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کے اذن سے تھا۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ آنے سے قبل نماز جمعہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام کو مکہ مکرمہ میں جمع نہ کر سکتے تھے۔ نہ ہی آپ اس کا آغاز کر سکتے تھے۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا۔ ”اما بعد! اس دن میں غور و فکر کرو جس طرح یہود ہفتہ کے روز زبور باواز بلند پڑھتے ہیں۔ اپنی خواتین اور بچوں کو جمع کرو۔ جب سورج جمعہ کے روز زوال سے ڈھل جائے۔ تو دو رکعتیں پڑھ کر رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔“ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ پڑھائی حتیٰ کہ حضور انور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے وہ ظہر کے وقت صحابہ کرام کو جمع کرتے۔“ اس روایت کی سند میں محمد بن غالب باہلی ہیں ان پر حدیث وضع کرنے کی تہمت لگائی جاتی تھی الزھر میں ”اس روایت کے متن میں ارسال ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے نماز جمعہ شروع کی تھی۔ عبدالرزاق نے صحیح سند سے حضرت محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ آیت جمعہ اترنے سے قبل اور حضور انور ﷺ کے مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہونے سے قبل اہل مدینہ طیبہ نماز جمعہ پڑھتے تھے۔ انصار نے کہا: ”یہودیوں کے لیے ہفتہ میں ایک دن متعین ہے جس میں وہ جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں کے لیے ایک دن متعین ہے۔ آئیں ہم بھی ایک دن جمع ہو جایا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں۔ نماز پڑھا کریں اور اس کا شکر ادا کیا کریں۔ انہوں نے یوم العروہ کو اس کام کے لیے مختص کیا وہ حضرت اسعد بن ذرارہ کے ہاں جمع ہوتے تھے۔ وہ انہیں نماز جمعہ پڑھاتے تھے اس کے بعد یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ. (البقرہ: ۹)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب تمہیں بلا یا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف۔“

الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے۔ لیکن اس کی شاہد روایت بھی ہے جس کی سند حسن ہے۔ جسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح لکھا ہے۔ حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے قبل حضرت اسعد بن ذرارہ رضی اللہ عنہ ہمیں نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔ حضرت ابن سیرین کی مرسل روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان صحابہ کرام نے روز جمعہ کو اپنے اجتہاد سے منتخب کیا

تھا۔ اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہوں اور آپ نے وحی کے ذریعے اس کے بارے جان لیا ہو۔ لیکن مکہ مکرمہ میں یہ ممکن نہ ہو۔ جیسے کہ گذشتہ روایات سے عیاں ہوتا ہے۔ پھر آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز جمعہ پڑھائی۔ جیسے ابن اسحاق نے روایت کیا ہے صحابہ کرام کو توفیق الہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ذریعے اس دن کو منتخب کرنے کی توفیق ملی۔

ایک قول یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق اسی دن مکمل ہوئی انسان کو عبادت کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ وہ اس روز عبادت میں مشغول رہے۔ رب تعالیٰ نے اس روز موجودات کو مکمل کیا۔ اس میں اس انسان کو پیدا کیا جو ان سے نفع اٹھاتا ہے۔ لازم ہے کہ وہ اس روز عبادت کر کے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس کا تتمہ خصائص میں آئے گا ان شاء اللہ!



مسجد نبوی کی تعمیر

یہ روایت گزر چکی ہے۔ مسجد نبوی کے دروازے کے پاس آپ کی مبارک اونٹنی بیٹھی تھی۔ آپ نے فرمایا: ”یہی قیام گاہ ہے۔“

پھر آپ نیچے تشریف لے آئے۔ آپ نے یوں عرض کی:

رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبْرَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۲۹﴾ (المؤمنون: ۲۹)

ترجمہ: ”اے میرے رب اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔“

یہ جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ جن کا نام سہل اور سہیل تھا۔ اس جگہ کھجوریں خشک کی جاتی تھیں۔ یحییٰ بن حسن اور بلاذری وغیرہما نے ان کا نسب یوں لکھا ہے۔ ”ابنار افع بن ابی عمرو بن عائذ بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار۔ ابن حزم نے یہی صراحت لکھی ہے۔ ابو عمر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ یہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما کی کفالت میں تھے۔“

صحیح روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بنو نجار کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ نے فرمایا: ”بنو نجار! مجھ سے اس قطعہ زمین کی قیمت لے لو۔“ انہوں نے عرض کی: ”بخدا! ہم اس کی قیمت (اجر و ثواب) صرف اللہ تعالیٰ سے حاصل کریں گے۔“

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں بچوں کو بلایا اور اس جگہ کا سودا کیا تا کہ اس جگہ مسجد نبوی تعمیر کر لیں۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کرتے ہیں۔“ مگر آپ نے ان سے بطور ہبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ یہ جگہ ان سے خرید لی۔ پھر یہاں مبارک مسجد تعمیر کی۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما نے حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اس جگہ مسجد بنا رکھی تھی۔

یحییٰ بن حسن نے حضرت زید بن ثابت کی والدہ ماجدہ حضرت نوار بنت مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل انہوں نے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا۔ وہ اسی جگہ لوگوں کو پانچ وقت کی نماز

پڑھاتے تھے۔ وہ اس جگہ لوگوں کو نماز جمعہ بھی پڑھاتے تھے۔ یہ حضرت سہل اور سہیل رضی اللہ عنہما کی جگہ تھی جہاں لوگ اپنی کھجوریں خشک کرتے تھے۔ گویا کہ میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھ رہی ہوں۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے اسی جگہ میں صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ اس جگہ مسجد تعمیر کی۔ یہی آپ کی مبارک مسجد ہے۔“

شیخان اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسجد کی صرف دیواریں تھیں جس پر چھت نہ تھی۔ اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ آپ نے غزقہ کی کھجوریں کاٹنے کا حکم دیا۔ زمانہ جاہلیت کی کچھ قبریں وہاں موجود تھیں۔ آپ نے وہ قبریں اکھیڑنے کا حکم دیا۔ ہڈیاں کہیں غائب کرنے کا حکم دیا۔ اس جگہ میں کچھ پانی تھا جس کا رسہ بنا کر باہر نکال دیا گیا۔ اس جگہ کچھ کھنڈرات تھے۔ انہیں ہموار کر دیا گیا۔ قبلہ کی طرف ستون رکھے گئے۔ ان پر چھت ڈالا گیا۔ دروازہ کی چوٹھیں پتھروں کی بنائی گئیں تھیں۔

ابن عائد نے لکھا ہے کہ اس جگہ عرش بنایا گیا تھا۔ جس میں آپ نے بارہ دن نماز ادا فرمائی پھر اس پر چھت ڈال دیا گیا۔ محمد بن حسن محزومی اور یحییٰ بن حسن نے حضرت شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: جب حضور اکرم ﷺ نے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا: ”حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ کے عرش کی طرح کا عرش میرے لیے بنا دو۔ جو تمام (جڑی بوٹی) لکڑیوں پر مشتمل ہو اور حضرت کلیم اللہ ﷺ کے سایہ بان کی طرح ہو۔ امر اس سے بھی زیادہ عجلت والا ہے۔ آپ سے عرش کی گئی کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ کا سایہ بان کیسا تھا؟ آپ نے فرمایا: ”جب وہ کھڑے ہوتے تھے تو ان کا سر اس کے چھت کے ساتھ لگتا تھا۔“ مسجد کی تعمیر میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ بنفس نفیس کام کیا۔ جیسے کہ صحیح میں ہے۔ آپ انہیں کام کی ترغیب دلاتے ہوئے ان کے ساتھ اینٹیں لانے لگے۔ آپ فرما رہے تھے:

اللهم ان الاجر اجر الآخرة فارحم الانصار والمهاجرة

ترجمہ: ”مولا! اجر تو آخرت کا اجر ہی ہے۔ انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔“

روایت ہے کہ یہ شعر حضرت عبد اللہ بن رواحہ کا ہے۔ امام زہری سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ یوں فرما رہے تھے: ”اللهم لا خیر الا خیر الآخرة فارحم المهاجرین والانصار۔“ یہ شعر کے وزن پر نہیں ہے۔ محمد بن حسن محزومی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ نے اپنی مسجد بنائی تو اینٹیں اور دیگر سامان تعمیر قریب کیا جا رہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اٹھے اپنی چادر مبارک رکھ دی۔ جب مہاجرین اولین اور انصار نے آپ کی یہ ادا دیکھی تو انہوں نے بھی اپنی چادریں رکھ دیں۔ وہ جڑ پڑھ کر کام کرنے لگے۔ وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔“

لئن قعدنا والنبي يعمل ذاك اذا للعبل المضلل

ترجمہ: ”اگر ہم بیٹھ جائیں اور حضور اکرم ﷺ کام میں مصروف رہیں تو یہ ایک نازیبا فعل ہوگا۔“

امام بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ جب حضور پاک ﷺ نے مسجد تعمیر کی تو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اعانت کی۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے سینہ اقدس پر مٹی لگ گئی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اپنے کام میں ماہر تھے۔ وہ اینٹیں اٹھاتے۔ انہیں اپنے کپڑوں سے دور رکھتے۔ جب اینٹیں نیچے رکھتے تو آستینیں جھاڑتے اپنے کپڑوں کو دیکھتے اگر ان پر مٹی نظر آتی تو اسے بھی جھاڑ لیتے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا تو یہ شعر پڑھے:

لا یستوی من یعمر المساجد

یدأب فیہا قائما و قاعدا

و من یزی عن الغبار حائدا

ترجمہ: ”مساجد کو آباد کرنے والا اور اس میں رکوع و سجود کرنے والا اور وہ شخص جو گرد و غبار سے بچنے سے کوشش کرتا ہے وہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔“

حضرت عمار بن یاسر نے یہ اشعار سن لیے۔ وہ انہیں پڑھنے لگے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان سے مراد کون ہے۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے کہا: ”اے ابن سمیہ! مجھے علم ہے تم کس کا ارادہ کیسے ہو؟“ ان کے ہاتھ میں شاخ تھی۔ انہوں نے کہا: ”یوں کہنے سے رک جاؤ۔ ورنہ میں اسے تمہارے چہرے پر مار دوں گا۔“ ان کی یہ بات حضور اکرم ﷺ نے سماعت فرمائی۔ آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر فرمایا: ”عمار میری دونوں آنکھوں اور ناک کے مابین کی جلد میں۔“ آپ نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ دیا۔ صحابہ کرام حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کچھ کہنے سے رک گئے۔ پھر انہوں نے حضرت عمار سے کہا: ”تمہاری وجہ سے حضور اکرم ﷺ ناراض ہوئے ہیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ ہمارے بارے قرآن پاک نازل ہوگا۔“ انہوں نے کہا: ”میں آپ کو راضی کر لوں گا۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرا اور آپ کے صحابہ کرام کا عجیب معاملہ ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”تمہارا اور ان کا کیا معاملہ ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”وہ مجھے شہید کرنا چاہتے ہیں۔ وہ خود ایک ایک اینٹ اٹھا رہے ہیں۔ جبکہ مجھ پر دو اینٹیں رکھ رہے ہیں۔ آپ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ان کے ساتھ مسجد میں گھومنے لگے۔ اپنے دست اقدس سے ان کے بال سے مٹی جھاڑنے لگے۔ فرمایا: ”اے ابن سمیہ! میرے صحابہ کرام تمہیں شہید نہیں کریں گے۔ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تم انہیں جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تمہیں آگ کی طرف بلائیں گے۔“ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”میں فتنوں سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔“

امام عبدالرزاق نے اس سند سے روایت کیا ہے جو شیخین کی شرط پر ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ امام

بخاری اور امام بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مسجد نبوی تعمیر کر رہے تھے تو صحابہ کرامؓ ایک ایک اینٹ اٹھانے لگے۔ حضرت عمارؓ دو دو اینٹیں اٹھانے لگے۔ ایک اینٹ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے جبکہ دوسری اینٹ اپنی طرف ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کی کمر پر دست اقدس پھیرا اور فرمایا: ”ابن سمنیہ! لوگوں کے لیے ایک اجر ہے تمہارے لیے دو اجر ہیں۔ دودھ تمہاری آخری غذا ہوگا۔ باغی گروہ تمہیں شہید کرے گا۔ تم انہیں جنت کی طرف بلاؤ گے وہ تمہیں آگ کی طرف بلائیں گے۔ حضرت عمار نے کہا: ”میں فتنوں سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔“

ابو یعلیٰ نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے راوی صحیح ہیں مگر تابعی نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نہیں سنا۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور انور ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔ تو آپ ایک پتھر لے کر آگئے اور اسے رکھ دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ایک پتھر لے کر آئے۔ انہوں نے بھی اسے رکھ دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ ایک پتھر لے کر آئے۔ انہوں نے اسے رکھا۔ ایک پتھر حضرت عثمان غنیؓ لے کر آئے۔ انہوں نے اسے بنیاد میں رکھا۔ حضور اکرم ﷺ سے اس امر کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”میرے بعد خلافت کا معاملہ اسی طرح ہوگا۔“

امام بیہقی نے قوی سند سے حضرت سفینہؓ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میرے بعد یہ امر کے والی ہوں گے۔“ امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے اینٹیں لا رہے تھے۔ میں نے آپ کی زیارت کی۔ آپ اپنے پیٹ مبارک کے ساتھ اینٹ لگا کر لا رہے تھے۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ امر آپ پر گراں گزر رہا ہے۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ مجھے پکڑا دیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اس کے علاوہ اور کوئی اینٹ اٹھا لو۔ کوئی زندگی نہیں مگر آخرت کی زندگی۔“ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب دوسری بار مسجد نبوی تعمیر کی گئی۔ کیونکہ پہلی تعمیر کے وقت تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ یحییٰ بن حسن نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ کے پاس پتھر تھا آپ کو حضرت اسید بن حضیرؓ ملے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ پتھر مجھے عطا فرما دیں۔“ آپ نے فرمایا: ”جاؤ اور پتھر اٹھا لاؤ تم مجھ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر و ثواب کے محتاج نہیں ہو۔“ امام احمد اور یحییٰ بن حسن نے حضرت طلق بن علیؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ مسجد تعمیر فرما رہے تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی اس میں آپ کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ میں گارا ملا سکتا تھا۔ میں نے پیچھ لیا اور مٹی ملانے لگا حضور اکرم ﷺ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”یہ حنفی مٹی ملانے کے لیے

ہے۔ آپ فرماتے تھے: ”اس یمامی کو مٹی کے قریب کرو۔ یہ اس کام کا زیادہ ماہر ہے اور اس کے شانے مضبوط ہیں۔“
 یحییٰ بن حسن نے حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: حضور اکرم ﷺ نے کم و بیش ستر ذراع طویل اور ساٹھ ذراع چوڑی مسجد تعمیر ہوئی۔ بقیع خجندہ میں اینٹیں تیار کی گئیں۔ اس کی دیواریں تعمیر کی گئیں اور لکڑی کے ستون قائم کیے گئے۔ اس کے وسط کو کھلا رکھا گیا۔ آپ کی دو از دو اج مطہرات کے لیے حجرے بھی تعمیر کیے گئے۔
 یحییٰ بن حسن نے حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ”آپ نے اینٹوں کے رزدہ پر اینٹ کے اوپر اینٹ رکھی پھر اینٹ کے ثلث پر دوسری نصف رکھی۔ جب صحابہ کرام کی کثرت ہو گئی۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کاش آپ اس میں اضافہ کر دیں۔“

آپ نے اس میں اضافہ فرما دیا۔ اور دو مختلف اینٹوں سے تعمیر کی۔ بنیاد کو تین ذراع تک پتھروں سے اٹھایا گیا۔ قبر کی طرف کی دیوار تقریباً ایک سو ذراع تھی۔ چوڑائی میں بھی یہی کیفیت تھی۔ یہ مسجد مربع شکل میں تھی۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پہلے مسجد پر چھت نہیں ڈالا گیا تھا۔ صحابہ کرام نے گرمی کی شکایت کی تو پھر اس کی لکڑی اور ستونوں کو شہتیر بنایا گیا اور کھجور کا چھت ڈالا گیا۔ جب چھت ٹپکنے لگا تو اس پر مٹی ڈال دی گئی۔ اس کو وسط سے کشادہ رکھا گیا۔

یحییٰ بن حسن نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسجد نبوی کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا۔ اس کے آخر میں تین دروازے رکھے۔ (۱) باب ابی بکر۔ آج کل یہ دروازہ قبلہ کی سمت ہے (۲) باب عاتکہ۔ اسے باب عاتکہ یا باب الرحمۃ کہا جاتا ہے۔ (۳) اس دروازے سے حضور اکرم ﷺ داخل ہوتے تھے۔ آج کل اسے باب آل عثمان کہا جاتا ہے۔ ان دو دروازوں کو قبلہ تبدیل ہونے کے بعد بھی تبدیل نہیں کیا گیا۔ جب قبلہ تبدیل ہو گیا تو آپ نے وہ دروازہ بند کر دیا۔ جو آپ کے پیچھے تھا۔ پھر اس کے بالکل سامنے ایک دروازہ بنایا گیا۔

ابن زبالت نے حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دو بار مسجد نبوی تعمیر کیا۔ ایک بار اس وقت تعمیر کیا گیا جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو اس وقت اس کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک سو ذراع سے کم تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے نبیر فتح کرایا تو اس تعمیر میں وسعت دی گئی۔ زبیر بن بکار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ”حضور اکرم ﷺ نے پہلے کھجور کی شاخوں سے مسجد تعمیر کی۔ اور ہجرت کے چار سال بعد اسے اینٹوں سے تعمیر کیا۔“

الطبرانی نے حضرت ابویسح سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے اسی شخص سے فرمایا جس کی زمین مسجد نبوی کے ساتھ متصل تھی۔ ”یہ قطعہ زمین دے دو۔ رب تعالیٰ تمہیں جنت میں گھر عطا کرے گا۔“ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اس شخص سے کہا: ”یہ قطعہ زمین دس ہزار درہم کے عوض فروخت کر دو۔“ انہوں نے اس شخص سے قطعہ

زمین خرید لیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ قطعہ زمین مجھ سے خرید لیجئے جو میں نے انصاری سے خریدا ہے۔“ آپ نے جنت میں گھر کے عوض ان سے وہ زمین کا ٹکڑا خرید لیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”میں نے اسے دس ہزار درہم کے عوض خریدا تھا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اینٹ رکھی۔ پھر آپ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے ایک اینٹ رکھی۔ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے ایک اینٹ رکھی۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے ایک اینٹ رکھی۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اب اینٹیں رکھو۔“ صحابہ کرام اینٹیں رکھنے لگے۔

امام احمد، امام ترمذی نے ثمامہ بن حزن القشیری سے، امام احمد اور امام دارقطنی نے احنف بن قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر سے نیچے دیکھا تو لوگوں سے پوچھا: ”کیا یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں؟“ لوگوں نے کہا: ”ہاں!“ انہوں نے پوچھا: ”کیا یہاں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں؟“ لوگوں نے بتایا: ”ہاں!“ انہوں نے کہا: ”میں تمہیں اس رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کیا تم جانتے ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو بنو فلاں سے زمین کا یہ ٹکڑا خریدے گا اور اس سے مسجد وسیع کرے گا۔ اس کے بدلے اسے جنت میں بھلائی نصیب ہوگی۔“

دوسری روایت میں ہے ”اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔“ میں نے اپنے مال میں سے عمدہ مال کے بیس ہزار درہم سے اسے خریدا۔ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی: ”میں نے وہ قطعہ زمین خرید لیا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”اسے ہماری مسجد میں شامل کر دو۔ اس کا اجر و ثواب تمہیں ملے گا۔“ صحابہ کرام نے کہا: ”ہاں! اللہ تعالیٰ کی قسم!“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے کونوں میں بعض صحابہ کرام کو کھڑا کیا تا کہ قبلہ کی سمت درست کریں۔ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ خانہ کعبہ کی طرف دیکھ لیں اور قبلہ کی سمت درست کر لیں۔“ انہوں نے اپنے دست اقدس سے اشارہ کیا۔ اس طرح خانہ کعبہ اور آپ کے مابین سارے پہاڑ ہٹ گئے۔ آپ نے خانہ کعبہ کو دیکھ کر مسجد کے قبلہ کی سمت کو درست کیا۔ اسے چکور بنایا۔ آپ کی نگاہ ناز کے سامنے کوئی چیز حائل نہ تھی۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو حضرت جبرائیل نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو پہاڑ درخت اور چیزیں پہلی حالت پر آگئیں۔ آپ کا قبلہ میزاب رحمت کی طرف بن گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے اپنی اس مسجد کا قبلہ مقرر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ میرے لیے کعبہ مقدسہ کو بلند کیا گیا۔ اسے میرے سامنے رکھ دیا گیا۔“

امام مالک علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ العتبیہ میں اسی طرح ہے ”میں نے سنا ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے

حضور اکرم ﷺ کے لیے مسجد نبوی کے قبلہ کی سمت کا تعین کیا۔ امام بخاری اور امام ابو داؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں میں مسجد نبوی ستونوں پر مشتمل تھی۔ یہ ستون کھجور کے تنوں کے بنے ہوئے تھے۔ کھجور کی شاخوں کا چھت ڈالا گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں یہ چھت بوسیدہ ہو گئی۔ انہوں نے اسے کھجور کے تنوں اور شاخوں سے تعمیر کیا۔ اس میں اضافہ نہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ کیا۔ انہوں نے اسے اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے تعمیر کیا۔ اس کے ستون لکڑی کے بنائے۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بوسیدہ ہو گئی۔ انہوں نے اس میں بہت سے اضافے کیے۔ منقش پتھروں اور چونے سے اس کی دیواریں تعمیر کیں۔ منقوش پتھروں سے اس کے ستون بنائے اور ساگوں کی چھت ڈالی۔ العیون میں ہے: ”انہوں نے عقیق سے پتھر بھی اس جگہ منتقل کیے۔“

سب سے پہلے مروان بن حکم نے مسجد میں گیلری بنائی۔ اسے منقش پتھروں سے بنایا اور اس کے لیے روشن دان مقرر کیا۔ پھر اس میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی۔ حتیٰ کہ ولید بن عبد الملک کا زمانہ آ گیا۔ اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی طرف خط لکھا۔ وہ اس وقت مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔ انہیں مسجد نبوی گرانے اور اسے از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس نے ان کی طرف مال مختلف رنگوں کے پتھر، سنگ مرمر اور شام اور مصر سے اسی رومی اور قبلی کاری گریجے۔ انہوں نے اسے تعمیر کیا اور اس میں بہت سے اضافے کیے۔ انہوں نے حضرت صالح بن کیسان کو اس پر نگران مقرر کیا۔ یہ ۸۷ھ یا ۸۸ھ کا واقعہ ہے۔ پھر کسی خلیفہ نے اس میں کمی و بیشی نہ کی۔ حتیٰ کہ مہدی خلیفہ بنا۔ محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ مہدی نے عبد الملک بن شیب الغسانی اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے ایک شخص کو مدینہ طیبہ بھیجا تا کہ وہ مسجد نبوی کی تعمیر کریں اور اس میں توسیع کریں۔ اس وقت جعفر بن سلیمان مدینہ طیبہ کا گورنر تھا۔ انہوں نے ایک سال تک کام کیا اس کی وسعت میں ایک سو ذراع کا اضافہ کیا۔ اس کا طول تین سو ذراع اور عرض دو سو ذراع بن گیا۔

علی بن محمد المہدیینی نے لکھا ہے کہ مہدی نے جعفر بن سلیمان کو مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور یمامہ کی ولایت سونپی۔ اس نے مکہ مکرمہ اور مسجد نبوی میں توسیع کی۔ مسجد نبوی کی تعمیر ۱۶۲ھ میں مکمل ہو گئی۔ مہدی ۱۶۰ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ اس نے گیلری گرا دیں اور اسے مسجد کے ساتھ برابر کر دینے کا حکم دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مامون نے بھی اس کی توسیع کی تھی۔ مامون کے بعد کسی خلیفہ نے اس میں کوئی اضافہ نہ کیا حتیٰ کہ ۶۵۴ھ میں رمضان المبارک کے ابتدائی ایام میں مسجد نبوی میں آگ لگ گئی۔ ابو بکر بن اومہ الفرائش مغربی کنارے میں داخل ہوئے۔ تاکہ مسجد کے میناروں کے لیے لائٹینس نکالیں۔ انہوں نے شعلہ لائٹینوں کے خانوں میں سے ایک خانے میں رکھ دیا۔ اس خانہ میں بوسیدہ کپڑا بھی تھا اس میں آگ لگ گئی۔

وہ آگ پر قابو نہ پاسکے قالینوں کو بھی آگ لگ گئی۔ آگ کے شعلوں میں اضافہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ جلد ہی چھت تک بھی پہنچ گئی۔ پھر قبلہ کی طرف چھتوں تک پھیلتی چلی گئی۔ لوگوں نے آگ بجھانے کی بہت کوشش کی۔ امیر مدینہ بھی آگیا۔ اہل مدینہ طیبہ کی اکثریت اس کے ساتھ تھی۔ وہ آگ پر قابو نہ پاسکے۔ تھوڑی دیر میں ہی آگ مسجد نبوی کے سارے چھت تک پھیل گئی۔ وہ منبر مبارک، دروازوں، خزانوں، گیلریوں اور صندوقوں تک پہنچ گئی۔ ایک لکڑی بھی باقی نہ بچی۔ اسی طرح کتابیں اور حجرہ مقدسہ کا غلاف بھی جل گیا۔

امام قسطلانی لکھتے ہیں ”اس وقت اس پر گیارہ پردے تھے۔ آگ نے وہ پردے جلا دیے جو ناپسندیدہ تھے اس آگ سے قہریت اور عظمت الہیہ آشکارا ہو رہی تھی۔ جس نے ہر شخص کو مبہوت کر دیا تھا۔ اس آگ کا ظہور حجاز کی اس آگ کے ظہور کے بعد ہوا تھا۔ سرزمین مدینہ سے اس سے ڈرایا گیا تھا۔ جب اہل مدینہ مسجد نبوی میں پناہ گزیں ہو گئے تو انہیں محفوظ کر دیا گیا۔ یہ مدینہ طیبہ کے حرم پاک تک پہنچنے سے قبل بجھ گئی تھی۔

عوام الناس نے یہی سمجھا کہ یہ آگ حضور اکرم ﷺ کے پڑوس کی برکت سے ان سے روک دی گئی ہے۔ اسی طرح آپ کے طفیل آخرت کی آگ بھی ان سے دور کر دی جائے گی۔ حالانکہ وہ گناہ گار ہوں گے۔ حال البیان نے بزبان حال یہ تقاضا کیا۔ یہ بزبان مقال سے فصیح ہے۔ آگ گناہوں کی زندگی کو پاک کرتی ہے۔ اس وقت مسجد نبوی اور مدینہ طیبہ پر رافضی شیعوں کا غلبہ تھا۔ قاضی اور خطیب بھی ان کا تھا۔ انہوں نے بے ادبی کا مظاہرہ کیا۔ جیسے کہ ابن جریر نے لکھا ہے۔ اسی لیے آگ کے بعد مسجد نبوی کی دیواروں پر یہ اشعار لکھے ہوئے پائے گئے۔

لم یحترق حرم النبی لریبۃ
لکنھا ایدی الروافض لامست
میخشی علیہ وما بہ من عار
تلك الرسوم فطهرت بالنار

ترجمہ: ”حرم نبی ﷺ کسی تہمت کی وجہ سے نہیں جلا جس سے اس کے بارے خدشہ ہو۔ اور نہ ہی اسے کوئی عار

تھی۔ بلکہ ان مبارک مقامات کو رافضیوں کے ہاتھوں نے مس کیا تھا۔ انہیں آگ سے پاک کیا گیا۔“

اسی طرح دیواروں پر یہ اشعار بھی لکھے ہوئے تھے:

قل للروافض بالمدينہ ما بکم
ما اصبح الحرم الشريف محرّما
لقیادکم للذم کلّ سفیہ
الا لسبکم الصحابة فیہ

ترجمہ: ”مدینہ طیبہ کے رافضیوں سے کہہ دو کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے مذمت کرنے کے لیے اپنی رسی میں

ہر احمق کو جکڑ لیا ہے۔ حرم پاک کو صرف اس لیے آگ لگی ہے کیونکہ تم اس میں آپ کے صحابہ کرام کو برا

بھلا کہتے ہو۔“

صرف وہ گنبد ہی جل جانے سے بچا جو ناصر الدین اللہ نے حرم پاک کے ذخیروں کو محفوظ کرنے کے لیے بنایا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں: ”مسجد نبوی کے ستون اسی طرح کھڑے رہے گویا کہ وہ کھجور کے تنے ہوں جب ہوا چلتی تھی وہ مائل ہو جاتے تھے۔ بعض ستونوں سے سیرہ پگھل گیا تھا وہ گر پڑے تھے حجرہ مقدسہ کے اوپر جو چھت تھا وہ حضور اکرم ﷺ کے روضہ انور کی چھت پڑ گری۔ یہ دونوں چھت نیچے گر پڑے۔“

جمعة المبارک کی صبح کو لوگوں نے نماز کے لیے الگ جگہ بنالی۔ انہوں نے خلیفہ مستعصم باللہ کو خط لکھا۔ ایام حج میں عراق کے کارواں کے ساتھ کاری گروں کے ہمراہ آلات پہنچ گئے ۶۵۵ھ کی ابتداء میں کام شروع ہوا۔ انہوں نے وہ چھت بنانے کی کوشش کی جو مبارک قبور پر گرا تھا۔ مگر وہ یوں نہ کر سکے امیر مدینہ ملیف بن شیخہ اور دیگر اکابرین کی رائے یہ تھی کہ خلیفہ مستعصم باللہ کو اطلاع دی جائے اور وہ مناسب کارروائی کرے۔ انہوں نے ایک خط بھیجا۔ لیکن خلیفہ اور اس کے گورنر فتنہ تاتار کو کچلنے میں مصروف تھے۔ ملبہ وہاں ہی پڑا رہا۔ کوئی وہاں نہ پہنچا۔ یہ عظیم اور جلیل کام کرنے کی جرأت کسی کو نہ ہوگی۔ اس کام کے آغاز کی جسارت کوئی نہ کر سکا جس سے قدم لرز جاتے تھے۔ یمن کے بادشاہ مظفر شمس الدین یوسف بن منصور کو یہ توفیق نصیب ہوئی پھر صاحب مصر کو معزول کر دیا گیا۔ اس نے اس کی جگہ اپنے باپ کے غلام مظفر سیف الدین قطز معزی کا تقرر کیا۔ اس کا حقیقی نام محمود بن ممدود تھا۔ اس کی ماں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی بہن تھی۔ اس کا چچا زاد اس کا باپ تھا۔ تاتار کے غلبہ کے وقت کو اسیر بنا دیا گیا تھا۔ اسے دمشق میں فروخت کر دیا گیا تھا۔ پھر اسے فروخت کرنے کے لیے مصر میں پیش کیا گیا۔ اس نے ۱۰ ذی القعدہ ۶۵۷ھ رمضان المبارک میں اقتدار سنبھالا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اسلام کو عورت دی یہ یمن جالوت میں گر پڑا اس واقعہ کے ایک ماہ بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ اس وقت وہ قاہرہ میں داخل ہو رہا تھا۔

اس سال مسجد نبوی کو باب السلام سے باب الرحمتہ تک تعمیر کیا گیا اور باب جبرائیل سے باب النساء تک تعمیر کیا گیا۔ اسی سال کے آخر میں ملک الظاہر کن الدین بیہرس الندقداری مصر کا والی بنا۔ اس نے مسجد نبوی کا خصوصی انتظام کیا اس نے لکڑیوں، لوہا اور سیرہ کا خصوصی اہتمام کیا۔ اس نے ۵۳ کاری گروں کا اہتمام کیا۔ ان کے خرچہ کی کفالت کی اس کے سفر سے قبل ان پر خرچہ کیا۔ ان کے ہمراہ امیر جمال الدین محسن الصالحی وغیرہ کو بھیجا۔ پھر آلات اور اخراجات کے ساتھ ان کی مدد کی۔ اس کے عہد میں مسجد نبوی کے بقیہ چھت کا کام مکمل ہوا۔ جیسے کہ یہ جلنے سے قبل چھت کے اوپر چھت تھا۔ البتہ شمالی چھت کو ایک چھت بنا دیا گیا۔ پھر مسجد نبوی اسی حالت پر رہی۔ حتیٰ کہ مشرقی اور مغربی چھتوں کو از سر نو ڈالا گیا۔ جو مسجد کے محن سے دائیں اور بائیں طرف تھے۔ یہ کام ۶۵۷ھ میں ہوا۔ یہ بادشاہ ناصر محمد بن قلاوون الصالحی کے دور کی ابتداء تھی۔ اس کا چھت

شمالی چھت کی طرح ایک ہی بنا دیا گیا۔ پھر ۷۲۹ھ میں بادشاہ ناصر محمد نے قبلہ کی طرف چھت میں سائبانوں کا اضافہ کیا۔ جو اس کے آخری حصہ کے ساتھ متصل تھے۔ اس سے دیوار کی طوالت میں اضافہ ہو گیا۔ اور ان کا فائدہ بڑھ گیا۔ پھر ان سائبانوں میں خلل واقع ہو گیا۔ پھر بادشاہ برسبای نے ۸۳۱ھ نے قبرص کے مال سے ان کو از سرے نو بنا دیا۔

اس طرح اس بادشاہ نے اس شامی چھت کی بھی تجدید کی جو بخاریہ مینار کے ساتھ متصل تھا۔ بادشاہ جقمق کے زمانہ میں روضہ مبارکہ کے چھت میں خلل آ گیا۔ اس نے اسے ۸۵۳ھ میں نئے سرے سے تعمیر کیا۔ پھر سلطان قایتبای نے مسجد کے چھت کے اکثر حصہ کی تعمیر کی۔ پھر ۸۸۶ھ رمضان المبارک کی تیسویں رات کورات کے آخری ثلث میں مسجد نبوی کو آگ لگ گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رئیس المؤذنین و صدر المدرسین شمس الدین محمد بن خطیب تہلیل کے لیے منارہ شرقیہ یمانہ پر چڑھے یہ "الرینیہ" کے نام سے معروف تھا۔ دیگر مؤذنین دوسرے مناروں پر چڑھ گئے۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔ سخت کڑک پیدا ہوئی بجلی گری۔ اس کا بعض حصہ مذکورہ منارہ کے بلال پر گرا۔ مسجد کے مشرقی حصہ میں آگ کا انکارہ گرا۔ مینار کی چوٹی پھٹ گئی۔ رئیس صاحب کا اسی وقت وصال ہو گیا۔ مسجد کے منارہ ریسہ اور حجرہ مبارکہ کے اوپر بجلی گری۔ اس پر اس طرح سوراخ ہو گیا جیسے ڈھال ہوتی ہے۔ مسجد نبوی میں آگ لگ گئی۔ مسجد کے دروازے کھول دیے گئے۔ اعلان کر دیا گیا کہ مسجد میں آگ لگ گئی ہے۔ امیر مدینہ قسطل بن زھیر اور اہل مدینہ طیبہ مسجد نبوی میں جمع ہوئے۔ امدادی نیم پانی لے کر آگ بجھانے چلی گئی۔ آگ دونوں چھتوں کو لگ گئی۔ یہ شمال اور مغرب کی طرف پھیلتی چلی گئی۔ لوگ اسے بجھانے سے عاجز آ گئے۔ قریب تھا کہ آگ انہیں بھی لپیٹ لیتی۔ یہ بھاگ گئے۔ بعض لوگ نیچے گر پڑے وہ ہلاک ہو گئے۔ بعض کو نجات مل گئی۔ آگ ان کے اور مسجد کے ان دروازوں کے مابین حائل ہو گئی۔ جو حن میں تھے۔ تقریباً دس افراد شہید ہو گئے۔ آگ بہت زیادہ پھیل گئی۔ وہ آگ سمندر کی طرح لگتی تھی۔ اس کی چیخ و چنگھاڑ تھی۔ شعلے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ محلات کی مانند بڑے بڑے شرارے پھینک رہی تھی۔ قریبی مکانات گر پڑے۔ لیکن آگ کم نہ ہو رہی تھی۔ بعض کتب صحف اور صندوق نکال لیے گئے۔ یہ تقریباً دس صندوق تھے۔ جنہیں شرارے پہنچے اور یہ بھی جل گئے۔ امیر مدینہ قسطل حجازی کو بتایا گیا کہ اہل عرب میں سے ایک سچے شخص نے اس واقعہ کے ایک رات قبل خواب میں دیکھا کہ آسمان پر بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ پھر عظیم آگ ان کے تعاقب میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے آگ پکڑی۔ فرمایا: "میں نے اسے اپنی امت سے روک دیا ہے۔" السید نے لکھا ہے "مجھے ایک جماعت نے بتایا ہے کہ انہوں نے سفید پرندوں کی شکلیں دیکھیں جو آگ کے ارد گرد منڈلا رہے تھے۔ گویا کہ وہ انہیں پڑوسیوں کے گھروں سے روک رہے تھے۔ بہت سے لوگ اس آگ کے انکارے دیکھ کر ہی بھاگ گئے تھے۔ پھر لوگ اس کا خوف دیکھ کر مدینہ طیبہ کے دروازے سے باہر نکل گئے تھے۔ ان کا گمان تھا کہ ان

کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ دوسرے دن آگ بجھ گئی۔ لوگوں نے سلطان قایتبای کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ حجرہ مقدسہ اور اس محکم عمارت کو بنایا جو آج تک قائم ہے۔

تنبیہات

❖ ان دو یتیموں کے باپ کے نام میں اختلاف ہے مسجد کی زمین جن کی ملکیت میں تھی۔ موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ یہ رافع بن عمرو کے بیٹے تھے۔ امام زہری اور ابن اسحاق نے انہیں عمرو کے فرزند لکھا ہے۔ العیون میں ہے: ”یہ امر زیادہ مشہور ہے۔“ امام سہلی نے ان دونوں اقوال میں تطبیق قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ دونوں رافع بن عمرو کے فرزند تھے۔ ان کو دادا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ امام زہری اور امام ابن اسحاق کا قول ارجح ہے۔

❖ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ وہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ ابو ذر الہروری نے لکھا ہے کہ وہ اسعد بن زرارہ کی کفالت میں تھے۔ الحافظ اور السید نے لکھا ہے ”یہ وجہ ہے“ ابن زبالہ اور یحییٰ نے لکھا ہے کہ وہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ بعض علماء نے ان اقوال میں اس طرح تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان سب نے ان کی کفالت کی تھی۔ حضرت اسعد بن زرارہ کے وصال کے بعد یہ مختلف صحابہ کرام کی کفالت میں رہے۔ بعض اہل علم نے ابن ابی فدیك سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے بعض اہل علم سے سنا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل ہی حضرت اسعد کا وصال ہو گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قطعہ زمین سہل اور سہیل سے خرید لیا۔

❖ صحیح میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی جگہ کے بارے بنو نجار کی طرف پیغام بھیجا۔ انہیں کہا: ”اے بنو نجار! اپنا یہ قطعہ زمین مجھے فروخت کر دو۔“ انہوں نے کہا: ”ہم اس کی قیمت صرف رب تعالیٰ سے مانگیں گے۔“ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے دونوں بچوں کو بلایا۔ ان سے اس جگہ کا سودا کیا تا کہ اس جگہ مسجد تعمیر کریں۔ ابن عیینہ کی روایت میں ہے: ”آپ نے ان کے چچا سے بات کی جو ان کا کفیل تھا کہ وہ یہ جگہ فروخت کرے۔“ اس نے پوچھا ”آپ اسے کیا کریں گے؟“ اس کے لیے چارہ کار نہ رہا سوائے اس کے کہ وہ ان کے ساتھ بیچ بولے۔ اس نے انہیں بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے خریدنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ”ہم آپ کو پیش کرتے ہیں۔“ انہوں نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے وہاں مسجد تعمیر کی۔ (جنزی)

ابن زبالہ اور یحییٰ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انہیں راضی کر لوں گا۔“ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ حضرت اسعد نے انہیں اس زمین کے عوض کھجوریں دے دیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ زمین خرید لی تھی۔ الحافظ نے ان اقوال کو یوں جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب بنو نجار نے کہا: ”ہم اس کا عوض صرف رب تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔“ تو آپ نے اس کے مخصوص مالک کے بارے پوچھا۔ صحابہ کرام نے دو یتیموں کا نام لیا۔ آپ نے ان سے یا ان کے سرپرست سے وہ جگہ خرید لی۔ اس وقت اس قول ”ہم اس کا عوض صرف رب تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔“ کو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ وہ ان دو یتیموں سے خرید لیں گے۔ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ حضرت اسعد نے ان یتیموں کو اپنے باغ کی کھجوریں دیں تھیں۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت ابو ایوب نے کہا تھا: ”میں انہیں راضی کر لوں گا۔“ انہوں نے انہیں راضی کر لیا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن عفراء نے بھی کہا تھا۔ یہ معاملہ خریدنے کے بعد ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سارے امور حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے طے کیے ہوں۔ حضرت ابو ایوب اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے ان یتیموں کو کسی چیز کے ساتھ راضی کیا ہو۔ لہذا ان سب کی طرف سے منسوب کر دیا گیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ان یتیموں نے عوض لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسے ابتدائی امر پر محمول کیا جائے گا۔ امام واقدی نے لکھا ہے کہ آپ نے بنو عفراء سے دس دیناروں کے عوض اسے خرید لیا تھا۔ یہ دینار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیش کیے تھے۔ شاید انہوں نے بھلائی میں رغبت رکھی اور اس رقم کے ساتھ یہ دینار بھی دے دیے۔ یا شاید آپ نے پہلے اس زمین کا کچھ حصہ خریدا ہوتا کہ ابتداء میں مسجد تعمیر کریں۔ پھر دوسرا حصہ بھی خرید لیا ہو۔ کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ نے دو بار مسجد نبوی تعمیر کی تھی۔ اس میں اضافہ کیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے ادائیگی کی ہو اور دوسری بار دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اموال سے۔

السید نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”تمہیں باغی گروہ شہید کرے گا۔“ یہ دوسری بار تعبیر کے وقت فرمایا تھا۔ امام بیہقی نے الدلائل میں حضرت ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی سے کہا: ”ہم نے اس شخص کو شہید کر دیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے فرمایا تھا جو فرمایا تھا۔“ انہوں نے پوچھا: ”کون سا شخص؟“ انہوں نے کہا: ”حضرت عمار بن یاسر۔“ کیا آپ کو وہ دن یاد نہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی تعمیر کی تھی۔ ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: ”تم دو دو اینٹیں اٹھا

رہے ہو حالانکہ تمہیں رخصت ہے۔ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تم جنتی ہو۔“ حضرت عمر و حضرت معاویہ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: ”ہم اس شخص کو قتل کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے وہ فرمایا ہے جو فرمایا ہے۔“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”خاموش ہو جاؤ۔ تم اپنے معاملہ کو خود خراب کر رہے ہو کیا ہم نے انہیں قتل کیا ہے انہیں تو خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے شہید کیا ہے جو انہیں لے کر آئے اور انہیں ہمارے سامنے پھینک دیا۔“ سمہودی نے لکھا ہے ”اس امر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ نے حضرت عمار کے بارے یوں اس وقت فرمایا تھا جب دوسری بار مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ کیونکہ حضرت عمرو نے ہجرت کے پانچویں سال اسلام قبول کیا تھا۔“



حجرات مقدسہ کی تعمیر

”الروض الاف“ میں ہے کہ حجرات مقدسہ کی تعداد نو تھی۔ ان میں سے بعض کھجور کی شاخوں سے تعمیر کیے گئے تھے۔ جن پر مٹی سے لپ کر دیا گیا تھا۔ ان کا چھت کھجور کی شاخوں کا تھا۔ بعض کی دیواریں پتھروں کی تھیں جنہیں ایک دوسرے کے اوپر جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ ان کا چھت بھی کھجور کی شاخوں کا تھا۔

الحافظ ذہبی نے بلبل الروض میں لکھا ہے ”ہم تک یہ روایت نہیں پہنچی کہ آپ کے لیے نو حجرات مقدسہ بنائے گئے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی تعمیر ہو گئی۔ میرا گمان نہیں کہ آپ نے یوں کہا ہو۔ آپ نے پہلے صرف ایک حجرہ مقدسہ بنایا۔ جو حضرت سودہ بنت جحش کے لیے تھا۔ آپ کو دوسرے حجرے کی ضرورت نہ تھی حتیٰ کہ ہجرت کے دوسرے سال شوال میں حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر کا شانہ نبوی میں آگئیں۔ آپ نے مختلف اوقات میں ان حجرات کو تعمیر کیا تھا۔

دوسرے باب میں گزر چکا ہے کہ آپ نے اپنی دو ازواجِ مطہرات حضرت سودہ بنت جحش اور حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر کے لیے حجرات تعمیر کیے تھے۔ کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر سے آپ کا نکاح ہو چکا تھا۔ اگرچہ رخصتی بعد میں ہوئی تھی۔ پھر ضرورت کے وقت دوسرے حجرات بنائے گئے۔

محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی کے ارد گرد حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے۔ جب بھی حضور اکرم ﷺ کسی زوجہ محترمہ سے نکاح فرماتے۔ حضرت حارثہ ان کے لیے ایک کمرہ خالی کر دیتے۔ حتیٰ کہ ان کے سارے مکانات حضور اکرم ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ہو گئے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن یزید الہدی نے ہمیں روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حجرات مقدسہ کی اس وقت زیارت کی۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے ولید بن عبد الملک کے حکم سے انہیں گرایا۔ یہ اینٹوں سے بنائے گئے حجرات تھے۔ ان کی چھتیں کھجور کی شاخوں کی تھیں جن پر مٹی کا لپ کیا گیا تھا۔ میں نے انہیں شمار کیا یہ تعداد میں نو تھی۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر کے حجرہ مقدسہ سے لے کر جو باب النبی کے ساتھ مستقل تھا۔ حضرت اسماء بنت حن کے گھر تک تھے۔

میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ کی زیارت کی۔ ان کا حجرہ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ میں نے ان کے پوتے سے پوچھا۔ انہوں نے کہا: ”جب حضور اکرم ﷺ جہاد کے لیے دومۃ الجندل تشریف لے گئے۔ تو حضرت ام سلمہ نے اپنا حجرہ اینٹوں سے بنایا۔ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے، اینٹیں دیکھیں۔ آپ سب سے پہلے انہی کے ہاں تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے پوچھا: ”یہ کیسی عمارت ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں ارادۂ کیا ہے کہ لوگوں کی نگاہیں رک جائیں۔“ آپ نے فرمایا: ”ام سلمہ! وہ سب سے برا عمل جس میں مسلمان کا مال ضائع ہوتا ہے وہ تعمیر ہے۔“

محمد بن عمر نے لکھا ہے ”میں نے یہ روایت حضرت معاذ بن محمد انصاری کو سنائی۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت عطاء خراسانی کو اس محفل میں سنا جس میں حضرت عمران بن ابی انس تھے۔ یہ محفل قبر انور اور منبر مبارک کے مابین لگی تھی۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حجرات مقدسہ کی زیارت کی ہے۔ ان کی دیواریں کھجور کی شاخوں کی تھیں۔ دروازوں پر کالے بالوں سے بنے ہوئے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ اسی دوران ولید بن عبد الملک کا خط آیا۔ وہ پڑھ کر سنایا گیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم حجرات مقدسہ کو گرا دیں۔ میں نے اس دن سے زیادہ لوگوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔“

عطاء نے کہا: ”میں نے اس روز حضرت سعید بن مسیب کو فرماتے سنا۔ انہوں نے فرمایا: ”بخدا! یہ بات از حد پسند تھی کہ حجرات مقدسہ کو ان کی حالت پر رکھا جاتا تا کہ مدینہ طیبہ کا ہر پردان چڑھنے والا بچہ اور آفاق سے آنے والا شخص دیکھتا کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کس چیز پر اکتفاء کیا تھا۔ یہ امر لوگوں کے فخر کرنے اور زیادہ مال و متاع جمع کرنے میں زہد پیدا کرتا۔“

حضرت معاذ نے فرمایا: ”جب حضرت عطاء خراسانی اپنی بات سے فارغ ہوئے تو حضرت عمران بن ابی انس نے کہا: ”ان میں سے چار حجرات اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔ ان کے بعض کمرے کھجور کی شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ پانچ حجرات کھجوروں کی شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ ان کے کمرے نہ تھے۔ ان کے دروازوں پر بالوں کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ میں نے پردہ کی پیمائش کی وہ تین ذراع طویل اور ایک ذراع عریض تھے یہ ذراع بڑے تھے یا بڑے سے قدرے کم تھے۔ اس روز جو رونے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد پاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان میں حضرات ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، ابوامامہ بن سہل بن صنیف اور حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ زار و زار رونے لگے حتیٰ کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اس روز حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کاش ان حجرات مقدسہ کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتا انہیں گرایا نہ جاتا۔“

لوگ وہ دیکھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے کیا پسند کیا تھا۔ حالانکہ خزانوں کی چابیاں آپ کے

دست اقدس میں تھیں۔ ابن سعد، امام بخاری نے ادب میں، ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی نے الشعب نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں قریب البلوغ تھا۔ میں حجرات مقدسہ میں داخل ہوتا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ میں اپنے ہاتھ سے ان کا چھت چھولیتا تھا۔“

امام بخاری نے ادب میں، ابن ابی الدنیا، امام بیہقی نے حضرت داؤد بن قیس سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”میں نے حجرات مقدسہ کی زیارت کی وہ کھجور کی شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ ان کے سامنے بالوں کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ میرا گمان ہے کہ حجرہ کے دروازہ سے لے کر کمرہ کے دروازہ تک چھ یا سات ذراع کا فاصلہ تھا۔ کمرہ کا اندر کا حصہ تقریباً دس ذراع تھا۔ جبکہ ان کی اونچائی سات یا آٹھ ذراع تھی۔“

محمد بن حسن المحزومی نے محمد بن بلال سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حجرات مقدسہ کی زیارت کی۔ وہ کھجور کی شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ ان کے سامنے بالوں کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ وہ قبلہ، مشرق اور شام کی طرف پھیلے ہوئے تھے۔ مسجد کی مغرب کی طرف کوئی حجرہ نہ تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ کا دروازہ شام کی طرف تھا۔ اس کا ایک ہی دروازہ تھا۔ جو عریاساج کا تھا۔“

ابن مندۃ نے بشر بن صحار عبدی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حجرات میں داخل ہوا۔ میں ان کا چھت چھوسکتا تھا۔“ ابن سعد نے حضرت عمرو بن دینار، حضرت عبید اللہ بن ابی مرثد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”آپ کے کاٹھانہ اقدس کے ارد گرد دیوار نہ تھی۔ سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے ارد گرد دیوار بنائی۔ حضرت عبید اللہ نے فرمایا: ”پہلے یہ دیوار چھوٹی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بڑی دیوار تعمیر کی۔“

تنبیہ

امام بخاری نے تاریخ میں اور ادب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے امام بخاری نے المدخل میں حضرت مغیرۃ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام حجرات مقدسہ کے دروازوں پر ازروئے ادب اپنے ناخون سے دستک دیتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دروازوں کے ارد گرد چوکھٹ نہ تھی۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ پہلا قول درست ہے۔



آذان کی ابتداء

امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابن عمر سے، ابن اسحاق، ابن راھویہ اور امام ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ محمد بن عبد اللہ سے، امام ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک سے، ابن راھویہ نے امام شعبی سے مرسل، امام عبد الرزاق اور ابو داؤد نے حضرت عبید بن عمیر سے، ابن ابی شیبہ اور ابو داؤد، ابن خزیمہ، ابو شیخ، دارقطنی، بیہقی اور امام طحاوی نے حضرت عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابتداء میں صحابہ کرام نماز کے وقت بلائے بغیر ہی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتے تھے۔ جب صحابہ کرام کی تعداد زیادہ ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے اہتمام فرمایا کہ لوگوں کو نماز کے لیے کیسے جمع کیا جائے؟ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی۔ بعض نے کہا کہ نماز کے وقت جھنڈا گاڑا جائے جسے دیکھ کر صحابہ کرام ایک دوسرے کو نماز کے وقت کے بارے بتائیں۔ بعض نے اس وقت بگل بجانے کا مشورہ دیا۔ جیسے کہ یہودی نماز کے وقت بگل بجاتے ہیں۔ آپ نے یہ مشورہ پسند نہ فرمایا۔ بعض نے ناقوس پھونکنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا: "عیسائیوں کا طریقہ ہے۔" بعض نے وقت نماز آگ روشن کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا: "یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔"

شیخین نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "کیا ہم وقت نماز ایک شخص کو نہ بھیجیں جو نماز کے لیے اعلان کرے۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اے بلال! اٹھو اور نماز کے لیے ندا لگاؤ۔" حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس مشاورت میں موجود تھے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے اس اضطراب کی وجہ سے بے چین تھے۔ انہیں خواب میں آذان سکھائی گئی۔ انہوں نے کہا: "میرے پاس سے ایک شخص گزرا۔ اس نے سبز کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا۔ میں نے اسے کہا: "اے اللہ تعالیٰ کے بندے! کیا تو یہ ناقوس بیچے گا۔" اس نے پوچھا: "تم اس کے ساتھ کیا کرو گے؟" میں نے کہا: "ہم اس کے ذریعے نماز کے لیے بلائیں گے۔" اس نے کہا: "کیا میں تمہاری راہ نمائی اس چیز کی

طرف نہ کروں جو اس سے بہتر ہو۔ میں نے کہا: ”ضرور! اس نے کہا: ”اس طرح کہو، ”اللہ اکبر! اللہ اکبر! امام شعبی کی روایت میں ہے ”بارگاہ رسالت مآب میں جاؤ اور آپ کو یوں کہنے کے لیے عرض کرو: ”اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، حییٰ علی الصلوٰۃ، حییٰ علی الفلاح، حییٰ علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔“

ابن راھویہ کی روایت میں ہے کہ وہ شخص دیوار پر کھڑا ہو گیا۔ دوسری روایت کے مطابق وہ مسجد میں کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے اذان دی۔ پھر وہ مجھ سے دور ہو گیا۔ پھر کہا: ”نماز قائم ہونے لگے تو یوں کہو: ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، حییٰ علی الصلوٰۃ، حییٰ علی الفلاح، حییٰ علی الفلاح، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔“

دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے اذان دی۔ پھر کچھ دیر بیٹھا پھر اسی طرح کہا مگر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کا اضافہ کیا۔ وقت صبح میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ میں نے اس خواب کے بارے بتایا۔ اگر لوگ کچھ نہ کہتے تو میں کہتا کہ میں عالم بیداری میں تھا سو یا ہوا نہ تھا۔“

ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما رات کے وقت ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے۔ ابن سعد نے ان سے ہی روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادۃ فرمایا کہ کسی چیز کے ساتھ صحابہ کرام کو نماز کے وقت جمع کیا جائے۔ آپ کی خدمت میں بگل کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ کی خدمت میں ناقوس کا تذکرہ کیا گیا آپ نے اسے بھی پسند کیا۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے خواب میں اذان منیٰ۔ اسی رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی خواب دیکھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”میں نے وقت صبح بارگاہ رسالت میں اس خواب کا تذکرہ کیا۔ حضرت عبداللہ رات کے وقت ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”یہ ایک سچا خواب ہے۔ ان شاء اللہ!“ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھلائی دکھائی ہے۔ اٹھو اور وہ کلمات حضرت بلال کو سکھا دو جو تم نے خواب میں سنے ہیں۔“ دوسری روایت میں ہے ”حضرت بلال کو میرا حکم دو کہ وہ اذان دیں ان کی آواز تمہاری آواز سے بلند ہے۔“ میں حضرت بلال کے ساتھ اٹھا۔ میں نے وہ کلمات سکھائے جو خواب میں سنے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اذان سن لی۔ وہ اپنی چادر کھیلتے ہوئے نکلے وہ کہہ رہے تھے ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ

کو حق کے سات مبعوث کیا ہے میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے جس طرح کا خواب انہوں نے دیکھا ہے۔“
حضرت ابو عمیر بن انس کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا۔ اسے بیس دن کے لیے چھپائے رکھا۔ حضرت عبید بن عمیر کی روایت میں ہے کہ اسی اثناء میں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ناقوس کے لیے دو لکڑیاں خریدنا چاہتے تھے انہوں نے خواب میں دیکھا۔ انہیں کہا گیا: ”ناقوس نہ بناؤ بلکہ آذان دیا کرو۔“ حضرت عمر گئے تاکہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کریں۔ اس سے قبل وحی آپ کی تھی۔ حضرت عمر فاروق نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آذان دیتے سنا۔ حضرت عبداللہ بن زید نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا: ”تمہیں کس چیز نے روکا تھا کہ تم مجھے بتاتے۔“
انہوں نے عرض کی: ”حضرت عبداللہ بن زید مجھ سے سبقت لے گئے تھے۔ مجھے حیا آئی۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ یہ ثابت ہو گیا ہے۔“

امام زہری، نافع بن جبیر اور ابن مسیب رضی اللہ عنہم نے لکھا ہے کہ ”الصلاة جامعة“ کے الفاظ اس وقت بولے جاتے تھے جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تھا۔ صحابہ کرام حاضر ہوتے تھے اور آپ انہیں اس سے آگاہ فرما دیتے تھے۔ اگر چہ نماز کا وقت نہ بھی ہوتا۔ ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید نے اس وقت یہ اشعار پڑھے:

احمد اللہ ذالجلال والا کرام حمدًا علی الاذان کثیرا
اذ اتانی بہ البشیر من اللہ فا کرم بہ لدی بشیرًا
فی لیال والی بہن ثلاث کلما جاء زادنی توقیرا

ترجمہ: ”میں آذان پر رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں جو ذوالجلال والا کرام ہے۔ جب رب تعالیٰ کی

طرف سے بشارت دینے والا میرے پاس آیا۔ اس سے وہ بشارت دینے والا میرے نزدیک معزز بن

گیا۔ وہ لگاتار تین راتیں میرے پاس آتا رہا۔ وہ جب بھی میرے پاس آیا اس کی عرت میں اضافہ ہو گیا۔“

ابن کثیر نے لکھا ہے ”یہ عجیب و غریب اشعار ہیں۔ ان کا تقاضا ہے کہ حضرت عبداللہ نے لگاتار تین ایام تک یہی

خواب دیکھا پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی سند منقطع ہے۔ ابو بکر الحکمی مجہول راوی ہے۔

امام بیہقی نے الدلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ایک یہودی تاجر تھا۔ جب اس

نے مؤذن کو آذان دیتے سنا۔ اس نے کہا: ”اللہ تعالیٰ جھوٹے کو جلا دے۔“ وہ اسی طرح تھا کہ ایک لوٹھی آگ لے کر اس

کے پاس سے گزری۔ ایک شرارۃ اس پر گرا۔ اس نے اسے جلا کر خاکستر بنا دیا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوشیخ نے حضرت سدی سے روایت کیا ہے کہ ایک عیسائی شخص تھا وہ جب بھی مؤذن کے یہ کلمات سنتا۔ اشہد ان محمد رسول اللہ۔ وہ کہتا: ”اللہ تعالیٰ جھوٹے کو جلادے۔ ایک رات ایک خادمہ اس کے پاس آگ لے کر آئی۔ وہ اور اس کے اہل خانہ سوئے ہوئے تھے۔ اس آگ سے اس کا گھر، وہ شخص اور اس کے اہل خانہ جل گئے۔“ امام مسلم نے حضرت سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”مجھے میرے والد گرامی نے بن حارثہ کی طرف بھیجا۔ میرے ہمراہ ہمارا غلام تھا۔ کسی نے دیوار سے اسے اس کے نام سے پکارا۔ اس نے دیوار کی طرف دیکھا مگر اسے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے اس کا تذکرہ والد گرامی سے کیا۔ انہوں نے کہا: ”اگر مجھے علم ہوتا کہ تجھے اسی طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو میں تجھے کبھی نہ بھیجتا۔ لیکن اگر ایسی آواز سنو تو آذان دیا کرو۔ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پاک بیان کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”جب نماز کے لیے آذان دی جاتی ہے جو شیطان گوز مارتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔“

امام بیہقی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”جب تمہیں شیطان گمراہ کرنے لگے تو آذان دیا کرو۔ پھر وہ نقصان نہیں دے سکے گا۔“ امام بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ راستہ میں اسے جن کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے حضرت سعد کو بتایا۔ انہوں نے فرمایا: ”ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ جب ہمیں شیطان گمراہ کرنے لگے تو ہم آذان دیں۔“ جب وہ شخص واپس آنے لگا تو شیطان اس کے ساتھ ساتھ کچھ دیر کے لیے چلا۔ اس نے آذان دی وہ شیطان بھاگ گیا۔ جب وہ شخص پرسکون ہو گیا تو وہ دوبارہ آگیا اس نے آذان دی تو وہ چلا گیا۔

تنبیہات

◆ لغت میں آذان کا معنی آگاہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. (التوبہ: ۳)

ترجمہ: ”اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔“

یہ الاذن سے مشتق ہے جس کا معنی غور سے سننا اور دھیان دینا ہے۔ شرعاً اس کا معنی ہے فرض نماز کے وقت مخصوص

الفاظ کے ساتھ اعلان کرنا۔

◆ آذان کے بعض اسرار

حضرت قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ آذان ایک ایسا کلمہ ہے جو ایمان کے عقیدہ کو جامع ہے۔ یہ عقلیات اور سمعیات دونوں انواع پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتداء ذات حق کو ثابت کرتی ہے۔ ان صفات کو ثابت کرتی ہے جو اس کے کمال پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کی اضداد سے تنزیہ ثابت کرتی ہے۔ وہ یہ قول ہے۔ ”اللہ اکبر“ یہ لفظ اپنے اختصار کے ساتھ اس امر پر دلالت کرتا ہے جس کا تذکرہ ہم نے کر دیا ہے۔ پھر وحدانیت کے اثبات کی صراحت کی۔ اس شرک کی نفی کی جو اس کے حق میں محال ہے۔ یہ ایمان اور توحید کی بنیاد ہے یہ دین کے سارے وظائف سے مقدم ہے۔ پھر نبوت کے اثبات کی صراحت کی۔ اپنے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔ وحدانیت کی گواہی کے بعد یہ بہت بڑا ستون ہے۔ اس کی جگہ توحید کے بعد ہے کیونکہ اس کا تعلق ان افعال کے ساتھ ہے جن کا وقوع جائز ہے۔ ان مقدمات کا تعلق واجبات کے باب سے ہے۔ ان بنیادوں کے بعد عقائد عقلیاتی مکمل ہو گئے۔ جو رب تعالیٰ کے حق میں واجب محال اور جائز ہیں پھر مؤذن مسلمانوں کو ان عبادات کی دعوت دیتا ہے جن کی طرف رب تعالیٰ نے بلایا ہے وہ انہیں نماز کی طرف بلاتا ہے۔ اسے نبوت کے اثبات کے بعد رکھتا ہے کیونکہ اس کے وجود کی معرفت حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ سے ہوئی۔

عقل کے اعتبار سے نہیں ہوئی۔ پھر وہ فلاح کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس سے مراد کامیابی اور دائمی نعمتوں میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس میں امور آخرت مثلاً مگر جی اٹھنے اور جزاء کی طرف بھی اشارہ ہے۔ عقائد اسلام کے یہ آخری ترجمان ہیں۔ پھر وہ قیام نماز کے لیے دو بار تذکرہ کرتا ہے تاکہ اس کی مشروعیت کا اعلان ہو سکے۔ یہ ایمان کی تائید کو متضمن ہے۔ اس تکرار سے مقصود یہ ہے کہ یہ عبادت دل اور زبان کے ساتھ ہو تاکہ نمازی اس میں اپنے معاملہ کی گواہی پر اور اپنے ایمان کی بصیرت پر داخل ہو۔ اسے احساس ہو سکے کہ وہ کس عظیم عبادت کا آغاز کر رہا ہے۔ وہ جس ہستی کی عبادت کرنے لگا ہے وہ کتنی عظیم ہے۔ اس عبادت کا ثواب کتنا بڑا ہے۔“ قاضی علیہ الرحمۃ کا کلام ختم ہوا۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ عبارت جلیل نفیس امور میں سے ہے۔“

میں کہتا ہوں ”امام حافظ برہان الدین البقاعی نے آذان کے اسرار میں ایک لطیف کتاب تحریر کی ہے۔ انہوں نے اس کا نام ”الایذان بفتح اسرار التشہد والاذان“ لکھا ہے۔ میں اس جگہ اس کا تذکرہ کرنے لگا ہوں۔ یہ عبارت بہت نفیس ہے۔ آذان اور تشہد کی بعض روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں۔ ”آذان کا مقصود نماز کے اوقات کے

بارے بتانا ہے۔ یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ دین کا غلبہ ہو چکا ہے اس کا جھنڈا کوئین میں لہرا رہا ہے۔ یہ مشہور ہو چکا ہے۔ یہ آفاق میں پھیل چکا ہے۔ یہ غالب آچکا ہے۔ جابر بادشاہ ذلیل ہو چکے ہیں یہ اس امر کا اعلان ہے کہ دین محمدی ہی دین اسلام ہے۔ رب تعالیٰ اس دین کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں کرتا۔ یہ سارے ادیان پر غالب آچکا ہے۔ سارے مخالفین مغلوب ہو چکے ہیں اس کے جھنڈے رفعتوں پر لہرا رہے ہیں۔ پہلے وہ مخفی تھے۔ اس کے جھنڈوں کی علامات پھیل چکی ہیں حالانکہ پہلے وہ مخفی تھیں۔ اہل باطل مٹ چکے ہیں۔ کئی صدیوں سے شرک کا غلبہ تھا۔ باطل پر عمل ہو رہا تھا۔ وہی مشہور تھا مناسب یہی ہے کہ اس کی اذان کی صراحت کی جائے۔ آواز بلند اس کے نعمات آلاپے جائیں لوگ رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے۔ معبودانِ باطلہ کی پرستش کرتے تھے۔ ابتدائی امور کو ہی اس بات سے شروع کیا گیا کہ وہ اپنی کبریائی میں منفرد ہے۔ وہ رفعتوں میں واحد ہے۔ مؤذن اذان کی ابتداء ہی اسمِ اعظم سے کرتا ہے۔ جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو سارے کمالات کو جامع ہے۔ ”اللہ“ وہ عظیم مالک الملک جس کا کف نہ ہو جس کا شریک، مثال اور ضد نہ ہو۔ خبر کو نکرہ ذکر کیا گیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو سکے۔ یہ علی الاطلاق اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس کی انفرادیت میں کوئی خفاء نہیں۔ پھر کہا ”اکبر“ متعلق کا تذکرہ نہ کیا تاکہ یہ اعلیٰ غایات اور بلند ترین نہایات پر دلالت کرے۔ کیونکہ ذہنوں میں شرک محکم ہو چکا تھا۔ اہل طغیان کا یہ وطیرہ بن چکا تھا حال کا تقاضا تھا کہ اس کو بار بار کہا جاتا۔ اسی لیے اقامت میں بھی یہ الفاظ دو بار ذکر کیے گئے۔

کیونکہ اذان کے سارے کلمات کا مدعا وقت نماز کا اعلان کرنا ہے۔ ان مقاصد کے ساتھ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے علاوہ سارے ادیان منسوخ ہو چکے ہیں۔ مؤذن کسی حرفِ عطف کے بغیر تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے ”اللہ اکبر“ کل کائنات کا شدید تقاضا تھا۔ شرک کا زمانہ طویل ہونے کی وجہ سے تاکید کا تذکرہ نہیں کیا۔ موجودات کے کانوں کو لذت بخشنے ہوئے کہا کائنات کے جگر کی پیاس بجھاتے ہوئے کہا: ”اللہ اکبر“ جب ذہنوں میں یہ بات محکم ہو گئی۔ مکمل علم حاصل ہو گیا کہ توحید کا غلبہ ہو چکا ہے سارے ادیان مغلوب ہو چکے ہیں۔ ہر سامع اس کے مابعد کو سننے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس اذان کی ابتداء میں سارے لوگوں کے سامنے اس اعلان کو دہرایا: ”اللہ اکبر“

جب اس امر کا علم ہو گیا کہ یہ امر غیر متناہی ہے کوئی انتہاء نہیں جہاں اس کی حد کا اختتام ہو سکے۔ تو اس کے نتیجہ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔ ہر سامع کو اس جواب کی تلقین کرتے ہوئے کہا: جو اس پر واجب تھا۔ بعض اسرار کو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ اس دین کی ابتداء میں اس کی جو حالت تھی اس کے بارے اعلان کرتے ہوئے کہا۔ اس تاکید کے حسن پر دلیل دیتے ہوئے کہا: ”اشہد“ یعنی میں قطعی طور پر جانتا ہوں میں اس شخص کی طرح دیکھ رہا ہوں۔ جو محسوس چیز کو دیکھتا ہے جو

بہت روشن ہو "لا الہ الا اللہ" کیونکہ یہ مقام تاکید کا شدید تقاضا کرتا تھا لہذا دوبارہ کہا: "اشھدان لا الہ الا اللہ"۔ جب اس جگہ تاکید نے اپنا حصہ پایا۔ اسے مزید ضرورت نہ رہی۔ لوگوں نے اسے قبول کر لیا تو وہ رسالت ثابت ہو گئی۔ جو اس دین حق کو لے کر آئی۔ اس کے ساتھ سرکشوں سے جہاد کیا۔ حتیٰ کہ انہیں اکیلے ہی ذلیل و رسوا کر دیا۔ نتائج مسلمہ کے طریقہ پر کہا "اشھدان محمداً" آپ کا وہ اسم گرامی ذکر کیا جو آپ کے مشہور ترین اسماء میں سے ہے۔ سب سے پاکیزہ اور سب سے ظاہر ہے۔ "رسول اللہ" رسالت کا وصف ذکر کیا جو حق تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین واسطہ ہے۔ کیونکہ یہ مقام اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی پر منحصر ہے۔ پھر آپ کی تعظیم اور تجید کے لیے اسے دوبارہ ذکر کیا۔ کہا: "اشھدان محمداً رسول اللہ" جب تاکید پوری ہو گئی کیونکہ اس میں اسلام کے لیے شہادت اور مصائب تھے۔ اس کے بعد اس امر کا تذکرہ کیا حال جس کا تقاضا کرتا ہے۔ اسے بلند آواز سے ادا کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ دین حق کا ظاہر اور باطن یکساں ہے۔ اس میں حقیقت شریعت کے مخالف نہیں ہے۔ خصوصاً شریعت کا نفاذ کرنے والا شریعت کے مطابق عمل پیرا ہے۔ اس کا ظاہر اور باطن یکساں ہے۔ اس میں نفاق نہیں۔ کہا: اشھدان لا الہ الا اللہ۔

جب ذہنوں میں اس اعلان کا راز محکم ہو گیا تو پھر اس کے بعد وہ شہادت دی حال جس کا تقاضا کرتا تھا۔ کہا: "اشھدان محمداً رسول اللہ" پہلے کی طرح اسے مؤکد کیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا۔ تباہ کن امور کے اندھیرے چھٹ گئے۔ شاہراہ ہدایت پر چلنا آسان ہو گیا۔ تو اس امر کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: جسے رسالت نے ترجیح دی۔ جیسے گمراہ کن شرک سے نجات، ٹیڑھی راہوں سے دوری۔ گمراہی کی وادیوں سے نجات حاصل کرتے ہوئے کہا: "حقی علی"۔ آؤ۔ جرات کے ساتھ کسی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ "الصلاة نماز کی طرف آؤ۔ یہ دین کی انتہاء ہے۔ اس کی شیرازہ بندی کو شامل ہے۔ اپنے ماننے والوں کو ممتاز کرتی ہے۔

جب اس حال کو دیکھنے والا اس انجام تک پہنچنے کے لیے عجیب دعویٰ کرتا ہے۔ مؤذن تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے "حقی علی الصلوٰۃ" جب اس نے اتنا کہا تو اسے کہا گیا کیا اس کے علاوہ بھی کوئی عمل ہے تو اس نے کہا: "حقی علی الفلاح" یہ ہر اس عمل کی طرف داعی ہے جو کامیابی اور کامرانی کو دامن میں ڈال دے۔ نماز کی طرف بلانے کو پوری تاکید کے ساتھ ادا کیا۔ حفاظ نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے یہ قول "حقی علی خیر العمل" ثابت نہیں ہے جو صحیح میں ہے۔ وہ دو امور کی وجہ سے زیادہ بلیغ ہے۔ (۱) وہ سب بھلائیوں کو شامل ہے (۲) اسے اس لازم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو عمل پر مرتب ہونے والی انتہاء ہے۔ تاکہ اس میں شوق اور محبت پیدا ہو۔ اس کے بعد کہا: "حقی علی

الفلاح۔ جب دشمن کو ذلیل کرے اور مغلوب کرنے کے ساتھ دبدبہ طوالت اختیار کر گیا جو طاقت کی بناء پر اعمال شریعتہ کی طرف توجہ نہ دینے کے موجب تھے۔ اس کلام کو مؤکد کیا گیا جو ہر قسم کی بھلائی کی طرف داعی تھا۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کلام اس امر کا مستحق ہے کہ اسے مؤکد کیا جائے اور اس کے آثار کی جلالت کے آثار کو جانا جائے۔ کہا: ”حییٰ علی الفلاح“ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ امر پر خطر ہے۔ یہ مشکل راہ ہے۔ اس کے لیے زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ تاکہ آخر میں روزِ حشر کو راحت نصیب ہو۔

جسے دعوت دی جا رہی ہے اگر وہ سویا ہوا ہو۔ نیند میں بھی بھلائی ہوتی ہے۔ کیونکہ یا تو اس کا مقصد بدن کا آرام پہنچانا ہوتا ہے تاکہ اطاعت پر قوی ہو سکے۔ تاکہ معصیت سے نجات مل سکے۔ رات کے آخری حصہ میں نیند زیادہ آتی ہے۔ صبح کی آذان کے ساتھ تثنیہ مختص ہے۔ صبح کی آذان میں ”الصلوٰۃ خیر من النوم“ کہا جاتا ہے۔ نماز سب سے بڑی فلاح ہے۔ آذان کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔ جب نیند کا غلبہ ہو تو بے چینی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے دوسری بار کہا: ”الصلوٰۃ خیر من النوم“ کیونکہ (عرب میں) صبح کی دو آذائیں ہوتی ہیں۔ تثنیہ عموماً پہلی آذان میں ہوتی ہے۔ یہ رات کے قیام کی طرف دعوت ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ آذان مشروع کی گئی۔ بعض روایات میں آپ نے اس راز سے یوں پردہ اٹھایا۔ ”تاکہ تمہارا قیام کرنے والا لوٹ آئے اور تمہارا سونے والا جاگ پڑے۔“

یہ تثنیہ کبھی دوسری آذان میں ہوتی ہے۔ یہ صبح کی فرض نماز کی طرف دعوت ہوتی ہے۔ یہ اس کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس میں فرض کی ترغیب دی جاتی ہے۔ داعی اصرار کے ساتھ اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یہ وہ واجب ہے کہ جس نے اس میں کوتاہی کی اسے سزا دی جاتی ہے۔ جو اس کی حدود کو تجاوز کرتا ہے اسے ملامت کی جاتی ہے۔ اسے عذاب دیا جاتا ہے۔ جب دین حق مکمل ہو گیا۔ یہ اصل، فرع، قول، نیت اور عمل کے اعتبار سے مکمل ہو گیا تو مؤذن اس کی طرف ترغیب و ترہیب کے ساتھ دعوت دیتا ہے۔ وہ اس امر کے ساتھ یاد کراتا ہے۔ جس سے آغاز ہوا۔ تاکہ رب تعالیٰ کی اس عظمت کا اظہار ہو سکے جس کے ساتھ اس نے دین کو غالب کیا۔ سرکشوں کو ذلیل کیا۔ حالانکہ انہیں یقین تھا کہ ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ ”اللہ اکبر“ پھر اس کی شدید ضرورت کے لیے اسے ترغیب و ترہیب کے ساتھ مؤکد کیا۔ کہا: ”اللہ اکبر“ جب امر مکمل ہو گیا۔ شوق کو جلا ملی تو اس جگہ چار بار تکبیر کہنے کی ضرورت نہ رہی جیسے کہ پہلے تھا۔ توحید پر آذان کا اختتام ہوا تاکہ علم ہو سکے کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف وہ چیز قبول ہو سکتی ہے جو از ابتداء تا انتہاء توحید کے ساتھ متصل ہو۔ کہا: ”لا الہ الا اللہ“

جب مؤذن اس حد تک پہنچ گیا جس کے بعد اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ تاکہ توحید کی ضرورت نہ تھی۔ نہ ہی لفظ شہادت کی

ضرورت تھی۔ تاکہ علم ہو سکے کہ اس کے بعد صرف تلوار ہے۔ اگر کسی نے اس میں توقف کیا یا سرکشی کی تو اس کا علاج صرف تلوار ہے۔ کیونکہ آذان کا مقصد صرف یہ اعلان کرنا ہے کہ اسلام سارے ادیان پر غالب آ گیا ہے۔ یہ کامیاب ہو چکا ہے۔ یہ پھیل چکا ہے۔ اس کا ستون محکم ہو چکا ہے۔ اس کے جنود اور مددگار غالب آچکے ہیں بار بار اور تاکید کے ساتھ اسی کا تذکرہ ہوا۔ فقرہوں کے مابین حروف عاطفہ بھی ذکر نہ کیے گئے۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اس مقصد سے اسے آگے پیچھے کر سکے۔ یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ اس کا ہر جملہ اس مستقل علیحدہ رکن ہے۔ اور بار بار ذکر کر کے غلبہ کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ یہ آذان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حالت نیند اور عالم بیداری میں مشروع فرمایا ہے رات اور دن میں مشروع فرمایا ہے۔ اس پر اضافہ ممکن نہیں جیسے کہ آپ نے فرمایا ہے: ”مولا! یہ ایک مکمل دعوت ہے جس نے اس میں ایک حرف کا بھی اضافہ کیا اس نے برا کام کیا ظلم و ستم کیا۔“

اذان سننے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ انہی الفاظ کے ساتھ آذان کا جواب دے۔ تاکہ اس کے اعتقاد کا اعلان ہو سکے۔ اس کے مدعا کا یقین ہو سکے۔ ”حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح“ کا جواب لا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے مدد طلب کر رہا ہے کہ ان عمدہ افعال کو ادا کرنے کی توفیق دے۔ یہ اس امر کا اعلان ہے کہ امور پر حقیقی قدرت رب تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اقامت میں یہ کلمات ایک ایک بار کہے جاتے ہیں۔ (احناف کے ہاں یہ کلمات اقامت میں بھی دو دو بار کہے جاتے ہیں)

کیونکہ جب آذان سے وحدانیت اور رسالت کا امر ثابت ہو گیا تو جسے دعوت دی تو وہ اس امر کو جان گیا۔ معاملہ تاکید سے مستغنی ہو گیا۔ اس نماز کے قیام کے اعلان کے علاوہ کسی امر کے اعلان کی ضرورت نہ رہی جس کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ اس کو اس کے وقت کا علم ہو سکے۔ تکبیر کو مؤکد ذکر کیا گیا تاکہ غافل اور سست شخص بھی قیام نماز کے لیے جلدی کرے۔“

◆ کس سال آذان کی ابتداء ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ پہلے سال اس کا آغاز ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ دوسرے سال اس کا آغاز ہوا۔

◆ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے کہا: ”کیا تم کسی ایسے شخص کو نہیں بھیجتے جو نماز کا اعلان کرے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے بلال! اٹھو اور نماز کے لیے صدا دو۔“ اس حدیث پاک کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں۔ ”نماز کی طرف یہ پکار اعلان کے علاوہ تھی۔ یہ آذان سے پہلے شروع تھی۔“ الحافظ نے لکھا ہے ”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا یہ اشارہ کے ایک شخص بھیجا جائے جو نماز کا اعلان کرے۔ مشاورت کے بعد تھا۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسکے بعد خواب دیکھا تھا۔ جن الفاظ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ دعوت دیتے تھے وہ یہ تھے: "الصلوة جامعة" جسے ابن سعد اور سعید بن منصور نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت کی ہے۔ قاضی ابوبکر العربی نے اس جگہ جو گفتگو کی ہے وہ لکھنے کے قابل نہیں ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پر طعن کیا ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ الحافظ نے تفصیل سے ان کا رد کیا ہے۔

الطبرانی نے لکھا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آذان کو خواب میں دیکھا تھا۔ لیکن اس روایت کی سند صحیح نہیں۔ امام غزالی نے وسیط میں لکھا ہے کہ یہ خواب دس سے زائد افراد نے دیکھا تھا۔ ابی حلی نے شرح التنبیہ میں لکھا ہے کہ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ خواب دیکھا تھا۔ لیکن ابن الصلاح نے اس کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے "میں نے یہ روایت بہت تلاش کی ہے لیکن مجھے ملی نہیں۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں صرف یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے تھے۔ مغلطای نے فقہ کی بعض کتب سے لکھا ہے کہ انصار کے سترہ افراد نے یہ خواب دیکھا تھا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ حق موقف یہ ہے کہ اس میں صرف حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہی ثابت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قصہ بعض اسناد سے روایت ہے۔

الحافظ ابن ابی اسامہ نے کثیر بن مزہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے پہلے حضرت جبرائیل نے آسمان پر آذان دی۔ اسے حضرات عمر فاروق اور بلال رضی اللہ عنہما سے سنا۔ حضرت عمر، حضرت بلال سے سبقت لے گئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کی: پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے انہیں فرمایا: "اس معاملہ میں عمر تم سے سبقت لے گئے ہیں۔" اس روایت کی سند بہت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں سعید بن سنان ہے۔ امام ذہبی نے المغنی میں لکھا ہے "یہ متروک اور متہم تھا۔"

بعض روایات دلالت کرتی ہیں کہ آذان ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں مشروع تھی۔ ان میں سے ایک روایت وہ جسے امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر آذان وحی کی۔ آپ اسے لے کر نیچے تشریف لائے اور حضرت بلال کو سکھادی۔" اس روایت کی سند میں طلحہ بن زید ہے۔ حافظ ابن رجب نے لکھا ہے کہ اس سند سے یہ روایت کسی شک کے بغیر موضوع ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ہر سند کے ساتھ موضوع ہے۔ ابن شامین نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ حضور

اکرم ﷺ کو شب معراج اذان سکھائی گئی۔ آپ پر نماز فرض ہوئی۔ اس کی سند میں حصین بن مخارق ہے۔ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ دارقطنی نے الافراد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نماز فرض ہوئی تو حضرت جبرائیل نے حضور اکرم ﷺ کو اذان سکھائی۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ابن مردویہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”جب مجھے معراج کرائی گئی۔ تو حضرت جبرائیل نے اذان دی۔ ملائکہ نے گمان کیا کہ شاید وہ انہیں امامت کرائیں گے۔ لیکن انہوں نے مجھے مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دیا۔ میں نے انہیں امامت کرائی۔“ اس سند میں غیر معروف راوی ہے۔ امام ذہبی نے مختصر الامام میں لکھا ہے ”یہ حدیث منکر ہے بلکہ موضوع ہے۔“ بزار وغیرہ نے روایت لکھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو اذان سکھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ کے پاس ایک سواری براق لے کر آئے۔ آپ اس پر سوار ہوئے۔ حتیٰ کہ آپ ایک حجاب کے پاس پہنچے۔ حجاب سے ایک فرشتہ نکلا اس نے پوچھا: ”جبرائیل! یہ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے یہ فرشتہ ساری مخلوق سے رب تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے۔ جب سے میری تخلیق ہوئی ہے میں نے یہ فرشتہ نہیں دیکھا۔ صرف ابھی دیکھا ہے۔“ اس فرشتے نے کہا: ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ حجاب کے پیچھے سے کہا گیا ”میرے بندے نے سچ کہا ہے میں ہی سب سے بڑا ہوں۔ میں ہی سب سے بڑا ہوں“ اس نے بقیہ اذان کا ذکر کیا۔ اس روایت کے آخر میں ہے ”پھر فرشتے نے آپ کو دست اقدس سے پکڑا۔ آپ نے آسمان والوں کو امامت کرائی۔“ اس روایت کی سند میں زیاد بن منذر ہے۔ وہ بھی متروک ہے۔ ابن معین نے اس کے بارے لکھا ہے: ”یہ اللہ کا دشمن جھوٹا تھا۔“

امام ذہبی نے لکھا ہے۔ ”یہ روایت اس کی وضع کردہ ہے۔“ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس روایت کو امام سہلی نے صحیح گمان کیا ہے۔ حالانکہ وہ منکر ہے۔ زیاد بن منذر اس میں منفرد ہے۔ رافضیہ کافرقہ جارود یہ اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس پر تہمت لگائی جاتی تھی۔ اگر حضور اکرم ﷺ نے شب معراج اذان سنی ہوئی تو ہجرت کے بعد آپ اس کا ضرور حکم دیتے۔

ابن شائین نے مذکورہ زیاد کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا: ”میں نے ابن حنفیہ سے پوچھا: ”ہم بیان کرتے تھے کہ اذان خواب میں سکھائی گئی تھی۔“ اس نے کہا: ”بخدا! یہ باطل ہے۔ لیکن جب حضور اکرم ﷺ کو معراج کرائی

گئی تو آپ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا گیا۔ جس نے آپ کو آذان سکھائی۔ الحافظ ابن حجر نے لکھا ہے ”یہ باطل ہے اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے۔ تو اسے تعدد اسراء پر محمول کیا جائے گا۔ یہ معراج مدینہ طیبہ میں ہوئی ہوگی۔“

امام قرطبی کا یہ قول لازم نہیں آتا کہ جو آذان آپ نے شب معراج کو سنی تھی وہ آپ کے حق میں مشروع تھی۔ اس موقف میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس روایت کی ابتداء میں ہے ”جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو آذان سکھانے کا ارادہ کیا۔“ امام الطبری نے لکھا ہے کہ شب معراج کی آذان کو لغوی معنی پر محمول کیا جائے گا یعنی اعلان۔ اس میں بھی اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ اس میں اس کیفیت کی صراحت ہے جو اس میں مشروع ہے۔

ابن شایہ نے زیاد کی سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور آذان سکھائی۔ حضرت جبرائیل براق لے کر آئے..... زیاد کذاب راوی ہے۔ ابو شیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”نماز کی فرضیت کے ساتھ ہی آپ پر آذان کا نزول ہوا“ اس کی سند میں عبدالعزیز بن مروان ہے۔ وہ تالف ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے: ”صحیح بات یہی ہے کہ ان روایات میں سے ایک روایت بھی درست نہیں۔ ابن منذر نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ آپ آذان کے بغیر ہی نماز پڑھتے تھے۔ جب سے نماز فرض ہوئی اس وقت سے لے کر ہجرت مدینہ تک اور پھر مذکورہ مشاورت تک آپ آذان کے بغیر ہی نماز پڑھتے تھے۔“ امام بیہقی نے ان روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے مگر انہوں نے تکلف کیا ہے۔ صحیح موقف کو اپنا لینا بہتر ہے۔ انہوں نے اس روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحابی نے جو کچھ خواب میں دیکھا تھا وہ اس کے موافق ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ نے شب معراج کو سنا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ ایک سچا خواب ہے۔“ اس وقت آپ نے جان لیا کہ جو کچھ آسمان میں دیکھا تھا وہ زمین پر سنت قائم ہو گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا۔ کیونکہ سیکندہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان سے گفتگو کرتی تھی۔“

اس سے یہ علم ہوتا ہے کہ صرف حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے خواب پر اکتفاء نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق کا خواب بھی اس کے ساتھ ملا دیا گیا تا کہ ان کے خواب کو تقویت نصیب ہو۔ پھر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خواب پر اقتصار کیوں کیا گیا۔ ممکن ہے وہ یہ جواب دیں تا کہ یہ شہادت کے مفہوم میں ہو سکے۔ پہلے ضعیف روایت گزر چکی ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بھی یہ خواب دیکھا تھا۔ لیکن اس کی تاویل کی گئی ہے۔

اس کے الفاظ یہ ہیں: "اس میں عمر تم سے سبقت لے گئے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ کے خواب کے مطابق اذان دینے پر سبقت لے گئے ہیں۔"

◆ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حکمت الہیہ کا تقاضا ہے کہ اذان حضور اکرم ﷺ کی زبان اقدس کے علاوہ کسی اور کی زبان سے ہو۔ کیونکہ اس میں رب تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص کی رفعت کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کی رفیع شان کا ذکر کیا ہے۔ لہذا ضروری تھا کہ یہ کسی اور کی زبان سے ادا ہو۔ تاکہ آپ کی شان اور بلند ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۳﴾ (الانشراح: ۳)

ترجمہ: "اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔"

"آپ کے ذکر کی رفعت کا تذکرہ کسی اور کی زبان سے ہو۔" امام سہیلی کا یہ قول بہت عمدہ ہے۔

◆ ابوشیخ نے عبد العزیز بن مروان کی سند سے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اذان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اذان سے اخذ کی گئی۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَآذِنُ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ - (سورۃ الحج: ۲۷)

ترجمہ: "اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا۔"

حضور اکرم ﷺ نے بھی اذان دی۔ ابو نعیم نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں کہ حضرت جبرائیل نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے اس وقت اذان دی جب انہیں جنت سے اتارا گیا۔

◆ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے لیے منتخب کیا گیا کیونکہ جب انہیں راوہ خدا میں اذیت دی جاتی تھی تو وہ احد، احد کے ترانے الا پتے تھے۔ اذان ان کے سپرد کی گئی کیونکہ یہ ابتداء سے لے کر انتہاء تک توحید پر مشتمل ہے۔

◆ حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب پر اذان کے حکم کو ثابت کیا گیا۔ غیر نبی کے خواب پر حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ آپ پر وحی کا نزول بھی ہوا ہو۔ اس کے مقتضی پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ دیکھا جائے اس پر برقرار رہا جاتا ہے یا نہیں۔ جب اس کے نظم کو دیکھا تو اس میں دوسو اس کے دخول کو بعید سمجھا۔

عبید بن عمیر کی روایت پہلے موقف کی تائید کرتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان سنی۔ پھر بارگاہ رسالت مآب میں یہ خواب سنانے کے لیے حاضر ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس ضمن میں وحی ان سے سبقت لے جا چکی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”وحی تم سے سبقت لے گئی ہے۔“ اس ضمن میں یہ صبح ہے ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید کے خواب سے آٹھ روز قبل حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب میں اذان لے کر آ گئے تھے۔

اذان کو دو دو بار اور اقامت کو ایک ایک بار کہنے میں کیا حکمت ہے؟ اس میں حکمت یہ ہے کہ اذان غائبین کے لیے اعلان نماز ہے۔ اس لیے اس میں تکرار ہے تاکہ یہ آواز ان تک پہنچے جبکہ اقامت حاضرین کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے مستحب ہے کہ اذان بلند جگہ پر ہو۔ جبکہ اقامت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ نیز یہ کہ اذان میں آواز نسبت اقامت بلند ہو۔



مواخات

ابن عمر نے لکھا ہے۔ العیون اور الفتح میں بھی اسی طرح ہے۔ انہوں نے کتاب الصیام میں اصحاب المغازی سے نقل کیا ہے کہ مواخات دو بار ہوئی تھی۔ (۱) ہجرت سے قبل مہاجرین کے مابین۔ یہ حق اور ہمدردی پر مواخات تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرات ابو بکر اور عمر، حمزہ اور زید بن حارثہ کے مابین مواخات قائم کی تھی۔ ابو یعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے میرے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے مابین اخوت قائم کی۔ اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت ابن مسعود، حضرت عبیدہ اور حضرت بلال، حضرت مصعب اور حضرت سعد، حضرت عبیدہ اور حضرت سالم بن ابی حذیفہ، حضرت سعد بن ابی زید اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ، اپنے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے مابین اخوت قائم کی۔

امام حاکم اور خلعی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے مابین اخوت قائم کی۔ آپ نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مابین اخوت قائم کی۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما باقی رہ گئے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اپنے صحابہ کرام کے مابین اخوت قائم کی ہے لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔" آپ نے فرمایا: "کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے بھائی بنو۔"

انہوں نے عرض کی: "ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!" آپ نے فرمایا: "تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔" دوسری بار اخوت کے بارے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ "حضور اکرم ﷺ نے ہمارے گھر مہاجرین اور انصار کے مابین اخوت قائم کی۔" امام احمد، شیخان اور ابوداؤد وغیرہم نے حضرت ابن عباس وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مہاجرین اور انصار کے مابین اخوت قائم کی۔ حق ہمدردی اور وصال کے بعد وراثت پر ان کے مابین اخوت قائم کی۔ یعنی رشتہ داروں کو چھوڑ کر وہ ان کے وارث بنیں گے۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حمزہ اور حضرت زید بن حارثہ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت خارجہ بن زید

حضرت عمر فاروق اور حضرت عتبان بن مالک، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سلمہ بن سلمہ (یا ابن مسعود) حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت کعب بن مالک، حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم کے مابین مواخات قائم کی۔ سارے صحابہ کرام سے فرمایا: ”باہم بھائی بھائی بن جاؤ۔ حضرت علی میرے بھائی ہیں۔“

مسلمان اسی اخوت پر قائم رہے۔ حتیٰ کہ سورۃ الانفال کی یہ آیات طیبات نازل ہو گئیں رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے اس معاہدہ کو تقویت دی فرمایا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤٣/٤٢﴾ (الانفال: ٤٢/٤٣)

ترجمہ: ”جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایماندار ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔“

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ نے اس عہد کو محکم کیا جو حضور اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین قائم کیا تھا۔ وہ ان رشتہ داروں کو چھوڑ کر جو مکہ مکرمہ میں موجود تھے یہ باہم وارث بنے تھے۔ جتنی دیر رب تعالیٰ نے چاہا صحابہ کرام اس عہد پر برقرار رہے۔ غزوہ بدر کے بعد رب تعالیٰ نے دوسری آیت طیبہ نازل کی جس نے اس اخوت کو منسوخ کر دیا۔ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَمَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۖ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٤٥﴾

(الانفال: ٤٥)

ترجمہ: ”جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا۔ تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تم میں سے ہیں اور رشتہ دار ایک دوسرے کے حق دار ہیں حکم الہی کے مطابق یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

میراث میں مواخات منقطع ہو گئی ہر انسان اپنے نسب، ورثاء اور رشتہ داروں کی طرف لوٹ آیا۔ خراپٹی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مہاجرین نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم نے ایسی قوم کبھی نہیں دیکھی ہم ان کے پاس آئے انہوں نے قلیل مال میں ہم سے بہت ہمدردی کی اور کثیر مال میں ہم پر اچھی طرح خرچ کیا۔ انہوں نے مشقت میں ہماری معاونت کی۔ انہوں نے عمدہ چیز میں ہمیں شریک کیا ہمیں خدشہ ہے کہ وہ سارا اجر لے جائیں

گے۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں! جو تم نے ان کی تعریف کی ہے تم نے ان کے لیے رب تعالیٰ سے دعا کر دی ہے۔“
امام مسلم، امام نسائی اور خراطی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم نے خود کو دیکھا
ایک مسلمان شخص اپنے درہم یادینار کا اپنے بھائی سے زیادہ مستحق نہ تھا۔“ امام زہری، حمزہ بن سعید نے اسی طرح کہا ہے جس
طرح ابن سعد نے ان سے روایت کیا ہے۔ ”یہ فرزندہ فال افراد نوے تھے۔ جن میں سے ۴۵ مہاجر اور ۴۵ انصار تھے۔“
ایک قول یہ ہے کہ ان کی تعداد ایک سوھی ۵۰ مہاجرین اور پچاس انصار تھے۔ ابن اسحاق، سعید بن داؤد، ابو عمر اور ابو الفرج
نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور حضرت علی المرتضیٰ کے مابین اخوت قائم فرمائی اور فرمایا: ”تم دنیا اور آخرت میں میرے
بھائی ہو۔“

ابو بکر شافعی نے حضرت ابو امامتہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت قائم کی تو اپنے اور
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ اور حضرت امید، حضرت جعفر طیار اور حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت
خارجہ بن زید، حضرت عمر فاروق اور حضرت عتبان بن مالک، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت اوس بن ثابت اور حضرت
طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت کعب بن مالک کے مابین اخوت قائم کی۔ ابو الفرج نے حضرت کعب کی جگہ حضرت ابی بن
مالک کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت سعید بن زید، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سلمہ بن سلامتہ، حضرت
سعد بن وقاص اور حضرت محمد بن سلمہ، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابی بن کعب، حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت
سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم کے مابین اخوت قائم کی۔

امام بخاری نے کتاب البیوع کی ابتداء میں لکھا ہے ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے مابین اخوت کیسے
قائم کی۔“ امام احمد، شیخان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمان بن عوف اور
حضرت سعد بن ربیع کے مابین اخوت قائم کی۔ حضرت سعد نے انہیں اپنا نصف مال اور نصف اہل پیش کیا۔ حضرت سعد نے
کہا: ”میں سارے لوگوں سے زیادہ امیر ہوں۔ میں اپنا نصف مال آپ کو پیش کرتا ہوں۔ ذرا دیکھو میری کون سی بیوی آپ کو
پسند ہے۔ میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔ جب اس کی عدت گزر جائے تو اس سے نکاح کر لینا۔“ حضرت عبدالرحمان نے کہا:
”اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور اہل میں برکت ڈالے۔ بازار کی طرف میری راہ نمائی کر دو۔“ انہوں نے وہاں خرید و فروخت
شروع کی۔

آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت ابو طلحہ زید بن سہل کے مابین اخوت قائم کی۔ یہ روایت اس روایت
سے زیادہ صحیح ہے جسے ابن اسحاق اور ابو عمر نے روایت کیا ہے الایہ کہ یہ اخوت حضرت ابو عبیدہ اور حضرت سعد بن معاذ کے

ماہین قائم ہوئی ہو۔ سدید نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت محمد بن سلمہ، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابی بن کعب، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابو ایوب، حضرت عامر بن یاسر اور حضرت حذیفہ بن یمان یا حضرت عمار اور حضرت ثابت بن قیس کے ماہین اخوت قائم کی۔ کیونکہ حضرت حذیفہ نے غزوہ احد کے وقت اسلام قبول کیا تھا، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ اور حضرت عباد بن بشر، حضرت ابو ذر غفاری اور حضرت منذر بن عمر رضی اللہ عنہم کے ماہین اخوت قائم کی۔ محمد بن عمر سلمی نے انکار کیا ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی کسی صحابی سے اخوت قائم کی ہو۔ کیونکہ وہ غزوہ بدر اور غزوہ احد کے بعد مدینہ طیبہ آئے۔ ان کے نزدیک حضرت طیب بن عمیر اور حضرت منذر بن عمرو کے ماہین اخوت قائم کی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت سہل بن حنیف، حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو درداء عویم بن ثعلبہ کے ماہین اخوت قائم کی۔ محمد بن عمر نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ حضرت سلمان فارسی نے غزوہ احد کے بعد اسلام قبول کیا۔ انہوں نے غزوہ خندق میں شرکت کی تھی۔ آپ نے حضرت بلال اور حضرت ابو یحییٰ، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اور حضرت عویم بن ساعدہ، حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت عاصم بن ثابت، حضرت عبیدہ بن حارث اور حضرت طفیل بن حارث، حضرت سفیان بن نسر اور حضرت حصین بن حارث، حضرت عبداللہ بن جبیر اور حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عباس بن عبادہ اور حضرت عتبہ بن غزو ان، حضرت معاذ بن معص اور حضرت صفوان بن وہب، حضرت رافع بن معالی اور حضرت مقداد بن عمرو، حضرت عبداللہ ابن رواحہ اور حضرت ذوالشمالین عمرو بن نضله، حضرت یزید بن حارث اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، حضرت سعد بن خنیثمہ اور حضرت عامر بن ابی وقاص، حضرت خبیب بن عدی اور حضرت عبداللہ بن مظعون، حضرت قطبہ بن عامر اور حضرت شماس بن عثمان، حضرت حنظلہ بن ابی عامر اور حضرت ارقم بن ابی ارقم، حضرت طلحہ بن زید انصاری اور حضرت زید بن خطاب، حضرت معن بن عدی اور حضرت عمرو بن سراقہ، حضرت سعد بن زید اور حضرت عاقل بن بکیر، حضرت مبشر بن عبد المنذر اور حضرت عبداللہ بن محرزہ، حضرت فروہ بن عمرو اور حضرت خنیس بن حذافہ، حضرت منذر بن محمد اور حضرت ابوسبرہ بن ابی رهم، حضرت عبادہ بن خشاش اور حضرت مسلح بن اثاثہ، حضرت زید بن المزین اور حضرت ابی مرثد، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت عکاشہ بن محصن، حضرت مجذربن زیاد اور حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت حارث بن صممہ اور حضرت مجمع رضی اللہ عنہم کے ماہین رشتہ اخوت قائم فرمایا۔

تنبیہات

❖ الروض الانف میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ماہین مواخات قائم کی۔ تاکہ پردیس کی وحشت ختم ہو سکے۔ اپنے اہل و عیال اور قبیلہ کی جدائی سے تسلی فراہم ہو سکے وہ ایک دوسرے

کے ساتھ تعاون کر سکیں۔ جب اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا۔ اس کی شیرازہ بندی ہو گئی۔ وحشت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

مِنْكُمْ ؕ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ؕ (الانفال: ۷۵)

ترجمہ: ”رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہے حکم الہی کے مطابق۔“

اس سے مراد میراث ہے۔ پھر سارے اہل ایمان کو بھائی بھائی بنا دیا۔ وہ محبت اور دعوت کی عمومیت میں باہم بھائی بھائی بن گئے۔

❖ اخوت کا آغاز کب کیا گیا ایک قول یہ ہے کہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد، دوسرا قول نو ماہ بعد کا، ایک قول یہ ہے کہ جب آپ مسجد تعمیر کر رہے تھے یا تعمیر مسجد سے قبل، یا ہجرت کے ایک سال بعد، یا ہجرت کے تین ماہ بعد ایک قول یہ ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر یہ رشتہ اخوت قائم کیا۔ یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ مؤاخات حضرت انس کے گھر ہوئی تھی۔ ابوسعید نیساپوری نے الشرف میں لکھا ہے کہ یہ مؤاخات مسجد نبوی میں ہوئی تھی۔

❖ امام واقدی نے انکار فرمایا ہے کہ حضرت سلمان اور حضرت ابو درداء کے مابین مؤاخات قائم ہوئی ہو۔ کیونکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور غزوہ خندق میں شرکت کی تھی۔ الحافظ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس سے مراد دوسری بار اخوت کا رشتہ قائم کرنا ہے۔ ایک بار مؤاخات کا آغاز ہو گیا تو آپ لگاتار اس کی تجدید کرتے رہے۔ جو اسلام قبول کر لیتا اور مدینہ طیبہ حاضر ہو جاتا ہے۔ اسے کسی صحابی کے ساتھ رشتہ اخوت میں پرودیا جاتا۔ یہ مؤاخات ایک بار تو واقع نہیں ہوئی تھی کہ اس مؤاخات کو رد کر دیا جائے۔ جو حضرت سلمان اور حضرت ابو درداء کے مابین قائم ہوئی تھی۔ یہی جواب حضرت ابو ذر، منذر بن عمرو، حضرت حذیفہ، حضرت عمار، حضرت جعفر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کی مؤاخات کے بارے دیا جاتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت معاذ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ اخوت قائم کرنے کا انتظار کیا حتیٰ کہ وہ حبشہ سے واپس تشریف لے آئے۔

❖ محمد بن عمر نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ہر اس مؤاخات کا انکار کیا ہے جو غزوہ بدر کے بعد رونما ہوئی۔ انہوں نے کہا ہے کہ غزوہ بدر نے ایسی وراثت کو منقطع کر دیا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ امر مؤاخات کو بالکل ختم نہیں کرتا۔ یہ اس مخصوص مؤاخات کو ختم کرتا ہے جو صحابہ کرام کے مابین اس لیے منعقد ہوئی تھی تاکہ وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں۔

❖ ابن تیمیہ نے اس امر کا انکار کیا ہے کہ مہاجرین کے مابین یہ مؤاخات ہوئی ہو۔ خصوصاً انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مابین اخوت کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مؤاخذات کو ایک دوسرے شفقت سے برتنے کے لیے مشروع کیا تھا۔ تاکہ ان کے مابین تالیف قلبی ہو سکے۔ لہذا کسی مہاجر کا دوسرے مہاجر کا بھائی بنانے میں یہ حکمت کارفرما نہیں ہے۔

الحافظ نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ نص کا قیاس کے ساتھ رد ہے۔ اور مؤاخذات کی حکمت سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ بعض مہاجرین مال، قبیلہ اور قوت میں دوسرے سے قوی تھے۔ آپ نے اعلیٰ اور ادنیٰ کے مابین مؤاخذات قائم کی تاکہ ادنیٰ اعلیٰ کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اعلیٰ ادنیٰ کی مدد کرے۔ اس سے وہ حکمت آشکارا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا تھا۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بچپن سے ہی آپ کی کفالت میں تھے۔ اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مابین مؤاخذات قائم کی۔ کیونکہ حضرت زید ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کی اخوت ثابت ہے حالانکہ وہ مہاجرین میں سے تھے۔ صحیح میں ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر حضرت زید نے کہا تھا: ”حضرت حمزہ کی نور نظر میری بھتیجی ہیں۔ حاکم ابن عبد العزیز نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن عوام اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مابین رشتہ اخوت قائم کیا۔ یہ دونوں مہاجر تھے۔ ضیاء المقدسی نے المختارۃ میں لکھا ہے۔ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ المختارۃ کی روایات مستدرک کی روایات سے زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہیں۔ اس کی مزید تفصیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں آئے گی۔

امام احمد، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی اور ابن حبان نے حضرت شعبہ بن التوام سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسلام میں (ایسا) کوئی معاہدہ نہیں (جو اسلام کے حکم کے مخالف ہو) شعبہ بن التوام نے یہ اضافہ کیا ہے ”بلکہ تم جاہلیت کے معاہدہ کو تھامے رکھو“ دوسرے الفاظ میں ہے ”جاہلیت کے ہر معاہدہ کو اسلام نے سخت اور شدید کیا ہے یہ بات مجھے خوش نہیں کرتی کہ مجھے سرخ اونٹ ملیں اور میں وہ معاہدہ توڑوں جو دارالندوہ میں ہوا تھا۔“

امام بخاری نے الکفالت اور الاعتصام میں اور امام مسلم نے فضائل میں اور امام ابو داؤد نے فرائض میں عاصم بن سلیمان الاحول سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت انس سے عرض کی: ”کیا آپ کو علم ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں ہے“ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں قریش اور انصار کے مابین معاہدہ کیا تھا۔“ امام الطبرانی نے لکھا ہے کہ حضرت انس نے معاہدہ کے اثبات

کے لیے جو استدلال کیا ہے وہ سابقہ روایات کے منافی نہیں ہے۔ یہ اخوت ہجرت کی ابتداء میں ہوئی تھی صحابہ کرام ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے۔ پھر آیت میراث سے یہ منسوخ ہو گئی۔ یہ برقرار رہی حتیٰ کہ قرآن پاک اسے ختم کر دے۔ اس سے مراد حق پر نصرت اور تعاون ہے۔ ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا ہے جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے ”مگر نصرت اور خلوص“ اسی کی وصیت کی جاتی ہے۔ میراث ختم ہو گئی ہے۔

خطابی نے لکھا ہے کہ ابن عیینہ نے لکھا ہے کہ آپ نے ان کے مابین رشتہ اخوت قائم کیا۔ اسلام میں معاہدہ کا مطلب ہے کہ دینی احکام اور حدود میں تعاون کرنا۔ جاہلیت میں معاہدہ سے مراد ان امور پر عمل پیرا ہونا تھا جو ان کے مابین طے پاتے تھے۔ اسلام نے وہ معاہدے ختم کر دیے جو اسلام کے حکم کے خلاف تھے۔ بقیہ کو اسی طرح رہنے دیا۔ جاہلیت میں جو معاہدے فتنوں، قتال اور شب خون مارنے کے لیے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ اسلام میں انہیں ختم کر دیا ”لا حلف فی الاسلام“ جاہلیت میں جو معاہدے مظلوم کی نصرت اور صلہ رحمی کے لیے تھے جیسے حلف المطلبیین وغیرہ ان کے بارے فرمایا: ”زمانہ جاہلیت میں جو معاہدے تھے۔“ اسلام نے ان کی شدت میں اضافہ کیا ہے۔ ”اس سے مراد وہ معاہدہ ہے جو خیر اور نصرت حق پر منعقد ہو۔“ اس طرح دونوں روایتیں جمع ہو گئیں ایسے معاہدہ کا تقاضا ہی اسلام کرتا ہے۔ ممنوع معاہدہ وہ ہے جو حکم اسلام کے مخالف ہو۔



تحویل قبلہ

ابن اسحاق، ابن سعد، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، صحاح ستہ، ابوداؤد، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، دارقطنی، بیہقی، نے حضرت براء بن عازب سے، ابن اسحاق، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد اور نحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، یحییٰ بن حسن نے اخبار مدینہ میں حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے قبلہ کو منسوخ کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز ادا فرماتے تھے۔ خانہ کعبہ آپ کے سامنے ہوتا تھا۔ ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے پہلے خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کر کے نماز ادا فرمائی پھر مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کو آپ کا قبلہ بنا دیا گیا۔ پھر آپ نے ہجرت فرمائی ہجرت کے وقت مدینہ طیبہ کی اکثر آبادی یہودی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے صحراۃ بیت المقدس کی طرف رخ انور کرنے کا حکم دیا۔ یہودی اس کی وجہ سے آپ کو طعنے دینے لگے۔ آپ بیت المقدس کی طرف رخ انور کرتے تھے۔ آپ کو پسند تھا کہ خانہ کعبہ کو آپ کا قبلہ بنا دیا جائے۔ کیونکہ یہودی کہتے تھے ”محمد عربی ﷺ (فداہ روحی) یوں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے قبلہ کی اتباع کرتے ہیں۔“

آپ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا: ”میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہودیوں کے قبلہ سے پھیر دے۔“ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ”میں بھی آپ کی طرح عبد ہوں۔ میں کسی چیز کا مالک نہیں مگر مجھے جو حکم دیا جائے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔“ حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ نظر اٹھا کر آسمان کی طرف کثرت سے دیکھتے تھے۔ آپ حضرت ام بشر بنت براء رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ آپ کے لیے کھانا تیار کرتی تھیں۔ نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے وہیں اپنے صحابہ کرام کو نماز ظہر پڑھائی۔ جب آپ دو رکعتیں پڑھا چکے تو حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور آپ کو اشارہ کیا کہ آپ بیت اللہ کی طرف رخ انور کر لیں۔ حضرت جبرائیل نے بیت اللہ کی طرف رخ انور کر لیا حضور اکرم ﷺ بھی اسی طرف چلے گئے۔ آپ نے میزاب رحمت کی طرف رخ انور کر لیا۔ مرد خواتین کی جگہ اور خواتین مردوں کی جگہ آگئیں۔ اسی قبلہ کے بارے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا (البقرہ: ۱۴۴)

ترجمہ: ”ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جو آپ پسند کرتے ہیں۔“

اسی لیے اس مسجد کو مسجد قبلتین کہا جاتا ہے۔ اس وقت ظہر کی چار رکعتیں تھیں۔ دو کے وقت رخ انور بیت المقدس کی طرف اور دو کے وقت رخ انور خانہ کعبہ کی طرف ہو گیا۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ باہر نکلے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی تھی۔ وہ بنو حارثہ کے پاس سے گزرے۔ یہ انصار تھے۔ وہ نماز عصر میں رکوع کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: ”میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں۔ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔“ یہ سن کر انہوں نے بھی اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف کر لیا۔

حضرت رافع بن خدیج نے کہا ”ایک آنے والا ہمارے پاس آیا۔ ہم نے بنو عبد الاشہل میں نماز ادا کر رہے تھے۔ اس نے کہا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مل چکا ہے کہ آپ کعبہ مقدسہ کی طرف رخ انور کریں۔ ہمارے امام نے خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کر لیا ہم نے بھی اپنے رخ موڑ لیے۔“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”لوگ قبائلیں میں نماز صبح ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا۔ ابن طاہر المقدسی نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عباد بن بشر ہی تھے۔ انہوں نے کہا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک نازل ہو چکا ہے آپ کو حکم مل چکا ہے کہ آپ خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کر لیں۔ تم بھی کعبہ مشرفہ کی طرف منہ کر لو۔ ان کے چہرے شام کی طرف تھے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف رخ موڑ لیے۔“

یہود کو یہ بات بہت عجیب لگتی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح اہل کتاب بھی متعجب تھے۔ جب آپ نے بیت اللہ کی طرف رخ انور کیا تو انہیں یہ بات بہت عجیب لگی۔ منافقین نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زمین کی طرف گر پڑے ہیں۔“ مشرکین نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا ہے کہ ہمارا قبلہ ان کا قبلہ اور وسیلہ بنا دیا جائے۔ ان کو علم ہو گیا ہے کہ ہمارا دین ان کے دین سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ عنقریب وہ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔“ نعوذ باللہ منہ

یہودیوں نے اہل ایمان سے کہا: ”تمہیں حضرت موسیٰ، حضرت یعقوب اور دیگر انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کے قبلہ سے کس چیز نے پھیرا ہے۔ بخدا تم ایک فتنہ پسند قوم ہو۔“ اہل ایمان نے کہا: ”ہم میں سے بعض افراد کا وصال ہو چکا ہے ہم نہیں جانتے کہ ہم اور وہ ایک قبلہ پر تھے یا نہیں۔“ رفاۃ بن قیس، کریم بن عمرو، کعب بن اشرف، رافع بن ابی رافع، حجاج بن عمرو، ربیع، کنانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: ”اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! کس چیز نے آپ کو اس قبلہ سے پھرا ہے جس پر آپ پہلے تھے۔ حالانکہ آپ گمان کرتے ہیں کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہیں۔ آپ اپنے پہلے قبیلہ کی طرف لوٹ چلیں۔ ہم آپ کی

اتباع کریں گے اور آپ کی تصدیق کریں۔ ان کا مقصد صرف فتنہ اور فساد تھا۔ اس وقت یہ آیات نازل ہیں۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلِهِمُ الَّذِي كَانُوا عَلَيْهِمْ قُلْ لِلَّهِ
 الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٣٢﴾ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ
 أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا
 جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى
 عَقْبَيْهِ ۗ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ
 إِيْمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٣٣﴾ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۗ
 فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا
 كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
 رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾ وَلَئِن آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ
 آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۗ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتِهِمْ ۗ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ
 بَعْضٍ ۗ وَلَئِن اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ إِنَّكَ إِذَا لَئِن
 الظَّالِمِينَ ﴿١٣٥﴾ (البقرہ: ۱۳۲-۱۳۵)

ترجمہ: ”اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔ آپ فرمائیے اللہ ہی کا ہے فرق بھی اور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور ہمارا رسول تم پر گواہ ہو اور نہیں مقرر کیا۔ ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے ہمارے رسول ﷺ کی۔ کون مردتا ہے اٹھے پاؤں بے شک یہ حکم بہت بھاری ہے مگر ان پر نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کر دے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربان کہ رحم کرنے والا ہے ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ آپ پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ کو اس طرف بے شک جنہیں کتاب دی گئی وہ جانتے ہیں۔“

تنبیہات

یہ تو تذکرہ کیا گیا ہے۔ مرد خواتین کی جگہ اور خواتین مردوں کی جگہ آگئیں اس کی صورت یہ بنتی ہے کہ امام صاحب مسجد کے اگلے حصہ سے مسجد کے پچھلے حصہ میں چلے گئے۔ کیونکہ جو شخص مدینہ طیبہ میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کرتا ہے۔ اس کی کمر بیت المقدس کی طرف ہوتی ہے۔ اگر امام صاحب اسی جگہ پھر جاتے تو ان کے پیچھے اہل ایمان کی صفیں نہیں آسکتیں تھیں۔ جب امام صاحب پھر گئے تو مرد حضرات بھی گئے پھر حتیٰ کہ وہ ان کے پیچھے چلے گئے۔ خواتین پھر مردوں کے پیچھے چلی گئیں۔ اس سے نماز میں عمل کثیر واقع ہوتا ہے۔ شاید عمل کثیر کے حرام ہونے سے قبل تھا۔ جیسے کہ کلام کے حرام ہونے سے پہلے تھا۔ یا اس عمل کو مذکورہ مصلحت کے لیے معاف کر دیا گیا۔ یا یہ عمل لگاتار واقع نہیں ہوا تھا بلکہ متفرق طور پر ہوا تھا۔

تحویل قبلہ کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ امام بخاری نے حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ ”یہ ہجرت کے سولہ یا سترہ سال بعد ہوا تھا۔“ ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ہجرت سے سترہ ماہ بعد تحویل قبلہ ہوا تھا۔ ابن منذر نے یہ مدت سولہ ماہ لکھی ہے۔ بزار اور ابن جریر نے حضرت انس سے انیس ماہ کی مدت روایت کی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے سولہ ماہ اور سترہ ماہ کی مدت میں یوں تطبیق قائم ہو سکتی ہے کہ جس راوی نے سولہ ماہ کا قول کیا ہے۔ اس نے پہلے اور تحویل قبلہ کے مہینہ کو پورا مہینہ شمار کیا ہے۔ زائد ایام شمار نہیں کیے۔ جس نے سترہ ماہ کا قول انہوں نے ان دونوں ماہ کا شمار کیا ہے۔ جس نے شک کیا اس نے اس میں تردد کا اظہار کیا۔ کیونکہ اس میں اختلاف نہیں کہ آپ ربیع الاول کے مہینہ میں تشریف لائے تھے۔ دوسرے سال نصف رجب کے قریب تحویل قبلہ ہوا تھا۔ جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔ امام حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے ابن حبان نے لکھا ہے۔ ”سترہ ماہ اور تین ایام“ یہ مدت اس امر پر مبنی ہے کہ آپ ربیع الثانی میں تشریف لائے۔ وہ روایات جن میں تیرہ، اٹھارہ، انیس، دس اور دو ماہ اور دو سالوں کا تذکرہ ہے ان کی اسناد ضعیف ہیں۔ پہلی تین روایات پر اعتماد ہے۔

تحویل قبلہ کس ماہ میں ہوا۔ اس میں اختلاف ہے۔ محمد بن حبیب نے نصف شعبان کا قول کیا ہے امام نووی نے الروضۃ میں اسی کا ذکر کیا ہے۔ اسی کو برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے صحیح مسلم کی شرح میں سترہ ماہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ امام مسلم نے یقین کے ساتھ اسی کو ہی روایت کیا ہے۔ یہ روایت اسی صورت میں درست ہو سکتی ہے۔

اگر آپ کی تشریف آوری اور تحویل قبلہ کے دنوں مہینوں کو شمار نہ کیا جائے۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ تحویل قبلہ جمادی الآخرہ میں ہوا تھا۔

تحویل قبلہ کس نماز میں ہوا تھا؟ صحیح میں حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو پہلی نماز پڑھی تھی وہ نماز عصر تھی۔ اکثر سیرت نگاروں نے نماز ظہر کا قول کیا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ بنو سلمہ میں آپ نے سب سے پہلی نماز، نماز ظہر ادا کی تھی۔ مسجد نبوی میں نماز عصر ادا کی تھی۔ اہل قبا نے نماز صحیح خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی تھی۔

مکہ مکرمہ میں آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی اس میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت براء سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم نے حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ اٹھارہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی۔ آپ کی مدینہ طیبہ میں آمد کے دو ماہ بعد قبلہ کو پھیر دیا گیا۔“ اس روایت کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ آپ صرف بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز پڑھتے تھے۔ امام زہری نے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ خانہ کعبہ کو اپنی کمر انور کے پیچھے رکھتے تھے یا کہ اسے اپنے اور بیت المقدس کے مابین رکھتے تھے۔ پہلے قول کے مطابق آپ میزاب رحمت کو اپنے پیچھے رکھتے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق آپ دویمانی رکنوں کے مابین نماز پڑھتے تھے۔ لوگوں نے یہی گمان کیا کہ آپ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کی طرف ہی رخ انور کرتے رہے۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے بیت المقدس کی طرف رخ انور کیا۔ پھر وہ منسوخ ہو گیا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ اسے دوبار نسخ کا دعویٰ لازم آتا ہے۔ پہلا قول صحیح ہے کیونکہ وہ دونوں قولوں کو جمع کرتا ہے۔ حاکم وغیرہ نے اسی کو صحیح کیا ہے۔ ابو عمر نے اس قول کو دوسرے قول پر محمول کیا ہے۔ حضرت جبرائیل کی امامت اس امر کی تائید کرتی ہے کہ اسے اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے بعض اسناد میں ہے کہ بیت اللہ کے پاس یوں ہوتا تھا۔ ابن جریر نے قوی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ بیت المقدس کی طرف رخ انور کر لیں۔“ اس کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ انور کرنا ہجرت مدینہ کے بعد ہوا تھا۔ لیکن امام احمد نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز ادا کرتے تھے خانہ کعبہ آپ کے سامنا ہوتا تھا۔ ابن سعد نے یہی روایت جمید اور قوی سند سے روایت کی ہے۔ ان روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ احتمال ہے کہ جب آپ نے ہجرت فرمائی ہو تو آپ کو

حکم دیا گیا ہو کہ آپ لگا تار بیت المقدس کی طرف رخ انور کریں۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے "یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا" یہ قول اس شخص کے قول کو رد کرتا ہے جو کہتا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا آپ کا اجتہاد تھا۔ اس روایت کو ابن جریر نے عبد الرحمان بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے۔ یہ راوی ضعیف ہے۔ حضرت ابو عالیہ سے روایت ہے کہ آپ نے اہل کتاب کی تالیف قلبی کے لیے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی۔ یہ صراحت نص کے ساتھ ہی ثابت ہو سکتا ہے۔

دس مسلمان نماز فرض ہونے اور تحویل قبلہ سے قبل وصال ہو چکے تھے۔ مکہ مکرمہ میں (۱) حضرت عبد اللہ بن شہاب (۲) حضرت مطلب بن ازہر (۳) سکران بن عمرو، سرزمین حبشہ میں (۴) حضرت خطاب بن حارث تمیمی (۵) عمرو بن امیہ اسدی (۶) عبد اللہ بن حارث سہمی (۷) عروہ بن عبد العزی (۸) عدی بن نضلہ۔ مدینہ طیبہ کے انصار میں سے حضرت براء بن معرور اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما ان دس صحابہ کرام پر اتفاق ہے۔ ایسا بن معاذ اشجلی کی وفات بھی اسی مدت میں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے اسلام میں اختلاف ہے۔

صحیح البخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے بارے زبیر بن معاویہ سے روایت ہے کہ ان کا وصال تحویل قبلہ سے پہلے ہوا تھا۔ اور بعض افراد شہید ہوئے تھے۔ ہمیں علم نہیں کہ ہم ان کے بارے کیا کہیں؟ الحافظ نے لکھا ہے کہ اس قتل (شہادت) کا تذکرہ صرف امام زہری کی روایت میں ہے باقی روایات میں صرف موت کا ذکر ہے۔ میں نے ایک روایت بھی نہیں پڑھی جس میں یہ تذکرہ ہو کہ تحویل قبلہ سے قبل کوئی مسلمان شہید ہوا ہو۔ لیکن عدم ذکر عدم وقوع کو لازم نہیں۔ یہ روایت درست ہے تو پھر اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ بعض غیر معروف مسلمان جہاد کے بغیر ہی اس مدت میں شہید ہو گئے تھے۔ لیکن تاریخ کی طرف قلیل توجہ کی وجہ سے ان کا شمار نہیں ہو سکا۔ پھر میں نے تاریخ میں اس شخص کا تذکرہ پڑھا جس کے اسلام میں اختلاف ہے۔ وہ سوید بن صامت ہے۔ شاید یہی مراد ہو۔ بعض فضلاء نے مجھے یہ بتایا ہے کہ اس سے مراد وہ کمزور مسلمان ہیں جنہیں مکہ مکرمہ میں شہید کر دیا گیا تھا۔ جیسے حضرت عمار رضی اللہ عنہما کے والدین کریمین۔ اس کا دار و مدار اس چیز کے ثبوت پر ہے کہ ان کی شہادت معراج کے بعد ہوئی تھی۔



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود اور منافقین کی عداوت

پہلا باب

اللہ تعالیٰ کا ان سے عہد کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائیں تو وہ آپ پر ایمان لائیں آپ کی نبوت کا اعتراف اور بغض و عناد کی وجہ سے اکثر کافر کرنا

میں نے اس کتاب کے آغاز میں بہت سی ایسی احادیث کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اب میں ان روایات کا تذکرہ کروں گا۔ جن کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَبْنَئِي إِسْرَائِيلَ إِذْ كُرُوا نِعْمَتِي الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٣٠﴾ (البقرة: ٣٠)

ترجمہ: ”اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو کیا میں نے تم پر اور پورا کرو میرے ساتھ (کیا ہوا) وعدہ کو اور صرف مجھی سے ڈرو۔“

ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے اہل کتاب کے گروہ! اس کلامِ تقدس پر ایمان لے آؤ۔ جسے میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے کیونکہ وہ آپ کا ذکر خیر تورات اور انجیل میں پاتے تھے۔ تم آپ پر پہلے کفر کرنے والے نہ بنو۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾ (البقرة: ٣٢)

ترجمہ: ”اور مت ملایا کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم اسے جانتے ہو۔“

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ اس مطلب یہ ہے کہ یہودیت اور نصرانیت کو اسلام کے ساتھ نہ ملاؤ حالانکہ تم جانتے

ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے۔ یہودیت اور نصرانیت بدعت ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَا مَرْهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ. (الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: ”جس کے ذکر کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا

اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور وہ حلال کرتا ہے ان کے لیے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر

ناپاک چیزیں۔“

ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے تکتہموا الحق سے مراد محمد عربی ﷺ ہیں۔ امام بیہقی نے حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں حضور اکرم ﷺ کا یہ وصف بیان کیا تھا ”آپ کی چشمان مقدس

سر مگیں ہوں گی۔ آپ کی قامت مبارکہ میاں ہوگی۔ آپ کے بال مبارک گھنگھریا لے ہوں گے۔ آپ کا چہرہ انور حسین ہوگا۔“

حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز ہوئے تو یہودی علماء آپ سے حسد کرنے لگے۔ انہوں نے اپنی کتب میں آپ کے اوصاف تبدیل

کر دیے۔ انہوں نے کہا: ”ہم اپنے ہاں آپ کے اوصاف نہیں پاتے۔“ انہوں نے کہا: ”ہم پاتے ہیں کہ نبی امی طویل

قامت والے۔ نیلی آنکھوں والے، اور سیدھے بالوں والے ہوں گے۔“ وہ اپنے احمقوں سے کہتے ”یہ اس نبی کے اوصاف

نہیں ہیں جو یہ چیز حرام کرے گا۔“ انہوں نے آپ کے اوصاف تبدیل کر دیے لوگوں پر امر ملتبس کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

انہیں ہی احمق لوگ کھلاتے پلاتے تھے۔ کیونکہ وہ تورات کی تعلیم دیتے تھے۔ انہیں خدشہ لاحق ہو گیا کہ یہ احمق ایمان لے

آئے تو ان کا کھانا پینا بند ہو جائے گا۔“

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ اہل عرب یہودیوں کے

پاس سے گزرتے تو وہ انہیں اذیت دیتے تھے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر تورات میں پاتے تھے۔ وہ رب تعالیٰ سے سوال

کرتے تھے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو مبعوث کرے تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر اہل عرب سے جنگ کریں۔ جب آپ تشریف

لائے تو انہوں نے آپ کے ساتھ کفر کیا کیونکہ آپ بنو اسرائیل میں سے نہ تھے۔ ابن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم

نے حضرت عباس سے اور ابو نعیم، عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی تشریف

آوری سے قبل مدینہ طیبہ کے یہودی بنو اسد، بنو عطفان، جہینہ اور غدرہ وغیرہا کے مشرکین کے ساتھ جنگ کرتے تھے۔ وہ ان

الفاظ کے ساتھ مشرکین کے خلاف مدد مانگتے تھے۔ ”مولا! ہم تجھ سے محمد عربی ﷺ کے واسطے سے نصرت طلب کرتے ہیں۔ ہماری مدد فرما۔ ان کی مدد کر دی جاتی۔ وہ یہ دعا بھی مانگتے تھے ”مولا! ہم میں وہ نبی امی مبعوث فرما دے جن کا ذکر خیر ہم تورات میں پاتے ہیں۔ جن کے بارے تو نے وعدہ کیا تھا کہ تو انہیں آخری زمانہ میں مبعوث کرے گا۔“ جب آپ جلوہ افروز ہو گئے تو وہ آپ سے کفر کرنے لگے یہ صرف اہل عرب سے حد تھا۔ وہ جانتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل، حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: ”اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اسلام لے آؤ۔ تم حضور ﷺ کے وسیلے سے ہمارے خلاف مدد طلب کرتے تھے اس وقت ہم مشرک تھے۔ تم ہمیں بتاتے تھے کہ آپ مبعوث ہوں گے۔ تم ہمارے لیے آپ کے اوصاف بیان کرتے تھے۔“

ابن جریر، ابن منذر نے ابن جریج سے بعض ان اہل کتاب سے روایت کیا ہے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے کہا: ”ان اوصاف کی وجہ سے جو ہماری کتب میں موجود تھیں ہم آپ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ جانتے تھے۔ ہم اپنے بیٹوں کے بارے نہیں جانتے کہ ہماری خواتین نے ان کے بارے کیا کیا ہے؟“

ابن اسحاق، امام بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت ام المؤمنین صفیہ بنت حسی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میرے باپ اور چچا ابویاسر کی اولاد میں سے کوئی ایسا بچہ نہ تھا جو مجھ سے انہیں پیارا ہو۔ میں جب بھی ان سے ملاقات کرتی وہ دوسری اولاد کو چھوڑ کر مجھے پیار کرنے لگتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ قباء تشریف لائے تو میرا باپ حسی بن اخطب اور چچا ابویاسر آپ کے پاس صبح ہی چلے گئے۔ وہ غروب آفتاب کے وقت واپس آئے۔ وہ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ وہ سست تھے اور گرتے گرتے چل رہے تھے۔ میں معمول کے مطابق دوڑ کر ان کے پاس گئی۔ بخدا! ان میں سے کسی ایک نے بھی نظر اٹھا کر میری طرف نہ دیکھا۔ میں نے اپنے چچا ابویاسر کو سنا وہ میرے باپ سے پوچھ رہا تھا ”کیا وہ وہی ہیں؟“ اس نے کہا: ”ہاں!“ اس نے پوچھا: ”کیا تو نے ان کا علیہ اور اوصاف دیکھ لیے ہیں؟“ اس نے کہا: ”ہاں! بخدا!“ اس نے پوچھا: ”تمہارے دل میں ان کے لیے کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”جب تک میں زندہ رہوں گا ان سے عداوت ہی کرتا رہوں گا۔“

ابن عقبہ نے امام زہری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابویاسر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے گفتگو کی۔ آپ کی گفتگو سنی پھر اپنی قوم کے پاس آ گیا۔ اس نے کہا: ”اے میری قوم! میری اطاعت کر لو۔ رب تعالیٰ تمہارے ہاں اس پاک ہستی کو لے آیا ہے جس کے تم منتظر تھے۔ ان کی اتباع کر لو ان کی مخالفت نہ کرو۔“ اس کا بھائی حسی بن اخطب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہ یہودیوں کا سردار تھا۔ اس کا تعلق بنو نضیر کے ساتھ تھا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی گفتگو سنی۔ پھر اپنی قوم کے پاس واپس آ گیا۔ اپنی قوم میں

اس کی بات مانی جاتی تھی۔ اس نے کہا: ”میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ بخدا! جس کے ساتھ میں عداوت ہی کرتا رہوں گا۔“ اس کے بھائی ابو یاسر نے کہا: ”میرے بھائی! اس معاملہ میں میری اطاعت کر لو۔ اس کے بعد جس مسئلہ میں چاہو میری مخالفت کر لینا۔“ اس نے کہا: ”بخدا! میں تیری اطاعت نہیں کروں گا۔“ شیطان نے اس پر غلبہ پالیا اور اس کی قوم نے اس کی رائے کی پیروی کر لی۔

امام احمد نے زوائد المسند میں حضرت جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے کہ جرّمقانی حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ”تمہارے وہ ساتھی کہاں ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں۔ اگر میں نے ان سے سوال کیا تو مجھے علم ہو جائے گا کہ آپ نبی ہیں یا نہیں۔“ پھر جرّمقانی نے کہا: ”بخدا! یہ کلام مقدس تو اسی کلام مقدس کی طرح ہے۔ جسے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تھے۔“

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کا ایک عالم بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت سورہ یوسف تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے پوچھا: ”اے محمد عربی! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کو اس سورت کی تعلیم کس نے دی ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔“ یہ سن کر وہ عالم یہودیت متعجب ہو گیا۔ وہ یہودیوں کے پاس واپس آیا۔ اس نے کہا: ”محمد عربی ﷺ اس طرح قرآن پڑھتے ہیں جیسے تورات نازل ہوئی۔“ وہ اپنے گروہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے آپ کے اوصاف حمیدہ سے آپ کو پہچان لیا۔ انہوں نے مہر نبوت کو دیکھا جو آپ کے شانوں کے مابین تاباں تھی۔ انہوں نے آپ سے سورہ یوسف کی قرأت سنی یہ قرأت سن کر انہوں نے تعجب کیا۔ وہ اسلام لے آئے۔

محمد بن عمر اسلمی نے روایت کیا ہے کہ نعمان السبئی یمن کے یہودی علماء میں سے تھا۔ جب اس نے آپ کے بارے میں سنا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور آپ سے چند اشیاء کے بارے میں سوال کیا۔ پھر کہا: ”میرا باپ ایک کتاب پر مہر لگا کر رکھتا تھا۔ وہ کہتا تھا: ”یہ اس وقت تک یہود کو پڑھ کر نہ سنانا حتیٰ کہ تم سن لو کہ یشرب سے ایک نبی مکرم ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ جب تم ان کے بارے میں سن لو تو یہ کتاب کھول لینا۔“ جب میں نے سنا تو میں نے یہ کتاب کھولی۔ اس میں آپ کے وہی اوصاف مرقوم تھے جیسے میں آپ کی زیارت کر رہا ہوں۔ اس میں بھی لکھا ہوا تھا کہ آپ کیا حلال کریں گے اور کیا حرام کریں گے۔ اس میں لکھا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کی امت آخری امت ہے۔ آپ کا اسم گرامی احمد ہے۔ آپ کی امت کی قربانیاں ان کے خون ہوں گے۔ ان کے سینے اناجیل ہوں گے۔ وہ جس جنگ میں شرکت کریں گے ان کے ہمراہ جبرائیل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اس طرح محبت کرے گا جس طرح پرندہ اپنے بچوں سے محبت کرتا ہے۔“ میرے باپ نے کہا: ”جب ان کے

بارے سن لو تو ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور ان کی تصدیق کرو۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے تھے کہ آپ کے صحابہ کرام اس کی باتیں سنیں۔ وہ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: ”اے نعمان! ہمیں وہی داستان سناؤ۔ اس نے ابتداء سے لے کر انتہاء تک وہ داستان بیان کر دی۔ اس نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔“ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی حضرت نعمان تھے جنہیں اسود غنسی کذاب نے شبید کیا تھا۔ ان کا ایک ایک عضو کاٹا تھا۔ وہ یہی کہہ رہے تھے: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو جھوٹا اور رب تعالیٰ پر افتراء باندھنے والا ہے۔“ اس نے انہیں آگ میں جلا دیا۔ اس کے بارے اور بھی بہت سی روایات ہیں۔



حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام قبول کرنا

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ بنو خزرج میں سے قواقل کے حلیف تھے۔ اسرائیلی پھر انصاری تھے۔ ان کا نام حصین تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل فرمایا۔ وہ اہل کتاب کے عالم تھے۔ انہوں نے اس روز اسلام قبول کیا جس روز آپ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہوئے۔ جیسے امام بیہقی نے حضرت عبدالعزیز بن صہیب سے روایت کیا ہے۔ ابن اسحاق نے ان کی اولاد کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قباء تشریف لائے۔ ایک شخص حضرت عبداللہ کے پاس گیا اور آپ کی تشریف آوری کی خبر دی..... اس روایت میں ہے "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسلام قبول کیا۔ پھر میں اپنے اہل خانہ کے پاس آ گیا۔" حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے "شاید پہلے انہوں نے قباء میں آپ کی زیارت کی ہو۔ پھر بنو نجار کے گھر میں آپ کی زیارت کی ہو۔"

امام بخاری، امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ، ابن اسحق نے ان کی اولاد میں سے ایک شخص سے، امام بیہقی نے امام زہری سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے سنا تو میں آپ کے اوصاف، علیہ مبارکہ اور مبارک شکل اور اس زمانہ کو پہچان گیا جس کے ہم منتظر تھے۔ میں آپ کی وجہ سے بہت مسرور تھا۔ مگر مہربلب تھا۔ حتیٰ کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ جب آپ قباء تشریف لائے تو ایک شخص نے مجھے آپ کی آمد کے بارے بتایا۔ میں کھجور کی چوٹی پر تھا وہاں کام کر رہا تھا۔ میری پھوپھو خالدہ بنت حارث بیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ جب میں نے آپ کی آمد کی خبر سنی تو میں نے تکبیر بلند کی۔ میری پھوپھو نے میری تکبیر سنی تو کہا: "اگر تم حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بارے سنتے تو اس سے زیادہ بلند آواز سے تکبیر نہ کہتے۔" میں نے اسے کہا: "پھوپھو! بخدا! وہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ انہی کے دین پر ہیں اور اسی کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں جس کے ساتھ وہ مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: "میرے بیٹے! کیا وہ وہی نبی ہیں جن کے بارے ہم کہتے ہیں کہ انہیں قیامت کے ساتھ مبعوث کیا جائے گا۔" میں نے انہیں کہا: "ہاں! انہوں نے کہا: "وہ وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔" میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ جب میں نے چہرہ والضحیٰ

کی زیارت کی تو میں نے کہا: ”یہ کسی چھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے آپ کا پہلا فرمان سنا۔“ آپ فرما رہے تھے: ”سلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو رات کو نماز پڑھو جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے آپ کی تشریف آوری کے بارے میں سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ سے عرض کی: ”میں آپ سے چند اشیاء کے بارے میں سوال کرنے لگا ہوں جنہیں صرف ایک نبی ہی جانتا ہے۔ قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی کیا ہے؟ اہل جنت کا پہلا کھانا کیا ہے؟ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ چاند میں سیاہی کیسی ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس کے بارے میں ابھی جبرائیل نے بتایا ہے۔“ حضرت عبداللہ نے پوچھا: ”جبرائیل نے بتایا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! انہوں نے عرض کی: ”ملائکہ میں سے وہ تو یہودیوں کے دشمن ہیں۔“ آپ نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۹۷﴾ (البقرہ: ۹۷)

ترجمہ: ”آپ فرمائیے! جو دشمن ہو جبریل کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں اور سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے۔“

آپ نے فرمایا: ”قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ مشرق سے ایک آگ نکلے گی۔ جو لوگوں کو ہانک کر مغرب کی طرف لے جائے گی۔ وہ کھانا جسے اہل جنت میں سے پہلے کھائیں گے۔ وہ مچھلی کا جگر ہوگا۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔ جہاں تک اس بیاہ حصہ کا تعلق ہے جو چاند میں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں سورج تھے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتَيْنِ فَمَحْوَنًا آيَةَ اللَّيْلِ۔ (الاسراء: ۱۲)

ترجمہ: ”اور ہم نے بنیارات اور دن کو دو نشانیاں اور ہم نے مدہم کردیارات کی نشانی کو۔“

یہ سیاہی جو تمہیں نظر آتی ہے یہ وہ ”مخو“ ہی ہے۔ علم کے سمندر کی یہ بیکرانیاں دیکھ کر حضرت عبداللہ نے کہا: ”اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ“ پھر وہ اپنے اہل خانہ کے پاس تشریف لے آئے۔ انہیں اسلام لانے کا حکم دیا۔ وہ سب اسلام لے آئے۔ انہوں نے اپنا اسلام چھپا لیا۔ پھر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہودی جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار اور سردار کا بیٹا ہوں۔ میں سب سے زیادہ جاننے والا اور سب سے زیادہ عالم کا فرزند

ہوں۔ یہودی ایک جھوٹی قوم ہے اگر انہیں اس سے قبل کہ آپ ان سے سوال کریں میرے اسلام کا علم ہو گیا تو وہ مجھ پر بہتان لگائیں گے۔ وہ میرے متعلق وہ کچھ کہیں گے جو مجھ میں نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ مجھے اپنے کسی کمرہ میں چھپادیں۔“ آپ نے انہیں ایک کمرہ میں چھپادیا یہودی کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ نے فرمایا: ”اے گروہ یہود! تمہارے لیے ہلاکت! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں حق کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم اسلام قبول کرلو۔“ انہوں نے کہا: ”ہم نہیں جانتے۔“ آپ نے فرمایا: ”حصین بن سلام تم میں سے کیسا شخص ہے؟“ انہوں نے کہا: ”وہ ہم میں سے بہترین اور ہم میں سے بہترین کافر زندہ ہے۔ وہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔ وہ سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ عالم کا بیٹا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اسلام قبول کر لے۔“ انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ اسے اس سے پناہ دے گا۔“ آپ نے فرمایا: ”ابن سلام! ان کی طرف باہر نکلو۔“ حضرت عبد اللہ باہر نکلے۔ انہوں نے کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس پیغام حق کو قبول کر لو جسے لے کر آپ تشریف لائے ہیں۔ بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں تم تورات میں آپ کا اسم مبارک اور اوصاف پاتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ آپ کی تصدیق کرتا ہوں اور آپ کو پہچان لیتا ہوں۔“ یہودیوں نے کہا: ”تم جھوٹے ہو۔ تم ہم سب سے برے ہو اور سب سے برے کی اولاد ہو۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہی خدشہ تھا۔ میں نے آپ کو عرض نہیں کی کہ یہ ایک جھوٹی قوم ہے۔ یہ بہتان طراز، دروغ گو اور فاسق و فاجر قوم ہے۔“ حضرت عبد اللہ کہتے ہیں: ”میں نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا میرے اہل خانہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ میری پھوپھو خالدہ بنت حارث نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے اپنا اسلام بہت اچھا کیا۔“



یہودی آپ کے ساتھ عداوت، آپ کے اور ان کے مابین معاہدہ، اور ان کی عہد شکنی

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین معاہدہ کیا۔ اس میں یہود کو بھی شامل کیا۔ ان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ انہیں ان کے دین اور اموال پر برقرار رکھا۔ ان کے لیے اور ان پر بعض شرائط عائد کیں۔ یہ جنگ کی اجازت سے پہلے تھا۔ یہ جزیہ لاگو کرنے سے قبل تھا۔ ابن اسحاق نے اس معاہدہ کا متن ذکر کیا ہے جو تقریباً دو اوراق پر مشتمل ہے۔ لیکن سند کے بغیر ہے۔ ابو عبید نے اسے کتاب الاموال میں امام زہری سے جید سند سے روایت کیا ہے۔ میں اسے آپ کے خطوط مبارکہ کے باب میں ذکر کروں گا۔

ابن عائد نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود میں سے سب سے پہلے ابو یاسر بن اخطب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سے بات کی، جب وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو کہا: ”اے قوم! میری بات مان لو یہ وہی نبی مکرم ﷺ ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔“ اس کے بھائی نے ان کی مخالفت کی۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ شیطان نے ان پر غلبہ پالیا۔ انہوں نے اس کی اتباع کر لی۔

ابوسعید نیساپوری نے الشرف میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ میمون بن یامین یہودیوں کا سردار بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! یہود کی طرف پیغام بھیجیں مجھے ان کا حکم بنا لیں وہ میری طرف لوٹ آئیں گے۔“

آپ نے اسے کمرہ میں داخل کیا۔ پھر یہود کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ”میرے اور اپنے مابین کسی کو ثالث مقرر کر لو۔“ انہوں نے کہا: ”ہم میمون بن یامین پر راضی ہیں۔“ جب وہ باہر نکلا تو اس نے کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔“ مگر یہودیوں نے ان کا انکار کر دیا۔ تصدیق نہ کی۔

امام احمد، شیخان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اگر یہودی علماء میں سے دس علماء بھی مجھ پر ایمان لے آتے تو روئے زمین کے سارے یہودی مجھ پر ایمان لے آتے۔“ ابن ابی حاتم اور ابوسعید

نیسا پوری نے اس روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ حضرت کعب نے فرمایا: ”بارہ علماء“ اس کی تصدیق سورۃ المائدہ میں ہے:

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (المائدہ: ۱۲)

ترجمہ: ”اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار۔“

الحافظ نے لکھا ہے کہ اس سے مختص علماء مراد ہیں۔ ورنہ آپ ہر دس سے زائد علمائے یہود ایمان لائے تھے۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ زمانہ ماضی میں ایمان لے آتے جیسے آپ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری سے پہلے کا زمانہ یا مدینہ طیبہ تشریف لاتے وقت۔ ”الحافظ نے لکھا ہے“ جو امر ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت یہودیوں کے رئیس تھے۔ دیگر لوگ ان کے تابع تھے ان میں سے بہت کم لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، یہ بنوقینقاع یہودیوں کے رئیس تھے۔ بنونضیر میں سے ابویاسر بن اخطب، اس کا بھائی حنی بن اخطب، کعب بن اشرف، ابورافع سلام بن ربیع، بنوقینقاع میں سے سعد بن حنیف، فحاصل، رفاعہ بن زید، بنوقریظہ میں سے زبیر بن باطی، کعب بن اسد، اسی نے ہی بنوقریظہ کے لیے معاہدہ کیا تھا۔ اور غزوہ خندق کے وقت اسے توڑ دیا تھا۔ شمویل بن زید، ان میں سے کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک یہودیوں کا رئیس تھا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیتا تو یہودیوں کی ایک جماعت اس کی پیروی کرتی۔

شاید اس روایت کا ایک احتمال وہ ہو جسے ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اگر زبیر بن باطی اور اس کے دیگر رؤساء اسلام لے آتے تو سارے یہودی اسلام لے آتے۔“ امام سہلی نے عجیب و غریب بات کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہودی علماء میں سے صرف دو نے اسلام قبول کیا تھا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن صوری۔ الحافظ نے لکھا ہے ”مجھے صحیح سند سے علم نہیں ہو سکا کہ عبداللہ بن صوری نے اسلام قبول کیا تھا۔“ امام سہلی نے کسی اور جگہ اسے تفسیر نقاش کی طرف منسوب کیا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس کے بعد یہودی علماء آپ سے عداوت، حسد اور بغاوت کرنے لگے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب میں سے اپنا رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم منتخب کیا تھا۔ یہی یہودی علماء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سوالات کرتے تھے۔ آپ کے لیے مشکل پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حق اور باطل کے مابین التباس پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن پاک ان امور کے بارے اترتا تھا جو وہ سوالات کرتے تھے۔ البتہ ان میں سے بعض حلال اور حرام کے متعلقہ وہ مسائل بھی ہوتے تھے جن کے مسلمان آپ سے سوالات کرتے تھے۔ ابن اسحاق نے ان یہودیوں کے نام لکھے ہیں۔ ان کے تذکرہ کی ہمیں قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں تین قبائل کا ذکر کیا ہے (۱) بنوقینقاع۔ یہ مدینہ طیبہ

کے قبائل میں سے واسطی قبیلہ تھا۔ (۲) قریظہ اور نضیر۔ ان تینوں قبائل نے آپ کے ساتھ جنگیں کیں تھیں۔ انہوں نے وہ عہد توڑ دیا تھا۔ جو آپ کے اور ان کے مابین تھا۔ آپ نے بنو قینقاع پر احسان کیا۔ بنو نضیر کو جلاوطن کیا۔ بنو قریظہ کو تہ تیغ کیا۔ ان کی اولاد کو قیدی بنایا۔ سورۃ الحشر بنو نضیر کے بارے اور سورۃ الاحزاب بنو قریظہ کے بارے نازل ہوئی۔ ان کی تفصیلات آپ کے جہاد کے باب میں آئیں گی۔



یہود کا آپ سے روح کے بارے سوال

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ (یا انصار) کے کھیت میں سے چل رہا تھا۔ آپ کے دست اقدس میں کھجور کی شاخ تھی۔ آپ یہودیوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ”ان سے روح کے بارے سوال کرو۔“ بعض نے کہا: ”ان سے سوال نہ کرو تم کو کوئی ناپسندیدہ بات نہ سنا دیں۔“ دوسروں نے کہا: ”ہم ان سے ضرور سوال کریں گے۔“ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم یہ روح کیا ہے؟ ہمیں روح کے بارے بتائیں۔ جسم میں جو روح ہے اسے عذاب کیسے دیا جاتا ہے۔ روح تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ آپ خاموش رہے۔ آپ اس شاخ کے ساتھ ٹیک لگائے رہے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔ نزول وحی کے اختتام کے بعد آپ نے فرمایا:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۗ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۵﴾ (الاسراء: ۸۵)

ترجمہ: ”یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق انہیں بتائیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور انہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر تھوڑا سا۔“

ابن جریر نے ثقہ سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہودی علماء نے کہا: ”ہم اپنی کتابوں میں اسی طرح پاتے ہیں۔“ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ”ہم نے تمہیں کہا تھا کہ ان سے سوال نہ کرو۔“

تنبیہات

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ امام احمد ترمذی، امام نسائی اور ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش نے یہود سے کہا: ”ہمیں کوئی چیز

بتاؤ جس کے بارے ہم اس شخص سے پوچھ سکیں۔ انہوں نے کہا: ”ان سے روح کے بارے سوال کرو۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۵﴾ (الاسراء: ۸۵)

ترجمہ: ”اور یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق انہیں بتائیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا تمہیں علم مگر تھوڑا سا۔“

یہودیوں نے کہا: ”ہمیں کثیر علم عطا کیا گیا ہے ہمیں تورات دی گئی ہے اور جسے تورات دی گئی ہو اسے خیر کثیر عطا کی جاتی ہے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ (الکہف: ۱۰۹)

ترجمہ: ”اے حبیب آپ فرمائیے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات اور اگر ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اس کی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہوں)۔“

ابن اسحاق نے حضرت عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الاسراء کی یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ جب حضور اکرم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو علمائے یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: ”محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ کہتے ہیں ”وما اوتیتم من العلم الا قليلا“ تمہیں علم میں سے قلیل حصہ عطا کیا گیا ہے۔ کیا اس سے مراد ہم ہیں یا آپ کی قوم۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں بلکہ تم مراد ہو۔“ انہوں نے عرض کی: ”آپ پڑھتے ہیں کہ ہمیں تورات دی گئی ہے۔ اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یہ علم کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ کچھ عطا کیا ہے اگر تمہیں اس کے بارے علم ہو جائے تو تمہیں فائدہ ہو جائے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةً إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۲۸﴾ (لقمان: ۲۷/۲۸)

ترجمہ: ”اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور اس کے علاوہ سات سمندر (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی ختم نہیں ہوگی اللہ کی باتیں بیشک اللہ سب پر غالب بڑا دانا ہے نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔“

حضرت ابن مسعود کی روایت اور حضرت عطاء کا اثر ظاہر کرتا ہے کہ یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ ان روایات کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ ان کا نزول متعدد بار ہوا۔ دوسری بار آپ کے سکوت کو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ شاید اس معاملہ کی مزید تفصیل بیان کی جائے۔ درنہ صحیح کی روایت اصح ہے۔ شیخ نے الاتقان میں لکھا ہے کہ جب صحت میں دو اسناد برابر ہو جائیں تو ان میں سے ایک کو اس حیثیت سے ترجیح دی جائے گی کہ اس کا راوی قصہ کے ظہور کے وقت موجود تھا۔ یا ترجیحات کی دیگر وجوہ کی وجہ سے اسے ترجیح دی جائے گی۔ پھر انہوں نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایات کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ پھر لکھا ہے ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت تقاضا کرتی ہے کہ یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہو۔ لیکن پہلی روایت اس کے مخالف ہے۔ لیکن جو روایت امام بخاری نے لکھی ہے وہ دوسری سے اصح ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے وقت موجود تھے۔“

ابو نعیم نے لکھا ہے ”کہا جاتا ہے کہ گذشتہ کتب میں حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی ایک علامت یہ بھی لکھی ہوئی تھی کہ جب ان سے روح کے بارے سوال کیا جائے گا تو وہ اس کی حقیقت کا علم اس کے خالق اور پیدا کرنے والے کے سپرد کر دیں گے۔ آپ ان مباحث کو چھوڑ دیں گے جن میں فلاسفہ اور اہل منطق ظن و تخمین سے کچھ کہتے رہے۔ یہودیوں نے آپ سے سوال کر کے آپ کو آزمایا تا کہ وہ اس وصف سے آگاہ ہو جائیں جو ان کے ہاں مرقوم تھا۔ آپ پر نازل شدہ کتاب حکیم اس امر کے ساتھ موافقت کر گئی جو ان کے ہاں ثابت تھا۔“

ابن اللین نے لکھا ہے ”اس روایت میں کس روح کے بارے سوال کیا گیا تھا اس میں اختلاف ہے۔ اس کے بارے مختلف اقوال ہیں: (۱) انسانی روح (۲) حیوانی روح (۳) حضرت جبرائیل (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۵) القرآن (۶) وحی (۷) وہ فرشتہ جو روزِ حشر تنہا پرے ہاندھے کھڑا ہوگا (۸) وہ فرشتہ جس کے ستر ہزار چہرے ہیں ہر چہرے میں ستر ہزار بانیں ہیں۔ ہر زبان میں ستر ہزار لغات ہیں۔ وہ ان ساری لغات میں رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے اس تسبیح سے رب تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ وہ ملائکہ کے ساتھ محو پرواز ہوتا ہے۔ ایک قول

یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کی ٹانگیں زیر زمین ہیں اور اس کا سر عرش کے پایہ کے اوپر ہے۔
(۹) بنو آدم کی طرح کی ایک مخلوق ہے۔ جو کھاتی اور پیتی ہے۔ آسمان سے جو فرشتہ بھی نازل ہوتا ہے اس کے
ہمراہ ان میں سے ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی ایک قسم ہے جو کھاتی اور پیتی ہے۔
الحافظ نے لکھا ہے ”یہ اقوال مفسرین کے اس کلام سے جمع کیے گئے ہیں جو انہوں نے لفظ روح کے بارے کیا ہے
جو قرآن پاک میں وارد ہے۔ وہ اس آیت طیبہ میں خصوصاً استعمال نہیں ہوا۔ ارشادِ بانی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾ (الشعراء: ۱۹۳)

ترجمہ: ”اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل)۔“

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا (الشوریٰ: ۵۲)

ترجمہ: ”اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔“

يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ. (غافر: ۱۵)

ترجمہ: ”نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے۔“

وَآيَدُهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ (الحجرات: ۲۲)

ترجمہ: ”اور تقویت بخشتی ہے انہیں اپنے فیضِ خاص سے۔“

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا (النبا: ۳۸)

ترجمہ: ”جس روز روح اور فرشتے پر باندھ کر کھڑے ہوں گے۔“

يُنزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ. (النحل: ۲)

ترجمہ: ”اتارتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ اپنے حکم سے۔“

پہلی آیت طیبہ میں حضرت جبرائیل، دوسری میں قرآن پاک تیسری میں وحی چوتھی میں قوت پانچویں اور چھٹی
میں احتمال ہے کہ حضرت جبرائیل یا اور کوئی اور ہو اور الروح کا اطلاق حضرت عیسیٰ پر بھی ہوتا ہے۔

ابن راھویہ نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”روح اللہ کی طرف سے
ہے۔ رب تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ بنو آدم کی طرح اس کی مختلف صورتیں ہیں زمین پر جو فرشتہ بھی

نازل ہوتا ہے اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے۔“

علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ اس آیت طیبہ میں روح سے مراد کئی اقوال ہیں۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد:

روح ہے جس سے انسانی جسم میں زندگی ہوتی ہے۔ اہل نظر نے لکھا ہے کہ انہوں نے روح کے رستوں اور جسم کے ساتھ اس کے امتزاج کے بارے سوال کیا تھا۔ اسی کو رب تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مختص کیا ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ راجح قول یہی ہے کہ انہوں نے انسان کی روح کے بارے سوال کیا تھا کیونکہ یہودی یہ نہیں مانتے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی روح ہیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت جبرائیل ﷺ فرشتے ہیں اور فرشتے ارواح ہیں۔ امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے ”پسندیدہ موقف یہ ہے کہ یہودیوں نے اس روح کے بارے سوال کیا تھا جو حیات کا سبب ہے اور اس کا عمدہ جواب دیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احتمال یہ ہے کہ سوال روح کی ماہیت کے بارے ہو کہ یہ جگہ گھیرنے والی ہے یا نہیں۔ کیا یہ قدیمہ ہے یا حادثہ ہے۔ جسم سے جدا ہونے کے بعد یہ باقی رہتی ہے یا فنا ہو جاتی ہے۔ اس کو نواز نے اور عذاب دینے کی حقیقت کیا ہے سوال میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس معانی میں سے کسی ایک کو مختص کر دے لیکن اظہر بات یہی ہے کہ انہوں نے روح کی ماہیت کے بارے سوال کیا تھا۔ کیا یہ قدیمہ ہے یا حادثہ۔ اس کا جواب اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ایک موجود شئی ہے جو طبائع، اخلاط اور ترکیب کے اعتبار سے متغیر ہے۔ یہ ایک بسیط مجرد جوہر ہے۔ جسے خالق نے تخلیق کیا ہے یہ رب تعالیٰ کا فرمان ”کن“ ہے۔ یہ موجود ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا کردہ ہے۔

جسم کی حیات کی افادیت میں اس کی تاثیر ہے۔ اس کی مخصوص کیفیت کا علم نہ ہونا اس کی نفی کو لازم نہیں۔

علماء کے روح کے بارے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اندر جانے والا سانس ہے یا اس سے مراد حیات ہے یا اس سے مراد وہ لطیف جسم ہے جو سارے جسم میں ہے یا خون مراد ہے یا یہ عرض ہے۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ اس کے بارے ایک سو اقوال ہیں۔ ابن مندہ نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ ہر نبی کے لیے پانچ ارواح، ہر مؤمن کے لیے تین ارواح اور ہر زندہ کے لیے ایک روح ہے۔

قاضی ابو بکر ابن العربی نے لکھا ہے کہ روح اور نفس میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے یہ جدا جدا ہیں یہی موقف درست ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک ہی چیز ہے کبھی روح کو نفس اور نفس کو روح کہا جاتا ہے۔ جیسے روح اور نفس کو دل سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی روح کو حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان کے شاگرد امام سہیلی نے لکھا ہے کہ روح اور نفس دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي. (البقرہ: ۲۹)

ترجمہ: ”تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح۔“

تَعَلَّمَ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ط (المائدة: ۱۱۶)

ترجمہ: ”تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔“

ان دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ پر رکھنا جائز نہیں، اگر ان کے مابین تغایر نہ ہوتا تو جائز ہوتا۔

◆ ”قل الروح من امر ربي“ کے بارے امام رازی لکھتے ہیں: ”احتمال ہے کہ اس جگہ امر سے مراد فعل ہو۔“
جیسے ارشادِ باری ہے:

وَمَا أَمْرٌ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ (هود: ۹۷)

ترجمہ: ”اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا۔“

یا اس سے مراد اس کا فعل ہے۔ جواب یہ ہوگا کہ روح میرے رب کا فعل ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ یہ قدیم ہے یا حادثہ ہے تو جواب ہوگا کہ یہ حادثہ ہے..... اسی لیے اسلاف کرام ایسی چیزوں میں غور و فکر کرنے اور بحث کرنے سے رک جاتے تھے۔ ”اسماعیلی نے لکھا ہے کہ احتمال یہ ہے کہ یہ جواب ہو کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اور مراد یہ ہو کہ اس کا علم رب تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ اس کے بارے کسی اور سے سوال نہیں ہو سکتا۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ علماء کے ایک گروہ نے لکھا ہے کہ یہود نے آپ سے روح انسانی کے بارے سوال کیا تھا۔ پھر اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ انہوں نے از روئے مذاق سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: ”محمد عربی ﷺ! آپ فرمائیں کہ روح میرے رب کا امر ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو اس کی تشریح کا حکم نہ دیا۔ امر الہی سے مراد شرع ہے۔ اس سے مراد وہ کتاب زندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کیا۔ جو شریعت مطہرہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے کتاب و سنت کا عرفان حاصل کر لیا۔ اس نے روح کو جان لیا۔ گویا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دین مصطفیٰ ﷺ میں داخل ہو جاؤ تم اسے جان لو گے جس کے بارے تم نے پوچھا ہے۔ یہ میرے پروردگار کا امر ہے۔ یہ وہ امر ہے جس کی تبلیغ کے لیے میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہوں۔ کیونکہ روح کی پہچان نہ تو طبعی اعتبار سے اور نہ ہی فلسفہ کے اعتبار سے ہو سکتی ہے نہ ہی قیاس اور رائے کو اس میں عمل دخل ہے۔ صرف شریعت مطہرہ کے اعتبار سے اس کی پہچان ہو سکتی ہے۔ جب تو قرآن و سنت میں اس کا تذکرہ پر غور کرے گا۔ مثلاً رب تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوْحِهِ. (السجدة: ۹)

ترجمہ: ”پھر اس کی قد و قامت کو درست کیا اور پھونک دی اس میں اپنی روح۔“

اس سے مراد روح حیات ہے حیات اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ نفخ کی نسبت درحقیقت فرشتے کی طرف ہے۔ جس نے باہر الہی اس میں روح پھونکی تھی۔ جب تم حضور اکرم ﷺ کی احادیث طیبہ میں غور و فکر کرو گے۔ آپ نے فرمایا: ”ارواح جمع شدہ لشکر ہیں۔ جو ایک دوسرے کو جانتی ہیں، ہوا میں سونگھ لیتی ہیں۔ موت کے بعد انہیں اجسام میں سے قبض کر لیا جاتا ہے۔ قبر میں ان سے سوالات ہوں گے۔ وہ وہاں سوالات کو سنیں گی۔ سمجھیں گی اور دیکھیں گی۔ انہیں نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ وہ لذت پائیں گی۔ درد محسوس کریں گی تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ ساری صفات اجسام کی ہیں۔ تمہیں معلوم ہوگا یہ اجسام ہیں لیکن یہ کثافت اور ثقل اور اظلام میں اجساد کی مانند نہیں ہیں کیونکہ اجسام پانی، مٹی اور بدبودار کچھڑ سے پیدا کیے گئے تھے۔ یہی ان کی اصل ہے جبکہ ارواح نفخ سے پیدا کردہ ہیں۔ جیسے کہ ارشادِ ربانی پہلے گزر چکا ہے۔ یہ نفخ فرشتے کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جبکہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے نفخ کی نسبت اپنی طرف کی ہے اسی طرح اس نے ارواح کو قبض کرنے کی نسبت بھی اپنی طرف کی ہے۔ ارشاد فرمایا:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا۔ (الزمر: ۴۲)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت فرشتے کی طرف بھی کی ہے۔ فرمایا:

قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ۔ (سجدة: ۱۱)

ترجمہ: ”فرمائیے جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ۔“

فرشتے کی طرف یہ نسبت مجازی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی ہے۔ روح بھی ایک جسم ہے۔ لیکن یہ ریح (ہوا) جنس سے ہے اس وجہ سے اس کا نام روح رکھا گیا ہے۔ فرشتے کا نفخ بھی ریح کے معنی میں ہے۔ لیکن وہ ایک نورانی مخلوق ہے۔ ریح متحرک ہوا کا نام ہے اس لیے پہلے فرشتے سے اسے پکڑا۔ جب ہم نے از روئے شریعت روح کے معانی اور صفات کو پہچان لیا ہے تو ہم نے جان لیا کہ اس کی پہچان اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی۔ اس آیت طیبہ میں رب تعالیٰ نے ”امر ربی“ فرمایا ہے۔ امر اللہ یا من امر ربکھ نہیں فرمایا۔ یہ اس خصوصیت پر دلالت ہے کہ اسے صرف وہی جان سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ پر ایمان لاتا ہے۔ جو یقین کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور اسے دین کا عرفان حاصل ہو۔ اسی وجہ سے یہودیوں کو اس کے متعلق نہ بتایا گیا۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس جگہ بالاتفاق امر سے مراد طلب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مامور ہے۔ امر کا مامور پر

اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ جیسے خلق کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:

لَمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ؕ (ہود: ۱۰۱)

ترجمہ: ”جب آگیا حکم آپ کے رب کا۔“

ابن بطال نے لکھا ہے ”اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت کا علم اپنی ذات کے ساتھ مختص کیا ہے۔ اس میں مخلوق کی آزمائش مقصود ہے۔ تاکہ وہ انہیں ان کا عجز بتائے کہ وہ اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ وہ علم کو اس ذات کی طرف لوٹانے پر مجبور ہیں۔“ امام قرطبی نے لکھا ہے ”اس میں آدمی کے عجز کا اظہار مقصود ہے جب وہ اپنے نفس کی حقیقت کو نہیں جانتا تو وہ رب تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتا ہے؟“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ وہ روح کی تفسیر بیان نہیں کرتے تھے۔ یعنی اس کی مراد کا تعین نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح اتاذ الطائفہ ابوالقاسم جنید رضی اللہ عنہ بھی اس کی تفسیر بیان نہیں کرتے تھے۔ جیسے کہ عوارف المعارف میں علماء کے مختلف اقوال لکھنے کے بعد ان کا یہ قول لکھا گیا ہے ”اس کی تفصیل سے رک جانا اولیٰ ہے۔“ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سیکھنا بھی ہے۔ ”حضرت جنید سے ایک قول یوں بھی منقول ہے۔“ روح ایک ایسی چیز ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ مختص کیا ہے۔ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کے ساتھ مختص نہیں کیا۔ موجود سے زیادہ اس کی تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔“ ابن عطیہ اور اہل تفسیر کی ایک جماعت نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ جس نے اس میں غور و فکر کیا ہے اس نے یہ جواب دیا ہے کہ یہود نے عاجز کرنے کے لیے آپ سے سوال کیا تھا کیونکہ اس کا اطلاق کئی اشیاء پر ہو سکتا تھا۔ انہوں نے یہ امر مخفی رکھا کہ آپ کس چیز کے ساتھ جواب دیتے ہیں تاکہ وہ کہیں کہ ان کی مراد یہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے مکرو فریب کو لوٹا دیا۔ انہیں مجمل جواب دیا۔ جو مجمل سوال کے مطابق تھا۔“

عوارف میں ہے: یہ روا ہے کہ اس کے بارے ان کا کلام اللہ تعالیٰ کے کلام کی تاویل کے مطابق ہو۔ وہ ان آیات کے مطابق ہو جو نازل کی گئیں تھیں۔ اس حیثیت سے کہ اس کی تفسیر بیان کرنا حرام ہو لیکن اس کی تاویل جائز ہو۔ تفسیر صرف نقل کے ساتھ ہی روا ہو۔ عقل طاقت کے ساتھ اس کی طرف جاتی ہو۔ یہ اس معنی کا تذکرہ ہے جو آیت طیبہ کا احتمال رکھتا ہے۔ اگر معاملہ ایسا ہو تو اس میں قول کرنے کی وجہ اور احتمال ہو سکتا ہے۔ آیت کا ظاہر اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس مسئلہ میں مزید گفتگو نہ کی جائے۔ فرمایا: ”وما اوتیتم من العلم الا قليلاً“ یعنی روح کے حکم کو اس کثیر علم میں شامل کر لو۔ جو تمہیں نہیں دیا گیا۔ اس کے بارے سوال نہ کرو۔ یہ اسرار میں

سے ہے۔

◆ ابن مندہ نے کتاب الروح میں محمد بن نصر المروزی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس امر پر اجماع لکھا ہے کہ روح مخلوق ہے۔ بعض غالی شیعہ اور بعض متصوفین سے اس کے قدیم ہونے کا قول بھی نقل کیا ہے۔

◆ اس میں اختلاف ہے کہ کیا روح دنیا کے فناء ہوتے وقت فناء ہو جائے گی یا باقی رہے گی۔ جمہور نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

◆ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود کے اس سوال میں حکمت یہ ہے کہ تورات میں لکھا تھا۔ ”بنو آدم کی ارواح کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔“ انہوں نے کہا: ”ہم آپ سے سوال کرتے ہیں اگر آپ نے اسے مخفی رکھا تو آپ نبی ہوں گے۔ ان کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔“ وہ ایسی چیز نہ لے آئیں جسے تم ناپسند کرو۔“

◆ کتاب الروح میں ابن قیم کا موقف یہ ہے کہ اس آیت طیبہ میں جس روح کے بارے پوچھا گیا ہے وہ وہی ہے جو اس آیت طیبہ میں ہے:

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا (النبا: ۳۸)

ترجمہ: ”جس روز روح اور فرشتے پر باندھ کر کھڑے ہوں گے۔“

◆ جبکہ ارواح بنی آدم کو قرآن پاک میں نفس کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے ”انہوں نے اس طرح لکھا ہے۔ لیکن ان کی ترجیح پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ پہلا قول ہی راجح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا: ”ہمیں روح کے بارے بتائیں اس روح کو کیسے عذاب دیا جائے گا جو جسم میں ہے۔“ بعض علماء محققین نے لکھا ہے کہ اس آیت طیبہ میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو روح کی حقیقت سے آگاہ نہ فرمایا ہو۔ بلکہ یہ احتمال ہے کہ آپ کو اس سے آگاہ فرما دیا ہو۔ لیکن آپ کو حکم دیا ہو کہ اس کے بارے کسی کو نہ بتائیں۔ قیامت کے علم کے بارے بھی ان کا یہی موقف ہے تفصیل خصائص میں آئے گی۔



حروف مقطعات کو سن کر اس امت کی عمر کے بارے میں یہودیوں کی حیرانگی

ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ بن رثاب رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ایک بار ابویاسر حضور اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپ کی زبان اقدس پر اس آیت طیبہ کی تلاوت جاری تھی۔

الْعَدَّ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۝ فِيْهِ ۝ (البقرة: ۱)

ترجمہ: ”الف لام میم یہ ذی شان کتاب ذرا شک نہیں اس میں۔“

وہ اپنے بھائی حسی کے پاس گیا۔ وہ اس وقت یہودیوں کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا۔ ابویاسر نے کہا: ”خدا کی قسم! جان لو۔ میں نے ابھی ابھی محمد عربی ﷺ کو الْعَدَّ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۝ فِيْهِ ۝ تلاوت کرتے سنا۔“ انہوں نے ابویاسر سے پوچھا: ”کیا تو نے واقعی یہ آیت طیبہ سنی ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں! حسی یہودیوں کے ایک گروہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: ”محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ نے ایسی آیت کی تلاوت فرمائی ہے جس میں ”الم“ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ہاں!“ انہوں نے کہا: ”کیا اس کلام کو جبرائیل اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! اللہ تعالیٰ نے آپ سے قبل بھی انبیائے کرام مبعوث کیے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کسی نے بتایا ہو کہ اس کے اقتدار کی مدت کتنی ہے؟ اس کی امت کا دنیاوی حصہ کیا ہے یہ صرف آپ نے ہی آگاہ فرمایا ہے۔“ حسی نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا: ”الف، ایک، لام، تیس اور میم چالیس۔ یہ کل اکہتر سال ہیں۔ تم اس امت میں شامل ہو رہے ہو۔ جس کی مدت اقتدار صرف اکہتر سال ہے۔“ پھر اس نے آپ کی طرف توجہ کی اور کہا: ”کیا آپ پر ان کے علاوہ اور حروف مقطعات کا نزول ہوا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! المص کا نزول ہوا ہے۔“ اس نے کہا: ”قسم بخدا! یہ مدت پہلی مدت سے طویل ہے۔ الف، ایک، لام، تیس، میم چالیس اور صاد نوے۔ یہ عمر ایک سو اٹھ سال بنتی ہے۔ اس نے آپ سے پوچھا: ”کیا آپ پر اس کے علاوہ اور بھی حروف مقطعات اترے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”الر“ کا نزول ہوا۔ اس نے کہا: ”یہ مدت پہلی دونوں مدتوں سے طویل ہے۔ الف ایک، لام تیس، اور راء دو سو۔ یہ عرصہ دو سو اکتیس سال

بتا ہے۔ اس نے عرض کی: ”کیا آپ پر اور بھی حروف مقطعات اترے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”المر“ کا نزول ہوا ہے۔“ اس نے کہا: ”اللہ کی قسم! یہ مدت پہلی تینوں مدتوں سے دراز ہے۔ الف ایک، لام تیس، میم چالیس اور راء دو سو ہے۔ یہ عرصہ دو سو اکہتر سال بتاتا ہے۔ اس نے عرض کی: ”محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! آپ کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ ہمیں علم نہیں ہو سکا کہ آپ کو قلیل مدت عطا کی گئی یا کثیر۔“ وہ اٹھ کر چلے گئے۔ ابویاسر نے اپنے بھائی حسی اور دیگر علماء یہود سے کہا: ”شاید تمہیں علم نہ ہو کہ آپ کے ساری مدتوں کو جمع کر دیا گیا ہو۔ یہ مدتیں اکہتر سال، ایک سو اکٹھ سال، دو سو اکتیس سال اور دو سو اکہتر سال بنتی ہیں ان کا مجموعہ سات سو چونتیس سال ہے۔“ پھر انہوں نے کہا: ”ان کا معاملہ ہم پر ملتبس ہو چکا ہے گمان کیا جاتا ہے۔ یہ آیت طیبہ انہی کے بارے نازل ہوئی۔“

مِنْهُ آيَةٌ فَحَكَمَتْ هُنَّ أُمَّ الْكِتَابِ وَأَخْرُ مُتَشَبِهَاتٌ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: ”اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”میں نے اس شخص سے سنا ہے جسے میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا کہ یہ آیت اہل نجران کے بارے نازل ہوئی۔ اس لیے وہ اس وقت وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے سوالات کیے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: ”مجھے محمد بن ابی امامتہ بن سہل بن حنیف نے بتایا ہے کہ یہ آیات اہل یہود کے ایک وفد کے بارے اتریں۔“ مگر انہوں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کا شان نزول کیا ہے؟“

تنبیہات

❖ اس روایت کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، ابن جریر نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے اس سے ابن اسحاق کی سند عیاں ہو جاتی ہے۔ یونس بن بکر نے عن ابن اسحاق، عن محمد بن ابی محمد، عن عکرمہ، عن ابی سعید کی روایت سے نقل کیا ہے۔ ابن منذر نے اسے ایک اور سند سے ابن جریر سے مفصل روایت کیا ہے۔

❖ امام سہلی نے لکھا ہے ”یہ تاویلیں یہودی علماء کی ہیں۔ انہوں نے ان حروف کی جو تاویلیں کیں ہیں۔ ممکن ہے درست ہوں۔ حروف مقطعات اب بھی ان پر دلالت کرتے ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ان کی تصدیق کی اور نہ ہی انہیں جھوٹا فرمایا۔ آپ نے ایک اور روایت میں فرمایا ہے۔ ”اہل کتاب کی نہ تصدیق کیا کرو اور نہ ہی تکذیب کیا کرو۔ بلکہ ان کے جواب میں اَمَّا بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ كَمَا كَرِهْتُمْ اِنْ كُنْتُمْ اِنصَارُوهُمْ“ اگر ان میں صحیح ہونے کا احتمال پایا جاتا ہو تو ضروری ہے کہ شریعت میں ان کی جستجو کریں۔ کیا کتاب و سنت میں ان کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿۴۷﴾ (المج: ۴۷)

ترجمہ: ”اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔“

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت زمل خزاعی رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ منبر مبارک پر جلوہ افروز ہیں۔ اس کی سات سیڑھیاں ہیں۔ اس کے پہلو میں ایک کمزور اونٹنی ہے جو اس منبر کو اٹھا رہی ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹنی کی تعبیر قیام قیامت سے فرمائی۔ آپ نے فرمایا: ”منبر کی سیڑھیوں سے مراد دنیا کی عمر ہے۔ اس کی عمر سات ہزار سال ہے۔ میں اس کے آخر میں دنیا میں آیا ہوں۔“ اس روایت کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی روایت ہے۔ صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اس دنیا کی عمر سات دن ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کو محیط ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری یوم میں اس دنیا میں رونق افروز ہوئے۔ اس کے بھی کئی سال اور کئی صدیاں بیت چکی ہیں۔“

امام الطبری نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ آثار اسی کی تائید کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔ یہ اس سے سبقت لے گئی ہے۔“ آپ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ اس روایت کو کئی اسناد سے روایت کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”کوئی اللہ تعالیٰ کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ اس امت کی عمر میں نصف دن کا اضافہ کر دے۔“ نصف دن سے مراد پانچ سو سال ہیں۔ ابو داؤد نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔ امام الطبری فرماتے ہیں کہ یہ روایت سابقہ روایت کی تائید کرتی ہے۔ درمیانی انگلی، شہادت کی انگلی سے انگلی کے ساتویں حصے کا زائد ہے۔ جس طرح ایک دن کا نصف سات دنوں کے نصف کا ساتواں حصہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو پانچ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ اس حدیث پاک میں نصف سے زیادہ کی نفی نہیں جس میں نصف یوم کا تذکرہ ہے نہ ہی اس روایت میں نفی ہے ”بعثت انا والساعة کھاتین“ جو اس تاویل کی صحت کو رد کر دے آپ کے اور روز حشر کے مابین نہ تو کوئی نبی ہے اور نہ کوئی شریعت ہے۔ روز حشر قریب ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ۗ (المحل: ۱)

ترجمہ: ”قریب آگیا ہے حکم الہی پس اس کے لیے عجلت نہ کرو۔“

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ ① (القمر: ۱)

ترجمہ: "قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہو گیا۔"

جب ہم نے یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لائے جب آخری ہزار سال کے بھی کئی سال گزر چکے تھے تو پھر ہم نے ان حروف مقطعات کو دیکھا جو سورتوں کی ابتداء میں تھے۔ وہ چودہ حروف ہیں جن کو یہ قول جمع کرتا ہے۔
"الحد یسطع نص حق کرہ" جب ہم ابی جاد کے حساب سے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قاف "سو" راء دو سو سین تین سو۔ یہ کل چھ سو ہو گئے۔ عین "ستر" صاد ساٹھ، اب کل سات سو تین ہو گئے۔ نون پچاس، کاف بیس اب ان کی مجموعی تعداد آٹھ سو ہو گئی۔ میم چالیس لام تیس، اب یہ تعداد آٹھ سو ستر ہو گئی۔ یاء دس، طاء نو، الف ایک اب تعداد آٹھ سو نوے ہو گئی۔ "ح آٹھ، ہاء پانچ، اب یہ تعداد نو سو تیس ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز میں انہی حروف کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بعید نہیں کہ ان حروف کے بعض مقتضات اور اشارہ سالوں کی اس تعداد کے بارے ہو۔ جیسے ہم نے پہلے ساتویں ہزار سال کے بارے اشارہ کر دیا ہے جس میں آپ جلوہ گر ہوئے۔ ممکن ہے یہ حساب آپ کی بعثت یا ہجرت سے شروع ہو۔ ہر اعتبار سے یہ ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ علامات قیامت ظاہر ہو چکی ہیں۔ قیامت اچانک ہی آئے گی۔ روایت ہے کہ متوکل عباسی نے قاضی جعفر بن عبد الواحد عباسی سے پوچھا: "دنیا کی کتنی عمر باقی رہ گئی ہے؟" اس نے حضور اکرم ﷺ سے مرفوع روایت لکھی کہ آپ نے فرمایا: "اگر میری امت نے عمدہ افعال سرانجام دیے تو اس کی بقاء کی مدت آخرت کے ایام میں سے ایک یوم کے برابر ہوگی۔ آخرت کا یوم ایک ہزار سال کے برابر ہے اور اگر اس نے برے اعمال سرانجام دیے تو پھر اس کی عمر نصف یوم ہے۔ اس روایت میں سابقہ روایت کا تتمہ اور تفصیل ہے۔ پانچ سو سال تو گزر چکے ہیں (امام سہلی کے دور تک) مگر امت مرحومہ ابھی تک موجود ہے۔ الحمد للہ!

امام سہلی کے اس کلام میں بحث مباحثہ کی گنجائش موجود ہے۔ جن امور کا تذکرہ الزہر اور الفتح میں کہا گیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

❖ امام سہلی نے حضرت زمل خزاعی کا تذکرہ کیا ہے لیکن وہ ابن زمل ہیں بعض علماء نے ان کا نام عبد اللہ، بعض نے ضحاک اور بعض نے عبد الرحمان لکھا ہے۔ الحافظ نے الاصلہ میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے امام سہلی نے انہیں خزاعی لکھا ہے حالانکہ وہ لہجہ بنی ہیں۔ الزہر میں اس طرح ہے۔

❖ انہوں نے لکھا ہے "اس روایت کی سند ضعیف ہے" انہوں نے اس کے ضعف پر اقتصار کیا ہے۔ ابن الجبر نے الفتح میں لکھا ہے کہ اس روایت کی سند بہت زیادہ ضعیف ہے۔ انہوں نے الاصلہ میں لکھا ہے "اس روایت میں سلیمان

بن عطاء سلم بن عبد اللہ الجہنی سے منفرد ہو گئے ہیں۔ سلیمان بن عطاء کے بارے امام ذہبی نے المعنی میں لکھا ہے ”اس پر حدیث وضع کرنے کی تہمت تھی“ الحافظ نے تقریباً میں اسے منکر الحدیث لکھا ہے۔ ابن جوزی نے اس کا تذکرہ الاحادیث الواہیۃ میں کیا ہے۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ اس کے الفاظ مصنوعی اور سخن سازی ہے۔ ابن عدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ دنیا کی عمر آخرت کے ایام میں سے سات یوم باقی رہ گئی ہے۔ اس کی سند میں العلاء بن زیدل ہے۔ اس پر تہمت ہے۔ ابن عساکر نے اسے ابو علی حسین بن داؤد بلخی کی سند سے روایت کیا ہے۔ خطیب نے لکھا ہے یہ ثقہ نہیں تھا۔ اس کی روایت موضوع ہے۔ الحاکم نے لکھا ہے: ”اس نے ایک جماعت سے روایت کیا لیکن عمر کے اعتبار سے سماع کا احتمال نہیں ہے۔ ان کے لیے ان کے نزدیک عجیب امور ہیں اسی حالت پر ہی اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اس کی سند میں ابو ہاشم الایلی ہے۔ اس روایت کو حاکم، حکیم ترمذی نے نوادر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں صالح بن محمد ہے۔ انہوں نے یعلیٰ بن حلال سے اور انہوں نے لیث بن مجاہد سے روایت کیا ہے۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح اسناد سے موقوفاً روایت کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہے کہ میں صرف اس کی ایک سند سے واقف ہوا ہوں۔ جو صحیح نہیں ہے۔ ابن جریر نے اسے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ امام سہیلی نے یہ روایت وہاں سے ہی اخذ کی ہے۔ یہ روایت یحییٰ بن یعقوب انصاری کی سند سے روایت ہے۔ یہی ابوطالب القاص انصاری ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے ابو حاتم نے اس کو سچا راوی لکھا ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ”کبھی کبھی یہ خطائیں کرتا تھا۔“ انہوں نے اہل مغرب کے طریقہ پر حروف کے اعداد بیان کیے ہیں۔ السین کے تین سو، الصاد کے ساٹھ اعداد جبکہ اہل مشرق السین کے ساٹھ اور الصاد کے ستر اعداد شمار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ مقدار ۶۷۳ سال بنتی ہے۔ یہ مقدار گزر چکی ہے کیونکہ وہ ۹۳۵ سال میں تھے۔ اس حیثیت سے یہ سب کچھ باطل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابی جاد کے اعداد کے بارے ثابت ہے کہ اس کا تعلق سحر کے ساتھ ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے: ”یہ بعید از قیاس نہیں شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔“

امام سہیلی کے شیخ قاضی ابوبکر ابن عربی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ”بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ“ کی شرح میں لکھا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اور وسطیٰ انگلی مبارکہ سے اشارہ فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ وسطیٰ سب سے انگلی کے ساتویں حصہ کے نصف سے زائد ہے۔ قیام قیامت کو اتنی مدت ہی باقی رہ گئی ہے۔ انہوں نے کہا ہے ”یہ بعید از

قیاس ہے۔ دنیا کی عمر کا علم نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ساتویں حصہ کا نصف مجہول مدت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔ صحیح موقف یہ ہے کہ اس سے اعراض کیا جائے۔ علامہ قاضی علیہ الرحمۃ نے الاکمال میں لکھا ہے۔ ”بعض لوگوں نے اس کی تاویل اس طرح کی ہے کہ دو انگلیوں کے مابین جو نسبت ہے دنیا اسی نسبت سے باقی رہ گئی ہے۔ یہ نسبت گزشتہ دنیا کے ساتھ ہے۔ اس کی کل عمر سات ہزار سال ہے۔ اس موقف کی نسبت ان روایات کی طرف ہے جو صحیح نہیں ہیں۔ انہوں نے اس روایت کا تذکرہ کیا ہے جسے ابو اؤد نے تاخر ہذہ الامۃ نصف یوم میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس کی شرح پانچ سو سال سے کی ہے۔ اسی سے ہی ساتویں حصہ کا نصف حاصل کیا گیا ہے۔ یہ قریب ہے جو سب سے متصل ہے۔“ اس روایت کی عدم صحت ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ اس کا خلاف ظہور پذیر ہو چکا ہے۔ اگر یہ امر ثابت ہوتا تو اس کا خلاف واقع نہ ہوتا۔“

حضرت قاضی صاحب کے دور سے لے کر آج تک چار سو سال گزر چکے ہیں۔ ابن عربی نے ”فوائد رحلتہ“ میں لکھا ہے۔ ان حروف مقطعات کا علم باطل ہے جو سورتوں کی ابتداء میں ہیں۔ مجھے ان کے بارے میں سے زائد اقوال ملے ہیں۔ میں ایک قول کو بھی نہیں جانتا جس کا فیصلہ علم کے ساتھ کیا جاسکے۔ نہ ہی ان کے بارے میں انسان سمجھ تک پہنچ سکتا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ حروف کے اعداد بعض یہودیوں سے منقول ہے۔ اگر جو کچھ حروف کے اعداد کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے اسے درست مان لیا جائے تو اسے تمام حروف پر محمول کیا جائے گا۔ جن کا تذکرہ ہوا ہے مکرر حروف کو حذف نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر حرف کا ایک راز ہے جو اسی کے ساتھ مختص ہے۔ یا سورتوں کے اسماء میں سے مکرر کو حذف کرنے پر اقتصار کیا جائے گا اگر ان میں حروف مکرر ہوں۔ جن سورتوں کی ابتداء ان حروف سے کی گئی ہے۔ ان کی تعداد ۲۹ ہے۔ ان حروف کی تعداد ۶۸ ہے۔ وہ درج ذیل ہیں ”الم چھ، حم سات، ال پانچ، طسم دو، المص، کھیس، ط، طس، یس، ص، ق، ن۔ اگر ان سورتوں کو حذف کر دیا جائے جن میں یہ مکرر تذکرہ ہے تو الم میں سے پانچ، حم میں سے چھ، ال میں چار اور طسم میں سے ایک ہے باقی چودہ سورتیں رہ جاتی ہیں ان میں حروف کی تعداد ۳۸ ہے۔ اگر ان کا حساب معربی اعداد کے اعتبار سے کیا جائے تو یہ ۲۶۲۳ سال بنتے ہیں مشرقی حساب سے ان کی تعداد ۷۵۴ سال بنتی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے ”میں نے یہ تفصیل اس لیے ذکر نہیں کی کہ اس پر اعتماد کیا جائے بلکہ اس لیے کی ہے تاکہ یہ علم ہو سکے کہ امام سہلی نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس پر اعتماد نہ کیا جائے کیونکہ اس میں بہت زیادہ مخالفت پائی جاتی ہے۔“

♦ جامع معمر میں مجاہد اور عکرمہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں روایت ہے:

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝ (العارج: ۴)

ترجمہ: ”اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔“

دنیا کتنی گزر چکی ہے اور کتنی باقی ہے اسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

♦ امام سہیلی نے جو کچھ جعفر بن عبد الواحد سے نقل کیا ہے وہ موضوع ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ صرف اسی کی

طرف منسوب ہے وہ آئمہ کے نزدیک احادیث وضع کرنے میں مشہور ہے۔ اس کی سند کا بھی تذکرہ نہیں ہے۔ امام

سہیلی پر تعجب ہے وہ اس پر کیسے خاموش رہے حالانکہ انہیں اس کی حالت کا علم تھا۔



سورۃ اخلاص کے نزول کا سبب

ابو اسحاق نے العظمتہ میں حضرت انس بن مالک سے، ابن ابی حاتم، ابن عدی، امام بیہقی نے السماء والصفات میں حضرت ابن عباس سے الطبرانی نے السنۃ میں الضحاک سے، ابن جریر، ابن المنذر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس میں کعب بن اشرف، جسی ابن اخطب بھی شامل تھا۔ انہوں نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! یہ مخلوق تو رب تعالیٰ نے بنائی ہے رب تعالیٰ کو کس نے بنایا ہے؟ یہ سن کر آپ کو سخت غصہ آیا۔ آپ کی رنگت متغیر ہو گئی۔ آپ اپنے رب تعالیٰ کی وجہ سے ان پر سخت ناراض ہوئے۔ حضرت جبرائیل حاضر خدمت ہوئے۔ آپ کو پرسکون کیا۔ انہوں نے عرض کی: ”آپ نرمی اختیار فرمائیں۔“ انہوں نے رب تعالیٰ کی جانب سے اس سوال کا جواب بھی دے دیا جو یہودیوں نے آپ سے کیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص نازل کی۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝۱ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۝۳ وَلَمْ يُولَدْ ۝۴ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝۵

(سورۃ الاخلاص)

ترجمہ: ”(اے حبیب) فرما دیجیے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”جب آپ نے ان کو یہ سورت سنائی جو انہوں نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں بتائیں کہ آپ کے رب کی تخلیق کیسی ہے اسکے ہاتھ اور بازو کیسے ہیں؟ حضور ﷺ کو پہلے سے بھی زیادہ غصہ آ گیا۔ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ کو پرسکون کیا۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۗ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۷ (الزمر: ۶۷)

ترجمہ: ”اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے۔ لوگوں کے شرک۔“

اوس اور خزرج کے مابین فتنہ انگیزی کی سازش

ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت زید بن اسلم سے، فریابی اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شاس بن قیس عمر رسیدہ شخص تھا۔ یہ کفر میں شدید تھا۔ مسلمانوں سے شدید کینہ اور بغض رکھتا تھا۔ یہ مسلمانوں سے حسد کرتا تھا۔ یہ اوس اور خزرج کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرا۔ وہ ایک محفل میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ اس باہمی الفت و محبت اور اتفاق کو دیکھ کر آتش پا ہو گیا جو اسلام نے انہیں بخشی تھی۔ حالانکہ زمانہ جاہلیت میں وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسلام نے آکر ان میں باہم صلح کرادی۔ رب تعالیٰ نے ان کے دلوں کو باہم جوڑ دیا تھا۔ اس نے دل میں کہا: ”بنو قیلہ کے گروہ ان شہروں میں مل کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بخدا! جب یہ مل کر بیٹھتے ہیں تو ہمیں قرار نصیب نہیں ہوتا۔“ اس نے ایک جوان یہودی کو حکم دیا۔ یہ اس کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے کہا: ”ان کے پاس جا۔ ان کے ہمراہ بیٹھ جا۔ یوم بعات کو یاد کر۔ اس سے پہلے کے حالات یاد کر۔ اور اس وقت کے اشعار پڑھ۔“ اس نے اسی طرح کیا۔ اس نے وہ اشعار پڑھے جو ان دو قبائل نے اس وقت کہے تھے۔ اس نے ان کے دلوں میں کچھ غصہ پیدا کر دیا۔ ایک قبیلہ نے کہا: ”اس روز ہمارے شاعر نے اس طرح کہا تھا۔ دوسرے نے کہا: اس روز ہمارے شاعر نے یوں کہا تھا۔ لوگ باہم باتیں کرنے لگے۔ وہ باہم جھگڑنے لگے۔ باہم فخر کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان میں سے دو افراد اوس بن قینظی اور جبار بن صخر باہم الجھ پڑے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ”اگر تم چاہو تو ہم ابھی جنگ کا آغاز کر دیتے ہیں۔“ دونوں فریق غصے میں ہو گئے۔ انہوں نے کہا: ”ہم جنگ کرتے ہیں۔ وعدہ کی جگہ وہ چٹان ہے۔ ہتھیار، ہتھیار۔ وہ چٹان کی طرف جانے لگے اوس اور خزرج زمانہ جاہلیت کے دعوے کرنے لگے۔“

اس کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ کے ہمراہ مہاجرین صحابہ کرام تھے۔ آپ اوس اور خزرج کے پاس پہنچے۔ آپ نے فرمایا: ”اے مسلمانوں کے گروہ! اللہ اللہ! یہ جاہلیت کے دعوے۔ حالانکہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ اس کے بعد کہ رب تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ اس کے ساتھ تمہیں عزت بخشی ہے۔ تم سے جاہلیت کا امر

ختم کر دیا ہے۔ تمہیں کفر سے بچا لیا ہے۔ تم میں باہم الفت ڈال دی ہے۔ کیا تم پہلے کی طرح کفر کی طرف لوٹنے لگے ہو۔ صحابہ کرام نے جان لیا کہ یہ شیطانی دوسرہ تھا۔ ان کے دشمن کافر یہ تھا۔ انہوں نے ہتھیار اپنے سامنے پھینک دیے۔ وہ رونے لگے۔ اوس اور خزرج کے افراد ایک دوسرے کے گلے لگانے لگے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ اطاعت گزار اور سر تسلیم خم کیے واپس آگئے۔ رب تعالیٰ نے دشمن کی آگ کو بجھا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس دشمن شاس بن قیس کے بارے یہ آیت طیبہ نازل کی:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٨﴾
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنِ أَمَنَ تَبَغُّونَهَا عِوَجًا وَّأَنْتُمْ
شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٩﴾ (آل عمران: ۹۸، ۹۹)

ترجمہ: "آپ فرمائیے اے اہل کتاب یہ کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ آپ فرمائیے اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اسے جو ایمان لا چکا تم چاہتے ہو کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود (اس کی راستی کے) گواہ ہو اور نہیں ہے اللہ بے خبران (کرتوں) سے جو تم کرتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے اوس بن قینظلی اور جبار بن ضمیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے یہ آیات طیبات نازل کیں:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ
إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ
رَسُولُهُ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾ (آل عمران: ۱۰۰، ۱۰۱)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہل کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہوگا کہ) لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ (کے دامن) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے یہی راہ تک۔"



آٹھواں باب

سورۃ آل عمران کی آیت ۱۸۱ اور سورۃ الانعام کی آیت ۹۱ کا نزول

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ (آل عمران: ۱۸۱)
ترجمہ: ”بے شک اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں۔“

اور

إِذْ قَالُوا مَا آتَزَّلَ اللَّهُ عَلَيَّ بِشَيْءٍ مِّنْ شَيْءٍ (الانعام: ۹۱)

ترجمہ: ”جب کہا انہوں نے کہ ہمیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی)“

ابن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المدارس تشریف لے گئے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہو چکی تھی۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرة: ۲۴۵)

ترجمہ: ”کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن۔“

انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے ارد گرد یہودی جمع ہیں۔ اس شخص کو فخاص کہا جاتا تھا۔ یہ ان کے علماء سے تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے فخاص! اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ اسلام قبول کر لے۔ بخدا! تو خوب جانتا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ رب تعالیٰ کے پاس سے حق لے کر تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔ تمہارے ہاں تورات میں بھی آپ کا ذکر خیر ہے۔“ فخاص لعنہ اللہ نے کہا: ”اے ابو بکر! ہم اللہ تعالیٰ کے محتاج نہیں ہے۔ وہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کی طرف اس طرح آہ وزاری نہیں کرتے جس طرح وہ ہماری طرف آہ وزاری کرتا ہے۔ ہم اس سے مستغنی ہیں مگر وہ ہم سے مستغنی نہیں ہیں۔ اگر وہ ہم سے مستغنی نہ ہوتا تو ہم سے اموال بطور قرض نہ لیتا۔ جیسے تمہارے صاحب گمان کرتے ہیں۔ وہ تمہیں سود سے منع کرتا ہے اور ہمیں سود دیتا ہے۔ اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا۔“ یہ بکواسات سن کر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا۔ انہوں نے فخاص کے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہا: ”دشمن خدا! اگر ہمارے اور تیرے

ما بين عهدنه هوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔“

فخاص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ اس نے عرض کی: ”محمد عربی! (صلی اللہ علیک وسلم) ذرا دیکھیں آپ کے ساتھی نے میرا کیا حشر کیا ہے؟“ حضور اکرم ﷺ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”آپ کو اس عمل پر کس نے ابھارا؟“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ کے اس دشمن نے بہت بڑی گستاخی کی ہے۔ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے یہ اس سے مستغنی ہیں۔ مجھے اس کی اس بکو اس پر غصہ آیا اور میں نے اس کے چہرہ پر مار دیا۔“ فخاص نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور فخاص کی تردید کرتے ہوئے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا
وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿١٨١﴾ (آل عمران: ١٨١)

ترجمہ: ”بے شک سنا اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کامزہ)۔“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس غصے کے بارے فرمایا:

وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى
كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٨٦﴾ (آل عمران: ١٨٦)

ترجمہ: ”اور یقیناً تم سنو گے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔“

ابن ابی حاتم، ابوشیخ نے سدی سے روایت کیا ہے کہ فخاص نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے محمد عربی ﷺ پر کچھ بھی نازل نہیں کیا۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ
مُوسَىٰ - (١١ انعام: ٩١)

ترجمہ: ”جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی) آپ پوچھیے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے کر آئے تھے موسیٰ علیہ السلام۔“

مذی نے لکھا ہے کہ مشہور یہی ہے کہ یہ آیت طیبہ مالک بن ضیف کے بارے نازل ہوئی۔ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر اور محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”ایک شخص مالک بن ضیف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے جھگڑا کرنے لگا۔ اس نے کہا: ”ابوالقاسم صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ آسمان سے ایسی کتاب نہیں لاتے جیسے حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ الواح لے کر آئے تھے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ
مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الضُّعْفَةُ بِظُلْمِهِمْ ۗ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ ۗ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿۱۵۳﴾

(النساء: ۱۵۳)

ترجمہ: ”مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اترادیں ان پر کتاب آسمان سے سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ ﷺ سے اس سے بھی بڑی بات انہوں نے کہا تھا اے موسیٰ ﷺ! دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلا تو پکڑ لیا تھا انہیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے پھر بنا لیا انہوں نے پتھر دے کو (اپنا معبود) اس کے بعد کے آپکیں تھیں ان کے پاس کھلی دلیلیں پھر بھی ہم نے بخش دیا ان کا یہ (سنگین) جرم اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ ﷺ کو واضح غلبہ۔“

حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: ”میں تجھے اس ذات والا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی کیا تم تورات میں پاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ موئے عالم سے بغض رکھتا ہے۔“ یہ مالک بہت موٹا تھا۔ یہ سن کر ناراض ہو گیا۔ اس نے کہا: ”بخدا! اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا۔“ اس کے ساتھیوں نے کہا ”تیرے لیے ہلاکت! کیا حضرت موسیٰ پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا؟“ اس نے کہا: ”اس نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا۔“ اس وقت رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ
الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ لِيَجْعَلُوهُنَّ قَرَاطِيسَ يُبَدُّونَهَا
وَخُفُونَ كَثِيرًا ۗ وَعَلِمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۗ قُلِ اللَّهُ ۗ ثُمَّ ذَرَهُمْ
فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿۹۱﴾ (الانعام: ۹۱)

ترجمہ: ”اور نہ قدر جانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی) آپ ﷺ پر چھینے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے آئے تھے موسیٰ علیہ السلام (جو سراسر) نور تھی اور (سراپا) ہدایت تھی لوگوں کے لیے تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصہ) اور تمہیں سکھایا گیا جو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ فرمادیں اللہ! پھر چھوڑ دیجئے انہیں (تاکہ) وہ اپنی بے ہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں۔“



یہود کا آپ سے بعض اشیاء کے بارے سوال اور سرکشی

ابن اسحاق، طیالسی، فریابی، امام احمد، عبد بن حمید، ابن جریر، بیہقی اور ابو نعیم نے حسن سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کا ایک گروہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے کہا: ”ابو القاسم صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ سے چند امور کے بارے سوال کرنے لگے ہیں۔ جنہیں صرف نبی ہی جانتا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”مجھ سے جو چاہو سوال کر لو لیکن تم عہد کرو۔ اللہ کے نام کا وعدہ کرو جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے عہد لیا تھا کہ اگر میں نے تمہارے سوالات کے جوابات دے دیے تو تم میری اتباع کرو گے۔“ انہوں نے یہ وعدہ کیا۔ انہوں نے کہا: ”ہم آپ سے چار سوالات کرتے ہیں۔ (۱) ہمیں بتائیں کہ تورات کے نزول سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سا کھانا خود پر حرام کیا تھا۔ (۲) آدمی کا پانی عورت کے پانی سے کیسے مختلف ہوتا ہے اور اس سے مؤنث اور مذکر کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ (۳) اس نبی کریم ﷺ کی نیند کی کیفیت کیا ہوتی ہے اور آپ کے ساتھ کون سا فرشتہ ہوتا ہے۔ (۴) یہ رعد کیا ہے؟ آپ نے ان سے عہد اور وعدے لیے۔ اگر میں نے تمہیں بتا دیا تو تم میری پیروی کرو گے۔“ انہوں نے وعدہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ”میں تمہیں اس ذات والا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی کیا تم جانتے ہو کہ ایک دفعہ حضرت یعقوب علیہ السلام بیمار ہو گئے۔ ان کی مرض طوالت اختیار کی گئی۔ انہوں نے نذرمانی کہ اگر رب تعالیٰ نے انہیں عافیت بخشی تو وہ خود پر وہ گوشت اور مشروب حرام کر دیں گے جو انہیں سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ اونٹ کا گوشت اور ان کا دودھ انہیں تمام اشیاء سے مرغوب تھا۔“ دوسری روایت میں ہے ”وہ جنگل میں رہتے تھے انہیں عرق النساء کی شکایت ہو گئی۔ انہیں ایسی چیز نہ ملی جس سے وہ علاج کرتے۔ سوائے اونٹوں کے گوشت اور دودھ کے۔“ یہ سن کر انہوں نے کہا: ”ہاں! بخدا! مولا! گواہ رہنا۔“ آپ نے فرمایا: ”میں تمہیں اس ذات والا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ آدمی کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے۔ جبکہ عورت کا پانی زرد اور پتلا ہوتا ہے۔ جس کا پانی غالب آجاتا ہے تو بچہ اذن الہی سے اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔ اگر مرد کا پانی غلبہ پالے تو بچہ پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی غلبہ پالے تو بچی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ

اذن الہی سے ہوتا ہے۔ یہ سن کر یہودیوں نے کہا: ”ہاں! بخدا! ہاں! مولا! گواہ رہنا۔“ آپ نے فرمایا: ”میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی۔ کیا تم جانتے ہو کہ نبی امی ﷺ کی آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن دل بدستور بیدار رہتا ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”ہاں! بخدا! ہاں! مولا! گواہ رہنا۔“ اب آپ ہمیں اس فرشتے کے بارے بتائیں جو آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”میرے پاس جبرائیل امین آتے ہیں رب تعالیٰ جس نبی کو بھی مبعوث کرتا ہے جبرائیل امین اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔“ انہوں نے کہا: ”ہم آپ سے جدا ہو جاتے ہیں اگر آپ کے علاوہ کوئی اور فرشتہ آتا تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے۔ آپ کی تصدیق کرتے۔“ آپ نے فرمایا: ”تمہیں کس چیز نے روکا ہے کہ تم میری اتباع کرو۔“ انہوں نے کہا: ”ملائکہ میں سے جبرائیل ہمارا دشمن ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل کی:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۹۷)

ترجمہ: ”آپ فرمائیے جو دشمن ہو جبریل علیہ السلام کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔“

فَبَاءُ وُ بِغَضِبٍ عَلَى غَضِبٍ۔ (البقرہ: ۹۰)

ترجمہ: ”سو وہ حق دار ہو گئے مسلسل ناراضگی کے۔“

ایک اور روایت میں ہے۔ ان یہودی علماء نے کہا: ”آپ رعد کے بارے ہمیں بتائیں۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں کا موکل ہے۔ اس کے ہاتھ میں آگ کی تلوار ہوتی ہے جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہو اس جگہ لے جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اسے حکم دیتا ہے۔“ انہوں نے پوچھا: ”یہ کیسی آواز ہوتی ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”یہ اس فرشتے ہی کی آواز ہے۔“ انہوں نے کہا: ”آپ نے سچ کہا ہے۔“

امام احمد، بزار اور الطبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے آپ سے عرض کی: ”یا محمد بنی ﷺ کس چیز سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”مرد اور عورت کے نطفہ سے تخلیق ہوتی ہے۔ آدمی کا پانی گاڑھا ہوتا ہے۔ اس سے ہڈیاں اور پٹھے تخلیق ہوتے ہیں۔ عورت کا پانی پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے۔“ یہودی نے کہا: ”آپ سے پہلے جو تھا اس نے بھی اسی طرح کہا تھا۔“

امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ، حاکم، امام بیہقی اور امام ابو نعیم نے حضرت صفوان بن عسال سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا: ”آؤ ہم اس نبی کے پاس چلتے ہیں ہم اس سے سوال کرتے ہیں۔“ اس کے ساتھی نے اسے کہا: ”اسے نبی نہ کہو۔ اگر انہوں نے تمہاری بات سن لی کہ تم انہیں نبی کہہ رہے ہو ان کی آنکھیں پار ہو جائیں گی۔“

وہ دونوں حضور اکرم ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے سوال کیا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ - (الاسراء: ۱۰۱)

ترجمہ: ”اور ہم نے عطا فرمائی تھیں موسیٰ (علیہ السلام) کو نور روشن نشانیاں۔“

آپ نے فرمایا: ”تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس نفس کو قتل نہ کرو جسے رب تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے مگر حق کے ساتھ۔ بدکاری نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ جادو نہ کرو۔ بری کو بادشاہ کے پاس لے کر نہ جاؤ تا کہ وہ اسے قتل کر دے۔ سو نہ کھاؤ۔ پاکدامن عورت پر بہتان نہ لگاؤ۔ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہ کرو۔ اور اے گروہ یہود! تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ تم سبت کے بارے زیادتی نہ کرو۔“ یہ سن کر انہوں نے آپ کے دستِ اقدس اور پاؤں مبارک چوم لیے۔ انہوں نے عرض کی: ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔“ آپ نے ان سے پوچھا: ”تمہیں اسلام لانے سے کون سی چیز منع کرتی ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”داؤد علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ ان کی اولاد میں سے نبی ہو۔ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔“

امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر تھا۔ ایک یہودی عالم دین آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے عرض کی: ”جب اس زمین کو تبدیل کر کے اور ہی زمین بنا دیا جائے گا اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟“ آپ نے فرمایا: ”پل کے پار ظلمت میں۔“ اس نے پوچھا: ”سب سے پہلے کسے اجازت ملے گی۔“ آپ نے فرمایا: ”فقراء مہاجرین کو۔“ اس نے پوچھا: ”جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں کیا تحفہ ملے گا؟“ آپ نے فرمایا: ”مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ۔“ اس شخص نے عرض کی: ”اس کے بعد ان کی غذا کیا ہوگی؟“ آپ نے فرمایا: ”ان کے لیے جنت کا وہ بیل ذبح کیا جائے گا جو اس کی اطراف میں چرتا تھا۔“ اس شخص نے پوچھا: ”ان کا مشروب کیا ہوگا؟“ آپ نے فرمایا: ”وہ ایک چشمے سے پئیں گے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔“ اس نے کہا: ”آپ نے سچ فرمایا ہے۔“ اس نے عرض کی: ”میں آپ سے ایک ایسا سوال کرنے آیا ہوں جسے روئے زمین پر ایک شخص یا دو شخص یا نبی ہی جانتے ہوں گے۔ میں آپ سے بچے کے بارے سوال کرنے آیا ہوں۔“ آپ نے فرمایا: ”مرد کا پانی سفید ہوتا ہے۔ عورت کا پانی زرد ہوتا ہے۔ جب یہ جمع ہو جائیں اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ پالے تو اذنِ الہی سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو اذنِ الہی سے بچی پیدا ہوتی ہے۔“ اس یہودی نے کہا: ”آپ نبی برحق ہیں۔ آپ سچے ہیں۔“ پھر وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا: ”اس شخص نے مجھے اس چیز کے بارے پوچھا۔ جس کے بارے پوچھا۔ میں اس میں سے کچھ بھی نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے مجھے اس سے آگاہ فرما دیا۔“

ابن ابی شیبہ، احمد بن منیع، عبد بن حمید، امام نسائی نے الکبریٰ میں اور امام الطبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک یہودی شخص آیا۔ جسے ثعلبہ بن حارث کہا جاتا تھا۔ اس نے پوچھا: "ابو القاسم صلی اللہ علیک وسلم! آپ گمان کرتے ہیں کہ اہل جنت کھاتے اور پیتے ہیں۔" یہودی نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "اگر انہوں نے اقرار کر لیا تو ان کے ساتھ مباحثہ کروں گا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تیرا مسک کے درخت پر ایمان ہے۔" اس نے عرض کی: "ہاں!" آپ نے فرمایا: "کیا تو اس کا تذکرہ اپنی کتاب میں پاتا ہے۔" اس نے عرض کی: "ہاں!" آپ نے فرمایا: "مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ان میں سے ایک مرد کو ایک سو مردوں کے برابر کھانے، پینے اور جماع کی قوت عطا کر دی جائے۔" اس یہودی نے کہا: "جو کھائے یا پیئے گا اسے حاجت تو ہوگی۔" آپ نے فرمایا: "ان کی حاجت یوں پوری ہوگی کہ اس کی جلدوں سے پسینہ نکلے گا جس میں مسک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔ اس کے بعد ان کے پیٹ پتلے ہو جائیں گے۔"

سعید بن منصور، ابو یعلیٰ، ابن جریر، ابن ابی حاتم، بزار، حاکم، بیہقی اور ابن جریر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "ایک یہودی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: "اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! مجھے ان ستاروں کے بارے بتائیں جنہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے سجدہ ریز دیکھا تھا۔ ان کے نام کیا ہیں؟" آپ نے اسے جواب نہ دیا۔ حضرت جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے انہوں نے آپ کو ان ستاروں کے نام بتائیے۔ آپ نے یہودی کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا: "کیا اگر میں نے تمہیں ان ستاروں کے نام بتا دیے تو تو ایمان لے آئے گا؟" اس نے کہا: "ہاں!" آپ نے فرمایا: "وہ ستارے تھے: حرشان، طارق، ذیال، ذوالنقات، ذوفرغ، وثاب، عمودن، قابس، ضروج، مصحج، ضیاء، نور۔" حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں آسمان کے افق پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔" یہودی نے عرض کی: "بخدا! یہی ان ستاروں کے نام ہیں۔" حکم بن ظہیر نے لکھا ہے الضیاء سے مراد سورج ہے۔ یہ ان کے والد گرامی تھے۔ النور سے مراد قمر ہے۔ یہ ان کی والدہ ماجدہ تھیں۔" الحافظ نے مجمع الزوائد کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ "میں نے نسخہ مصححہ میں دیکھا ہے کہ یہ عقلی کے ضعفاء میں سے ہے۔"



زانی کی سزا سے یہودیوں کا رجوع

ابن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، امام بیہقی نے السنن میں حضرت ابو ہریرہ سے، عبدالرزاق، احمد، عبد بن حمید، ابوداؤد، ابن جریر اور بیہقی نے دلائل میں ان سے ہی، امام مسلم، ابوداؤد، النخاس، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے حضرت براء بن عازب سے، شیخان نے ابن عمر سے۔ ابن جریر اور الطبرانی نے حضرت ابن عباس سے۔ عبد بن حمید نے اپنی مسند میں، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن منذر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودی بیت المدارس میں جمع ہوئے۔ ایک شادی شدہ مرد نے شادی شدہ عورت سے بدکاری کی تھی۔ ان کا تعلق اہل فدک سے تھا۔ وہاں کے لوگوں نے مدینہ طیبہ کے یہودیوں کی طرف لکھا کہ ان کے بارے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو مان لو اگر رجم کرنے کا حکم دیں تو نہ مانو۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جب وہ بیت المدارس میں جمع ہوئے تو انہوں نے کہا: ”اس مرد اور اس عورت کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دو۔“ دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا: ”ہمارے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو۔ انہیں تخفیف کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر انہوں نے رجم کے علاوہ اور کوئی فتویٰ دیا تو ہم اسے قبول کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اسے دلیل پکڑیں گے۔ ہم کہیں گے کہ یہ تیرے انبیاء میں سے ایک نبی کا فتویٰ ہے۔“ دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا: ”ان دونوں میں آپ کو ثالث بنا لو۔ اگر انہوں نے ان کے بار تجبیہ پر عمل کیا (تجبیہ یہ ہے کہ کھجور کی رسی پر تیل مل کر اسے کوڑا بنا لیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ بدکاری کرنے والے مرد اور عورت کو مارا جاتا تھا۔ پھر دونوں کو گدھے پر پیچھے کی طرف منہ کر کے بٹھالیا جاتا تھا۔ ان کا منہ کالا کیا جاتا تھا) تو ان کی پیروی کر لینا۔ وہ بادشاہ اور قوم کے سردار ہوں گے۔ اور اگر انہوں نے ان کے بارے رجم کا فیصلہ کیا تو وہ نبی ہوں گے۔ ان سے اجتناب کرنا۔ ورنہ جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے اسے چھین لیا جائے گا۔“ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ اپنی مسجد میں صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کہا: ”ابوالقاسم! اس شادی شدہ مرد نے اس شادی شدہ عورت سے بدکاری کی ہے۔ ہم آپ کو ان کے مابین ثالث مقرر کرتے

ہیں۔ آپ ان کا فیصلہ کریں۔“ آپ نے فرمایا: ”تم تورات میں اس کے بارے کیا پاتے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہم انہیں شرمندہ کرتے ہیں اور کوڑے مارتے ہیں۔“ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا: ”آپ تورات کو چھوڑیں اور اپنا فتویٰ دیں۔“ آپ نے انہیں رجم کرنے کا فتویٰ دیا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

آپ نے ان کے ساتھ بات نہ کی حتیٰ کہ آپ بیت المدارس تشریف لائے اس کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ”اے گروہ یہود! اپنے علماء میری طرف باہر نکالو۔“ انہوں نے عبد اللہ بن صوریا، ابویاسر اور وہب بن یہودا کو باہر نکالا۔ انہوں نے کہا: ”یہ ہمارے علماء ہیں۔“

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تم تورات میں اس شخص کے بارے کیا حکم پاتے ہو جس نے شادی کے بعد زنا کیا۔“ انہوں نے کہا: ”انہیں بھگایا جاتا ہے اور ان کا منہ کالا کیا جاتا ہے۔“ حضرت عبد اللہ بن سلام نے کہا: ”تم نے جھوٹ بولا ہے تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔“ وہ تورات لائے۔ اسے کھولا۔ ان میں سے ایک نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس سے پہلے اور بعد پڑھنے لگا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام نے کہا: ”اپنا ہاتھ اٹھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ وہاں رجم کی آیت واضح تھی۔ اس نے کہا: ”محمد عربی ﷺ نے سچ کہا ہے۔“ دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھا۔ ان میں سے ایک جوان خاموش رہا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اسے خاموش دیکھا تو اس سے بار بار مسئلہ پوچھا۔ اس نے کہا: ”اگر ہم سے واسطہ دے کر پوچھتے ہیں تو ہم تورات میں رجم پاتے ہیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: ”تم نے رب تعالیٰ کے اس حکم میں تخفیف کب پیدا کی؟“ اس نے کہا: ”ہمارے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے قریبی رشتہ دار نے بدکاری کی۔ اسے رجم نہ کیا گیا۔ پھر ایک طاقتور خاندان کے مرد نے بدکاری کی۔ لوگوں نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا اس کی قوم حائل ہو گئی۔“ انہوں نے کہا: ”بخدا! ہمارے اس ساتھی کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ تو اپنے ساتھی کو لائے اور اسے رجم کرے۔“ انہوں نے اس سزا پر باہم صلح کر لی۔“

دوسری روایت میں ہے ”ہمارے امیر طبقہ میں زنا زیادہ ہو گیا۔ جب ہم کسی امیر کو پکڑ لیتے تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔ جب کسی غریب کو پکڑ لیتے تو اس پر حد جاری کر دیتے تھے۔ ہم نے کہا: ”آؤ! ہم ایک ہی سزا مقرر کر دیتے ہیں۔ ہم امیر اور غریب کو وہی دیا کریں گے۔ ہم نے مذکورہ سزا پر اتفاق کر لیا۔ ابوالقاسم! بخدا! یہ سب جانتے ہیں کہ آپ نبی برحق ہیں مگر یہ آپ سے حسد کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے بارگاہ الہیہ میں عرض کی: ”مولا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرا امر زندہ کیا جسے یہ زمانہ قدیم سے شہوت کی وجہ سے مار چکے تھے۔“ یہودی چار گواہ لے آئے۔ انہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے اس مرد کے

ذکر کو عورت کی شرم گاہ میں اس طرح دیکھا جیسے سرچھوسرے دانی میں ہوتا ہے۔“
 حضور اکرم ﷺ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ انہیں مسجد نبوی کے دروازے کے پاس رجم کر دیا گیا۔ حضرت
 ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے اس مرد کو دیکھا وہ اس عورت پر جھک رہا تھا تا کہ اسے پتھروں سے
 بچائے۔“ دوسری روایت میں ہے ”میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ جنہوں نے انہیں رجم کیا۔ میں نے مرد کو دیکھا وہ اس
 عورت کو پتھروں سے خود سے بچا رہا تھا۔“



یہودی موت کی تمنا نہ کر سکے

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ كُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا
المَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۴﴾ (سورۃ البقرہ: ۹۴)

ترجمہ: ”آپ فرمائیے اگر تمہارے لیے ہی دارِ آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ
کر تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو۔“

ابن جریر نے حضرت ابو عالیہ سے روایت کیا ہے کہ یہود نے کہا: ”جنت میں وہی جائے گا جو یہودی یا عیسائی ہوگا۔“
انہوں نے کہا: ”ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے (نعوذ باللہ) اور اس کے محبوب ہیں۔“ رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی مگر انہوں
نے موت کی تمنا نہ کی۔

امام بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ پہلی آیت نازل ہوئی تو حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو یوں ٹھہرو: ”مولا! ہم پر موت طاری کر دے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم!
جس کے دست تصرف میں میری جان ہے تم میں سے جو شخص بھی یہ کہے گا اس کا تھوک اس کے گلے میں اٹک جائے گا وہ
وہیں مر جائے گا۔“ انہوں نے موت کی تمنا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْا أَبَدًا بِمَا قَدَّمْت أَيْدِيهِمْ ؕ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۵﴾ (البقرہ: ۹۵)

ترجمہ: ”اور ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے اپنی کارستانیوں کے خوف سے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔“

اس آیت طیبہ کے نزول کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بخدا! وہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔“
ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اگر یہودی موت کی تمنا کرتے
تو ان کا تھوک ان کے گلے میں اٹک جاتا اور وہ وہیں مر جاتے۔“ امام احمد، امام بخاری، ترمذی، امام نسائی، ابن مردویہ اور
ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر
جاتے اور جہنم میں انہیں ان کا ٹھکانہ نظر آجاتا۔“

یہود کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنا

امام بخاری، امام مسلم، اسماعیلی، امام بیہقی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، امام احمد، عبد بن حمید، امام بخاری اور امام نسائی نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے، ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، ابن سعد، امام بیہقی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن سعد نے عمر بن حکم سے مرسل روایت کیا ہے کہ جب ذوالحجۃ کے مہینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے واپس تشریف لائے اور ماہ محرم آ گیا۔ ہجرت کو سات سال گزر چکے تھے۔ یہودی کے رؤسا (یہ مدینہ طیبہ میں باقی تھے یہ منافق تھے اور اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے۔) لبید بن اعصم کے پاس گئے۔ یہ بنوزریق کا حلیف تھا۔ یہ جادو گر تھا یہودی جانتے تھے کہ یہ جادو اور زہر کے بارے سب سے زیادہ جانتا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ابو اعصم! تو ہم سب سے زیادہ جادو کو جانتا ہے۔ ہم نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا۔ لیکن فائدہ نہ ہوا۔ تو جانتا ہے کہ ان کا ہم میں کیا اثر ہو رہا ہے۔ اس کا دین ہمارے مخالف ہے۔ اس نے ہمارے بعض افراد کو قتل اور بعض کو جلاوطن کر دیا ہے۔ ہم تیرے لیے اجرت مقرر کرتے ہیں تو ہماری طرف سے اسے ایسا جادو کر جو ان کا کام تمام کر دے۔“ انہوں نے اس کے لیے تین دینار اجرت مقرر کی۔ اس شرط پر کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرے۔

عبداللہ بن عمیر کی روایت میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”بنوزریق کے یہودیوں میں سے ایک یہودی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا۔“ ابن عیینہ کی روایت میں ہے: ”یہ بنوزریق کا ایک شخص تھا۔ یہ یہودیوں کا حلیف اور منافق تھا۔“ ابن سعد نے حضرت عبدالرحمان بن کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ یہ جادو اعصم کی بیٹیوں اور لبید کی بہنوں نے کیا تھا۔ یہ لبید سے زیادہ جادو گر تھیں۔ یہ اس سے زیادہ غیث تھیں۔ لبید ہی یہ چیزیں لے کر گیا تھا اور انہیں کنویں کے پتھر کے نیچے دفن کیا تھا۔ جب انہوں نے یہ گریں لگائیں تو اس گھڑی آپ کو اپنی بصارت عجیب لگی۔ لبید کی ایک لڑکی زبردستی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی۔ انہوں نے اسے یہ امر بتا دیا یا اس نے سن لیا۔ پھر وہ اپنی بہنوں اور لبید کے پاس چلی گئی انہیں یہ معاملہ بتایا۔ ان میں سے ایک نے کہا: ”اگر وہ نبی ہوئے تو عنقریب تمہیں اس جادو

کے بارے بتادیں گے اور اگر وہ کچھ اور ہوتے تو پھر یہ جادو انہیں دیوانہ کر دے گا حتیٰ کہ ان کی عقل جاتی رہے گی۔“ صحیح میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا۔ آپ کو یوں محسوس ہوتا کہ آپ نے ازواجِ مطہرات سے وظیفہ زوجیت ادا کر لیا ہے حالانکہ آپ نے ایسا نہ کیا ہوتا۔“ حضرت سفیان نے کہا ہے اگر کیفیت یہی تھی تو پھر یہ جادو کتنا قبیح تھا۔

تیحیٰ بن یعمر نے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے کہ حتیٰ کہ آپ کو اپنی بصارت عجیب لگنے لگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ ان کی رائے یہی تھی کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے۔ امام بیہقی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ کی طبیعت گھٹنے لگی۔ لیکن اس کی وجہ معلوم نہ تھی۔ آپ کو کئی روز تک یہ شکایت رہی۔ اسماعیلی نے ابو ضمیرہ سے روایت کیا ہے کہ یہ تکلیف چالیس روز رہی۔ امام احمد نے چھ ماہ کا قول کیا ہے۔ ام المؤمنین نے فرمایا: ”ایک رات آپ میرے ہاں جلوہ افروز تھے آپ نے دعا مانگی۔ پھر دعا مانگی پھر فرمایا: ”عائشہ! کیا تمہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس چیز کے بارے بتا دیا ہے جس کے بارے میں اس سے پوچھتا تھا۔“ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ کیا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میرے پاس دو آدمی (حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہ السلام) آئے۔ ان میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا۔ (دمیاتی نے لکھا ہے کہ یہ حضرت جبرائیل تھے) دوسرا میرے پاؤں کی طرف بیٹھ گیا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: (میکائیل نے جبرائیل سے کہا: ”اے جبرائیل!) کیا تمہارے اس صاحب (ﷺ) کو کوئی تکلیف ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں!“ پہلے آدمی نے پوچھا: ”انہیں کیا تکلیف ہے؟“ دوسرے نے کہا: ”انہیں جادو کیا گیا ہے۔“ اس نے پوچھا: ”انہیں کس نے جادو کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”لبید بن اعصم یہودی نے۔“ پہلے شخص نے پوچھا: ”کس چیز کے ساتھ؟“ اس نے کہا: ”کنگھی کے ایک ٹکڑے کو اور چند بالوں کو کھجور کے خوشہ کے پردے میں رکھ کر۔“ پہلے نے پوچھا: ”یہ چیزیں کہاں ہیں؟“ اس نے کہا: ”اروان یا ذروان کے کنویں میں۔“ ان اشیاء کو پانی میں سخت پتھر کے نیچے رکھا گیا ہے۔“ پہلے شخص نے پوچھا: ”ان کا علاج کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”کنویں کا پانی نکالا جائے پھر پتھر کے نیچے سے یہ چیزیں نکال لیں جائیں۔ اس میں عیارہ گریں لگی ہیں۔ اگر انہیں کھول دیا جائے تو وہ اذن الہی سے شفاء یاب ہو جائیں گے۔“

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ اس کنویں کے پاس گئے۔ وہاں دیکھا اس پر کھجور کا درخت تھا۔ ایک شخص کنویں کے اندر گیا۔ اس نے پتھر کے نیچے سے غلاف نکالا۔ اس میں کنگھی کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ کے ہاں مبارک بھی نکالے گئے۔ ان میں عیارہ گریں لگائی گئیں تھیں۔

ان میں سوئیاں چھوٹی گئیں تھیں۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سورۃ الفلق اور سورۃ الناس لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ ان کی گیارہ آیات ہیں گریں بھی گیارہ ہی تھیں۔ آپ جب ایک آیت طیبہ کی تلاوت فرماتے ایک گرہ کھل جاتی۔ جب بھی سوئی نکالی جاتی اس کے بعد آپ کو کچھ درد محسوس ہوتا تھا پھر آرام و راحت محسوس ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”جب آپ واپس تشریف لائے تو فرمایا: ”گویا کہ اس کا پانی اس پانی کی طرح تھا جس میں مہندی بھگوئی ہوئی ہو۔ اور اس کھجور کے پتے جو اس کا پانی پیتی تھی سوکھ کر یوں مڑ چکے تھے گویا کہ وہ شیطین کے سر ہوں۔“ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اسے باہر نہیں نکالا؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ سفیان کی روایت میں ہے: ”کیا آپ نے اسے پھیلا یا نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں! رب تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا فرمادی ہے۔ میں لوگوں کے مابین فتنے کی آگ نہیں بھڑکانا چاہتا۔“ آپ نے ان اشیاء کو دفن کر دینے کا حکم دیا۔ آپ سے عرض کی گئی: ”کاش! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ اسے قتل کر دیتے۔“ آپ نے فرمایا: ”اس کے بعد اس کے لیے شدید عذاب ہے۔“ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے اعتراف گناہ کر لیا۔ آپ نے اس سے درگزر کیا اور اسے تہ تیغ نہ کیا۔

تنبیہات

- ❖ ”السم“ کو مطلق بولا جاتا ہے لیکن اس سے مراد وہ آکھ لیا جاتا ہے جس سے جادو کیا جاتا ہے۔ اور کبھی اسے مطلق بول کر اس سے مراد ساحر کا فعل لیا جاتا ہے اور آکھ سے کبھی معانی میں سے ایک معانی مراد ہوگا جیسے گریوں پر پھونکیں مارنا۔ کبھی اسے محسوسات مراد ہوں گے اور کبھی اس سے حسی اور معنوی دونوں امر مراد ہوں گے۔ یہ بلیغ معنی ہے۔
- ❖ سحر کے بارے اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ صرف تخیل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ شوافع میں سے ابو جعفر استر باذی کا یہ قول ہے۔ احناف میں ابو بکر دارمی کا یہی قول ہے۔ ابن حزم ظاہری اور ایک گروہ کا یہی موقف ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے ”صحیح موقف یہ ہے کہ جادو کی حقیقت ہے جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔ عام علماء نے اسی کو اپنایا ہے۔ کتاب و سنت اور صحیح روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا جادو سے کسی چیز کو بدلا جاسکتا ہے۔ جس نے یہ کہا ہے کہ یہ صرف تصور ہے انہوں نے یہ نظریہ رد کیا ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کی بھی حقیقت ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس کی تاثیر سے صرف مزاج بدلتا ہے۔ عام امراض لگ جاتی ہیں اور اس کی انتہاء ایسی حالت پر ہوتی ہے کہ جماد حیوان بن جاتا ہے۔ یا اس کے برعکس ہے۔ جمہور علماء نے پہلا موقف اپنایا ہے۔ جبکہ ایک گروہ نے دوسرا موقف اپنایا ہے۔ اگر قدرت الہیہ کو دیکھا جائے تو یہ امر

مسلم ہے۔ لیکن اگر واقعہ کو دیکھا جائے وہ اختلاف کا محل ہے تو کثیر علماء کا دعویٰ ہے کہ اس پر دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ وہ ایسی قوم کا ذکر کرتے ہیں جو جادو کا مطلق انکار کرتی ہے۔ گویا کہ اس سے مراد وہ ان لوگوں کو لیتے ہیں جو اسے تصور سمجھتے ہیں۔ ورنہ یہ سینہ زوری ہے۔

علامہ مازری نے لکھا ہے کہ جمہور علماء جادو کے اثبات کا قول کرتے ہیں نیز یہ کہ اس کی حقیقت ہے۔ بعض اس کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور اس سے رونما ہونے والے واقعات کو خیالات بالہ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ موقف مردود ہے کیونکہ جادو کے اثبات کے بارے روایت وارد ہے۔ عقل بھی اس کا انکار نہیں کرتی کہ رب تعالیٰ جادو گر کے کلمات کی وجہ سے خرق عادت امور پیدا فرمادے یا اجسام کی ترکیب بدل دے یا مخصوص ترتیب پر قوی کے مابین امتزاج کر دے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض طبیب بعض جڑی بوٹیوں کو باہم ملاتے ہیں۔ ان کی ترکیب سے وہ نافع بن جاتی ہیں حالانکہ وہ پہلے نقصان دہ ہوتی ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جادو کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے زیادہ نہیں ہوتی:

يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۗ (البقرة: ۱۰۲)

ترجمہ: ”جس سے جدائی ڈالتے تھے خاوند اور اس کی بیوی میں۔“

کیونکہ یہ تخفیف کا مقام ہے اگر اس کی تاثیر اس سے زائد ہوتی تو اس کا ذکر کر دیا جاتا۔ مازری لکھتے ہیں ”عقل کی جہت سے صحیح یہ ہے کہ اس کی تاثیر اس سے زائد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آیت میں زیادتی کی ممانعت کی نص نہیں ہے۔ اگرچہ ہم کہیں کہ یہ امر اس میں زائد ہے۔“ پھر انہوں نے وہ فرق لکھا ہے جو جادو، معجزہ اور کرامت کے مابین ہے۔ میں معجزات کے ابواب میں ان کا تذکرہ کروں گا۔“

امام نووی نے لکھا ہے کہ جادو کرنا حرام ہے۔ یہ بالا جماع کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ حضور ﷺ نے اسے سات تباہ کن گناہوں میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے بعض کفر ہیں اور بعض کفر نہیں بلکہ کبیرہ گناہ ہیں۔ اگر اس میں ایسا قول یا فعل ہو جو کفر کا تقاضا کرے تو وہ کفر ہے جیسے شاپٹین یا ستاروں کی پوجا کرنا اس کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے۔ اگر اس میں ایسا امر ہو جو کفر کا تقاضا کرتا ہو تو جادو گر سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اگر ایسا جادو ہو جس میں کفر کا تقاضا نہ ہو تو اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ امام مالک نے لکھا ہے کہ جادو گر کو قتل کر دیا جائے گا اسے توبہ کے لیے نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ زندیق کی طرح اسے تیغ کر دیا جائے گا۔ قاضی نے لکھا ہے ”امام احمد کا یہی قول ہے صحابہ کرام کی ایک جماعت اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی

یہی موقف ہے۔ "امام بخاری کا حجتان بھی اسی طرف ہے۔

بعض علماء نے دو وجوہات کی بناء پر جادو سیکھنا جائز قرار دیا ہے۔ (۱) اس میں کفر وغیرہ کی تمیز کرنے کے لیے (۲) جو اس امر میں مبتلا ہو اس کی اذیت دور کرنے کے لیے۔ پہلے معاملہ میں تو صرف اعتقاد کی جہت کے اعتبار سے ممانعت ہے۔ جب اعتقاد درست ہو تو صرف کسی چیز کو جاننا ممانعت کو لازم نہیں جیسے کہ بت پرستوں کی عبادت کے بارے جاننا کیونکہ جو چیز ساحر جانتا ہے اس کی کیفیت اس کے قول یا فعل کی حکایت ہی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ جہاں تک دوسرے معاملہ کا تعلق ہے اگر وہ کفر یا فسق کی انواع میں سے کسی نوع کے بغیر مکمل نہ ہو تو یہ اصلاً حلال نہیں۔ ورنہ یہ مذکورہ معنی میں جائز ہے۔ اس کی مزید تفصیل آپ ﷺ کی عصمت کے ابواب میں آئے گی۔

لبید بن اعصم کے بارے بتایا جاتا ہے کہ وہ بنو زریق کا یہودی تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ بنو زریق میں سے تھا۔ یہ یہودیوں کا حلیف تھا۔ یہ منافق تھا۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ جس شخص نے اسے یہودی کہا ہے اس نے اسے نفس امر کی طرف دیکھا ہے۔ جس نے اسے منافق کہا ہے اس نے اس کے ظاہر کی طرف دیکھا ہے۔ ابوالفرج نے لکھا ہے "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے منافقت کرتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا۔" یہی موقف واضح ہے۔

آپ ﷺ پر جادو کا اثر کتنی مدت رہا؟ اسماعیلی نے ابو ضمیرہ سے روایت کیا ہے کہ آپ چالیس روز تک اس سے متاثر رہے۔ امام احمد نے یہ مدت چھ ماہ لکھی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ طبیعت مبارکہ کے تغیر سے یہ مدت چھ ماہ بنتی ہو اور اس کا صحیح اثر چالیس روز تک رہا ہو۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "مجھے صحیح روایات سے معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کتنی دیر تک اس کے زیر اثر رہے حتیٰ کہ میں امام زہری کی روایت سے آگاہ ہوا جسے جامع معمر میں لکھا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک سال تک اس سے متاثر رہے۔

آپ نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی پھر آپ نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ امام نووی نے لکھا ہے "اس میں اس امر کا استحباب ہے کہ ناپسندیدہ امور کے حصول کے وقت دعا کرنی چاہیے۔ دعا بار بار مانگنی چاہیے اور رب تعالیٰ کی درگاہ والا میں حسن التجا کرنی چاہیے تاکہ رب تعالیٰ وہ مصیبت دور کرے۔" الحافظ نے لکھا ہے "اس معاملہ میں حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اسباب پر عمل کرنے کے دونوں امور پر عمل پیرا ہوتے۔ معاملہ کی ابتداء میں آپ نے یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور مصیبت پر صبر کرنے کے لیے رب تعالیٰ سے اجر و ثواب کی تمنائی۔ جب یہ

معاملہ طول پکڑ گیا۔ آپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ اس طرح عبادت کرنے میں کمزوری واقع ہوگی۔ تو آپ علاج کرانے کی طرف مائل ہوئے۔ پھر دعائی۔ یہ دونوں مقامات کمال میں انتہاء ہیں۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عمار کو جادو کی اشیاء نکالنے کے لیے بھیجا۔ جبکہ صحیح میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ اس کنویں کے پاس گئے۔ عمر بن حکم سے مرسل روایت ہے کہ آپ نے جبیر بن ایاس زرقی کو بلایا اس نے ان اشیاء کے بارے بتایا کہ وہ چیزیں ذروان کے کنویں کے اندر پتھر کے نیچے ہیں۔ جبیر نے ہی وہ اشیاء باہر نکالیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ قیس بن محض زرقی نے حضور اکرم ﷺ کے حکم سے یہ اشیاء باہر نکالیں۔ ان روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ جبیر نے اس معاملہ میں مدد کی تھی لہذا اسے ان کی طرف منسوب کر دیا گیا۔



بعض سرکش منافقین

ابن اسحاق نے بہت سے منافقین کا تذکرہ کیا ہے۔ میں صرف ان کا تذکرہ کروں گا۔ جن کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا۔ پہلے میں نفاق کا معنی لکھوں گا۔ نفاق ایک ایسا نام ہے جسے اسلام سے قبل مخصوص معنی میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس سے مراد منافق کا وہ فعل ہے جو اس کے کفر کو چھپا دے وہ اس کے ایمان کا اظہار کر دے۔ جیسے کہ آدمی نفاق "سرنگ" میں چھپ جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اسی سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ نفاق الیربوع سے مشتق ہے۔ چوہا اپنے بل کے ایک منہ قاصعہ سے داخل ہوتا ہے اور اس کے نفاق سے نکل آتا ہے۔ یا اس کے برعکس کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بل کے چار منہ ہوتے ہیں۔ "نافق، قاصعہ، راہطہ، دائمہ" وہ تیز رفتاری سے نفاق کے کنارے تک جاتا ہے اسے چھپاتا ہے پھر دوسری جانب سے نکل آتا ہے۔ جب کسی دوسرے بل میں جانا چاہتا ہے تو نفاق کو اپنا سرمایہ مارتا ہے اس سے باہر نکل آتا ہے۔ یہ سوراخ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوتے ہیں وہ ایک کا ارادہ کرتا ہے اور دوسرے سے نکل آتا ہے۔

منافق کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے وہ ایک جہت سے ایمان میں داخل ہوتا ہے دوسری سے نکل جاتا ہے یہ چوہے کے اس فعل سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ نفاق کی صورت سے مشتق ہے چوہے کے فعل سے نہیں۔

کیونکہ نفاق وہ سوراخ ہوتا ہے جس کا ظاہر مدخل (داخل ہونے کی جگہ ہوتا ہے) اور باطن مخزج (نکلنے کی جگہ) ہوتا ہے۔ منافق کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ وہ ایمان کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے باطن میں نفاق ہوتا ہے۔ نفاق کی جگہ دل ہوتا ہے۔

جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے خود کو یہودیوں کی طرف منسوب کر لیا۔ زمانہ جاہلیت میں انہیں بڑا شخص سمجھا جاتا تھا۔ منافقین شرک اور قیامت کو جھٹلانے کے اعتبار سے اپنے آباء کے دین پر ہی تھے۔ لیکن اسلام نے انہیں تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا۔ قوم کی اجتماعیت نے انہیں اسلام کا اظہار کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے اسلام کا اظہار کیا۔ اسلام کو بطور ڈھال استعمال کیا تا کہ قتل ہونے سے بچ سکیں۔ دل میں نفاق رکھا۔ ان کی تمنائیں یہودیوں کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ حضور اکرم ﷺ کو جھٹلاتے تھے اور اسلام کا انکار کرتے تھے۔

رب تعالیٰ نے سورۃ برآة میں ان کے بارے بتایا۔ منافقین میں سے ایک جلاس بن سوید تھا۔ یہ غزوۃ تبوک میں آپ ﷺ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب قرآن پاک کا نزول ہوا۔ اس میں منافقین کا تذکرہ ہوا تو جلاس نے کہا: ”بخدا! اگر یہ شخص سچا ہے تو پھر ہم تو گدھے سے بھی برے ہیں۔“ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بکو اس سن لی۔ یہ جلاس کی کفالت میں تھے۔ حضرت عمیر نے اسے کہا: ”بخدا! اے جلاس! تو مجھے سارے لوگوں سے پیارا ہے تیرے احسانات مجھ پر سب سے زیادہ ہیں۔ مجھے سخت گراں گزرتا ہے کہ تجھے کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن تو نے ایسی بات کر دی ہے کہ اگر میں اسے آگے بیان کروں تو تجھے رسوا کر دوں گا۔ اور اگر خاموش رہوں تو اپنا دین تباہ کر لوں گا۔ ان میں سے ایک بات مجھ پر دوسری سے آسان ہے۔“ وہ حضور والا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کو جلاس کی بات بتائی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کی طرف پیغام بھیجا۔ جلاس حضور اکرم ﷺ کے سامنے قسم اٹھا گیا کہ حضرت عمیر نے اس کی طرف جھوٹی بات منسوب کی ہے۔ جو حضرت عمیر نے کہا۔ اس نے وہ کچھ نہیں کہا۔ حضرت عمیر نے کہا: ”بخدا! تو نے یہ بات کی ہے۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ والا میں توبہ کر لو۔“ حضور ﷺ پر وحی کے اثرات نمودار ہونے لگے۔ سارے حاضرین ساکت و جامد ہو گئے۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو وہ اسی طرح کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے سراقس اٹھایا اور فرمایا:

يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ، وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا
بِمَالِهِمْ يَنْتَالُوا ، وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ، فَإِنْ يَتُوبُوا
يَكْ خَيْرًا لَّهُمْ ، وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ، فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَمَا
لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٤٣﴾ (التوبة: ٤٣)

ترجمہ: ”قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا۔ حالانکہ یقیناً انہوں نے کبھی کبھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انہوں نے ارادہ بھی کیا۔ ایسی چیز کا جسے وہ نہ پاسکے اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لیے اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ عذاب الیم۔ دنیا اور آخرت میں اور انہیں ہوگا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔“

جلاس نے کہا: ”میں نے یہ غلطی کی تھی۔ رب تعالیٰ نے مجھے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں۔“ آپ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔ اس کا ارادہ تھا کہ مشرکین کے ساتھ جا ملے گا۔ ابن سیرین نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے کان پکڑے اور فرمایا: ”لڑکے! تمہارے کانوں نے تمہارے ساتھ وفا کی اور تمہارے رب نے تمہاری تصدیق کر دی۔“

تنبیہات

اس آیت طیبہ کا اور بھی شان نزول لکھا گیا ہے۔ وہ عبد اللہ بن ابی کا یہ قول ہے اس نے غزوۃ المریض میں کہا تھا ”بخدا! ہماری اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال یونہی ہے جیسے کسی نے کہا ہے: ”اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ تجھے ہی کاٹ کھائے۔ اگر ہم مدینہ گئے تو معزز وہاں سے ذلیل کونکال دے گا۔“ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ بات بارگاہ رسالت مآب میں پہنچا دی۔ ابن ابی نے قسم اٹھادی کہ اس نے یہ بات نہیں کی۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

محمد بن عمر نے روایت کیا ہے کہ جلاس نے توبہ کر لی۔ اپنی توبہ کو عمدہ کیا۔ اس نے وہ بھلائی نہ چھوڑی جو وہ حضرت عمیر پر کرتا تھا۔ اس کی توبہ معروف تھی۔

نبیل بن حارث بھی منافقین میں سے تھا۔ یہ ایک طویل القامت، سیاہ شکل، بکھرے بالوں والا سرخ آنکھوں والا، پچکے گالوں والا شخص تھا۔ اس کے بارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ”تم میں سے جو شیطان کی طرف دیکھنا چاہے وہ نبیل کی طرف دیکھ لے۔“

ابن اسحاق نے بنو عجلان کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ”آپ کے پاس ایک کالا، بکھرے بالوں والا، پچکے گالوں والا اور سرخ آنکھوں والا شخص آتا ہے۔ اس کی آنکھیں پتیل کی دو ہنڈیوں کی طرح ہیں۔ اس کا جگر گدھے کے جگر سے بھی خبیث ہے۔ وہ آپ کی باتیں منافقوں تک پہنچاتا ہے۔ اس سے احتیاط فرمائیں۔“ یہ ساری صفات نبیل بن حارث کی تھیں۔ یہ آپ کی خدمت میں آتا تھا۔ آپ کے فرامین سنتا تھا۔ پھر انہیں منافقین تک پہنچا دیتا تھا۔ یہ کہتا تھا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کانوں کے کچے ہیں جو بھی آپ کے پاس بات کرتا ہے آپ اس کی تصدیق کر دیتے ہیں۔“ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۗ قُلْ أُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۗ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶۱﴾ (التوبہ: ۶۱)

ترجمہ: ”اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمائیے وہ سننا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لیے جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

ان منافقین میں مربع بن قینظی بھی تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ غزوہ احد کے لیے جا رہے تھے اور آپ اس کے باغ سے گزرنے لگے۔ تو اس نے کہا تھا: ”محمد عربی ﷺ! اگر آپ نبی ہیں تو پھر میں آپ کو اپنے باغ میں سے گزرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس تیرہ بخت نے مٹھی بھرٹی اٹھائی اور کہا: ”اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ مٹی آپ کے علاوہ کسی اور پر بھی پڑے گی تو میں اسے آپ پر پھینک دیتا۔“ صحابہ کرام جلدی سے گئے تاکہ اسے قتل کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو۔ یہ دل کا بھی اندھا ہے اور نظر کا بھی۔“

ان منافقین میں سے ایک عبد اللہ بن ابی بھی تھا۔ یہ منافقین کا سردار تھا۔ منافقین اسی کے پاس ہی جمع ہوتے تھے۔ اسی نے ہی یہ بکو اس کی تھی ”اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو معزز وہاں سے ذلیل کونکال دے گا۔“ اس کی یہ بکو اس سورۃ المنافقین میں اسی طرح اتری۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس کے شرف میں دو افراد کو بھی شک نہ تھا۔ اس سے قبل اوس اور خزرج نے کسی اور شخص پر اتفاق نہیں کیا تھا۔ اس وقت اسلام کا آفتاب طلوع ہو گیا۔ قوم تاج بنوا کر اسے بادشاہ بنانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ اسی اثناء میں حضور اکرم ﷺ وہاں جلوہ افروز ہو گئے۔ جب اس کی قوم نے اسے چھوڑا اور اسلام قبول کر لیا۔ تو اس کے دل میں کینہ پیدا ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سے سلطنت چھین لی ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی قوم اسلام قبول کرنے پر مصر ہے تو یہ نہ چاہتے ہوئے اسلام میں داخل ہو گیا۔ یہ اپنے کینہ اور نفاق پر قائم تھا۔

ابن اسحاق، امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”حضور اکرم ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے اس پر زین کسی ہوئی تھی۔ اس پر فدک کا بنا ہوا موٹا کپڑا ڈالا گیا تھا۔ اس کے منہ میں کھجور کے پتوں کی لگام تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ بنو حارث بن خزرج میں تھے۔ یہ غزوہ بدر سے پہلے کی بات ہے۔ آپ عبد اللہ بن ابی کے پاس سے گزرے۔ وہ بلند مکان کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی محفل میں مسلمان، مشرکین اور یہودی بھی تھے۔ اس محفل میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جب سواری کی گرد اس محفل تک پہنچی تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی چادر سے اپنی ناک

کو ڈھانپ لیا۔ اس نے کہا: ”ہماری طرف گرد نہ اڑاؤ۔“ حضور اکرم ﷺ نے سلام کیا۔ وہاں ٹھہر گئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ انہیں ڈرایا اور بشارت دی۔ ابن ابی نے آپ سے کہا: ”اے آدمی! تمہاری گفتگو کا یہ انداز اچھا نہیں ہے۔ اگرچہ یہ حق ہے ہماری محافل میں ہمیں اذیت نہ دو۔ اپنے گھروٹ چلو جو تمہارے پاس آتے اسے یہ پیغام دو۔“ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ پیغام حق ہمیں ہماری محافل میں سنائیں بخدا! ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ مسلمان، مشرکین اور یہود ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے۔ حضور اکرم ﷺ انہیں ٹھنڈا کرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے انہیں فرمایا: ”سعد! کیا تم نے سنا نہیں کہ ابو حباب (ابن ابی) نے ابھی ابھی کیا کہا ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس سے درگزر فرمائیں۔ اسے معاف فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ عطا کر دیا ہے۔ جو عطا کر دیا ہے۔ اہل بحیرہ نے اتفاق کر لیا تھا کہ اسے تاج پہنائیں اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ جب اس حق کے سامنے اس کی پیش نہ گئی۔ جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے تو یہ چیز اس کے گلے میں اٹک گئی۔ اس نے وہ نازیبا کام کیا ہے۔ جو آپ نے ملاحظہ کیا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کاش! ابن ابی کے پاس تشریف لے چلیں۔ حضور اکرم ﷺ اس کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ گدھے پر سوار ہوئے۔ مسلمان پیدل ہی تھے۔ یہ سخت زمین تھی۔ حضور اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو اس نے کہا: ”مجھ سے دور ہو جائیں مجھے آپ کے گدھے کی بوتلیف دے رہی ہے۔“ ایک انصاری شخص نے کہا: ”بخدا! حضور اکرم ﷺ کے گدھے کی بوتیری بو سے بہت عمدہ ہے۔“ یہ سن کر عبد اللہ بن ابی کی قوم کے ایک شخص کو غصہ آ گیا۔ ہر ایک کے ساتھی دوسرے کے ساتھیوں پر الجھ پڑے وہ شاخوں، ہاتھوں اور جوتوں سے لڑنے لگے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَإِنْ طَآئِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا (المجرات: ۹)

ترجمہ: ”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”جب ابن ابی نے اپنی قوم کا اختلاف دیکھا تو اس نے یہ شعر کہے:

متی ما یکن مولاک خصمک لا تنزل
تذل و یصرعک الذین تصارغ

ترجمہ: ”جب تیرا ساتھی ہی تیرا دشمن بن جائے تو ذلیل ہو جائے گا۔ اور وہ لوگ تجھے پچھاڑ دیں گے جنہیں تو

پچھاڑتا تھا۔“

و هل ينهض البازى بغير جناحه
و ان جُدَّ يوماً ريشه فهو واقع

ترجمہ: ”کیا کوئی باز اپنے پروں کے بغیر اڑ سکتا ہے۔ اگر کسی روز اس کے پر کاٹ دیے جائیں اور وہ گرا پڑا ہو۔“

ان منافقین میں سے ایک ابو عامر فاسق بھی تھا۔ اس کا نام عمرو بن صیفی تھا۔ یہ حضرت حنظلہ غمیل ملائکہ کا باپ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ یہ صوف پہنتا تھا۔ یہ اپنی قوم میں معزز تھا۔ اس کی اطاعت کی جاتی تھی لیکن بد بختی اس پر غالب آگئی۔

جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابو عامر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ اس کے مکہ مکرمہ کی طرف نکلنے سے پہلے کی بات ہے۔ اس نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! یہ کون سا دین ہے جس کے ساتھ آپ تشریف لائے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”یہ حنفیت دین ابراہیمی ہے۔“ اس نے کہا: ”میں اسی دین پر ہوں۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تو اس دین پر نہیں ہے تو نے اس میں وہ چیزیں شامل کر دیں ہیں جو اس میں نہیں تھیں۔“ اس نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! بلکہ آپ نے اس دین میں ایسی چیزیں شامل کر دیں ہیں جو اس میں نہیں تھیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اس میں کچھ بھی داخل نہیں کیا۔ میں اسے پاک اوصاف لے کر آیا ہوں۔“ ابو عامر نے کہا: ”ہم میں سے جو جھوٹا ہوا اللہ تعالیٰ اسے تنہا اور پردیس میں موت طاری کرے۔“ کیونکہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے تشریف لائے تھے اس لیے اس نے اس طرح کہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! اللہ تعالیٰ جھوٹے پر اسی طرح موت طاری کرے۔“ اللہ تعالیٰ کے اس دشمن کے ساتھ اسی طرح ہوا۔ وہ مکہ مکرمہ کی طرف گیا جب آپ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو وہ طائف کی طرف نکل گیا۔ جب اہل طائف نے اسلام قبول کر لیا تو وہ شام کی طرف نکل گیا۔ وہاں حالت غربت میں، دھتکارا ہوا تنہا مر گیا۔

الحمد للہ! آج بروز ہفتہ مؤرخہ ۱۲/۶/۲ کو بل الہدیٰ کی تیسری جلد کے ترجمہ سے فراغت نصیب ہوئی۔ الحمد

لله على ذلك۔

غبار راہ حجاز

ذوالفقار علی ساقی

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف، سرگودھا



(اردو ترجمہ)
سُبُلِ الْهُدَى وَالرِّشَادِ

فِي سِيرَةِ خَيْرِ الْعِبَادِ

جلد چہارم

تصنیف: حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میمنشہ

غزواتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

پہلا باب

جہاد کا اذن اور اہل کتاب اور مشرکین سے درگزر کا منسوخ ہونا

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے آپ ﷺ پر یہ وحی نازل کی کہ آپ اس رب کریم کے نام مبارک سے پڑھیں جس نے تخلیق کی۔ یہ نبوت کی ابتداء تھی۔ اس نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ خود پڑھیں۔ اس وقت اس نے آپ کو تبلیغ کا حکم نہ دیا۔ پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ قُمْ فَأَنْذِرْ ۗ (المدثر: ۱، ۲)

ترجمہ: ”اے چادر پھیننے والے اٹھیے اور (لوگوں) کو ڈرائیے۔“

”اقرأ“ سے آغاز ہوا۔ ”یا ایہا المدثر“ سے رسالت کا تاج آپ کے سر پر سجایا پھر اس نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں پھر اپنی قوم کو ڈرانے کا حکم دیا۔ پھر آپ کو اپنے ارد گرد سارے عرب کو پیام حق دینے کا حکم دیا۔ پھر یہ پیام آخرین تا قیامت سارے جن و انس تک پہنچانے کا حکم دیا۔ آپ نے نبوت کے بعد دس سال تک قتال کے بغیر پیام حق پہنچایا۔ نہ جہاد کیا نہ کسی سے جزیہ لیا۔ آپ کو رک جانے، صبر کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر آپ کو ہجرت کا اذن ملا۔ جب آپ مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہو گئے تو رب تعالیٰ نے آپ کی اور اپنے مؤمنین بندوں کی نصرت و تائید کی۔ دشمنی اور عداوت کے بعد ان کے دل جوڑ دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے انصار اور اسلام کے لشکر اوس اور خزرج نے ہر سیاہ اور سرخ سے آپ کا دفاع کیا۔ انہوں نے آپ پر جانیں نچھاوریں۔ آپ کی محبت و عشق کو آباء اور بیٹوں کی محبت سے مقدم کیا۔ آپ کی

محبت و عشق کو اپنی بیبیوں سے مقدم سمجھا۔ آپ انہیں ان کی جانوں سے بھی عزیز تھے۔ اہل عرب اور یہودیوں نے آپ سے دشمنی کی۔

امام بیہقی وغیرہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ آئے تو اہل عرب اور یہود آپ سے دشمنی پر متفق ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے لیے جنگ اور عداوت کے شعلے بڑھائے۔ وہ ہر جانب سے آپ پر حملہ کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔ حتیٰ کہ مسلمان صبح اور شام اسلحہ ہی پہنے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ کہتے تھے ”تم ہمیں دیکھتے ہو کہ ہم اس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن ہماری زندگی سراپا سکون و اطمینان ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ - وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا - يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا - وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٥٥﴾ (النور: ٥٥)

ترجمہ: ”وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو۔ جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے رہیں، کسی کو میرا شریک نہیں بناتے اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔“

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی یہی مفہوم ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً - وَلَا جَزَاءَ الْآخِرَةَ أَكْبَرُ - لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾

(الممل: ٤١، ٤٢)

ترجمہ: ”اور جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر (طرح طرح کے) ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بہترین ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش ایہ جان لیتے جنہوں نے (مصائب) میں صبر کیا اور مشکلات میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات طیبات ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے نازل ہوئیں۔ جنہیں مکہ مکرمہ میں تکلیف دی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ظلم کی آندھی چلنے کے بعد انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ دنیا میں حسنہ (رزق وسیع) کا وعدہ کیا۔ رب تعالیٰ نے انہیں کشادہ رزق عطا کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی صحابی کو کچھ عنایت فرماتے تو فرماتے:

”لو! اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس میں برکت ڈالے۔ یہ وہ رزق ہے جس کا رب تعالیٰ نے تم سے دنیا میں وعدہ کیا ہے۔ جو تمہارے لیے اس نے آخرت کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے وہ اس سے افضل ہے۔“
یہودی اور مشرکین آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو اذیتیں دیتے تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں صبر درگزر اور غصہ کا حکم دیا۔ فرمایا:

وَلْتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۗ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۸۶﴾ (آل عمران: ۱۸۶)

ترجمہ: ”اور یقیناً تم سنو گے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ کو اختیار کرو تو بے شک بڑی ہمت کا کام ہے۔“

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۗ (البقرة: ۱۰۹)

ترجمہ: ”دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کسی طرح پھر بنا دیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر (ان کی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے۔ جو ان کے دلوں میں ہے (یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے ان پر حق۔“

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ (البقرة: ۱۰۹)

ترجمہ: ”(اے غلامانِ مصطفیٰ) معاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ بھیج دے اللہ تعالیٰ (ان کے بارے میں) اپنا حکم۔“

ابوداؤد، ابن منذر اور امام بیہقی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو یہودی اور مشرکین آپ کو بہت زیادہ اذیتیں دیتے تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں

اس پر صبر و درگزر کا حکم دیا۔ امام بخاری، امام مسلم، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور الطبرانی نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرکین اور اہل کتاب سے درگزر فرماتے تھے۔“ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا اذن دے دیا۔ مختلف غزوات میں قریش کے بہت سے سوراخ تخیج ہوئے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ جب مسلمانوں کو تقویت نصیب ہوگئی۔ مسلمانوں کے بازو مضبوط ہو گئے تو رب تعالیٰ نے انہیں جہاد کا اذن دے دیا۔ ان پر جہاد فرض نہ کیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا
مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهَيَّبَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسْجِدٌ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ
وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ (الحج: ٢٠/٢١)

ترجمہ: ”اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بناء پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق۔ صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارت گری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے۔“

علماء کرام نے لکھا ہے کہ پھر رب تعالیٰ نے مسلمانوں پر ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرنا فرض قرار دیا جو ان کے ساتھ جنگ کریں۔ لیکن ان کے ساتھ تو جہاد کرنے کا اذن نہ تھا۔ جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کرے۔ فرمایا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ (البقرة: ١٩٠)

ترجمہ: ”اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا۔“

پھر رب تعالیٰ نے سارے مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ دین سارے کا سارا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔ فرمایا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۗ (التوبة: ٣٦)

ترجمہ: ”اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں۔“
کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ :

(البقرہ: ۲۱۶)

ترجمہ: ”اور فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔“

پہلے اس کی اجازت نہ تھی۔ پھر اس کا اذن مل گیا۔ پھر اس کے لیے اذن ملا جو جنگ کی ابتداء کرے۔ پھر سارے مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کا اذن ملا۔ یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے۔
امام احمد، ترمذی، امام نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ جہاد کے بارے سب سے پہلے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۖ (الحج: ۳۹)

ترجمہ: ”اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بنیاد پر کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔“

امام احمد، امام بخاری، امام ابو داؤد وغیرہم نے حضرت ابو ہریرہ، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں حتیٰ کہ وہ گواہی دینے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول محترم ہیں۔ وہ ہمارا قبلہ قبول کر لیں۔ وہ زکوٰۃ دینے لگیں۔ ہمارا ذبیحہ کھالیں۔ ہماری نماز پڑھنے لگیں۔ جب وہ یوں کرنے لگیں ہم پر ان کے خون حرام ہیں ان کے اموال حرام ہیں مگر ان کے حقوق۔ ان پر وہی ہے جو کچھ دیگر مسلمانوں پر ہے اور ان کے لیے وہی کچھ ہے جو دیگر مسلمانوں کے لیے ہے۔ ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: ”مگر ان کے حقوق سے کیا مراد ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”شادی کے بعد زنا، اسلام کے بعد کفر یا کسی کو قتل کرنا اور اس کے بدلہ میں اس کا قتل ہو جانا۔“

ہجرت کے بعد کفار کے ساتھ آپ کے معاملات تین طرح کے تھے۔

◆ ایک قسم کے ساتھ آپ نے مصالحت کر لی۔ ان کے ساتھ اس شرط پر معاہدہ کیا کہ وہ آپ کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ آپ کے خلاف کسی دشمن کی اعانت نہیں کریں گے۔ وہ کافر ہی رہے۔ لیکن ان کے خون اور اموال محفوظ تھے۔

❖ دوسری قسم نے آپ کے ساتھ جنگ کی اور آپ کے ساتھ عداوت کا اظہار کیا۔

❖ تیسری قسم نے آپ کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے آپ کے ساتھ نہ جنگ کی نہ صلح کی۔ بلکہ وہ آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے معاملہ کا انتظار کرتے رہے۔ پھر ان میں سے بعض لوگ وہ تھے جو اندر سے آپ کے غلبہ اور فتح کے متمنی تھے۔ بعض آپ کے دشمن کے ظہور اور غلبہ کے خواہاں تھے۔ بعض لوگ ظاہری طور پر آپ کی صف میں شامل ہو گئے۔ لیکن وہ باطنی طور پر آپ کے دشمن کے ساتھ تھے۔ تاکہ وہ خود کو دونوں فریقوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ یہ منافقین تھے۔ ہر گروہ کے ساتھ آپ نے اسی طرح معاملہ کیا جس طرح رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا۔

آپ نے مدینہ طیبہ کے یہودیوں کے ساتھ صلح کر لی۔ آپ کے اور ان کے مابین امن کا معاہدہ ہوا۔ مدینہ طیبہ کے ارد گرد ان کے تین گروہ تھے۔ بنو قیقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ان سب نے معاہدہ توڑ دیا۔ یہ تفصیل غزوات میں آئے گی۔ رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ نے جو معاہدہ کیا ہے اسے پورا کریں۔ جب تک وہ عہد کی پاسداری کریں۔ اس وقت تک آپ بھی معاہدہ نبھائیں۔ اگر آپ کو یہ خدشہ ہو کہ وہ خیانت کریں گے۔ تو ان سے معاہدہ ختم کریں۔ لیکن ان کے ساتھ جہاد اس وقت تک نہ کریں حتیٰ کہ آپ انہیں اس معاہدہ کو توڑنے سے آگاہ کر دیں۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اس کے ساتھ جہاد کریں جو آپ سے عہد شکنی کرے۔

جب سورت "براءة" کا نزول ہوا تو اس وقت ان ساری اقسام کا ذکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اہل کتاب میں سے اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کریں حتیٰ کہ وہ جزیہ ادا کرنے لگیں یا وہ دین اسلام میں داخل ہو جائیں اس نے آپ کو حکم دیا کہ آپ کفار کے ساتھ جہاد کریں۔ منافقین کے ساتھ جہاد کریں۔ ان کے ساتھ سختی فرمائیں۔ آپ نے کفار کے ساتھ سیف اور نیزہ کے ساتھ جہاد کیا۔ منافقین کے ساتھ دلیل اور زبان اقدس سے جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک سورت میں حکم دیا کہ آپ کفار سے معاہدوں سے برأت کا اعلان کر دیں۔ ان کے معاہدے توڑ دیں۔ اس نے اس سورت میں معاہدہ کرنے والوں کی تین اقسام بنائیں۔

❖ ایک قسم کے ساتھ آپ کو جہاد کرنے کا حکم دیا۔ یہ وہ تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ عہد شکنی کی تھی۔ عہد کی پاسداری نہ کی تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ جہاد کیا۔ ان پر غلبہ پایا۔

❖ دوسری قسم کے ساتھ مدت مقررہ تک کے لیے معاہدہ تھا۔ انہوں نے نہ تو عہد توڑا تھا اور نہ ہی آپ کے خلاف کسی کی مدد کی تھی۔ آپ کو ان کے عہد کو مکمل کرنے کا حکم دیا۔

❖ ایک قسم کے ساتھ کسی قسم کا عہد نہ تھا نہ ہی انہوں نے آپ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ ان کا مطلق عہد تھا۔ رب تعالیٰ نے

آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کے لیے چار ماہ کی مدت متعین فرمادیں۔ جب چار ماہ گزر جائیں تو ان کے ساتھ جہاد کریں۔ یہ چار ماہ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہیں:

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ - (التوبہ: ۵)

ترجمہ: ”پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو۔“

یہ مہینے لوگوں میں مشہور ہیں۔ ان کی ابتداء اس دن سے ہوئی جس دن یہ اعلان کیا گیا تھا۔ یہ دسویں ذی الحجہ تھی۔ یہ حج اکبر کا دن تھا جس میں یہ اعلان ہوا۔ اس کا آخری دن ربیع الآخر کی دسویں تاریخ تھی۔ ان سے مراد وہ چار ماہ نہیں جو رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہیں۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ - (التوبہ)

ترجمہ: ”بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے کتاب الہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔“

ان میں سے ایک تنہا ہے اور تین لگا تار ہیں۔ یہ رجب، ذوالقعدة، ذوالحجہ اور محرم کے ماہ مقدس ہیں۔ ان ماہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو نکالنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ ممکن نہیں، کیونکہ یہ لگا تار نہیں ہیں۔ اس نے مشرکین کے لیے چار ماہ کی مدت کا تعین کیا۔ پھر آپ کو حکم دیا کہ ان مہینوں کے گزر جانے کے بعد آپ ان کے ساتھ جہاد کریں اس سے جہاد کریں جس نے آپ کے ساتھ عہد توڑا۔ جس کا عہد نہ تھا۔ یا جس کا مطلق عہد تھا اس کے لیے چار ماہ کی مدت کا تعین کیا۔ اس نے آپ کو حکم دیا کہ آپ معاہدہ کرنے والے کا عہد اس کی مدت تک مکمل کریں۔ ان سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ اس مدت میں کفر پر برقرار نہ رہے۔ آپ نے اہل ذمہ پر جزیہ لاگو کیا۔ معاہدے اور صلح کرنے والے اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ کفار و قسملوں میں منقسم ہو گئے۔

❖ اہل ذمہ۔ یہ امن سے تھے۔

❖ اہل حرب۔ یہ آپ سے خوفزدہ تھے۔

اہل زمین آپ کے بارے میں تین اقسام میں منقسم ہو گئے۔

❖ آپ پر ایمان لانے والے مسلمان۔

❖ آپ سے مصالحت کرنے والے بھی امن میں تھے۔

♦ آپ کے ساتھ جنگ کرنے والے۔ یہ خوفزدہ تھے۔

منافقین کے بارے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کا ظاہر قبول کر لیں اور ان کے باطن اللہ رب العزت کے سپرد کر دیں۔ آپ ان کے ساتھ علم اور دلیل سے جہاد کریں۔ آپ ان سے اعراض کریں۔ ان پر سختی فرمائیں۔ انہیں تنہائی میں بلیغ قول فرمائیں۔ آپ کو منع فرما دیا گیا کہ آپ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ آپ ان کی قبروں پر کھڑے نہ ہوں۔ آپ کو بتا دیا گیا کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا۔

تنبیہ

بعض ملحد کہتے ہیں کہ آپ کو تلوار اور قلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے آپ کو دلائل اور معجزات کے ساتھ مبعوث کیا گیا۔ آپ دس سال تک لوگوں کو حق کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن انہوں نے یہ دعوت قبول نہ کی۔ وہ کفر اور تکذیب پر ڈٹے رہے۔ پھر آپ کو جہاد کا حکم دیا۔ یہ اس عذاب کا عوض ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کو دیا جب انہوں نے اپنے رسل عظام ﷺ کی تکذیب کی۔



غزوات کی تعداد میں اختلاف

ابن سعد نے ابن اسحاق سے، ابن عقبہ اور محمد بن عمر نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ وہ غزوات جن میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت کی۔ ان کی تعداد ستائیس (۲۷) ہے۔ ایک قول انتیس (۲۹) کا ہے۔ جبکہ ایک اور قول چھبیس کا بھی ہے۔ یہ اس سیرت نگار کا قول ہے جس نے غزوۃ خیبر اور غزوۃ وادی القریٰ کو ایک غزوہ شمار کیا ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے غزوات کی تعداد ۲۵ لکھی ہے۔ حافظ عبدالغنی مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ قول مشہور ہے۔ ابن اسحاق، ابن عقبہ اور ابو معشر نے اسی موقف کا اختیار کیا ہے۔ ابو الفرج نے تصحیح میں، دمیاطی اور عراقی نے اسی قول کی تصحیح کی ہے۔ المورّد میں ہے کہ مؤلف حافظ عبدالغنی نے ان مذکورہ علماء سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ میں نے کسی سیرت نگار کو نہیں دیکھا جس نے ان علماء سے ان کے علاوہ روایت کیا ہو۔ پھر انہوں نے غزوات کے نام شمار کیے ہیں۔ جو درج ذیل ہے۔ غزوۃ الالباء۔ اسے وذان بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۃ بواط، غزوۃ سفوان، اسے بدر الاولیٰ بھی کہا جاتا ہے یہ کزربن جابر کی تلاش میں تھا۔ غزوۃ العشیرۃ، غزوۃ بدر الکبریٰ، غزوہ بنو سلیم۔ اسے غزوۃ قرقرۃ الکدر بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۃ السویق، غزوہ غطفان۔ اسے غزوۃ ذی امر بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۃ الفرع، غزوہ بنو قینقاع، غزوہ احد، غزوہ حمراء الاسد، غزوہ بنو نضیر، غزوہ بدر الاخیرۃ۔ اسے بدر الموعد بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۃ دوامۃ الجندل، غزوۃ بنو مصطلق، اسے غزوہ المرتسبع بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۃ خندق، غزوہ بنو قریظہ، غزوۃ بنو لحيان، غزوۃ الحدیبیہ، غزوہ ذی قرد، غزوہ خیبر، غزوہ ذات الرقاع، اسے غزوۃ محارب یا غزوہ بنو ثعلبہ کہتے ہیں۔ غزوۃ عمرة القضاء، غزوۃ فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف پھر غزوہ تبوک۔ بعض سیرت نگاروں نے ان میں تقدیم و تاخیر کی ہے۔ ان کی تفصیلات آ رہی ہیں۔

ابن اسحاق، ابن سعد اور ابن حزم اور ابن اثیر نے کہا ہے کہ حضرت سپہ سالار اعظم ﷺ نے نو غزوات میں قتال کیا۔ بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، فتح حنین اور طائف۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے غزوہ بنو نضیر، وادی قریٰ اور غلبہ میں قتال کیا۔ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ آپ نے آٹھ غزوات میں قتال کیا۔ انہوں نے قریظہ کو شمار نہیں کیا۔ انہوں نے اسے غزوۃ خندق کے ساتھ ملایا ہے کیونکہ یہ اس کے معاً بعد تھا۔ دیگر سیرت نگاروں نے اسے علیحدہ شمار کیا ہے کیونکہ یہ غزوۃ خندق میں کفار کی

ہزیمت کے بعد رونما ہوا تھا۔ انہوں نے طائف اور حنین کو ایک غزوہ شمار کیا ہے کیونکہ یہ اس کے فوراً بعد رونما ہوا ہے۔

امام مسلم نے حضرت بریدہ بن حصیب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ نے آٹھ غزوات میں قتال کیا۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ شاید انہوں نے غزوۃ الفتح کو ساقل کر دیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ اسے صلح کے ساتھ فتح کیا گیا تھا۔ جیسے امام شافعی نے لکھا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ سابقہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔“

الحافظ ابوالعباس حرانی نے ابن مطہر الرافض کے قول کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیرت نگاروں کے اس قول سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ نے ان غزوات میں بنفس نفیس قتال کیا تھا۔ جیسے کہ ان طلبہ نے سمجھا ہے جو آپ کے حالات کو اچھی طرح نہیں جانتے۔ آپ نے غزوۃ احد کے علاوہ کسی غزوہ میں خود قتال نہیں کیا۔ آپ نے ابی بن خلف کے علاوہ کسی کو اپنے دست اقدس سے نہیں مارا اسے اپنے دست اقدس سے نیزہ مارا۔“

میں کہتا ہوں ”سیرت نگاروں کے اس قول ”آپ نے فلان فلان غزوہ میں قتال کیا تھا“ سے مراد یہ ہے کہ ان غزوات میں آپ نے دشمن کے ساتھ قتال کیا تھا۔ ان میں آپ کی موجودگی میں آپ کے لشکر نے جہاد کیا تھا جبکہ بقیہ غزوات میں یوں نہ ہوا تھا۔ ان میں بالکل قتال ہوا ہی نہ تھا۔ لیکن الحافظ نے الفتح میں حضرت ابن عیینہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آٹھ غزوات میں بنفس نفیس قتال کیا تھا۔ میں نے مغازی ابن عقبہ کے صحیح نسخہ کی طرف رجوع کیا۔ اس میں تھا: ”ان غزوات کا تذکرہ جن میں آپ نے خود قتال کیا۔ آپ نے بدر..... میں قتال کیا۔ لیکن بارہ غزوات میں آپ نے قتال نہیں کیا۔ انہوں نے یہ تذکرہ نہیں کیا کہ آپ نے بنفس نفیس قتال کیا ہو۔ بعض نسخوں میں ہے کہ آپ نے اپنی کمان سے تیر برسائے حتیٰ کہ وہ پھٹ گئی۔ غزوہ احد کے روز آپ نے اپنی لخت جگر حضرت خاتون جنت فاطمہؓ کو اپنی تلوار عطا فرمائی اور فرمایا: ”اس سے خون دھودو“ حدیث مبارک میں ہے: ”جب ہم کسی لشکر سے نبرد آزما ہوتے تھے تو سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ تلوار چلاتے تھے۔“

سات بڑے بڑے غزوات ہیں۔ بدر، احد، خندق، خیبر، فتح، حنین، تبوک۔ ان غزوات کی شان میں قرآن پاک نازل ہوا۔ سورۃ الانفال کی بہت سی آیات غزوۃ بدر کے بارے، سورۃ آل عمران کی آیات غزوہ احد کے بارے، سورۃ الاحزاب کی آیات غزوۃ خندق اور قرینہ کے بارے، سورۃ الحشر غزوہ نصیر کے بارے، سورۃ الفتح کی آیات صلح حدیبیہ اور نصیر کے بارے نازل ہوئیں۔ اس میں فتح کی بشارت بھی دی گئی تھی۔ فتح کا تذکرہ سورۃ النصر میں غزوہ تبوک کے بارے سورۃ براءہ کی آیات نازل ہوئیں حضور اکرم ﷺ صرف غزوۃ احد میں زخمی ہوئے۔ غزوۃ بدر، احد اور حنین میں ملائکہ نے آپ کے ساتھ قتال کیا۔ غزوہ خندق میں ملائکہ اترے۔ انہوں نے مشرکین کو اکھیر پھینکا انہیں شکست سے دو چار کر دیا۔ آپ نے مشرکین کے چہروں

کی طرف مٹی پھینکی وہ بھاگ نکلے۔ غزوہ طائف میں آپ نے منجنیق کے ساتھ جہاد کیا۔ صرف ایک غزوہ میں آپ نے خندق کھودی۔ وہ غزوہ احزاب ہے۔ یہ مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

تنبیہات

خطیب بغدادی نے جامع میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت زین العابدین علی بن حسین بن امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہمیں حضور اکرم ﷺ کے غزوات ایسے ازبر کراتے جاتے تھے۔ جیسے قرآن پاک کی سورتیں یاد کرائی جاتی تھیں۔“ اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص زہری مدنی سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے: ”ہمیں والد گرامی حضور اکرم ﷺ کے غزوات یاد کراتے تھے اور آپ کے غزوات اور سرایا ہمیں بار بار سناتے تھے۔ وہ فرماتے تھے۔“ میرے نور نظر! یہ تمہارے آباء کرام کا شرف ہے اس کے ذکر کو ضائع نہ کرو۔“ امام زہری سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوات کے علم میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔“

ابن اسحاق، امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے عرض کی: ”حضور اکرم ﷺ نے کتنے غزوات میں شرکت کی؟“ انہوں نے کہا: ”انیس میں۔“ میں نے عرض کی: ”آپ کے ساتھ تم نے کتنے غزوات میں شرکت کی؟“ انہوں نے فرمایا: ”سترہ غزوات۔“ الحافظ نے لکھا ہے ”انیس غزوات سے مراد وہ غزوات ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے بنفس نفیس شرکت کی خواہ ان میں قتال کیا یا نہ کیا۔“ ابو یعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوات کی تعداد اکیس ہے۔ اس روایت کی اصل مسلم شریف میں موجود ہے۔ اس طرح حضرت زید بن ارقم نے دو کا تذکرہ نہیں کیا۔ شاید وہ غزوہ ابواء اور غزوہ بواط ہوں وہ ان کی کم عمری کی وجہ سے ان پر مخفی رہے ہوں۔ اس موقف کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے امام مسلم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے ”وہ پہلا غزوہ جس میں حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے وہ ذات العشرہ یا العشرۃ ہے“ حالانکہ العشرہ تیسرا غزوہ ہے۔“

ابن کثیر کا قول اس امر پر معمول کیا جائے گا کہ حضرت زید کے قول کو اس بات پر معمول کیا جائے گا کہ غزوہ العشرۃ وہ پہلا غزوہ ہے جس میں حضرت زید بن ارقم نے شرکت کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سوال ”وہ پہلا غزوہ کون سا ہے جس میں تم نے حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ شرکت کی۔“ انہوں نے فرمایا: ”العشرۃ“ اس کا بھی احتمال ہے کہ شاید اس سے بعد کے دو غزوات ان پر مخفی رہے ہوں۔ یا انہوں نے دو غزوات کو ایک غزوہ شمار کیا ہو جیسے حضرت موسیٰ بن

عقبہ نے کیا ہے۔ اسی طرح بعض سیرت نگاروں نے طائف اور حنین کو ایک غزوہ شمار کیا ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قریب قریب تھے۔ حضرت زید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے اقوال کو ابن سعد کی وسعت پر محمول کیا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تائیس غزوات میں شرکت کی۔ ان کے شیخ محمد بن عمر نے بھی ان کی تبع کی ہے۔ یہ ابن اسحاق کی تعداد کے برابر ہے۔ لیکن انہوں نے غزوہ وادی القریٰ کو خیبر سے جدا نہیں کیا۔ امام سہلی نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ گویا کہ چھ زائد غزوات کا تعلق اسی اعتبار سے ہے۔ اسی پر اس روایت کو محمول کیا جائے گا جسے امام عبدالرزاق نے صحیح سند سے حضرت ابن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس غزوات میں شرکت کی۔ سلمہ بن شیب کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسیب نے پہلے اٹھارہ اور پھر چوبیس غزوات بتائے۔ امام زہری لکھتے ہیں "میں نہیں جانتا کہ یہ شیخ کا وہم ہے یا انہوں نے اسی طرح سنا ہے" الحافظ نے لکھا ہے "اس احتمال سے وہم دور ہو جاتا ہے اور سارے اقوال جمع ہو سکتے ہیں۔"

غزوات کے بارے سب سے پہلے حضرت عروہ بن زبیر نے تالیف لکھی۔ یہ بہت بڑے تابعی تھے پھر موسیٰ بن عقبہ اور امام زہری نے ان کی اتباع کی۔ امام مالک علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "موسیٰ بن عقبہ کے بیان کردہ غزوات سب سے اصح ہیں۔" امام سہلی کا یہ قول کہ "امام زہری نے سب سے پہلے غزوات پر تالیف لکھی" درست نہیں ان کتب میں سے زیادہ جامع اور مشہور کتاب ابو بکر محمد بن اسحاق بن یسار کے غزوات ہیں۔ یہ عراق میں مقیم تھے۔ ان کی تالیف کے بارے ایک جماعت نے کلام کیا ہے۔ دوسری جماعت نے اس کی تعریف لکھی ہے۔ لیکن معتمد بات یہ ہے کہ وہ صدوق تھے تدلیس کرتے تھے۔ وہ جب کسی روایت کی صراحت کر دیں وہ حسن الحدیث ہوتی ہے۔ امام شافعی نے لکھا ہے کہ جو غزوات میں کمال حاصل کرنا چاہے وہ ابن اسحاق کی طرف رجوع کرے۔ اس ضمن میں ان گنت آئمہ نے ان پر اعتماد کیا ہے۔ ایک کثیر جماعت نے انہیں روایت کیا ہے۔ بعض نے ایسے امور کا اضافہ کیا ہے جو دوسرے نے نہیں کیا۔ ابن ہشام نے ابو محمد زیاد بن عبداللہ کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ صدوق اور مغازی میں ثابت ہیں۔ ابن اسحاق کی روایات کے علاوہ دیگر روایات میں زمی ہے ان سے ابن ہشام نے روایت کیا ہے۔ ان کی تہذیب و تصحیح کی ہے۔ بہت سے اضافے کیے ہیں۔ بہت سی ایسی چیزوں کا اضافہ کیا ہے جو خالص ہیں۔ حتیٰ کہ اس کتاب کو ان کی طرف ہی منسوب کر دیا گیا ہے۔ علماء میں سے بہت سے آئمہ نے اس کتاب کی طرف توجہ کی ہے۔ امام ابو ذراہشی نے اس کے مشکل الفاظ کی شرح لکھی ہے۔ یہ مختصر ہے مگر بہت مفید ہے۔ امام سہلی نے مشکل الفاظ کی بہت زیادہ شرح لکھی ہے۔

امام ذہبی نے اس کا اختصار کیا ہے۔ اس کا نام ”بلبل الروض“ رکھا ہے۔ محمد بن احمد الکفیری دمشقی اور یحییٰ بن شیخ الاسلام اشمس کرمانی نے اس کو مختصر کیا ہے انہوں نے اپنی اپنی تالیف کا نام زہر الروض رکھا۔ علامہ شیخ عبد الدین نے اس کی شرح نور الروض لکھی۔ علامہ جمال الدین نے بھی اس کی شرح لکھی۔ لسان العرب ان ہی کی تالیف ہے۔ میں نے بعض احناف کو بھی دیکھا ہے انہوں نے اس کتاب پر مفید حاشیے لکھے ہیں۔ حافظ علاء الدین مغلطای نے روض اور سیرۃ پر ایک کتاب تالیف کی ہے جس کی دو جلدیں ہیں۔ انہوں نے امام سہلی کی کئی مقامات پر گرفت کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کی بہت بڑی شرح لکھی ہے۔ یہ بہت عظیم کتاب ہے علامہ مرجانی نے اسے مختصر کیا ہے اس کا نام رواج الزہر رکھا ہے۔ ابو احمد محمد بن عابد نے تین جلدوں میں اس کی شرح لکھی ہے۔ اس میں وہ فوائد ہیں جو ابن ہشام کی کتاب میں نہیں۔ ابو عثمان سعید بن یحییٰ نے ایک جلیل کتاب لکھی ہے۔ اس کی اکثر روایات ابن اسحاق سے مروی ہیں اس میں بہت سے اضافے بھی ہیں۔ امام واقدی نے غزوات میں ایک عظیم کتاب لکھی ہے ایک جماعت نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور دوسرے علماء نے اس میں کلام کیا ہے۔ معتمد یہ ہے کہ وہ متروک ہیں۔ یہ علم کا سمندر تھے۔ حافظ زبردست تھا۔ علماء میں سے آئمہ نے ان سے بہت سی روایات نقل کیں ہیں۔ امام اصفہانی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی کتاب ”الدلائل میں ان سے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔“

متاخرین میں سے ابن کثیر نے السیرۃ النبویہ میں، الحافظ نے الفتح میں اور شیخ نے خصائص الکبریٰ میں ان کی روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ میں نے ان کی کتاب کی ہے اور ان کی وہ روایات ذکر کیں ہیں جو مجھے ان کے علاوہ کسی اور سے نہیں ملیں۔ میں نے غزوہ حدیبیہ میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی روایت ان سے نقل کی ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ حضرت مقداد کی یہ روایت غزوہ بدر کے بارے ہے۔ کسی بھی سیرت نگار نے اس روایت کو غزوہ حدیبیہ میں ذکر کیا ہو۔ میں نے یہ روایت نقل کرنے سے اعراض کیا ہے۔ پھر میں نے ابن شیبہ کو دیکھا انہوں نے اپنی مصنف میں اسے امام واقدی کی سند کے علاوہ ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اس روایت کو حضرت عروہ بن زبیر سے نقل کیا۔ میں نے اسے نقل کرنے کے لیے استخارہ کیا۔ میں نے اس کے بعض فوائد کا ذکر کیا۔ حضرت ابو بکر خطیب نے کہا ہے ”یہ اپنے زمانہ میں علم کی انتہاء تھے۔ لیکن اس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی۔ جس کا تعلق حلال یا حرام کے ساتھ ہو۔ بلکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سرایا پر مشتمل تھے۔ جن سے اہل محبت کے دلوں کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ اس باب میں علماء نے اتنی کتابیں رقم کیں ہیں جن کا کوئی شمار نہیں میں عنقریب ایسے امور کا تذکرہ کروں گا جن سے میلہ آگاہ ہوا ہوں۔“

شیخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے ”ابو الحسن البکری کی سیرت پر بطلان اور کذب غالب ہے اس کو پڑھنا درست نہیں۔“ میں کہتا ہوں کہ ان بکری کا نام احمد بن عبد اللہ بن محمد ہے۔ امام ذہبی نے اپنی کتاب المیزان اور حافظ ابن حجر نے اللسان میں لکھا ہے کہ یہ کذاب اور دجال تھا۔ یہ ایسے قصے گھڑتا تھا جو کبھی رونما نہیں ہوئے تھے۔ یہ کتنا جاہل تھا۔ اس کی حیا کتنی قلیل تھی۔ اس نے ایک حرف بھی سند کے ساتھ روایت نہیں کیا۔ اس کی یہ کتابیں کم یاب ہیں۔ انتقال الانوار، رأس الغول، سر الدھر، کتاب کلندجہ، حض الدولاب، کتاب الحصون السبعة، الذر وہ فی السیرۃ النبویۃ اس کی مشہور تصنیف ہے۔ اس نے کسی ایک غزوہ کا تذکرہ بھی صحیح انداز میں نہیں کیا بلکہ جو کچھ ذکر کیا ہے یا وہ اصل سے ہی باطل ہے یا اس میں باطل اضافہ ہے۔

امام ذہبی نے ”المغنی“ میں لکھا ہے ”اس بکری کی روایت پر کوئی اعتماد نہیں ہے یہ مجہول الحال ہے دل گواہی دیتا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ جو واضح مصائب وہ لے کر آیا ہے وہ جھوٹے جھوٹے طلباء کے ہاں بھی رائج نہیں ہیں۔“



غزوة الالبواء

اسے غزوة ودان بھی کہا جاتا ہے۔ ابو عمرو نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ربیع الاول کے بقیہ ایام اور ماہ صفر تک مدینہ طیبہ میں جلوہ نما رہے ہجرت کے دوسرے سال آپ ماہ صفر میں اس غزوة کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے علم اسلام تھا ماہ ہوا تھا۔ اس علم کارنگ سفید تھا۔ ابو سعد اور ابو عمرو کے مطابق آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ کے ہمراہ مہاجرین صحابہ کرام تھے اس مہم میں ایک انصاری صحابی بھی نہ تھا۔ آپ قریش کے کارواں کے لیے روانہ ہوئے۔ لیکن وہ بیچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ آپ نے بنو ضمرہ کے سردار کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ابن سعد اور ابو عمرو نے اس کا نام محشی بن عمرو ضمیری لکھا ہے۔ ابن حزم نے الجمرہ میں اس کا نام عمارۃ بن محشی لکھا ہے۔

آپ نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا کہ نہ تو مسلمان بنو ضمرہ پر اور نہ ہی بنو ضمرہ مسلمانوں پر لشکر کشی کریں گے۔ نہ وہ آپ کے خلاف لشکر کشی کریں گے نہ ہی آپ کے دشمن کی مدد کریں گے۔ آپ کے اور ان کے مابین یہ معاہدہ طے پایا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

”یہ تحریر (حضور جان کائنات) محمد عربی ﷺ کی طرف سے بنو ضمرہ کے لیے ہے ان کے اموال اور جانیں محفوظ ہوں گی۔ اگر دشمن ان پر حملہ کر دے تو ان کی نصرت کی جائے گی۔ سوائے اس کے کہ وہ دین الہی میں جنگ کریں۔ جب تک سمندر صوف کڈ کر تار ہے گا یہ معاہدہ برقرار رہے گا۔ نیز یہ کہ جب بھی حضور اکرم ﷺ انہیں اپنی نصرت کے لیے پکاریں گے۔ وہ آپ کی صدا پر لبیک کہیں گے۔ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کا ذمہ ہے جو ان پر حملہ کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی۔ خواہ وہ نیک اور متقی ہو۔“

پھر حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ اس مہم میں پندرہ روز صرف ہوئے۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں جان کائنات ﷺ نے بنفس نفیس شرکت کی۔

غزوة بواط

حضور اکرم ﷺ ربیع الاول میں اس غزوة کے لیے تشریف لے گئے ہجرت کو تیرہ ماہ گزر چکے تھے۔ یہ ابن سعد کا قول ہے لیکن ابو عمرو اور ابن حزم نے لکھا ہے یہ غزوة ربیع الآخر میں رونما ہوا تھا۔ اس میں دو سو مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کی تھی۔ آپ کا سفید جھنڈا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اٹھایا ہوا تھا۔ ابن سعد کے مطابق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ جبکہ ابن ہشام اور ابو عمرو نے حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے العیون، الاشارة اور المورد میں یہی مرقوم ہے۔ آپ قریش کے قافلہ کے قصد سے نکلے تھے۔ اس کا قائد امیہ بن خلف تھا۔ اس کارواں میں قریش کے ایک سو افراد تھے۔ جبکہ یہ کارواں اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ آپ ﷺ بواط کے مقام تک پہنچے قافلہ آگے جا چکا تھا آپ مدینہ طیبہ واپس لوٹ آئے۔

تنبیہ

”الروض الالف“ میں ہے کہ ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت سائب بن مظعون کو مقرر کیا یہ عثمان بن مظعون کے بھائی تھے پھر انہوں نے لکھا ہے ”سائب بن عثمان ان کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے غزوة بدر میں شرکت کی۔ ان کے کلام کا تقاضا ہے کہ نیابت کے فرائض حضرت سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیے تھے۔ سائب بن عثمان بن مظعون نے نہیں۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ السیرة کے نسخہ میں ہے ”سائب بن عثمان بن مظعون“



پانچواں باب

غزوہ سفوان - غزوہ بدر الاولیٰ

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ غزوۃ العشرۃ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے کچھ راتیں ہی مدینہ طیبہ میں بسر فرمائی ہوں گی۔ یہ راتیں دس سے زائد نہ تھیں۔ ابن حزم نے لکھا ہے ”اس غزوہ کے دس روز بعد حضور اکرم ﷺ رجب الاول کے ماہ مبارک میں اس غزوہ کے لیے عازم سفر ہوئے۔ ہجرت کے تیرہ ماہ گزر چکے تھے۔ آپ کرز بن جابر فہری کے تعاقب میں نکلے کیونکہ اس نے مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر حملہ کیا تھا۔ الجماء اور اس کے ارد گرد مسلمانوں کے جانور چرتے تھے۔ اس غزوہ میں علمبردار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ علم سفید رنگ کا تھا۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں اپنا نائب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ آپ کرز کے تعاقب میں نکلے۔ آپ سفوان تک پہنچ گئے۔ یہ جگہ مقام بدر کے قریب ہی ہے آپ نے کرز کو نہ پایا۔ آپ واپس آگئے لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

تنبیہ

ابن سعد اور زبیر بن جیش نے اس غزوہ کا تذکرہ غزوۃ العشرۃ سے پہلے کیا ہے جبکہ ابن اسحاق نے اس کا تذکرہ غزوہ العشرۃ کے بعد کیا ہے۔



غزوة العشرة

ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جمادی الآخر میں اس غزوة کے لیے عازم سفر ہوئے۔ آپ کی ہجرت کو سولہ ماہ بیت چکے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ جمادی الاولیٰ میں اس غزوة کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ آپ کا جھنڈا سفید تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔ آپ نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد کو اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ ۱۵۰ صحابہ کرام کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ بعض سیرت نگاروں نے مجاہدین کی تعداد دو سو مقرر کی ہے۔ آپ نے کسی کو نکلنے پر مجبور نہ کیا۔ مسلمانوں کے ہمراہ تیس اونٹ تھے وہ ان پر باری باری سوار ہو رہے تھے۔ آپ قریش کے قافلہ کی نیت سے نکلے۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ ایک کارواں مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہو چکا ہے جو شام کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ قریش نے اس کارواں کے لیے اپنے اموال جمع کیے تھے۔ آپ یثرب کی وادی میں العشرة کے مقام تک پہنچے۔ اس وقت یہ کارواں آگے نکل چکا تھا۔ یہ وہی کارواں تھا جس کے تعاقب میں آپ اس وقت نکلے جب یہ شام سے واپس آرہا تھا۔ اس کی وجہ سے غزوة بدر رونما ہوا۔

ابو عمرو لکھتے ہیں "آپ ملل کے رستے سے العشرة کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ جمادی الاولیٰ کے بقیہ ایام اور جمادی الآخرہ کے کچھ ایام وہیں قیام پذیر رہے۔ آپ نے بنو مدج اور ان کے صنعاء سے معاہدہ کیا۔ ان کا تعلق بنو ضمرہ کے ساتھ تھا۔ پھر آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس غزوة میں آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کی کنیت عطا کی تھی۔ تفصیلات بعد میں آئیں گی۔



غزوة بدر الكبرى

اس غزوة کو غزوة بدر العظمیٰ، بدر القتال اور یوم الفرقان بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ ابن جریر، ابن منذر نے لکھا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے حاکم نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس غزوة میں حق اور باطل کے مابین فرق کیا تھا۔ یہ ایک عظیم واقعہ تھا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی۔ کفر اور اس کے اہل کو دور کیا اس میں کثیر علامات اور مشہور دلائل جمع کیے تاکہ وہ امر متحقق ہو سکے جس کا وعدہ رب تعالیٰ نے دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کیا تھا۔ اور اس چیز کی خبر دی کہ مسلمانوں کا میلان لشکر کفار کو چھوڑ کر قافلہ کی طرف تھا۔ جنگ کے وقت بارش آجانا مسلمانوں کے لیے نعمت اور طاقت کا سبب تھا۔ یہ کفار کے لیے آزمائش اور انتقام تھا۔ یہ رب تعالیٰ کی مسلمانوں کے لیے ایک امداد تھی۔ جو اس نے آسمانی لشکر سے کی تھی۔ حتیٰ کہ انہوں نے ان کی آوازیں سنیں جب انہوں نے کہا: ”حیزوم! آگے بڑھو۔ انہوں نے دیکھے کہ سر کسی ضرب اور چوٹ کے بغیر ہی دھڑوں سے جدا ہو رہے تھے۔ انہوں نے ابو جہل وغیرہ پر کوڑوں کے نشانات دیکھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف سنگریزے اور مٹی پھینکی حتیٰ کہ یہ سارے لشکر کے لیے کافی ہو گئی۔ مشرکین کو مسلمانوں کی نگاہوں میں کم کر دکھایا تاکہ ان کا خوف کم ہو سکے۔ وہ لڑائی پر بہادر ہو سکیں۔ آپ نے مشرکین کی قتل گاہوں کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ فلاں کی قتل گاہ ہے یہ فلاں کی قتل گاہ ہے۔“ پھر مسلمانوں نے مشرکین کو اسی طرح قتل ہوتے دیکھا جیسے آپ نے فرمایا تھا۔ آپ نے عقبہ بن ابی معیط سے فرمایا تھا ”اگر میں نے تجھے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں سے باہر پالیا تو میں تجھے قتل کر دوں گا“ رب تعالیٰ نے آپ کا یہ فرمان سچ کر دکھایا۔ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس سونے کے بارے بتا دیا جو انہوں نے وقت روانگی حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا کو دیا تھا۔ حضرت عباس کا آپ کی صداقت کے بارے اور نبوت کی حقیقت کے بارے شبہ زائل ہو گیا۔ انہیں اس معاملہ میں بصیرت اور یقین حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس نے فرمایا:

إِنَّ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ۔ (الانفال: ۷۰)

ترجمہ: ”اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا۔“

حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو بیس اوقیہ سونے کے عوض بیس غلام عطا کیے جو ان کے مال کے ساتھ ان کی تجارت کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو آگاہ فرمادیا کہ عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ کیسے بنایا تھا۔ رب تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا۔ اس کی وجہ سے حضرت عمیر کو دولت اسلام نصیب ہوئی۔ وہ مکہ مکرمہ کی طرف اسلام کے داعی بن کر لوٹ گئے۔ ان کے علاوہ دیگر نشانیاں اور معجزات جو رب تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو عطا کیے تھے۔ اہل ایمان نے انہیں دیکھا تو ان کے یقین اور بصیرت میں اضافہ ہو گیا۔

آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ واپس لوٹادی حالانکہ وہ ان کے رخساروں پر بہہ لگی تھی۔ صحیح روایت کے مطابق یہ معجزہ غزوہ احد میں رونما ہوا تھا۔ غزوہ بدر الکبریٰ سارے مشاہد سے زیادہ مکرم و معزز ہے۔

سبب

حضور اکرم ﷺ نے سنا کہ ابوسفیان شام سے ایک کارواں لے کر واپس آرہا ہے جو ایک ہزار اونٹ پر مشتمل ہے۔ اس میں بڑے بڑے لوگوں کے اموال ہیں قریش کے خاندان کے ہر فرد نے اس میں سرمایہ کاری کی تھی۔ اس میں پچاس ہزار دینار کی سرمایہ کاری کی گئی تھی۔ بعض نے یہ رقم اس سے کم لکھی ہے۔ ابن عقبہ اور ابن عائد نے لکھا ہے کہ اس کارواں میں ستر افراد تھے۔ ابن اسحاق نے تیس یا چالیس افراد کا قول کیا ہے۔ ان میں مخزمہ بن نوفہ اور عمرو بن عاص جیسی شخصیات بھی تھیں۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کارواں کے تعاقب آپ روانہ ہوئے تھے حتیٰ کہ جب آپ العشرۃ تک پہنچے تو یہ کارواں آگے نکل گیا۔

آپ نے صحابہ کرام کو اپنے ہمراہ نکلنے کے لیے فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ قریش کا کارواں ہے۔ اس میں ان کے اموال ہیں نکلو۔ شاید رب تعالیٰ تمہیں یہ بطور مالِ غنیمت عطا فرمادے۔“ صحابہ کرام نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ بعض حضرات نے سامان لیا۔ بعض نے نہ لیا۔ بہت سے لوگ آپ کے پیچھے رہ گئے۔ جو پیچھے رہ گئے تھے آپ نے ان پر ملامت نہ کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا گمان نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کو جنگ کرنا پڑے گی۔ آپ نے صحابہ کرام کو جمع کرنے کا اہتمام بھی نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”جس کی سواری موجود ہو وہ ہمارے ہمراہ اس پر سوار ہو جائے۔“ صحابہ کرام نے اپنی وہ سواریاں لانے کی اجازت طلب کی جو مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں تھیں۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں! جس کی سواری ادھر موجود ہو وہ آجائے۔“ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سواری کے لیے چالیس اونٹ پیش کیے۔ آپ نے اپنی روانگی سے دس روز قبل حضرت طلحہ بن

عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو شام کے رستہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ کارواں کی خبر کے بارے ٹوہ لگائیں۔ وہ خوار کی زمین تک پہنچے۔ وہ حضرت کثیر بن مالک الجہنی کے ہاں فروکش ہوئے۔ انہوں نے ان کو پناہ دی۔ انہیں مخفی رکھا حتیٰ کہ کارواں گزر گیا۔ پھر وہ عازم سفر ہوئے۔ ان کے ہمراہ حضرت کثیر بھی تھے وہ ان کے محافظ تھے۔ وہ انہیں ذوالمرود تک لے آئے۔ وہ آگے نکل آئے تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کارواں کے بارے بتائیں۔ انہوں نے پایا کہ آپ عازم سفر ہو چکے تھے۔ جب آپ نے ینبع کا علاقہ فتح کیا تو یہ حضرت کثیر کو عطا فرما دیا۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے پاس بہت کچھ ہے یہ علاقہ میرے بھتیجے کو عنایت فرما دیں۔“ آپ نے انہیں دے دیا۔ ان سے عبد الرحمان بن سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما نے وہ خرید لیا۔ (عمر بن شبہ)

ابوسفیان نے زرقاء کے مقام پر جذام کے ایک شخص کو پایا۔ اس نے بتایا کہ آتی دفعہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے کارواں پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن تیرا کارواں بچ نکلا تھا۔ اب آپ تیرے کارواں کی واپسی کے منتظر ہیں۔ آپ نے رستہ کے لوگوں سے معاہدے بھی کر لیے ہیں۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی خوفزدہ ہو کر آگے عازم سفر ہوئے ابوسفیان حجاز کے قریب آیا تو مختلف خبروں کی ٹوہ لینے لگا۔ وہ جس کارواں سے ملتا اسے اس امر کے بارے پوچھتا۔ حتیٰ کہ ایک کارواں نے اسے بتایا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لیے اور تیرے کارواں کے لیے صحابہ کرام کو ترغیب دی ہے۔ اس وقت وہ محتاط ہو گیا۔ اس نے مضمم بن عمرو غفاری کو دس مشقال دیے اسے مکہ مکرمہ بھیجا اس نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے۔ اپنا کجاوہ الٹا کر دے اپنی قمیص آگے اور پیچھے سے پھاڑ دے۔ قریش کے پاس جائے انہیں ان کے مال کی حفاظت پر ابھارے۔ یہ انہیں بتائے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کارواں پر حملہ کرنے کے لیے عازم سفر ہو چکے ہیں۔ مضمم جلدی سے مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہو گیا اور اس نے اسی طرح کیا جس طرح ابوسفیان نے اسے کہا تھا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

ابن اسحاق، امام بیہقی، موسیٰ بن عقبہ نے حضرت عکرمہ، ابن عباس اور عروہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”مضمم کو قریش کے پاس آنے میں ابھی تین روز باقی تھے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب نے خواب دیکھا۔ انہوں نے یہ خواب عظیم سمجھا۔ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عباس کی طرف پیغام بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”میرے بھائی! میں نے آج رات خواب دیکھا ہے اس نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے تمہاری قوم کو کسی مصیبت اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑے گا۔“ انہوں نے پوچھا: ”کیا خواب تھا؟“ انہوں نے کہا: ”بھائی! میں اس وقت تک تمہیں نہ بتاؤں گی حتیٰ کہ تم وعدہ کرو تم اس کا ذکر کسی سے نہ کرو گے“

اگر لوگوں نے یہ خواب سن لیا تو وہ ہمیں اذیت دیں گے۔ اور ہمیں ناپسندیدہ باتیں سنائیں گے۔“ حضرت عباس نے ان سے وعدہ کیا۔ انہوں نے کہا: ”میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا ہے وہ الالیح کے اوپر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا ہے وہ اپنی بلند آواز سے چلایا ہے“ اے دھوکا بازو! تین روز کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف نگو۔ اس نے تین چیخیں ماری ہیں۔ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ اس کے ارد گرد جمع تھے پھر وہ اپنے اونٹ کو لے کر مسجد میں داخل ہو گیا۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے پھر میں نے دیکھا کہ اس کا اونٹ خانہ کعبہ کے اوپر چڑھ گیا اس نے تین چیخیں ماریں۔ اس نے کہا ”اے فریبو! تین روز کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آؤ۔“ پھر اس نے ایک عظیم چٹان کو پکڑا اور اسے جو سے اکھیر پھینکا اسے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے لڑھکا دیا۔ وہ چٹان نیچے گرنے لگی۔ وہ تیزی سے نیچے آئی۔ جب وہ پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو پھٹ گئی۔ تمہاری قوم کا ایک گھر بھی نہ رہا مگر اس میں اس کا ایک ٹکڑا گرا۔“ حضرت عباس نے کہا: ”بخدا! یہ ایک ہولناک خواب ہے۔ اسے مخفی رکھو۔“ عاتکہ نے کہا: ”تم بھی اسے مخفی رکھنا اگر یہ خواب قریش تک پہنچ گیا تو وہ ہمیں اذیت دیں گے۔“ حضرت عباس وہاں سے نکلے۔ وہ ولید بن عتبہ سے ملے۔ اس سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ یہ خبر مکہ مکرمہ میں پھیل گئی۔ حتیٰ کہ قریش اپنی محافل میں اس کا تذکرہ کرنے لگے۔

حضرت عباس نے کہا: ”میں بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے گیا۔ قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ ابو جہل وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ عاتکہ کے خواب کے بارے باتیں کر رہے تھے۔ ابو جہل نے جب مجھے دیکھا تو اس نے مجھے کہا ”اے بنو عبد المطلب! تم میں یہ نبیہ کب سے پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے پوچھا ”کیا مراد ہے؟“ اس نے کہا: ”عاتکہ کا خواب“ میں نے پوچھا: ”اس نے کیا دیکھا؟“ اس نے کہا: ”بنو عبد المطلب! کیا تم اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ تمہارے مرد نبوت کا دعویٰ کریں حتیٰ کہ تمہاری خواتین بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں۔“ ابن عقبہ کے الفاظ یہ ہیں ”بنو ہاشم! کیا تم مردوں کے جھوٹ پر راضی نہ ہوئے حتیٰ کہ تم اپنی خواتین کے جھوٹ بھی ہمارے پاس لانے لگے۔ ہم اور تم دو دوڑنے والے گھوڑوں کی طرح تھے۔ ہم نے بزرگی میں مقابلہ کیا۔ جب کارواں باہم مقابلہ کرنے لگے تو تم نے کہہ دیا ”ہم میں سے نبی ہے۔“ پھر کچھ باقی نہ رہا حتیٰ کہ تم کہو ”ہم میں سے نبیہ بھی ہے میں قریش کے کسی گھر کو نہیں جانتا جس کے مرد اور عورتیں تمہارے مردوں اور عورتوں سے زیادہ جھوٹے ہوں۔“ اس نے انہیں بہت اذیت دی۔ عاتکہ نے اپنے خواب میں دیکھا ہے کہ اس شخص نے کہا ہے کہ تم تین ایام کے اندر اندر نگو ہم تین ایام کا انتظار کریں گے اگر یہ سچ ہو تو یہ رونما ہو جائے گا اگر تین دن گزر گئے اور اس میں سے کچھ بھی رونما نہ ہوا ہم تمہارے خلاف نوشتہ لکھ دیں گے کہ تمہارا گھرانہ اہل عرب کے سارے گھرانوں سے جھوٹا ہے۔“

حضرت عباس نے کہا: ”بخدا! مجھے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ سوائے اس کے کہ میں نے عاتکہ کے خواب کا

انکار کر دیا۔ میں نے انکار کر دیا کہ عاتکہ نے کوئی خواب دیکھا ہو۔“

ابن عقبہ نے یہ اضافہ کیا ہے ”حضرت عباس نے ابو جہل سے کہا ”کیا تو رکتا ہے یا نہیں۔ جھوٹ تجھ میں ہے تیرے گھرانے میں ہے۔“ حاضرین محفل نے کہا: ”ابو الفضل! آپ جاہل نہیں ہیں۔ نہ احمق ہیں۔“ ابن عاتکہ نے یہ اضافہ کیا ہے۔ حضرت عباس نے کہا: ”اے بزدل! ذرا نرمی کر۔“ جب اس فاسق تک یہ خبر پہنچی تو حضرت عباس کو عاتکہ سے بہت سی باتیں سننی پڑیں۔

حضرت عباس نے کہا: ”شام کے وقت بنو عبدالمطلب کی ہر خاتون میرے پاس آئی۔ اسنے کہا: ”یہ خبیث تمہارے مردوں پر الزام لگاتا رہا تم نے برداشت کر لیا۔ اب وہ تمہاری خواتین پر بھی الزام لگانے لگا ہے۔ یہ سن کر بھی تمہاری غیرت نہ جاگی۔“ میں نے کہا: ”بخدا! اب اس سے بڑھ کر کوئی امر نہیں کہ میں اس کے پاس جاؤں۔ اگر اس نے دوبارہ یہ بکواسات کیے تو تمہاری طرف سے اسے کافی ہو جاؤں۔“ میں اس خواب کے تیسرے روز بعد نکلا میں غضبناک اور غصے سے لبریز تھا۔ میں نے سمجھا کہ میری طرف سے اسے کسی ایسے امر کا سامنا نہیں کرنا پڑا جسے میں پسند کرتا تھا کہ اسے سامنا کرنا پڑے۔ میں مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے اسے دیکھ لیا، بخدا! میں اس ارادہ سے اس کی طرف جا رہا تھا کہ میں اس کے ساتھ تعرض کرتا ہوں۔ تاکہ اگر وہ وہی باتیں دہرائے تو میں اس پر حملہ کر دوں۔ وہ ایک پھرتیلا، تھیکے نقوش والا تیز زبان اور تیز نظروں والا انسان تھا۔ وہ مسجد کے دروازے کی طرف نکلا تو دوڑنے لگا۔ میں نے دل میں کہا ”اس لعنتی کو کیا ہوا ہے؟ کیا وہ اس خوف سے بھاگ رہا ہے کہ میں اسے گالی گلوچ نہ کروں۔ اس نے وہ کچھ سن لیا تھا۔ جسے میں نہیں سن سکا تھا۔ اس نے ضمضم کی آواز سن لی تھی۔ وہ وادی کے دامن میں اپنے اونٹ پر کھڑے ہو کر چیخ رہا تھا۔ اس نے اس کی ناک کاٹ دی تھی۔ اس کا کجاوہ الٹا کر دیا تھا۔ اپنی قمیص چاک کر دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ”اے گروہ قریش! اے بنو لوی بن غالب! کارواں! کارواں! تمہارے وہ اموال جو ابوسفیان کے ہمراہ ہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ان پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اسے پاسکو گے۔ مدد! مدد! بخدا! میں نہیں سمجھتا کہ تم اسے پاسکو گے“ یہ سن کر قریش بہت گھبرا گئے۔ وہ عاتکہ کی خواب سے ڈر گئے اس معاملہ نے مجھے ابو جہل سے اور اس کو مجھ سے غافل کر دیا۔ عاتکہ نے یہ اشعار کہے:

الم تکن الرویا بحق و جاء کم
بتصدیقها فل من القوم هارب
فقلتم. ولم اکذب. کذبت ورجلا
یکذبنا بالصدق من هو کاذب

ترجمہ: ”کیا یہ میرا خواب سچا نہیں تھا۔ کیا بھاگنے والے شکست خوردہ اس کی تصدیق کے لیے تمہارے پاس نہیں آئے۔ میں جھوٹی نہیں تھی لیکن تم نے کہا ”تو نے جھوٹ بولا ہے۔ سچ کے ساتھ اس شخص نے

ہماری تکذیب کی ہے جو جھوٹا تھا۔“

لوگوں نے جلدی جلدی تیاری کی۔ اس نے کہا: ”کیا محمد عربیؐ اور ان کے صحابہ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ حضری کے کارواں کی طرح کارواں ہے۔ ہرگز نہیں۔ بخدا! انہیں کسی دوسری صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔“ لوگ دو گروہوں میں منقسم تھے یا وہ خود روانہ ہونے والے تھے یا اپنی جگہ کسی کو بھیجنے والے تھے۔ تین ایام میں انہوں نے تیاری کر لی۔ ایک روایت دو دنوں کی بھی ہے۔ ان کے قوی نے کمزور کی مدد کی۔ سہیل بن عمرو، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی اور حنظلہ بن ابی سفیان لوگوں کو روانگی پر ابھار رہے تھے۔ سہیل نے کہا: ”اے آلِ غالب! کیا تم محمد عربیؐ ان کے صابی ساتھیوں اور اہل یشرب کو اسی طرح چھوڑ دو گے کہ وہ تمہارے کارواں اور اموال پکڑتے رہیں جو مال لینے کا خواہاں ہو یہ میرا مال حاضر ہے جس کے پاس قوت نہیں میری قوت حاضر ہے۔“ امیہ بن ابی صلت نے اشعار کہہ کر اس کی تعریف کی۔ نوفل بن معاویہ قریش کے قوی لوگوں کے پاس گیا۔ انہیں ترغیب دی کہ وہ ان لوگوں کا خرچہ برداشت کریں جو عازم سفر ہوں۔ عبد اللہ بن ابی ربیعہ نے کہا: ”یہ پانچ سو دینار ہیں انہیں جہاں چاہو استعمال کر لو۔“ اس نے خویطب بن عبد العزیٰ سے دو سو دینار لیے۔ ان سے اسلحہ اور سواریوں میں استعمال کیا۔ طعیمہ بن عدی نے بیس اونٹ سواری کے لیے دیے۔ انہیں تقویت دی اور ان کے اہل خانہ کی اعانت کی۔ انہوں نے کسی ایسے شخص کو نہ چھوڑا جو روانگی کو ناپسند کرتا تھا وہ گمان کرتے تھے کہ یہ محمد عربیؐ اور ان کے صحابہ کرام کی صف میں ہوں گے اسے نہ کسی مسلمان نے چھوڑا جس کے اسلام کے بارے وہ جانتے تھے نہ ہی بنو ہاشم کے کسی فرد کو چھوڑا سوائے اس کے جس پر وہ تہمت نہیں لگاتے مگر سب کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ انہوں نے حضرات عباس بن عبد المطلب، طالب بن ابی طالب، عقیل بن ابی طالب اور دیگر افراد کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ قریش کا جو شخص پیچھے رہا تھا اس نے اپنی جگہ کسی کو بھیج دیا تھا۔ وہ ابولہب کے پاس گئے۔ اس نے خود جانے یا کسی کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو اپنی جگہ بھیجا۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ یہ اس کے چار سو درہم کے مقروض تھے۔ اس نے انہیں بھیجا اور یہ رقم معاف کرنے کا وعدہ کیا۔ ابولہب پیچھے رہا۔ وہ عاتکہ کے خواب کی وجہ سے خوفزدہ تھا۔ عاتکہ کے خواب نے گویا کہ اسے ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا۔ امیہ بن خلف، عقبہ، شیبہ، زمعہ، عمیر، حکیم بن حزام وغیرہم نے ہبل کے پاس قرعہ اندازی کی تھی۔ لیکن وہ تیر نکلے تھے جن پر جانے سے روکا گیا تھا۔ انہوں نے ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا لیکن ابو جہل نے انہیں اس رات سے پھیر دیا۔ جب امیہ بن خلف نے پیچھے رہ جانے کا عزم کر لیا۔ یہ ایک بزرگ اور عمر رسیدہ شخص تھا یہ بھاری بھر کم اور جسیم شخص تھا۔ عقبہ بن ابی معیط اس کے پاس آیا یہ مسجد میں اپنی قوم کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ عقبہ ایک چھوٹی سی انگیٹھی لے کر آیا۔ جس میں آگ اور بخور تھا۔ اس نے وہ اس کے سامنے رکھا اور کہا: ”ابو علی! یہ دھونی لو۔ تو عورتوں میں سے ہے۔“

اس نے کہا: ”اللہ تعالیٰ تجھے برباد کرے جو کچھ تو لے کر آیا ہے اسے برباد کرے۔“ پھر اس نے تیاری کی اور لوگوں کے ہمراہ نکلا۔ اس کے عازم سفر نہ ہونے کا سبب بعد میں بیان کیا جائے گا۔

ابلیس، سراقہ بن مالک کی شکل میں

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”جب قریش تیاری کر چکے انہوں نے روانگی پر اتفاق کر لیا۔ وہ طاقتور اور کمزور اونٹوں پر روانہ ہوئے۔ ان کے ہمراہ گانے والی لونڈیاں اور دف بھی تھے تو انہیں وہ عداوت یاد آگئی جو ان کے اور بنو بکر کے مابین تھی۔ انہوں نے کہا: ”ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور انہیں واپس آنا پڑے گا۔“ ابلیس سراقہ بن مالک کنانی شکل میں آیا۔ یہ بنو کنانہ کا سردار تھا اس نے کہا: ”میں تمہیں اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہارے بعد کنانہ کسی ایسے امر کا ارتکاب کریں، جو تمہیں ناپسند ہو۔“ یہ سن کر قریش تیزی سے عازم سفر ہو گئے۔ ان کی تعداد نو سو پچاس تھی۔ دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ سرداروں میں سے صرف ابولہب ہی پیچھے رہا تھا۔ انہوں نے اپنے ارد گرد کے قبائل بھی جمع کیے بنو عدی کے علاوہ قریش کے قبائل میں اور کوئی پیچھے نہ رہا۔ بنو عدی کا ایک شخص بھی شریک نہ ہوا۔ یہ لشکر اپنے شہر سے اس طرح نکلا جس طرح اللہ رب العزت نے فرمایا ہے۔

بَطْرًا وَرِثَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ (الانفال: ۷۴)

ترجمہ: ”اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کو دکھلاوے کے لیے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے۔“

ابن عقبہ اور ابن عامر نے لکھا ہے ”مشرکین روانہ ہوئے ان کے ہمراہ ابلیس بھی تھا۔ اس نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ بنو کنانہ اس کے پیچھے اس کی مدد کے لیے آرہے ہیں۔ اس نے کہا:

لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۗ (الانفال: ۴۸)

ترجمہ: ”کوئی غالب نہیں آسکتا تھا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں تمہارا۔“

ابلیس ان کے ساتھ ہی رہا حتیٰ کہ وہ انہیں میدان بدر میں لے گیا پھر انہیں چھوڑ گیا۔ اس کے بارے حضرت حسان

رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار لکھے تھے:

لَوْ يَعْلَمُونَ يَقِينُ الْعِلْمِ مَا سَارُوا

إِنِ الْخَبِيثُ لَمَنْ وَالِاهُ غَرَارُ

شَرُّ الْمَوَارِدِ فِيهِ الْخَزْيُ وَالْعَارُ

سَرْنَا وَ سَارُوا إِلَى بَدْرٍ لِحِينِهِمْ

دَلَّهِمْ بِغُرُورٍ ثُمَّ اسْلَبَهُمْ

وَقَالَ إِنِّي لَكُمْ جَارٌ فَاوردهم

ثم التقينا فولوا عن سراتهم من منجدين و من هم فرقة غار

ترجمہ: ”ہم روانہ ہوئے اور قریش بھی روانہ ہوئے وہ ہلاکت کے لیے بدر کی طرف روانہ ہوئے کاش وہ علم یقین کے ساتھ یہ جان لیتے کہ وہ خود روانہ نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ابلیس مکر و فریب کے ساتھ انہیں لے آیا پھر انہیں حوالے کر دیا۔ غیبت وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ دھوکہ باز دوستی لگا لے۔ اس نے انہیں کہا: ”میں تمہارا ضامن ہوں وہ انہیں بری گھاٹ پر لے آیا جہاں غم اور عار تھی۔ جب ہم ان کے ساتھ معرکہ آزما ہوئے تو اپنی چٹانوں سے ٹیلوں کی طرف بھاگ نکلے اور ایک گروہ نشیبی زمین کا قصد کیے ہوئے تھا۔“

”الامتناع“ میں ہے ”جب قریش مراظہر ان کے مقام پر اترے تو ابو جہل نے ایک اونٹ ذبح کیا۔ لشکر کے خیموں میں سے ہر ہر خیمہ کو اس کا خون لگا۔ ضمضم نے دیکھا کہ مکہ مکرمہ کی وادی نیچے سے لے کر اوپر تک خون سے بہہ پڑی ہے۔ مشرکین کے پاس دو سو گھڑ سوار تھے۔ چھ سو ذرہ پوش تھے۔ ان کے ہمراہ لونڈیاں تھیں جو دف بجاتی تھیں جس روز وہ مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے اس دن ابو جہل نے ان کے لیے دس اونٹ ذبح کیے۔ پھر عسفان کے مقام پر امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کیے۔ سہیل بن عمرو نے قدید کے مقام پر دس اونٹ ذبح کیے۔ وہ قدید سے سمندر کی طرف نکلے۔ وہاں چشموں کے پاس قیام کیا۔ درختوں کا سایہ حاصل کیا۔ اس روز عقبہ بن ربیعہ نے ان کے لیے دس اونٹ ذبح کیے۔ ابواء کے مقام پر منبہ اور نبیہ نے ان کے لیے دس اونٹ ذبح کیے۔ پھر وہ اپنا اپنا زادراہ کھانے لگے۔ وہ عشاء کے وقت جحفہ پہنچ گئے وہاں فروش ہوئے۔“

جہیم بن صلت کا خواب

امام بیہقی نے ابن شہاب سے اور ابن عقبہ نے حضرت عدوہ سے روایت کیا ہے کہ جب قریش جحفہ کے مقام پر فروش ہوئے تو ان میں ایک شخص تھا جسے جہیم کہا جاتا تھا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے سر رکھا تو اسے اونگھ آگئی۔ پھر گھبرا کر اٹھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”کیا تم نے وہ گھڑ سوار دیکھا ہے جو ابھی ابھی میرے سر پر کھڑا تھا۔ انہوں نے کہا: ”نہیں! اس نے کہا: ”ابھی ابھی میرے سر پر ایک سوار کھڑا تھا۔“ اس نے کہا: ”ابو جہل، عقبہ، شیبہ، زمعہ، ابو الجختری، امیہ بن خلف قتل ہو گئے۔ اس نے ان تمام سرداروں کے نام لیے جو غزوہ بدر میں مارے گئے تھے۔ پھر میں نے اسے دیکھا اس نے اپنے اونٹ کے حلق پر مارا پھر اسے لشکر میں بھیجا یا۔ لشکر کے خیموں میں سے ہر ہر خیمہ پر اس کا خون گرا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے کہا: ”تمہارے ساتھ شیطان کھیلا ہے۔ جب یہ بات ابو جہل تک پہنچی تو اس نے کہا: ”تم بنو مطلب کے جھوٹ کے ساتھ بنو ہاشم کے جھوٹ کو بھی ملا لائے ہو۔“

حضور اکرم، شفیق معظم ﷺ کی روانگی

حضور اکرم ﷺ ماہ رمضان المبارک میں عازم سفر ہوئے۔ ابن سعد نے لکھا ہے: ”ہفتہ کے روز آپ روانہ ہوئے۔ اس وقت رمضان المبارک کے بارہ روز گزر چکے تھے۔“ ابن ہشام نے لکھا ہے ”اس وقت رمضان المبارک کی آٹھ راتیں گزر چکی تھیں۔ براء بن عتبہ پر آپ نے لشکر روکا۔ یہ مدینہ طیبہ سے ایک میل دور ہے۔ آپ پر آپ کا لشکر پیش کیا گیا آپ نے بچوں کو واپس بھیج دیا۔ آپ نے حضرات عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اسید بن حضیر، زید بن ارقم، زید بن ثابت اور عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو واپس بھیج دیا۔ آپ نے حضرت عمیر کو واپس جانے کے لیے فرمایا۔ تو وہ رونے لگے۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ غزوہ بدر میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کی عمر سولہ برس تھی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ برسقیہ کا پانی پیئیں آپ نے خود بھی اس کا پانی پیا۔ سقیہ کے گھروں کے پاس نماز پڑھی۔ اس دن مدینہ طیبہ کے لیے یہ دعائی ”مولا! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، خلیل اور نبی تھے۔ انہوں نے اہل مکہ کے لیے دعائی تھی۔ میں محمد عربی (ﷺ) تیرا بندہ اور نبی ہوں میں تجھ سے اہل مدینہ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ تو ان کے صاع، مد اور پھلوں میں برکت ڈال دے۔ مولا! مدینہ طیبہ ہمیں محبوب بنا دے۔ اس کی و باء کو خم بھیج دے۔ مولا! میں دو سنگلاخ چٹانوں کی درمیانی جگہ کو حرم بناتا ہوں۔ جیسے تیرے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا۔“

خبیب بن اساف ایک شجاع اور بہادر انسان تھا۔ لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی قوم خزرج کی مدد اور مال غنیمت کے حصول کے لیے نکلا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: ”ہمارے ساتھ وہی روانہ ہو جو ہمارے دین پر ہو۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور بہادری کے جوہر دکھلائے۔ آپ اتوار کے روز سقیہ کے گھروں سے روانہ ہوئے۔ جب وہاں سے جانے لگے تو آپ نے یہ دعا مانگی ”مولا! یہ پیدل ہیں انہیں سواریاں عطا فرما۔ یہ عریاں ہیں انہیں کپڑے پہنا۔ یہ بھوکے ہیں انہیں سیر کر۔ یہ غریب ہے انہیں اپنے فضل سے غنی فرما۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”آپ نے پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا یہ پرچم سفید تھا۔ آپ کے سامنے دو جھنڈے بھی تھے ان میں سے ایک حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس تھا اسے عقاب کہا جاتا تھا۔ اس وقت ان کی عمر مبارک بیس سال تھی۔ دوسرا جھنڈا کسی انصاری صحابی کے پاس تھا۔“

ابن سعد نے لکھا ہے: ”مہاجرین کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر اور اوس کا

جھنڈا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ انہوں نے الہدیٰ میں یقین کے ساتھ ہی لکھا ہے۔“

ابو الفتح نے لکھا ہے ”مشہور یہ ہے کہ اس روز حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عرش میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔ جبکہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔“ میں کہتا ہوں ”عرش تو مقام بدر میں تھا۔ جبکہ جو کچھ ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ راستہ کی بات ہے۔ آپ نے نماز پر اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو الروحاء کے مقام سے واپس کر دیا اور انہیں مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ نے اپنی زرہ ذات الفضول پہن رکھی تھی۔ آپ نے وہ تلوار لٹکاری تھی جو حضرت سعد بن عبادہ نے آپ کو بطور تحفہ پیش کی تھی۔ اسے ”الغضب“ کہا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ستر اونٹ تھے وہ ان پر باری باری سوا ہو رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سوار تھے۔ دوسرے قول میں حضرت مرثد بن ابی مرثد کا تذکرہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت حمزہ، حضرت زید، حضرت ابوبکثہ اور حضرت انسہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہم ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضرت رفاعہ، حضرت خلاد اور حضرت عبید بن یزید ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ الروحاء کے مقام پر ان کا ایک اونٹ تھک کر بیٹھ گیا۔ وہ حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارا ایک اونٹ بیٹھ گیا ہے۔“ آپ نے پانی منگوایا اس میں وضو کیا کلی کی۔ پھر فرمایا: ”اس کا منہ کھولو“ انہوں نے اسی طرح کیا آپ نے وہ مبارک پانی اس کے منہ میں ڈال دیا پھر اس کی گردن اور سر پر ڈال دیا۔ پھر اس کے کولہو اور کولہان پر انڈیلے۔ پھر اس کے پچھلے حصے اور دم پر پانی انڈیل دیا۔ پھر فرمایا: ”اس پر سوار ہو جاؤ۔“ وہ آگے گزر گیا صحابہ کرام اسے پیچھے سے جا ملے ان کا اونٹ ان پر جھپٹ رہا تھا۔ جب وہ مدینہ طیبہ کی عید گاہ تک پہنچے وہ بدر سے واپس آ رہے تھے تو یہ اونٹ بیٹھ گیا۔ تو اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کر دیا گیا۔ (البرار الطہرانی)

امام احمد، ابن سعد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”بدر کے موقعہ پر ہم تین تین ایک اونٹ پر باری باری سوا کر رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ ایک اونٹ پر باری باری سوا کر رہے تھے۔“

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ سوار ہو جائیں۔ ہم پیدل چلتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”نہ تو تم چلنے پر مجھ سے زیادہ قوی ہو اور نہ ہی میں تم دونوں سے زیادہ اجر سے مستغنی ہوں۔“ البدایۃ اور الیعون میں ہے ”یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ نے مقام الروحاء سے حضرت ابولبابہ کو واپس نہیں کیا تھا۔ پھر آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ ہو گئے۔“

ابن عقبہ، ابن اسحاق، امام ذہبی اور ابن قیم نے لکھا ہے ”آپ کے ساتھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ تھے۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے۔“ مسلمانوں کے ہمراہ دو گھوڑے تھے۔ ایک گھوڑا حضرت مقداد بن اسود کا تھا۔ جسے بھ یا بعرجہ کہا جاتا تھا۔ دوسرا گھوڑا حضرت زبیر بن عوام کا تھا جسے اسیل یا یعسوب کہا جاتا تھا۔ ابن سعد نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں کے ہمراہ تین گھوڑے تھے ایک گھوڑا حضرت مرثد بن ابی مرثد الغنوی کا تھا جسے اسیل کہا جاتا تھا۔ آپ نے پیادہ دستہ پر امیر حضرت قیس بن ابی صعصعہ کو مقرر کیا۔ جب آپ سقیہ کے گھروں سے جدا ہوئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ صحابہ کرام کو گن لیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو برابری عنبرہ کے پاس جمع کیا اور انہیں شمار کیا۔ پھر آپ کو عرض کی کہ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ ہے۔ یہ سن کر آپ بہت مسرور ہوئے۔ فرمایا: ”حضرت طلوت کے ساتھیوں کی تعداد بھی اتنی تھی۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام تریبان پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے سعد! ہرن کو دیکھو اور تیر کمان میں رکھو۔ آپ اٹھے اور اپنی مبارک ٹھوڑی ان کے کندھوں اور کانوں کے مابین رکھ دی۔“ فرمایا: ”تیر پھینکو“ مولا! ان کی تیر اندازی کو درست فرما۔“ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تیر ہرن کی گردن سے خطا نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر آپ مسکرانے لگے۔ حضرت سعد دوڑ کر باہر نکلے ہرن پکڑ لیا۔ ابھی وہ زندہ تھا اسے ذبح کیا اور اٹھا لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا اور انہوں نے صحابہ کرام کے مابین تقسیم کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہو گئے جب عرق الطیبیہ کے مقام تک پہنچے تو ایک اعرابی ملا۔ آپ نے اس سے لوگوں کے بارے پوچھا۔ لیکن اس کے پاس کوئی خبر نہ تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے فرمایا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرو۔“ اس نے پوچھا: ”کیا تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول موجود ہیں؟“ صحابہ کرام نے فرمایا: ”ہاں! اس نے آپ کو سلام عرض کیا پھر کہا: ”اگر آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر بتائیں کہ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟“ حضرت سلمہ بن سلامہ نے کہا: ”یہ سوال آپ سے نہ کرو۔ میری طرف آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ تو نے اس کے ساتھ بد معاشی کی ہے اور اس کے پیٹ میں تیرا حمل ہے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو۔ تم نے اسے رسوا کر دیا ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حج پر نزول اجلال فرمایا۔ یہ روعاء کا کنواں تھا پھر عازم سفر ہو کر المنصر ف پہنچے آپ مکہ مکرمہ کے رستہ سے بائیں طرف ہٹ گئے۔ آپ النازیہ کے دائیں طرف چلے آپ بدر کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ آپ اس کے کونے پر چلے آپ نے الرحقان کی وادی عبور کی جو نازیہ اور الصفراء کی گھاٹی کے مابین ہے۔ جب صفراء کے قریب پہنچے تو آپ نے حضرت بسبس بن عمرو الجہنی اور حضرت عدی بن ابی الزعباء کو بدر کی طرف بھیجا۔ تاکہ وہ یوسفیان کے کارواں کے بارے خبریں حاصل کریں۔

روانگی کے وقت آپ نے ایک یا دو دن روزہ رکھا۔ پھر آپ کے منادی نے ندا دی۔ ”لوگو! میں روزہ افطار کر رہا

ہوں۔ تم بھی روزہ افطار کر دو۔“ پھر آپ آگے روانہ ہو گئے پھر الصفر آ پہنچے۔ یہ بستی دو پہاڑوں کے مابین ہے۔ آپ نے ان پہاڑوں کے نام پوچھے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: ”ایک کو مسلح اور دوسرے کو محزنی کہا جاتا ہے آپ نے مینوں کے بارے پوچھا تو عرض کی گئی: ”بنو النار اور بنو حراق“ حضور اکرم ﷺ نے ان کے درمیان سے گزرنا ناپسند کیا آپ نے ان کے ناموں سے فال پکڑی۔ آپ نے صفواء کو بائیں طرف چھوڑا۔ وادی ذفران کے دائیں طرف چلے آپ نے اسے عبور کیا۔ پھر اسی میں نزول اجلال فرمایا۔ آپ کو قریش کی روانگی کی خبر مل چکی تھی۔ تاکہ وہ اپنے قافلہ کی حفاظت کریں۔ آپ نے صحابہ کرام سے مشاورت کی پہلے مہاجرین نے گفتگو کی۔ انہوں نے بہت عمدہ گفتگو کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عمدہ گفتگو کی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی اور کہا کیا۔ حضرت مقداد بن الاسود نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے وہ کر گزریں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں بخدا! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے۔ جیسے حضرت موسیٰ کلیم اللہ ﷺ کی امت نے ان سے کہا تھا:

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ﴿۲۴﴾ (المائدہ: ۲۴)

ترجمہ: ”پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔“

بلکہ آپ بھی تشریف لے چلیں آپ کا رب تعالیٰ بھی چلے۔ آپ جہاد فرمائیں ہم آپ کے ساتھ جہاد کریں گے۔ ہم آپ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے جہاد کریں گے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمارے ساتھ برک الغماد تک بھی گئے تو ہم شمشیر زنی کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ جائیں گے۔“ ایسے عمدہ جذبات کا اظہار سن کر آپ بہت مسرور ہوئے آپ نے انہیں دعائے خیر سے نوازا۔

موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائد نے لکھا ہے ”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ قریش ہیں۔ یہ ان کا غلبہ ہے۔ جب سے انہیں عزت نصیب ہوئی ہے وہ ذلیل نہیں ہوئے۔ جب سے انہوں نے کفر کیا ہے وہ ایمان نہیں لائے۔ بخدا! وہ آپ سے ضرور جنگ کریں گے۔ آپ خوب تیاری کر لیں۔“ پھر آپ نے تیسری بار مشورہ طلب کیا انصار سمجھ گئے آپ کی مراد وہ ہیں۔ کیونکہ ان کی تعداد محدود تھی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! شاید آپ ہم سے پوچھ رہے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ آپ نے یوں اس لیے فرمایا تھا کیونکہ انہوں نے اس شرط پر آپ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی کہ وہ اپنے شہروں میں ہر سرخ و سفید سے آپ کا دفاع کریں گے۔ آپ نے ان کا موقف معلوم کرنے کے لیے یوں فرمایا۔ حضرت سعد نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی تصدیق کی۔ ہم نے گواہی دی کہ آپ پیغام حق لے کر تشریف لائے ہیں۔ ہم نے اس پر اپنے عہد اور

مواثیق دیے۔ اطاعت شعاری اور تسلیم خم کرنے کا عہد کیا۔ جو آپ کا ارادہ ہے آپ اسے کر گزریے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! شاید آپ کو یہ خدشہ ہے کہ انصار اپنے شہروں میں ہی آپ کا دفاع کریں گے۔ میں ان کی طرف سے عرض کر رہا ہوں۔ آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں۔ جس کے ساتھ چاہیں تعلق قائم فرمائیں جس کے ساتھ چاہیں قطع تعلق فرمائیں۔ ہمارے اموال میں سے جو چاہیں لے جائیں۔ جو چاہیں عطا فرمادیں۔ جو مال آپ لیں گے وہ ہمیں اس مال سے عزیز ہوگا۔ جو آپ چھوڑیں گے۔ آپ ہمیں بھی حکم دیں ہمارا معاملہ آپ کے حکم کے تابع ہوگا۔ اللہ کی قسم! اگر آپ روانہ ہو کر برک الغماد (البرک من غمدان من ذی یزن) تک تشریف لے چلیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ بخدا! اگر آپ ہمیں اس سمندر کے کنارے لے آئیں گے تو ہم آپ کے ساتھ اس میں چھلانگیں لگا دیں گے۔ بخدا! ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم کل دشمن سے ملاقات کرنا ناپسند نہیں کریں گے۔ ہم جنگ میں صبر کرتے ہیں۔ معرکہ آزمائی کے وقت سچ کر دکھاتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہم سے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام کرائے کہ آپ کی چشمان مقدس کو ٹھنڈک نصیب ہو۔ شاید آپ کسی ایک امر کے لیے نکلے ہیں رب تعالیٰ نے کسی دوسرے امر کو رونما کر دیا ہے۔ رب تعالیٰ کی برکت کے ساتھ ہمیں لے کر چلیں۔ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے لڑیں گے۔ ہم ان لوگوں کی طرح نہیں ہوں گے جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ﴿۲۳﴾ (المائدہ: ۲۳)

ترجمہ: ”پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔“

بلکہ آپ اور آپ کا رب تعالیٰ تشریف لے چلیں ہم آپ کے پیچھے پیچھے ہیں۔“

یہ سن کر آپ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ آپ حضرت سعد کی باتوں سے مسرور ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی برکت کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں بشارت ہو۔ رب تعالیٰ نے مجھے ان دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ بخدا! گویا کہ میں اب بھی قوم کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک جماعت نے دشمن کے ساتھ نبرد آزمائی کو ناپسند کیا۔“

ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا۔ انہیں یہ پسندیدہ تر تھا کہ وہ کارواں کے ساتھ معرکہ آزما ہوں۔ اس جگہ جنگ کی سختی کم تھی۔ آدمیوں کی تعداد محدود تھی۔ جب کارواں آگے گزر گیا۔ حضور اکرم ﷺ مسلمانوں کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ آپ مشرک قوم کا قصد کیے ہوئے تھے۔ ان کی سطوت و شوکت کی وجہ سے بعض مسلمانوں نے ان کی طرف جانا ناپسند کیا۔“

ابن ابی حاتم اور ابن مردودہ نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب ہم ایک یا دو دن چلے تو حضور اکرم ﷺ نے ہمیں فرمایا: ”مشرک قوم کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟“ انہیں تمہاری روانگی کی خبر مل

چکی ہے۔ ہم نے عرض کی: ”بخدا! مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔ ہم نے تو کارواں کا ارادہ کیا تھا۔“ آپ نے فرمایا: ”مشرک قوم کے ساتھ لڑنے کے بارے کیا ارادہ ہے؟“ ہم نے وہی گزارش کی..... اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ - وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ ﴿٥﴾ (الانفال: ۵)

ترجمہ: ”جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بیشک اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا۔“

پھر حضور اکرم ﷺ ذفران سے الا صافر گھائی پر روانہ ہوئے۔ پھر آپ الدنہ شہر کی طرف اترے۔ حنان کو اپنے دائیں طرف چھوڑا۔ یہ ریت کا بہت بڑا ٹیلہ تھا گویا کہ پہاڑ ہو۔ پھر آپ نے بدر کے قریب نزول اجلال فرمایا۔ آپ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سوار ہوئے۔ عرب کے ایک بزرگ کے پاس گئے۔ اس سے قریش، محمد عربی ﷺ ان کے ساتھیوں اور ان کی خبروں کے بارے پوچھا۔ اس بزرگ نے کہا: ”میں تمہیں اس وقت تک نہ بتاؤں گا حتیٰ کہ تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جب تم ہمیں بتاؤ گے تو ہم تمہیں بتا دیں گے۔ اس نے کہا ”اس کے بدلہ میں یہ۔“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! اس بزرگ نے کہا: ”مجھے یہ خبر ملی ہے کہ محمد عربی ﷺ اور ان کے ساتھی فلاں فلاں دن عازم سفر ہوئے ہیں۔ اگر مجھے بتانے والے نے سچ کہا ہے تو وہ اس مقام پر ہوں گے۔ اس نے اس جگہ کا نام لیا جہاں حضور اکرم ﷺ فروکش ہوئے تھے اور مجھے یہ خبر ملی ہے کہ قریش فلاں دن عازم سفر ہوئے ہیں۔ اگر اس کی بات سچی ہے جس نے مجھے یہ بتایا ہے تو پھر قریش فلاں جگہ ہوں گے اس نے اسی جگہ کا نام لیا جہاں قریش تھے۔“

جب وہ بوڑھا اپنی اس خبر سے فارغ ہوا تو اس نے پوچھا: ”تمہارا تعلق کن کے ساتھ ہے؟“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ہم پانی سے ہیں۔“ پھر حضور اکرم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر واپس آگئے۔ وہ بزرگ کہہ رہا تھا ”پانی سے کیا؟ کیا عراق کے پانی سے۔“

ابن ہشام نے لکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ بزرگ سلیمان ضمیری تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے ”پھر حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام کی طرف واپس آگئے۔ جب رات بڑی تو آپ نے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بدر کے چشمہ کی طرف بھیجا۔ وہ مختلف خبروں کی تلاش میں تھے۔ انہیں قریش کے لیے پانی لانے والے غلام ملے ان میں بنو الحجاج کا غلام اسلم، بنو العاص، بن سعید کا غلام ابویسار تھے۔ انہوں نے انہیں پکڑا اور مسلمانوں کے پڑاؤ میں لے آئے۔ ان سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے۔ ان دونوں نے کہا: ”ہم قریش

کے لیے پانی لانے کے لیے مختص ہیں۔ انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لیے بھیجا ہے۔ مسلمانوں نے ان کی خبروں کو سچا نہ سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید ان کا تعلق ابوسفیان کے کارواں کے ساتھ ہو۔ انہوں نے انہیں مارا۔ جب انہوں نے انہیں بہت زیادہ مار لیا تو انہوں نے کہا: ”ہم ابوسفیان کے کارواں میں شامل تھے۔“ صحابہ کرام نے انہیں چھوڑ دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے رکوع کیا دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا پھر فرمایا: ”جب انہوں نے تمہارے ساتھ سچ بولا تو تم نے انہیں مارا۔ جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے سچ کہا ہے۔ ان کا تعلق قریش کے ساتھ ہے۔ مجھے قریش کے بارے بتاؤ۔“ انہوں نے کہا: ”وہ ریت کے اس ٹیلے سے پرے ہیں جو آپ کے دور کے کنارے پر نظر آ رہا ہے۔“ آپ نے ان سے پوچھا: ”ان کی تعداد کیا ہے؟“ غلام: ”بہت زیادہ۔“ حضور اکرم ﷺ: ”ان کی تعداد کیا ہے؟ غلام: ”ہم نہیں جانتے؟“ آپ نے پوچھا: ”ہر روز وہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”ایک دن نو اور دوسرے دن دس۔“ آپ نے فرمایا: ”ان کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے مابین ہے۔“ آپ نے پوچھا: ”سرداران قریش میں سے ان میں کون کون شامل ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوالختری، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نصر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابو جہل، امیہ بن خلف، نبیہ، منبہ پسران حجاج، سہیل بن عمرو، عمرو بن عبدود“ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کی طرف توجہ کی اور فرمایا: ”مکہ مکرمہ نے اپنے جگر کے پارے تمہاری طرف پھینک دیے ہیں۔“

ابن عائد نے لکھا ہے: ”یہ کارواں چلتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے دس راتوں میں حنفہ پہنچ گیا۔ بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء آگے نکل گئے تھے۔ وہ مقام بدر میں ٹھہرے۔ چشمہ کے قریب اپنے اونٹ بٹھائے۔ پھر مشکیزہ لے کر پانی سے بھرنے کے لیے لے گئے۔ انہوں نے دولونڈیوں کی گفتگو سنی وہ بھی وہاں سے پانی بھرنے آئیں تھیں۔ ایک عورت دوسری سے قرض کا تقاضا کر رہی تھی۔ اس نے دوسری عورت سے کہا: ”ارے! کل یا پرسوں یہاں قریش کا قافلہ پہنچ جائے گا۔ میں ان کی خدمت کروں گی۔ پھر تیرا قرضہ چکا دوں گی۔“ مجدی نے اسے کہا: ”تو نے سچ کہا ہے۔ پھر ان کے مابین تصفیہ کرا دیا۔ عدی اور بسبس نے یہ بات سن لی وہ اپنے اونٹوں پر بیٹھے اور سوار ہو کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے اور جو کچھ سنا تھا اس کے بارے بتا دیا۔“

ابوسفیان کا مدینہ طیبہ کے قریب پہنچنا اور حضور اکرم ﷺ سے بچاؤ کرنے کی تدبیر کرنا

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابوسفیان عازم سفر ہوا۔ کارواں اس کے ساتھ تھا۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گیا۔ ضمضم بن عمرو سست ہو گیا۔ وہ حالت خوف میں مقام بدر پر آیا۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح کو

مسلمان بدر کے چشمہ پر اترے تھے تو کارواں کا رخ بدر کے چشمہ کی طرف تھا۔ انہوں نے بدر کے پیچھے رات بسر کی ان کا ارادہ تھا کہ وہ وقت صبح بدر پہنچ جائیں گے اگر انہیں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ اونٹ اس طرف بڑھ نہیں رہے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے انہیں رسیوں سے مارا۔ وہ مسلسل آوازیں نکال رہے تھے۔ وہ انہیں بدر کے چشمہ پر لے آئے انہیں پانی کی ضرورت تھی۔ وہ کل پانی پی چکے تھے کارواں نے یہ صورت حال دیکھ کر کہا: ”جب سے ہم عازم سفر ہوئے ہیں ایسی صورت حال سامنے نہیں آئی۔ اس رات کی تاریکی ان پر چھا گئی حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے بھی کچھ نہ دیکھا۔ ابوسفیان احتیاط کے طور پر کارواں سے آگے نکلا۔ وہ چشمہ بدر تک پہنچا۔ اس نے وہاں مجدی بن عمرو جہنی کو پایا اس نے اسے پوچھا: ”کیا یہاں کسی کو دیکھا ہے؟“ اس نے کہا: ”میں نے کسی کو نہیں دیکھا البتہ میں نے دو سواروں کو دیکھا ہے۔ (یعنی بس اور عدی) انہوں نے اس ٹیلے پر اونٹ بٹھائے پھر اپنا مشکیزہ بھرا پھر روانہ ہو گئے۔“ ابوسفیان اس جگہ پہنچا جہاں ان کے اونٹ بیٹھے تھے۔ اونٹوں کے لیدنے پکڑے۔ انہیں توڑا تو اندر سے کھجور کی گٹھلیاں نکلیں۔ اس نے کہا: ”بخدا! یہ تو ثرب کا چارہ ہے۔ وہ جلدی سے اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ کارواں کا رستہ تبدیل کر دیا۔ انہیں ساحل سمندر کی طرف لے گیا۔ بدر کو اپنے بائیں طرف چھوڑا۔ وہ صبح و شام سفر کرتا رہتا کہ مسلمان اس کا تعاقب نہ کر سکیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اس نے اپنا کارواں بچا لیا ہے تو اس نے قیس بن امری القیس کو قریش کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ”تم اپنے اموال، آدمی اور کارواں بچانے کے لیے نکلے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان سب کو نجات دی ہے۔ تم واپس آ جاؤ۔“ قریش تک جب یہ خبر پہنچی تو قریش جحفہ کے مقام پر تھے۔ ابو جہل نے کہا: ”نہیں! بخدا! ہم واپس نہیں لوئیں گے حتیٰ کہ ہم بدر جائیں گے۔ بدر عرب کے بازاروں میں سے ایک بازار تھا۔ جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا۔ ہم وہاں تین روز قیام کریں گے۔ کھانا کھائیں گے۔ شراب پیئیں گے، لوٹیاں موہتی سنائیں گی عرب کے لوگ ہمارے اس سفر اور اجتماع کے بارے میں گے۔ وہ اس کے بعد ہم سے ڈرتے رہیں گے۔“ لیکن اہل رائے نے آگے سفر جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ ایک دوسرے کے پاس گئے۔ حارث بن عامر، امیہ بن خلف، عقبہ، شیبہ، حکیم بن حزام، ابو بھتری، علی بن امیہ اور عاص بن منبہ کا موقف تھا کہ واپس لوٹ چلیں حتیٰ کہ ابو جہل نے انہیں بزولہ کی عار دلائی۔ عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث نے اس کی مدد کی اور انہوں نے آگے بڑھنے پر اتفاق کر لیا۔

انس بن شریق نے کہا: ”بنو زھرہ! رب تعالیٰ نے تمہارے اموال کو نجات بخشی ہے اس نے تمہارے ساتھی مازمہ بن نوفل کو بچا لیا ہے تم اسی کے دفاع اور اپنا مال بچانے نکلے تھے۔ بزولہ کا طعنہ مجھ پر آنے دو تم واپس لوٹ چلو۔ تمہیں فضول عازم سفر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں کہتے رہیں۔“ یہ سارے واپس لوٹ آئے۔ اس کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ تھی۔ دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد تین سو تھی۔ اس قبیلہ کے کئی فرد نے اس جنگ میں شرکت کی

سوائے دو افراد کے وہ مسلم بن شہاب زہری کے چچا تھے یہ حالت کفر میں مرے تھے۔
ابن سعد نے لکھا ہے ”قیس بن امری القیس ابوسفیان سے ملا۔ اسے قریش کے آنے کی خبر دی۔ اس نے کہا: ”بائے قوم! یہ ابو جہل کا کام ہے۔ بنو زہرہ اہلس کی رائے پر رشک کرتے تھے وہ ان میں معزز اور قابل اطاعت تھا۔ بنو ہاشم نے واپس آنے کا ارادہ کیا تو ابو جہل نے ان پر شدت کی۔ اس نے کہا: ”یہ گروہ ہم سے جدا نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ ہم واپس آجائیں۔“
ابن سعد نے لکھا ہے: ”ان واپس آنے والوں میں سے بنو عدی بھی تھے جب وہ ثنیہ تک پہنچے۔ ان کا نام لفت تھا۔“
وہ وقت سحر ساعل کی طرف نکلے پھر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ انہیں ابوسفیان بن حرب ملا۔ اس نے پوچھا: ”بنو عدی! کیسے واپس آ گئے ہو؟ نہ تمہارے ساتھ گروہ ہے نہ کارواں ہے۔“ انہوں نے کہا: ”تم نے ہی قریش کی طرف پیغام بھیجا تھا کہ وہ واپس لوٹ آئیں۔“ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ انہیں مراظہر ان کے مقام پر ملا تھا۔ قریش آگے بڑھے۔ انہوں نے وادی کے دور کے کنارے پر قیام کیا۔ ان کا قیام عقیقل کے پیچھے وادی کے دامن میں تھا۔ حضور اکرم ﷺ اور مسلمان مشرکین اور چشمے کے مابین فروکش ہوتے۔ پہلے مشرکین پانی کے چشموں پر غالب آگئے۔ مسلمانوں کو شدید پیاس نے آلیا۔ انہیں شدید تنگی نے آلیا۔ شیطان نے ان کے دلوں میں غینظ ڈالا۔ اس نے یوں وسوسہ سازی کی ”تم گمان کرتے ہو کہ تم اولیاء اللہ ہو۔ تم میں اس کے رسول مکرم ﷺ موجود ہیں۔ حالانکہ مشرکین پانی پر غلبہ پا چکے ہیں۔ تم عجز کرتے ہوئے نماز ادا کر رہے ہو۔“ اس رات اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ بارش نازل کی۔ مشرکین پر موسلا دھار بارش ہوئی۔ جس نے انہیں پیش قدمی سے روک دیا۔ مسلمانوں پر پھوار برسی۔ رب تعالیٰ نے انہیں اس کے ساتھ پاک صاف کر دیا۔ شیطانی وسوسہ کو ان سے دور کر دیا۔ زمین ہموار ہو گئی۔ ریت جم کر بیٹھ گئی۔ قدم محکم ہو گئے۔ اس پر ٹھہرنا آسان ہو گیا۔ ان کے دلوں کو تقویت نصیب ہوئی۔ انہیں چلنے پھرنے میں سہولت ہو گئی وادی بہہ پڑی۔ اہل ایمان نے سیر ہو کر پانی پیا، انہوں نے مشیکزے بھر لیے۔ جانوروں کو پانی پلایا۔ جنابت سے غسل کیا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ

وَلِيُرِيْبَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ (الانفال: ۱۱)

ترجمہ: ”اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کر دے تمہیں اس سے اور دور کر دے تم سے شیطان کی

نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جمادے اس سے تمہارے قدموں کو۔“

اس رات مسلمانوں پر اونگھ طاری ہو گئی۔ یہ اونگھ ان پر طاری کی گئی تھی۔ وہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ کسی ایک کی ٹھوڑی ان کے

آگے ہو جاتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ پہلو کے بل گر جاتا تھا۔

ابو یعلیٰ اور امام بیہقی نے الدلائل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ بدر کے روز ہمارے مابین حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی گھڑ سوار نہ تھا۔ ہم سب سوتے ہوئے تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار تھے۔ آپ تادم صبح درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے۔“

عبد بن حمید نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”یہ اونگھ رب تعالیٰ کی طرف امن کی علامت تھی۔ نعاس دوبار آئی تھی۔ غزوہ بدر کے روز۔ غزوہ احد کے روز۔ یہ جمعۃ المبارک کی رات تھی۔ دونوں لشکروں کے مابین ریت کا ایک ٹیلہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو مشرکین کے پڑاؤ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اس کا چکر لگایا۔ پھر واپس آ کر آپ کو بتایا کہ وہ سخت اضطراب کا شکار ہیں اور ان پر موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے وقت جلدی فرمائی آگے بڑھ کر چشموں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن تیز بارش نے مشرکین کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آپ نے بدر کے سب سے قریبی چشمہ پر قبضہ کر لیا۔ وہیں فروکش ہو گئے۔“

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا یہ ایسی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتارا ہے؟ جس سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ہمارے لیے روانہ ہو یا یہ ایک رائے، جنگ اور چال ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”یہ رائے، جنگ اور چال ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ جگہ قیام کرنے کے لیے مناسب نہیں۔ آپ صحابہ کرام کو لے کر اٹھیں۔ حتیٰ کہ ہم مشرکین کے قریبی چشمہ پر اتریں۔ پھر اس کے پیچھے سے سارے چشمے بند کر دیں۔ پھر اس چشمہ پر ہم حوض بنالیں۔ ہم اسے پانی سے بھر لیں۔ پھر دشمن پر کاری ضرب لگائیں۔ ہم پانی پی سکیں گے لیکن دشمن کو پانی نہ ملے گا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے عمدہ رائے دی ہے۔“

ابن سعد نے لکھا ہے ”حضرت جبرائیل بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ”حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی رائے بہت عمدہ ہے۔“ آپ اور آپ کے ہمراہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اٹھے حتیٰ کہ مشرکین کے قریبی کنوئیں پر اترے۔ نصف رات کے وقت وہیں فروکش ہو گئے۔ بقیہ کنوؤں کو بھر دیا گیا۔ جس کنوئیں پر آپ جلوہ نما ہوئے تھے اس کے پاس ایک حوض بنا دیا گیا۔ اسے پانی سے بھر دیا گیا۔ پھر صحابہ کرام نے اس میں برتن رکھ دیے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا ہم آپ کے لیے عیش نہ بنا دیں۔ جس میں آپ رونق افروز ہوں۔ ہم آپ کے پاس اپنی سواریاں تیار رکھیں۔ پھر ہم دشمن سے جنگ آزما ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر غلبہ دے دیا۔ اس نے ہمیں دشمن پر فتح دے دی تو ہمیں پسند بھی یہی ہے۔ اگر صورت حال اس کے برعکس ہوئی تو آپ ان سواریوں پر بیٹھ جانا۔ ہماری اس قوم سے جا ملنا جو ہمارے پیچھے ہے۔ آقا! ہمارے پیچھے ایسے لوگ ہیں بخدا! ہم ان سے زیادہ آپ سے محبت نہیں کرتے۔ اگر آپ دشمن کے

ساتھ نبرد آزما ہوں گے تو وہ آپ سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپ کا دفاع فرمائے گا۔ وہ آپ کے ساتھ خیر خواہی کا اظہار کریں گے۔ آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔“ حضور ﷺ نے حضرت سعد کی تعریف کی۔ اور دعائے خیر سے نوازا۔ پھر آپ کے لیے ایک ایسے ٹیلے پر عریش بنا دیا گیا جہاں سے معرکہ کو دیکھا جاسکتا تھا۔ اس میں آپ رونق افروز ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس میں یہ دو ہستیاں ہی جلوہ افروز تھیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا: ”فلاں اس جگہ قتل ہوگا۔ فلاں اس جگہ قتل ہوگا۔ ان شاء اللہ!“ ان میں سے کوئی ایک بھی اس جگہ سے آگے پیچھے نہ گرا جہاں آپ نے اشارہ فرمایا تھا۔ (امام مسلم، امام احمد)

حضور اکرم ﷺ نے مقام بدر پر صبح کی۔ قریش وقت صبح روانہ ہوئے۔ وہ غیظ و غضب اور زربوں کے ساتھ آئے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے ساتھ غصے اور ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ آتش انتقام اور غصے سے بھڑک رہے تھے۔

وہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دینا چاہتے تھے کیونکہ وہ ان کا کارواں لے لینا چاہتے تھے اور اس میں موجود افراد کو تہ تیغ کرنا چاہتے تھے۔ کل عمرو بن حضرمی، اس کے ساتھی اور وہ کارواں بھی پہنچ گیا جو اس کے ساتھ تھا۔ رب تعالیٰ نے انہیں کسی وعدہ کے بغیر ہی جمع کر دیا تھا۔ جیسے کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَا خْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۗ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ﴿۴۲﴾ (الانفال: ۴۲)

ترجمہ: ”اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو پیچھے رہ جاتے وقت مقرر سے لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ اس لیے تھی) تاکہ کر دکھاتا اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا۔“

جب حضور اکرم ﷺ نے انہیں دیکھا۔ جب وہ عتققل سے نشیبی علاقے میں اتر رہے تھے۔ اس ٹیلے سے وہ اس وادی میں آئے تھے۔ سب سے پہلے زمعہ بن الاسود نظر آیا۔ یہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے پیچھے اس کا بیٹا تھا۔ اس نے گھوڑا پھرایا۔ یہ اپنی قوم کے لیے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ آپ نے یہ دعا مانگی: ”مولا! یہ قریش کا گروہ ہے جو بڑے تکبر اور فخر سے آ رہا ہے۔ یہ تیرے ساتھ لڑنا چاہتا ہے تیرے رسول مکرم ﷺ کی تکذیب کر رہا ہے۔ مولا! اپنی وہ مدد بھیج دے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ مولا! اکل انہیں برباد کر دے۔“

جب آپ نے عتبہ بن ربیعہ کو دیکھا وہ سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ آپ نے فرمایا: ”اگر قوم میں سے کسی میں بھلائی ہے تو وہ اس سرخ اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر قریش اس کی بات مان لیں تو نجات پالیں گے۔ اے علی المرتضیٰ! حضرت حمزہ

رضی اللہ عنہ کو آواز دینا۔ وہ مشرکین کے قریب تھے۔ ان سے پوچھو "یہ سرخ اونٹ پر کون سوار ہے؟" انہوں نے کہا: "یہ عقبہ بن ربیعہ ہے۔ وہ لوگوں کو جنگ کرنے سے روک رہا ہے۔ وہ لوگوں کو واپس جانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے: "اے میری قوم! یہ عار مجھ پر ڈال دو۔ اور کہہ دینا "عقبہ بزدل تھا۔" لیکن ابو جہل انکار کر رہا ہے۔"

خفاف بن رخصہ یا اس کے باپ ایما بن رخصہ الغفاری نے قریش کی طرف چند جوان اونٹ بطور تحفہ بھیجے ان کے ساتھ اپنا بیٹا بھیجا۔ اس نے کہا: "اگر تم پسند کرو تو ہم اسلحہ اور آدمیوں سے تمہاری مدد کریں تو ہم اس طرح بھی کر دیتے ہیں۔" قریش نے اس کے لڑکے کے ذریعے پیغام بھیجا "تمام نے صلہ رحمی کر دی ہے۔ تم نے اپنا حق پورا کر دیا ہے۔ ہمیں زندگانی کی قسم! اگر ہم لوگوں کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں تو پھر تو ہم میں کوئی کمزوری نہیں۔ اگر ہماری یہ لڑائی رب تعالیٰ کے خلاف ہے جیسے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ گمان کرتے ہیں تو پھر رب تعالیٰ کے ساتھ لڑائی کرنے کی طاقت کس میں ہے؟"

جب قریش میدان جنگ میں آئے تو ان میں سے بعض لوگ حضور اکرم ﷺ کے حوض پر آئے ان میں حکیم بن حزام بھی تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "انہیں چھوڑ دو۔ انہیں چھوڑ دو۔" ان میں سے جس نے بھی اس حوض سے پانی پیا وہ قتل ہو گیا مگر حکیم بن حزام بچ گئے۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ جب وہ قسم اٹھاتے تھے تو یوں اٹھاتے تھے "نہیں! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے مجھے غرۃ بدر میں نجات دی تھی۔"

جب قوم ذرا پرسکون ہو گئی تو اس نے عمیر بن وہب انجی کو بھیجا۔ اس نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ قریش نے کہا: "ہمیں محمد عربی ﷺ کے ساتھیوں کے بارے اندازہ لگا کر دو۔" اس نے لشکر گاہ کے ارد گرد گھوڑے پر چکر لگایا۔ پھر قریش کی طرف گیا۔ اس نے کہا: "ان کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ وہ اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہیں۔ لیکن ذرا ٹھہرو! میں غور سے دیکھ لوں کیا کچھ لوگ کمین گاہوں میں نہ چھپے ہوں یا اور کوئی مددگار ہیں۔" وہ وادی میں دوڑتا گیا اسے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ قریش کی طرف آیا۔ اس نے کہا: "میں نے اور کچھ نہیں دیکھا اگر وہ قریش! میں نے ایسی اونٹنیاں دیکھی ہیں۔ جو موتیں اٹھاتے ہوئے ہیں۔ شرب کے اونٹ ایسی اموات اٹھاتے ہوئے ہیں جو یقینی طور پر پہنچنے والی ہیں۔ وہ ایسی قوم ہیں جن کا دفاع اور پناہ گاہ صرف تلواریں ہیں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ وہ گونگے بنے ہوئے ہیں۔ وہ بات چیت نہیں کر رہے۔ وہ زہریلے سانپوں کی طرح پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ واللہ! میں نہیں دیکھتا کہ ان میں سے کوئی شخص قتل ہو مگر وہ تم میں سے کسی ایک کو قتل کر کے۔ اگر تم میں اتنی تعداد میں افراد قتل ہو گئے تو پھر بعد میں زندگی میں کیسی شیرینی باقی رہے گی آگے تمہاری مرضی۔"

قریش نے ابوسلمہ حشمی کو بھیجا۔ اس نے مسلمانوں کے پڑاؤ کا اپنے گھوڑے پر جائزہ لیا پھر واپس آیا۔ اس نے کہا: "بخدا! میں نے ان کے پاس نہ اسلحہ کے ڈھیر دیکھے ہیں نہ قوت و طاقت دیکھی ہے نہ گھوڑوں کی جماعت

دیکھی ہے۔ لیکن میں نے ایسی قوم ضرور دیکھی ہے جو اپنے اہل خانہ کے پاس جانے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ وہ موت کو گلے لگانا چاہتی ہے۔ ان کی قوت اور جائے پناہ صرف تلواریں ہیں۔ ان کی آنکھیں نیلی ہیں گویا کہ ڈھال کے نیچے کنکریاں ہوں۔ یہ میری رائے ہے ورنہ جو تمہیں مناسب لگے۔“

جب حکیم بن حزام نے یہ بات سنی تو وہ لوگوں میں گیا۔ وہ عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اس سے بات کی تاکہ وہ لوگوں کو واپس لے چلے۔ اس نے کہا: ”اے ابو الولید! تم قریش کے سردار اور رئیس ہو۔ تمہاری اطاعت کی جاتی ہے۔ کیا ایک ایسا کام کر گزرتے ہو جس کی وجہ سے تمہیں آخری زمانہ تک بھلائی کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا۔ اس نے پوچھا: ”حکیم! وہ کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”لوگوں کو واپس لے چلو۔ اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کا بوجھ اٹھا لو۔“ اس نے کہا: ”میں نے اس طرح کر دیا ہے۔ تم اس کے ضامن ہو۔ وہ میرا حلیف تھا۔ اس کی دیت اور اس کے مال کا نقصان مجھ پر ہے۔ ابن حنظلہ کے پاس جاؤ۔ اس کے علاوہ اور کوئی لوگوں میں پھوٹ نہیں ڈال سکتا۔“ عتبہ لوگوں میں بات کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا: ”اے گروہ قریش! تم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام کے ساتھ جنگ کر کے کیا کرو گے۔“ بخدا! اگر تم نے ان کے ساتھ جنگ کر دی تو پھر تم میں سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔ اس نے اس کے چچا زاد، خالہ زاد یا قبیلہ کے کسی فرد کو تیغ کیا ہو گا۔ واپس لوٹ چلو۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر قبائل عرب کے رستے سے ہٹ جاؤ۔ اگر انہوں نے ان کا کام تمام کر دیا تو تم بھی چاہتے ہو۔ اگر نتیجہ کچھ اور نکلا تو تم ان سے اس حال سے میں ملاقات نہیں کرو گے تم ان سے اعراض کر رہے ہو۔ میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جو جان کی بازی لگانے کا عزم کیے ہوئے ہے۔ تم ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک تم میں بھلائی ہے۔ قوم! آج بزدلی کا طعنہ مجھ پر آنے دو۔ کہہ دو: ”عتبہ نے بزدلی دکھائی۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں بزدل نہیں ہوں۔“

حکیم نے کہا: ”میں ابو جہل کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی ذرہ تھیلے سے نکال رکھی تھی۔ وہ اسے درست کر رہا تھا۔ میں نے اسے کہا: ”ابو جہل! مجھے عتبہ نے تمہاری طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔“ اس نے کہا: ”بخدا! عتبہ نے جب سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے صحابہ کرام کا لشکر دیکھا ہے تو خوف کی وجہ سے اس کا سانس پھول گیا ہے۔ بخدا! ہم واپس نہ جائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین فیصلہ کر دے۔ عتبہ نے یہ سب کچھ اس لیے کہا ہے کیونکہ اس نے دیکھ لیا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ایک اونٹ کو کھانے والے ہیں۔ ایک اونٹ انہیں سیر کر سکتا ہے۔ ان میں اس کا بیٹا بھی ہے۔ وہ اس سے تمہیں خوفزدہ کر رہا ہے۔“

پھر اس نے عامر بن حضرمی کی طرف پیغام بھیجا اس نے کہا: ”یہ تیرا حلیف عتبہ ہے۔ وہ لوگوں کو واپس لے جانا چاہتا ہے۔ تیرے بھائی کا بدلہ تیری آنکھوں کے سامنے لے۔ اٹھ اور قریش سے اس انتقام اور اپنے بھائی کے قتل کی دہائی

دے۔ اس نے پیچھے سے چادر اٹھادی۔ بلند آواز سے چلایا: ”واعمرہ، واعمرہ! اس سے جنگ کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ لوگوں کا معاملہ شدت اختیار کر گیا۔ انہوں نے جنگ کرنے پر اپنی رائے بختہ کر لی۔ لوگوں پر وہ رائے فاسد کر دی جس کی طرف عتبہ نے انہیں دعوت دی تھی۔ جب عتبہ تک ابو جہل کی بات پہنچی تو اس نے کہا: ”عنقریب وہ جان لے گا کون گوز مارتا ہے کہ سانس کس کا پھولا ہوا ہے۔ میرا یا اس کا؟“

پھر عتبہ نے ایک خود تلاش کیا جس میں اسکا سر داخل ہو سکے تو اس کو لشکر میں سے ایسا خود نہ مل سکا۔ کیونکہ اس کی کھوپڑی بہت بڑی تھی۔ پھر اس نے اپنی چادر سے اپنا سر لپیٹ لیا۔ پھر ابو جہل نے اپنی تلوار سوتی اسے گھوڑے کی کمر بند مارا۔ ایماء بن رضہ نے اسے کہا: ”یہ بری فال ہے۔“

محمد بن عمر سلمی، بلاذری اور المتاع کے مصنف نے رقم کیا ہے کہ جب قریش فروش ہو گئے تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا۔ انہوں نے یہ پیغام دیا ”واپس لوٹ چلو اگر یہ امر میری طرف سے تمہارے علاوہ کسی اور کو پہنچے تو یہ زیادہ پسندیدہ تر ہے کہ یہ تمہیں پہنچے اور مجھے تمہارے علاوہ کسی اور سے یہ امر پہنچے مجھے اس سے پسندیدہ تر ہے کہ تمہاری طرف سے پہنچے۔“ حکیم بن حزام نے کہا: ”انہوں نے نصیحت اور خلوص کا اظہار کر دیا ہے قبول کر لو بخدا! انہوں نے جو خلوص تمہیں پیش کر دیا ہے اس کے بعد تم ان پر غالب نہیں آسکتے۔“ ابو جہل نے کہا: ”واللہ! ہم واپس نہیں جائیں گے۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان پر تسلط عطا کیا ہے۔“

ابن عائد نے لکھا ہے ”بعض مشرکین نے جب مسلمانوں کی قلیل تعداد کو دیکھا تو انہوں نے کہا: ”انہیں ان کے دین نے فریب دے رکھا ہے یہ قول کرنے والے ابو البختری بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ اور ابو جہل بن ہشام تھے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب انہوں نے صحابہ کرام کو قلیل دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ شاید غلبہ کثرت تعداد کی وجہ سے ملتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ غَرَّ هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ
عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٩﴾ (الانفال: ۳۹)

ترجمہ: ”یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں شک کا روگ تھا کہ مغرور کر دیا ہے انہیں ان کے دین نے تو جو شخص بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔“

ابن منذر، ابن ابی حاتم نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ ابو جہل نے غزوہ بدر کے دن کہا تھا ”ان مسلمانوں کو پکڑ لو۔ انہیں رسیوں میں کس دو۔ ان میں سے کسی کو قتل نہ کرو۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ ۗ (القلم: ۱۷)

ترجمہ: ”ہم نے ان کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمائش میں ڈالا۔“

آغاز جنگ

وقت صبح قریش کے آنے سے قبل آپ نے صحابہ کرام کی صف بندی فرمائی۔ جب قریش آئے تو آپ صحابہ کرام کے ساتھ کی صف بندی کر رہے تھے۔ آپ نیزے کے ساتھ صفیں درست کر رہے تھے۔ آپ اس کے ساتھ اشارہ کر رہے تھے کہ آگے ہو جاؤ۔ پیچھے ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ وہ سیدھے ہو گئے۔ آپ نے علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے اسے اس جگہ رکھ دیا تھا جہاں آپ نے انہیں حکم فرمایا تھا۔ حضور اکرم ﷺ صفوں کا جائزہ لینے لگے۔ آپ کا رخ انور مغرب کی طرف تھا۔ سورج کو آپ نے پیچھے رکھا۔ مشرکین آئے انہوں نے سورج کی طرف رخ کیا حضور اکرم ﷺ شامیہ کنارے پر اترے۔ قریش یمانیہ کنارے پر اترے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم وادی کے بلند کنارے پر اترے ہیں اور وادی کی بلندی کی طرف سے ہوا چل رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اسے آپ کی نصرت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میں نے اپنی صفیں بنالیں ہیں۔ میں نے اپنا علم گاڑ دیا ہے۔ میں اسے تبدیل نہیں کر سکتا۔ جب حضور اکرم ﷺ شفیع معظم ﷺ صف بندی فرما رہے تھے۔ تو حضرت سواد بن غزیہ صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنا تیر (یا چھڑی) ان کے پیٹ پر لگائی اور فرمایا: ”سواد! سیدھے ہو جاؤ“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ نے مجھے تکلیف دی ہے۔ آپ مجھے قصاص دیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے اپنے پیٹ مبارک سے کپڑا اٹھا دیا اور فرمایا: ”قصاص لے لو“ انہوں نے خود کو آپ کے جسم مطہر کے ساتھ چمٹا لیا اور بو سے لینے لگے۔ آپ نے پوچھا: ”اس حسین عمل پر تمہیں کس نے ابھارا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”اللہ تعالیٰ کا جو امر آپہنچا ہے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں مجھے خدشہ ہے کہ میں قتل ہو جاؤں گا۔ میں نے چاہا کہ اس آخری وقت میں میری جلد حضور اکرم ﷺ کی جلد کے ساتھ مس ہو جائے۔“

آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: ”اما بعد! میں تمہیں اس امر پر ابھارتا ہوں جس پر اللہ تعالیٰ نے ابھارا ہے۔ اس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں جس سے اس نے تمہیں منع کیا ہے۔ رب تعالیٰ جو عظیم و برتر ہے۔ وہ تمہیں حق کا حکم دیتا ہے۔ وہ صدق کو پسند کرتا ہے۔ وہ اہل خیر کو وہ بلند مقامات عطا فرماتا ہے جو اس کے ہاں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تم آج

حق کی منازل میں سے ایک منزل پر فروکش ہو۔ اس میں رب تعالیٰ وہی کچھ قبول کرتا ہے جو اس کی رضا کے لیے کیا جاتا ہے۔ سختی کے مقامات میں صبر ایسی چیز ہے جس سے رب تعالیٰ غم کو دور کر دیتا ہے۔ دکھ سے نجات دیتا ہے۔ آخرت میں اس کے ساتھ تم نجات پاؤ گے تم میں اللہ تعالیٰ کا نبی مکرم ﷺ موجود ہے۔ وہ تمہیں ڈراتا ہے اور تمہیں حکم دیتا ہے۔ آج رب تعالیٰ سے حیا کرو کہ وہ تمہارے معاملہ میں کسی ایسی چیز سے آگاہ ہو جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَمَقْتُ اللّٰهَ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ۔ (غافر: ۱۰)

اس امر کو دیکھو جس کے بارے اس نے تمہیں اپنی کتاب میں حکم دیا ہے اس نے تمہیں اپنی علامات دکھائی ہیں رسوائی کے بعد تمہیں عزت بخشی۔ اس کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔ تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے گا۔ ایسے مقامات میں کوشش کرو کہ تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے۔ تم اس رحمت اور مغفرت کے مستحق ہو جاؤ گے جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے اس کا وعدہ حق ہے۔ اس کا فرمان سچ ہے۔ اس کی سزا شدید ہے۔ میں اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں جو الٰہی القیوم ہے۔ ہم اس سے اپنی فتح کی التجاء کرتے ہیں۔ اس کا دامن تھامتے ہیں۔ اسی پر توکل کرتے ہیں۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں اور مسلمانوں کو بخش دے۔ "قریش جنگ کے لیے تیار ہو گئے شیطان ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے: "مشرکین کے پاس تین جھنڈے تھے۔ ایک جھنڈا ابو عزیز بن عمیر کے پاس، دوسرا نضر بن حارث کے پاس، تیسرا طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس تھا۔ یہ سارے عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔ سب سے پہلے اسود بن عبدالاسد باہر نکلا یہ فحش گو اور بد اخلاق شخص تھا۔ اس نے کہا: "میں نے رب تعالیٰ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں تمہارے حوض سے ضرور پانی پیوں گا یا اسے گرا دوں گا یا مر جاؤں گا۔" جب وہ باہر نکلا تو اسد اللہ و رسولہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اس کے مقابلہ میں آئے۔ جب وہ باہم معرکہ آزما ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے اسے تلوار ماری اور نصف پنڈلی سے کاٹ کر رکھ دی۔ وہ حوض سے پدے ہی تھا۔ وہ پشت کے بل گر پڑا۔ اس کی ٹانگ سے خون نکل کر اس کے ساتھیوں کی طرف بہ رہا تھا۔ وہ حوض کی طرف آیا تا کہ اپنی قسم پوری کر لے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا اور حوض سے دور ہی اسے واصل جہنم کر دیا وہ اس میں گر پڑا اپنی صحیح ٹانگ سے اسے گرا دیا اور اس سے پانی پیا۔"

ابن سعد نے لکھا ہے "عمیر بن وہب آیا۔ اس نے مسلمانوں کی طاقت کو آزمایا۔ لیکن مسلمان ثابت قدم رہے۔ وہ ہچھے نہ ہٹے۔ عامر بن حضرمی نے مسلمانوں پر سختی کرنے کی کوشش کی۔ جنگ لوگوں کے مابین چھڑ گئی۔ سب سے پہلے حضرت صحیح بن عانس کے سر پر شہادت کا تاج سجا، یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے غلام تھے۔ انہیں عامر بن حضرمی نے شہید کیا تھا۔ انصار میں سے سب سے پہلے حضرت حارث بن سراقہ رضی اللہ عنہما نے جام شہادت نوش کیا۔ انہیں حبان بن عرقہ نے شہید کیا تھا۔ دوسرا

قول یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ سعادت حضرت عمیر بن حمام نے حاصل کی تھی انہیں خالد بن الاعلم العقیلی نے شہید کیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا: ”ان کے ساتھ جنگ کا آغاز نہ کرنا حتیٰ کہ میں تمہیں اذن دے دوں۔ اگر وہ تمہارے قریب آئیں تو تیروں کے ساتھ انہیں دور کر دو۔ اپنی تلواریں نہ سونو حتیٰ کہ وہ تمہارے بالکل قریب آجائیں اور تمہارے تیر کام نہ کریں۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! مشرکین کی قوم قریب آگئی ہے۔ انہوں نے ہم سے بہت کچھ پالیا ہے۔“ حضور اکرم ﷺ بیدار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواب میں مشرکین کو قلیل کر کے دکھایا تھا۔ آپ نے یہ خواب صحابہ کرام کو سنایا تا کہ وہ ثابت قدم رہیں۔

ابن اسحاق، ابن منذر نے حبان بن واسع سے اور وہ اپنی قوم کے بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے روز اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں درست فرمائیں۔ پھر اپنے عرش میں تشریف لائے پھر آپ بیدار ہوئے۔ فرمایا: ”ابو بکر! بشارت ہو۔ تمہارے پاس رب تعالیٰ کی نصرت آگئی ہے۔ یہ حضرت جبرائیل امین ہیں۔“ جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اسے لے جا رہے ہیں۔ ان کے گھوڑے کے پاؤں گرد آلود ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ صفوں سے باہر نکلے۔ انہوں نے دعوت مبارزت دی۔ ان کے مقابلہ میں انصار کے تین افراد نکلے وہ حضرات عوف اور معاذ پسران حارث اور عبد اللہ بن رواحہ تھے۔

ابن عقبہ، ابن سعد اور ابن عائد نے لکھا ہے: ”جب انہوں نے مقابلہ کی دعوت دی اور مذکورہ بالا تین صحابہ کرام ان کی دعوت پر پہنچے تو حضور اکرم ﷺ کو اس سے حیا آئی۔ کیونکہ یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمان اور مشرکین باہم نبرد آزمایا ہو رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ جنگ کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ پسند کرتے تھے کہ قتال کی شدت آپ کے چچا زادوں کے علاوہ کسی اور قوم کے لیے ہو۔“ انہوں نے پوچھا: ”تم کون ہو؟“ انصار: ”ہم انصار کے بعض افراد ہیں۔“ قریش کے افراد نے کہا: ”تم معزز مد مقابل ہو لیکن ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔“ پھر انہوں نے بلند آواز سے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہماری قوم میں سے ہمارے مد مقابل بھیجیں۔“ حضور ﷺ نے ان صحابہ کرام سے فرمایا: ”اپنی صفوں کی طرف لوٹ آؤ۔ ان کے چچا زاد اٹھ کر ان کی طرف جائیں۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”عبیدہ بن حارث اٹھو، حمزہ! اٹھو، علی! اٹھو“ حضرت علی اس روز سفید صوف کا نشان لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”تم اس حق کے لیے لڑو جس کے ساتھ تمہارے نبی کریم ﷺ کو بھیجا گیا ہے۔ وہ اپنے بالطلوں کو اس لیے لے کر آئے ہیں تاکہ رب تعالیٰ کے نور کو بھجادیں۔“ یہ حضرات قدسیہ ان کے قریب ہوئے تو انہوں نے پوچھا ”تم کون ہو؟“ حضرت عبیدہ نے کہا: ”میں عبیدہ ہوں۔“ حضرت علی نے فرمایا: ”میں علی

ہوں۔“ حضرت حمزہ نے فرمایا: ”میں حمزہ ہوں۔“ انہوں نے کہا: ”ہاں! معزز مد مقابل!“ حضرت عبیدہ عمر ریدہ تھے۔ انہوں نے عقبہ بن ربیعہ کو جالیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو جالیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عقبہ پر جھپٹ پڑے۔ حضرت حمزہ نے فوراً اپنے مد مقابل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید کا کام تمام کر دیا۔ لیکن حضرت عبیدہ اور عقبہ میں باہم شمشیر زنی ہوتی رہی۔ دونوں نے اک دوسرے کو تھکا دیا۔ عقبہ نے وار کیا جو حضرت عبیدہ کی پنڈلی پر لگا اور اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تلواریں لے کر پٹھے اور عقبہ کا کام تمام کر دیا۔ حضرت عبیدہ کو اٹھایا اور صحابہ کرام تک پہنچایا۔ جب وہ انہیں لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے انہیں آپ کی ایک سمت لٹا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں مبارک آگے کر دیا۔ حضرت عبیدہ نے عرض کی: ”کاش اس وقت جناب ابوطالب زندہ ہوتے تو جان لیتے کہ میں نے اس کا یہ قول سچ کر دکھایا ہے۔“

کذبتہم و بیت اللہ نبزی

محمدًا و لتا نطاعن حوله و نناضل

و نسلہ حتی نصرع حوله

و نذہل عن ابناہ نا و الحلائل

ترجمہ: ”مشرکین! کعبہ مقدسہ کی قسم! تم جھوٹ بول رہے ہو کہ ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں گے اور آپ کے ارد گرد تیر نہیں چلائیں گے۔ شمشیر زنی نہیں کریں گے۔ ہم تو انہیں تمہارے حوالے کبھی نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ ہم آپ کے ارد گرد پچھھاڑے جائیں اور ہم آپ کے دفاع میں اپنے نوران نظر اور بیویوں سے بھی غافل ہو جائیں۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔“

امام شافعی نے حضرت قیس بن عباد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو سنا وہ

قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت طیبہ:

هٰذِنِ خَصْمِنِ اِخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ (الحج: ۱۹)

ترجمہ: ”یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے اپنے رب کے ہارے میں۔“

ان افراد کے ہارے نازل ہوئی ہے جنہوں نے غزوہ بدر کے روز دعوت مبارزت دی تھی۔ یعنی حضرت حمزہ،

حضرت علی، حضرت عبیدہ، عقبہ، شیبہ اور ولید۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ آیت طیبہ ان

افراد کے ہارے نازل ہوئی تھی جنہوں نے غزوہ بدر کے روز دعوت مبارزت دی تھی۔ یعنی حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت

عبیدہ، عقبہ، شیبہ اور ولید کے ہارے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں سب سے پہلے فیصلہ کروانے کے لیے روز

حشر اپنے رب کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھوں گا۔“ امام بخاری نے حضرت امام علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”یہ آیت طیبہ ہمارے بارے نازل ہوئی ہے۔“

ابوالعالیہ نے لکھا ہے ”جب یہ مشرکین واصل جہنم ہوئے اور مسلمان واپس آگئے تو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ”ہمارے لیے عربی ہے اور تمہارے لیے کوئی عربی نہیں، حضور اکرم ﷺ کے منادی نے کہا: ”اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے۔ تمہارا کوئی مولا نہیں ہے۔ ہمارے شہداء جنت میں ہیں۔ جبکہ تمہارے مقتولین آگ میں ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی نظروں میں مسلمانوں کو اور مسلمانوں کی نظروں میں مشرکین کو کم کر دکھایا۔ حتیٰ کہ ابو جہل نے کہا: ”محمد عربی ﷺ اور آپ کے ساتھی ایک اونٹ سے سیر ہو جانے والے ہیں۔“

ابن عتبہ نے لکھا ہے: ”مسلمانوں نے درگاہ ایزدی میں با آواز بلند آہ و زاری شروع کی جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ شروع ہو چکی ہے۔“

دعائے مصطفیٰ ﷺ اور نزول ملائکہ

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”پھر حضور اکرم ﷺ عرش میں تشریف لے آئے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی عرش میں موجود نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے رب تعالیٰ کو واسطہ دینے لگے تاکہ وہ اپنی نصرت کا وعدہ پورا کرے۔ آپ نے عرض کی: ”مولا! اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر زمین میں تیری پوجا ہرگز نہیں ہوگی۔“ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے واسطہ دینے کی حد کر دی ہے۔ رب تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔“

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور الطبرانی نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں چاہتا ہوں کہ آپ کو مشورہ دوں۔ حالانکہ آپ کی ذات والا اس سے بالاتر ہے کہ آپ کو مشورہ دیا جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ قسم دے کر اسے وعدہ پورا کرنے کے لیے کہا جائے۔“ آپ نے فرمایا: ”ابن رواحہ! میں رب تعالیٰ سے قسم دے کر کہوں گا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔“

ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: ”غزوہ بدر کے روز میں نے کچھ دیر قتال کیا۔ پھر جلدی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ تاکہ دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ آپ سر بسجود تھے۔ آپ ”یا حی یا قیوم“ کا ورد فرما رہے تھے۔ اس سے زائد کچھ بھی عرض نہیں کر رہے تھے۔ پھر میں چلا گیا کچھ دیر جہاد

کیا پھر واپس آیا۔ پھر آپ سر بسجود تھے۔ آپ انہی الفاظ کا ورد فرما رہے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح عطا فرمادی۔ امام بیہقی نے حسن سند کے ذریعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے کسی کو اس قدر واسطہ دیتے نہیں سنا جس قدر حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر کے روز واسطہ دیا تھا۔ آپ فرما رہے تھے: ”مولا! میں تجھے وہ وعدہ اور عہد یاد کراتا ہوں۔ مولا اگر یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر تیری عبادت نہیں کی جائے گی“ آپ نے توجہ فرمائی تو آپ کا چہرہ انور گویا کہ چاند کا حصہ تھا۔ فرمایا: ”گویا کہ میں دشمن قوم کے افراد کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔ جہاں وہ کل گریں گے۔“

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس اور حضرت حکیم بن حزام اور ابراہیم التیمی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب لڑائی شروع ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست اقدس بلند کر دیے۔ آپ نے رب تعالیٰ سے اس نصرت کا سوال کیا جو اس نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔ آپ یوں عرض کر رہے تھے۔ ”اگر مشرکین اس گروہ پر غالب آگئے تو شرک کا غلبہ ہو جائے گا تیرا دین تیرے لیے قائم نہ رہ سکے گا۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ سے عرض کر رہے تھے: ”اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت ضرور کرے گا وہ آپ کو سرخرو ضرور فرمائے گا۔“ آپ کو عرش میں اونگھ آگئی۔ آپ بیدار ہوئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دشمن کے کندھوں کے پاس ایک ہزار لگا تار ملائکہ بھیج دیے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ابو بکر! تمہیں بشارت ہو۔“ یہ جبرائیل امین ہیں۔ جو زرد عمامہ پہنے ہوئے ہیں۔ وہ زمین اور آسمان کے مابین اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں۔ جب وہ زمین پر اترے تو کچھ دیر کے لیے مجھ سے غائب ہوئے پھر نمودار ہوئے ان کے گھوڑے کے پاؤں غبار آلود تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ”جب آپ نے دعا مانگی ہے تو اللہ کی نصرت آپ کے پاس آگئی ہے۔“

ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام مسلم، ابو داؤد اور امام ترمذی وغیرہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ بدر کے روز جب حضور اکرم ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ آپ کے صحابہ کرام کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ حضور اکرم ﷺ قبلہ رو ہو گئے۔ اپنے ہاتھ مبارک بلند کیے۔ آپ اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ آپ عرض کر رہے تھے: ”مولا! وہ وعدہ پورا فرما جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔ اگر اہل اسلام کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔“ آپ لگا تار اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کرتے رہے۔ آپ قبلہ رو تھے حتیٰ کہ آپ کی چادر مبارک نیچے گر پڑی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے۔ آپ کے شانوں پر ردائے پاک رکھی۔ چادر مبارک کے ساتھ ہی آپ سے چمٹ گئے۔ عرض کی: ”یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے واسطہ دینے میں مدد کر دی ہے وہ عنقریب وہ وعدہ پورا کرے گا جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل کی:

إِذْ تَسْتَعِينُونَ رَبَّنَا لَكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَلَىٰ مُؤْتَدًا كَمَا يَأْتِي مِنَ الْمَلِئِكَةِ مُرَوِّدِينَ ﴿۹﴾ (الأنفال: ۹)

ترجمہ: ”یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔“
اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے آپ کی مدد کی۔

سعید بن منصور نے حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بدر کے روز حضور اکرم ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا۔ انہیں کثیر سمجھا۔ مسلمانوں کی طرف دیکھا تو انہیں قلیل سمجھا۔ آپ نے دو رکعتیں ادا کیں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی نماز میں عرض کی: ”مولا! مجھے چھوڑ نہ دینا۔ مولا! مجھے رسوا نہ کرنا۔ مولا اپنا وہ وعدہ پورا فرما جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔“

امام بخاری، امام نسائی اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ روز بدر اپنے عرش میں تشریف فرما تھے آپ یوں عرض کر رہے تھے: ”مولا! میں تمہیں وہ وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔ مولا! اگر تو چاہتا ہے کہ آج کے بعد روئے زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے! حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست اقدس تھام لیا۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ! آپ نے اپنے رب کے ساتھ آوازاری کرنے کی مدد کر دی ہے۔ آپ باہر تشریف لائے۔ آپ اپنی زرہ میں حرکت فرما رہے تھے۔ آپ یہ آیت طیبہ پڑھ رہے تھے۔

سَيَهْرَمُ الْجَمْعُ وَيَوْلُونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرٌ ۝ (انقر: ۴۵، ۴۶)

اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبَ لَكُمْ أَنِّي مُبْدِّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرَدِّفِينَ ۝ (النحل: ۹)

ترجمہ: ”یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔“

الَّذِينَ يَكْفِيكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنَزَّلِينَ ۝ (آل عمران: ۱۲۴)

ترجمہ: ”یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں رعب سو تم مارو گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند کے اوپر۔“

ابو یعلیٰ، حاکم، امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”اسی اثناء میں کہ میں بدر کے یوموں سے واپس آ رہا تھا۔ بہت شدید آندھی آئی۔ میں نے ایسی آندھی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر وہ ختم ہو گئی۔ پھر

آندھی آئی میں نے اس قسم کی آندھی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر سخت آندھی آئی۔ پہلی آندھی کے وقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ نیچے اترے تھے۔ دوسری آندھی کے وقت حضرت میکائیل ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف اترے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں طرف ہی تھے۔ جبکہ تیسری بار حضرت اسرافیل ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ آپ کے بائیں طرف اترے تھے۔ میں آپ کے بائیں طرف ہی تھا۔ جب رب دو جہاں نے اپنے دشمنوں کو شکست سے دو چار کیا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے گھوڑے پر سوار کیا۔ وہ مجھے لے کر تیز چلا حتیٰ کہ اس نے مجھے نیچے گرا دیا۔ میں اس کی گردن سے نیچے آ گیا۔ میں نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی تو میں جم کر بیٹھ گیا۔ تو میں نے اس قوم پر نیزہ بازی شروع کی۔ حتیٰ کہ میں نے اسے زخمی کر دیا۔ انہوں نے اپنی بغل کی طرف اشارہ کیا۔

امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے روز فرمایا: "یہ حضرت جبرائیل ہیں جو اپنے گھوڑے کے سر کو پکڑے ہوئے ہیں ان پر آلاتِ حرب ہیں۔"

ابن اسحاق، ابن جریر نے حضرت ابن عباس اور وہ بنو غفار کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے کہا: "میں اور میرا چچا زاد میدانِ بدر میں تھے۔ ہم اپنے شرک پر تھے۔ ہم پہاڑ پر سے دیکھ رہے تھے کہ فتح یا شکست کسے نصیب ہوتی ہے۔ پھر ہم مالِ غنیمت لوٹیں۔ ایک بادل آیا۔ جب وہ پہاڑ کے قریب ہوا تو ہم نے اس میں سے گھوڑوں کے بہنہانے کی آوازیں سنیں۔ ہم نے اس میں ایک شہ سوار کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا "جیزوم! آگے بڑھو۔ میرے ساتھی کے دل کا پردہ پھٹ گیا۔ وہ اسی جگہ مر گیا۔ میں بھی قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتا پھر میں اٹھ کھڑا ہوا۔"

محمد بن عمر نے ابوہم الغفاری سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنے چچا زاد سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے کہا: "اسی اثناء میں کہ میں اور میرا چچا زاد بدر کے کنوئیں کے پاس تھے۔ جب ہم نے مسلمانوں کی قلیل اور قریش کی کثیر تعداد دیکھی جب دونوں لشکر نبرد آزما ہوئے تو ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی طرف گئے۔ ہم آپ کے لشکر کے بائیں طرف گئے۔ ہم نے کہا: "یہ قریش کا چوتھائی حصہ ہیں۔ اسی اثناء میں کہ ہم میسرہ میں چل رہے تھے کہ اچانک بادل آیا وہ ہم پر چھا گیا۔ ہم نے اسے نظر اٹھا کر دیکھا۔ ہم نے اس میں آدمیوں اور اسلحہ کی آوازیں سنیں۔ ہم نے ایک ذات کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہی تھی "جیزوم! آگے بڑھو! ہم نے انہیں سنا وہ کہہ رہے تھے "ذرا آہستہ! تمہارا معاملہ مکمل ہو جائے گا" وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میمنہ پر اترے پھر اسی طرح ایک اور گروہ آیا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اترے۔ وہ قریش سے بھی دو گئے ہو گئے۔ میرا چچا زاد موقع پر ہی مر گیا مجھے زندگی نصیب ہو گئی۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی اور اسلام قبول کر لیا۔

امام مسلم، ابن مردودہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اسی اثناء میں کہ اس روز ایک مسلمان شخص

مشرکین میں سے کسی ایک شخص کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا۔ اچانک وہ اس کے سر پر کوڑا پڑنے کی آواز سنتا وہ کسی شہ سواری کی آواز سنتا۔ اے خیروم! آگے بڑھو۔ وہ مشرک اس کے سامنے گر پڑتا۔ جب وہ اس کی طرف دیکھتا تو اس کی ناک خاک آلود ہوتی۔ اس کا چہرہ پھٹ گیا ہوتا۔ جیسے کوڑے کی ضرب لگی ہو۔ وہ ساری جگہ سبز ہو گئی تھی۔ ایک انصاری آیا۔ اس نے یہ بات آپ کو عرض کی۔ آپ نے فرمایا: ”تم نے سچ کہا ہے یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔“

ابن اسحاق، اسحاق بن راہویہ نے حضرت ابن اسید الساعدی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے نابینا ہو جانے کے بعد کہا: ”اب اس وقت میں تمہارے ساتھ میدان بدر میں جاؤں اور مجھے بینائی مل جائے تو میں تمہیں وہ گھائی دکھاؤں جہاں سے فرشتے آتے تھے۔ مجھے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔“

امام احمد، امام بزار اور امام حاکم نے صحیح سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”مجھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر کے روز کہا گیا: ”ہم میں سے ایک کو کہا گیا: ”تمہارے ساتھ جبرائیل ہیں“ دوسرے سے کہا گیا: ”تمہارے ساتھ میکائیل ہیں۔ اسرائیل ایک عظیم فرشتہ ہے جو قتال کے وقت آتا ہے۔ وہ جس صف میں ہو اس سے قتال نہیں ہو سکتا۔“

ابراہیم حربی نے ابوسفیان بن حارث سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ہم روز بدر ایسے سفید آدمیوں سے ملے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے جو آسمان اور زمین کے مابین تھے۔“ امام حاکم اور امام بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت سہیل بن حنیف سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ہم نے غزوہ بدر میں خود کو دیکھا کہ اگر ہم میں سے کوئی ایک مشرک کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتا تو اس کے جانے سے قبل اس کا سر کٹ کر نیچے گر پڑتا۔“

امام بیہقی نے حضرت ربیع بن انس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”لوگ اپنے مقتولوں میں سے ان کو پہچان لیتے تھے جنہیں فرشتوں نے مارا ہوتا تھا۔ ان کی گردنوں پر اور پوروں پر ضرب کے یوں نشان ہوتے تھے جیسے آگ کے جل جانے کا نشان ہوتا ہے۔“

امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے غزوہ بدر کے روز سفید مرد دیکھے جو آسمان اور زمین کے مابین ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان پر نشان لگائے گئے تھے۔ وہ قتل کر رہے تھے اور قیدی بنا رہے تھے۔“

امام بیہقی نے حضرت خارجہ بن ابراہیم سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے پوچھا: ”بدر کے روز اپنے گھوڑے کو ”خیروم آگے بڑھو کس نے کہا تھا؟“ انہوں نے

نے کہا: "میں سارے اہل آسمان کو نہیں جانتا۔"

امام بیہقی نے حضرت حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے خود کو غزوہ بدر کے دن دیکھا کہ آسمان سے ایک چادر سی اتری ہے جس نے افق کو گھیر لیا ہے۔ چیونٹیوں سے بھر گئی میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس چیز کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی مدد کی گئی ہے اس وقت فوراً ہمیں شکست ہو گئی۔ وہ فرشتے تھے۔"

محمد بن عمر اسلمی سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "یہ جبرائیل ہیں جو ہوا کو ہانک رہے ہیں گویا کہ وہ دجیہ کلبی ہیں۔ میری صبا سے مدد کی گئی ہے جبکہ عاد کو دبور سے ہلاک کیا گیا تھا۔"

محمد بن عمر اسلمی اور ابن عساکر نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے غزوہ بدر کے روز دو آدمی دیکھے ایک آپ کے دائیں طرف جبکہ دوسرا بائیں تھا۔ وہ سخت لڑائی لڑ رہے تھے۔ پھر تیسرا شخص آپ کے پیچھے سے آیا اور چوتھا آپ کے سامنے سے آیا۔"

ابن سعد نے خویطب بن عبدالعزی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے غزوہ بدر کے روز مشرکین کی طرف سے شرکت کی تھی۔ میں نے جم غفیر دیکھا۔ میں نے ملائکہ دیکھے وہ زمین اور آسمان کے مابین قتل کر رہے تھے اور قیدی بنا رہے تھے۔"

امام بیہقی نے حضرت سائب بن ابی جیش رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہا کرتے تھے: "بخدا! مجھے لوگوں میں سے کسی شخص نے گرفتار نہیں کیا۔ ان سے پوچھا جاتا۔ "پھر تمہیں کس نے گرفتار کیا؟" وہ کہتے: "جب قریش کو شکست ہو گئی تو مجھے بھی ان کے ساتھ ہی شکست ہو گئی۔ مجھے ایک سفید اور طویل شخص نے گرفتار کیا جو آسمانوں اور زمین کے مابین ابلق گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے مجھے باندھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مجھے باندھا ہوا پایا انہوں نے لشکر میں صدا لگائی۔ "اسے کس نے قیدی بنایا ہے؟" کسی کا گمان تک نہ تھا کہ اس نے مجھے گرفتار کیا ہے۔ حتیٰ کہ مجھے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: "اے ابن ابی جیش! تمہیں کس نے گرفتار کیا ہے؟" میں نے عرض کی: "میں اسے نہیں جانتا۔" میں نے ناپسند کیا کہ میں آپ کو وہ کچھ بتاؤں جو میں نے دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا: "تمہیں فرشتوں میں سے ایک فرشتے نے گرفتار کیا ہے۔"

محمد بن عمر اسلمی اور امام بیہقی نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے غزوہ بدر کے روز آپ کی خدمت میں تین سر پیش کیے۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ان کو تو میں نے قتل کیا ہے جبکہ تیسرے شخص کے ہارے میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جو سفید اور طویل تھا اس نے اسے مارا میں نے"

اس کا سر پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا: ”وہ فلاں فرشتہ تھا۔“

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”فرشتہ ایسے شخص کی شکل میں متشکل ہوتا تھا جسے لوگ جانتے تھے۔ وہ انہیں ثابت قدم کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے میں ان کے قریب ہوا۔ میں نے انہیں یوں کہتے ہوئے سنا ”اگر انہوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم ثابت قدم نہیں رہ سکیں گے۔ وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔“ وغیرہ وغیرہ۔
ابن راھویہ، ابو نعیم اور امام بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے قریش کی شکست سے قبل دیکھا۔ لوگ باہم قتال کر رہے تھے کہ سیاہ چادری پھیل گئی ہے۔ اس نے وادی کو بھر دیا ہے۔ مجھے شک نہ رہا کہ وہ ملائکہ تھے۔ اس وقت قوم قریش کو شکست ہو گئی۔

امام احمد، ابن سعد، ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے اور حضرت امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے حضرت عباس کو قیدی بنایا وہ حضرت ابوالیسر تھے وہ ایک کمزور شخص تھے۔ جبکہ حضرت عباس ایک بھاری بھر کم انسان تھے۔ آپ نے فرمایا: ”ابوالیسر! تم نے عباس کو کیسے گرفتار کر لیا؟“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! انہیں گرفتار کرنے میں میری مدد ایک ایسے شخص نے کی ہے جس کو میں نے نہ پہلے دیکھا ہے نہ بعد میں۔ اس کی شکل اس طرح تھی۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک معزز فرشتے نے انہیں گرفتار کرنے میں تمہاری مدد کی ہے۔“ ابن سعد، ابوشیخ نے العظمتہ میں حضرت عطیہ بن قیس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کے روز قتال سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ ایک سرخ گھوڑی پر سوار تھے۔ انہوں نے زرہ پہن رکھی تھی۔ ان کے پاس ان کا نیزہ تھا۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے جدا نہ ہوں حتیٰ کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ کیا آپ راضی ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! میں راضی ہوں، وہ واپس چلے گئے۔“

ابویعلیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم نے غزوہ بدر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی۔ آپ نے نماز میں تبسم فرمایا۔ جب آپ نے نماز مکمل کی تو ہم نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ تبسم فرما رہے تھے۔“ آپ نے فرمایا: ”میرے پاس سے جبرائیل گزرے ان کے پروں پر گرد و غبار تھا۔ وہ قوم قریش کے تعاقب سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر تبسم کیا۔ میں نے انہیں دیکھ کر تبسم کیا۔“

امام بخاری نے حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ بدری صحابہ کرام کو کیسے سمجھتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا:

”سارے مسلمانوں سے افضل۔“ انہوں نے عرض کی: ”وہ فرشتے بھی دیگر فرشتوں سے افضل ہیں جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔“

ابن سعد نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”اس روز کسی مشرک کا سرکٹ کر گر پڑتا لیکن معلوم نہ ہوتا تھا کہ سرکٹس نے کاٹا ہے۔ ایک شخص کا بازو کٹ کر گر پڑتا لیکن یہ علم نہ ہوتا تھا کہ اسے کس نے کاٹا ہے۔“
ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ”مرد فین“ کا معنی ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک فرشتہ ”عبد بن حمید نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے لگاتار۔ رب تعالیٰ نے پہلے ایک پھر تین پھر پانچ ہزار سے یہ تعداد مکمل فرمادی۔“

ابن اسحاق اور امام بیہقی نے حضرت ابو داؤد اللیثی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں غزوہ بدر کے روز ایک مشرک کے تعاقب میں تھا۔ تاکہ اس کے سر پر ضرب کاری لگاؤں۔ لیکن میرے پہنچنے سے قبل ہی اس کا سرکٹ کر جدا ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میرے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہے۔“

امام بیہقی نے حضرت حمزہ بن صہیب سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد گرامی نے کہا: ”میں نے غزوہ بدر کے روز کتنے کئے ہوئے ہاتھ اور کاری ضربیں دیکھیں جن کے زخموں سے خون نہیں نکلتا تھا۔“
ابو نعیم نے حضرت ابو دردہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”مجھے بنو سعد کے ایک شخص نے بیان کیا ہے۔ اس نے کہا: ”غزوہ بدر کے روز مجھے شکست ہو گئی جب میں نے اپنے سامنے ایک شخص کو چت دیکھا۔ میں نے کہا: ”اس کے قریب جاؤ اس سے پیار کرو۔ وہ وادی کے کنارے سے نیچے گرا۔ میں اس کے پاس گیا اس کا سرکٹ کر جدا ہو چکا تھا۔ لیکن میں نے اس کے قریب کسی کو نہیں دیکھا۔“

امام الطبرانی نے حضرت رفاعہ بن رافع سے اور ابن جریر، ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کی ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ مدد کی۔ حضرت جبرائیل امین پانچ سو ملائکہ کے ساتھ ایک سمت جبکہ حضرت میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ دوسری سمت تھے۔ ابلیس شیاطین کا لشکر لے کر آیا۔ اس کے ہمراہ اس کا جھنڈا بھی تھا۔ وہ بنو مدج کے افراد کی صورتوں میں تھے۔ شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں تھا۔ اس نے مشرکین سے کہا: ”آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ میں تمہارا ضامن ہوں۔“ حضرت جبرائیل امین تشریف لائے۔ شیطان نے انہیں دیکھا اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا وہ اور اس کا گروہ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ اس شخص نے کہا: ”سراقہ! کیا تیرا گمان نہیں تھا کہ تو ہمارا ضامن ہے“ اس نے کہا: ”میں وہ

کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں رب تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔" یہ اس وقت کی بات ہے جب اس نے فرشتوں کو دیکھ لیا تھا۔ حارث بن ہشام ان کے ساتھ چمٹ گیا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اسے سراقہ سمجھ رہا تھا۔ جب اس نے اس کی بات سنی شیطان نے حارث کو سینے پر مارا۔ حارث نیچے گر پڑا۔ شیطان پیٹھ پر بھاگ گیا۔ وہ سمندر میں گر پڑا۔ اس نے اپنے ہاتھ بلند کیے۔ اس نے کہا: "مولا! تیرا وہ وعدہ جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔ مولا! میں تیری اس مہلت کا طلب گار ہوں جو تو نے مجھے دی ہے۔" اسے خدشہ لاحق ہوا کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ ابو جہل نے کہا: "اے لوگو! سراقہ کی بزدلی تمہیں پست ہمت نہ کر دے۔ اس نے محمد عربی ﷺ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ تمہیں عتبہ اور شیبہ کا قتل کم ہمت نہ کر دے انہوں نے جلدی کی تھی۔ لات و عزیٰ کی قسم! بخدا! ہم واپس نہیں جائیں گے حتیٰ کہ ہم محمد عربی ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ لیں۔" تم میں سے کوئی انہیں قتل نہ کرے بلکہ انہیں پکڑ کر رسیوں میں باندھ دو تا کہ ہم انہیں ان کی خطا کی پہچان کرائیں۔" روایت ہے کہ اس کے بعد انہوں نے سراقہ کو مکہ مکرمہ میں دیکھا۔ انہوں نے کہا: "سراقہ! تو صفیں چیر کر نکلا تو ہمیں شکست ہو گئی۔" اس نے کہا: "بخدا! مجھے تو تمہاری کسی شکست کی خبر نہیں۔ میں نہ وہاں موجود تھا نہ ہی مجھے کوئی خبر ہے۔" انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئے۔ انہوں نے وہ کلام سنا جو رب تعالیٰ نے اس کے بارے نازل کیا تھا انہیں علم ہو گیا کہ وہ تو ابلیس تھا جو ان کے پاس سراقہ کی شکل میں آیا تھا۔

ابن ابی حاتم نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محارب بنی مشرکین کی مدد کرنا چاہتا ہے آپ پر یہ گراں گزرا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

الَّنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ أَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿١٣٥﴾ بَلَىٰ ۗ إِنَّ
تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُبَدِّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ أَلْفٍ مِّنَ
الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٣٥﴾ (آل عمران: ١٣٥/١٣٥)

ترجمہ: "کیا یہ تمہیں کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔

ہاں کافی ہے۔ بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور آدمکس کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا

تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔"

کرز تک اس شکست کی خبر پہنچ گئی وہ واپس لوٹ آیا وہ قریش کے پاس نہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد پانچ

ہزار ملائکہ سے نہ کی۔ ان کی مدد ایک ہزار ملائکہ سے کی گئی۔

یوم بدر کے ملائکہ کی نشانی

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ عباد بن حمزہ نے کہا: ”غزوہ بدر کے روز فرشتے نازل ہوئے۔ انہوں نے زرد عمامے باندھے ہوئے تھے۔ حضرت زبیر نے اس روز زرد چادر کا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ اس کے پلو کو منہ پر لپیٹ رکھا تھا۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ”غزوہ بدر کے روز ملائکہ نے سفید عمامے پہن رکھے تھے۔ جنہیں انہوں نے اپنے پیچھے لٹکار رکھا تھا جبکہ غزوہ خیبر کے روز انہوں نے سرخ عمامے باندھ رکھے تھے۔“

الطبرانی اور ابن مردویہ نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ مسوئین کا معنی ہے ”نشان والے“ بدر کے ملائکہ نے سیاہ جبکہ احد کے ملائکہ نے سرخ عمامے باندھ رکھے تھے۔“

ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر نے روایت کیا ہے کہ اس روز حضرت زبیر نے زرد عمامہ باندھ رکھا تھا۔ انہوں نے اسے لپیٹ کر اسی سے اپنا منہ بھی لپیٹ رکھا تھا۔ فرشتوں نے بھی اس روز زرد عمامے باندھ رکھے تھے۔

الطبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عروہ نے کہا ”حضرت جبرائیل یوم بدر کو حضرت زبیر کی نشانی پر اترے انہوں نے زرد عمامہ باندھ رکھا تھا۔“

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ایسے شخص نے بیان کیا ہے جسے میں جھوٹا نہیں کہتا کہ حضرت ابن عباس نے کہا: ”غزوہ بدر میں فرشتوں نے سفید عمامے باندھ رکھے تھے انہوں نے ان کے پلو پیچھے لٹکار رکھے تھے سوائے حضرت جبرائیل امین کے۔ انہوں نے زرد عمامہ باندھ رکھا تھا۔“

ابو نعیم نے فضائل صحابہ کرام میں اور ابن عساکر نے عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان تک یہ خبر پہنچی ہے کہ غزوہ بدر کے روز فرشتے اترے۔ وہ سفید پرندوں کی طرح تھے۔ انہوں نے زرد عمامے باندھ رکھے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس روز زرد عمامہ باندھ رکھا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”فرشتے ابو عبداللہ کی علامت پر اترے۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے بھی زرد عمامہ باندھ رکھا تھا۔“

ابن سعد نے لکھا ہے: ”غزوہ بدر کے روز اترنے والے ملائکہ کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے عمامے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے ان کے پلو کندھوں کے مابین لٹکار رکھے تھے۔ وہ سبز، زرد اور سرخ نور کے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے چہرے پر بال تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ملائکہ نے علامات لگائی ہیں۔ تم بھی علامات مقرر کرو۔ گھوڑوں کے سروں

پر علامات لگاؤ۔ ملائکہ اہلک گھوڑوں پر سوار تھے۔“

ابن ابی شیبہ نے عمیر بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے غزوہ بدر کے روز صوف استعمال کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: نشان لگاؤ۔ ملائکہ نے علامات لگا رکھی تھیں۔ اس دن پہلی بار صوف استعمال کیا گیا۔ ابن ابی شیبہ نے اور ابن منذر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ بدر کے روز ملائکہ نے اپنے گھوڑوں کی پیشانیوں اور کانوں پر سفید صوف کے نشان لگا رکھے تھے۔“

ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ”سو میں اسے مراد سرخ اون ہے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرشتے آئے تو انہوں نے علامات لگا رکھی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی خود کو اور اپنے گھوڑوں کو صوف سے نشان لگا دیا۔ عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ اس روز ملائکہ کی علامات یہ تھیں کہ ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر صوف لگائی گئی تھی۔ یہ صوف ان کے کانوں پر بھی لگائی گئی تھی۔ وہ اہلک گھوڑوں پر سوار تھے۔“

اس روز مسلمانوں کا شعار

امام بیہقی نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس روز مہاجرین کا شعار یا بنی عبد الرحمان اور خزرج کا شعار یا بنی عبد اللہ اور اس کا شعار یا بنی عبید اللہ۔ گھوڑوں کا شعار خیل اللہ تھا۔ ابن سعد نے اسی طرح لکھا ہے۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ اس روز سب کا شعار ”یا منصور امت“ تھا۔

حارث بن ابی اسامہ نے حضرت زید بن علی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا شعار ”یا منصور امت“ تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس روز شعار ”احد“ تھا۔ جب نصرت کے لیے ملائکہ اترے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں ملاحظہ فرمایا۔ آپ کو اونگھ آئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ عرش سے زرہ سمیت باہر تشریف لائے۔ لوگوں کو قتال پر ابھارنے لگے لوگوں کو جنت کی بشارت دی۔ نزول ملائکہ سے انہیں شجیع دلانی صحابہ کرام ابھی تک اپنے دشمن پر حملہ آور نہیں ہو رہے تھے۔ اس وقت ان پر سکینت و طمانیت طاری ہو گئی انہیں اونگھ آ گئی۔ جو طمانیت، ثبات اور ایمان کی دلیل ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِذْ يُغَشِّيكُمُ التُّعَاسُ أَمَنَةً مِّنْهُ. (الأنفال: ۱۱)

ترجمہ: ”یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے تاکہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے۔“

اسی لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میدان جنگ میں اونگھ آجانا ایمان کی علامت ہے جبکہ نماز میں اونگھ آنا نفاق کی علامت ہے۔

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے ”پھر لوگ باہم لڑنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے لوگوں کو جہاد پر ابھارا۔ آپ نے فرمایا: ”اٹھو اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین جتنا ہے مجھے اس ذات والا کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے آج جو شخص بھی صبر کرتے ہوئے، اجر کے حصول کے لیے، پیش قدمی کرتے ہوئے نہ کہ پیٹھ پھیرتے ہوئے جہاد کرے گا رب تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (صحیح مسلم) حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں کھجوریں تھیں جنہیں وہ کھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا: ”واہ! واہ! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کا عرض آسمانوں اور زمین جتنا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! انہوں نے عرض کی: ”میرے اور میرے جنت میں دخول میں صرف اتنا وقت ہے کہ یہ مشرکین مجھے قتل کر دیں۔ اگر میں اتنی دیر زندہ رہوں کہ میں یہ کھجوریں کھا لوں تو یہ ایک طویل زندگی ہوگی۔“ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں گرا دیں تلوار تھامی۔ دشمن سے نبرد آزما ہو گئے۔ حتیٰ کہ جام شہادت نوش کر گئے۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ جب وہ جہاد کر رہے تھے تو ان کے لبوں پر یہ اشعار تھے:

رکضا الی اللہ بغیر زاد
والصبر فی اللہ علی الجہاد
الا التقی و عمل المعاد
و کل زاد عرضة النفاذ
غیر التقی والبر والرشاد

ترجمہ: ”اپنے رب تعالیٰ کی طرف بغیر کسی زادِ راہ کے تیزی سے بڑھو۔ صرف تقویٰ، آخرت کے لیے نیک عمل اور جہاد فی سبیل اللہ میں صبر بہترین زادِ سفر ہے۔ ہر زادِ راہ ختم ہونے والا ہے سوائے تقویٰ، نیکی اور ہدایت کے۔“

ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ یہ مسلمانوں کے پہلے شہید تھے۔ جبکہ ابن سعد نے حضرت مہج کو پہلا شہید قرار دیا ہے۔

حضرت عوف بن حارث کی شہادت

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عوف بن حارث (عفراء کے نور نظر)

نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! رب تعالیٰ اپنے بندے کے کس فعل کی وجہ سے ہنتا ہے (خوش ہوتا ہے) آپ نے فرمایا: ”بے زرہ اور بے خود ہو کر اس کا خود کو دشمن کے اندر ڈال لینا۔“ انہوں نے اپنی زرہ اتاری۔ اسے پھینکا اپنی شمشیر تھامی دشمن سے قتال کیا حتیٰ کہ قبائے شہادت پہن لی۔

اس روز حضور اکرم ﷺ نے بھی بہت سخت جنگ کی۔ اسی طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سخت جنگ کی۔ جیسے کہ انہوں نے عریش میں آوازاری کرنے میں حد کر دی تھی۔ پھر یہ حضرات قدسیہ نیچے اترے صحابہ کرام کو قتال پر ابھارا خود بھی جہاد کیا۔ دونوں مقامات کو جمع کیا۔ ابن سعد، اور فریبانی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب غزوہ بدر کے روز قتال کا وقت آیا تو ہمیں حضور اکرم ﷺ کے دامن کرم میں پناہ ملی۔ ہم نے آپ کے ساتھ لگ کر اپنا دفاع کیا آپ نے سارے لوگوں سے زیادہ جہاد کیا۔ کوئی شخص بھی آپ سے بڑھ کر مشرکین کے قریب نہ تھا۔“ امام احمد کے الفاظ یہ ہیں: ”میں نے غزوہ بدر کے روز خود کو دیکھا ہم حضور اکرم ﷺ سے پناہ حاصل کر رہے تھے۔“ امام نسائی کے الفاظ یہ ہیں: ”جب جنگ کی آگ بھڑکتی تھی۔ قوم قوم سے ملتی تھی تو ہم حضور اکرم ﷺ کی پناہ حاصل کرتے تھے۔“

ابو جہل کی اپنے لیے بددعا

ابن اسحاق، امام احمد نے عبد اللہ بن ثعلبہ سے اور ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب لوگ باہم نبرد آزمایا ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ابو جہل نے کہا: ”مولا! جو ہم میں سے زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے جو ہمارے پاس وہ چیز لے کر آیا ہے جسے ہم نہیں جانتے اسے ہلاک کر دے۔ مولا! جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور جس سے تو زیادہ راضی ہے اس کی مدد فرما۔ گویا کہ وہ اپنے نفس پر فتح طلب کر رہا تھا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ۗ (الانفال: ۱۹)

ترجمہ: ”اگر تم فیصلہ کے طلبگار تھے تو آگیا تمہارے پاس فیصلہ۔“

امیہ بن خلف کا قتل

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ”وہ امیہ بن خلف کے دوست تھے۔ امیہ مدینہ طیبہ آتا تو حضرت سعد کے ہاں قیام کرتا اور حضرت سعد جب مکہ مکرمہ جاتے تو امیہ کے ہاں قیام کرتے۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت سعد عمرہ کرنے کے لیے

تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں امیہ کے ہاں قیام کیا۔ انہوں نے امیہ سے کہا: ”میرے لیے غلوت کی گھڑی تلاش کرو تاکہ میں بیت اللہ کا طواف کر سکوں۔“ وہ دوپہر کے وقت نکلے۔ انہیں ابو جہل ملا۔ اس نے پوچھا: ”ابوصفوان! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟“ اس نے کہا: ”یہ سعد ہیں۔“ ابو جہل نے کہا: ”ارے! میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ طواف کیا ہے حالانکہ تم نے صایوں کو پناہ دے رکھی ہے تمہارا گمان ہے کہ تم ان کی مدد اور اعانت کرو گے۔ بخدا! اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو تم اپنے اہل خانہ کی طرف صحیح و سالم واپس نہ جا سکتے۔“ حضرت سعد نے اسے اس کی آواز سے بلند آواز میں کہا: ”بخدا! اگر تو نے مجھے اس سے منع کیا تو میں تجھے اس امر سے روک دوں گا جو اس سے شدید ہے۔ وہ مدینہ طیبہ کی طرف راستہ ہے۔“ امیہ نے انہیں کہا: ”یہ ابو حکم اس وادی کے اہل کا سردار ہے۔ اس سے اپنی آواز بلند نہ کرو۔“ حضرت سعد نے کہا: ”امیہ! چھوڑ دے بخدا! میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ وہ تجھے قتل کر دیں گے۔“ امیہ: مجھے، حضرت سعد: ہاں! امیہ: مکہ مکرمہ میں؟ حضرت سعد: میں نہیں جانتا۔ یہ سن کر امیہ بہت گھبرا گیا۔ اس نے کہا: ”بخدا! محمد عربی ﷺ جب گفتگو کرتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے۔“ جب امیہ اپنے اہل خانہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ”ام صفوان! کیا تو سن نہیں رہی کہ حضرت سعد کیا کہہ رہے ہیں۔ اس عورت نے پوچھا: ”حضرت سعد نے کیا کہا ہے؟“ امیہ: انہوں نے بتایا ہے کہ محمد عربی ﷺ نے کہا ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔“ میں نے ان سے پوچھا: ”کیا مکہ مکرمہ میں؟“ انہوں نے کہا: ”میں نہیں جانتا۔“ بخدا! اب میں مکہ مکرمہ سے باہر نہیں نکلوں گا۔ جب غزوہ بدر کا موقع آیا تو ابو جہل نے لوگوں کو نکلنے پر مجبور کیا۔ اس نے کہا: ”اپنے کارواں کی خبر لو۔“ امیہ نے سفر کرنا ناپسند کیا۔ ابو جہل اس کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ”ابوصفوان! جب لوگ تمہیں دیکھیں گے کہ تم عازم سفر نہیں ہوئے تم وادی کے سردار ہو تو وہ بھی تمہارے ساتھ ٹھہر جائیں گے۔“ ابو جہل اس کے ساتھ اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ امیہ نے کہا: ”تم نے مجھ پر غلبہ پالیا ہے تو میں مکہ مکرمہ کا وہ اونٹ خریدوں گا جو سب سے زیادہ تیز رفتار ہوگا۔“

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف کے پاس آیا۔ اس نے پچھے رہ جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ مسجد حرام میں اپنی قوم کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ عقبہ کے پاس ایک انگیٹھی تھی جس میں آگ اور بخور تھا۔ اس نے اسے امیہ کے سامنے رکھا اور کہا: ”اب ابو علی! یہ بخور حاصل کرو۔ تم عورتوں میں سے ہو۔“ اس نے کہا: ”اللہ تعالیٰ تجھے برباد کرے۔ اسے تباہ کرے جو کچھ تو لے کر آیا ہے۔“ امیہ نے اپنی بیوی سے کہا: ”ام صفوان! میری تیاری کر۔“ اس نے کہا: ”ابوصفوان! کیا تمہیں وہ بات بھول گئی ہے جو تمہیں یر بنی بھائی نے بتائی تھی۔“

ابوصفوان: نہیں۔ میں چاہتا ہوں میں ان کے ساتھ تھوڑا سا چلوں۔“ جب وہ روانہ ہوا۔ وہ جس منزل میں بھی اترتا

اپنے اونٹ کو باندھتا۔ اسی طرح وہ مقام بدر تک پہنچ گیا اور مقتول ہو گیا۔

امام بخاری، ابن اسحاق نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "امیہ مکہ مکرمہ میں میرا دوست تھا۔ میرا پہلا نام عبد عمرو تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے اپنا نام عبدالرحمان رکھ لیا۔ وہ مکہ مکرمہ میں مجھ سے ملتا تو مجھے کہتا: "عبد عمرو! کیا تم نے وہ نام چھوڑ دیا ہے جو تمہارے باپ نے تمہارا رکھا تھا۔" میں اس سے کہتا: "ہاں!" وہ کہتا: "میں کسی رحمان کو نہیں جانتا۔ اپنے اور میرے مابین کوئی نام مقرر کر لو جس کے ساتھ میں تمہیں بلایا کروں تم مجھے پہلے نام سے جو جواب نہیں دیتے۔ میں تمہیں اس نام سے نہیں پکاروں گا۔ جسے میں جانتا نہیں۔" وہ جب بھی مجھے عبد عمرو سے پکارتا تھا میں اسے جواب نہیں دیتا تھا۔ اس نے کہا: "تم عبد اللہ ہو۔" میں کہتا: "ہاں! میں اس کے پاس سے گزرتا تو وہ مجھے عبد اللہ کے نام سے پکارتا تو میں اسے جواب دیتا میں اس کے ساتھ بات چیت کر لیتا۔ جب میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آیا تو میں اس کے ساتھ خط و کتابت کرتا رہتا کہ وہ تنگی میں میری مدد کرے اور میں مدینہ طیبہ میں اس کی تنگی اور پریشانی میں اس کی مدد کروں۔ غزوہ بدر کے روز میں اسے بچانے کے لیے نکلا۔ میں نے اسے دیکھا وہ اپنے بیٹے علی کے ساتھ تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ میرے پاس زرہیں تھیں۔ جنہیں میں نے بعض مشرکین سے چھینا تھا۔ میں انہیں اٹھائے ہوئے تھا۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے کہا: "عبد عمرو! میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے کہا: "عبد اللہ!" میں نے کہا: "ہاں!" اس نے کہا: "کیا تمہیں میری ضرورت ہے؟ میں تمہارے لیے ان زرہوں سے عمدہ ہوں جنہیں تم اٹھائے ہوئے ہو۔" میں نے کہا: "ہاں! خدا کی قسم! میں نے ہاتھ سے زرہیں پھینک دیں۔ میں نے اس کا اور اس کے بیٹے کا ہاتھ تمام لیا۔ اس نے کہا: "میں نے ایسا دن آج تک نہیں دیکھا۔ کیا تمہیں دودھ میں رغبت ہے۔" میں انہیں پکڑ کر چل رہا تھا۔ اس کے بیٹے نے مجھے کہا: "عبد اللہ! تم میں سے وہ شخص کون تھا جس نے اپنے سینے پر مور کا پر سجا رکھا تھا؟" میں نے کہا: "وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔" اس نے کہا: "انہوں نے ہماری یہ درگت بنائی ہے۔" حضرت عبدالرحمان نے فرمایا: "بخدا! میں انہیں لے کر جا رہا تھا کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھ لیا۔ یہی امیہ انہیں مکہ مکرمہ میں اذیتیں دیتا تھا۔ جب انہوں نے اسے دیکھا تو انہوں نے کہا: "یہ کفر کا سردار امیہ ہے اگر وہ نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاسکوں گا۔" انہوں نے باواز بلند کہا: "اے گروہ انصار! انصار کا ایک گروہ ہمارے تعاقب میں ہو گیا۔ جب مجھے یہ خدشہ دامن گیر ہوا کہ وہ ہمیں آ لیں گے تو میں نے ان کے لیے امیہ کا بیٹا چھوڑ دیا تاکہ وہ اس کی طرف مشغول ہو جائیں۔ امیہ ایک بھرا ہوا انسان تھا۔ میں نے اسے کہا: "نیچے بیٹھ جا۔" وہ نیچے بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا آپ اس پر گر لیا۔ تاکہ اس کا دفاع کر سکوں۔ انہوں نے ہمیں

گھیر لیا۔ حتیٰ کہ ہمیں اس طرح گھیر لیا جس طرح محل کے ارد گرد مکان ہوں۔ میں اس کا دفاع کر رہا تھا۔ ایک شخص نے تلوار بلند کی اور اس کے بیٹے کو مار دی اس کے ضرب کاری لگی۔ امیہ نے ایسی چیخ ماری کہ میں نے اتنی بلند چیخ کبھی نہیں سنی تھی۔ میں نے اسے کہا: ”اپنے آپ کو بچاؤ۔ میں تجھے نہیں بچا سکتا۔ بخدا! اب میں تجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ انہوں نے اس کے پر خچے اڑا دیے۔ ان میں سے کسی کی تلوار میری ٹانگ پر بھی لگی۔“ حضرت عبدالرحمان فرماتے تھے ”اللہ تعالیٰ حضرت بلال پر رحم کرے۔ ان کی وجہ سے میری زریں بھی چلی گئیں اور انہوں نے مجھے میرے قیدیوں کی وجہ سے تکلیف دی۔“

مشیتِ خاک

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۖ (الانفال: ۱۷)

ترجمہ: ”نہیں پھینکی آپ نے (مشیتِ خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔“

محمد بن عمر اسلمی نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا۔ آپ نے زمین سے مٹی بھر خاک لی اور اسے مشرکین کی طرف پھینک دیا۔ فرمایا: ”چہرے برباد ہو جائیں۔ مولا! ان کے دلوں میں رعب ڈال دے۔ ان کے قدموں پر لرزہ طاری کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو شکست ہوگئی۔ وہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔“

انہوں نے اپنی زریں پھینک دیں۔ مسلمان انہیں تیغ کر رہے تھے۔ ابن ابی حاتم نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تین سنگریزے لیے۔ ایک کو قوم کے میمنہ کی طرف، دوسرے کو قوم کے میسرہ کی طرف اور تیسرے کو اس قوم کے سامنے پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا: ”چہرے برباد ہو جائیں۔“ مشرکین کو شکست ہوگئی۔

الطبرانی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حسن سند کے ساتھ حضرت حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”غزوہ بدر کے روز ہم نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی۔ وہ چیز آسمان سے زمین کی طرف گری تھی۔ گویا کہ سنگریزے طشت میں گرے ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے وہ سنگریزے پھینکے اور فرمایا: ”چہرے برباد ہو جائیں۔“ ہمیں شکست ہوگئی۔

ابو اسحاق، ابو نعیم اور ابن مردودیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”میں نے سنگریزوں کی آوازیں سنیں وہ گویا کہ آسمان سے کسی طشت میں گرے ہوں۔ جب لوگوں نے صف بندی کر لی تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں پکڑا۔ انہیں دشمن کی طرف پھینک دیا۔ مشرکین کو شکست ہوگئی۔“

الطبرانی اور ابو اسحاق نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”علی! مجھے مٹھی بھر سنگریزے دو۔“ حضور اکرم ﷺ نے انہیں کفار کی طرف پھینک دیا۔ دشمن کا کوئی فرد نہ بچا مگر اس کی آنکھیں ان سے بھر گئیں۔

ابن جریر، ابن منذر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگی: ”مولا! اگر یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو روتے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔“ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ”آپ ﷺ مٹھی بھر مٹی لیں اور اسے ان کے چہروں کی طرف پھینک دیں۔“ وہ ہر مشرک کی آنکھوں، ناک اور منہ میں پڑی وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ان پر حملہ کر دو۔“ پھر انہیں شکست ہو گئی۔ سردار ان قریش میں سے جو قتل ہوئے وہ قتل ہوئے جو قیدی بنے وہ قیدی بنے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ - وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى (الأنفال: ۱۷)

ترجمہ: ”پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا۔ اور (اے محبوب) تم نے نہیں پھینکی (مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔“

ابن عقبہ اور ابن عائد نے لکھا ہے ”ان سنگریزوں کی عظیم شان تھی۔ مشرکین کے ہر ہر فرد کی آنکھیں اس سے بھر گئیں۔ مسلمان انہیں تہ تیغ کرنے لگے اور قیدی بنانے لگے۔ ہر شخص چہرے کے بل جھک گیا۔ وہ نہیں جانتا کہ کہاں جائے؟ وہ اپنی آنکھوں سے وہ مٹی نکال رہا تھا۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”اس کے بعد شکست ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سردار ان قریش میں سے اسے قتل کیا جسے قتل کیا اور اسے قیدی بنا لیا گیا جسے قیدی بنا لیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ عریش کی طرف واپس آ گئے۔ آپ تلوار سونتے ہوئے تھے۔ انصار کا ایک گروہ آپ کی حفاظت کر رہا تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ دشمن پلٹ کر حملہ نہ کر دے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تلوار سونتے عریش کے دروازے پر کھڑے تھے۔ امام بیہقی نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عرض کی: ”مولا! میری طرف سے نوفل بن خویلد کو کافی ہو جا۔ اسے حضرت جبار بن صخر نے قیدی بنایا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے تہ تیغ کیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عاص بن سعید کو بھی قتل کیا تھا۔ آپ نے پوچھا: ”کیا کسی کو نوفل کا علم ہے؟“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”میں نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے میری دعا کو قبول فرمایا ہے۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں بنو ہاشم کے بعض افراد کو جانتا ہوں۔ انہیں مجبوراً لایا گیا ہے۔ ہمیں ان کے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بنو ہاشم میں سے کسی کو ملے تو اسے قتل نہ کرے۔ جو

ابو البختری کو ملے اسے قتل نہ کرے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے قتل سے اس کے لیے منع کیا تھا کیونکہ یہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ کا دفاع کرتا تھا۔ یہ نہ تو خود آپ کو اذیت دیتا تھا اور نہ ہی آپ کو اس کی طرف سے کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”جو عباس بن عبدالمطلب سے ملے تو انہیں قتل نہ کرے۔ انہیں مجبوراً لایا گیا ہے۔ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”کیا ہم اپنے آباء، بھائیوں اور قبیلہ والوں کو تیغ کر دیں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ بخدا! اگر میں انہیں ملا تو میں انہیں قتل کر دوں گا۔“ یہ بات حضور اکرم ﷺ تک پہنچ گئی۔ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”ابوحنیفہ! کیا حضور اکرم ﷺ کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اجازت دیں میں ابوحنیفہ کی گردن اڑا دوں۔ وہ منافق ہو گیا ہے۔“ حضرت ابوحنیفہ کہا کرتے تھے: ”میں اس بات سے امن میں نہ تھا جو میں نے اس روز کی تھی۔ میں اس سے خوفزدہ رہا سوائے اس کے کہ میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے۔ روز یمامہ کو ان کے سر پر شہادت کا تاج سجا دیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس روز پہلی بار آپ نے مجھے ابوحنیفہ کی کنیت سے پکارا تھا۔“

مجدربن زیاد رضی اللہ عنہ ابوالبختری سے ملے۔ انہوں نے انہیں کہا: ”حضور اکرم ﷺ نے ہمیں تمہارے قتل سے منع کیا ہے۔“ ابوالبختری کے ہمراہ اس کا دوست جنادہ بن ملیح بھی تھا۔ اس نے پوچھا: ”میرے اس دوست کے بارے کیا حکم ہے؟“ حضرت مجدربن زیاد نے کہا: ”نہیں! ہرگز نہیں! بخدا! ہم تیرے دوست کو نہیں چھوڑیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں صرف تجھے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔“ ابوالبختری نے کہا: ”یوں نہیں ہو سکتا۔ میں اور وہ اکٹھے ہی مریں گے۔ تاکہ مکہ مکرمہ کی خواتین کی باتیں نہ بتائی رہیں کہ میں نے زندگی کا لالچ کرتے ہوئے اپنے دوست کو چھوڑ دیا تھا۔ جب حضرت مجدربن ابوالبختری پر حملہ کیا اور اس نے قتال کا ہی مطالبہ کیا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

لن یسلم ابن حرّة زمیلہ حتی یموت او یزی سبیلہ

ترجمہ: ”آزاد عورت کا بیٹا اپنے دوست کو سپرد نہیں کرے گا حتیٰ کہ مر جائے یا اسے اپنا رستہ نظر آجائے۔“

یہ باہم لڑنے لگے۔ حضرت مجدربن زیاد نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ میں اسے گرفتار کروں۔ مگر اس نے میرا مقابلہ ہی کرنا چاہا۔ میں نے اسے قتل کر دیا۔“

ابن عقبہ نے لکھا ہے ”لوگ گمان کرتے ہیں کہ ابو یسر نے ابوالبختری کو قتل کیا تھا۔ کثیر علماء نے لکھا ہے کہ حضرت مجدربن زیاد نے اس کا کام تمام کیا تھا۔ لیکن بلاشک و شبہ حضرت ابو داؤد مازنی نے اسے تیغ کیا تھا۔ اس کی تلوار چھین لی تھی۔ ان

کے بیٹوں میں سے کسی کے پاس اس کی تلوار بھی تھی۔ حتیٰ کہ ابوالبحتری کی اولاد نے اس سے اسے خرید لیا۔

فرعون امت ابو جہل کا قتل

امام احمد، شیخان وغیرہ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ بدر کے روز میں صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو میں دو انصاری بچوں کے مابین تھا۔ وہ نوخیز تھے میں نے تمنا کی کہ میں ان سے قوی افراد کے مابین ہوتا۔ ان میں سے ایک نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا: ”چچا جان! کیا آپ ابو جہل کو جانتے ہیں؟“ میں نے کہا: ”ہاں! بھتیجے! اس سے کیا کام ہے؟“ اس نے کہا: ”مجھے علم ہوا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہتا ہے مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میرا جسم اس کے جسم سے جدا نہ ہوگا حتیٰ کہ ہم میں سے جلدی مرنے والا مر جائے۔“ پھر دوسرے نے مجھے سرگوشی کی اور اسی طرح کی بات کی۔ مجھے اس پر تعجب ہوا۔ مجھے جلد ہی ابو جہل نظر آیا وہ لوگوں میں گھومتا ہوا یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

• ما تنقم الحرب العوان منی، بازل عامین حدیث سنی، لمثل هذا والدتنی اھی۔

ترجمہ: ”یہ گھمسان کی جنگ مجھ سے کیا انتقام لے سکتی ہے۔ میں جو ان طاقت ور اونٹ ہوں۔ جس کا شباہ

پورے جو بن پر ہو۔ میری ماں نے مجھے ایسی ہی جنگوں کے لیے پیدا کیا ہے۔“

میں نے ان نوخیز انصاریوں سے کہا: ”کیا تم اس صاحب کو نہیں دیکھ رہے جس کے بارے پوچھ رہے تھے۔“ وہ دونوں اپنی تلواروں سمیت جلدی سے اس کی طرف گئے۔ اس پر وار کیے حتیٰ کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر وہ باہر گاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ آپ کو اس کے قتل کے بارے بتایا۔ آپ نے پوچھا: ”تم میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟“ ان میں سے ہر ایک نے عرض کی: ”میں نے“ آپ نے پوچھا: ”کیا تم نے اپنی تلوار صاف کر لیں ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”نہیں۔“ آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا: ”تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔“ آپ نے اس کے سامان کا فیصلہ معاذ بن عمرو بن جموح اور معوذ بن عفراء کے لیے کیا۔

امام احمد، امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے قوم سے سنا وہ کہہ رہی تھی کہ ابو جہل گھنے درخت ”الحرجة“ کی طرح ہے۔ اس تک پہنچنا مشکل ہے۔ جب میں نے یہ سنا تو میں نے اسے اپنا مقصد بنا لیا۔ میں نے اس کا قصد کیا۔ جب میرے لیے ممکن ہوا میں اس پر حملہ آور ہو گیا۔ میں نے اس پر ایک ایسی ضرب کاری ماری جس نے اسے نصف پنڈلی سے کاٹ کر رکھ دیا۔ بخدا! مجھے تو یوں لگا کہ گویا کہ گنھیلوں کو پینے والے

پتھروں کے تیجے سے کوئی گٹھلی اڑی ہو۔ جب اس پر ضرب لگے۔ اس کے بعد عکرمہ نے مجھے ضرب لگائی۔ یہ ضرب میرے شانے پر پڑی جس نے میرا بازو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس نے مجھے قتال کرنے سے روک دیا۔ میں نے اس روز بہت زیادہ قتال کیا تھا۔ میں اسے اپنے پیچھے پیچھے کھینچ رہا تھا۔ جب اس نے مجھے تکلیف دی تو میں نے اپنا پاؤں اس پر رکھا۔ اس پر دباؤ ڈالا اور اسے علیحدہ کر دیا۔ اسے پھینک دیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ وہ بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہے۔ قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "ابن وہب نے اپنی روایت میں لکھا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ اسے پہلے کی طرح جوڑ دیا۔" الشفاء میں ہے "غزوہ بدر کے روز ابو جہل نے حضرت معوذ کا ہاتھ کاٹ دیا۔ وہ بازو اٹھا کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ اسے جوڑا تو وہ فوراً جڑ گیا۔" ابن وہب نے یہ روایت نقل کی ہے۔ پھر ابو جہل کے پاس حضرت معوذ بن عفراء گزرے وہ لنگڑا پڑا تھا۔ اس کو تلوار کا وار کر کے تیجے گرا دیا۔ اس میں زندگی کی رقی باقی تھی۔ حضرت معوذ جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابو جہل کے پاس سے گزرے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ آپ مقتولوں پر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ابو جہل کو تلاش کیا۔ آپ نے اسے نہ پایا۔ حتیٰ کہ اس کے اثرات آپ کے چہرہ انور سے عیاں ہو گئے۔ آپ نے دعا مانگی: "مولا! مجھے اس امت کے فرعون سے عاجز نہ کرنا۔" آپ نے فرمایا: "ہمارے لیے کون خبر لے کر آئے گا کہ ابو جہل نے کیا کیا ہے؟ اگر تم مقتولوں میں سے اسے نہ پہچان سکو تو اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان دیکھ لینا۔ ایک دفعہ میں اور وہ عبد اللہ بن جدعان کے دسترخوان پر اٹھے ہو گئے۔ ہم بچے تھے۔ میں اس سے تھوڑا سا دبتا تھا۔ میں نے اسے دھکا دیا۔ وہ گھٹنے کے بل تیجے گر پڑا۔ اس کے ایک گھٹنے پر خراش سی آگئی۔ اس کا اثر اس پر رہا۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: "میں اس کے پاس آیا میں نے دیکھا کہ زندگی کی آخری رقی اس میں باقی تھی۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ غرق آہن تھا۔ وہ اپنی رانوں پر اپنی تلوار رکھے ہوا تھا۔ اسے زخم نہ لگا تھا۔ نہ ہی وہ اپنے کسی عضو کو حرکت دے سکتا تھا۔ وہ شانوں کے بل گرا تھا۔ زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب اسے حضرت ابن مسعود نے دیکھا تو اس کے ارد گرد چکر لگایا تاکہ اس کا کام تمام کر دیں۔ انہوں نے تلوار کا وار کرنا چاہا پھر نہ دامن گیر ہوا کہ شاید تلوار کا وار کارگر ثابت نہ ہو۔ وہ اس کے پیچھے سے آئے۔ انہوں نے کہا: "میرے پاس پرانی تلوار تھی۔ اس کے پاس عمدہ تلوار تھی۔ میں اپنی تلوار سے اس کا سر ہڈا کرنے لگا۔ پھر مجھے یاد آ گیا کہ وہ مجھے سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا کرتا تھا۔ تلوار پر اس کی گرت کمزور

ہو چکی تھی۔ میں نے اس کی تلوار لی۔ اس نے اپنا سر اٹھایا۔ اس نے پوچھا: ”فتح کس کو ہوئی؟“ میں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کو۔“ میں نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور کہا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تجھے رسوا کیا ہے اے اللہ کے دشمن!“ دوسرے الفاظ یوں ہیں۔ ”اے اللہ کے دشمن کیا رب تعالیٰ نے تجھے رسوا کر دیا ہے؟“ اس نے کہا: ”رب تعالیٰ نے مجھے کس چیز کے ساتھ رسوا کیا ہے؟ کیا انسان کے لیے یہ عار ہے کہ اس کی قوم اسے قتل کر دے۔ کیا مجھے انصار کے علاوہ کسی نے قتل کیا ہے؟“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے اس کی گدی سے اس کا خود بنایا اس پر کاری ضرب لگائی۔ اور اس کا سر سامنے جاگرا۔ میں نے اس کا سامان چھینا۔ ابن عقبہ نے لکھا ہے ”جب حضرت عبد اللہ نے دیکھا تو انہیں ابو جہل پر کوئی ضرب کا نشان نظر نہ آیا۔ انہوں نے اس کی گردن پر ضرب کا نشان نظر آیا۔ اس کے ہاتھوں اور ہتھیلیوں پر کوڑوں کے نشانات تھے۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کی۔ آپ نے فرمایا: ”وہ ملائکہ کی ضربوں کے نشانات تھے۔“

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ”میں نے اس کا سر جدا کیا۔ اور اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے۔ آپ نے فرمایا: ”رب تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔“

آپ نے تین بار مجھے قسم کھانے کے لیے کہا۔ میں نے اس کا سر آپ کے سامنے پھینک دیا۔ آپ نے کہا: ”ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسلام اور اس کے اہل کو عترت عطا کی۔“ آپ نے تین بار یوں کہا۔ پھر سجدہ ریز ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق دو رکعتیں ادا کیں۔

قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹانگ ابو جہل کی گردن پر رکھ دی۔ تاکہ ان کا خواب سچا ہو سکے۔ ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے کہ ابو جہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: ”میں تمہیں قتل کر دوں گا۔“ انہوں نے کہا: ”بخدا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں نے حنظل کے پھل کو پکڑا ہے۔ اور تیرے کندھوں کے مابین اسے رکھ کر پاؤں سے روندھ دیا ہے۔ اگر میرا خواب سچا ہے تو میں تیری گردن روندھ ڈالوں گا۔ میں تجھے اس طرح ذبح کروں گا جس طرح بکری کو ذبح کیا جاتا ہے۔“

ابن عائد نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ہر امت کافر عوں ہوتا ہے۔ اس امت کافر عوں ابو جہل ہے۔ رب تعالیٰ نے اسے بری طرح قتل کیا۔ عفراء کے دونوں لخت جگروں اور ملائکہ نے اسے قتل کیا اور ابن مسعود نے اس کا کام تمام کر دیا۔“

ابن ابی الدنیانے اپنی کتاب "مَنْ عَاشَ بَعْدَ الْمَوْتِ" میں لکھا ہے کہ امام شعبی نے فرمایا: "ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی: "میں بدر کے مقام سے گزرا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ جو زمین سے باہر نکلا۔ ایک شخص اسے گرز سے مار رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ زمین میں واپس چلا گیا۔ وہ پھر باہر نکلا تو اس کے ساتھ اسی طرح ہوا۔ اس کے ساتھ اس طرح کئی بار ہوا۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "وہ ابو جہل تھا۔ اسے روزِ حشر تک اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔"

الطبرانی اور ابن ابی الدنیانے "کتاب القبور" میں اللاکائی نے "السنۃ" میں اور ابن مندہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "اسی اثناء میں کہ میں بدر کے اطراف میں چل رہا تھا کہ ایک گڑھے سے ایک شخص نکلا اس کی گردن میں زنجیر تھی۔ اس نے مجھے صدا دی "عبداللہ! مجھے پانی پلاؤ۔" میں نہیں جانتا کہ اس نے میرا نام جان لیا تھا یا عرب کے دستور کے مطابق مجھے صدا دی تھی۔ اس گڑھے سے ایک اور شخص نکلا۔ اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ اس نے مجھے صدا دی۔ "عبداللہ! اسے پانی نہ پلانا۔ یہ کافر ہے۔" پھر اس نے اسے کوڑا مارا اور وہ اسی گڑھے میں چلا گیا۔ میں جلدی سے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا اور آپ کو بتا دیا۔ آپ نے مجھے کہا "کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟" میں نے عرض کی: "ہاں!" آپ نے فرمایا: "وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو جہل تھا۔ روزِ حشر تک اسے اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔"

ابو ذات الکرش کا قتل

امام بخاری نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوہ بدر کے روز میں عبیدہ بن سعید بن عاص سے نبرد آزما ہوا۔ وہ غرق آہن تھا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ اس کی کینت ابو ذات کرش تھی۔ اس نے کہا: "میں ابو ذات الکرش ہوں۔ میں نے نیزہ کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ میں نے اس کی آنکھ میں نیزہ مارا۔ وہ اسی جگہ مر گیا۔" حضرت ہشام بن عروہ نے کہا: "مجھے حضرت زبیر نے بتایا۔ انہوں نے کہا: "میں نے اس پر اپنی ٹانگ رکھی۔ پھر نیزہ نکالنے کے لیے زور لگایا۔ نیزہ نکل تو آیا لیکن وہ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔"

حضرت عروہ نے کہا: "حضور اکرم ﷺ نے ان سے وہ نیزہ مانگ لیا۔ انہوں نے آپ کو پیش کر دیا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے واپس لے لیا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے طلب کیا تو انہوں نے انہیں پیش کر دیا۔ پھر ان کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے نیزہ مانگا تو انہوں نے انہیں دے دیا۔ ان کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنی نے ان سے وہ نیزہ مانگ لیا۔ جب وہ شہید ہو گئے تو یہ نیزہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد پاک کے پاس رہا۔ پھر ان سے یہ نیزہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے لے لیا اور تادم شہادت ان کے پاس رہا۔"

شاخ کا تلوار بن جانا

ابن سعد نے حضرت زید بن اسلم سے اور امام بیہقی اور ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضرت عکاشہ بن محسن نے غزوہ بدر کے روز تلوار سے جہاد کیا حتیٰ کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے انہیں کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ فرمایا: "عکاشہ! اسی کے ساتھ قتال کرو۔" جب انہوں نے آپ کے دست اقدس سے تلوار لی اور اسے لہرایا تو وہ تلوار بن گئی۔ وہ ایک طویل، روشن اور تیز دھار والی تلوار تھی۔ انہوں نے اس کے ساتھ جہاد کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی۔ اس تلوار کو "العون" کہا جاتا تھا۔ یہ تلوار ان کے پاس ہی رہی۔ انہوں نے آپ کے ساتھ سارے غزوات میں شرکت کی حتیٰ کہ ردة کے ایام میں وہ شہید ہو گئے۔ انہیں طلحہ بن خویلد اسدی نے شہید کیا تھا۔

امام بیہقی نے حضرت داؤد بن حصین سے اور انہوں نے بنو عبدالاشہل کے بعض افراد سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلمہ بن حریش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ ان کے پاس اور کوئی اسلحہ نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس نخل ابن طاب کے باغ کی ایک شاخ تھی۔ آپ نے انہیں عطا فرمادی اور فرمایا: "اسی کے ساتھ جہاد کرو۔" وہ ایک چمکدار تلوار بن گئی وہ ان کے پاس ہی رہی حتیٰ کہ یوم حصر کے روز وہ شہید ہو گئے۔

لعاب دہن اور دست اقدس کی تاثیر

امام بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت خنیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر کے روز تلوار کی ضرب لگی۔ ان کے چہرے کا ایک حصہ ٹیڑھا ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اسے ایک دوسرے کے ساتھ ملایا تو وہ بالکل درست ہو گیا۔

امام بیہقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بدر کے روز ان کی آنکھ پر ضرب لگی۔ ان کی آنکھ ان کے رخسار پر بہنے لگی۔ انہوں نے اسے نیچے پھینک دینے کا ارادہ کیا۔ صحابہ کرام نے آپ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا: "نہیں؟" آپ نے انہیں یاد فرمایا۔ اپنی ہتھیلی مبارک پر ان کی آنکھ رکھی پھر اسے اس کی جگہ پرفٹ کر دیا۔ پھر انہیں یاد تک نہ رہا کہ ان کی کس آنکھ کو تکلیف پہنچی تھی۔

رفاعة بن رافع سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "غزوہ بدر کے روز مجھے تیر لگا۔ جس نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ آپ نے اس میں لعاب دہن لگا دیا۔ اور میرے لیے دعا کی۔ اس کی ساری اذیت جاتی رہی۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے "مسلمان کفار کو قیدی بنانے لگے۔ حضور اکرم ﷺ عریش میں تشریف فرما تھے۔ حضرت سعد

بن معاذ بن عمرو دروازے پر کھڑے نگرانی کر رہے تھے۔ ان کے ہمراہ انصار کا ایک گروہ تھا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ دشمن پلٹ کر حملہ نہ کر دے۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد کے چہرہ پر ناپسندیدگی کے اثرات دیکھے۔ اس کی وجہ وہ عمل تھا جو صحابہ کرام کر رہے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ”سعد! شاید صحابہ کا یہ عمل تمہیں پسند نہیں آ رہا۔“ انہوں نے عرض کی: ”ہاں! یا رسول اللہ! یہ پہلا واقعہ ہے کہ مشرکین کو رب تعالیٰ نے رسوا کیا ہے۔ مجھے ان کا قتل کرنا قیدی بنانے سے پسندیدہ تر ہے۔“

مشرکین کو شکست

ابن سعد نے لکھا ہے ”قریش شکست خوردہ ہو کر مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ نکلے۔ حضور ﷺ تلوار سونت کر ان کے تعاقب میں تھے۔ آپ کی زبان اقدس پر یہ آیت طیبہ تھی:

سَيَهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٣٥﴾ (القر: ۳۵)

ترجمہ: ”عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔“

امام عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن راھویہ وغیرہم نے حضرات عکرمہ، ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے غزوہ بدر سے قبل مکہ مکرمہ میں آپ پر یہ آیت طیبہ نازل کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کس لشکر کو شکست ہوگی؟“ جب غزوہ بدر رونما ہوا۔ قریش کو شکست ہوئی۔ میں نے آپ کو دیکھا آپ ان کے تعاقب میں تھے آپ تلوار لہرا رہے تھے آپ اسی آیت طیبہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میں اس کی تاویل سمجھ گیا۔ اس روز جمعۃ المبارک کا دن تھا سورج زوال سے نیچے جا چکا تھا۔

فریابی، ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ترمذی نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ اہل بدر سے فارغ ہو گئے تو آپ سے عرض کی گئی: ”یا رسول اللہ! آپ اب قافلہ کا بھی تعاقب کریں۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔“ حضرت عباس قیدی تھے۔ انہوں نے وہاں سے کہا: ”یہ درست نہیں۔“ آپ نے پوچھا: ”کیوں؟“ انہوں نے کہا: ”کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا۔ رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔“ آپ نے کہا: ”تم نے سچ کہا ہے۔“ اموی نے ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقتولوں کے پاس تھے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

نفلق ہاما۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ شعریوں مکمل کیا:

... من الرجال اعزة
علینا و ہم كانوا اعق و اظلمنا

ترجمہ: ”ہم ان لوگوں کی کھوپڑیاں چیر کر رکھ دیتے ہیں جو ہمیں عزیز ہوں حالانکہ وہ سب سے زیادہ نافرمان اور ظالم تھے۔“

امام بخاری نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے فرمایا: ”اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا پھر مجھ سے ان قیدیوں کے بارے سوال کرتا تو میں اس کے لیے رہائی دے دیتا۔“ یعنی میں انہیں زندہ چھوڑ دیتا۔ فدیہ کے بغیر انہیں قتل نہ کرتا۔ یہ اس کی عزت و احترام تھا۔ اس کی سفارش کو قبول کرنا تھا۔ کیونکہ اس نے وہ ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

کفار قریش کی لاشیں

امام مسلم، امام نسائی، امام بخاری، ابن اسحاق، امام احمد اور الطبرانی نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ نے ایک روز پہلے ہی صحابہ کرام کو مشرکین کی قتل گاہیں دکھادیں تھیں۔ آپ نے اپنا دست اقدس زمین پر رکھا اور فرمایا: ”یہ فلاں کی قتل گاہ ہے یہ فلاں کی قتل گاہ ہے۔ ان شاء اللہ!“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے وہ ان حدود سے تھوڑا سا بھی باہر نہ نکلے جو حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے مقرر فرمائیں تھیں وہ انہی میں گر رہے تھے۔“ انہیں بدر کے گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ وہ خبیث اور غلیظ ایک دوسرے کے اوپر تھے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ان کی تعداد بیس سے کچھ زیادہ تھی۔“

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”امیہ بن خلف کی لاش کو اس کنویں میں نہ پھینکا جا سکا۔ وہ اس کی زہرہ میں ہی پھول گئی تھی۔ صحابہ کرام نے اسے حرکت دی تو وہ اسی جگہ بکھر گئی۔ انہوں نے اسے اس جگہ رکھا اور اس پر مٹی اور پتھر پھینک دیے۔“

حضرت ابو طلحہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو کسی قوم پر فتح عطا فرماتا تو آپ تین راتیں وہیں قیام فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے غزوہ بدر کے مقتولین کو تین روز تک اسی طرح چھوڑے

رکھا پھر ان کے پاس تشریف لائے۔ جب غزوہ بدر کو تین روز گزر گئے تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس پر بجا وہ کس دیا گیا۔ آپ آگے روانہ ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پیچھے تھے۔ ہم سمجھے کہ شاید آپ کسی ضروری کام کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ اس گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ رات کا وقت تھا۔ آپ مقتولین کے نام اور ان کے آباء کے نام لے کر پکارنے لگے۔ آپ نے فرمایا: ”اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! اے ابو جہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! کیا یہ امر تمہیں خوش کرتا ہے کہ کاش تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔ کیا تم نے وہ وعدہ سچ پایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔ میں نے تو وہ وعدہ سچ پایا ہے جو رب تعالیٰ نے میرے ساتھ کیا تھا۔ تم اپنے نبی کریم ﷺ کے کتنے برے رشتہ دار تھے۔ تم نے میری تکذیب کی۔ جبکہ لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے شہر مکہ سے نکالا۔ لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے ساتھ جنگ کی لوگوں نے میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں میری طرف سے بری جزا دے۔ تم نے مجھے خائن قرار دیا حالانکہ میں امین تھا تم نے میری تکذیب کی۔ حالانکہ میں سچا تھا۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ تین روز بعد ان مردوں کو صدا دے رہے ہیں۔ آپ ایسے اجسام سے کیسے بات چیت کر رہے ہیں۔ جن میں ارواح نہیں ہیں۔ یہ مرد آپ کے فرمان کو کیسے سنیں گے اور کیا جواب دیں گے؟“ آپ نے فرمایا: ”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اب بھی سن رہے ہیں لیکن وہ ہمیں جواب دینے کے قابل نہیں ہیں۔“

حضرت قتادہ نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ آپ کا فرمان سماعت کرایا ان کو زجر و توبیح کرنے، ان سے انتقام لینے اور حسرت و ندامت کا اظہار کرنے کے لیے یوں کیا۔“

عروہ نے فرمایا: ”حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول پہنچا تو انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ آپ نے گویا کہ فرمایا تھا: ”اب انہیں پتہ چل گیا ہے کہ میں جو کچھ ان سے کہتا تھا وہ حق ہے حالانکہ وہ جہنم میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ. (نمل: ۸۰)

ترجمہ: ”بیشک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو۔“

مَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ ۗ إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿۲۳﴾ (فاطر: ۲۳/۲۲)

ترجمہ: ”آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے۔“

امام احمد نے دو اسناد سے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم میرا فرمان ان سے زیادہ سمجھنے والے تو نہیں۔“ یا ”تم میرا فرمان ان سے زیادہ سمجھنے والے تو نہیں۔“

بزار اور الطبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب ابو جہل کو گھسیٹ کر کنویں کے پاس لایا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”کاش! ابوطالب زندہ ہوتے تو جان لیتے کہ ہماری تلواریں بڑے بڑے سرداروں سے نبرد آزما ہوئیں تھیں۔“

الطبرانی نے لکھا ہے کہ یہ اشارہ جناب ابوطالب کے ان اشعار کی طرف تھا۔

كذبتُم و بيت الله نخلي محمداً
و نسله حتى نُصرع حوله
و ينهض قومٌ في الحديد اليكم
و حتى يري ذالضعن ير كب درعه
و انا لعبر الله ان جدّ ما أرى
و لها نطاعن حوله و نناضل
و نذهل من ابنائنا والحلائل
نهوض الروايا تحت ذات الصلاصلي
من الطعن فعل الانكب المتعامل
لَتَلْتَبِسَنَ اَسِيافُنَا بِالامائل

ترجمہ: ”بيت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم پر محمد عربی ﷺ کی وجہ سے غلبہ پالیا جائے گا۔ حالانکہ ان کی حفاظت کے لیے ہم نے ابھی تک نہ نیزہ بازی کی ہے نہ تیر اندازی۔ تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم آپ کو تمہارے سپرد کر دیں گے۔ بلکہ ہم آپ کے ارد گرد جانوں کے نذرانے پیش کریں گے اور اپنی اولاد اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔ حتیٰ کہ تم دیکھو گے کہ ایک کینہ باز انسان نیزے کا وار کھا کر بھی نہ رکے گا۔ وہ حاملہ اوشنیوں کی طرح مشکل سے چل رہا ہوگا۔ تمہارے پاس غرق آہن قوم اس طرح آئے گی۔ جیسے پانی لانے والی اوشنیاں برتن لے کر اوپر اٹھتی ہیں۔ رب تعالیٰ کی ابدیت کی قسم! اگر وہ واقعہ ظہور پذیر ہو گیا جو میرے حاشیہ گمان میں مخفی ہے تو پھر ہماری تلواریں کئی برگزیدہ لوگوں کو کاٹ ڈالیں گی۔“

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

عرفت ديار زينب بالكثيب
تدا ولها الرياح وكل جوين
فأمسى رسمها خلقاً وأمست
فدع عنك التذكر كل يوم
كحظ الوحي في الورق القشيب
من الوسمي منحصر سكب
يبابا بعد ساكنتها الحبيب
و رد حرارة الصدر الكئيب

بصدق غیر اخبار الكذوب
لنا فی المشرکین من النصیب
بذت اركانہ جنح الغروب
كاسد الغاب مردانٍ و شیب
على الاعداء فی نفع الحروب
و كل مجربٍ خاطی الكعوب
بنو النجار فی الدین القلیب
و عتبه قد تركنا بالحبوب
ذوی حسب اذا نسبو حسب
قذغناهم كباكب فی القلیب
و امر الله یاخذ بالقلوب
صدقت و كنت ذارای مصیب

و خبر بالذی لا عیب فیہ
بما صنع الملیک غداة بند
غداة كان جمعهم حراء
فلا قینا هم منا بجمع
امام محمد قد وازدوه
بایدیہم سارم مرهفات
بنو الاوس الغطارف وازدتها
فغادرنا اباجهل مریعا
و شیبہ قد تركنا فی رجال
ینادیہم رسول الله لَمَّا
الم تجدوا کلدی كان حقاً
فما نطقوا ولو نطقوا لقالوا

ترجمہ: ”میں نے ٹیلے پر زینب کا گھراس طرح پہچان لیا جس طرح پرانے کاغذ پر خط کی تحریر کو جان لیا جاتا ہے۔ ان گھروں پر ہوائیں چلتی ہیں اور بہار کے موسم کا سیاہ بادل موسلا دھارا برکرم برساتا ہے۔ ان کے نشانات پرانے ہو گئے ہیں وہ اجو گئے ہیں حالانکہ پہلے وہاں محبوب کا بسیرا تھا۔ انہیں روزانہ یاد کرنا ترک کر دے اور غمناک سینے کی گرمی مٹادے اور ان جھوٹی داستانوں کو ترک کر کے اس سچی بات کی خبر دے جس کے سنانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بتا کہ بدر کی صبح کو رب تعالیٰ نے ہمیں مشرکین پر کیسے فتح عطا کی۔ اس روز ان کا لشکر جبراکوہ حرام کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ مگر ان کی بنیادیں اور ارکان زوال کے وقت جھک گئے ہم نے ایسے مبارک گروہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جس کے بوڑھے اور بچے گویا کہ جنگل کے شیر تھے۔ وہ مبارک جماعت آپ کے سامنے تھی جس نے گھمان کے رن میں آپ کی حفاظت کی۔ انہوں نے اپنی پتلی اور تیز دھار والی تلواریں تھام رکھیں تھیں اور موٹی موٹی گروہ والے مجرب نیزے تھے۔ وہ بنو اوس کے شیر تھے۔ مضبوط دین میں ان کی مدد بنو نجار نے کی تھی۔ ہم نے ابو جہل کو پشت کے بل پٹخ دیا اور عتبہ کو بھی سخت زمین پر مقتول چھوڑ دیا۔ شیبہ کو ایسے لوگوں میں چھوڑا کہ

ان کے نسب جب بیان کیے جاتے تو وہ بڑے نسب والے ہوتے تھے۔ جب ہم نے انہیں گروہوں کی صورت میں گڑھے میں پھینکا تو حضور ﷺ انہیں صدا دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم نے میری بات کو سچ پایا ہے رب تعالیٰ کا امر دلوں کو پکڑ لیتا ہے۔ وہ جواب تک نہ دے سکے اگر وہ جواب دیتے تو کہتے آپ نے سچ فرمایا تھا اور آپ کی رائے ہی صحیح تھی۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”جب حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو گڑھے میں پھینک دیا جائے تو عقبہ بن ربیعہ کو پکڑا گیا اور اسے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھ لیے۔ آپ نے فرمایا: ”ابوذر یفہ! شاید تمہارے دل میں تمہارے باپ کے بارے کچھ گمان گزرا ہے؟ انہوں نے عرض کی: ”نہیں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے نہ تو باپ کے بارے شک ہے نہ اس کے قتل کے بارے شک ہے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ میرا باپ صائب رائے والا اور حلیم اور معزز انسان تھا۔ مجھے امید تھی کہ یہ امور اسے اسلام کی طرف لے جائیں گے۔ جب میں نے اس کا انجام دیکھا تو مجھے اس کا کفر یاد آ گیا۔ حالانکہ مجھے اس کے اسلام لانے کی امید تھی اس بات نے مجھے غمزدہ کر دیا۔“ حضور اکرم ﷺ نے انہیں دعائے خیر دی اور بھلائی کے کلمات کہے۔

اہل مدینہ کو بشارت

امام حاکم نے حضرت اسامہ بن زید سے، امام بیہقی نے محمد بن عمر سے اور امام بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید نے فرمایا: ”غزوہ بدر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری کے لیے پیچھے رہے تھے۔ صحابہ کرام نے فرمایا: ”جب حضور اکرم ﷺ مقام الاثیل تک پہنچے تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بشارت دینے کے لیے آگے بھیج دیا۔ وہ اتوار کے روز آ کے جبکہ سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔ یہ دونوں عقیق کے مقام پر سے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ حضرت عبداللہ اپنی سواری پر سے ہی یہ صدا گانے لگے ”اے گروہ انصار! تمہیں حضور اکرم ﷺ کی سلامتی کی بشارت ہو۔ تمہیں مشرکین کے قتل اور قید ہونے کا مشردہ ہو۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے مارے گئے۔ حجاج کے دونوں فرزند تہ تیغ ہوئے۔ ابوہل، زمعہ، امیہ مقتول ہوئے۔ سہیل بن عمرو قیدی بنا۔ حضرت عاصم بن عدی فرماتے ہیں: ”میں اٹھ کر ان کی طرف گیا میں نے کہا: ”ابن رواحہ! جو کچھ تم کہہ رہے ہو کیا یہ حق ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں! کل حضور اکرم ﷺ قیدیوں کو پابند سلاسل بنا کر یہاں تشریف لے آئیں گے۔ پھر وہ محلہ عالیہ کی طرف انصار کے گھروں میں بشارت دینے کے لیے چلے گئے۔ وہ گھر گھر یہ مشردہ جانفزا سنا رہے تھے۔ بچے ان کے ساتھ ساتھ دوڑ

رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے ”ابو جہل فاسق مارا گیا۔“ حتیٰ کہ وہ بنو امیہ بن زید کے گھروں تک پہنچ گئے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر آئے۔ حضرت اسامہ نے فرمایا: ”وہ العضباء پر سوار تھے۔“ وہ نشیبی علاقوں کے لوگوں کو بشارت دے رہے تھے۔ وہ عید گاہ تک پہنچے۔ وہ اپنی اونٹنی پر ہی پکاراٹھے۔“ عقبہ اور شیبہ مارے گئے۔ حجاج کے دونوں بیٹے مارے گئے۔ ابو جہل قتل ہوا۔ ابوالبحتری، زمعہ، امیہ بن تغلبہ ہوئے۔ سہیل بن عمرو بہت سے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوا۔ لوگ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق نہیں کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے ”حضرت زید بھاگ کر آئے ہیں۔ حتیٰ کہ مسلمانوں پر یہ گراں گزرا۔ وہ ڈرنے لگے۔ حضرت اسامہ نے کہا: ”میں نے بلند آواز سنی میں باہر نکلا حضرت زید رضی اللہ عنہ العضباء پر سوار تھے۔ وہ بشارت لے کر آئے تھے۔ بخدا! میں نے ان کی تصدیق نہ کی حتیٰ کہ میں نے قیدی دیکھ لیے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس وقت آئے جب صحابہ کرام بقیع میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور پر مٹی ڈال رہے تھے۔ ایک منافق نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ”محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ تمہارے ساتھی اس طرح منتشر ہو چکے ہیں کہ اب وہ کبھی بھی ایک جگہ اکٹھے نہ ہوں گے۔ بزرگ صحابہ کرام شہید ہو چکے ہیں۔ محمد عربی ﷺ بھی شہید ہو چکے ہیں۔ یہ ان کی اونٹنی ہے ہم اسے جانتے ہیں۔ یہ زید ہیں جو نجانب نے رعب میں کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے بھاگ آئے ہیں۔“ حضرت ابولبابہ نے کہا: ”رب تعالیٰ تیرا قول جھٹلائے۔“ یہود نے کہا: ”حضرت زید بھاگ کر آئے ہیں۔“ حضرت اسامہ نے فرمایا: ”میں نے اپنے والد گرامی سے غلوت میں ملاقات کی۔ میں نے عرض کی: ”والد گرامی! کیا یہ سچی بات ہے جو آپ کر رہے ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں! اللہ کی قسم وہ حق ہے سچ ہے۔ فرزند دلبد میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حق ہے۔“ مجھے یہ سن کر تقویت نصیب ہوئی۔ میں اس منافق کے پاس آیا۔ میں نے کہا: ”تم حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے بارے غلط افواہیں پھیلا رہے ہو۔ میں تجھے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کروں گا۔ تاکہ آپ تیری گردن اڑادیں۔ اس نے کہا: ”اے ابو محمد! میں نے یہ بات لوگوں سے سنی تھی وہ اس طرح کہہ رہے تھے۔“ قیدی لائے گئے۔ حضرت شمران حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ان پر نگران مقرر تھے۔

صحابہ کرام کا مال فتنے میں اختلاف

سعید بن منصور، امام احمد، ابن منذر، ابن حبان، حاکم اور امام بیہقی نے السنن میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”لوگ ہاہم نبرد آزما ہوئے۔ رب تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کیا۔ ایک گروہ نے دشمن کا تعاقب کیا۔ وہ دشمن کو قتل کر رہے تھے۔ اسے قیدی بنا رہے تھے۔ ایک گروہ مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو

گیا۔ ایک گروہ حضور ﷺ کے ارد گرد حلقہ زن ہو گیا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن پلٹ کر حملہ کر دے اور آپ کو نقصان پہنچا دے۔ رات کے وقت صحابہ کرام جمع ہوئے۔ جنہوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا، انہوں نے کہا: ”ہم نے یہ مال جمع کیا ہے۔ اس میں کسی اور کا کوئی حق نہیں ہے۔ جنہوں نے دشمن کا تعاقب کیا تھا۔ انہوں نے کہا: ”تم ہم سے زیادہ اس کے مستحق نہیں ہو۔ ہم نے ہی دشمن کو تم سے دور کیا اور اسے شکست سے دوچار کیا تھا۔ جو صحابہ کرام حضور ﷺ کے ارد گرد حلقہ زن تھے۔ انہوں نے کہا: ”تم ہم سے زیادہ اس مال کے مستحق نہیں ہو۔ ہم حضور ﷺ کے ارد گرد حلقہ زن تھے تاکہ دشمن آپ پر حملہ نہ کر دے۔ آپ کی وجہ سے ہم مصروف رہے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۗ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ۗ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ

بَيْنِكُمْ ۗ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ① (الأنفال: ۱)

ترجمہ: ”دریافت کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے متعلق آپ فرمائیے غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں پس ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اگر تم ایماندار ہو۔“

ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور عبدالرزاق نے مصنف میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”غزوہ بدر کے روز حضور ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی مشرک کو قتل کیا اس کے لیے یہ ہے جس نے کسی مشرک کو اسیر کیا اس کے لیے یہ ہے۔“

ابن عائد کے الفاظ یہ ہیں: ”جس نے جس کو قتل کیا اس کا سامان اسے ملے گا۔ جس نے جس کو قیدی بنایا اس کا سامان اسے ملے گا۔“ بزرگ صحابہ کرام جھنڈوں کے نیچے ثابت قدم رہے۔ لیکن نوجوان صحابہ کرام مشرکین کو قتل کرنے اور ان کا سامان جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ بزرگوں نے جوانوں سے کہا: ”ہمیں اپنے ساتھ شریک کر لو۔ ہم نے ہی تمہارا دفاع کیا ہے۔ اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچتا تو تم ہماری پناہ میں ہی آتے۔“ انہوں نے یہ مسئلہ بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔“ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی: ”یا رسول اللہ! اگر آپ نے انہیں یہ دے دیے تو دیگر صحابہ کرام کے لیے کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ ہمیں اس سے نہ تو آخرت سے کنارہ کشی نے محفوظ رکھا۔ نہ دشمن سے بزدلی نے بچایا اور زندگی پر حرص نے ہمیں بچایا کہ ہم اس طرح کریں جس طرح ہمارے بھائیوں نے کیا ہم نے دیکھا کہ آپ کو تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ ہم نے ناپسند کیا کہ آپ کو کچھ ہونے جائے۔ ہم آپ کے تحفظ کے لیے اس جگہ کھڑے ہو گئے کہ دشمن آپ کے پیچھے سے نہ آجائے۔“

اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے مال لیا اور اپنے رسول مکرم ﷺ کے سپرد کیا۔ آپ نے مسلمانوں کے مابین برابر تقسیم کر دیا۔ یہ رب تعالیٰ سے ڈر، اس کی اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت اور باہم صلح اور رضامندی کی وجہ سے تھا۔

ابن ابی شیبہ، امام احمد، عبد بن حمید، ابن مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ بدر کے روز میرا بھائی عمیر شہید ہو گیا۔ میں نے سعید بن عاص کو مارا تھا۔ میں نے اس کی تلوار حاصل کی تھی۔ اسے ذوالکلیفہ کہا جاتا تھا۔ میں نے وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر کر دی۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! مجھے آج رب تعالیٰ نے مشرکین کی وجہ سے شفا دی ہے۔ آپ مجھے یہ تلوار عطا فرمادیں۔ میرے بارے آپ جانتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ تلوار نہ میری ہے نہ تمہاری ہے۔ اسے رکھ دو۔“ میں نے اسے رکھ دیا۔ میں واپس آیا۔ میں نے دل میں کہا: ”شاید آپ یہ تلوار اس شخص کو دے دیں جو مجھ جیسی آزمائش سے نہ گزرا ہو۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: ”جاؤ اور اسے مال غنیمت میں رکھ دو۔“ میں واپس آ گیا۔ مجھے جو دکھ تھا اسے صرف رب تعالیٰ ہی جانتا تھا میرا بھائی بھی شہید ہو گیا تھا۔ میرا سامان بھی چھین گیا تھا۔ جب میں وہ تلوار رکھنے لگا تو مجھے میرے ضمیر نے ملامت کی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: ”آپ وہ مجھے بخش دیں۔ آپ نے مجھے سختی سے منع کر دیا۔ میں تھوڑا سا ہی آگے بڑھا تھا کہ سورۃ الانفال نازل ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ۔ اپنی تلوار لے لو۔“

النخاس نے اپنی تاریخ میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد اور ایک انصاری صحابی مال غنیمت کے لیے نکلے۔ انہوں نے ایک تلوار دیکھی۔ وہ دونوں اس پر لپکے۔ حضرت سعد نے فرمایا: ”وہ میری ہے۔“ انصاری نے کہا: ”وہ میری ہے۔ میں اسے کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔ حتیٰ کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔“ وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اپنی داستان عرض کی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یا سعد! نہ یہ تمہارے لیے ہے نہ ہی انصاری کے لیے، نہ میرے لیے ہے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ يُدُوْكُمْ نَحْسَهُ وَيَلِرُّ سُوْلٍ وَّلِيْدِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

وَالْمَسْكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۖ (الانفال: ۴۱)

ترجمہ: ”اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو۔ تو اللہ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے

لیے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔“

ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے اسنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الانفال

سے مراد وہ مالِ غنیمت ہے جو حضور اکرم ﷺ کے لیے تھا اس میں سے کسی اور کو کچھ نہیں ملنا تھا۔ صحابہ کرام کو جو کچھ سرایا سے حاصل ہوتا تھا وہ اسے آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ جو اس میں سوئی یا دھاگہ بھی لے لیتا تو یہ بددیانتی ہوتی۔ صحابہ کرام آپ سے عرض کرتے کہ آپ اس میں سے انہیں عطا فرمائیں۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ یسئلونک عن الانفال... پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ واعلموا انما... پھر ایک نمس آپ کے لیے، قریبی رشتہ داروں کے لیے، یتامی، مساکین، ابن سبیل، مہاجرین اور راہِ خدا کے لیے ہوتا تھا۔ چار نمس لوگوں کے لیے ہوتے تھے۔ گھوڑے کے لیے دو حصے گھڑسوار کے لیے ایک حصہ پیادہ کے لیے ایک حصہ ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے مالِ غنیمت پر حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو نگر ان مقرر کیا تھا۔

قیدیوں کے بارے صحابہ کرام کا اختلاف

امام احمد نے حضرت انس سے، امام ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ سے، ابن ابی شیبہ، امام ترمذی، ابن المنذر اور الطبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب غزوہ بدر رونما ہوا۔ قیدیوں کو لایا گیا تو ان میں حضرت عباس بھی تھے۔ ایک انصاری شخص نے انہیں قید کیا تھا۔ انصار نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں قتل کر دیں گے۔ یہ بات حضور اکرم ﷺ تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا: "میں اپنے چچا عباس کی وجہ سے ساری رات سو نہیں سکا۔ انصار گمان کر رہے ہیں کہ وہ انہیں قتل کر دیں گے۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "کیا میں ان کے پاس جاؤں؟" آپ نے فرمایا: "ہاں!" حضرت عمر انصار کے پاس گئے۔ انہیں کہا: "عباس کو چھوڑ دو۔" انہوں نے کہا: "نہیں! واللہ! ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔" حضرت عمر نے کہا: "اگر حضور اکرم ﷺ کی یہ مرضی ہو تو؟" انہوں نے کہا: "اگر حضور اکرم ﷺ اس پر راضی ہیں تو آپ انہیں لے لیجیے۔" حضرت عمر نے انہیں لیا۔ جب ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو کہا: "عباس! اسلام قبول کر لو۔ بخدا! تمہارا اسلام قبول کرنا مجھے خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ تمہارے اسلام قبول کرنے کے بڑے خواہاں ہیں۔" حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے قیدیوں کے بارے مشاورت کی۔ آپ نے فرمایا: "ان قیدیوں کے بارے تمہاری رائے کیا ہے؟ اب رب تعالیٰ نے تمہیں ان پر غلبہ عطا کیا ہے کل وہ تمہارے بھائی تھے۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ایہ آپ کے اہل اور قوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح اور نصرت عطا کی ہے۔ یہ آپ کے چچا زاد اور قبیلہ کے لوگ ہیں۔ آپ انہیں زندگی عطا کریں میری رائے

ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس طرح ہمیں جو کچھ ملے گا وہ ہمارے کفار کے مقابلہ میں قوت ثابت ہوگا۔ شاید رب تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمادے۔ وہ آپ کے لیے قوت اور طاقت بنیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”عمر بن خطاب! تم کیا کہتے ہو؟“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! انہوں نے آپ کی تکذیب کی ہے۔ آپ کو باہر نکالا ہے۔ آپ کے ساتھ جنگ کی ہے۔ میری رائے حضرت ابو بکر کی رائے کے برعکس ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ فلاں (ان کے رشتہ دار) کو میرے سپرد کریں۔ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں۔ وہ اس کی گردن اڑا دیں۔ فلاں کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سپرد کریں وہ اس کا کام تمام کر دیں۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں ان کے لیے کوئی محبت نہیں ہے۔ یہ مشرکین ہیں۔ یہ ان کے سردار اور قائد ہیں ان کی گردنیں اڑا دیں۔ یہ اسلام کی ترقی میں رکاوٹ نہ بن سکیں گے۔“

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں ایک ایسی وادی تلاش کرتا ہوں جو لوگوں سے لبریز ہو۔ میں ان قیدیوں کو اس میں پھینک کر وہاں آگ لگا دیتا ہوں۔“ حضرت عباس یہ سن رہے تھے انہوں نے کہا: ”تم نے کتنی قطع رحمی والی بات کی ہے۔“

آپ اپنے کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ بعض لوگوں نے کہا: ”آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کریں گے۔“ بعض لوگوں نے کہا: ”آپ حضرت عمر فاروق کے مشورہ پر عمل پیرا ہوں گے۔“ بعض نے کہا: ”آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے مشورہ پر عمل کریں گے۔“ پھر آپ باہر تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کے دلوں کو مکھن سے بھی زیادہ نرم فرمایا ہے۔ بعض لوگوں کے دلوں کو پتھروں سے بھی زیادہ سخت بنایا ہے۔ ابو بکر! ملائکہ میں تمہاری مثال میکائیل ہیں۔ جو رحمت لے کر نازل ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام میں سے تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے عرض کی تھی:

فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ، وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٨﴾ (ابراہیم: ۳۸)

ترجمہ: ”پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے۔“

ابو بکر! تمہاری مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی طرح ہے۔ انہوں نے عرض کی تھی:

إِنْ تَعَذَّبْتَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ، وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ (المائدہ: ۱۱۸)

ترجمہ: ”اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب

ہے (اور) بڑا دانا ہے۔“

عمر فاروق! ملائکہ میں تمہاری مثال حضرت جبرائیل ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے شدت بخنی اور انتقام لے کر آتے ہیں۔ انبیاء کرام میں تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے عرض کی تھی:

رَبِّ لَا تَذُدْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ (نوح: ٢٦)

ترجمہ: ”اے میرے رب نہ چھوڑ دوئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔“

انبیاء کرام میں تمہاری مثال حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہیں انہوں نے یہ دعا مانگی تھی:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَيَّ اَمْوَالِيْهِمْ وَاَشْدُدْ عَلَيَّ قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوْا الْعَذَابَ

الْاٰلِيْمَ ﴿٨٨﴾ (یونس: ٨٨)

ترجمہ: ”اے ہمارے رب برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تا کہ وہ نہ ایمان لائیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔“

اگر تم کسی ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو میں تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ تم شرف و عزت والے ہو۔ تم میں سے ایک کا موقف ہے کہ فدیہ لے لیا جائے۔ جبکہ دوسرے کا نظریہ ہے کہ اس کی گردن اڑادی جائیں۔“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! سوائے سہیل بن بیضاء کے۔ میں نے اسے اسلام کا تذکرہ کرتے سنا ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: ”میں نے خود کو اتنا خوفزدہ کبھی نہیں پایا تھا۔ مجھے خدشہ لگا کہ ابھی مجھ پر آسمان سے پتھر گر پڑیں گے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا:

”الاسہیل بن بیضاء“

دوسرے روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں۔ اگر مجھے رونا آئے تو میں بھی رولوں ورنہ رونے والا منہ بنا لوں گا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قریب تھا کہ ہمیں ابن خطاب کی رائے سے اختلاف کرنے کی وجہ سے عذاب عظیم کا سامنا کرنا پڑتا۔ اگر عذاب آجاتا تو ابن خطاب کے علاوہ کوئی نہ بچتا۔ میرے سامنے تمہارا عذاب پیش کیا گیا۔ وہ اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا۔“ آپ نے اس درخت کی طرف اشارہ کیا جو آپ کے قریب تھا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثَخِّنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تَرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ؕ

وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا
أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِنَّمَا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ
عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾ (الانفال: ٦٧، ٦٨، ٦٩)

ترجمہ: ”نہیں مناسب نبی کے لیے کہ اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لیے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور دانا) ہے۔ اگر نہ ہوتا حکم الہی پہلے سے کہ (خطا اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا بڑی سزا۔ سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

آپ نے قیدیوں پر نگران حضرت شقران رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ ہر قیدی سے اتنا فدیہ لیا گیا کہ اگر وہ آزاد ہوتا تو جتنا اسے حصہ ملتا۔ ابن ابی شیبہ، ترمذی، نسائی، ابن سعد، ابن جریر، ابن حبان اور امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ”محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا عمل ناپسند فرمایا ہے جو انہوں نے قیدیوں سے فدیہ لینے کا موقف اختیار کیا ہے۔ اس نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ انہیں دو امور کے مابین اختیار دیں یا تو ان قیدیوں کی گردنیں اڑادیں یا پھر ان سے فدیہ لے لیں۔ لیکن اس صورت میں ان کی اتنی تعداد ہی شہید ہو گئی۔“ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے یہ تذکرہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ”وہ ہمارے قبیلہ والے اور بھائی ہیں آپ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس مال سے دشمن کے خلاف تقویت حاصل کریں۔ ان کی تعداد کے مطابق اگر ہمیں شہادت نصیب ہو جائے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے ”العرصہ“ کے مقام پر تین روز قیام کیا۔“

مدینہ طیبہ کی طرف روانگی

حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ فتح یاب اور غالب ہو کر تشریف لا رہے تھے۔ آپ کی پشیمان مقدس کو ٹھنڈک نصیب ہوئی تھی۔ آپ کے ہمراہ مشرکین کے قیدی بھی تھے۔ ان میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے۔ وہ مال غنیمت بھی تھا جو اس جنگ میں حاصل ہوا تھا۔ جب آپ مضیق الصفراء سے روانہ ہوئے آپ مضیق اور نازیہ کے مابین سیر مقام میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے وہاں مال غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم فرمایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت خباب بن الارت کو اس پر نگران مقرر کیا۔ اس مال غنیمت میں ایک سو پچاس اونٹ تھے۔ ساز و سامان اور

پڑے تھے۔ کثیر تعداد میں کپڑے تھے۔ جو مشرکین تجارت کے لیے لے کر آئے تھے۔ وہ مسلمانوں کو بطور مالِ غنیمت ملے۔ اس مال میں دس گھوڑے شامل تھے۔ بہت زیادہ اسلحہ ملا۔ ان میں ابو جہل کا اونٹ بھی شامل تھا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے حصہ میں آیا۔ وہ آپ کے پاس ہی رہا۔ آپ اس پر جہاد فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ نے صلح حدیبیہ کے وقت اسے ذبح کر دیا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت کو برابر برابر تقسیم کر دو تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا اس شہ سوار کو جو لوگوں کی حفاظت کرتا تھا وہی حصہ دے رہے ہیں جو کمزور کو عطا فرما رہے ہیں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "تمہاری ماں تم پر روئے ان کمزوروں کی وجہ سے ہی تمہاری مدد کی جاتی ہے۔" آپ کے منادی نے صدا دی "جس نے کسی قلیل کو قتل کیا ہو یا کسی قیدی کو قیدی بنایا ہو۔ اس کا مال اس کے لیے ہے۔ جس نے کسی کو قتل کیا تھا۔ اس کا سامان اسے دیا گیا۔ جو کچھ مشرکین کے لشکر سے ملا یا۔ قتال کے بغیر حاصل ہوا اسے صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس مال کے تین سو ترہ (۳۱۷) حصے بنائے گئے۔ تین سو تیرہ صحابہ کرام تھے۔ دو گھوڑوں کے چار حصے تھے آٹھ خوش نصیب ایسے تھے جنہوں نے اس جنگ میں شرکت نہیں کی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے حصے مقرر کیے۔ ان کے لیے اجر و ثواب کی بشارت دی ان میں سے تین کا تعلق مہاجرین سے تھا۔ وہ حضرات عثمان بن عثمان، طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ رہ گئے تھے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا اس روز وصال ہوا جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بشارت لے کر آئے تھے۔ حضرت طلحہ اور حضرت سعید کو آپ نے کارواں کی خبر لینے کے لیے بھیجا تھا۔ انصار میں سے درج ذیل فرخندہ فال افراد تھے۔

❖ حضرت ابولبابہ۔ آپ نے انہیں مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا تھا۔

❖ حضرت عاصم بن عدی۔ آپ نے انہیں قباء اور بلند مقامات پر نگران مقرر کیا تھا۔

❖ حضرت حارث بن حاطب۔ آپ نے انہیں بنو عمرو بن عوف میں کسی کام کے لیے مقرر کیا تھا۔

❖ حضرت خوات بن جبیر۔ روعاء کے مقام پر ان کو چوٹ آئی تھی۔

❖ حارث بن صمہ روعاء کے مقام پر انہیں بھی چوٹ آئی تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن مالک ساعدی اور دو اور انصاری صحابہ کرام کے لیے حصے نکالے تھے۔ اور ان کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ کیا تھا۔ حارث بن اسامہ، امام حاکم نے حضرت جعفر بن محمد سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے لیے بھی حصہ نکالا تھا اور ان کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ نے ان چودہ بلند اقبال افراد کے لیے بھی حصہ نکالا جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ آپ نے ان غلاموں کو بھی

کچھ عطا فرمایا جو غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے لیکن ان کے لیے مالِ غنیمت میں سے حصہ نہ نکالا۔

بزار، الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس غزوہ میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بیس غلاموں نے شرکت کی۔ آپ کو اپنی تلوار ذوالفقار اسی غزوہ میں ملی۔ الصفراء کے مقام پر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ ان کی ٹانگ پر چوٹ لگی تھی۔ ہند بنت ایشہ نے ان کا مرثیہ لکھتے ہوئے لکھا ہے:

لقد ضَمَّنَ الصفراءَ مجداً و سوداً
عبیدة فابکیہ لاضیاف غربة
و بکیہ الایرام فی کل شنوة
و بکیہ للایتام والریح زفر ف
فان تصبح النیران قدمات ضوءها
لطارق لیل او لمستمس القری

ترجمہ: ”صفراء کے مقام پر عظمت، سرداری، محکم عقل اور دانائی کو دفن کر دیا گیا ہے۔ یعنی عبیدہ جو درخت کے

تنے کی مانند تھا۔ اس پر سفر کے مہمانوں اور ان بیوگان کے لیے روجو اپنی پریشانی کے وقت اس کے پاس آتی تھیں۔ اس پر ان لوگوں کی وجہ سے گریہ زاری کر جو موسم سرما میں اس وقت اس کے پاس آتے تھے۔ جب قحط سالی کی وجہ سے آسمان کے آفاق سرخ ہو جاتے تھے۔ ان یتیموں کے لیے روجو اس کے ہاں اس وقت پناہ لیتے تھے جب سخت ہوا چلتی تھی۔ دیگوں کے نیچے آگ روشن کرنے والے اس شخص کے لیے روجو دیگیں ابلتے ہوئے جھاگ چھوڑتی رہتی تھیں۔ اگر اس آگ کی روشنی بجھ جاتی وہ اس کو ایندھن کی موٹی لکڑیوں سے جلاتا تھا۔ وہ دیگیں رات کے کسی مہمان کے لیے یار سے بھٹکنے والے مسافر کے لیے پکائی جاتی تھیں جو کتے کی آوازیں کر آہستہ آہستہ اس کے پاس آتا تھا۔“

اس جگہ نصر بن حارث کو یہ تیغ کیا گیا۔ اس کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے الاٹیل کے مقام پر یہ تیغ کیا تھا۔ اس

کی بہن قتیلہ بنت حارث نے اس کا مرثیہ لکھا۔ صحیح موقف یہ ہے کہ وہ اس کی بیٹی تھی بہن نہ تھی۔“

اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ مرثیہ ابو عمر اور ابو الفتح نے منہج المدح میں نقل کیا ہے۔ لیکن حافظ نے اسے

نقل نہیں کیا۔ انہوں نے الاصلۃ میں لکھا ہے۔ ”میں نے اس کے اسلام کی صراحت نہیں دیکھی۔ لیکن اگر اس نے فتح مکہ تک

زندگی پائی ہے تو اس کا شمار صحابیات رضی اللہ عنہن میں ہو گا۔ اس نے مرثیہ میں لکھا:

من صبح خاسة و انت موفق
ما ان تزال بها الركائب تحقق
جادت بواكفها و اخر تخلق
ام كيف يسبع ميت لا ينطق
في قومها والفعل فعل معرق
من الفتى وهو البغيظ المحقق
باعز ما يغلو به ما ينفق
و احقهم ان كان عتق يعتق
لله ارخام هناك لشقق
رسف المقيد وهو عان موثق

يا راكباً ان الاثيل مظنة
و بلغ بها ميتا بان تحية
منى اليك و عبدة مشفقوة
هل يسعني النضر ان ناديته
ا محمد يا خير فمن ء كريمة
ما كان ضرك لو مننت و ربما
او كنت قابل فدية فلينفقن
فالنضر اقرب من وصلت قرابة
ظلت سيوف بني ابيه تنوشه
صبرا يقاد الى المنية متعبا

ترجمہ: ”اے شہسوار! الاثیل کے مقام کے متعلق مجھے پانچویں روز کی صبح سے بدگمانی ہے تو بالکل ٹھیک وقت

پر آتا ہے۔ وہاں مدفون ایک مردے کو یہ پیغام دے دو کہ اسے سلام ہو جب تک عمدہ اونٹنیاں وہاں سے تیزی سے آتی جاتی رہیں۔ اگر میں پکاروں تو کیا نضر میری بات کو سن لے گا یا وہ میت کیسے سن سکتی ہے جو بول نہیں سکتی۔ محمد عربیؐ! اپنی قوم کی شریف خاتون کی عمدہ ترین اولاد پاک! شریف تو وہی ہوتا ہے جو نسل کے اعتبار سے معزز ہو۔ اگر آپ نضر کو چھوڑ دیتے تو آپ کو کیا نقصان ہوتا۔ نوجوان اس حالت میں بہت کم احسان کرتا ہے جب وہ غصے سے لبریز کینہ ور ہو۔ یا آپ اس کا فدیہ لے لیتے اخراجات کتنے ہی دشوار ہوتے وہ ضرور پورے کپے جاتے کیونکہ نضر ان لوگوں میں سے زیادہ قریبی رشتہ دار تھا۔ جنہیں آپ نے اسیر کیا اور اگر اسے آزاد کر دیا جاتا تو وہ آزادی کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔ اس کے بھائیوں کی تلواریں اسے پارہ پارہ کرتی رہیں۔ خدا یا! وہاں قرابتوں اور رشتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے رہے۔ اسے موت کی طرف اس کیفیت میں دھکیلا جا رہا ہے کہ اس کے پاؤں بندھے ہوئے ہیں وہ تھکا ہوا ہے۔ وہ بیڑیوں میں مشکل ہی سے قدم اٹھا رہا ہے۔ اسے پابند سلاسل کیا گیا ہے۔“

جب آپ نے یہ مرثیہ سماعت فرمایا تو آپ رونے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: ”اگر نضر کو قتل کرنے سے پہلے اس کے اشعار مجھ تک پہنچ جاتے تو میں اسے قتل نہ کرتا۔“

ابو عمر نے لکھا ہے: "یہ الفاظ عبد اللہ بن ادریس کے ہیں۔" زبیر بن بکر کی روایت میں ہے "حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے رقت محسوس کی۔ حتیٰ کہ چشمان مقدس سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت ابو بکر صدیق سے فرمایا: "اگر میں اس کے اشعار سن لیتا تو اس کے باپ کو قتل نہ کرتا۔" زبیر بن بکر نے لکھا ہے "بعض سیرت نگاروں نے ان اشعار کی صحت کے بارے گفتگو کی ہے۔ الجاحظ نے "کتاب البیان" میں لکھا ہے کہ اس کا نام لیلی تھا۔ حضور اکرم ﷺ محطوات تھے۔ اس نے آپ کی چادر مبارک تھام لی اور مذکورہ اشعار سنائے۔

جب آپ عرق الطیبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس نے کہا: "محمد عربی ﷺ! نیچوں کا والی کون ہوگا؟" آپ نے فرمایا: "آگ" اس نے کہا: "کیا صرف مجھے قریش میں قید کرنے کے بعد قتل کیا جا رہا ہے؟" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس کا تعلق قریش سے نہیں ہے۔" حضرت عاصم بن ثابت انصاری نے اسے تہ تیغ کیا تھا۔ یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ ایک قول ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلمہ نے اسے تہ تیغ کیا تھا۔ رب تعالیٰ نے عقبہ کے بارے آپ کا یہ فرمان سچ کر دکھایا تھا۔ "اگر میں نے تجھے مکہ مکرمہ کے باہر پالیا تو پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔" الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد حضور اکرم ﷺ نے تین افراد کو قید کرنے کے بعد قتل کیا تھا۔

❖ نصر بن حارث

❖ طعمہ بن عدی

❖ عقبہ بن ابی معیط

حضور اکرم ﷺ آگے روانہ ہوئے۔ جب آپ روحا پہنچے تو مسلمان بشارت دیتے ہوئے۔ آپ سے شرف ملاقات کرنے لگے۔ حضرت سلمہ بن سلامہ نے کہا: "تم ہمیں کس چیز کی بشارت دے رہے ہو۔ بخدا! ہم نے تو گنجی عورتوں سے ملاقات کی ہے۔ وہ باندھے ہوئے اونٹوں کی طرح تھے۔ ہم نے انہیں ذبح کر دیا۔" یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور فرمایا: "بھتیجے! وہ سردار تھے اگر تم انہیں دیکھتے تو مرعوب ہو جاتے۔ اگر وہ تمہیں حکم دیتے تو تم ان کا حکم بجالاتے۔ اگر ان کے افعال کے ساتھ اپنے افعال کا موازنہ کرتے تو انہیں ہتھیار سمجھتے۔ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے بدترین قوم تھی۔"

محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے "آپ آگے روانہ ہوئے۔ آپ قیدیوں سے ایک روز قبل منصور و مؤید ہو کر مدینہ طیبہ داخل ہوئے۔ مدینہ طیبہ اور اس کے ارد گرد کے سارے دشمن آپ سے ڈرنے لگے۔ بہت سے اہل مدینہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت عبد اللہ بن ابی ظہری طور پر اسلام میں داخل ہو گیا۔ یہود نے کہا: "اب ہمیں یقین آ گیا ہے کہ آپ وہی نبی

ہیں جن کے اوصاف ہم تورات میں پاتے ہیں۔“

آپ ثنیۃ الوداع سے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ ”الامتاع“ میں ہے کہ آپ بدھ کے روز مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ اس روز رمضان المبارک کی بائیس تاریخ تھی۔ عزت مآب خواتین اور بچیوں نے دف بجا کر آپ کا یوں استقبال کیا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا لله داع

ترجمہ: ”ثنیہ کی گھائی سے ہم پر ماہ تمام طلوع ہوا۔ جب تک رب تعالیٰ کی طرف بلائے والا بلا تار ہے ہم پر اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔“

اللہ تعالیٰ امام علامہ ابن جابر پر رحم کرے۔ انہوں نے کتنے عمدہ اشعار کہے ہیں:

کوا کب فی افق الموا کب تنجلی	بدا یوم بدر وهو کالبدر حوله
فلم تغن اعداء العدو المخذل	و جبریل فی جند الملائک دونه
فشردهم مثل النعام المجفل	رمی بالحصی فی اوجه القوم رمیة
فجادله بالنفس کل مجندل	و جادلهم با المشر فی فسلوا
حدیثهم فی ذلک الیوم من علی	عبیدة سل عنہم و حمزة واستمع
فذاق الولید الموت لیس له ولی	هم غیبوا بالسیف عتبه اذا غدا
الیہ العوالی بالخضاب المعجل	وشیبة لثمًا شاب خوفًا تبادرت
غداة تردی بالردی عن تذلل	و جار ابوجهل فحقق جهله
یؤمنونه فیہا الی شر منهل	فاضحی قلبیا فی القلب وقومه
ففتح من اسماعہم کل مقفل	و جاء هم خیر الانام موبجا
ولکنہم لا یہتدون لقول	و اخبر ما انتم باسمع منهم
فعاد بکاء عاجلاہم یوجل	سلا عنہم یوم السلا اذ تضاحکوا
ولکنہم لا یرجعون لمعقل	الم یعلموا علم الیقین بصدقہ
و حیک دخری فی اکساب و موئلی	فیا خیر خلقانہ جاہد ملجئی
واصفابک الاخیار اهل التفضل	علیک صلاة یشمل الال

ترجمہ: ”غزوہ بدر کے روز آپ اس طرح تھے گویا کہ آپ ماہ تمام ہوں جس کے ارد گرد ستارے ہوں اور گھوڑوں اور پیادہ فوجوں کے دستے آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہوں۔ حضرت جبرائیل امین ملائکہ کے لشکر کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شکست خوردہ فوج کی کثیر تعداد نے فائدہ نہ دیا۔ آپ نے مشہور بھر خاک دشمن قوم کی طرف پھینک دی۔ اور تیز شتر مرغ کی طرح انہیں بکھیر دیا۔ مشرقی تلوار کے ساتھ ان کے ساتھ جہاد کیا۔ انہوں نے سر تسلیم خم کیا۔ ہر شکست خوردہ شخص نے نفس کے ساتھ ان کے لیے سخاوت کی۔ اس روز کے بارے حضرت عبیدہ، حضرت حمزہ سے سوال کرو اور غور سے جواب سنا اس روز کی باتیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا۔ جب عقبہ نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ ولید نے بھی موت کا ڈانٹ چکھا۔ اس کا مددگار کوئی نہ تھا۔ شبہ جبکہ وہ خوف سے بوڑھا ہو گیا۔ نیزوں نے جلد لگنے والے خضاب کے ساتھ اس کی طرف جلدی کی۔ ابو جہل آیا اور اس کی جہالت متحقق ہو گئی۔ وہ صبح کے وقت ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ وہ گڑھے میں اوندھے منہ گر پڑا۔ اس کی قوم اسے برے گھاٹ کی طرف لے گئی۔ خیر الانام ﷺ انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے کانوں سے سارے تالے کھول دیے۔ آپ نے فرمایا: ”تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن وہ بات کا جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔ ان سے اس روز کے بارے سوال کرو جب دشمن نے آپ پر اوچھڑی پھینکی تھی۔ جب وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ وہ جلدی جلدی روتے ہوئے واپس آ گئے۔ کیا وہ آپ کی صداقت کے بارے علم یقین کے ساتھ نہیں جانتے تھے۔ مگر وہ دماغ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ اے مخلوق میں سے بہترین! آپ کا جاہ و منصب ہی میری پناہ گاہ ہے۔ آپ کی محبت ہی میرے حساب کے وقت اور لوٹنے وقت میری پناہ ہے۔ آپ پر ایسا سلام ہو جس کی خوشبو آپ کی آل اور صحابہ کرام ﷺ کو شامل ہو جو افضال اور احسان والے ہیں۔“

قیدیوں کا مدینہ طیبہ پہنچنا

ابن اسحاق نے عبد اللہ بن ابی بکر اور یحییٰ بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب قیدیوں کو لایا گیا تو ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرات عوف اور معوذ رضی اللہ عنہما کی تعزیت کے لیے ان عفرات کے ہاں تشریف لے گئیں تھیں۔ یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: ”بھدا! میں ان کے

ہاں ہی تھی کہ ہمارے ہاں قیدیوں کو لایا گیا۔ میں اپنے حجرہ میں آئی۔ اس میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ وہاں ابو یزید سہیل بن عمرو بندھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ رسی کے ذریعے اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ بخدا! جب میں نے اسے دیکھا تو میں رہ نہ سکی۔ میں فوراً کہہ اٹھی ”ابو یزید! تم نے اپنے ہاتھ تھما دیئے۔ تم عزت کی موت مر کیوں نہ گئے۔“

مگر بخدا! مجھے حضور اکرم ﷺ کی آواز مبارک نے ہوش دلایا۔ آپ نے فرمایا: ”سودہ! کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے خلاف ابھار رہی ہو؟“ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ مجھے خود پر ضبط نہ رہا۔ جب میں نے ابو یزید کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھے گئے ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے لیے بخشش طلب کریں۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔“ بلاذری نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب انہوں نے سہیل کو دیکھا تو عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ لوگوں کو خرید کھلاتا تھا۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ ابو یزید ہے جو لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا لیکن اس نے نور الہی کو بچانے کی کوشش کی۔ رب تعالیٰ نے اس پر تسلط عطا فرما دیا۔“ جب قیدی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیا۔ آپ نے فرمایا: ”قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔“ ان قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بھائی ابو عزیز بھی تھا۔ ابو عزیز کہتا تھا ”میرے بھائی حضرت مصعب میرے پاس سے گزرے۔ ایک انصاری شخص مجھے قیدی بنا رہا تھا۔ انہوں نے کہا: ”اس کے ہاتھ مضبوطی سے باندھنا۔ اس کی ماں بڑی مالدار عورت ہے۔ وہ تمہیں گراں فدیہ ادا کرے گی۔ میں نے کہا: ”بھائی میرے بارے یہ وصیت کر رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”میرا بھائی یہ انصاری ہے تم نہیں ہو۔“ اس کی ماں نے پوچھا: ”قیدیوں میں سے سب سے زیادہ فدیہ کتنا ادا کیا گیا؟ اسے بتایا گیا ”چار ہزار درہم“ اس نے چار ہزار درہم بھیجے اور ابو عزیز کا فدیہ ادا کیا۔ ابو عزیز نے کہا: ”میں ایک انصاری قبیلہ میں تھا۔ جب مجھے بدر سے قیدی بنا کر لایا گیا۔ جب انصاری صبح اور شام کا کھانا لے کر آتے تو وہ مجھے روٹی دیتے خود کھجوریں کھا لیتے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا تھا۔ اگر کسی صحابی کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا گر جاتا وہ اسے جھاڑ کر مجھے دے دیتا۔ مجھے حیا آتی میں اسے واپس کر دیتا۔ لیکن وہ پھر مجھے واپس کر دیتا۔“

اہل مکہ کو شکست کی خبر اور ابولہب کی ہلاکت

قاسم بن ثابت نے دلائل میں، سلیمان بن عبدالعزیز بن ابی ثابت سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے: ”قریش کے پیچھے رہ جانے والے افراد الاطح اور ذی طوی کی طرف نکل جاتے۔ جب سے قریش

اپنے قافلہ کے دفاع کے لیے نکلے تھے ان کا یہی دطیرہ تھا۔ وہ مختلف خبروں کی تجسس میں پھرتے رہتے تھے۔ جس روز مسلمانوں نے مشرکین کی سرکوبی کی اس روز انہوں نے مکہ مکرمہ کے بالائی علاقے سے سنا کوئی ہاتف یہ اشعار پڑھا تھا اس کی آواز تو سنائی دے رہی تھی۔ لیکن اس کا جسم نظر نہیں آ رہا تھا وہ یہ اشعار پڑھا تھا:

آزار الحنفیون بد وقیعة

سینقض منها رکن کسری و قیصر

ابادت رجالا من لوی و ابرزت

خرائد یضر بن الترائب حسترا

فیاویح من امسی عدو محمد

لقد جار عن قصد الهدی و تحیثرا

ترجمہ: ”کیا ملت حنیفہ کے ماننے والوں نے بدر کے واقعہ کا مشاہدہ کیا عنقریب اس واقعہ کی وجہ سے قیصر و

کسری کے محلات لرز جائیں گے۔ اس واقعہ نے لوی خاندان کے بہت سے افراد کو ہلاک کر دیا اور

بہت سی عورتیں اپنی ننگی چھاتیوں پر مار رہی تھیں۔ اس شخص کے لیے ہلاکت ہو جو محمد عربیؐ کا دشمن

بنا اس نے ہدایت کی درمیانی شام راہ کو ترک کر دیا اور گمراہ ہو گیا۔“

ان میں سے ایک شخص نے کہا: ”الحنفیون کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: ”محمد عربیؐ اور آپ کے ساتھی ہیں۔

وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر ہیں۔“ انہوں نے حساب لگایا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ وہی رات تھی

جس کی صبح کو مسلمانوں نے مشرکین کا کچھ مرنکا لایا تھا۔

سب سے پہلے الحیسمان بن ایاس خزاعی مکہ مکرمہ آیا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ قریش نے پوچھا

”پچھے کی کیا خبر ہے؟“ اس نے کہا: ”عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، نبیہ، منبہ

پسران حجاج اور ابوالبحتری سب مارے گئے۔“ جب وہ سرداران قریش کے نام گن رہا تھا تو صفوان نے کہا وہ حجر میں بیٹھا

ہوا تھا۔ ”اگر اس کا عقل ہوتا تو اس کا دل پھٹ جاتا اس کو میرے بارے پوچھو۔“ انہوں نے کہا: ”صفوان بن امیہ کا کیا بنا؟“

اس نے کہا: ”وہ تو حجر میں بیٹھا ہوا ہے۔ بخدا! میں نے اس کے باپ اور بھائی کو دیکھا جب انہیں قتل کیا جا رہا تھا۔“

ابن اسحاق نے حضور اکرم ﷺ کے غلام حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں حضرت

عباس کا غلام تھا۔ اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی قوم سے ڈرتے تھے۔ وہ اس کی مخالفت ناپسند کرتے تھے۔ وہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ وہ کثیر

مال والے تھے۔ ان کے اموال مختلف لوگوں کے پاس تھے۔ ابولہب بھی غزوہ بدر میں شریک ہونے کے لیے نہیں گیا تھا۔

جب غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے قریش کے سرداروں کو رسوا کیا تو ہم نے اپنے دلوں میں قوت اور طاقت پائی۔ میں زمزم

کے پاس خیمہ میں تیر درست کر رہا تھا۔ میرے پاس حضرت ام الفضل بھی تشریف فرما تھیں۔

ہم مسلمانوں کی فتح کی خبر سن کر بڑے مسرور تھے۔ ابولہب آیا۔ وہ شرارت کے ساتھ اپنی ٹانگیں گھسیٹ رہا تھا۔ وہ

اس خیمہ کی ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس کی کمر میری کمر کی طرف تھی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا: "ابوسفیان بن حارث آ گیا ہے۔"

ابولہب نے کہا: "میرے بھتیجے! میرے پاس آؤ۔ تمہارے پاس خبر ہوگی۔" وہ وہاں بیٹھ گیا۔ لوگ اس کے پاس کھڑے ہو

گئے۔ ابولہب نے کہا: "میرے بھتیجے! مجھے بتاؤ لوگوں کے ساتھ کیسا معاملہ پیش آیا۔ اس نے کہا: "بخدا! جب ہم مسلمانوں سے

معرکہ آزما ہوئے تو ہم نے اپنے کندھے انہیں دے دیے وہ جیسے چاہتے ہمیں قتل کرتے جیسے چاہتے ہمیں اسیر بنا لیتے۔

بخدا! اس کے ساتھ ساتھ میں لوگوں کو ملامت نہیں کرتا۔ ہم نے سفید آدمی دیکھے جو آسمان اور زمین کے مابین ابلق گھوڑوں

پر سوار تھے۔ بخدا! ان کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی۔ حضرت رافع نے فرمایا: "میں نے خیمہ کی طنابیں اٹھائیں۔ میں

نے کہا: "بخدا! وہ ملائکتہ تھے۔" ابولہب نے ہاتھ اٹھایا اور مجھے زوردار طمانچہ رسید کیا۔ میں اٹھ کر اس کی طرف گیا۔ میں اس کے

ساتھ الجھنے لگا۔ اس نے مجھے اٹھایا اور زمین پر پٹخ دیا۔ وہ مجھ پر بیٹھ کر مجھے مارنے لگا۔ میں ایک کمزور شخص تھا حضرت ام الفضل

میں سے ایک کی طرف گئیں۔ وہاں سے ایک میخ اکھیری اور اسے ابولہب کے سر پر زور سے مار دیا۔ اس کا

سر بری طرح زخمی ہو گیا۔ انہوں نے کہا: "تم اسے کمزور سمجھتے ہو کہ اس کا مالک یہاں موجود نہیں۔ وہ ذلیل ہو کر چلا گیا۔ بخدا! وہ

سات دن بھی نہ گیا۔ رب تعالیٰ نے اس کے جسم پر پھنسی نکال دی جس نے اسے بلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔"

ابن جریر نے لکھا ہے "اہل عرب اس پھنسی کو منخوس سمجھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بہت زیادہ متعدی ہوتی ہے۔ جب

ابولہب کے یہ پھنسی نکلی تو اس کے بیٹے بھی اسے چھوڑ گئے۔ اس کی موت کے بعد تین روز تک اس کا جشہ ویسے ہی پڑا رہا۔ کوئی

اس کے قریب تک نہ جاتا تھا۔ جب انہیں لوگوں کے طعنوں کا خدشہ دامن گیر ہوا تو کسی لکڑی کے ساتھ اس کا لاشہ گڑھے میں

پھینک دیا۔ پھر دور سے پتھر پھینک کر اسے چھپا دیا۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے "انہوں نے اس کے لیے گڑھے نہیں کھودا تھا۔ بلکہ اسے دیوار کے ساتھ لگا دیا تھا دیوار

کے پیچھے سے اس پر پتھر پھینکے تھے۔ حتیٰ کہ اسے چھپا دیا تھا۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ نے اس سے روایت ہے کہ وہ جب

اس جگہ سے گزرتی تھیں تو اپنا چہرہ مبارک ڈھانپ لیتی تھیں۔"

اہل مکہ کی نوحہ خوانی

ابن اسحاق نے حضرت عباد بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ اہل مکہ نے اپنے مقتولین پر نوحہ خوانی کی۔ ابن عقبہ

اور الامتاع کے مصنف نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک ماہ تک نوحہ خوانی کی۔ عورتوں نے اپنے بال کاٹ دیے۔ مقتولین میں سے کسی ایک کی سواری یا گھوڑے کو لایا جاتا۔ اسے عورتوں کے سامنے کھڑا کیا جاتا۔ وہ اسے پردوں سے ڈھانپ لیتیں۔ اور اس کے ارد گرد نوحہ خوانی کرتیں۔ اسے لے کر گلیوں کی طرف نکل جاتیں۔ پھر انہوں نے کہا: ”یوں نہ کرو۔ اگر محمد عربی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام تک یہ خبر پہنچ گئی تو وہ تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ اپنے قیدیوں کے فدیے مؤخر کر دو۔ تاکہ وہ تم سے زیادہ فدیے طلب نہ کریں۔ اسود بن مطلب کے تین بیٹے اس جنگ میں مارے گئے تھے حارث بن زعمہ اپنے بیٹے پر رونا چاہتا تھا۔ وہ اس حالت پر تھا اس نے رات کے وقت رونے والی کوسنا۔ اس نے اپنے غلام سے کہا۔ اس کی نظر ختم ہو چکی تھی ”ذرا دیکھو کون رو رہا ہے؟ کیا قریش اپنے مقتولوں پر رو رہے ہیں۔ شاید میں بھی اپنے فرزند ابو حکیمہ پر رو سکوں۔ میرا پیٹ اندر سے جل گیا ہے۔“ جب غلام اس کے پاس واپس آیا تو اس نے بتایا کہ ایک عورت اپنے اونٹ کے لیے رو رہی ہے جو گم ہو گیا ہے۔ اس وقت اسود نے یہ اشعار کہے:

و يمنعها من النوم السهود
على بدرٍ تقاصرت الجود
و مخزوم و رهط ابی الولید
و ہکی حارثا اسد الاسود
ولابی حکیمہ من ندید
ولو لا یوم بدر لم یستودوا

تبکی ان یضل لها بعیر
فلا تبکی علی بکرٍ و لکن
علی بدرٍ شراة بنی ہصیص
و ہکی ان ہکیت علی عقیل
و بکیہم ولا تسمی جمیعاً
الا قد ساد بعدہم رجال

ترجمہ: ”کیا وہ اس بات پر رو رہی ہے کہ اس کا اونٹ گم ہو گیا ہے اور بے خوابی اسے سونے نہیں دیتی۔ اس اونٹ پر نہ رو بلکہ اس غزوہ بدر پر رو جب ہماری کوششیں ناکام ہو گئی تھیں۔ بدر کے سانحہ پر رو۔ بنو ہصیص اور بنو مخزوم کے عمدہ فرزندوں پر رو اور ابو الولید کے قبیلے پر گریہ کر۔ اگر تو رونا چاہتی ہے کہ عقیل کے قتل پر رو۔ حارث کے قتل پر آہ و فغاں کر جو شیروں کا شیر تھا۔ ان تمام پردوں کے لیکن ان سب پر فخر نہ کرو لیکن ابو حکیمہ کا کوئی ہم مثل نہیں ہے۔ ان کے بعد ایسے لوگ ہمارے سردار بن گئے کہ اگر یہ واقعہ رونما ہوتا تو وہ ہرگز سردار نہ بن سکتے۔“

زبیر بن بکار نے لکھا ہے ”اس کی مراد ابوسلمان ہے۔ وہ احد کے وقت ان کا سردار تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس اسود کے لیے ہدمائی بھی کہ رب تعالیٰ اس کی بصارت مہم لے اسے اس کی اولاد پر لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیسے مکرم

ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا۔ پہلے اس کی بصارت چھین لی۔ پھر غزوہ بدر میں اس کے بیٹے مارے گئے۔ اس طرح آپ کی یہ دعا مکمل طور پر قبول ہو گئی۔

نجاشی کی خوشی اور مسرت

امام احمد نے اہل صنعاء کے ایک شخص عبدالرحمن سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ایک دن نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بلا بھیجا وہ اس کے پاس آئے۔ وہ اپنے کمرہ میں تھا۔ اس نے بوسیدہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ مٹی پر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت جعفر طیار فرماتے ہیں۔ ”جب ہم نے اسے اس حالت میں دیکھا تو ہم ڈر گئے جب اس نے ہمارے تاثرات دیکھے تو اس نے کہا: ”میں تمہیں ایسی خبر بتانے لگا ہوں جو تمہیں خوش کر دے گی۔ تمہارے سر زمین کی طرف سے میرا ایک جاسوس آیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کی نصرت کی ہے۔ آپ کے فلاں فلاں دشمن کو ہلاک کیا ہے۔ وہ ایک وادی میں نبرد آزما ہوئے ہیں جسے بدر کہا جاتا ہے۔ وہاں بہت سے اراک کے درخت ہیں گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ میں وہاں اپنے آقا کے اونٹ چراتا تھا۔“ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے کہا: ”شاہ والا! تمہیں کیا ہوا ہے تم مٹی پر بیٹھے ہو۔ تمہارے نیچے چٹائی بھی نہیں ہے۔ تم نے یہ بوسیدہ کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں۔“ اس نے کہا: ”ہم نے اس کلام میں پایا ہے جو رب تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ پر نازل کیا ہے کہ رب تعالیٰ کا اس کے بندوں پر حق ہے کہ وہ اس کے سامنے تواضع کریں۔ جب وہ ان پر نعمت کرے۔ جب اس نے اپنے نبی کریم ﷺ پر یہ نعمت کی ہے تو میں نے اس تواضع کا اظہار کیا ہے۔“

قیدیوں کا فدیہ

ابن سعد نے امام شعبی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ”اہل مکہ لکھ لیتے تھے لیکن اہل مدینہ نہیں لکھ سکتے تھے۔ جس کا فدیہ ادا نہ ہو سکا اس کو مدینہ طیبہ کے دس بچے دیے گئے۔ جو انہیں تعلیم دیتے تھے۔ جب وہ لکھنے میں ماہر ہو جاتے تو یہی ان کا فدیہ بن جاتا۔ حضرت زید بن ثابت نے اسی طرح کتابت سیکھی۔ ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک قیدی کا فدیہ چار سو درہم مقرر کیا۔ حضرت عباس نے کہا: ”ان کے پاس رقم نہیں ہے۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”وہ مال کہاں ہے جسے تم نے اور ام فضل نے دفن کیا تھا۔ تم نے اس سے کہا تھا: ”اگر میں اس سفر میں کام آ جاؤں تو یہ میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم کے لیے ہے۔“ انہوں نے کہا: ”بخدا! میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس امر کے بارے یا میں یا ام فضل جانتی تھی۔“

امام بیہقی نے سدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس، حضرت عقیل اور نوفل کافدیہ چار سو دینار تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں سے سب سے زیادہ فدیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تھا انہوں نے ایک سواوقیہ سونا فدیہ ادا کیا۔ ابن سعد نے حارث بن نوفل سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”جب غزوہ بدر کے روز نوفل قید ہوئے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: ”اپنا فدیہ وہ نیزے دے دو جو جدہ کے مقام پر ہیں۔“ انہوں نے کہا: ”بخدا! رب تعالیٰ کے بعد میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ جدہ میں میرے نیزے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔“ انہوں نے وہی نیزے بطور فدیہ دیے وہ ایک ہزار نیزے تھے۔

امام بخاری، امام بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کچھ انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھتیجے حضرت عباس کافدیہ چھوڑ دیں۔“ آپ نے فرمایا: ”بخدا! نہیں! تم اس کا ایک درہم بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ نے ایک شخص کافدیہ چار سو لے کر دو ہزار درہم تک مقرر کیا۔ بعض ان قیدیوں پر آپ نے احسان بھی کیا جن کے پاس مال نہ تھا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”ان قیدیوں میں ابووداعہ بن ضمیرہ السہمی بھی تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مکہ مکرمہ میں ایک دانا۔ مالدار تاجر لڑکا ہے۔ گویا کہ وہ اپنے باپ کافدیہ ادا کرنے کے لیے آرہا ہے۔“ جب قریش نے کہا: ”اپنے قیدیوں کافدیہ ادا کرنے میں جلدی نہ کرو تا کہ محمد عربی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام تم سے زیادہ فدیہ طلب نہ کریں تو مطلب بن ابی وداعہ نے کہا: ”ہاں! تم نے سچ کہا ہے جلدی نہ کرو۔“ یہ رات کے وقت چمکے سے نکلا اپنے باپ کافدیہ چار ہزار درہم ادا کیا۔ اسے لے کر چلا گیا۔ یہ پہلا قیدی تھا جس کافدیہ ادا کیا گیا۔ پھر قریش اپنے اپنے قیدیوں کے فدیے بھیجنے لگے۔ جبیر بن مطعم قیدیوں کافدیہ ادا کرنے آیا اسی طرح مکرز بن حفص سہیل بن عمرو کافدیہ ادا کرنے آیا۔ اسے حضرت مالک بن دحثم رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔ انہوں نے کہا:

اسرت سعید فلم ابتغ
و خندق تعلم ان الفتی
ضربت بذی الشفر حتی اثنی
به غیرہ من جمیع الامم
سہیلا فتاھا اذا یظلم
وا کرھت نفسی علی ذی العلم

ترجمہ: ”میں نے سہیل کو پابند سلاسل کیا۔ میں ان کے بدلے ساری اقوام میں سے کسی قیدی کو نہیں چاہتا۔ بنو خندق جانتے ہیں کہ سہیل اپنے خاندان کا جو ان مرد ہے جب ان پر ظلم کیا جائے۔ میں نے اسے تلوار ماری حتی کہ وہ جھک گیا۔ میں نے اس نشانی والے شخص پر خود کو حملہ کرنے پر مجبور کیا۔“

سہیل بن عمرو کا پھلا ہونٹ کٹا ہوا تھا۔ جب مکرز نے صحابہ کرام سے بحث کی تو اسے ان کی رضا حاصل کرنے میں

کامیابی حاصل ہوگئی۔ انہوں نے کہا: ”اس کا فدیہ لاؤ۔“ اس نے کہا: ”اس کی جگہ مجھے رکھ لو۔ اسے چھوڑ دو حتیٰ کہ یہ اپنا فدیہ بھیجے۔“ انہوں نے سہیل کا رستہ چھوڑ دیا۔ مکرز کو مجبوس کر دیا۔ سہیل نے اس وقت تقریر کی تھی جبکہ ابوسفیان نے قریش کو کارواں کی حفاظت کے لیے بلایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں سہیل کے سامنے کے دو دانت نکال دوں۔ اس کی زبان ڈھیلی پڑ جائے اور یہ آپ کے خلاف تقریر نہ کر سکے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں اس کا مثلہ نہیں کروں گا ورنہ رب تعالیٰ میرا مثلہ کر دے گا اگرچہ میں نبی ہوں۔ عنقریب یہ ایسے مقام پر کھڑا ہوگا تم اس کی مذمت نہیں کر سکو گے۔“

عمرو بن ابی سفیان بھی بدر کے قیدیوں میں سے ایک تھا۔ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قیدی بنایا تھا۔ ابوسفیان سے کہا گیا ”اپنے بیٹے عمرو کا فدیہ ادا کرو۔“ اس نے کہا: ”کیا میں خون اور مال کو جمع کر دوں۔ انہوں نے حنظلہ کو قتل کر دیا۔ میں عمرو کا فدیہ ادا کروں۔ اسے ان کے پاس ہی رہنے دو۔ وہ جتنا عرصہ چاہیں اسے اپنے پاس رکھیں۔“ عمرو مدینہ طیبہ میں حضور اکرم ﷺ کے پاس مجبوس ہی تھا کہ حضرت سعد بن نعمان اپنی جوان بیوی کے ہمراہ عمرہ کرنے کے لیے گئے۔ ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف کے ساتھ تھا۔ یہ عمر ریدہ مسلمان تھے۔ مقام نقیع میں ان کا ریوڑ تھا۔ یہ وہاں سے عمرہ کی نیت سے نکلے جو کچھ ان کے ساتھ ہوا انہیں اس کا گمان تک نہ تھا۔ انہیں گمان تک نہ تھا کہ انہیں مکہ مکرمہ میں مجبوس کر دیا جائے گا۔ وہ عمرہ کے لیے آئے یہ عہد تھا کہ قریش کسی حج یا عمرہ کرنے والے کے ساتھ تعرض نہیں کرتے مگر بھلائی کے ساتھ۔ ابوسفیان نے ان پر ظلم کیا اور انہیں مکہ مکرمہ میں اپنے بیٹے عمرو کے بدلہ میں مجبوس کر دیا۔ پھر ابوسفیان نے کہا:

ارھط ابن اکال اجیبوا دعاءہ
تعاقدتم لا تسلموا السید الکھلا

فان بنی عمرو لئام اذلة
لئن لم یفکوا عن اسیدھم الکبلا

ترجمہ: ”اے بنو اکال کی جماعت اس کی صدا کا جواب دو۔ تم نے اس کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ لہذا اس

بوڑھے سردار کو دشمن کے حوالے نہ کرو کیونکہ بنو عمرو کو ذلیل اور لئیم کہا جائے گا اگر انہوں نے اپنے قیدی

کے پاؤں سے بیڑیاں نہ کھلوائیں۔“

اس کا جواب حضرت حسان بن ثابت نے یوں دیا:

لو کان سعدٌ یوم مکہ مطلقاً
لا کثر فیکم قبل ان یوسد القتلا

بعضب حسام او بصفراء نبعۃ
تمن اذا ما انبضت تحفز النبلا

ترجمہ: ”اگر اس روز حضرت سعد مکہ مکرمہ میں آزاد ہوتے تو وہ قیدی بننے سے قبل تمہیں کثرت سے قتل کرتے۔“

تیز تلوار کے ساتھ قتل کرتے ہی انبوعہ کے زرد کمان کے ساتھ تیر پھینک کر قتل کرتے جسے جب کھینچا جاتا ہے تو وہ آواز نکال کر تیزی سے تیر پھینکتی ہے۔“

بنو عمرو بن عوف بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت سعد کی غمناک داستان سنائی۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! ہمیں عمرو عطا فرما دیں۔ تاکہ وہ اپنے ساتھی کو چھڑا سکیں۔ آپ نے کرم نوازی کی۔ عمرو کو ابوسفیان کے پاس بھیج دیا۔ اس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔“

ان قیدیوں میں حضور اکرم ﷺ کے داماد اور آپ کی نور نظر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص بھی تھے۔ انہیں خراس بن صمہ نے گرفتار کیا تھا۔ جب قریش نے اپنے قیدیوں کے فدیے بھیجے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص اور ان کے بھائی عمرو بن ربیع کے فدیہ کے لیے مال (ہار) بھیجا۔ جسے دیکھ کر آپ کے دل میں شدید رقت پیدا ہو گئی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو اور اس کا مال واپس کر دو۔“ صحابہ کرام نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! ضرور!“ انہوں نے ابو العاص کو آزاد کر دیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مال بھی واپس کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ حضرت زینب کو مدینہ طیبہ بھیج دے گا۔ یہ اس کی رہائی کی شرط تھی۔ اس کا اظہار نہ تو حضور اکرم ﷺ نے کیا تھا اور نہ ہی ابو العاص نے تاکہ سب جان لیتے کہ شرط کیا تھی۔ جب وہ روانہ ہو گیا تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور دو انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ فرمایا: ”وادی یانح میں جاؤ۔ جب زینب تمہارے پاس سے گزرنے لگے تو اس کو میرے پاس لے آنا۔ وہ اس وقت روانہ ہو گئے۔ اس وقت غزوہ بدر کو کم و بیش ایک ماہ گزر چکا تھا۔ جب ابو العاص مکہ مکرمہ آئے تو انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا وہ اپنے والد گرامی کے پاس چلی جائیں۔ اس کا بقیہ تذکرہ ”الحوادث“ میں آئے گا۔“

قیدیوں کی ایک جماعت جن میں حضرت عباس تھے انہوں نے کہا: ”ہم مسلمان تھے۔ ہمیں مجبوراً لایا گیا ہے۔ ہم سے فدیہ کیوں لیا جاتا ہے؟ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيِدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ ۖ إِنَّ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا
يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا
خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٤١﴾

(الانفال: ۴۰، ۴۱)

ترجمہ: ”اے نبی کریم آپ فرمائیے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشنے گا

تمہارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ اور اگر وہ ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیرت کیوں ہو) انہوں نے تو دھوکہ کر لیا ہے اللہ سے پہلے ہی (اسی لیے) تو اللہ تعالیٰ نے قابو دے دیا (تمہیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے۔“

ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، امام بیہقی، ابو نعیم اور ابو شیخ نے مختلف طرق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں ستر مشرکین کو گرفتار کیا۔ ان میں عباس اور عقیل بھی تھے۔

آپ نے ان سے چالیس اوقیہ سونا بطور فدیہ لیا۔ سعید بن جبیر نے لکھا ہے کہ حضرت عباس سے ایک سو اوقیہ اور حضرت عقیل سے اسی اوقیہ سونا لیا۔ حضرت عباس نے عرض کی: ”آپ نے تو مجھے بقیہ زندگی میں قریش کا محتاج کر دیا ہے۔“ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اس وقت حضرت عباس نے عرض کی: ”میری تمنا ہے کہ کاش اس وقت آپ مجھ سے اس سے دگن فدیہ لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے چالیس غلام عطا کیے ان میں سے ہر ایک میرے لیے تجارت کرتا تھا۔ مجھے رب تعالیٰ کی بارگاہ سے مغفرت کی بھی امید ہے۔“

امام بخاری اور ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا۔ آپ نے فرمایا: ”اے مسجد نبوی میں پھیلا دو۔“ بہت سا مال تھا جو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضرت عباس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے مال عنایت کریں۔ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”لے لیں۔“ انہوں نے اپنا کپڑا بچھایا اور اسے بھرنے لگے پھر اسے اٹھانہ سکے۔ انہوں نے عرض کی: ”کسی شخص کو حکم دیں کہ وہ میری مدد کرے۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ انہوں نے عرض کی: ”آپ ہی میری مدد کریں۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ انہوں نے کچھ مال باہر نکالا۔ پھر اٹھایا مگر اب بھی نہ اٹھا سکے۔ انہوں نے عرض کی: ”کسی شخص سے کہیں کہ وہ میری مدد کرے۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ انہوں نے کہا: ”آپ ہی میری مدد کریں۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ انہوں نے اس گھڑی سے اور مال باہر نکالا پھر اسے اپنے کندھے پر اٹھالیا۔ پھر چلے گئے۔ وہ کہہ رہے تھے ”رب تعالیٰ نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا تھا وہ اس نے پورا کر دیا ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے رہے حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اس وقت تک نہ اٹھے جب تک وہاں ایک درہم بھی نہ رہا۔

بہت سے قیدیوں پر آپ نے کرم بھی فرمایا۔ انہیں فدیہ کے بغیر آزاد کر دیا۔ ان میں سے ایک ابو عروہ عمرو بن عبد اللہ الجمحی تھا۔ وہ غریب اور عیالدار تھا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی۔ اس نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس مال نہیں۔ میں محتاج اور عیالدار ہوں۔ مجھ پر احسان فرمائیں۔“ آپ نے اس

سے عہد لیا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ آپ کی تعریف کرتے ہوئے اس نے یہ اشعار کہے:

من مبلغ عنی الرسول محمداً
وانت امرؤ تدعوا الی الحق والہدی
وانت امرؤ بوئت مباءة
فانک من قاربته لمحارب
ولکن اذا ذکرت بدرأ و اہلہ
بانک حق والملیک حمید
علیک من اللہ العظیم شہید
لہا درجات سہلۃ و صعود
شقی و من سألته لسعید
تاوب مالی حسرة و قعود

ترجمہ: ”کون ہے جو میری طرف سے حضور اکرم ﷺ کو پیغام دے کہ آپ نبی برحق ہیں اور آپ کا مالک ساری تعریفوں سے متصف ہے۔ آپ وہ ہستی ہیں جو حق اور ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور عظیم خدا اس امر پر گواہ ہے۔ آپ وہ ہستی پاک ہیں جو ایسے بلند مقام پر فائز ہیں جس کی سیرھیوں پر چڑھنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آپ کی شان والا کا عالم یہ ہے کہ آپ جن کے ساتھ جنگ کریں وہ بد نصیب ہے جس کے ساتھ صلح کر لیں وہ خوش نصیب ہے۔ لیکن جب مجھے بدر اور اہل بدر کی یاد دلائی جاتی ہے تو میری حسرت اور دوں ہمتی دوبارہ میری طرف لوٹ آتی ہے۔“

ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے بڑی کوشش کی یہ ابوعبرہ اس وقت اسلام قبول کر لے لیکن اس نے کہا: ”نہیں! حتیٰ کہ میں الخزرجیہ میں رات تک شمشیر زنی کر لوں۔“

ابو ربیع نے کہا: ”ان اشعار اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس کی بات چیت کے بارے مجھے کسی صحیح مزج کا علم نہیں ہو سکا۔ الا یہ کہ اس کے ساتھ ابوعبرہ نے حضور اکرم ﷺ کو دھوکا دینے کا ارادہ کیا ہو۔ لیکن اس کا وبال اس کی جان پر پڑا۔ اس کی تفصیلات غرہ حمراء الاسد میں آئیں گی۔“

ان قیدیوں میں سے وہب بن عمیر بھی تھا اس کا ہاپ عمیر اس کا لہ یہ لے کر آیا اس نے صفوان بن امیہ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو شہید کر دے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے ہارے حضور اکرم ﷺ کو بتا دیا۔ یہی اس کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ مزید تذکرہ معجزات میں آئے گا۔

عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ربیعہ نجاشی کے دربار میں

ابو عمر اور ابن دجیہ لے لکھا ہے ”جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو میدان بدر میں جو سے اکھیر پھینکا۔ تو انہوں نے کہا:

”ہمارا انتقام سرزمین حبشہ میں ہے۔ ہم اس کے پاس اپنے قاصد بھیجتے ہیں تاکہ وہ وہاں کے مسلمانوں کو ہمارے سپرد کر دے ہم انہیں مقتولین بدر کے عوض قتل کر دیں گے۔“ انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو بھیجا۔ ان کے ہمراہ نجاشی کے لیے بہت سے ہدیے اور تحائف بھی بھیجے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کرے۔ جب عمرو اور عبداللہ نجاشی کے دربار میں پہنچے تو نجاشی نے انہیں غائب و خاسر واپس کر دیا۔“

ابوداؤد نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ واقعہ بدر کے بعد قریش نے عمرو بن عاص کو نجاشی کے دربار میں بھیجا۔“

غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے مسلمانوں اور مشرکین کی تعداد

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کرتے تھے کہ غزوہ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد ان اصحاب طالوت کے برابر تھی۔ جنہوں نے ان کے ساتھ نہر عبور کی تھی۔ ان کے ہمراہ صرف اہل ایمان ہی تھے۔ ان کی تعداد ۳۱۰ اور کچھ تھی۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، بیہقی، الطبرانی نے حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام ابھی مدینہ طیبہ میں تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: ”کیا ہم باہر نہ نکلیں اور اس کاروان کے ساتھ نبرد آزما ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ وہ ہمیں بطور مال غنیمت عطا کر دے۔“ ہم نے عرض کی ”ضرور! ہم عازم سفر ہوئے۔ جب ہم نے ایک دن یا دو دن کا سفر طے کر لیا تھا تو حضور اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم شمار کریں۔ ہم نے شمار کیا تو ہماری تعداد ۳۱۳ تھی۔ ہم نے یہ تعداد آپ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: ”حضرت طالوت کے ساتھیوں کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔“

ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابو عوانہ اور ابن حبان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ بدر کے روز حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کی طرف دیکھا۔ ان کی تعداد تین سو اور کچھ تھی۔ امام مسلم نے یہ تعداد ۳۱۹ لکھی ہے۔ آپ نے مشرکین کی طرف دیکھا۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔“

بزار نے سنہ سے حضرت ابوموسیٰ الاشعری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ بدر میں صحابہ کرام کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت کے ساتھیوں کی اس وقت تھی جب وہ جالوت کے ساتھ معرکہ آزما ہوئے تھے۔ یہ

تعداد ۳۱۷ تھی۔ مجمع الزوائد کے ایک نسخہ میں بھی یہی تعداد مرقوم ہے۔ لفتح میں یہ تعداد ۳۱۳ لکھی ہے۔

امام بخاری، ابن راہویہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں اور ابن عمر غزوہ بدر کے دن چھوٹے تھے۔ غزوہ بدر میں مہاجرین کی تعداد تقریباً ساٹھ اور انصار کی تعداد تقریباً دو سو چالیس تھی۔“

حاکم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مہاجرین کی تعداد تقریباً اسی تھی۔ الحافظ کہتے ہیں ”اس روایت میں خطا ہے۔ کیونکہ شعبہ نے وہی تعداد بیان کی ہے جو امام بخاری نے رقم کی ہے۔ یعقوب بن سفیان نے لکھا ہے کہ عبیدہ سلمانی کی مرسل روایت میں ہے کہ انصار کی تعداد ۲۷۰ تھی۔ لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ سعید بن منصور نے ابی الیمان عامر الھوزنی سے روایت کیا ہے۔ الطبرانی اور امام بیہقی نے ایک اور سند سے حضرت ابویوب انصاری سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ غزوہ بدر کے لیے نکلے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: خود کو شمار کر لو۔ انہوں نے شمار کیا تو ان کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ آپ نے دوبارہ فرمایا: ”گنو۔“ انہوں نے دوسری بار شمار کیا اس وقت ایک شخص اپنے جوان کمزور سے اونٹ پر آگیا۔ صحابہ کرام کی تعداد ۳۱۵ پوری ہو گئی۔“

ابوداؤد، امام بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ غزوہ بدر کے لیے عازم سفر ہوئے۔ تو ان کی تعداد ۳۱۵ تھی۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں یہ تعداد ۳۱۳ ہے۔ کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ شاید آپ کو اور اس صحابی کو شمار نہ کیا گیا ہو جو بعد میں آئے ہوں۔ جس تعداد میں ۳۱۷ کا ذکر ہے تو اسے اس وقت پر محمول کیا جائے گا۔ جب چھوٹے صحابہ کرام بھی ان میں شامل تھے۔ پھر انہیں قتال کی اجازت نہ ملی۔ جیسے حضرات براء، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم۔“

امام احمد نے صحیح سند سے ان سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا ”کیا آپ نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی؟“ انہوں نے عرض کی: ”میں غزوہ بدر سے غیب کیسے ہو سکتا تھا؟ گویا کہ آپ نے بطور خادم رسول ﷺ اس میں شرکت کی تھی۔ جیسے کہ ثابت ہے کہ آپ نے دس سال تک یہ سعادت حاصل کی تھی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے یہ سعادت اس وقت سے ہی حاصل کرنا شروع کر دی تھی جب آپ مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تھے۔ شاید وہ آپ کے ساتھ یا اپنے چچا اور والدہ کے شوہر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ عازم سفر ہوئے ہوں۔ صحیح میں حضرت ابن عقبہ سے روایت ہے کہ امام زہری نے فرمایا: ”غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے قریشی صحابہ کرام کی تعداد جن کے لیے مال غنیمت میں سے حصہ نکالا گیا تھا ۸۱ تھی۔“

الحافظ نے لکھا ہے کہ اس قول کو اور حضرت براء کے قول کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت براء کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ان صحابہ کرام کی تعداد جنہوں نے حسی طور پر شرکت کی تھی جبکہ امام زہری کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ جنہوں نے حسی اور عملی

طور پر شرکت کی تھی۔ جن کے لیے حصہ نکالا گیا اور اجر و ثواب کا مزدہ سنایا گیا۔ یا پہلی تعداد سے مراد صرف آزاد صحابہ کرام ہیں اور دوسری تعداد سے مراد ان کے غلام اور پیرو کار مراد ہیں۔ الحافظ نے لکھا ہے ”جب تم اس طرح روایات میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں علم ہو جائے گا کہ سب نے قتال میں حصہ نہیں لیا تھا صرف ۳۰۵ یا ۳۰۶ صحابہ کرام نے قتال میں حصہ لیا تھا۔“

ابن جریر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد ۳۰۶ ہے۔ ابن سعد نے بھی یہی وضاحت کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد ۳۰۶ تھی۔ گویا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو شمار نہیں کیا۔ انہوں نے متفرق روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوہ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ مگر آپ نے مال غنیمت میں سے ان کے حصے نکالے تھے۔ وہ کسی ضرورت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے تھے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے ”مسلمانوں کے ہمراہ ستر جنات نے بھی اس غزوہ میں شرکت کی تھی مشرکین کی تعداد ایک ہزار یا نو سو پچاس تھی۔ ایک قول کے مطابق ان کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔“

جن مسلمانوں کے سر پر شہادت کا تاج سجایا گیا

غزوہ بدر میں جو مسلمان شہید ہوئے وہ درج ذیل ہیں۔

- ۱ حضرت عبیدہ بن حارث
- ۲ حضرت عمیر بن ابی وقاص، ان کی عمر سولہ یا سترہ سال تھی۔
- ۳ حضرت عمیر بن حمام، ان کا تعلق بنو سلمہ کے ساتھ تھا۔
- ۴ حضرت سعد بن خلیثمہ، ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔
- ۵ حضرت ذوالشمالین بن عبد عمرو خزاعی، ان کا تعلق بنو زہرہ کے ساتھ تھا۔
- ۶ حضرت مبشر بن عبد المنذر، ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔
- ۷ حضرت عاقل بن بکیر
- ۸ حضرت مہجع۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خادم۔
- ۹ حضرت صفوان بن بیضاء الفہری
- ۱۰ حضرت یزید بن حارث
- ۱۱ حضرت رافع بن معلی

۱۱ حضرت حارثہ بن سراقہ۔ یہ حضرت انس بن مالک کے پھوپھو کے فرزند تھے یہ منظر دیکھنے گئے تھے۔ یہ بچے تھے۔ انہیں تیر لگا جس کی وجہ سے انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔

۱۲ حضرت عوف

۱۳ حضرت معوذ پسران عفراء۔ ان کی عمر چودہ سال تھی۔

آٹھ صحابہ کرام کا تعلق انصار کے ساتھ تھا۔ چھ کا تعلق خزرج اور دو کا تعلق اوس کے ساتھ تھا۔

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”غزوہ بدر میں اٹھارہ صحابہ کرام جنہم شہید ہوئے۔ رب تعالیٰ نے جنت میں ان کی ارواح سبز پرندوں کے اندر رکھیں۔ وہ جنت میں محو پرواز ہوتے تھے۔ وہ اسی طرح تھے کہ رب تعالیٰ نے انہیں اوپر سے دیکھا۔ اس نے فرمایا: ”اے میرے بندو! تم کیا چاہتے ہو؟“ انہوں نے عرض کی: ”مولا! اس سے بالا بھی کچھ ہے؟“ پھر رب تعالیٰ نے یہی سوال کیا۔ انہوں نے چوتھی بار عرض کی: ”مولا! ہماری ارواح کو اپنے اجسام میں لوٹا دے۔ ہم کو اسی طرح قتل کر دیا جائے جیسے ہم پہلے قتل ہوئے تھے۔“

مشرکین کے مقتولین اور قیدیوں کی تعداد

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ جو تعداد ان کے لیے شمار کی گئی اس کے مطابق پچاس مشرکین تہ تیغ ہوئے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے ”مجھے ابو عبیدہ نے ابو عمرو سے روایت کیا ہے کہ مشرکین کے ستر افراد تہ تیغ ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنے۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے۔ رب تعالیٰ کی کتاب حکیم میں ہے:

أَوْلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا (آل عمران: ۱۶۵)

ترجمہ: ”کیا جب پہنچی تمہیں کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دشمن کو) اس سے دگنی۔“

یہ فرمان غزوہ احد میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں ہے۔ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ اس غزوہ میں ستر مشرکین قیدی بنے۔ ابو زید انصاری نے مجھے حضرت کعب بن مالک کا قصیدہ سنایا جو مقتولین بدر کے بارے میں ہے۔ اس میں یہ شعر بھی ہے:

فاقام بالعطن المطعن منهم سبعون عتبه منهم والاسود

ترجمہ: ”اس اونٹ بیٹھنے کی جگہ میں ستر افراد کھڑے تھے جن میں عتبہ اور اسود بھی تھے۔“

البدایہ میں ہے: ”مشہور قول یہی ہے کہ غزوہ بدر میں قیدیوں کی تعداد ستر تھی اور مشرکین کے مقتولین کی تعداد بھی

اتنی ہی تھی۔“

امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ نے تیر اندازوں کے دستہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا ان کی تعداد پچاس تھی۔ غزوہ احد میں ہمارے ستر افراد شہید ہوئے۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے غزوہ بدر میں ایک سو چالیس مشرکین کو نقصان پہنچایا تھا۔ ستر مشرکین مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنے۔“

الحافظ نے لکھا: ”مقتولین کی تعداد کے بارے میں یہی قول سچا ہے۔ حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام نے اس پر حضرت براء کی موافقت کی ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت طیبہ کے بارے میں سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ اس میں مخاطبین اہل احد ہیں اور اس سے مراد وہ دو گنا افراد ہیں جن کو غزوہ بدر میں نقصان ہوا تھا۔ جبکہ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ سیرت نگاروں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ غزوہ بدر میں پچاس مشرکین قتل ہوئے۔ پھر بعض نے اس تعداد میں کمی بیشی کی ہے۔ ابن اسحاق نے ان کے نام ذکر کیے ہیں جو پچاس ہیں۔ امام واقدی نے تین یا چار کا اضافہ کیا ہے۔ اکثر اہل مغازی نے ان کی تعداد چالیس سے کچھ زائد بتائی ہے۔ لیکن ان ناموں سے یہ تعیین لازم نہیں آتی کہ ان کا شمار مقتولین میں سے ہو۔“

امام بیہقی نے امام زہری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”غزوہ بدر میں مشرکین کے ستر سے زائد افراد مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔“ امام بیہقی نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے ”یہ مشرکین کے مقتولین اور قیدیوں کی تعداد کے صحیح ترین روایت ہے۔“ حضرت براء کی روایت اس کی شاہد ہے۔“ میں کہتا ہوں: ”امام واقدی نے مبالغہ کیا ہے۔“ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت پر اجماع ہے۔ ابو عمر نے کہا ہے: ”مشہور مقتولین میں یہ افراد شامل ہیں۔ حنظلہ بن ابی سفیان، اسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ عبیدہ بن سعید اسے حضرت زبیر بن عوام نے قتل کیا۔ عاص بن سعید۔ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا۔“

عتبہ، شیبہ، پسران ربیعہ، ولید بن عتبہ۔ انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا۔ عقبہ بن ابی معیط۔ اسے قید بنانے کے بعد حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تلوار سے مارا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے حکم سے اسے قتل کیا۔ حارث بن عامر۔ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ طعیمہ بن عدی۔ اسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جہنم پہنچایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسے قیدی بننے کے بعد قتل کیا گیا۔ پہلا قول مشہور ہے۔ زمعہ بن الاسود، اس کا بیٹا حارث بن زمعہ اس کا بھائی عقیل بن اسود، ابوالبحتری، عاص بن

ہشام، نوفل بن خویلد بن اسد سے حضرت علی یا حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے قتل کیا۔ نصر بن حارث صفراء کے مقام پر اسے تیغ کر دیا گیا۔ عمیر بن عثمان اسے حضرت علی نے تیغ کیا۔ مسعود بن ابی امیہ الحمزومی۔ یہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا تھا۔ ابوقیس بن ولید۔ یہ حضرت خالد بن ولید کا بھائی تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ ابوقیس بن الفاکہ۔ اسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، سائب بن ابی سائب۔ اسے حضرت زبیر بن عوام نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ابن اسحاق نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ غزوہ بدر میں حالت کفر میں مرا تھا۔ حضرت زبیر بن بکار کا بھی یہی موقف ہے۔ لیکن ابن ہشام وغیرہ نے اختلاف کرتے ہوئے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ ابو عمر نے لکھا ہے: "اس کی تالیف قلبی کی گئی تھی۔ اس نے اپنا اسلام بہت عمدہ کیا تھا۔"

الحافظ نے لکھا ہے کہ احتمال یہ ہے کہ یہ سائب بن صلیفی ہوں۔ جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر بکریاں چراتے ہوں۔ سائب بن ابی سائب نہ ہو۔ امام احمد نے حضرت سائب بن صلیفی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے فتح مکہ کے روز بارگاہ رسالت مآب میں حاضر کیا گیا۔ مجھے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت زہیر لے کر آئے۔ وہ میری تعریف کرنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "مجھے ان کے بارے نہ بتاؤ۔ یہ زمانہ جاہلیت میں میرا ساتھی ہوتا تھا۔" آپ نے فرمایا: "تم کتنے اچھے ساتھی تھے۔" یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ وہ فتح مکہ کے زمانہ تک بحیات رہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے: "انہوں نے بہت زیادہ عمر پائی تھی۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "ایک گروہ جو غزوہ بدر میں مقتول ہوا اس کے بارے قرآن حکیم کی یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:
إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الظَّالِمِينَ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۖ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۗ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٤﴾ (النساء: ۹۴)

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ کہ قبض کیا ان (کی روحوں) کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے۔ اپنی جانوں پر فرشتوں نے انہیں کہا تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا ہم تو بے بس تھے زمین میں فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے۔"

اس سے مراد حارث بن زمعہ، ابوقیس بن الفاکہ، ابوقیس بن ولید، علی بن امیہ اور عاص بن منبہ ہیں۔ انہوں نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے۔ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آگئے تو

ان کے آباء اور قبائل نے انہیں مجبوس کر دیا۔ انہوں نے انہیں فتنہ میں مبتلاء کر دیا تو یہ فتنے میں مبتلاء ہو گئے۔ پھر اپنی قوم کے ہمراہ بدر گئے اور سارے مارے گئے۔

اس روز بنو ہاشم میں سے حضرت عباس قیدی بنے۔ ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے عرض کی: ”والد گرامی! ابو یسر نے آپ کو کیسے گرفتار کر لیا اگر آپ چاہتے تو اسے ہتھیلی سے پکڑ سکتے تھے۔“ انہوں نے فرمایا: ”نور نظر! یہ بات نہ کرو۔ جب وہ مجھے ملے تو وہ مجھے کوہ خندمہ سے بھی بڑے نظر آئے۔“ اسی طرح عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث گرفتار ہوئے۔

بنو المطلب بن عبد مناف میں سے سائب بن عبید اور نعمان بن عمرو قیدی بنے۔ بنو نوفل میں سے عدی بن خیار قیدی بنا۔ بنو عبد الدار میں سے ابو عزیز بن عمیر پابند سلاسل ہوا۔ بنو تمیم بن مرہ میں سے مالک بن عبید اللہ قیدی بنا۔ یہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا بھائی تھا۔ بنو مخزوم اور ان کے حلیفوں میں سے بارہ افراد گرفتار ہوئے۔ ان میں عمرو بن ابی سفیان، حارث بن ابی وجزہ اور ابو العاص بن ربیع تھے۔ دیگر قریش میں سے سائب بن ابی سائب، حارث بن عمرو، خالد بن ہشام، سیفی بن ابی رفاعہ، مطب بن حنطب اور خالد بن اعلم گرفتار ہوئے۔ اس نے ہی یہ شعر کہا تھا:

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا و لکن علی اقدامنا یقطر الدم

ترجمہ: ”ہم ایسے نہیں کہ ہمارے زخم ہماری اڑھیوں پر بہ رہے ہوں۔ بلکہ ہمارے قدموں پر خون کے قطرات گرتے ہیں۔“

لیکن وہ اپنی اس بات میں سچا نہ تھا۔ سب سے پہلے اسی نے ہی راہ فرار اختیار کی تھی۔ اسے پالیا گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ عثمان بن عبد شمس، امیہ بن ابی مذیفہ بھی گرفتار ہوئے۔ ابو قیس بن ولید۔ اس کا تذکرہ العیون میں ابو عمر کی اتباع کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ پھر ان دونوں سے اس کا شمار غزوہ بدر اور غزوہ احد کے مقتولین میں بھی کیا ہے۔

یہ لغزش ہے۔ اسی طرح عثمان بن عبد اللہ، ابو عطاء عبد اللہ بن سائب، ابو داء بن ضبیرہ السہمی گرفتار ہوئے۔ مؤخر الذکر کا سب سے پہلے فدیہ ادا کیا گیا۔ عبد اللہ بن ابی، اس کا بھائی عمرو، ابو عروہ الحمیمی، سہیل بن عمرو عامری، عبد اللہ بن زمعہ، عبد اللہ بن حمید گرفتار ہوئے۔ ابو عمر نے مشہور مقتولین اور قیدیوں کا ذکر اسی طرح کیا ہے۔

وہ قیدی جو مشرف باسلام ہوئے

جن حضرات کو یہ سعادت ملی ان میں عباس بن مطلب، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث، ابو العاص بن ربیع،

ابوعریز بن عمیر، سائب بن ابی جیش، خالد بن ہشام، عبداللہ بن ابی سائب، مطلب بن حطب، ابوداعہ سہمی، عبداللہ بن ابی، وہب بن عمیر، سہیل بن عمرو، عبداللہ بن زمعہ، قیس بن سائب، نسطاس، امیہ بن خلف کے غلام۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ ابوالفتح نے کیا ہے۔ ان میں سائب بن عبید ہیں۔ انہوں نے اپنا فدیہ ادا کر لینے کے بعد اسلام قبول کیا۔ القاضی ابوالطیب الطبری سے علماء نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ عدی بن خیاری۔ ولید بن مغیرہ۔ اس کے بھائی ہشام اور خالد اسے لے کر چلے گئے اس کا فدیہ ادا نہ کیا گیا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے اس میں اسے عتاب کیا۔ انہوں نے کہا: ”مجھے یہ بات ناپسند تھی کہ میں نے قید سے گھبرا کر اسلام قبول کیا۔“ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے ماموؤں نے اسے مجبوس کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ قنوت میں اس کے لیے دعا مانگتے تھے۔ پھر انہیں نجات مل گئی اور عمرۃ القضیہ میں یہ حضور کے ساتھ جا ملے۔

تنبیہات

◆ بدر ایک مشہور بستی ہے جو مدینہ طیبہ سے چار مراحل دور ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ بدر بن مغلہ، دوسرے قول کے مطابق بدر بن حارث، تیسرے قول کے مطابق بدر بن کلدہ کی طرف منسوب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک کنویں بدر کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا۔ اس کے گول یا صاف ہونے کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا۔ اس میں چاند نظر آتا تھا۔ بنو غفار کے کئی بزرگوں نے اس کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ”یہ ہمارا پانی ہے۔ یہ ہماری منازل ہیں۔ کبھی بھی کوئی ایسا شخص اس کا مالک نہیں بنا جس کا نام بدر ہو۔ یہ اس کا اس طرح نام ہے جیسے دیگر شہروں کے نام ہوتے ہیں۔“ امام بغوی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

◆ یہ غزوہ ستر رمضان المبارک میں رونما ہوا۔ آپ شوال میں قیدیوں کے مسائل سے فارغ ہوئے۔

◆ روایت گزر چکی ہے کہ آپ دو پہاڑوں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے ان کے ناموں کے بارے پوچھا۔ آپ کو عرض کی گئی کہ ایک کا نام مسلح اور دوسرے کا نام فخری ہے۔ آپ ان کی راہ سے ہٹ گئے ابوالقاسم اس نے لکھا ہے اس کا تعلق اس بدفالی سے نہیں جس سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے بلکہ اس کا تعلق ناپسندیدہ نام کی ناپسندیدگی کے ساتھ ہے۔ آپ اپنے امراء کی طرف لکھتے تھے ”جب میری طرف ڈاک بھیجو تو ٹھنڈی کر کے بھیجو اور ایسے شخص کو بھیجو جس کا چہرہ بھی حسین ہو اور نام بھی حسین ہو۔“ اس روایت کو بزار سے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے اسی طرح عقیلی اور الطبرانی نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”جب تم میری طرف کسی شخص کو بھیجو تو ایسے شخص کو بھیجو جو حسین چہرہ اور عمدہ نام رکھتا ہو۔“ آپ نے دودھ دینے والی

اونٹنی کے بارے فرمایا "اس کا دودھ کون نکالے گا؟" ایک شخص اٹھا اس نے عرض کی: "میں" آپ نے پوچھا: "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا: "مزة" آپ نے کہا: "تم بیٹھ جاؤ۔" دوسرا شخص کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا: "جمرة" آپ نے فرمایا: "تم بھی بیٹھ جاؤ۔" ایک اور شخص اٹھا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو اس نے عرض کی: "یعیش" آپ نے فرمایا: "اسے دھولو۔" اس روایت کو ابن سعد اور ابن قانع نے نقل کیا ہے۔

ابن وہب کی روایت میں ہے: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے۔ عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ ہمیں تو بدفالی سے منع کرتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "میں نے بدفالی نہیں لی۔ بلکہ میں نے عمدہ نام کو ترجیح دی ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابوسفیان کی آمد کی آپ کو اطلاع ملی تو آپ نے مشاورت کی تو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے معروضات پیش کیں۔ پھر حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! شاید آپ ہمارا اردہ فرما رہے ہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں کود جائیں گے اگر آپ حکم دیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں تو ہم ضرور اس طرح کریں گے۔" آپ نے لوگوں کو جمع کیا۔ آپ روانہ ہوئے اور مقام بدر میں نزول اجلال فرمایا۔

"العیون" میں ہے کہ یہ عرض گذشت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ ابن عقبہ، ابن اسحاق، ابن سعد، ابن عائد وغیرہم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت سعد بن عبادۃ نے غزوہ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ حضرت سعد روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔ پھر آپ کو سانپ نے ڈس لیا اس وجہ سے وہ مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہرے رہے۔

الحافظ نے الفتح وغیرہ میں لکھا ہے "ان روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ آپ نے صحابہ کرام سے دو بار مشاورت کی تھی۔" (۱) جبکہ آپ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت آپ کو ابوسفیان کے کارواں کی خبر پہنچی تھی یہ تفصیل امام مسلم کی روایت سے عیاں ہوتی ہے۔ (۲) دوسری بار اس وقت جب آپ روانہ ہو گئے۔ جیسے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔ اس وقت حضرت سعد بن معاذ نے یہ مشاورت دی۔ الطبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادۃ نے یہ مشاورت اس وقت دی تھی جب آپ نے صلح حدیبیہ کے وقت مشاورت طلب کی

تھی۔ قرین صواب یہی قول ہے۔

◆ امام سہیلی نے لکھا ہے "یضحک الرب" کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی رضا کے ساتھ ساتھ بشارت اور عزت و کرامت کا اظہار ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ضحک غضب کا متضاد ہے۔ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ آقا ناراض ہو جاتا ہے وہ معاف تو کر دیتا ہے لیکن عتاب باقی رہتا ہے۔ جب وہ راضی ہو جائے تو یہ عفو سے زائد ہے۔ جب وہاں ضحک ہو تو یہ رضا کی استہاء ہے کیونکہ بعض اوقات وہ راضی ہوتا ہے۔ لیکن دل کی رضا کا اظہار نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ کی رضا اور اس کے اظہار کو ضحک سے تعبیر کرنا۔ مجازاً اور بلاغت کے لیے ہے۔ مختصر الفاظ میں یہ سارے معانی شامل ہیں۔ آپ نے عرض کی: "مولا! تو طلحہ بن براء سے اس طرح ملاقات کر کہ وہ تجھے دیکھ کر مسکرائے اور تو اسے دیکھ کر مسکرائے۔" اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ملاقات دو ایسے محبت کرنے والوں کے مابین ہو جو اپنے نفوس سے رضا اور محبت کا اظہار کر رہے ہوں۔ جب "ضحک الرب الی فلاں" کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے یہ چند کلمات ہیں۔ جو رضائے الہی کے ساتھ ساتھ اس کی محبت، بشارت اور کرامت کے اظہار کو متضمن ہیں۔ جس سے زیادہ کا تصور نہیں ہو سکتا۔ یہ ان جوامع کلمات میں سے ہیں جو آپ کو عطا کیے گئے تھے۔

"المطالع" میں ہے۔ اس پر اور اس جیسی دیگر احادیث پر کیفیت اور تاویل کے بغیر ایمان رکھنا ضروری ہے اور اسے اس کے قائل اور عالم کے سپرد کر دینا ضروری ہے۔

◆ امام خطاب نے لکھا ہے کہ یہ لازمی ہے کہ یہ تصور نہ کیا جائے کہ اس حال میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ اپنے رب پر بھروسہ تھا۔ بلکہ آپ کی صحابہ کرام پر شفقت اور ان کے قلوب کی تقویت نے آپ کو اس امر پر ابھارا تھا کیونکہ یہ آپ کی یہی جنگ تھی۔ آپ نے توجہ، دعا اور آہ و زاری میں کمال کر دیا۔ تاکہ صحابہ کرام کے نفوس کو تسکین نصیب ہو۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کا وسیلہ قبول ہو جاتا ہے۔ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ سے یوں فرمایا تو آپ رک گئے تو آپ کو علم ہو گیا۔

آپ کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔ کیونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں قوت اور طمانیت پائی تھی۔ اسی لیے آپ نے بعد میں فرمایا:

سَيُنْزَلُ الْجَنَّةُ. (القر: ۴۵)

ترجمہ: "عنقریب پہا ہوگی یہ جماعت۔"

قاضی ابو بکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف پر تھے اور آپ کے ساتھی مقام رجاء پر تھے۔ یہ دونوں مقامات فضیلت میں برابر ہیں۔" ان کے شاگرد رشید امام سہیلی نے لکھا ہے "اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر مقام میں برابر ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رجاء اور خوف دو مقامات ایمان کے لیے ضروری ہیں۔ اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام رجاء پر فائز تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام خوف پر فائز تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ آپ کو خدشہ ہوا کہ شاید اس کے بعد اس کی زمین میں عبادت نہ کی جائے۔

قاسم بن ثابت نے دلائل میں لکھا ہے "جو کچھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا وہ آپ پر معاونت اور رقت کی وجہ سے کیا تھا جب انہوں نے آپ کی اتنی زیادہ آہ و زاری دیکھی کہ آپ کی چادر مبارک کندھوں سے نیچے گر پڑی۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ خود کو اس طرح کیوں تھکاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے آپ کے ساتھ نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بہت بڑے رقیق القلب انسان تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ عشق کرتے تھے۔ اس شخص نے بڑی لغزش کی ہے۔ جس کے پاس علم نہیں ہے اور اس نے اس کو تصوف کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔ شاید خطابی نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

"الروض الانف" میں ہے "آپ نے دعا میں اتنی شدت اور آہ و زاری اس لیے کی کیونکہ آپ نے دیکھا تھا کہ ملائکہ مصروف قتال ہو گئے تھے۔ حضرت جبرائیل امین کے گھوڑے کے پاؤں گرد آلود تھے۔ انصار اللہ بھی موت کے سمندر میں غوطہ زن ہو رہے تھے۔ جہاد کی دو اقسام ہیں (۱) تلوار کے ساتھ جہاد (۲) دعا کے ساتھ جہاد۔ امام کی سنت یہ ہے کہ وہ لشکر کے پیچھے ہو، ان کے ساتھ قتال نہ کرے۔ پھر گویا کہ سارے جہاد اور جدوجہد میں ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی نفس کو راحت و سکون نہیں پہنچا رہا ہوگا۔ انصار اللہ اور ملائکہ خوب کوشش کر رہے ہوں گے کوئی بھی فراغت کو ترجیح نہیں دے رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا گروہ اپنے دشمنوں کے ساتھ نبرد آزما ہوگا۔

رب تعالیٰ نے اس فرمان:

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ التَّمَيُّمِ فِيْ أَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْ أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللهُ
أَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا (الانفال: ۴۳)

اور رب تعالیٰ کے اس فرمان:

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِيْ فِئْتَيْنِ التَّقَاتِ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيلِ اللهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأَى الْعَيْنِ ۗ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ ۗ مَنْ يَشَاءْ ۗ (آل عمران: ۱۳)

میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ صحیح قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ کافر گروہ مومن گروہ کو کافروں کی تعداد کے برابر دیکھ رہے تھے۔ یہ مقابلہ اور جنگ کے وقت تھا۔ رب تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں کمزوری اور رعب ڈال دیا تھا۔ انہوں نے پہلے انہیں قلیل دیکھا۔ پھر رب تعالیٰ نے اپنی تائید کے ساتھ ان کی نصرت کی اور کافروں کی نگاہوں میں انہیں ان سے دوگنا کر دکھایا۔ حتیٰ کہ وہ کمزور ہو گئے۔ وہ مغلوب ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا:

وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ ۗ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۗ (آل عمران: ۱۳)

ترجمہ: ”اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے یقیناً اس واقعہ میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لیے۔“

ابن سعد، ابن راھویہ، ابن مہزیب اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ بدر میں مشرکین کو ہماری نگاہوں میں کم کر دیا گیا حتیٰ کہ میں نے اس شخص سے کہا جو میرے پہلو میں تھا: ”کیا تم انہیں ستر کے لگ بھگ دیکھ رہے ہو؟“ اس نے کہا: ”میں انہیں ایک سو کے لگ بھگ دیکھ رہا ہوں۔“ ہم نے ان میں سے ایک شخص کو گرفتار کیا اس سے پوچھا: ”تم کتنے ہو؟“ اس نے کہا: ”ایک ہزار۔“

شیخ الاسلام ابوالحسن السبکی نے تحریر کیا ہے: ”مجھ سے اس حکمت کے بارے پوچھا گیا جو فرشتوں کے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ قتال کرنے میں مخفی تھی۔ حالانکہ حضرت جبرائیل امین اس پر قادر تھے کہ کفار کو اپنے ایک پر سے اڑا کر رکھ دیں۔“ میں نے جواب دیا کہ یہ اس لیے رونما ہوا کہ یہ مبارک فعل تو حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کا ہو۔ ملائکہ نصرت کے لیے ہوں۔ یہ اسی عادت کے مطابق ہو جس طرح لشکروں کی مدد کی جاتی ہے۔ یہ ان سنن میں سے ایک ہے جو رب تعالیٰ نے اپنے بندوں میں رائج فرمائیں ہیں۔ تمام امور کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

کشاف نے سورۃ یسین کی آیت لیبہ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهَا مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۲۸﴾ (یسین: ۲۸) کی تفسیر میں لکھا ہے: ”اگر تم یہ اعتراض کرو کہ غزوہ بدر اور غزوہ خندق میں آسمان سے ملائکہ کیوں اتارے گئے؟ اس نے فرمایا:

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۗ (الاحزاب: ۹)

ترجمہ: ”ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی لڑی جنہیں تم دیکھ نہیں سکے تھے۔“

اس نے فرمایا:

بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَدِّفِينَ ﴿٩﴾ (الانفال: ۹)

ترجمہ: "ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔"

بِثَلَاثَةِ أَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿٣٣﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

ترجمہ: "تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔"

بِخَمْسَةِ أَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿٧٥﴾ (آل عمران: ۱۲۵)

ترجمہ: "پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔"

تو میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں "ایک فرشتے کے لیے یہ کافی تھا۔ حضرت جبرائیل کے پر سے قوم لوط کے شہروں کو برباد کر دیا گیا۔ ثمود کے شہروں اور قوم صالح کو ایک کڑک سے برباد کر دیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو بڑے بڑے انبیائے کرام پر فضیلت دی ہے۔ آپ کو اولو العزم رسل پر فضیلت دی ہے۔ آپ کو کرامت کے ایسے اسباب فراہم کیے جو کسی اور کو نہ دیے گئے۔ اسی لیے آپ کے لیے آسمان سے لشکر اتارا۔ اسی لیے اپنے اس فرمان سے اشارہ کیا: "ما کنا منزلین" یعنی لشکروں کا نزول بڑے بڑے امور میں سے ہے۔ صرف آپ ہی اس کا اہل ہیں۔ ہم آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے یوں نہیں کرتے۔"

مفسرین کا رب تعالیٰ کے اس فرمان میں اختلاف ہے:

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ أَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿٣٣﴾ بَلَىٰ ۖ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا يُبَدِّكُمْ رَبُّكُمْ

بِخَمْسَةِ أَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿٧٥﴾ (آل عمران: ۱۲۳، ۱۲۵)

ترجمہ: "جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔ ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور (اگر) آدھمکیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔"

کیا یہ وعدہ یوم بدر یا یوم احد کے بارے میں ہے؟ ابن عباس، حسن، قتادہ، عامر شعبی، ربیع بن انس نے یہ نظریہ اختیار کیا

ہے۔ امام بخاری کا بھی یہی موقف ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ. (آل عمران: ۱۲۳)

کے متعلق ہے۔ سیاق اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اس نے فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَ كُمْ اللَّهُ بِبَدْرِ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ تَقُولُ
لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ ﴿١٣١﴾

پھر فرمایا:

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ ۚ (آل عمران: ۱۲۷)

ترجمہ: ”اور نہیں بنایا فرشتوں کے اترنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لیے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل۔“
جب انہوں نے مدد طلب کی تو رب تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کی۔ جب انہوں نے صبر اور تقویٰ کا اظہار کیا تو پانچ ہزار ملائکہ کے ساتھ ان کی مدد کی گئی۔ یہ تدریج اور لگاتار امداد کا انداز بہت عمدہ تھا۔ ان کے نفوس کے لیے اس میں تقویت کی تھی۔ یہ اس سے زیادہ خوش کن تھی کہ یکبار امداد آتی یہ وحی کی طرح یکے بعد دیگرے تھے۔
اگر یہ اعتراف کیا جائے کہ رب تعالیٰ کی اس آیت طیبہ اور اس فرمان کو کیسے جمع کیا جاسکتا ہے۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِنْ الْمَلَائِكَةِ مُرَدِّفِينَ ﴿١٣١﴾ (الانفال: ۹)

ترجمہ: ”یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد۔ یقیناً میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔“

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ ہزار سے زیادہ کی نص تین ہزار کی تعداد کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مرد فین فرمایا ہے۔ یعنی وہ لگاتار ہوں۔ ایک ہزار کے پیچھے دوسرا ہزار ہو۔ یہ سیاق اس سیاق کے مشابہ ہے جو سورۃ آل عمران میں ہے۔ ظاہر بات یہی ہے کہ یہ یوم بدر کے بارے ہو کیونکہ معروف یہی ہے کہ ملائکہ نے اسی روز قتال کیا تھا۔ تھوڑی سی تعداد نے لکھا ہے کہ یہ تین ہزار اور پھر پانچ ہزار ملائکہ کے نزول کا وعدہ غزوہ احد کے بارے تھا۔ یہ امداد ایک شرط کے ساتھ معلق تھی۔ وہ تقویٰ اور صبر ہے۔ لیکن انہوں نے صبر نہ کیا۔ بلکہ بھاگ گئے۔ جب شرط مفقود ہو گئی تو امداد بھی مفقود ہو گئی۔ ایک فرشتے سے بھی ان کی مدد نہ کی گئی۔ یہ غزوہ احد کے بارے ہے۔ اس آیت طیبہ سے اعراض برتتے ہوئے غزوہ بدر کا تذکرہ اس میں شامل کر دیا گیا۔ اس نے فرمایا:

إِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٣٢﴾ إِذْ
هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٣٣﴾ (آل عمران: ۱۲۲، ۱۲۱)

المؤمنون ﴿١٣٣﴾ (آل عمران: ۱۲۲، ۱۲۱)

ترجمہ: ”یاد کرو جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے بٹھارے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا۔ اور صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے مومنوں کو۔“

پھر فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

ترجمہ: ”بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم شکر ادا کر سکو۔“

اس نے انہیں وہ نعمت یاد دلائی جب اس نے غزوہ بدر میں صحابہ کرام کی مدد کی تھی۔ پھر غزوہ احد کی طرف رخ کیا۔ فرمایا:

الآن يَكْفِيكُمُ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ ﴿۱۲۴﴾ (آل عمران: ۱۲۴)

ترجمہ: ”کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔“ پھر ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو وہ پانچ ہزار ملائکہ سے ان کی امداد کرے گا۔ بدر میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی تھی۔ یہ امداد مطلق تھی جبکہ غزوہ احد کی امداد مشروط تھی۔ آل عمران میں داتان غزوہ احد کی حکایت ہے جو تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ غزوہ بدر کا تذکرہ تو ویسے ہی ہوا۔ وہ داتان تو سورۃ الانفال میں بیان کی گئی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے: ”جمہور علماء کا موقف وہی ہے جسے ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں تک یہ خبر پہنچی کہ کرز بن محارب مشرکین کی مدد کر رہا ہے۔ مسلمانوں پر یہ امر شاق گزرا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔“

الآن يَكْفِيكُمُ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ. (آل عمران: ۱۲۴)

ترجمہ: ”کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار (ملائکہ کے ساتھ)۔“

کرز نے ہزیمت اٹھائی۔ اس نے نہ مشرکین کی اور نہ ہی مسلمانوں کی مدد کی۔ انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ پہلا قول معتمد ہے۔

❖ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ (الانفال: ۱۷)

ترجمہ: "اور نہیں پھینکی آپ نے جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔"

کے بارے زاد المعاد میں ہے "ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ آیت طیبہ کی مراد یہ ہے کہ حقیقت میں حضور اکرم ﷺ کے فعل اللہ تعالیٰ کے فعل سے منسوب کر دیا گیا۔ انہوں نے اسے جبر، افعال کی نسبت کے ابطال اور ان کی نسبت صرف رب تعالیٰ کی طرف کرنے پر اسے اصل بنایا ہے۔ لیکن یہ موقف غلط ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو پھر اسے دھتکارنا لازم ہے۔ پھر تو یوں بھی کہا جاسکتا ہے: "ما صلیت اذ صلیت، ولا صمت اذ صمت، ولا فعلت کل ذالک اذ فعلت" لیکن رب تعالیٰ نے یوں کیا۔ اگر وہ اسے دھتکار دیں تو پھر یہ بندوں کے افعال، اطاعات اور گناہوں میں لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ فرق نہیں اگر انہوں نے اسے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ، آپ کے سارے افعال کے ساتھ یا صرف اس رمی کے ساتھ مختص کیا تو انہوں نے متضاد قول کیا۔ لہذا رب تعالیٰ نے اس آیت طیبہ کا مفہوم سمجھنے کی انہیں توفیق نہیں دی۔ یہ امر مشہور ہے کہ انسان کی طرف سے پھینکنا یوں نہیں ہو سکتا۔ اس پھینکنے کی ابتداء آپ سے ہوئی تھی اور اس کی انتہا رب تعالیٰ سے ہوئی تھی وہ اس کا پہنچانا تھا۔ اس کی مثال رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ۔ (الانفال: ۱۷)

ترجمہ: "تم نے نہیں قتل کیا، بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں۔"

رب تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ رب تعالیٰ نے خود ہی یہ سنگریزے ان کی آنکھوں تک پہنچائے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے نہیں۔ لیکن آیت طیبہ سے یہ اشارہ دے دیا کہ اس نے ایسے اسباب قائم فرمائے ہیں جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہذا یہ ہزیمت، قتل، نصرت اسی کی طرف اور اس سے منسوب ہے وہ مددگاروں میں سے بہترین مددگار ہے۔

سدی، عروہ، قتادہ، مجاہد، محمد بن کعب القرظی، محمد بن قیس، ابن زید وغیرہم نے لکھا ہے "یہ آیت طیبہ غزوہ بدر کے بارے نازل ہوئی حضور اکرم ﷺ نے یہ عمل مبارک غزوہ حنین میں بھی کیا تھا۔"

مدیث پاک میں ہے کہ آپ نے غزوہ بدر کے واقعہ کے ایک یا زیادہ دن پہلے بتا دیا تھا کہ فلاں اس جگہ گرے گا۔ فلاں اس جگہ گرے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اسی روز فرمایا تھا۔ الہدایہ میں ہے: "اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ آپ نے ایک روز قبل یا زیادہ روز قبل یوں فرمایا ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ایک ساعت قبل یوں فرمایا تھا۔"

حضرات عمر فاروق، ابو طلحہ، ابن مسعود، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب مسلمانوں نے آپ ﷺ سے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ مردوں سے کیسے مخاطب ہو رہے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔" تین پہلے صحابی تو اس واقعہ کے شاہد ہیں انہوں نے یہ فرمان حضور اکرم ﷺ سے سنا تھا جبکہ حضرت عبد اللہ نے یہ فرمان اپنے والد گرامی یا حضور اکرم ﷺ سے سنا ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ اسی طرح سنتے ہیں جس طرح تم سنتے ہو۔ لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے۔"

لیکن ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کا انکار کیا ہے جب ان تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پہنچی تو انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اب مشرکین کو علم ہو گیا ہے کہ جو میں انہیں کہتا تھا وہ حق ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی دلیل پکڑی ہے:

وَمَا أَنْتَ بِمُتَّبِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ ۗ (فاطر: ۲۲)

ترجمہ: "اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔"

اسی وجہ سے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا رد کیا تھا۔ لیکن جمہور علماء کرام نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا ہے۔ کیونکہ دیگر صحابہ کرام نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ جو ام المؤمنین نے آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے۔ ان کے جواب میں علماء نے فرمایا: "اس کا معنی ہے کہ آپ انہیں اس طرح سماع نہیں کر سکتے جو انہیں نفع دے۔ آپ انہیں صرف اس وقت سنا سکتے ہیں جب رب تعالیٰ چاہے۔" اسماعیلی نے لکھا ہے "ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس فہم و ذکاؤں، کثرت روایت اور علم گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کی وہ خوبی ہے جو کسی اور میں نہیں۔ لیکن ثقہ کے کلام کو صرف ایسی نص سے رد کیا جاسکتا ہے جو اس کے نسخ پر دلالت کرے۔ تا اس کو مخصوص کر دے یا اسے محال کر دے۔ جو وہ انکار کر رہی ہیں اور دوسرے صحابہ کرام جو ثابت کر رہے ہیں انہیں جمع کرنا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان "انک لا تسمع الموتی" حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کے منافی نہیں ہے "وہ اب سن رہے ہیں" کیونکہ سماع سے مراد سمع سے آواز سامع کے کانوں تک پہنچانا ہے۔ رب تعالیٰ انہیں سناتا ہے۔ اس نے اپنے نبی کریم ﷺ کی آواز پہنچائی تھی۔ یہ جواب کہ آپ نے فرمایا تھا: "وہ ضرور جانتے ہیں۔" اگر انہوں نے یہ سنا تھا تو یہ یسمعون والی روایت کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کی تائید کر رہی ہے امام بیہقی نے لکھا ہے: "علم سماع کے منافی

نہیں ہے آیت طیبہ کا جواب یہ ہے کہ آپ مردہ حالت میں انہیں نہیں سنا سکتے۔ بلکہ رب تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کا فرمان سن لیا۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔

جو کچھ امام پہلی نے لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے: ”اس واقعہ میں جو امر خرق عادت چیز پر دلالت کرنا ہے وہ صحابہ کرام کی آپ سے یہ گزارش ہے ”کیا آپ ایسی قوم سے مخاطب ہو رہے ہیں جو مردار بن چکے ہیں۔“ آپ نے انہیں مذکورہ بالا جواب دیا۔ جب یہ جائز ہے کہ وہ اس حالت میں جاننے والے ہوں تو وہ اس حالت میں سننے والے بھی ہوں گے۔ یہ سماعت اکثر علماء کے نزدیک ان کے سر کے کانوں سے تھی یا دل کے کانوں سے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو اس آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے۔

مَا أَنْتَ بِمُتَسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۗ ﴿۲۲﴾

یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی مانند ہے۔

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْىَ۔ (الزخرف: ۴۰)

ترجمہ: ”کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو۔“

یعنی رب تعالیٰ کی ذات ہے جو ہدایت دیتی ہے وہ توفیق دیتی ہے وہ نصیحت کو قلوب کے کانوں تک پہناتی ہے۔ آپ نہیں۔ اس نے کفار کو اموات اور بہرے مردوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقت میں سنانا ہے۔ جب وہ چاہتا ہے۔ نہ نبی کریم ﷺ سنانے میں اور نہ ہی کوئی اور اس آیت کا اس موضوع کے ساتھ دو اعتبار سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱) یہ مشرکین کو ایمان کی طرف بلانے کے بارے میں ہے۔ (۲) یہ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں ہے کہ انہیں سنائیں۔ رب تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ وہ جب چاہے صرف وہی سنا سکتا ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

عجیب و غریب بات وہ ہے جسے ابن اسحاق نے یونس بن بکر کی سند سے نقل کیا ہے۔ وہ جید سند سے ہے۔ وہ روایت حضرت ابو طلحہ کی روایت کی مانند ہے۔ اس میں ہے: ”آپ انہیں زیادہ سنانے والے نہیں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔“ اس روایت کو امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اگر یہ مخلوط ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے انکار سے رجوع کر لیا تھا۔ جب ان کے ہاں مذکورہ صحابہ کرام کی روایات ثابت ہو گئیں کیونکہ وہ اس غرور کے وقت موجود نہ تھیں۔

الروفس الالف میں ہے ”اگر کہا جائے کہ مشرکین کی لاشوں کو کنوئیں میں کیوں پھینکا گیا۔ فقہ کے اعتبار سے یہ کیسے

درست ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ غزوات میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ جب کسی انسان کی لاش کے پاس سے گزرتے جو اسے دفن کرنے کا حکم دے دیتے اس کے بارے سوال نہ کرتے کہ وہ مؤمن ہے یا کافر ہے۔ (دارقطنی نے اپنی سنن میں اسی طرح روایت کیا ہے) کنویں میں لاشوں کے پھینکنے کا تعلق اسی باب کے ساتھ ہے۔ لیکن آپ نے یہ ناپسند فرمایا کہ زیادہ لاشوں کی وجہ سے صحابہ کرام کسی مشقت میں پڑیں۔ کہ وہ انہیں دفن کرنے لگیں۔ کنویں کے پاس انہیں کھینچ کر لانا بہت آسان تھا۔ اس کنویں کو بنو ناری کے ایک شخص نے کھودا تھا اس کا نام بدر تھا۔ یہ ان کے لیے پہلے ہی بدشگونی تھی جیسے امام واقدی نے لکھا ہے۔

علامہ ابن مرزوق نے شرح البردۃ میں لکھا ہے "غزوۃ بدر کی بقیہ علامات میں سے جو علامت ہے جسے میں نے کئی حاجیوں سے سنا ہے کہ وہ جب اس جگہ سے گزرتے ہیں تو ایسی آواز سنتے ہیں گویا کہ دقت کے بادشاہ کا طبل بج رہا ہو۔ وہ اسے اہل ایمان کے لیے نصرت سمجھتے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ اس کا انکار کر دیا۔ بعض دفعہ اس کی تاویل کی۔ میں نے کہا کہ یہ جگہ سخت ہے جانوروں کے پاؤں کی بازگشت سنائی دیتی ہوگی۔ مجھے بتایا گیا کہ وہاں ریت نرم ہے۔ سخت نہیں ہے۔ اکثر وہاں اونٹ چلتے ہیں۔ ان کے پاؤں تو سخت زمین میں آواز نہیں نکالتے نرم زمین میں کیسے آواز نکالیں گے۔" پھر جب رب تعالیٰ نے مجھے اس جگہ جانے کی توفیق بخشی تو میں اپنی سواری سے اتر گیا۔ میں پیدل چلنے لگا۔ میرے ہاتھ میں سعدان کے درخت کی لمبی سی شاخ تھی جسے ام غیلان کہا جاتا تھا۔ میں یہ خبر بھول چکا تھا جو کبھی سنا کرتا تھا۔ میں دوپہر کے وقت چل رہا تھا۔ مجھے اچانک اعرابوں کے ایک غلام نے متوجہ کیا اس نے کہا: "کیا اس طبل کی آواز سن رہے ہو؟" یہ سن کر مجھ پر کچھکی طاری ہو گئی۔ مجھے وہ کچھ یاد آ گیا جو مجھے بتایا گیا تھا۔ ہوا میں خوشبو تھی۔ میں طبل کی آواز سن رہا تھا۔ میں فرحت و ہیبت کی وجہ سے مدہوش تھا۔ بخدا! مجھے ذرا شک ہوا۔ اس نے کہا: "شاہد ہو اس چھڑی سے ٹکر رہی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے اور وہ آواز پیدا کر رہی ہے۔ میں اس عظیم نشانی کی تحقیق کا حریص تھا۔ میں نے ہاتھ سے وہ لکڑی پھینک دی۔ میں زمین پر بیٹھ گیا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے سارے اندازے اپنائے۔ میں نے یوں طبل کی آواز سنی کہ مجھے کوئی شک نہ رہا کہ وہ طبل ہی کی آواز تھی۔ وہ کسی کنارے سے آرہی تھی۔ ہم مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر تھے۔ پھر بدر میں فروکش ہوئے۔ میں وہ آواز یکے بعد دیگرے سارا سنا رہا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ وہ آواز سارے نہیں سن سکتے۔"

امام جرجانی نے لکھا ہے "بدر میں نصرت کا طبل بجایا گیا وہ روزِ حشر تک بجایا جاتا رہے گا۔" سید نے یہ قول اپنی تاریخ الکبیر والصغیر میں نقل کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے۔"

صحیح بخاری میں حضرت عبدالرحمان بن عوف سے مروی ہے کہ ابو جہل کو حضرت معاذ بن عفراء اور حضرت معاذ بن عمرو نے قتل کیا تھا۔ معازی میں ہیں یہ دونوں عفراء کے فرزند تھے ان کے نام معاذ اور معوذ تھے۔

الحافظ نے لکھا ہے "عفراء حضرت معاذ کی والدہ کا نام تھا ان کے والد کا نام حارث تھا۔ جبکہ حضرت معاذ بن عمرو کی والدہ کا نام عفراء نہیں تھا۔ تغلیباً ان پر اس کا اطلاق ہوتا تھا یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت معوذ کی والدہ کا نام بھی عفراء ہو۔ حضرت معوذ کے بھائی کا نام بھی معاذ تھا۔ راوی نے یہی سمجھا ہے کہ ابو جہل کو قتل کرنے میں یہ بھی اپنے بھائی کے ساتھ شامل تھے۔

ابو جہل کے قاتل میں اختلاف ہے۔ صحیح بخاری کتاب الخمس میں ہے کہ حضرت عبدالرحمان سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو اور حضرت معاذ بن عفراء نے ابو جہل کو قتل کیا تھا۔ اس میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود ابو جہل کی تلاش میں نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ عفراء کے بیٹوں نے اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ قریب الموت تھا۔ اس میں زندگی کی کچھ رقی باقی تھی۔ عفراء کے فرزند حضرت معاذ اور معوذ ہی تھے۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جموح نے ابو جہل کے ضرب کاری لگائی جس سے اس کا قدم کٹ گیا۔ پھر حضرت معاذ بن عفراء اس کے پاس سے گزرے اسے تلوار ماری حتیٰ کہ اس میں زندگی کی رقی باقی رہ گئی۔ پھر حضرت ابن مسعود اس کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس کا سر قلم کر دیا۔

اسلام میں سب سے پہلے رب تعالیٰ کے دشمن ابو جہل کا سراٹھایا گیا۔ اسی طرح سفیان بن خالد العزی کا سراٹھا کر آپ کی طرف لایا گیا۔ یہ سر حضرت عبداللہ بن انس لے کر آئے تھے۔ اسی طرح کعب بن اشرف کا سر بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اسی طرح ابو مزہ اور مر حب کا سر بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اسی طرح عضاء بنت مروان، رفاعہ بن قیس یا قیس بن رفاعہ کا سراٹھا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سب سے پہلے سلمان حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ عنہما کا سراٹھایا گیا۔ ابو داؤد نے اپنی مراسیل میں امام زہری سے روایت کیا ہے کہ ان کا سر نہیں اٹھایا گیا۔

قتیلہ بنت نصر کے اشعار آپ نے سنے تو آپ نے فرمایا: "اگر اسے قتل کرنے سے قبل اس کے اشعار مجھ تک پہنچ جاتے تو میں اسے قتل نہ کرتا۔" ابو عمر نے لکھا ہے کہ یہ ندامت کے مفہوم میں نہیں ہے کیونکہ آپ صرف حق بات کرتے اور حق کام کرتے تھے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ ان اشعار کے ذریعے میرے ہاں اس کی سفارش کرتی تو میں اس کی سفارش قبول کر لیتا۔

ابو الفتح نے لکھا ہے کہ مشہور یہی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جس نے کسی کو قتل کیا اس کا سامان اسی کے لیے ہے۔" آپ

نے یہ غزوہ حنین کے روز فرمایا تھا۔ اس میں کئی اعتبار سے اعتراض کی گنجائش ہے۔ (۱) امام مسلم نے حضرت عوف بن مالک سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے: ”میں نے کہا: ”اے خالد! کیا تمہیں علم نہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جو کسی کو قتل کرے گا اس کا سامان اسی کو ملے گا۔“ اس میں ہے کہ یہ غزوہ موتہ کی بات ہے۔ یہ حنین سے قبل رونما ہوا تھا۔

تفسیر بغوی میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے غزوہ بدر کے روز سعید بن عاص کو قتل کیا تھا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ وہ عاص بن سعید بن عاص تھا۔ مقتولین بدر میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جسے سعید بن عاص کہا جائے۔ حضرت سعید بن عاص صحابی رسول تھے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی ظاہری زندگی کے نو سال پائے وہ ہجرت کے سال پیدا ہوئے۔ اس کے باپ کو حضرت المرثیٰ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر میں واصل جہنم کیا تھا۔ یہ سعید بنوامیہ کے سرداروں میں سے تھے۔ یہ ان کے فصیح اور سخی لوگوں میں سے تھے۔ یہ ان کا تین میں سے ایک تھے جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے مصاحف لکھے تھے۔ انہوں نے انہیں کوفہ کا والی مقرر کیا۔ انہوں نے جرجان پر حملہ کیا۔ طبرستان پر حملہ کیا۔ یہ دونوں شہر فتح کیے اور فتنے کے ایام میں گھر کو لازم پکڑ لیا۔

امام بخاری نے شہدائے بدر کی فضیلت میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ”یا رسول اللہ! آپ مسلمانوں میں سے اہل بدر کو کیسے سمجھتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”سارے مسلمانوں سے افضل۔“ انہوں نے عرض کی: ”جن ملائکہ نے اس غزوہ میں شرکت کی ہے ان کی بھی یہی کیفیت ہے۔“ امام احمد نے اس سند سے روایت کیا ہے جو صحیح مسلم کی شرط پر ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جن حضرات قدسیہ نے غزوہ بدر یا صلح حدیبیہ میں شرکت کی۔ ان میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا۔“

امام احمد، اور ابن ماجہ نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل یا کوئی اور فرشتہ آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے عرض کی: ”آپ ان مسلمانوں کو کیسے سمجھتے ہیں جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔“ آپ نے فرمایا: ”ہم میں سے بہترین۔“ اس نے عرض کی: ”ان ملائکہ کی بھی یہی کیفیت ہے جنہوں نے اس غزوہ میں شرکت کی تھی۔“

ابوالفرج ابن جوزی نے جامع المسانید میں لکھا ہے ”مسند احمد میں اسی طرح ہے ظاہر یہی ہے کہ یہ غلطی ہے جو بعض راویوں سے سرزد ہوئی ہے وہ رافع بن رافع کی روایت ہے رافع بن خدیج کی روایت نہیں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ

ابن خدیج نے یہ روایت حضور اکرم ﷺ سے سنی ہو۔

ابوداؤد، ابن ماجہ اور الطبرانی نے جید سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف دیکھا اور فرمایا: "تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔" امام احمد نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا: مجھے امید ہے کہ جن حضرات نے غزوہ بدر یا صلح حدیبیہ میں شرکت کی ان میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا۔" انہوں نے عرض کی: "کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں؟"

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (مریم: ۷۱)

ترجمہ: "تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گردوزخ پر ہوگا میں نے آپ سے سنا آپ فرما رہے تھے۔"

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًا (مریم: ۷۲)

ترجمہ: "پھر ہم نجات دیں گے پرہیزگاروں کو اور رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔"

امام مسلم، امام ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حاطب کا غلام بارگاہ رسالت مآب میں حضرت حاطب کا شکوہ لے کر حاضر ہوا۔ اس نے کہا: "یا رسول اللہ! حاطب آگ میں جائے گا۔" آپ نے فرمایا: "تو نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ آگ میں نہیں جائے گا۔ اس نے غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی۔" صحیح میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت حاطب کے خط کے بارے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اجازت دیں میں حاطب کا سر قلم کر دوں۔" آپ نے فرمایا: "کیا وہ اہل بدر میں سے نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر نظر کرم فرمائی اور فرمایا: "جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔" یا تمہارے لیے جنت واجب ہوگئی ہے۔"

الطبرانی نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر کے روز فرمایا: "مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر کوئی بچہ پیدا ہو وہ اہل دین میں سے چالیس سال کی فہم و فراست رکھتا ہو۔ وہ ساری زندگی اطاعت الہیہ میں مصروف رہے۔ ساری زندگی گناہوں سے بچتا رہے۔ حتیٰ کہ وہ عمر رسیدہ ہو جائے۔ وہ علم کے بعد کچھ نہ جان سکے۔ وہ تمہاری اس رات کے اجر و ثواب تک نہیں پہنچ سکتا۔" اس سند کے راوی ثقہ ہیں سوائے جعفر بن مقلاص کے وہ غیر معروف ہے۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر کے روز زخم آیا۔ ان کی والدہ ماجدہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے حارث سے کتنا پیار تھا آپ جانتے ہیں۔ اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی۔ حصول اجر کی امید رکھوں گی۔ اگر وہ کسی اور حالت پر ہو تو پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں۔" آپ نے فرمایا: "کیا جنت صرف ایک ہی ہے۔ بہت سی جنتیں ہیں۔ حارث جنت الفردوس میں ہے۔" دوسری روایت میں ہے "حضرت حارث منظر دیکھ رہے تھے۔ اس روایت میں ہے "تمہارا فرزند فردوس اعلیٰ میں ہے" اس روایت میں اہل بدر کی فضیلت پر بہت بڑی تنبیہ ہے۔ یہ حارث رضی اللہ عنہ میدان جنگ اور معرکہ قتال میں نہیں تھے۔ بلکہ دور سے دیکھ رہے تھے۔ انہیں کسی کا تیر لگا۔ وہ حوض سے پانی پی رہے تھے انہوں نے جنت الفردوس میں مقام پالیا جو بلند ترین یا وسطی جنت ہے۔ اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے فرمایا تھا: "جب جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔" اگر حارث کا یہ حال ہے تو اس شخص کی کیفیت کیا ہوگی جو اس دشمن کے مابین ہو جو تعداد اور تیاری میں اس سے تین گنا ہوں۔

اعملوا ما شئتم۔ (فصلت: ۴۰) سے ایک مشکل پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ یہ اباحت کے لیے ہو۔ لیکن یہ شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ماضی کے بارے بتانا مقصود ہے کہ تمہارے سارے اعمال معاف کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ اگر وہ مستقبل میں کوئی فعل سرانجام دیں تو اسے ماضی کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ اس لیے آپ نے فرمایا: "میں عنقریب تمہارے لیے مغفرت طلب کروں گا۔" لیکن اس کا تعاقب یوں کیا گیا ہے کہ اگر اس سے ماضی مراد ہوتا تو حضرت حاطب کے قصہ سے استدلال کرنا درست نہ ہوتا۔ کیونکہ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انکار کرتے ہوئے یوں فرمایا تھا جو انہوں نے حضرت حاطب کے بارے کہا تھا۔ جبکہ یہ واقعہ غزوہ بدر سے سات سال بعد پیش آیا تھا۔ اس کی مراد عنقریب آئے گی۔

اس کے تحقق پر مبالغہ کرتے ہوئے اسے ماضی کے لفظ سے تعبیر کیا ایک قول یہ ہے کہ اس میں "اعملوا" شرف اور تکریم کے لیے ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو کچھ ان سے صادر ہو اس پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ انہیں اس امر کے ساتھ اس لیے مختص کیا گیا کیونکہ انہیں ایسے عظیم حالات کا سامنا کرنا پڑا جس کا تقاضا تھا کہ ان کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں۔ وہ اس امر کے اہل ہیں کہ ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں اگر ان سے گناہوں کا صدور ہو یعنی تم اس

واقعہ کے بعد جو بھی گناہ کر لو وہ بخش دیا جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان سے جو گناہ صادر ہوں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ اس بات کی گواہی ہے کہ ان سے گناہ کا صدور نہیں ہوگا۔ لیکن اس موقف میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔ کیونکہ حضرت قدامہ بن مظعون نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تاویل کرتے ہوئے شراب پی تھی۔ انہوں نے ان پر حد جاری کی۔ اسی وجہ سے انہوں نے ہجرت کی۔ حضرت عمر فاروق نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان کے مصالحت کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ جبکہ حضرت قدامہ بدری صحابی تھے۔ اس قصہ سے جو امر سمجھا جاتا ہے وہ دوسرا احتمال ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمی تابعی کبیر نے یہی مفہوم سمجھا ہے۔ انہوں نے اتفاق کیا ہے کہ مذکورہ بشارت کا تعلق احکام آخرت کے ساتھ ہے۔ احکام دنیا و دوسرے کے ساتھ تعلق نہیں۔

انصار کا قول "ہمیں اجازت دیں ہم اپنے بھانجے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔" مراد یہ ہے کہ وہ آپ کے دادا عبد المطلب کے ننھال تھے۔ حضرت عباس کی والدہ نثیلہ بنت جناب تھی۔ وہ انصار میں سے نہ تھی۔ انہوں نے عبد المطلب کی والدہ مراد لی تھی۔ کیونکہ وہ سلمی بنت عمرو تھیں ان کا تعلق بنو نجار سے تھا۔ انہوں نے "بھانجا" اسی لیے کہا تھا تا کہ انہیں چھوڑنے کا احسان انہی پر ہو۔ اگر وہ "آپ کے چچا" کہتے تو یہ آپ پر احسان ہوتا۔ یہ ذہانت اور خطاب میں حسن ادب کا کمال ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں منع فرمایا۔ تاکہ دین میں طرف داری نہ ہو۔

جن حضرات قدسیہ نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ ان میں سے مہاجرین کی تعداد ۹۴ تھی۔ امام بخاری نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ قریش میں سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے لیے حضور اکرم ﷺ نے حصہ نکالا تھا ان کی تعداد ۸۱ تھی۔ حضرت عروہ بن زبیر کہتے تھے "حصے نکالتے وقت ان کی تعداد ایک سو تھی۔ آزاد صحابہ کرام ۸۴ تھے۔ ان کے پاس تین گھوڑے تھے۔ آپ نے گھوڑوں کے لیے دو حصے نکالے تھے۔ آپ نے ان صحابہ کرام کے لیے بھی حصے نکالے تھے اس اعتبار سے ان کی تعداد ایک سو ہو گئی۔"

الحافظ نے لکھا ہے "اس میں کوئی حرج نہیں۔ میرے لیے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ یہ خمس کے اعتبار سے ہے۔ آپ نے غنیمت میں خمس نکالا۔ پھر بقیہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ بقیہ اسی حصے تھے۔ جب اس کے ساتھ خمس ملایا گیا اس حساب سے ان کی تعداد ایک سو ہو گئی۔" خراج میں سے یہ تعداد ۹۵ تھی۔ اوس کی تعداد خراج سے کم تھی۔ وہ جنگ کے وقت زیادہ شدید اور مہر کرنے والے تھے۔ کیونکہ ان کے گھر بالائی علاقے میں تھے۔ آدمی جلدی آسکتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہمارے چچے صرف وہی آئے جس کی سواری موجود ہو۔" مدینہ طیبہ کے بالائی علاقوں

کے مکینوں نے آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ جا کر سواریاں لے آئیں۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ان کا عزم نہ تو دشمن سے نبرد آزما ہونا تھا۔ نہ ہی انہوں نے اس کے لیے تیاری کی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے دشمن کو کسی وعدہ کے بغیر ہی ملا دیا تھا۔ ان کی مجموعی تعداد ۳۷۳ بیان کی گئی ہے۔ یہ تعداد اہل بدر کی تعداد سے زیادہ ہے۔ یہ اس اختلاف کی وجہ سے ہے جس کا تذکرہ بعض نے کیا ہے۔ اہل عقبہ میں ان کی مثال گزر چکی ہے۔ میں ان کے اسماء گرامی حروف تہجی کے اعتبار سے لکھوں گا۔ کیونکہ اس طرح انہیں تلاش کرنا آسان ہے۔ ہم ”نبی کریم، رؤف رحیم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ابتداء کرتے ہیں۔“

حرف الف

ابی بن کعب بن قیس، ابوالمنذر، ابوالطفیل، سید القراء۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا تھا ”ابومنذر! تمہیں علم مبارک ہو۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن پاک سناؤں۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں سید المسلمین کہتے تھے۔ مسروق نے انہیں چھ نوجوانوں میں شمار کیا ہے۔ محمد بن عمر سلمی نے کہا: ”سب سے پہلے انہوں نے ہی حضور اکرم ﷺ کے لیے لکھا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے فلاں بن فلاں سے لکھا تھا۔ ان سے حضرات عمر فاروق، ابویوب، عبادہ بن صامت، ابوموسیٰ الاشعری، ابن عباس، ابوہریرہ اور انس بن مالک وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے مشکلات اور مصائب کے بارے پوچھتے تھے اور بعض مقدمات میں ان سے مشاورت لیتے تھے۔ حضرت ابی بن ثابت الانصاری۔ یہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ابن السکن، واقدی اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ ابو شیخ تھے۔ ابن اسحاق نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے: ”ابی بن ثابت زمانہ جاہلیت میں مر گئے تھے۔ جو غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شامل ہوئے وہ ابو شیخ بن ابی بن ثابت تھے۔ ابن عقبہ کا بھی یہی موقف ہے۔ ابی بن معاذ بن انس ان کے بارے امام واقدی نے لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ احسن بن حبیب، اربد بن جبیر، ارقم بن ابی ارقم، اسعد بن یزید۔ ابن اسحاق نے انہیں سعد بن زید لکھا ہے۔ اسید بن ثعلبہ، اسید بن خضیر، ان کا تذکرہ ابن الکلبی نے کیا ہے لیکن اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اسیر بن عمرو، امیہ بن لوذان۔ بعض نے ان کا نام ثابت بن ہزال لکھا ہے۔ انس بن قنادہ انصاری۔ بعض نے ان کا نام انیس لکھا ہے۔ انس بن مالک۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے خادم تھے۔ لیکن یہ قتال کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ انس بن ابی انس، انس بن معاذ، بعض نے ان کا نام انیس لکھا ہے۔ انس۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے خادم تھے۔ ان کی کنیت ابو مسروح تھی۔ انیس بن قنادہ، انیس بن جشم، اوس بن ثابت۔ یہ حضرت حسان کے بھائی تھے، اوس بن

خولی انہیں اوس بن عبد اللہ بھی لکھا گیا ہے۔ اوس بن صامت، ایاس بن اوس، ایاس بن بکیر۔

حرف الباء

براء بن معرور، بخیر بن ابی بخیر، بحاث بن ثعلبہ بلوی، ابن اسحاق نے ان کا نام نجاب لکھا ہے۔ بسبہ۔ وارظنی اور ابن ماکولانے انہیں بسبہ لکھا ہے امام نووی لکھتے ہیں سارے نسخوں میں یہ بسبہ ہے۔ یہ ان عمرو الجحفی ہیں۔ بشر بن براء۔ بشیر بن عبد المنذر۔ ابولبابہ ان کا نام رفاعہ بھی بتایا جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں روعاء کے مقام سے واپس کر دیا تھا۔ مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ ان کے لیے مال غنیمت میں سے حصہ نکالا تھا اور اجر و ثواب کی بشارت دی تھی۔ بلال بن رباح، بلال بن حمامہ بھی کہا جاتا ہے۔ حمامہ ان کی والدہ کا نام تھا۔

حرف التاء

تیمم بن عمرو، ابو عمر نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی گرفت کی گئی ہے۔ تیمم بن یعار، تیمم یہ بنو غنم کے غلام تھے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ حضرت سعد بن خلیفہ کے غلام تھے۔ حضرت سعد کا تعلق بنو غنم سے تھا۔

حرف الثاء

ثابت بن اقرم، ثابت بن ثعلبہ، ثابت بن حارث، ثابت بن حسان، ثابت بن خالد، ثابن بن خضاء، ثابت بن ربیعہ، ثابت بن عامر۔ ان کا تذکرہ ابن ابی ماتم نے کیا ہے ابو عمر نے ان کی اتباع کی ہے۔ لیکن اسے وہم کہا گیا ہے۔ صحیح روایت کے مطابق وہ ثابت بن عمرو ہیں۔ ثابت بن عبید، ثابت بن حزال، ثابت مولیٰ اعلس۔ عبدان نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ ثعلبہ بن حاطب۔ علماء نے انہیں بدری صحابہ کرام میں شامل کیا ہے۔ ابن کلبی نے لکھا ہے کہ یہ احد میں شہید ہوئے۔ علماء کی ایک جماعت نے اس کے قصہ میں کثیر مال کی تمنیٰ اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا قصہ لکھا ہے۔ الحافظ نے الاصابۃ میں ثعلبہ بن حاطب کے عنوان کے تحت یہ داستان لکھی ہے۔ ابن اسحاق نے اس کا ذکر مسجد ضرار بنانے والوں میں کیا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے: ”میرے خیال میں یہ وہ ثعلبہ نہیں ہے جس کی داستان معروف ہے۔ یہ بدری صحابی ہیں ابن کلبی نے ان دونوں میں فرق کیا ہے کہ بدری صحابی غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے جس روایت کو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ مذکورہ آیت

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَیْنِ اٰتِنَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ (البقرہ: ۷۵)

ترجمہ: ”اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے وعدہ کیا اللہ کے ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے تو

ہم دل کھول کر خیرات دیں گے۔“

جس شخص کا تذکرہ ہے۔ اسے ثعلبہ بن حاطب کہا جاتا تھا۔ یہ مجلس میں آیا۔ صحابہ کرام کو گواہ بنایا کہ اگر رب تعالیٰ نے مجھے مال دیا تو میں ضرور صدقہ کروں گا..... حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ میں شرکت والوں میں سے کوئی بھی آگ میں نہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جو تم چاہو کرو۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔“ جسے یہ ثواب نصیب ہو رہا ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں نفاق ڈال دے۔ اور اس کے بارے وہ آیات طیبات نازل کرے۔ جو اس نے کیں۔ ظاہر یہی ہے کہ وہ کوئی اور ثعلبہ ہے۔

ثعلبہ بن جذع، ثعلبہ بن غنمہ، ثعلبہ بن قینظی، ثقف بن عمرو۔ امام واقدی نے اسے ثقاف لکھا ہے۔ تمامہ بن عدی۔ الطبری نے لکھا ہے کہ وہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔

حرف الجیم

جابر بن خالد، جابر بن عبد اللہ بن رباب۔ جابر بن عبد اللہ بن حرام۔ امام بخاری نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں غزوہ بدر میں اپنے ساتھیوں کو پانی پلاتا تھا۔“ امام واقدی نے ابوسفیان کی حضرت جابر سے اس روایت کا انکار کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابوزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا: ”میں نے حضور ﷺ کے ساتھ انیس غزوات میں شرکت کی۔ لیکن میں غزوہ بدر میں شرکت نہ کر سکا۔ مجھے میرے والد گرامی نے روک رکھا۔ جب وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو پھر میں کسی غزوہ میں بھی آپ سے پیچھے نہ رہا۔“

جابر یا جبر بن عتیک۔ جابر بن ابی صعصعہ، جابر بن حمیل یا جمیل بن نشبہ۔ ان کا ذکر ابن کلبی نے کیا ہے۔ جابر بن صخر، جبر بن انس، انہیں الطبری نے نقل کیا ہے۔ اصحاب مغازی نے انہیں بدری صحابہ کرام میں شامل نہیں کیا۔ انہوں نے جبیر بن ایاس کا ذکر کیا ہے۔ جبہ بن ثعلبہ، عبید اللہ بن ابی رافع، ابن الاثیر نے ان کا نام رخیلہ لکھا ہے۔ جبیر بن ایاس، جعفر بن ابی طالب۔ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت تو نہیں کی تھی۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے ان کا حصہ نکالا اور ان کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ کیا۔ گویا کہ انہوں نے شرکت کی۔

حرف الحاء

حارث بن انس، انیس انیس اور اوس بن رافع بھی لکھا گیا ہے۔ حارث بن انس بن مالک، حارث بن اوس بن رافع، حارث بن اوس بن معاذ، حارث بن حاطب بن عمرو۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں روماء کے مقام سے واپس کر دیا تھا۔

ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر و ثواب کا وعدہ کیا۔ حارث بن حزمہ بن عدی۔ حارث بن حزمہ بن امیہ۔ حارث بن زیاد، حارث بن سراقہ، ان کا تذکرہ ابوالاسود نے کیا ہے۔

لیکن درست یہ ہے کہ یہ حارث بن سراقہ تھے۔ یہ بھی احتمال ہے یہ ان کا بھائی حارث ہو، حارث بن سلیم، حارث بن سواد، حارث بن صمد، روءاء کے مقام پر انہیں چوٹ آگئی۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں واپس کر دیا۔ ان کے لیے مالِ غنیمت میں سے حصہ نکالا اور اجر و ثواب کا وعدہ کیا، حارث بن ظالم، حارث بن عرفجہ، حارث بن قیس بن خلدہ، حارث بن قیس بن حیثہ، حارث بن نعمان، حارث بن معاذ۔ یہ حضرت سعد کے بھائی تھے۔ حارث بن زید، ان کا ذکر مسیبی نے کیا ہے لیکن ابراہیم بن منذر نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے ان کا نام خارجہ لکھا ہے۔ حارث بن سراقہ، حارث بن نعمان، حاطب بن ابی بلتعہ، حاطب بن عمرو بن عبد شمس، حاطب بن عمرو بن عتیک، حباب بن قینطی، حباب بن منذر، حبیب بن اسلم، حبیب بن الاسود، حبیب بن خراش، حبیب بن سعد، یہ انصار کے غلام تھے۔ ابن عقبہ نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابو عمر نے ابن اسود لکھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حبیب بن اسلم ہے۔ یہ خشم بن جزرج کے غلام تھے۔ میں نہیں جانتا کہ کیا یہ ایک ہے یا دو۔

حرام بن ملحان، حریش بن زید، حصین بن حارث، حمزہ بن عبد المطلب، حمزہ بن الحمیرہ۔

حرف الحاء

خارجہ بن زید، خالد بن بکیر، خالد بن زید، خالد بن عمرو، خالد بن قیس، خباب بن الارت، خباب مولیٰ عقبہ بن غزو ان، حبیب بن اساف، حبیب بن عدی، خدش بن قتادہ، خراش بن صمد، خریم بن فاتک، خریمہ بن اوس، خریمہ بن ثابت، خلاد بن رافع، خلاد بن سوید، خلاد بن عمرو، خلاد بن قیس، خلید یا خلیدہ بن قیس، خلیفہ یا علیفہ بن عدی، خنیس بن حذافہ، خوات بن جبیر، خولی بن ابی خولی۔

حرف الذال

ذکوان بن عبد قیس، ذکوان بن عبید، ذوالثمالین بن عبد عمرو، بعض نے انہیں عمیر یا عمرو یا عبد عمرو لکھا ہے۔ کیا ان کے دو ہاتھ تھے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

حرف الراء

راشد بن معنی، رافع بن جعدہ، رافع بن حارث، رافع بن زید، رافع بن سہل، رافع بن عبد قہ، رافع بن مالک، رافع بن معنی، رافع بن زید، ربیع بن ابی ربیع، ربیع بن عمر، ربیع بن ایاس، ربیعہ بن اسلم، رحیلہ بن ثعلبہ، رفاہ بن حارث، رفاہ بن

رافع، رفاعہ بن عبد المنذر بن زبیر، رفاعہ بن عبد المنذر، رفاعہ بن عمرو، رفاعہ بن عمرو الجہنی۔ ابو عمر نے لکھا ہے کہ صحیح و دیعہ بن عمرو تھے۔ ریاب بن حنیف۔

حرف الزای

زاہر بن حرام، زبیر بن عوام، زیاد بن الاحش۔ ایک قول اس کے برعکس کا ہے۔ ان کا نام نسر بن عمرو تھا۔ زیاد بن اسکن، زیاد بن کعب، زیاد بن لبید، زید بن اسلم، زید بن حارث، زید بن حارثہ حضور اکرم ﷺ کے غلام، زید بن خطاب، حضرت عمر فاروق کے بھائی۔ زید بن سہل، ابو طلحہ انصاری، زید بن المزین، زید بن معلی، زید بن ودیعہ۔

حرف السین

سلام بن عمیر، سالم بن عوف، سالم مولیٰ ابی حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، سائب بن خلاد، سائب بن عثمان بن مظعون۔ سائب بن عوام، سیرہ بن فاتک یہ خریم کے بھائی تھے۔ امام بخاری نے لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ سبع قیس ابن عائشہ، سراقہ بن عمرو، سراقہ بن کعب، سعد بن ایاس، سعد بن خولہ، سعد بن خولی کلبی، سعد بن خلیثمہ۔ سعد بن ربیع۔ سعد بن زید ایک قول کے مطابق سعید بن سہل اور دوسرے کے مطابق یہ سہل بن مالک ہیں۔ سعد بن سعد بن مالک۔ انہوں نے غزوہ بدر کے لیے تیاری کی لیکن ان کا وصال ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر کی بشارت دی۔ سعد بن عبادہ، اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی یا نہیں۔ امام بخاری، ابن کلبی، امام واقدی اور مدائنی نے اثبات کیا ہے صحیح مسلم میں یہ وضاحت موجود ہے۔ سعد بن عبید، سعد بن عثمان، سعد بن عمیر، سعد بن الفاہ، سعد بن مالک بن احیب، سعد بن مالک بن خالد۔ انہوں نے غزوہ بدر کے لیے تیاری کی۔ وہ کسی مرض میں مبتلا ہو گئے اور وصال کر گئے۔ آپ نے ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر و ثواب کا مژدہ سنایا۔ سعد بن معاذ بن نعمان، سعد بن نعمان، سعد یا سعید بن سہل بن مالک، سعد بن عتبہ بن غزو ان، سعید بن زید۔ یہ شام سے واپس آئے اس وقت حضور اکرم ﷺ بدر سے واپس تشریف لا چکے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اور حضرت طلحہؓ کو شام کی طرف مختلف خبروں کے لیے بھیجا تھا۔ ان کے واپس آ جانے کے بعد جنگ ختم ہو چکی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کا حصہ نکالا۔ سعید بن قیس بن صخر، سفید بن بشیر، سلمہ بن اسلم بن حریس، سلمہ بن ثابت بن وقش، سلمہ بن سلامہ بن وقش، سلیط بن قیس، سلیم بن حارث، سلیم بن عقرب، سلیم بن قیس بن فہد، سلیم بن ملحان۔ حضور ﷺ کے غلام سلیم ابو کبشہ، سماک بن خرشہ، سماک بن سعد، سان بن صیفی۔ ابن ابی حاتم نے انہیں بدری صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ ابن اسحاق نے انہیں ابوسان بن صیفی لکھا ہے۔ سان بن ابی سان وحب بن محض۔ یہ

حضرت عکاشہ کے بھتیجے تھے۔ سہل بن حنیف، سہل بن رافع، سہیل بن عتیق، سہل بن قیس، سہل بن عدی، سہیل بن یضاء، سہیل بن رافع، سہیل بن قیس، سوار بن رزین۔ ابن اسحاق نے انہیں سواد بن زریق لکھا ہے۔ سواد بن عزیہ، سو بیط بن حرملة، سوید بن محشی۔

حرف الثین

شجاع بن وہب، انہیں ابن ابی وہب بھی کہا جاتا ہے۔ شریک بن انس، حضور اکرم ﷺ کے خادم شقران۔

حرف الصاد

صامت کے غلام حبیب بن خراش، عاص بن امیہ کے غلام صبیح، یہ کسی مرض کی وجہ سے واپس آگئے تھے۔ صخر بن امیہ، صفوان بن عمرو، صفوان بن وہیب، صہیب بن سنان بن مالک، صیفی بن سواد۔

حرف الضاد

الضحاک بن حارثہ، ضحاک بن عبد عمرو، ضحاک بن قیس۔ امام مسلم نے لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ ابن عساکر کو ان کے بارے وہم ہوا ہے۔ ضمروہ بن عمرو، ضمروہ بن کعب۔

حرف الطاء

طارق بن عبید، طفیل بن حارث، طفیل بن مالک، طلحہ بن عبید اللہ۔ یہ عشرۃ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں شام بھیجا تھا۔ تاکہ کارواں کی خبر لے کر آئیں۔ یہ غزوہ بدر کے بعد آئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر و ثواب کا وعدہ کیا۔ طلحہ بن عمرو، طلیب بن عمیر یا عمرو۔

حرف الظاء

ظہیر بن رافع۔ یہ حضرت رافع بن خدیج کے چچا تھے۔ امام بخاری نے اصحیح میں لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ ان کے بھائی مظہر نے بھی شرکت کی تھی۔ مائلہ دمیاطی نے ان کا انکار کیا ہے۔ لیکن جنہوں نے ان کا اثبات کیا ہے وہ زیادہ قوی ہیں۔ اس میں زیادہ علم ہے۔

حرف العین

عاصم بن ثابت، عاصم بن عدی۔ یہ غزوہ بدر کے لیے گئے حضور اکرم ﷺ نے انہیں روماء کے مقام سے واپس کر دیا۔ آپ نے اہل مالہ پر اپنا نام مقرر کیا آپ نے ان کا حصہ نکالا اور اجر کا وعدہ کیا۔ عاصم بن مکیر، مائل بن قیس، مائل بن

بکیر، عامر بن امیہ، عامر بن بکیر، عامر بن ثابت، عامر بن زھیر، عامر بن ربیعہ، عامر بن سعد، عامر بن سلمہ، عامر بن عبد اللہ بن جراح۔ عامر بن عبد اللہ، عامر بن عبد عمرو، عامر بن عکیر، مستغفری نے لکھا ہے کہ انہوں نے بدر میں شرکت کی تھی۔ معروف یہ ہے وہ عامر بن عکیر تھے شاید یہ ان کے بھائی ہوں۔ عامر بن عوف، عامر بن فہیر، حضرت ابو بکر صدیق کے غلام، عامر بن مغلد، عامر بن سکن۔ عاید بن ماحص، عباد بن بشیر، عباد بن عبید، عباد بن قیس، عباد بن خشاش، عباد بن صامت، عباد بن قیس، عبد اللہ بن انیس، جہنی، عبد اللہ بن اوس، عبد اللہ بن جحش، عبد اللہ بن جذ، عبد اللہ بن جعفر طیار، حضور ﷺ نے ان کے لیے حصہ نکالا۔ اجر کا وعدہ کیا حالانکہ وہ حبشہ میں تھے۔ عبد اللہ بن حذافہ، عبد اللہ بن حمیر، عبد اللہ بن حق، عبد اللہ بن ابی خولی، عبد اللہ بن ابی خیشمہ، عبد اللہ بن ربیع، عبد اللہ بن رواحہ، عبد اللہ بن زید، عبد اللہ بن سراق، عبد اللہ بن سعد، عبد اللہ بن سلمہ، عبد اللہ بن سہل بن رافع، عبد اللہ بن سہل بن زید، عبد اللہ بن سہل بن عمرو، ہجرت حبشہ سے قبل انہوں نے اسلام قبول کیا۔ انہیں اذیتیں دیں گئیں تو انہوں نے مرتد ہونے کا اظہار کیا۔ جب مشرکین غزوہ بدر کی طرف نکلے تو یہ بھاگ کر مسلمانوں کی طرف چلے گئے اور غزوہ بدر میں شرکت کی۔ عبد اللہ بن شریک، عبد اللہ ابن طارق، عبد اللہ بن عامر، عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی، عبد اللہ بن عبد مناف، عبد اللہ بن عبس، عبد اللہ تمیک بن قیس، عبد اللہ بن عثمان، ابو بکر صدیق اکبر، عبد اللہ بن عرفجہ، عبد اللہ ابن عرظہ، عبد اللہ بن عمرو بن حرام، عبد اللہ بن عمیر، عبد اللہ بن قیس بن خالد، عبد اللہ بن قیس بن صخر، عبد اللہ بن کعب بن عمرو، عبد اللہ بن کعب بن زید، عبد اللہ بن محزمہ بن عبد العزی، عبد اللہ ابن مزین، عبد اللہ ابن مسعود، عبد اللہ ابن مظعون، عبد اللہ بن نضلہ، عبد اللہ بن نعمان، عبد اللہ بن حبیشہ، عبد الرحمان بن جبر، عبد الرحمان بن عبد اللہ، عبد الرحمان بن عوف، عبد بن عامر، عبیدہ بن حسابس بلوی، عبس بن عامر، عبید بن اوس، عبید یاغتیکی، بن تیھان، عبید بن ثعلبہ، عبید بن زید، عبید بن ابی عبید، عبید بن السکن، عبیدہ بن حارث، عبیدہ بن ربیعہ، عتبان بن مالک، عتبہ بن ربیعہ، عتبہ بن عبد اللہ، عتبہ بن غروان، عتیک بن تیھان، عثمان بن حنیف، عثمان غنی بن عفان، یہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ و علیہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ رو گئے تھے۔ آپ نے ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر کا وعدہ کیا۔ عثمان بن عمرو، عثمان بن عمر، عثمان بن مظعون، عجلان بن نعمان، عدی بن خلیفہ، عدی بن ابی الزغباء، عصمہ بن حصین، عصمہ یا عصیمہ الاسدی بنو مازن کے حلیف، عصمہ یا عصیمہ بنو مالک کے حلیف، عطیہ بن نوریہ، عقبہ بن حبیس، عقبہ بن ربیعہ، عقبہ بن عامر، عقبہ بن عثمان، عقبہ بن عمرو۔ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ یہ بدر میں اترے۔ اس کی طرف منسوب ہوئے۔ امام بخاری نے یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ انہوں نے ان روایات سے دلیل چکڑی ہے جو صحیح میں ہیں جن میں سے بعض میں یہ تصریح ہے اور انہوں نے اس غزوہ مبارکہ میں شرکت کی تھی۔ ان میں سے ایک روایت عروہ بن زبیر کی ہے۔ جو انہوں نے ابو مسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت مغیرہ نے نماز عصر مؤخر کی۔ ان کے پاس عقبہ بن عامر آئے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں

شرکت کی تھی۔ عبید بن سلام اور مسلم نے الکنی میں لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ متعدد روایات میں ہے کہ انہوں نے شرکت کی تھی۔ قاعدہ یہ ہے کہ مثبت کونافی سے مقدم کیا جائے گا۔ عقبہ بن وھب بن ربیعہ، عقبہ بن وھب بن کلدہ، عکاشہ بن محصن، علی المرتضیٰ، عمار بن یاسر، عمارۃ بن حزم، عمارہ بن ابی حسن الانصاری۔ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے جسے ابن قانع اور ابن سکین نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ وہ بدری صحابی ہیں۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف نہیں کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔

عمارہ بن زیاد، عمر فاروق، عمرو بن انس، عمرو بن ایاس، عمرو بن ثعلبہ، عمرو بن جلاس، عمرو بن جموح، عمر یا عمیر بن حارث، عمرو بن خارجہ، عمرو بن ابی زھیر، عمرو بن سراقہ، عمرو بن ابی سرح، عمرو بن طلق، عمرو بن عبد عمرو، عمرو بن عقبہ، عمرو بن عمیر، عمرو بن عمرو، عمرو یا عمیر سہیل بن عمرو کے غلام، عمرو بن عنمہ، عمرو بن غزنیہ، عمرو بن قیس، عمرو بن قیس بن خارجہ، عمرو بن قیس بن زید، عمرو بن مازن، عمرو بن معبد، عمرو بن معاذ، عمیر بن حارث، عمیر بن حرام، عمیر بن حمام، عمیر بن عامر بن مالک، عمیر بن عامر بن نابی، عمیر بن عبد عمرو، عمیر بن عوف، سہیل بن عمرو کے غلام، عمیر بن ابی وقاص، عنترہ بن عمرو سلیم بن حدیدہ کے غلام، عوف بن اثاثہ، عوف بن حارث، عویم بن ساعدۃ، عویم بن اشعر، عیاش بن ابی ربیعہ، عیاض بن زھیر۔

حرف الغین

غنام بن اوس۔

حرف الفاء

فاکہ بن بٹہ، فروہ بن عمرو۔

حرف القاف

قنادۃ بن نعمان، قدامتہ بن مظعون، قطبہ بن عامر، قیس بن بکیر، قیس بن خالد، قیس بن ربیع، قیس بن سکین، قیس بن عبایہ، قیس بن عمرو، قیس بن ابی بن کعب، قیس بن محصن، قیس بن مخلد۔

حرف الکاف

کثیر بن عمرو سلمیٰ، کعب بن جماز، کعب بن زید، کعب بن عامر، کعب بن عمرو، کنناز بن حصین۔

حرف اللام

لبدة بن قیس بن نعمان۔

حرف المیم

مالک بن امیہ، مالک بن تیمھان، مالک بن ثابت المزنی، مالک بن دشتم، مالک بن رافع، مالک بن ربیعہ، مالک بن رفاعہ، مالک بن عمرو بن ثابت، مالک بن عمرو بن سمیط، مالک بن عمیلہ، ابو عمر نے ابن عقبہ سے اسی طرح نقل کیا ہے الحافظ نے لکھا ہے کہ ان کا نام ان کے مغازی میں نہیں۔ نہ ہی ابن اسحاق، واقدی کے مغازی میں ہے۔ زبیر بن بکار نے انساب بنی عبدالدار میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس کے اسلام کا تذکرہ نہیں کیا۔ چہ جائیکہ غزوہ بدر میں اس کی شرکت کا تذکرہ ہو۔ مالک بن قدامہ، مالک بن مسعود، مالک بن غیلہ، مالک بن عبد المنذر، مبشر بن عبد المنذر، محرز بن عامر، محمد بن سلمہ، محمد بن جزء، مدلاج بن عمرو، مرارة بن ربیع الانصاری، مرشد بن ابی مرشد، مرثد بن حباب، مسطح بن اثاثہ، مسعود بن اوس، مسعود بن ربیع، مسعود بن زید، مسعود بن سعد، مصعب بن عمیر، مضطجع بن اثاثہ، معاذ بن جبل، معاذ بن حارث، معاذ بن عمرو، معاذ بن مانع، معبد بن عباد، معبد بن قیس، معبد بن وھب، معتب بن عبید، معتب بن عوف، معتب بن قشیر، معقل بن منذر، معمر بن حارث، معمر بن حبیب، معمر بن ابی سرح، معن بن عدی، معن بن یزید، معوذ بن حارث، معوذ بن عمرو، معویع بن ابن ابی فاطمہ، مقداد بن اسود، ملیل بن وبرة، منذر بن عمرو، منذر بن قدامہ، منذر بن محمد، منبج حضرت عمر کے غلام۔

حرف النون

نضر بن حارث، نعمان بن اعرج، نعمان بن ثابت، نعمان بن خزیمہ، نعمان بن سنان، نعمان بن عبد عمرو، نعمان بن عصر، نعمان بن عمرو، نعمان بن قوقل، نعمان بن مالک، نعمان بن عمرو بن رفاعہ، نعمان بن عمرو، نہبیک بن تیمھان، نوفل بن ثعلبہ، نوفل بن عبد اللہ۔

حرف الهاء

حانی بن نیاز، حبیب بن وبرة، ہران بن عمرو، ہشام بن عقبہ، حلال بن امیہ، حلال بن ابی خولی، حلال بن معلی، حمام بن حارث۔

حرف الواو

واقہ بن عبد اللہ، ودقہ بن ایاس، ودیعہ بن عمرو، وھب ابن ابی سرح، وھب بن سعد، وھب بن کلدہ، وھب بن محسن ابن عبد اللہ، وھب بن محسن ابوسنان اخوعکاشہ۔

حرف الیاء

یزید بن اخنس، یزید بن ثابت، یزید بن حارث، یزید بن حرام، یزید بن قیش، یزید بن سکن، یزید بن عامر، یزید بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

کنیتیں

ابوالاعور۔ حارث بن ظالم، ابویوب خالد بن زید، ابوبکر صدیق، عبد اللہ بن ابی قحافہ، ابوالھارث بن قیس، ابوجبہ عامر بن عبد عمرو، ابوجبہ ثابت بن نعمان۔ ابوحنہ ابن مالک بن عمرو، ابوجیب ابن زید، ابوحدیفہ بن عتبہ، ابوالحسن الانصاری تیم بن عبد عمرو، ابوالحمرء مولیٰ حارث بن رفاعہ، ابوخارجہ عمرو بن قیس، ابوخالد بن حارث، ابوخریمہ بن اوس، ابوداؤد عمرو یا عمیر بن عامر، ابودجانہ سماک بن خرشہ، ابوزعنہ عامر بن کعب بن عمرو، ابوسبرۃ بن ابی رھم، ابوالسبع بن عبد القیس، ابوسفیان بن حارث، ابوسفیان بن وھب، ابوسلمہ بن عبد اللہ بن ہلال، ابوسلیط انصار اسیر یا اسید یا انیس، ابوسنان بن صفی، ابوشراک الفہری، عمرو بن ابی عمرو، ابوشیخ ابی، ابوصرمہ، ابوضیاح، ابوظحہ زید بن سہل، ابوعبیدۃ عامر بن عبد اللہ، ابو عقیل عبد اللہ بن عبد الرحمان، ابو عمرو انصاری، ابوفضالہ انصاری، ابو قیس بن معلی، ابوکبشہ، سلیم یا اوس یا سلمہ خادم رسول ﷺ ابولبابہ بن عبد المنذر۔ ان کا نام بشیر تھا۔ انہیں مقام روحاء سے واپس کر دیا گیا۔ آپ نے انہیں مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا ان کا حصہ نکالا اور اجر کاوندہ کیا۔ ابوحشی، ابومرشد کناز، ابوسعود البدری، عقبہ بن عامر، ابوملیل ابن الازعر بن زید، ابونملہ انصاری، ابوالہیثم بن تیمان مالک، ابوتیجی عبد اللہ بن کعب، ابوالیسر کعب بن عمرو۔

غزوہ بدر کے بارے صحابہ کرام کے اشعار

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قصیدہ

و للحن اسباب مبینة الامر
فحانوا تواص بالعقوق و بالکفر

الم ترا امرا کان من عجب الدهر
وما ذاک الا ان قوما افادم

فكانوا رُهوئًا للركبة من بدرٍ
فشاروا الينا فالتقينا على قدرٍ
لنا غير طعن بالمشقة السر
مُشهرة الألوان بيئنة الاثر
و شيبة في قتلى تجزجتم في الجفر
فشقت جيوب النالحات على عمرو
كرام تفر عن الذوائب من فھر
و خلوا لواءً غير محتضر النصر
فخاس بهم ان الخبيث الى غدرٍ
برئت اليكم ما بي اليوم من صبر
اخاف عقاب الله والله ذو قسر
و كان بما لم يخبر القوم ذا خبر
ثلاث مئين كالمسدمة الزھر
بهم في مقام ثم مستوضح الذكر
لدى مازقٍ فيه اياهم تجرى

عشية راحوا نحو بدرٍ بجمعهم
و كنا طلبنا العير لم نبع غيرها
فلما التقينا لم تكن مشوية
و ضرب ببيض مختلى الهام حدها
و نحن تركنا عتبة الغي ثاويًا
و عمرو ثوى فيمن ثوى من فماتهم
جيوب نساء من لوى بن غالب
اولئك قوم قتلوا في ضلالتهم
لواءً ضلالٍ قاد ابليس اهله
و قال لهم اذعابن الامر واضحا
فاني ارى ما لا ترون و اني
فقدتهم للحين حتى تورطوا
فكانوا غداة البر الفا و جمعنا
وفينا جنود الله حين يمدنا
فشد بهم جبريل تحت لواء نا

ترجمہ: ”کیا تم نے وہ معاملہ نہیں دیکھا جو زمانہ کے عجائب میں سے تھا موت کے بعض ایسے اسباب ہیں جن کا معاملہ عیاں ہوتا ہے۔ وہ واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک قوم کو کفر اور معصیت کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا وہ ہلاک ہو گئے۔ اس شام کے وقت جب وہ اپنا لشکر لے کر بدر کی طرف عازم سفر ہوئے۔ وہ بدر کے کنوئیں میں ہمیشہ کے لیے رکھ دیئے گئے۔ ہم تو کارواں کی جستجو میں نکلے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی مدعا نہ تھا۔ وہ ہماری طرف روانہ ہوئے اور ایک مقدر پر ہم ایک دوسرے کے مقابلہ میں آگئے۔ جب ہم آمنے سامنے آ گئے تو ہمارے لیے واپسی کی کوئی راہ نہ تھی۔ مگر گندم گونیزوں کے ساتھ نیزہ زنی تھی۔ ان چمکدار تلواروں کے ساتھ وار کرنا تھا۔ جن کی دھاریاں کھوپڑیوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہیں جن کے رنگ اور جوہر عیاں ہوتے ہیں۔ ہم نے گمراہی کی دہلیز (عتبہ) کو زمین پر دے مارا شیبہ گونوئیں کے پاس پھرتے ہوئے

مقتولین کے پاس چھوڑا۔ عمر و بھی ان لوگوں کے ہمراہ خاک میں مل گیا۔ جو ان کے ساتھی تھے اور خاک میں مل گئے تھے۔ لہذا اس پر نوہ خوانی کرنے والی عورتوں کے گریبان چاک ہو گئے یعنی لوی بن غالب کی ان شریف عورتوں کے گریبان پھٹے تھے جو بنو فہر کی بلند مرتبت عورتوں سے بھی بلند مرتبت تھیں۔ یہ لوگ اپنی گمراہی میں مارے گئے تھے۔ وہ اپنے جھنڈے کو اس حال پر چھوڑ گئے تھے۔ تادم مرگ اس کے پاس مدد نہ پہنچ سکی۔ گمراہی کا وہ جھنڈا جس کو اٹھانے والوں کی قیادت ابلیس نے کی شیطان نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا بلاشبہ وہ خبیث دھوکے کی طرف ہی لے جاتا ہے۔ جب اس نے فتح کا معاملہ واضح دیکھ لیا تو اس نے انہیں کہا میں تم سے بری ہوں۔ میں آج صبر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھ رہے۔ میں رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں رب تعالیٰ قہر والا ہے۔ ابلیس مشرکین کو موت کے پاس لے کر آیا۔ حتیٰ کہ وہ بلاکت کے گرداب میں پھنس گئے۔ وہ خود تو علم رکھتا تھا۔ لیکن مشرک قوم اس سے آگاہ نہ تھی۔ جب مشرکین بدر کے کنوئیں پر پہنچے تو ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ جبکہ ہمارا لشکر تین سو افراد پر مشتمل تھا۔ مگر مسلمان سفید زاونٹوں کی طرح تھے۔ ہم میں رب تعالیٰ کے ایسے لشکر بھی تھے وہ جب بھی ان کے خلاف ہماری مدد کرتے تو ان کے ذکر کی وضاحت طلب کی جاتی۔ حضرت جبرائیل نے انہیں ہمارے پرچم کے نیچے ایسے تنگ مقام پر جکڑ دیا جہاں ان پر لگاتار موتیں آرہی تھیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اشعار

بلاء عزیز ذی اقتدار و ذی فضل
فلاقوا ہوائاً من إسارٍ و من قتل
و کان رسول اللہ ارسل بالعدل
مبینة آیاتہ لذوی العقل
فامسوا بحمد اللہ مجتمعی الشمل
فزادہم ذوالعرش خبلاً علی خبل
و قوماً غضاباً فعلہم احسن الفعل

الم تر ان اللہ ابلی رسولہ
لما اتزل الکفار دار مذلة
فامسى رسول اللہ قد عز نصرہ
فجاء بفرقان من اللہ منزل
فامن اقوام بذالك وایقنوا
وانکر اقوام فزاغت قلوبہم
و امکن منهم یوم بدر رسولہ

وقو حاد ثوها بالجلاء و با الصقل
صریحًا و من ذی نجدۃ منهم کهل
تجوڈ باسبال الرشاش و بالوبل
و شیبۃ تنعاعہ و تنعی اباجهل
مسلبۃ حرى مبینۃ الشكل
ذوی نجدات فی الحروب و فی المحل
و الحتی اسباب فرمقۃ الوصل
عن الشغب و العدو ان فی اشغل الشغل

بایدیہم بیض خفاف عصبہا
فکم ترکو من ناشی ذی حمیۃ
تبت عیون التائمات علیہم
نواح تنعی عتۃ الغی و ابنہ
و ذالرجل تنعی و ابن جدعان فیہم
تری منہم فی بئر بدر عصابۃ
دعا الحتی منہم من دعا فاجابہ
فاضحو الدی دار الجحیم بمعزل

ترجمہ: ”کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کی یوں آزمائش کی جیسے کسی اقتدار والے اور عزت و فضل والے کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے رب تعالیٰ نے کفر کو ذلت کے گھرا تارا۔ وہاں انہوں نے قید و قتل کی ذلت سے ملاقات کی۔ حضور اکرم ﷺ کی نصرت کو غلبہ نصیب ہوا۔ آپ کو تو عدل کے ساتھ ہی مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی جناب والا سے ایسی کتاب لے کر آئے جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے جس کی آیات اہل عقل کے لیے واضح ہیں۔ بعض حضرات اس پر ایمان لے آئے اس پر یقین کر لیا۔ ان کی منتشر جمعیت یکجا ہو گئی۔ الحمد للہ! بعض لوگوں نے اس کتاب کا انکار کر دیا۔ ان کے دل ٹیڑھے ہو گئے۔ رب تعالیٰ نے ان کے فساد پر فساد کا اضافہ کر دیا۔ روز بدر اس نے اپنے رسول محترم ﷺ اور اس غضبناک قوم کو قدرت دے دی۔ جن کا فعل بہترین فعل تھا۔ ان کے ہاتھوں میں ہلکی پھلکی سفید تلواریں تھیں۔ انہوں نے انہیں سبقت کرنے اور چمکدار بنانے میں کافی وقت صرف کیا تھا۔ انہی کے ساتھ ہی انہوں نے ان پر وار کیا۔ انہوں نے ان کے ذریعے کتنے ہی حمیت والوں اور طاقتور عمر رسیدہ لوگوں کو تیغ کیا۔ ان پر نوہ کنال عورتوں کی آنکھیں ساری رات ان پر چھم چھم اور موسلا دھار بارش کی سخاوت کرتی رہی ہیں۔ وہ نوہ خوانی کے عالم میں وہ گمراہی کی دہلیز (عتبہ) اور اس کے بیٹے کی موت کی خبر دیتی ہیں نیز وہ ابو جہل اور شیبہ کی موت کے بارے بتاتی ہیں۔ وہ لنگڑے اور ایک پاؤں والے اسود کی موت کی خبر دیتی ہیں وہ ابن جدعان کی موت کی بھی خبر دیتی ہیں وہ عورتیں ماتمی لباس میں ملبوس ہیں ان کے پیٹوں میں گویا کہ آگ لگی ہوئی ہے۔ جدائی کا غم ان کے چہروں

سے واضح تھا۔ ان کی وہ جماعت بدر کے کنوئیں میں جاگری جو قحط کے سالوں اور جنگوں میں طاقتور ہوتی تھی۔ ان میں بہت سے لوگوں نے گمراہی نے دعوت دی انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ گمراہی کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں اتصال کی قوت کمزور ہوتی ہے۔ بالآخر وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے پاس چنچ اور ظلم سے علیحدہ زیادہ مصروف رکھنے والے شغل میں اپنے وقت پر پہنچ گئے۔“

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اشعار

علی ما اراد لیس اللہ قاهر
بغوا وسبیل البغی بالناس جائر
من الناس حتی جمعہم متکائر
بأجمعها کعب جمیعاً و عامر
لہ معقل منہم عزیز و ناصر
یمشون فی الماذی والنقع ثائر
لاصحابہ مستبل النفس صابر
و ان رسول اللہ بالحق ظاہر
مقایس یزہیہا لعینیک شاهر
و کان یلاقی الحین من ہو فاجر
و عتبه قد غادرہ وهو عائر
وما منہا الا لذی العرش کافر
و کل کفور فی جہنم صائر
بزبر الحدید والحجارة ساجر
فولوا و قالوا: انما انت ساحر
و لیس لامر حمہ اللہ زاجر

عجبت لامر اللہ واللہ قادر
قضى يوم بدر ان نلاقى معشرًا
وقد حشدوا واستغفروا من يليهم
و سارت الينا لا تحاول غيرنا
و فينا رسول الله والاوس له
و جمع بنى النجار تحت لوائه
فلما لقيناهم و كل مجاهد
شهدنا بان الله لارب غيره
و قد عريت بيض خفاف كانها
بهن ابدنا جمعهم فتبددوا
فكعب ابوجهل صريعًا بوجهه
وشيبة والتبى غادرن فى الوغى
فامسوا و قود النار فى مستقرها
تلظى عليهم وهى قد شب حميها
و كان رسول قد قال اقبلوا
لامر اراد الله ان يهلكوا به

ترجمہ: ”میں نے رب تعالیٰ کے کام پر تعجب کیا۔ رب تعالیٰ اس امر پر قادر ہے جس کا وہ ارادہ فرمائے۔ رب

تعالیٰ کو مجبور کرنے والا کوئی نہیں۔ اس نے غرور و بے در کے روز فیصلہ کر دیا کہ ہم ایسے گروہ سے معرکہ آزما ہوں جنہوں نے بغاوت کی اور سرکشی کا رستہ لوگوں کو ٹیڑھا لے جانے والا ہے۔ حالانکہ انہوں نے لشکر جراز جمع کیا ان لوگوں سے مدد چاہی جو ان کے ارد گرد تھے حتیٰ کہ ان کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ سارے بنو عامر اور بنو کعب سارے ہمارے طرف چل کر آئے۔ ان کا مقصود صرف ہم ہی تھے۔ حضور اکرم ﷺ ہمارے مابین تشریف فرما ہیں۔ آپ کے ارد گرد بنو اوس ہیں جو آپ کے لیے قلعہ میں ان میں سے بعض غلبہ پانے والے اور بعض مدد کرنے والے ہیں۔ بنو نجار کا گروہ آپ کے مبارک پرچم کے نیچے ہے۔ جو سفید اور نرم زرخوں میں چل رہے ہیں۔ اس حال میں کہ گرد و غبار اڑ رہا ہے۔ پھر ہم نے مشرکین کے ساتھ ملاقات کی۔ اس حال میں کہ صحابہ کرام میں سے ہر ایک شخص مجاہد ثابت قدم اور خود کو شہادت کے لیے پیش کرنے والا تھا۔ ہم نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں اور حضور اکرم ﷺ اس کے ساتھ غلبہ پانے والے ہیں۔ سفید اور تالواریں کو سونت لیا گیا۔ گویا کہ وہ آگ کے ایسے شعلے تھے جنہیں تلوار سونٹے تیری آنکھوں کے سامنے حرکت دے رہا ہو۔ ہم نے ان تلواروں کے ساتھ ان کے لشکر جراز کو تباہ کیا وہ برباد ہو گئے جو فاجر تھا وہ موت سے ملاقات کر رہا تھا۔ بالآخر ابو جہل منہ کے بل نیچے گر پڑا۔ عقبہ کو تلواروں نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ پچھاڑا پڑا تھا۔ شبیبہ اور تیمی کو انہوں نے میدان جنگ میں چھوڑ دیا۔ یہ سارے عرش کے مالک، رب اعلیٰ کے منکر تھے۔ وہ جہنم میں آگ کا ایندھن بن گئے۔ ہر کافر جہنم میں جانے والا ہے۔ یہ جہنم ان پر بھڑک رہی ہے حالانکہ آگ روشن کرنے والے نے اس کی حرارت کو لوہے اور پتھروں کے ساتھ عالم شباب میں کر دیا ہے۔ آپ نے تو ان سے فرمایا تھا کہ میری جانب آؤ مگر انہوں نے اعراض کیا اور کہا: ”آپ جادوگر ہیں۔“ ان کی یہ بلاکت اس امر کی وجہ سے ہوئی جس کا ارادہ رب تعالیٰ نے کر لیا تھا کہ وہ اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں جس امر کا فیصلہ رب تعالیٰ کر لیتا ہے اسے روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔“

حضرت حسان بن ثابت کے اشعار

تبليت فؤادك في المنام خريدة تسقى الضجيع ببارد بسام
كالمسك تخلطه بماء سحابة أو عاتق كدم الزبيح مدام

بلہاء غیر و شکية الاقسام
فضلاً اذا قعدت مداك رخام
فی جسم خرعة و حسن قوام
و الیل توزعنی بہا احلامی
حتى تغیب فی الضریح عظام
ولقد عصیت علی الهوی لوامی
و تقارب من حادث الأيام
عدم لمعتکر من الاصرام
فنجوت منجی الحارث بن هشام
و نجا برأس طمّرة و لجام
مرّ الدموک لمحصدو رجام
و ثوی أحبته بشر مقام
نضر الاله به ذوی الاسلام
حرب یشب سعیرها بفرام
جزر السبّاع و دسنه بحوامی
صفر اذا لاقی الا سنّة حامی
حتى تزول شواخ الاعلام
بیض السیوف تسوق کل همام
نسب القصا رسمیدع مقدام
کالبرق تحت ظلال کل غمام

نفج الحقیبة بوصها متنضد
بنیت علی قطن أجم كأنه
و تکاد تکسل أن تجئی فراشها
أما النهار فلا أفتّر ذکرها
أقسبت أنساها و أترك ذکرها
یامن لعاذلة تلوم سفاهة
بکرت علی بسحرة بعد الکرى
زعمت بأن المرء یکرب عمرة
ان كنت کاذبة الذی حدثتی
ترك الأخبة ان یقاتل دونهم
تذر العناجیح الجیاد بقفرة
ملأت به الفرجین فارمدت به
و بنوا بیه و رهطه فی معرک
طختهم والله ینفذ أمره
لو لا اله و جریها لترکنه
من بین ماسور یشدو ثاقه
و مجدل لا یتجیب لدعوة
بالعار والذل المبین اذرای
بیدى أغر اذا انتمنی لم یحزّه
بیض اذا لاقت حدیداً صممت

ترجمہ: "اس دوشیزہ نے خواب میں تیرے دل کو بیمار کر دیا ہے جو اپنے منہم اور ٹھنڈے رخسار کے ساتھ اپنے ہم بستر کو شفا یاب کر دیتی ہے۔ وہ اس کستوری کی مانند ہے جسے تو بارش کے پانی کے ساتھ ملا لے یا وہ ذبح شدہ جانور کے لہو کی مانند سرخ مدام پرانی شراب کی طرح ہے۔ وہ ابھرے ہوئے بڑے

بڑے کولہوں والی ہے۔ گویا کہ وہ تہ بہ تہ میں وہ بھولی بھالی ہے اور وہ قسموں کی طرح تیزی سے نہیں جاتی۔ اس کی بنیاد گوشت پر قائم ہے۔ جب وہ پر تکلف لباس سے الگ ہو کر بیٹھتی ہے تو وہ سنگ مرمر کی سل لگتی ہے۔ نازک جسم اور فطرتی حسن میں اسے اپنے بستر تک آنا بارگراں لگتا ہے دن کے وقت میں اس کی یاد سے غفلت نہیں برتا لیکن رات کو بھی اس کے خواب مجھے فریفتہ کیے رکھتے ہیں۔ میں نے قسم اٹھالی ہے کہ اسے کبھی نہ بھولوں گا۔ نہ ہی اس کی یاد ترک کروں گا حتیٰ کہ قبر میں میری ہڈیاں غائب ہو جائیں۔ اس ملامت گر کو کون روکے گا جو حماقت کی وجہ سے مجھے ملامت کر رہی ہے۔ حالانکہ محبت کے بارے میں نے اپنے ملامت کرنے والے کی بات کبھی نہیں مانی۔ ایک رات غزوہ بدر کے قریب میری نیند کے بعد صبح سے کچھ دیر پہلے وہ عورت میرے پاس آئی۔ اس کا گمان تھا اونٹوں کا اثر دھام نہ ہونا۔ انسانی زندگی کو غمزہ کر دیتا ہے۔ میں نے کہا کہ تو نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے اگر تو اس میں جھوٹی ہے تو پھر مجھ سے اس طرح بچ کر نکل جا جس طرح حارث بن ہشام بچ کر نکل گیا تھا۔ اس نے اپنے دوستوں کو ترک کر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس کے ہمراہ جنگ کرتا وہ طویل قد والے گھوڑے کے بال اور لگام تھامے ہوئے بھاگ نکلا۔ اس چٹیل میدان میں عمدہ اور بہترین گھوڑے اس طرح چھوڑے جا رہے تھے جیسے پتھر کے ساتھ بندھی سی کو تیز رفتار چرخی ترک کرتی جاتی ہے۔ ان گھوڑوں نے درمیانی شگاف بھر لیے تھے۔ اس سے ان میں جوش و ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس کے دوست برے مقام پر پڑے تھے۔ اس کے بھائی اور قوم ایسی جنگ میں تھی۔ جس میں رب تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح مند کیا تھا۔ ایسی جنگ نے انہیں کچل ڈالا ایندھن سے جس کے شعلوں کو بلند کیا جا رہا تھا۔ رب تعالیٰ تو اپنا حکم نافذ کر کے رہتا ہے۔ اگر رب تعالیٰ کا ارادہ اسے بچانے کا نہ ہوتا اور نہ ہی تیز رفتار گھوڑے ہوتے تو وہ گھوڑے حارث کو درندوں کا لقمہ بنا کر چھوڑتے اور اپنے سموں سے اسے روند دیتے۔ وہ یا تو ایسا قیدی ہوتا جس کی مشکیں کوئی بہادر کستا جو نیزوں کے مقابلہ میں بھی حمایت کرنے والا ہوتا یا وہ زمین پر مردہ پڑا ہوتا کسی کی صدا کی آواز نہ دیتا حتیٰ کہ بلند و بالا پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے وہ واضح ذات اور خواری کے عالم میں دیکھتا کہ سفید تاباں تلواریں ہر بلند عزم سردار کو ہانکتی جا رہی ہیں۔ وہ تلواریں ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہیں کہ جن کا نسب بیان کیا جائے تو اسے کم ہمت لوگوں کے نسب کی ذلت نصیب نہ ہو جو کسی سردار اور دشمن کی پرواہ کیے بغیر پیش قدمی کرنے والا ہو۔ وہ ایسی تاباں

تلواریں ہیں جو جب لوہے سے ٹکراتی ہیں تو اسے قطع کرتی جاتی ہیں وہ بادل کے سایہ میں بجلی کی طرح ہیں۔“

حارث بن ہشام کا جواب

القوم أعلم ما ترک قتالہم
و عرفت انی ان اقاتل و احدا
فصدت عنہم و الأجبۃ فیہم
حتى حبوا مہری بأشقر مزید
أقتل ولا ینکل عدوی مشہدی
طمعا لہم بعقاب یوم مفسد

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں نے ان کے ساتھ جنگ ختم نہ کی تھی کہ انہوں نے میرے گھوڑے کو جھاگ والے سرخ خون سے رنگ دیا تھا میں سمجھ گیا کہ اگر میں اکیلا لڑتا رہتا تو میں مر جاؤں گا اور میرا یہاں موجود ہونا دشمن کو مغلوب نہ کر سکے گا۔ دوست وہاں تھے لیکن میں نے ان سے منہ موڑ لیا تاکہ کسی اور جنگ کے روز ان سے بدلہ لیا جاسکے۔“

ہبیرہ بن ابی وہب محزومی کے اشعار

لعمرك ما ولیت ظہری محمداً
ولکننی قلبت امری فلم أجد
وقفت فلما خفت ضیعة موقفی
و أصحابہ جینا لا خیفۃ العدل
لسیفی مساغان ضربت ولا نبلی
رجعت لعود کالہز برأبی الشبل

ترجمہ: ”مجھے تمہاری زندگانی کی قسم! میں نے کسی بزدلی یا قتل کے خوف سے محمد عربیؐ اور ان کے صحابہ کرام کی طرف سے پیٹھ نہیں پھیری لیکن میں نے اپنے معاملہ میں غور و فکر کیا تو مجھے اپنی شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے لیے سبب نظر نہ آیا جب مجھے اندیشہ ہوا کہ میرا کردار ضائع ہو جائے گا تو میں ابوشبل کی طرح واپس آ گیا۔“

حضرت حسان کے اشعار

قومی الذین ہم أووا نبیہم
الا خصائص اقوام ہم سلف
مستبشرین بقسم اللہ قولہم
اہلا و سہلا ففی امن و فی سعة
و صد قوۃ و اہل الارض کفار
للصالحین مع الانصار انصار
لما اتاہم کریم الاصل مختار
نعم النبی و نعم القسم و الجار

من کان جارہم دارًا ہی الدار
لو یعلمون یقین العلم ما ساروا
ان الخبیث لن والاة غدار
شر الہوارد فیہ الخزی والعار
من منجدین و منهم فرقة غاروا

فانزلوه بدارٍ لا یخاف بہا
وقاسموہم وساروا الی بدر لحنہم
دلاہم بغرور ثم اسلمہم
وقال انی لکم جار فاوردہم
ثم التقینا فولوا عن سراتہم

ترجمہ: ”میری قوم وہ ہے جس نے حضور اکرم ﷺ کو اس وقت پناہ دی اور آپ کی تصدیق کی جب آپ کے علاقے کے لوگ کافر تھے۔ سوائے مخصوص افراد کے یعنی مہاجرین کے جو پاکبازوں کے اسلاف ہیں اور انصار کے ہمراہ مددگار ہیں۔ وہ رب تعالیٰ کی تقسیم پر مسرور تھے۔ جب ان کے پاس کریم الاصل نبیؐ مختار (ﷺ) تشریف لائے تو انہوں نے عرض کی: ”مرحبا، اهلا وسهلا آپ امن اور وسعت میں رہیں۔ آپ کتنے اچھے نبی ہیں۔ ہمارے نصیب کتنے اچھے ہیں۔ آپ کتنے اچھے پڑوسی ہیں۔ انہوں نے آپ کو ایسا گھر پیش کیا جس میں کوئی خوف نہیں جن کا ہمسایہ اس طرح کا ہو وہی گھر، گھر کہلانے کا مستحق ہے۔ جب مہاجرین ہجرت فرما ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انصار نے انہیں اپنے اموال میں سے حصہ دار بنا لیا منکر کی قسمت میں آگ ہے ہم بھی بدر کی طرف روانہ ہوئے اور مشرکین بھی موت کے لیے ادھر ہی چلے اگر انہیں موت کے متعلق یقینی علم ہوتا تو ادھر نہ جاتے۔ ابلیس نے قریب سے انہیں یہ رستہ دکھایا پھر انہیں دشمن کے سپرد کر دیا خبیث جس کے ساتھ دوستی لگاتا ہے اسے دھوکہ دیتا ہے اس نے ان سے کہا: ”میں تمہارا ضامن ہوں۔ انہیں شریر ترین گھاٹوں پر لے آیا۔ جہاں ندامت اور ذلت تھی جب ہم ان کے ساتھ معرکہ آزما ہوئے تو وہ اپنے سرداروں کو چھوڑ کر چلے گئے۔ بعض نے ٹیلوں پر اور بعض نے وادیوں میں پناہ لی۔“

عائکہ بنت عبدالمطلب کے اشعار

بتاویلہا قلّ من القوم ہارب
بعینہ ما تفری السیوف القواضب
یکذبنی بالصدق من ہو کاذب

الما تکن رویای حق و یاتکم
رای فاتاکم بالیقین الذی رای
فقلتم ولم اکذب کذبت ولما

حکیم و قد اعیت علیہ المذاهب
فہن ہواً والحلوم عواذب
و خطیۃ فیہا الشبا والشعالب
اذا ما تعاطتہا اللیوث المشاغب
اذا عَضَّ من عون الحروب الغوارب
کفاحاً کما تری السحاب الجنائب
و زعزع و رد بعد ذلك صالحہ
لدى بن اخى اسرى له ما يضارب
من الله حين ساق والحین جالب
بنو عمہ والحرب فیہا التجارب
حیان و تبدوا بالنهار الكواكب
بحاراً تردى حافتیہا المقانِب
لہا من شعاع النور قرن و حاجب

وما فرّ الارهبة الموت هارباً
اقرّ صياح القوم عزم قلوبہم
اقامت سيوف الہند دون رؤوسکم
کان حريق النار مع ظباتہا
الا بابى يوم اللقاء محمدا
مروا بالسيوف المرهفات نفوسکم
فکم بردت اسيافہم من مليکة
فما بال فتلى فی القلب و مثلہم
اكانوا نساءً ام اتى لنفوسہم
فكيف راى عند اللقاء محمداً
الم يغشکم ضرباً يجار لوقعہ ال
حلفت لئن عدتم ليصطلمنکم
کان ضياء الشمس لمع ظباتہا

ترجمہ: ”کیا اب بھی میرا خواب سچ ثابت نہیں ہوا۔ شکست خوردہ قوم کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر بھی اس کی تعبیر تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس نے دیکھا جو کچھ اس نے دیکھا اس کی یقینی تعبیر تمہارے پاس اس وقت آگئی جب کائنات والی تلوار نے کاٹا۔ تم نے کہا تھا تو جھوٹ بولتی ہے۔ حالانکہ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ہر جھوٹے نے سچ کے ساتھ میری تکذیب کی۔ حکیم بن حزام موت کے خون سے بھاگتا ہوا دوڑ گیا۔ رستوں نے اسے تھکا دیا تھا۔ ان کے دلوں کے عزم نے قوم کی چیخ و پکار کو برقرار رکھا۔ حالانکہ وہ دل ہوا ہو چکے تھے۔ اور خواب پریشاں تو مخفی ہوتے ہیں۔ ہند کی بنی ہوئی تلوار میں تمہارے سروں پر آ کر ٹمہریں نیزا لپٹے پھوے بھی تھے جن میں ان کا پھل اور کنارہ بھی تھے۔ گویا کہ آگ کا شعلہ ان تلواروں کی دھار تھی۔ جب شیر دل لوگوں نے انہیں بلند کیا۔ ارے! مجھے باپ کی قسم! حضور ﷺ سے معرکہ آزما ہونے کا دن عجیب تھا جب لشکر جبار میں سے بلند ہمت لوگوں نے کاٹا۔ انہوں نے تیز رفتار تلواروں کے ماتھمیں سامنے سے کاٹ کر رکھ دیا۔ جیسے بڑے بڑے گھوڑے بادلوں میں گزر جاتے ہیں۔ ان کی کتھی

ہی تلواریں کند ہو گئیں اور مضبوط گھوڑے سست رو ہو گئے۔ میرے محترم بھتیجے کے ہاں ان مقتولوں کی کیا پروا ہے جنہیں کتوں میں پھینک دیا گیا۔ اور ان کی مثل اور بھی ہوں۔ انہوں نے ان کے لیے ہر مقابلہ کرنے والے کو اسیر بنا دیا کیا وہ مشرکین عورتیں تھیں تاکہ ان کے لیے رب تعالیٰ کی بارگاہ سے موت آگئی تھی۔ یہ موت انجام تک پہنچانے والی ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے نبرد آزما ہوتے وقت آپ کے چچا زادوں نے کیسے دیکھا جنگ میں تو تجربات ہوتے ہیں کیا تمہیں ایسی ضرب نے نہیں آیا تھا جس کے وقوع کے وقت بزدل پناہ لیتا ہے اور دن کے وقت ستارے ظاہر ہوتے ہیں۔ میں قسم اٹھاتی ہوں کہ اگر تم دوبارہ ادھر گئے تو وہ ایسے گھوڑوں کے ذریعے تمہاری جڑا کھیر پھینکیں گے جن کے دونوں کنارے لشکر کو برباد کر دیتے ہیں۔ گویا کہ سورج کی روشنی ان کی تلواروں کی دھار ہے ان کے لیے نور کی شعاع کرن اور پردہ ہے۔“

حضرت عاتکہ کے مزید اشعار

ہلا صبرتم بلبنی محمد
ولم ترجعوا من مرهفات کانہا
ولم تصبروا للبیض حتی اخذتم
وولیتم نفرًا وما البطل الذی
اتاکم بما جاء النبیون قبلہ
سیکفی الذی فیعتم من نبیکم
ببدر و من یغشی الوغی حق صابر
حریق بایدی المومنین بواتر
قلیلا بایدی المومنین المشاعر
یقاتل من وقع السلاح بنافر
وما ابن اخی البر الصدیق بشاعر
و ینصرہ الحیان عمرو و عامر

ترجمہ: ”کیا تم نے بدر کے مقام پر حضور اکرم ﷺ کے لیے صبر نہیں کیا۔ جو میدان جنگ میں چھاتا ہے وہ حق اور صابر ہوتا ہے تم ان لگاتار کاٹنے والی تلواروں سے کیوں واپس لوٹ آئے جو اہل ایمان کے ہاتھوں میں آگ کی مانند تھیں۔ تم نے ان سفید تلواروں پر صبر نہ کیا حتیٰ کہ اہل ایمان کے ہاتھوں سے بعض جذبات پالیے۔ تم بھاگتے ہوئے پیٹھ پھیر گئے۔ بہادر وہ نہیں ہوتا جو اسلحہ کی ضرب سے بھاگنے والے کے ساتھ لڑائی کرے۔ حضور اکرم ﷺ وہی پیغام حق لے کر تمہارے پاس آئے جو آپ سے پہلے انبیاء کرام لے کر آئے تھے۔ میرا پاجباز اور سچا بھتیجا شاعر نہیں ہے۔ جو کچھ تم نے اپنے نبی مکرم ﷺ سے کھو دیا وہ عنقریب کافی ہوگا۔ عنقریب عمرو اور عامر آپ کی نصرت کریں گے۔“

غزوة بنی سلیم یا قرقرۃ الکدر

ابن اسحاق، ابو عمر، ابن حزم وغیر ہم نے لکھا ہے ”آپ کو خبر ملی کہ اس جگہ بنو سلیم اور بنو عطفان کے افراد جمع ہو رہے ہیں۔ آپ نے مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری یا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو بنایا۔ آپ کے علمبردار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کا علم سفید تھا۔ آپ ان کی طرف رواں ہوئے۔ جب ان کے ایک چشمہ الکدر تک پہنچے تو میدان میں کسی کو نہ پایا۔ آپ نے کچھ صحابہ کرام کو وادی کے بلند حصے کی طرف بھیجا۔ آپ ان سے وادی کے دامن میں ملے۔ آپ نے وہاں چرواہے پائے۔ ان میں ایک غلام تھا جس کا نام یسار تھا۔ آپ نے اس سے لوگوں کے بارے پوچھا تو اس نے کہا: ”مجھے ان کے بارے کوئی علم نہیں میں پانچویں دن والے اونٹوں کو پانی پلانے آیا ہوں۔ آج چھٹے روز پانی پلانے والے اونٹوں کی باری ہے۔ لوگ اوپر چشموں پہ چلے گئے ہیں۔ ہم یہاں تنہا اونٹوں کو چروانے کے لیے قیام پذیر ہیں۔“ آپ نے وہاں تین روز تک قیام فرمایا۔ آپ کو اونٹ بطور مال غنیمت ملے۔ آپ مدینہ طیبہ کی طرف واپس آنے لگے۔ صرار کے مقام پر مال غنیمت تقسیم کیا۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے تین میل دور ہے۔ اونٹوں کی تعداد پانچ سو تھی۔ آپ نے ان کا خمس نکالا۔ بقیہ چار سو مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔ ہر مجاہد کو دو اونٹ ملے۔ یہ لشکر دو سو مجاہدین پر مشتمل تھا۔ یسار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آیا آپ نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آزاد کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مہم کے لیے پندرہ روز غائب رہے۔ آپ شوال اور ذوالقعدہ کے مہینے مدینہ طیبہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ اسی دوران قریش کے بڑے بڑے قیدیوں کے فدیے ادا کیے گئے۔

تنبیہ

”العیون“ میں اس غزوہ میں اور غزوة قرقرۃ الکدر میں فرق کیا گیا ہے۔ وہاں غزوة احد سے قبل چھ غزوات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ المور د میں بھی اسی طرح ہے لیکن ابن اسحاق، ابو عمر، بیہقی ابن کثیر اور ابن القیم نے پانچ غزوات کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے بھی پانچ غزوات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان کی ترتیب میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کی ترتیب یہ ہے۔ غزوة بنو سلیم، غزوة سویق، غزوة ذی امر، غزوة غطفان ہے۔ غزوة الفرع من بحران، غزوة بنی قیقاع، ابن سعد کے نزدیک غزوة بنی

تینقاع بروز ہفتہ بدر کے بعد نصف ثوال کو رونما ہوا تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ غزوہ سولق اتوار کے روز پانچ ذوالحجہ کو رونما ہوا ہجرت کو بائیس ماہ گزر چکے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوہ قرقرہ نصف محرم کو پیش آیا تھا۔ ہجرت کو ۲۳ ماہ گزر چکے تھے۔ ابن اسحاق کے نزدیک یہ غزوہ ثوال دو ہجری کو پیش آیا تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوہ غطفان ۱۲ ربیع الاول ہجرت کے پچیسویں ماہ کو رونما ہوا تھا۔ ابن اسحاق نے اسے ذوامر کا نام دیا ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ بروز جمعرات ۱۸ ربیع الاول کو رونما ہوا جبکہ ہجرت کو پچیس ماہ گزر چکے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ ماہ محرم ہجرت کے تیسرے سال رونما ہوا تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوہ بنو سلیم چھ جمادی الاولیٰ کو پیش آیا۔ ہجرت کو ستائیس ماہ گزر چکے تھے۔



غزوة السویق

اس کا سبب یہ ہے کہ جب مشرکین شکست خوردہ اور غمناک مکہ مکرمہ کی طرف واپس آئے تو ابوسفیان نے خود پر تیل لگانا حرام قرار دیا۔ اس نے نذرمانی کہ وہ جنابت سے غسل نہیں کرے گا۔ حتیٰ کہ وہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے بدر کا انتقام نہ لے لے۔ وہ اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے دو سو سواروں کے ساتھ غازم سفر ہوا۔ وہ نجد یہ کے راستے روانہ ہوا۔ وہ صدر قناہ میں فروکش ہوا۔ اس پہاڑ کو یتیب کہا جاتا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ سے ایک برید دور تھا۔ وہ رات کے وقت نکلا۔ بنو نضیر کے پاس پہنچا وہ جی بن اخطب کے پاس گیا اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ اسے خدشہ لاحق ہوا۔ ابوسفیان سلام بن مشکم کے پاس گیا یہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ ان کا خازن بھی تھا۔ اس نے اس سے اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دے دی۔ اسے کھلایا پلایا۔ لوگوں کی راز کی باتیں بتائیں۔ حضور اکرم ﷺ کے راز افشا کیے رات کے آخری پہر میں روانہ ہوا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ اس نے قریش کے کچھ افراد بھیجے وہ عریض کی طرف گئے۔ بعض کھجوریں تلا دیں۔ وہاں ایک انصاری شخص کو پایا۔ اس کا حلیف بھی اس کے پاس تھا۔ انہوں نے انہیں قتل کر دیا۔ الامتاع میں ہے ”یہ انصاری حضرت معبد بن عمرو تھے۔ ابوسفیان نے سمجھا کہ اس کی قسم پوری ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابوسفیان نے یہ فعل اس وقت سرانجام دیا جس رات وہ سلام بن مشکم سے مل کر واپس آیا۔ پھر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لوگوں کو اس کے کروت کا علم ہو گیا۔ بروز اتوار پانچ ذوالحجہ کو حضور اکرم ﷺ ان کے تعاقب میں نکلے۔ ہجرت کو بائیس ماہ گزر چکے تھے۔ مہاجرین و انصار میں سے دو سو شہ سوار آپ کے ہمراہ تھے۔ الاشارہ میں ہے کہ اسی مجاہدین ہمراہ تھے۔ ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا گیا ہے کہ سوار اسی تھے اور عام لشکر دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت بشیر بن عبد المنذر کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ حتیٰ کہ آپ قرقرہ الکرد پہنچ گئے۔ ابوسفیان اور اس کا نڈی دل لشکر چھپتے چھپاتے بھاگتے جا رہے تھے۔ وہ ستو کے تھیلے پھینکتے جا رہے تھے۔ یہی ان کا عام زادراہ تھا۔ مسلمان انہیں اٹھاتے جا رہے تھے۔ اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوة السویق پڑ گیا۔ ابوسفیان اور اس کا لشکر بھاگ گیا۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ اس مہم میں آپ کے پانچ روز صرف ہوئے۔ آپ مجاہدین کو لے کر واپس آ رہے تھے کہ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ ہم نبرد آڑ ماہوں؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“

غزوہٴ غطفان

اس غزوہ کو ذوا امر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کا لشکر ذوا امر کے مقام پر جمع ہو رہا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی اطراف پر حملہ آور ہوں۔ ان میں سے ایک شخص دغثور بن حارث انہیں جمع کر رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی۔ ۴۵۰ مجاہدین آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ ان کے پاس کئی گھوڑے تھے۔ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ انہیں رستہ میں ذوالقصہ کے مقام پر انہی میں سے ایک شخص ملا۔ اس کا نام جبار تھا۔ وہ بنو ثعلبہ میں سے تھا۔ مسلمانوں نے اس سے پوچھا: ”کہاں کا ارادہ ہے؟“ اس نے کہا: ”میں نوکری کی تلاش میں شرب جارہا ہوں۔ اسے حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس نے ان کے بارے بتایا۔ اس نے عرض کی: ”وہ کبھی بھی آپ کے ساتھ جنگ آزما نہیں ہوں گے۔ وہ آپ کے بارے سن کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں گے۔ میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے فوراً قبول کر لی۔ آپ نے اسے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ حضرت جبار آپ کو لے کر چلے اور فوراً دشمن تک پہنچا دیا۔ جب دشمن قوم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارے سنا تو فوراً پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ آپ ذوا امر چشمہ پر تشریف لے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت زیادہ بارش برسی۔ آپ کے اور صحابہ کرام کے کپڑے گیلے ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہو گئے۔ اپنے مبارک کپڑے خشک ہونے کے لیے پھیلا دیے۔ آپ آرام فرما ہو گئے۔ مشرکین یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مسلمان اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ مشرکین نے خود میں سے ایک بہادر شخص کو بھیجا جسے دغثور بن حارث کہا جاتا تھا۔ یہ ان کا سردار اور ان میں سے بہادر ترین شخص تھا۔ اس نے تلوار حمازل کی۔ دغثور نے جلدی کی اور تلوار لیے آیا۔ وہ تلوار سونت کر آپ کے سراقدس پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا: ”جان عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ۔“ حضرت جبرائیل امین نے اس کے سینے پر مارا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار پکڑی اور فرمایا: ”اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟“ اس نے کہا: ”کوئی بھی نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ بخدا!

اب میں کبھی بھی آپ کے خلاف لشکر کشی نہیں کروں گا۔“ حضور اکرم ﷺ نے اسے تلوار عطا کی۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ”مجھے کیا ہو گیا تھا؟“ اس نے کہا: ”میں نے ایک طویل شخص دیکھا۔ اس نے میرے سینے پر مارا۔ میں پشت کے بل گر پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ فرشتہ تھا۔ میں نے گواہی دے دی کہ محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ہیں میں ان کے خلاف کبھی بھی لشکر کشی نہیں کروں گا۔“ وہ اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلانے لگا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُروا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ
أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ؕ (المائدة: ١١)

ترجمہ: ”ایمان والو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے۔“

حضور اکرم مدینہ طیبہ واپس آگئے۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ اس مہم میں چند روز صرف ہوئے۔ ابو عمر نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سارا ماہ صفر نجد میں تشریف فرما رہے۔

تنبیہ

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ عنقریب غزوۃ ذات الرقاع میں بھی اسی طرح کا واقعہ آئے گا جس طرح کا واقعہ دشور کا تھا۔ شاید یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔ البدایہ میں ہے ”اگر یہ قصہ صحیح ہے تو پھر یہ اس واقعہ سے بالکل علیحدہ ہے۔ کیونکہ اس شخص کا نام غورث بن حارث تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ یہ اپنے دین پر ہی رہا تھا۔ لیکن اس نے آپ سے عہد کیا تھا کہ وہ آپ کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا۔“



گیارہواں باب

غزوة الفروع

اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ بنو سلیم کا کثیر لشکر جمع ہو رہا ہے۔ آپ تین سو مجاہدین کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت ابن مکتوم کو مقرر کیا۔ آپ نے روانگی کا سبب بیان نہ کیا۔ حتیٰ کہ جب آپ نجران سے ایک رات کی مسافت پر تھے۔ تو آپ کو بنو سلیم کا ایک شخص ملا۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ منتشر ہو چکے ہیں۔ آپ نے اسے ایک شخص کے ساتھ مجبوس کر دیا۔ جب آپ نجران پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ آپ کچھ دن وہاں قیام پذیر رہے۔ امام واقدی نے دس ایام کا قول کیا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے مہینے وہاں قیام پذیر رہے۔ پھر واپس آگئے۔ جنگ کی نوبت نہ آئی آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔



غزوہ بنی قینقاع

بنو قینقاع حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی قوم تھی۔ یہ غزوہ نصف شوال ہفتہ کے روز پیش آیا۔ آپ کی ہجرت کو تقریباً بیس ماہ گزر چکے تھے۔ یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن ابی کے حلیف تھے۔ یہ سارے یہودیوں سے بہادر تھے۔ یہ سونے کا کام کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد کفار آپ کے ساتھ تین کیفیات میں تھے۔

❖ ایک قسم کے ساتھ آپ نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ نہ تو آپ کے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ ہی آپ کے خلاف آپ کے دشمن کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ کرنے والے یہود کے تینوں گروہ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع تھے۔
❖ دوسری قسم نے آپ کے ساتھ عداوت کی۔ آپ کے خلاف جنگ کی۔ وہ قریش تھے۔

❖ تیسری قسم نے آپ کو چھوڑ دیا۔ وہ آپ کے انجام کے منتظر تھے۔ جیسے عرب کے دیگر قبائل۔ ان میں سے بعض آپ کے غلبہ کو پسند کرتے تھے۔ جیسے خزاعہ۔ بعض اس کے برعکس تھے جیسے بنو بکر۔ بعض ظاہری طور آپ کے ساتھ لیکن باطن دشمن کے ساتھ تھے۔ وہ منافق تھے۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے سارے یہودیوں سے معاہدہ کیا آپ کے اور ان کے مابین معاہدہ لکھا گیا۔ ہر قوم اپنے حلیف کے ساتھ مل گئی۔ آپ نے اپنے اور ان کے مابین امان نامہ لکھا۔ ان پر بہت سی شرائط عائد کیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ آپ کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔ جب غزوہ بدر رونما ہوا تو سب سے پہلے بنو قینقاع نے یہ عہد توڑا۔ سرکشی اور حسد کا اظہار کیا۔ انہوں نے وہ عہد توڑ دیا جو ان کے اور حضور اکرم ﷺ کے مابین تھا۔ آپ نے انہیں بنو قینقاع کے بازار میں جمع کیا۔ آپ نے فرمایا:

”اے گروہ یہود! اسلام لے آؤ۔ بخدا! تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول (مکرم) ہوں۔ اے گروہ یہود! رب تعالیٰ سے ڈرو کہیں تم پر بھی ایسا عذاب نازل نہ ہو جائے جیسا عذاب قریش پر اترا ہے۔ اسلام قبول کر لو۔ تم جانتے ہو میں نبی مرسل ہوں۔ تم میرا تذکرہ اپنی کتابوں میں پاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم

سے یہ عہد بھی لیا تھا۔“

یہودیوں نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! آپ ہمیں اپنی قوم کی مثل سمجھتے ہیں۔ آپ کو یہ امر دھوکہ میں نہ ڈال

دے۔“

آپ ایسی قوم سے نبرد آزما ہوئے ہیں۔ جو فن حرب سے نا آشنا تھی۔ آپ نے ان پر فتح پالی۔ بخدا! اگر آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کی تو آپ کو علم ہو جائے گا کہ ہم جنگی چالوں کے کتنے ماہر ہیں؟

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَ يُنْحَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۗ وَبئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۳﴾ قَدْ كَانَ

لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ (آل عمران: ۱۲، ۱۳)

ترجمہ: ”فرمادو ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ بے شک تمہارے لیے عبرت کا نشان تھا ان دو گروہوں میں جو ملے تھے

(میدان بدر میں) ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں۔“

اسی اثناء میں کہ وہ اسی حالت پر تھے۔ وہ عداوت کا اظہار کر رہے تھے۔ انہوں نے عہد توڑ دیا تھا کہ ایک عفت مآب مسلمان خاتون اپنا مال لے کر بنوقینقاع کے بازار میں گئی اس نے اپنا مال فروخت کیا پھر زیور کے لیے ایک سارے کے پاس بیٹھ گئی۔ یہودیوں کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے چہرے سے نقاب الٹ دے۔ مگر اس نے اس طرح نہ کیا۔ سارا پیچھے سے آیا اور اس کا کپڑا پیچھے سے کسی کانٹے کے ساتھ اوپر باندھ دیا۔ اس عفت مآب خاتون کو علم تک نہ تھا۔ جب وہ اٹھی تو اس کی شرم گاہ عریاں ہو گئی۔ یہ دیکھ کر یہود ہنسنے لگے۔ وہ باواز بلند چلائی۔ ایک مسلمان شخص اس سارے پر جھپٹا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہودی اس غیرت مند مسلمان پر چڑھ دوڑے اور اسے شہید کر دیا۔ انہوں نے وہ عہد توڑ دیا جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ مسلمانوں نے دیگر مسلمانوں سے یہودیوں کے خلاف مدد طلب کی۔ مسلمان سخت ناراض ہو گئے ان کے اور بنوقینقاع کے مابین جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

إِنَّمَا تَخَافَنَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٌ فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿۵۸﴾ (الانفال: ۵۸)

ترجمہ: ”اور اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر

بے شک اللہ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو۔“

آپ نے فرمایا: ”مجھے بنوقینقاع سے خدشہ ہے۔“ اس کی وجہ سے آپ ان کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے علمبردار

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کا جھنڈا سفید تھا۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس روز پرچم نہ تھا۔ آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ آپ نے ان کا شدید محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا۔ وہ آپ کے فیصلے پر راضی ہو گئے کہ ان کے اموال حضور اکرم ﷺ کے لیے ہوں گے۔ خواتین اور اولاد ان کے لیے ہوں گی۔ ان کی مشکیں کس دی گئیں۔ حضرت منذر بن قدامتہ کو ان پر نگران مقرر کیا گیا۔ حضرت عبادہ بن صامت بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ یہ بھی عبد اللہ بن ابی کی طرح ان کے حلیف تھے۔ انہوں نے یہود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے سپرد کر دیا۔ ان کی دوستی سے برأت کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول محترم ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ دوستی رکھتا ہوں۔ ان لوگوں کی دوستی سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان یہودیوں پر تسلط عطا کیا تو ابن ابی آپ کی خدمت میں آیا۔ عرض کی: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! میرے موالی پر رحم کریں۔ ان پر احسان کریں۔ وہ خزرج کے حلیف تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا۔ اس نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے موالی پر احسان فرمائیں۔ آپ نے اس سے اعراض کیا۔ اس نے پیچھے سے آپ کی زرہ کے دامن میں ہاتھ داخل کر لیا۔ اس زرہ کو ذات الفضول کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا "تیرے لیے ہلاکت! مجھے چھوڑ دے۔" حضور اکرم ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ غصے کے اثرات چہرہ انور سے عیاں تھے۔ آپ نے فرمایا: "تیرے لیے ہلاکت! مجھے چھوڑ دے۔" اس نے کہا: "بخدا! میں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ آپ میرے موالی پر احسان کریں۔ چار سو غیر زرہ پوش اور تین سو زرہ پوش مجھے ہر سرخ اور سیاہ سے بچاتے ہیں۔ کیا آپ ایک دن میں ان کی گردنیں اڑا دیں گے۔ میں وہ شخص ہوں جسے گردشِ دوراں کا خدشہ ہے۔" آپ نے فرمایا: "انہیں چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے ساتھ اس پر لعنت کرے۔" آپ نے ان کے قتل سے روک دیا اور انہیں مدینہ طیبہ سے جلاوطن ہو جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے تین روز کے بعد چلے جانا تھا۔ ان کی جلاوطنی پر حضرت عبادہ بن صامت کو نگران مقرر کیا گیا۔ دوسرے قول کے مطابق محمد بن مسلمہ نگران تھے۔ یہ یہودی اذرعات چلے گئے۔ وہاں انہیں تھوڑی سی مدت ہی ٹھہرنا نصیب ہوا۔ آپ نے وہاں سے تین کمائیں لیں۔ ایک کمان کو الکتوم کہا جاتا تھا۔ یہ احد کے روز ٹوٹ گئی۔ دوسری کو روجاء کہا جاتا تھا۔ تیسری کو ریضاء کہا جاتا تھا۔ آپ نے دوزر میں لیں۔ ایک کو صغدیہ اور دوسری کو فضہ کہا جاتا تھا۔ تین نیزے اور تین تلواریں لیں ان میں سے ایک سفید تلوار تھی دوسری تلوار کو بتار کہا جاتا تھا۔ تیسری کا کوئی نام نہ تھا۔ آپ نے ان کے گھر میں بہت سا اسلحہ دیکھا۔ سارے آلات دیکھے۔ آپ نے مال غنیمت میں سے اپنا حصہ اور خمس لے لیا۔ اس کے چار حصے صحابہ کرام میں تقسیم کر دیے۔ یہ غزوہ

بدر کے بعد پہلا خمس تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے ان کے اموال پر قبضہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبادۃ اور ابن ابی کے بارے میں یہ آیات طیبات نازل کیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ
 وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى
 الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ
 فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنفُسِهِمْ
 نَدِيمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۖ إِنَّهُمْ
 لَمَعَكُمْ ۗ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خُسِرِينَ ﴿٥٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ
 مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۖ أَذِلَّةٍ عَلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ
 أَعِزَّةٍ عَلَىٰ الْكَافِرِينَ ۗ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۗ ذَلِكَ فَضْلُ
 اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهُ
 وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾ (المائدہ: ۵۱-۵۶)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جس نے دوست بنایا تم میں سے وہ انہی میں سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔ سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق) کا مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرف کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ وہ وقت دور نہیں کہ جب اللہ تمہیں فتح کامل دے دے۔ یا ظاہر کر دے کامیابی کی کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا۔ اپنے دلوں میں نادم اور کہیں گے ایمان والوں کو کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں اللہ کی سختی سے سختی کہ وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں۔ اکارت گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وہ نقصان اٹھانے والے۔ اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے سو لے آئے گا اللہ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے۔ اللہ ان سے۔ اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے۔ ایمان داروں کے لیے۔ بہت سخت ہوں گے۔ کافروں پر۔ جہاد کریں گے۔ اللہ کی راہ میں اور

نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے اور یہ اللہ کا فضل ہے نوازتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ وسعت بخشنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے تمہارا مددگار صرف اللہ اور اس کا رسول ہے۔ ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور بارگاہ الہی میں جھکنے والے ہیں۔ جس نے مددگار بنایا اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔“

تنبیہات

❖ امام بیہقی اور امام بخاری نے بنونضیر کا واقعہ غزوہ احد کے بعد ذکر کیا ہے۔ البدایہ میں ہے کہ اس کو بعد میں ذکر کرنا ہی مناسب ہے۔ جیسے کہ ابن اسحاق دیگر آئمہ نے ذکر کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بنونضیر کے محاصرہ کے دوران شراب حرام ہوئی۔ صحیح میں ہے کہ غزوہ احد میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبح شراب پی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس وقت شراب حلال تھی۔ یہ اس کے بعد حرام ہوئی اس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ بنونضیر کا واقعہ غزوہ احد کے بعد رونما ہوا تھا۔

❖ حاکم نے لکھا ہے کہ بنوقینقاع اور بنونضیر کی جلاوطنی ایک ہی زمانہ میں ہوئی تھی۔ لیکن یہ موقف درست نہیں۔ کیونکہ بنونضیر کی جلاوطنی غزوہ بدر سے چھ ماہ بعد ہوئی تھی۔ یہ حضرت عروہ کا قول ہے۔ جیسے کہ امام بخاری نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ عبدالرزاق نے ان سے متصل روایت لکھی ہے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر سے طویل مدت بعد رونما ہوا تھا۔ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ بزمعونہ کے واقعہ کے بعد چار ہجری میں رونما ہوا تھا۔ جبکہ بنوقینقاع کا واقعہ دو ہجری ماہ شوال میں رونما ہوا تھا۔



غزوہ احد

اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں قریش کے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بقیہ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے مکہ مکرمہ آگئے تھے۔ ابوسفیان ان کا قافلہ لے آیا تھا اسے دارالندوہ میں رکھ دیا تھا۔ وہ اسی طرح کرتے تھے۔ اس کو نہ بلایا تھا نہ تقسیم کیا تھا۔ ان کے سرداروں نے چاہا کہ وہ اس سے ایک لشکر جرار تیار کریں۔ تاکہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کریں۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، خویطب بن عبد العزیٰ، صفوان بن امیہ اور دیگر وہ افراد جن کے باپ، بیٹے اور بھائی جنگ بدر میں تہ تیغ ہو گئے تھے۔ وہ ابوسفیان کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: ”محمد عربی ﷺ نے تمہیں برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ تمہارے بہترین سرداروں کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ اس مال سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم ان کے ساتھ جنگ کریں۔ شاید ہم اس ہزیمت کا بدلہ ان سے لے سکیں۔ ابوسفیان نے کہا: ”میں سب سے پہلے اس صدا پر لبیک کہتا ہوں۔“

علامہ بلاذری نے لکھا ہے ”نہیں! بلکہ ابوسفیان خود چل کر ان افراد کے پاس گیا تھا اور ان سے بات چیت کی تھی اس کارواں میں ایک ہزار اونٹ تھے۔ پچاس ہزار دینار تھے۔ انہوں نے اہل کارواں کو ان کا اصل سرمایہ واپس کر دیا اور نفع رکھ لیا۔ وہ ایک دینار سے ایک دینار نفع حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے پچیس ہزار دینار حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مختص کیے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾

(الانفال: ۳۶)

ترجمہ: ”بے شک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اور یہ آئندہ بھی اسی طرح خرچ کریں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لیے باعث حسرت و افسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ اکٹھے ہوں گے دوزخ کی طرف۔“

قریش نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر اتفاق کر لیا۔ عمرو بن عاص، عبد اللہ بن زبیری بصرہ بن ابی وہب، مسافع بن عبد مناف اور ابو عزرہ عرب کے پاس گئے۔ ابو عزرہ پر حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر میں احسان کیا تھا اور اسے فدیہ کے بغیر رہا کیا تھا۔ انہوں نے انہیں ترغیب دی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کریں۔ عرب نے ان کی اس صدا پر لبیک کہا۔ لشکر جمع ہونے لگے ان کا قائد ابوسفیان تھا۔ انہوں نے قریش، حلیفوں اور حاجات سے تقریباً تین ہزار کا لشکر جراتیار کیا جس میں سات سوزرہ پوش تھے۔ دو سو گھڑ سوار تھے۔

حضرت عباس نے حضور اکرم ﷺ کی طرف مکتوب گرامی لکھا۔ تاکہ حضور اکرم ﷺ کو ان حالات سے آگاہ کریں۔ یہ خط بنو غفار کے ایک شخص کے ہاتھوں بھیجا۔ جب قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ قباء میں تھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ خط پڑھ کر سنایا۔ آپ نے ان سے کہا کہ اس خط کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔ آپ حضرت سعد بن ربیع کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں حضرت عباس کے خط کے بارے بتایا۔ فرمایا: ”بخدا! مجھے امید ہے کہ اچھا ہی ہوگا۔ اس خط کو مخفی رکھنا۔“ جب حضور اکرم ﷺ حضرت سعد کے ہاں سے تشریف لے گئے تو ان کی زوجہ ان کے پاس آئیں۔ انہوں نے کہا: ”حضور اکرم ﷺ نے ابھی ابھی تمہیں کیا بتایا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”تمہاری ماں تم پر روئے! تمہیں اس سے کیا سروکار!“ اس نے کہا: میں تمہاری باتیں سن رہی تھی۔ اس نے حضرت سعد کو وہ ساری باتیں بتادیں۔ انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ پھر اپنی زوجہ کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ سے ملاقات کی اور اس کی بات بتادی۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ! مجھے اندیشہ ہے کہ یہ خبر پھیل جائے گی آپ سمجھیں گے کہ میں نے یہ خبر پھیلانی ہے حالانکہ آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے مخفی رکھوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو۔“

کفار قریش کا مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہونا

وہ پانچ شوال کو مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ وہ اپنے ہمراہ خواتین بھی لے کر آئے تھے تاکہ وہ راہ فرار اختیار نہ کریں۔ ابوسفیان اپنی زوجہ ہند بنت عتبہ کو لے نکلا۔ اسی طرح سارے سرداران قریش اپنی اپنی بیویوں کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ ان کے ساتھ دف بھی تھے۔ وہ مقتولین بدر پر رو رہی تھیں۔ جبیر بن مطعم نے اپنے حبشی غلام کو بلایا جسے وحشی کہا جاتا تھا وہ حبشیوں کی طرح نیزہ پھینکنے کا ماہر تھا۔ اس کا نشانہ کم ہی خطا جاتا تھا۔ جبیر نے اسے کہا: ”لوگوں کے ساتھ نکلوا اگر تم نے محمد عربی ﷺ کے چچا کو میرے چچا طعمہ کے بدلے میں قتل کر دیا تو تو آزاد ہے۔“ صند جب بھی وحشی کے پاس سے گزرتی وہ کہتی: ”ابو دسمہ! ہمیں بھی شفاء دو خود بھی شفاء حاصل کرو۔“ وحشی کی کنیت ابو دسمہ تھی۔

ابوعامر فاسق عبد عمرو بن صیفی پچاس منافقین کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف نکلا اس نے قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے پر ابھارا۔ وہ ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ ان کا گمان تھا کہ اس کی قوم اس کی مدد کرے گی۔ جب قریش الالبواء کے مقام سے گزرے تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر انور اکھیر نے کا ارادہ کیا پھر رب تعالیٰ نے انہیں یوں کرنے سے روک دیا۔

ابوالولید نے ہشام بن عاصم سے روایت کیا ہے کہ جب قریش غزوہ احد کے لیے عازم سفر ہوئے۔ وہ الالبواء اترے۔ ہند بن عتبہ نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر الالبواء میں ہے۔ کیا تم ان کی والدہ کی قبر انور اکھیر نہیں سکتے اگر تم میں سے کوئی گرفتار ہو گیا تو ہم ہر ہر عضو کے بدلے میں ایک ایک انسان کو آزاد کرا لیں گے۔ ابوسفیان نے اس بات کا تذکرہ قریش سے کیا اور کہا: ”یہ عمدہ رائے ہے۔“ قریش نے کہا: ”یہ دروازہ نہ کھولو تا کہ بنو بکر ہمارے مردوں کے ساتھ اس طرح نہ کریں۔“ قریش کی روانگی کی خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ یہودی اور منافقین مختلف افواہیں پھیلانے لگے۔ عمرو بن سالم ایک گروہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ذی طوی کے مقام سے قریش سے جدا ہو چکے تھے۔ انہوں نے سارے حالات آپ کے گوش گزار کیے۔ پھر واپس چلے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس اور حضرت موسیٰ کو بھیجا۔ اس روز جمعرات کی رات تھی۔ شوال کے کئی دن گزر چکے تھے۔ وہ عقیق کے مقام پر قریش سے ملے پھر واپس آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حالات بتا دیے۔ انہوں نے عریض کی وادی میں اپنے اونٹ اور گھوڑے کھول رکھے تھے۔ وہ اس کا سارا سبزہ کھا گئے تھے۔ قریش بدھ کے روز مدینہ طیبہ کے سامنے وادی قناتہ میں اترے۔ جمعرات اور جمعہ کے روز ان کے اونٹ اس وادی کا سبزہ کھاتے رہے۔ انہوں نے سبزہ نہ چھوڑا۔ آپ نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے ان کا جائزہ لیا۔ پھر واپس آ گئے۔ انہوں نے ان کی تعداد اور سامان کا اندازہ لگایا۔ آپ نے فرمایا: ”ان کے بارے ایک حرف تک کسی کو نہ بتانا۔“ حسبن اللہ و نعم الوکیل اللهم بک اجول و بک اصول“ اوس اور خزرج کے جوانوں نے ساری رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد نبوی کا پہرہ دیتے ہوئے گزار دی انہوں نے صبح تک مدینہ طیبہ کی نگرانی کی۔

آپ کا خواب

ابن اسحاق، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، ابن ماجہ، امام بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ الاشعری سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں مکہ مکرمہ سے کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ میرا گمان اس طرف گیا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے وہ تو مدینہ النبی یشرب ہے۔ میں نے خواب دیکھا کہ میری تلوار کی دھار

پر دندانے پڑ چکے ہیں۔ اس کا پھل ٹوٹ گیا ہے یا میری تلوار کی دھار ٹوٹ گئی ہے۔“ اس سے مراد وہ نقصان ہے جو غزوہ احد میں مسلمانوں کو ہوا تھا۔ عروہ نے کہا ہے ”آپ نے جو کچھ تلوار کے دندانوں کے بارے دیکھا تھا اس سے مراد آپ کا چہرہ انور کا زخمی ہونا تھا۔“ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ تلوار کے دندانوں سے مراد یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی شہید ہوگا۔“ پھر میں نے اسے بلایا تو وہ پہلے سے عمدہ ہو گئی۔“ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح آجانا اور مسلمانوں کا ایک بات پر اتفاق کر لینا ہے۔“ میں نے خواب میں دیکھا ہے اللہ بہتر کرے گا۔ میں نے دیکھا کہ ایک گائے کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ اللہ بہتر کرے گا۔ اس سے مراد اس غزوہ میں اہل ایمان کا مقام شہادت پر فائز ہونا ہے۔ اس کے بعد رب تعالیٰ کی طرف سے بھلائی آگئی۔ اس صدق کا اجر آگیا جو غزوہ بدر کے بعد ہمارے پاس آیا ہے۔

امام احمد، امام نسائی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو غزوہ بدر میں ذوالفقار تلوار مال غنیمت میں ملی۔ آپ نے احد کے روز اس کے بارے خواب دیکھا تھا۔ آپ نے ہتھیار زیب تن فرمانے سے قبل فرمایا تھا: ”میں نے خود کو دیکھا ہے کہ میں محفوظ زرہ میں ہوں۔ میں نے اس کی تعبیر مدینہ طیبہ سے کی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ میں مینڈھے کے پیچھے سوار ہوں۔ میں نے اس سے مراد لشکر کا سردار لیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی ہے۔ میں نے یہ تاویل کی ہے کہ تم سے کمزوری ظاہر ہوگی۔ میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔ گائے! اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔“

امام احمد، الطبرانی، حاکم، بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے یوں دیکھا جس طرح کہ ایک خواب دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ گویا کہ میں مینڈھے کے پیچھے بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار کی دھار ٹوٹ گئی ہے۔ میں نے اس کی تاویل یہ کی ہے ہم قوم کے بہادر شخص کو قتل کریں گے اور میرے اہل بیت میں سے ایک شخص شہید ہوگا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سراقس پر شہادت کا تاج سجا۔ طلحہ بن ابی طلحہ قتل ہوا وہ مشرکین کا علمبردار تھا۔“

امام احمد، امام نسائی، دارمی اور ضیاء المقدسی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ گویا میں مضبوط زرہ میں ہوں۔ میں نے دیکھا کہ گویا گائے ذبح کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔“

طبرانی، بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جب ابوسفیان اور اس کا لشکر آیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی ہے۔ اس سے مراد کسی مصیبت کا سامنا کرنا ہے۔“

میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے۔ یہ بھی مصیبت کی علامت ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں نے زرہ پہن رکھی ہے۔ اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے وہ اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ ان شاء اللہ!

امام بیہقی نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ آپ کی تلوار کو دندا نے لگنے سے مراد آپ کا چہرہ انور کا زخمی ہو جانا ہے۔ ابن عقبہ، ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ خواب جمعہ کے روز دیکھا تھا۔ وقت صبح آپ کے صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر ان کے لیے خواب بیان کیا۔ پھر فرمایا: "اگر تم پسند کرو تو مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہرے رہو۔ ہم خواتین اور بچوں کو گھروں میں بھیج دیں گے۔ اگر وہ یوں ٹھہرے رہے تو انہیں مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر وہ شہرِ خواباں کے اندر آگئے تو ہم گلی کوچوں میں ان کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ ہم ان سے خوب آگاہ ہیں۔ ہم انہیں بلند مکانوں اور اونچے ٹیلوں سے ماریں گے۔ مدینہ طیبہ کو چاروں اطراف سے عمارات نے گھیر رکھا تھا۔ یہ قلعہ کی مانند ہو گیا تھا۔ جو رائے حضور اکرم ﷺ کی تھی وہی رائے مہاجرین اور انصار میں سے اکابر صحابہ کرام کی تھی۔ ابن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت جن میں نو عمر جوان تھے۔ جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ وہ شہادت اور دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی تمنا رکھتے تھے۔ رب تعالیٰ نے غزوہ احد میں ان کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں لے کر دشمن کی طرف نکلیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ ہم نے بزدلی دکھائی ہے۔" ابن ابی نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہرے رہیں۔ آپ باہر نہ نکلیں۔ بخدا! ہم جب بھی باہر نکل کر دشمن سے جنگ آزما ہوتے ہیں۔ ہمیں نقصان ہوا ہے۔ جب بھی دشمن ہمارے شہر میں داخل ہوا۔ اسے نقصان اٹھانا پڑا۔ حضور والا! انہیں چھوڑ دیں۔ اگر وہ ٹھہرے رہے تو وہ برے حالات میں ٹھہریں گے۔ اگر وہ مدینہ طیبہ آگئے تو مردان کے سامنے سے مقابلہ کریں گے۔ بچے اوپر سے انہیں پتھر ماریں گے۔ وہ اسی طرح غائب و خاسر لوٹ جائیں گے جس طرح آئے ہیں۔" حضرات حمزہ، سعد بن عبادہ، نعمان بن مالک اور انصار کے ایک گروہ نے کہا: "یا رسول اللہ! ہمیں خدشہ ہے کہ دشمن سمجھے گا کہ ہم بزدلی کی وجہ سے ان کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلے۔ وہ ہم پر جرات کرے گا۔ غزوہ بدر میں آپ کے ہمراہ تین سو مجاہد تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح یاب کیا۔ آج ہماری تعداد کثیر ہے۔ ہم تو اس دن کی تمنا کرتے تھے۔ رب تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے۔ رب تعالیٰ انہیں چلا کر ہمارے صحن میں لے آیا ہے۔" جب آپ نے ان کا یہ اصرار دیکھا تو آمادگی کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے اسلحہ بھی زیب تن کر رکھا تھا۔

ایاس بن اوس نے کہا: "ہم بنو عبد الاشہل ہیں ہم امید رکھتے ہیں کہ ذبح ہونے والی گائے ہم ہی ہوں۔" ایک اور صحابی نے عرض کی: "یہ دو بھلائیوں میں ایک بھلائی ہوگی۔ یا فتح یا شہادت۔ بخدا! اہل عرب یہ طمع نہیں کر سکیں گے کہ ہمارے

گھروں میں گھس آئیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے۔ میں آج کھانا نہیں کھاؤں گا حتیٰ کہ میں مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر دشمن سے اپنی تلوار کے ساتھ جنگ نہ کر لوں۔“ انہوں نے بروز جمعۃ المبارک اور بروز ہفتہ روزہ رکھا۔ حضرت نعمان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں جنت سے محروم نہ کریں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں ضرور جنت میں داخل ہوں گا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ذرا ٹھہرو!“ انہوں نے عرض کی: ”میں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد رسول اللہ! میں جنگ کے روز راہ فرار اختیار نہیں کروں گا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے سچ کہا ہے۔“ اس روز انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت مالک بن سنان، حضرت ایاس بن عتیک اور ایک گروہ نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے پر ابھارا۔ جب ان کا اصرار بڑھا تو آپ نے لوگوں کو نماز جمعۃ پڑھائی انہیں وعظ و نصیحت سے نوازا۔ کوشش اور جدوجہد کا حکم دیا۔ انہیں بتایا کہ نصرت انہی کے لیے ہیں جب تک انہوں نے صبر کا دامن پکڑے رکھا۔ صحابہ کرام دشمن کی طرف نکلنے پر خوش ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے اسے ناپسند بھی کیا۔ آپ نے لوگوں کو نماز عصر پڑھائی۔ صحابہ کرام جمع ہو چکے تھے۔ بالائی علاقوں کے لوگ بھی آچکے تھے۔ انہوں نے اپنی خواتین کو گڑھیوں میں بھیج دیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے آپ کو عمامہ باندھا۔ ہتھیار سجانے میں آپ کی مدد کی۔ لوگوں نے آپ کے حجرہ مقدسہ سے لے کر منبر شریف تک صفیں بنا رکھی تھیں۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر نکلنے کے منظر تھے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر آئے۔ انہوں نے صحابہ کرام سے کہا: ”تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کیا ہے اور وہ کچھ کہا ہے جو کہا ہے۔ آپ پر آسمانوں سے وحی آتی ہے۔ معاملہ کو آپ کی طرف ہی لوٹا دو۔ جو تمہیں دیں وہ کر گزرو۔ جس امر میں آپ کی رائے اور تمنا ہو اس کی اطاعت کرو۔“ اسی اثناء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ کمر مبارک کے ارد گرد کمر بند باندھا ہوا تھا۔ تلوار حائل کی ہوئی تھی۔ عمامہ شریف باندھ رکھا تھا۔ لوگ اس امر پر نادام تھے جو آپ کو مجبوراً باہر نکال رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو مجبور کیا ہے۔ یہ ہمارے لیے روانہ تھا۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو ہمیں ٹھہر جائیں۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے تمہیں اسی امر کی طرف بلایا تھا لیکن تم نے انکار کر دیا تھا۔ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ باز نہیں کہ وہ ہتھیار سجا کر انہیں اتار دے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے مابین فیصلہ کر دے۔ اس نے جو تمہیں حکم دیا ہے اسے دیکھو اور اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ رب تعالیٰ کے مبارک نام کے ساتھ عازم سفر ہو

جاؤ۔ جب تک تم نے صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ تمہاری نصرت ہی کی جائے گی۔“ صحابہ کرام نے دیکھا کہ مالک بن عمرو یا محرز بن عامر کا وصال ہو چکا تھا۔ انہوں نے انہیں جنازہ گاہ میں رکھا۔ آپ نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ آپ نے تین نیزے منگوائے۔ تین جھنڈے باندھے اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر کے سپرد کیا۔ خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر کو دیا یا حضرت سعد بن عبادہ کو دیا۔ جبکہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ میں اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم بنی سہم کو بنایا۔

سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی احد کی طرف روانگی

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے ”السب“ پر سوار ہوئے، کمان لٹکائی۔ ہاتھ میں نیزہ تھاما۔ مسلمانوں نے ہتھیار سجا رکھے تھے۔ ان میں ایک سوزرہ پوش تھے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ آپ کے آگے آگے بھاگتے جا رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے زرہ پہن رکھی تھی۔ صحابہ کرام آپ کے دائیں اور بائیں تھے۔ ثنیہ کی چوٹی پر جا کر آپ نے ایک لشکر دیکھا۔ جو ہتھیار سجائے شور و غل کرتا ہوا آ رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ”یہ کون ہیں؟“ صحابہ کرام نے عرض کی: ”یہ عبد اللہ بن ابی کے یہودی حلیف ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟“ صحابہ کرام نے عرض کی: ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”بم اہل شرک سے اہل شرک کے خلاف مدد نہیں کریں گے۔“ آپ آگے روانہ ہو گئے۔ آپ دو ٹیلوں ”شیخین“ کے پاس جا کر رک گئے۔ آپ پر آپ کا لشکر پیش کیا گیا۔ چھوٹے بچوں کو واپس کر دیا گیا۔ امام شافعی نے شیخ نجم الدین القموی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے سترہ بچوں کو واپس بھیج دیا۔ ان کی عمریں ۱۴، ۱۴ سال تھیں۔ کیونکہ وہ بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ آپ کی خدمت میں پندرہ سالہ جوان پیش کیے گئے۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ وہ درج ذیل حضرات تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ بن زید، حضرت نعمان بن بشیر (ان کے بارے اختلاف ہے کیونکہ ان کی ولادت ہجرت کے دوسرے سال ہوئی تھی) حضرت زید بن ارقم، حضرت براء بن عازب، حضرت رافع بن خدیج، حضرت اسید بن حضیر، حضرت عرابہ بن اوس، حضرت ابو سعید خدری، حضرت اوس بن ثابت، حضرت سعد بن جبیر، حضرت سعید بن جبہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا یہ سخت قتال کر رہے تھے۔ آپ نے ان کے لیے دعا کی۔ سر پر دست اقدس پھیرا۔ ان کی نسل اور اولاد میں برکت کی دعا کی۔ یہ چالیس افراد کے چاچا چالیس کے بھائی اور بیس افراد کے باپ تھے۔ امام قاضی ابو یوسف انہی کی اولاد میں سے تھے) حضرت سعد بن عقیب، حضرت زید بن جبار، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت سمرة

بن جنذب رضی اللہ عنہ۔ پھر آپ نے حضرت رافع بن خدیج کو اجازت دے دی۔ جب آپ سے عرض کی گئی کہ وہ تیر اندازی کر لیتے ہیں۔ حضرت سمرہ بن جنذب نے اپنے سوتیلے باپ مزی بن سنان سے کہا: ”حضور اکرم ﷺ نے حضرت رافع کو اجازت دے دی ہے۔ مجھے واپس کر دیا ہے حالانکہ میں انہیں پچھاڑ سکتا ہوں۔“ آپ کو یہ عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا: ”ان کی کشتی کرا لو۔“ حضرت سمرہ نے حضرت رافع کو پچھاڑ دیا۔ ان کو بھی اجازت مل گئی۔ ابن ابی ایک طرف فروکش ہوا۔ جب یہ معاملہ ختم ہو گیا تو سورج غروب ہو گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آذان مغرب دی۔ آپ نے صحابہ کرام کو نماز مغرب پڑھائی۔ پھر انہوں نے نماز عشاء کے لیے آذان دی۔ آپ نے انہیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ شیخین کے پاس رات بسر کی۔ پچاس مجاہدین پر حضرت محمد بن مسلمہ کو نگران مقرر کیا۔ جو لشکر کے ارد گرد چکر لگاتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”آج ہماری حفاظت کون کرے گا۔“ حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ اٹھے۔ اپنی زرہ پہنی ڈھال لی اور ساری رات آپ کی نگرانی کرتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ وقت سحر تک سوئے رہے۔ آپ نے نماز صبح پڑھی۔ آپ نے فرمایا: ”رستہ بتلانے والے کہاں ہیں؟ کون ہے جو ہمیں ٹیلے کی اس طرف سے لے کر جائے کہ کفار ہمیں نہ دیکھ سکیں۔“ حضرت ابوخیثمہ حارثی اٹھے۔ (ابن سعد نے انہیں حشمہ لکھا ہے۔ ابوالفتح نے اس کی تصویب کی ہے۔ الحافظ نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ اس پر صرف ابو عمر کا یہ قول دلالت کر رہا ہے۔“ صحابہ کرام میں ابوخیثمہ کے علاوہ اور کوئی صحابی نہیں ہے۔ وہ جعفری ساعی ہیں۔“ لیکن اس حصر میں بھی اختلاف کی گنجائش ہے) انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں“ وہ آپ کو بنو حارثہ کی چٹان اور ان کے اموال کے مابین لے کر چلے۔ حتیٰ کہ وہ مربع کے چشمہ میں سے چلے۔ وہ منافی اور بصارت کا اندھا تھا۔ جب انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے چلنے کی آہٹ سنی تو وہ ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگا۔ اس نے کہا: ”اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو تو پھر میں آپ کو اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دوں گا۔“ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے ہاتھوں میں مٹی بھر مٹی لی۔ اس نے کہا: ”اگر مجھے علم ہوتا کہ یہ آپ کے علاوہ کسی اور پر نہیں گرے گی۔ تو آپ کے چہرے پر پھینک دیتا۔“ صحابہ کرام اس کی طرف سے جلدی سے گئے تاکہ اسے تہ تیغ کریں۔ آپ نے فرمایا: ”اسے قتل نہ کرو یہ دل کا بھی اندھا ہے اور بصارت کا بھی۔“ حضرت سعد بن زید اشہلی جلدی سے حضور ﷺ کے منع کرنے سے قبل اس کی طرف گئے۔ اسے کمان ماری اور زخمی کر دیا۔ بنو حارثہ ان سے ناراض ہو گئے۔ یہ اس کی قوم تھے۔ ان کی رائے بھی یہی تھی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے ان کا ارادہ کیا۔ حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے اشارہ کیا تو وہ رک گئے۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے نے اپنی دم سے مکھیاں دور کیں۔ دم ان کی تلوار کے دستے کی میخ کو لگی۔ وہ تلوار کھل گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ آپ عمدہ فال پسند کرتے تھے۔ اے تلوار والے! اپنی تلوار کو نیام میں کر لو۔ عنقریب آج تلواریں بے نیام ہوں گی۔ کثرت سے شمیر زنی ہوگی۔“

ابن ابی کا اپنے افراد سمیت الگ ہو جانا

جب سہ سالار اعظم شوط کے مقام پر پہنچے تو ابن ابی لوگوں کے ایک تہائی حصہ کو لے کر الگ ہو گیا۔ وہ شتر مرغ کی طرح بھاگا۔ اس نے کہا: ”انہوں نے ایسے بچوں کی رائے پر عمل کیا ہے جن کی رائے ہے ہی نہیں۔ میری بات نہیں مانی۔ اے لوگو! مجھے علم نہیں کہ ہم خود کو ان حالات میں موت کی وادی میں کیوں پھینکیں۔ منافقین اور متردد لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ حضرت عبداللہ بن حزام رضی اللہ عنہما ان کے پیچھے گئے۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ تم اس وقت اپنی قوم کو اور حضور اکرم ﷺ کو رسوا نہ کرو جبکہ دشمن کا سامنا ہو رہا ہے۔ اے قوم! آؤ! راہ خدا میں قتال کرو یا دفاع کرو۔“ انہوں نے کہا: ”اگر ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ہم تمہارا ساتھ نہ چھوڑتے۔ لیکن یہ جنگ ہرگز نہیں ہوگی۔ اگر تم بھی ہماری پیروی کرو تو ہمارے ساتھ لوٹ چلو۔“ جب منافقین نے ان کی نافرمانی کی اور انکار کر دیا تو انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو تم سے مستغنی کر دے گا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ

(آل عمران: ۱۷۹)

ترجمہ: ”نہیں ہے اللہ کی (شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے۔“

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی وہی مراد میں:

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۖ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا ۗ

قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعُنْكُمُ ۗ هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۗ

يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿۱۶۷﴾ (آل عمران: ۱۶۷)

ترجمہ: ”اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے۔ اور کہا گیا ان سے آؤ! اللہ کی راہ میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) تو

بولے کہ اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے وہ کفر سے اس روز زیادہ قریب

تھے۔ بہت ایمان کے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں ان کے دلوں میں اور اللہ

تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔“

حضرت عروہ اور موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ جب ابن ابی نے حضور اکرم ﷺ کو چھوڑ دیا تو بنو سلمہ اور

بنو حارثہ کے پاؤں کچھ دیر کے لیے ڈگمگائے کہ وہ نبرد آزما ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدم فرما دیا۔ اس لیے اس نے فرمایا:

إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٌ مِّنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۗ وَاللَّهُ وَلِيٌّ لِّمُهَآءٍ (آل عمران: ۱۴۴)

ترجمہ: ”جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا۔“

حضرت سعید بن منصور، عبد بن حمید، امام مسلم، امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ ان کے پاؤں نہیں ڈگمگائیں گے کیونکہ اس نے فرمایا تھا: ”واللہ ولیہما“

ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہیں۔ انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ جب ابن ابی واپس آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔

امام مسلم، امام بخاری نے حضرت زید بن ثابت سے اور ابن اسحاق نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف نکلے۔ آپ کے ساتھ منافق لوگ بھی نکلے۔ وہ واپس آگئے۔ صحابہ کرام کے ان کے بارے میں دو گروہ بن گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: ”ہم ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔“ دوسرے نے کہا: ”ہم ان کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرَّ كَسْهُمَ بِمَا كَسَبُوا ۗ (النساء: ۸۸)

ترجمہ: ”سو کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں (تم) دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو انہوں نے کیے۔“

ان کے اعمال کی وجہ سے رب تعالیٰ نے ان کو کفر کی طرف لوٹا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ طیبہ ہے یہ خبیثہ کو یوں نکال پھینکتا ہے۔ جس طرح آگ چاندی کی میل پچیل کو نکال دیتی ہے۔“

امام زحری نے روایت کیا ہے کہ جب ابن ابی واپس آ گیا تو انصار نے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے حلیف یہودیوں سے مدد طلب کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔“ جمہور علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سات سو مجاہدین کے ساتھ رہے۔ صرف آپ کا یا ابن ابی بردہ کا گھوڑا تھا۔ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ اس روز مسلمانوں کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ پہاڑ کی طرف احد کے دامن میں نزول اجلال فرمایا۔ کوہ احد کو اپنی کمر کے پیچھے رکھا۔ آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف رخ انور کیا۔ کوہ عینین کو اپنے دائیں طرف رکھا۔ احد کے دامن میں مسلمانوں نے صفیں

باندھ لیں۔ ہفتہ کے روز نماز کا وقت ہو گیا۔ مسلمان مشرکین کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اقامت بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز صبح پڑھائی۔

آپ کا خطبہ اور جنگ کی تیاری

محمد بن عمر اسلمی نے فرمایا ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے۔ لوگوں کو خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا:

”اے لوگو! میں تمہیں وہی وصیت کرتا ہوں جس کی وصیت اس نے مجھے اپنی کتاب میں کی ہے۔ اس نے مجھے اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ حرام امور سے بچنے کی وصیت کی ہے۔ آج تم اجر و ثواب کی منزل پر ہو۔ جس نے اسے یاد رکھا۔ پھر اس نے اپنے نفس کو صبر، یقین، جدوجہد اور نشاط کا عادی بنایا۔ دشمن سے مصروف پیکار ہونا بہت مشکل ہے کم لوگ ہی اس پر صبر کرتے ہیں۔ مگر جسے رب تعالیٰ اپنی ہدایت عطا کر دے۔ رب تعالیٰ کی معیت اسے حاصل ہوتی ہے۔ جو اس کی اطاعت بجالاتا ہے۔ جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ اعمال کا آغاز جہاد پر صبر کے ساتھ کرو۔ اس سے اس چیز کو تلاش کرو۔ جو رب تعالیٰ نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے۔ جس چیز کا اس نے حکم دیا ہے اسے لازم پکڑو۔ میں تمہاری ہدایت کا حریص ہوں۔ باہمی اختلاف، لڑائی اور پست ہمتی عاجزی اور کمزوری کی نشانیاں ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اس پر وہ نصرت اور فتح مندی عطا نہیں کرتا۔ اے لوگو! یہ چیز میرے سینہ میں تازہ ڈالی گئی ہے کہ جو شخص حرام امور سرانجام دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے مابین تفریق ڈال دیتا ہے۔ جو اس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے رب تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ جو میری جناب میں ایک دفعہ درود پاک عرض کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اور اس کے فرشتے دس بار اس پر درود بھیجتے ہیں۔ جو کسی مسلمان یا کافر پر احسان کرتا ہے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ وہ اسے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعۃ المبارک فرض ہے مگر بچہ، عورت، مریض اور غلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جو اس سے مستغنی ہوتا ہے رب تعالیٰ اس سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ وہ غنی اور حمید ہے۔ میں کسی ایسے عمل کو نہیں جانتا جو تمہیں رب تعالیٰ کے قریب کر دے مگر میں نے اس کا تمہیں حکم دے دیا ہے۔ میں کسی ایسے عمل کو نہیں جانتا جو تمہیں آگ کے قریب کر دے۔ مگر میں نے تمہیں اس سے منع کیا ہے۔

روح الامین حضرت جبرائیل نے یہ بات میرے دل میں ڈال دی ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرتا حتیٰ کہ وہ اپنے رزق کا آخری لقمہ بھی حاصل کر لے۔ اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔ اگر اس میں تاخیر ہو جائے تو اپنے رب سے ڈرو۔ تلاش رزق میں اچھے وسائل تلاش کرو۔ اس کا تاخیر سے آنا تمہیں اس امر پر نہ ابھارے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اسے تلاش کرو۔ جو کچھ اس کے پاس ہے اسے اس کی اطاعت ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس نے تمہارے لیے حلال اور حرام کو بیان کر دیا ہے۔ لیکن ان کے مابین کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ مگر جسے رب تعالیٰ بچا لیتا ہے۔ جو مشتبہ اشیاء کو ترک کرتا ہے اس کی عزت اور دین محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو اس میں گرتا ہے وہ اس پر واہے کی طرح ہوتا ہے جو چراگاہ کے ساتھ چراتا ہے۔ قریب ہے کہ وہ اس میں گر پڑے۔ ہر بادشاہ کی محفوظ چراگاہ ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ اس کے حرام کردہ امور ہیں۔ مؤمنین میں سے ہر ایک مومن اس طرح ہے جس طرح جسم کا سر ہوتا ہے۔ جب سر میں تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو اذیت پہنچتی ہے۔ السلام علیکم!

حضور اکرم ﷺ نے قتال کی تیاری کی۔ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی اس وقت تک جنگ کی ابتداء نہ کرے حتیٰ کہ ہم اسے قتال کا حکم دیں۔ قریش نے اپنے اونٹ اور گھوڑے مسلمانوں کے کھیتوں میں چرنے کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ یہ کھیت "الصمغہ" کے مقام پر تھے۔ ایک انصاری شخص نے کہا: "کیا تم بنو قیلہ کے کھیتوں میں جانور چراتے ہو؟" جب جنگ کی تیاری ہو رہی تھی تو حضور نبی کریم ﷺ نے تیرانداز دستے پر حضرت عبداللہ بن جبیر کو امیر مقرر کیا۔ انہوں نے اس روز سفید کپڑوں کی علامت لگا رکھی تھی۔ یہ تیراندازوں کا دستہ پچاس افراد پر مشتمل تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا: "ہم سے گھڑ سواروں کو دور کرو۔ وہ پیچھے سے ہم پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ اگر ہمیں فتح ہو تو تم اپنی جگہ پر ٹھہرنا۔ دشمن تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ کر دے۔ اس جگہ کو لازم پکڑنا اس سے ہرگز نہ ہٹنا۔ اگر تم دیکھو کہ ہم نے انہیں شکست دے دی ہے۔ ہم ان کے لشکر میں داخل ہو گئے ہیں تم پھر بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑنا۔ اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک رہے ہیں۔ تو پھر بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑنا۔ حتیٰ کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیج دوں۔ اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے تو نہ ہماری مدد کرنا نہ ہمارا دفاع کرنا۔ ان پر تیر پھینکنا جہاں تیر گر رہے ہوں اس جگہ گھوڑے نہیں آتے۔ جب تک تم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو گے ہم غالب رہیں گے۔ مولا! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں۔"

آپ نے لشکر کی ایک طرف حضرت زبیر بن عوام کو اور دوسری طرف حضرت منذر بن عمر غنوی کو مقرر کیا۔ آپ نے

پوچھا: "مشرکین کا علمبردار کون ہے؟" آپ سے عرض کی گئی: "طلحہ بن ابی طلحہ" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہم ان سے زیادہ وفاء کے حق دار ہیں۔" آپ نے ظلم اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لیا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے حضرت معاذ (بنو تیم کے ایک شخص) سے اور حارث اور بزار نے حسن سند سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضور اکرم ﷺ نے دوزر میں زیب تن فرما رکھی تھیں اس روز مسلمانوں کا شعار امت امت تھا۔

مشرکین کی جنگ کے لیے تیاری

مشرکین نے سجنہ کے مقام پر صف بندی کی۔ انہوں نے جنگ کی تیاری کی۔ ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان کے ہمراہ دو سو گھوڑے تھے جو آگے آگے تھے۔ گھڑ سوار دستے کے میمنہ پر انہوں نے خالد بن ولید کو میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو اور پیادہ فوج پر صفوان بن امیہ کو امیر مقرر کیا۔ دوسرے قول کے مطابق عمرو بن عاص کو مقرر کیا۔ تیر اندازوں پر عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔ علم طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا۔ ابوسفیان نے علمبرداروں کو ابھارتے ہوئے کہا۔ ان کا تعلق بنو عبد الدار سے تھا۔ یا بنو عبد الدار! غر و بدر میں بھی ہمارا جھنڈا تمہارے ہاتھ میں تھا۔ ہمیں جو نقصان اٹھانا پڑا تم اس سے بخوبی آگاہ ہو۔ لوگوں کی فتح یا شکست کا دار و مدار جھنڈوں پر ہوتا ہے۔ اگر جھنڈے گر پڑیں تو انہیں شکست ہو جاتی ہے یا تو ہمارے جھنڈے کے لیے کافی ہو جاؤ یا ہمارے رستے سے ہٹ جاؤ۔ ہم تمہاری طرف سے اسے کافی ہو جائیں گے۔ انہوں نے پختہ غم اور ارادہ سے کہا: "کیا ہم اپنا علم تمہیں دے دیں جب عنقریب جنگ ہوگی تو تجھے علم ہو جائے گا کہ ہم کیسے کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔" ابوسفیان بھی یہی چاہتا تھا۔

جنگ کی ابتداء اور شدید لڑائی

سب سے پہلے ابو عامر عبد عمرو بن صیفی فاسق میدان جنگ میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کی قوم کے پچاس افراد تھے۔ دوسرا قول پندرہ افراد کا بھی ہے یہ لوگ اس کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے گئے تھے۔ کچھ افراد احابش اور عبدان کے تھے۔ اس نے باواز بلند کہا: "اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں۔ انہوں نے کہا: "فاسق! اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے۔" زمانہ جاہلیت میں اسے راہب کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھا۔ جب اس نے اوس کے مجاہدین کا یہ جواب سنا تو کہا: "میرے بعد میری قوم کو شر کا سامنا کرنا پڑا ہے" پھر اس نے شدید قتال کیا۔ پھر مجاہدین پر پتھر برسائے۔ جب لشکر باہم نبرد آزما ہوئے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ہند ان عورتوں کے ساتھ اٹھی جو اس کے ساتھ

تھیں۔ وہ دُفوف بجا کر یوں کہہ رہی تھیں:

ولہا بنی عبدالدار ویا حماة الادبار
ضربا بكل بشار

ترجمہ: "اے بنو عبدالدار! واہ! واہ! واہ! اے پشتوں کی حفاظت کرنے والو! واہ! واہ! ہر کاٹنے والی تلوار کے ساتھ دشمن کو مارتے چلو۔"

وہ یہ بھی کہہ رہی تھیں:

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق
الدر فی المخانق المسک فی الفارق
ان تقبلوا نعانق او تدبر و انفارق
فراق غیر وامق

ترجمہ: "ہم طارق کی نوران نظر ہیں۔ ہم نرم اور گداز قالینوں پر چلتی ہیں۔ موتی ہمارے گلوں میں ہیں۔ ہماری مانگوں میں کستوری ہے۔ اگر تم آگے بڑھ کر حملہ کرو گے تو ہم تمہیں سینوں سے لگالیں گی۔ اور اگر تم نے پیٹھ پھیر لی تو ہم تم سے جدائی اختیار کر لیں گے اور اس فراق پر ہمیں افسوس بھی نہ ہوگا۔"

جب حضور اکرم ﷺ نے یہ اشعار سماعت فرمائے تو یہ دعا مانگی:

اللهم بک اجول و بک اصول و فیک اقاتل حسبی اللہ و نعم الوکیل۔

امام احمد، امام مسلم نے حضرت انس سے، الطبرانی نے عبادۃ بن نعمان سے، ابن راہویہ اور بزار نے حضرت زبیر بن عوام سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز حضور اکرم ﷺ نے ایک تلوار نکالی۔ صحابہ کرام اس کی طرف دیکھنے لگے۔ بہرہ صحابی نے اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔ وہ کہہ رہے تھے: "مجھے عنایت فرمائیں" آپ نے فرمایا: "اس کا حق کون ادا کرے گا؟" صحابہ کرام خاموش ہو گئے۔ چند افراد آگے بڑھے مگر آپ نے انہیں تلوار عنایت نہ کی۔ ابن عتبہ نے لکھا ہے: "جب آپ نے تلوار نکالی تو حضرت عمر فاروق نے دامن طلب پھیلا یا" آپ نے انہیں عطانہ کی پھر حضرت زبیر نے مانگی آپ نے انہیں بھی عطانہ کی۔ ابن راہویہ نے لکھا ہے کہ حضرت زبیر نے آپ سے تین دفعہ طلب کی مگر آپ نے انہیں عطانہ کی۔

الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے اور تلوار کے لیے دامن طلب پھیلا یا۔ آپ نے ان سے فرمایا: "تم بیٹھ جاؤ۔" پھر آپ نے فرمایا: "اس کا حق کون ادا کرے گا؟" حضرت ابو دجانہ اٹھے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول

اللہ! اس کا کیا حق ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”اسے دشمن پر اتنا مارا جائے کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! میں اس کا حق ادا کروں گا۔“ آپ نے فرمایا: ”شاید جبکہ میں تمہیں یہ تلوار عطا کر دوں تو تم آخری صفوں میں قتال کرو۔“ آپ نے یہ تلوار حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو عطا کر دی۔ حضرت ابودجانہ ایک بہادر شخص تھے۔ وہ جنگ کے وقت فخر سے چلتے تھے۔ ان کے پاس سرخ پٹی تھی۔ جو جنگ کے وقت ان کا نشان ہوتی تھی۔ وہ اسے اپنے سر پر باندھ لیتے تھے۔ جب وہ اسے باندھتے تھے تو لوگ سمجھ لیتے تھے کہ آج وہ قتال کریں گے۔ جب انہوں نے آپ کے دست حق نما سے تلوار لی تو وہ پٹی نکالی۔ اس سے اپنا سر باندھا۔ انصار نے کہا: ”حضرت ابودجانہ نے موت کی پٹی نکال لی ہے۔“ وہ یوں ہی کہتے تھے جب وہ اس پٹی کو باندھ لیتے تھے۔ پھر وہ دونوں صفوں کے مابین متکبرانہ چال چلنے لگے۔ آپ نے ان کی یہ چال دیکھی تو فرمایا: ”رب تعالیٰ اس چال کو ناپسند کرتا ہے۔ سوائے ایسے مقام کے“ حضرت زبیر نے فرمایا: ”جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابودجانہ کو یہ تلوار عطا کر دی۔ تو میں نے اپنے نفس میں کچھ (تردد) پایا۔ کہ میں نے آپ سے تلوار مانگی تھی مگر آپ نے مجھے نہ دی اور ابودجانہ کو دے دی۔ میں نے کہا: ”میں حضرت صفیہ، حضور اکرم ﷺ کی پھوپھو کا بیٹا ہوں۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی تھی مگر آپ نے یہ تلوار ابودجانہ کو عطا کر دی۔ آپ نے مجھے چھوڑ دیا۔ بخدا! میں دیکھوں گا کہ ابودجانہ کیا کرتے ہیں؟ میں ان کے پیچھے پیچھے ہوں لیا۔ وہ یوں کہتے ہوئے باہر نکلے:

انا الذی عاہدنی خلیلی

و نحن بالسفح لدی النخیل

الا اقوم الدھر فی الکیول

اضرب بسیف اللہ والرسول

ترجمہ: ”میں وہ شخص ہوں جس نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے ساتھ اس وقت معاہدہ کیا تھا جب ہم کھجوروں کے پاس کھلے میدان میں تھے کہ میں تا عمر پچھلی صفوں میں شمشیر زنی نہیں کروں گا۔ میں اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول محترم ﷺ کی تلوار کو چلاتا ہوں گا۔“

وہ جس چیز کے پاس سے گزرتے اسے کاٹ کر رکھ دیتے۔ انہوں نے اس تلوار کے ساتھ مشرکین کی کھوپڑیاں چیر دیں۔ جب وہ کندھوں نے لگتی تو اسے پتھر سے تیز کر لیتے۔ پھر دشمن کو یوں کاٹنے لگتے گویا کہ وہ درانتی ہو۔ مشرکین میں سے ایک ایسا شخص بھی تھا جو ہمارے ہرزخی کو جلدی سے قتل کر دیتا تھا حضرت ابودجانہ اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہونے لگے۔ وہ باہم جنگ آزما ہوئے۔ شمشیر زنی ہونے لگی۔ پہلے مشرک نے حضرت ابودجانہ کے تلوار ماری انہوں نے اسے اپنی ڈھال پر روکا۔ اس کی تلوار کی ضرب سے ڈھال ٹوٹ گئی۔ حضرت ابودجانہ نے اسے تلوار ماری اور اسے واصل جہنم کر دیا۔“

ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے کہا: ”مشرکین میں سے ایک شخص مسلمانوں کی طرف نکلا۔ وہ

کہہ رہا تھا: "اس طرح اٹھے ہو جاؤ جس طرح بکری کے ٹکڑے اٹھے ہوتے ہیں۔" ایک مسلمان شخص کھڑے ہو کر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اسلحہ پہن رکھا تھا۔ میں چل کر اس کے پیچھے ہو گیا۔ میں کھڑے ہو کر ان کی تیاری کا جائزہ لینے لگا۔ میری نظر میں کافر کی تیاری اور قوت زیادہ تھی۔ میں ان کا منتظر رہا۔ حتیٰ کہ وہ باہم نبرد آزمایا ہو گئے۔ مسلمان نے کافر کے کندھے کی ہڈی پر ضرب کاری لگائی۔ جو اس کے گولہوں تک پہنچ گئی۔ اس نے اسے دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ مسلمان نے اپنے چہرہ سے نقاب ہٹایا اور پوچھا: "کعب! کیا دیکھا؟ میں ابو دجانہ ہوں۔"

حضرت زبیر نے فرمایا: "میں نے انہیں دیکھا وہ ہند کے سر کی چوٹی پر تلوار سونٹے کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے تلوار پھیر لی۔ میں نے ان سے کہا: "تمہاری ہر کوشش میں نے دیکھی وہ مجھے پسند آئی۔ لیکن تم نے اس عورت کو تیغ نہیں کیا تھا۔" انہوں نے کہا: "اس نے آواز دی: "یا لصخر! اسے کسی نے جواب نہ دیا۔" دوسرے الفاظ میں ہے: "میں نے ایک انسان دیکھا جو لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا۔ میں نے اس کا قصد کیا۔ جب اس پر تلوار سونٹی تو اس نے "بائے بلاکت" پکارا۔ میں نے دیکھا تو وہ عورت تھی۔ میں نے ناپسند کیا کہ حضور اکرم ﷺ کی تلوار سے اس عورت پر حملہ کروں جس کا کوئی مددگار نہ ہو۔" میں نے کہا: "اللہ ورسولہ اعلم"

ابن اسحاق اور زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ مشرکین میں سے ایک شخص نکلا اس نے دعوت مبارزت دی۔ لوگ اس سے رک گئے۔ اس نے تین بار یہ دعوت دی۔ وہ اپنے اونٹ پر تھا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما دوڑ کر اس کے پاس گئے۔ اس پر چھپے۔ اس کے ساتھ اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اس کے ساتھ جا ملے۔ وہ اونٹ پر بھی نبرد آزمایا ہونے لگے۔ آپ نے فرمایا: "جو پہلے زمین پر گرے گا وہ قتل ہو جائے گا۔" مشرک پہلے زمین پر گر پڑا۔ حضرت زبیر اس پر گرے اور اسے ذبح کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے۔ میرا حواری زبیر ہے۔ اگر زبیر اس کی دعوت کا جواب نہ دیتے تو میں خود اس کے مقابلہ کے لیے جاتا۔"

لوگوں نے اس روز خوب قتال کیا۔ جنگ کی بھٹی خوب گرم ہوئی۔ حضرت ابو دجانہ، طلحہ بن عبید اللہ، اسد اللہ ورسولہ حمزہ، علی المرتضیٰ، انس بن نصر، سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم نے اس روز خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی نصرت نازل کی۔ ان کے ساتھ کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا۔ مسلمانوں نے مشرکین کی تلواروں کے ساتھ خوب خبر لی۔ انہیں لشکر سے دور لے گئے۔ ان کا قتل عام کیا گھر سوار دستے نے تین بار مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ ہر بار انہیں سخت تیر اندازی کا سامنا کرنا پڑتا وہ واپس لوٹ جاتے۔ تیر انداز مسلمانوں کا پیچھے سے دفاع کر رہے تھے۔ وہ دشمن کے گھوڑوں پر تیر برساتے۔ جب بھی تیر کسی گھوڑے یا آدمی کو لگتا وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس روز اپنے

بھائی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا: ”بھائی! میری یہ زرہ لے لو۔“ انہوں نے کہا: ”میں بھی آپ کی طرح شہادت کا متمنی ہوں۔“ دونوں نے زرہ کو چھوڑ دیا۔

جب گھمسان کارن پڑا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے جھنڈے کے نیچے تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ جھنڈا آگے لے کر آئیں وہ جھنڈا لے کر آئے اور کہا: ”میں ابواقصم ہوں۔“ مشرکین کے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ نے دعوت مبارزت دی۔ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ اس نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیو! تمہارا خیال ہے کہ تمہارے مقتول جنت میں اور ہمارے مقتول آگ میں جاتے ہیں۔ رات کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو۔ اگر تم اسے حق سمجھتے تو تم میں سے کوئی ایک میرے مقابلہ کے لیے آتا۔“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ دونوں صفوں کے مابین باہم نبرد آزما ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جلدی سے اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے پچھاڑ دیا لیکن اس کا سر نہ کاٹا۔ بعض صحابہ کرم نے ان سے پوچھا: ”آپ نے ان کا سر کیوں نہ کاٹا؟“ انہوں نے کہا: ”اس نے اپنی شرم گاہ میرے سامنے کر دی تھی۔ مجھے اس پر رحم آگیا۔ میں جان گیا کہ رب تعالیٰ اس کا کام تمام کر دے گا۔“

مشرکین کے علمبردار کا قتل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق تھا۔ آپ نے فرمایا: ”گویا کہ میں مینڈھے پر سوار ہوں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ انہوں نے مشرکین پر شدت سے حملہ کیا وہ شمشیر زنی کرنے لگے وہ مشرکین کی صفوں میں گھس گئے۔ ابو عبیدہ اور زبیر بن بکار نے لکھا ہے کہ حجاج بن علاط اسی کے بارے کہتا ہے:

اللہ ای مذتّب عن خرمة
جادت یداک لہم بعاجل طعنة
و شدّت شدّة بأسل فکشفتم
وعللت سیفک بالدماء ولم تکن
اعنی ابن فاطمة المعمر المخولا
ترکت طلیحة للجبین فجدلا
بالجزاذ یہوون اخول اخولا
لیتردہ حران حتی ینہلا

ترجمہ: ”خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ عرت کا دفاع کرنے والا کون ہے۔ میری مراد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو

حضرت فاطمہ بنت اسد کے شیر دل فرزند اور شریف چچاؤں اور شریف ماموؤں والے ہیں۔ آپ کے دونوں ہاتھوں نے ایسی نیزہ بازی کے ساتھ سخاوت کی۔ جنہوں نے طلحہ کو پیشانی کے بل پچھاڑا ہوا پایا۔ آپ نے جرات مند اور بہادر شخص کی طرح حملہ کیا۔ آپ نے کفار کو کوہ دامن کی طرف اس طرح بکھیر دیا کہ وہ گرتے ہی جا رہے تھے آپ نے بار بار اپنی تلوار کو سیراب کیا کوئی پیاسا نہیں واپس نہ لوٹا سکا حتیٰ کہ

وہ سیراب ہو گئی۔

صحابہ کرام مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ وہ مشرکین کو قتل کرنے لگے حتیٰ کہ انہیں ان کے بوجھ سے دور بنا دیا۔ مشرکین کا جھنڈا ابو شیبہ عثمان بن ابی طلحہ نے اٹھایا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کے کندھے پر وار کیا۔ اس کا ہاتھ اور ٹانگ کٹ گئی۔ تلوار اس کی کمر سے ہوتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس کا پھیپھڑا باہر نکل آیا اور وہ مر گیا۔ علم کو ابو سعد بن ابی طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت سعد بن ابی قاص نے تیر مارا جو اس کے گلے پر لگا اور اس کی زبان باہر نکل آئی۔ وہ بھی داخل جہنم ہوا۔ یہ علم مسافع بن طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت عاصم بن ثابت نے تیر مار کر اسے مار دیا۔ یہ جھنڈا حارث بن طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت عاصم نے تیر مار کر اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان دونوں کا کام تیروں نے کیا تھا۔ اس کی ماں سلافہ اس کے پاس آئی۔ اس نے اپنا سرا اس کی آغوش میں رکھا۔ اس نے پوچھا: ”میرے بیٹے! تمہیں کس نے تیر مارا ہے؟“ اس نے کہا: ”جس شخص نے مجھے تیر مارا۔“ میں نے اسے یوں کہتے سنا: ”لو! میں ابن ابلح ہوں۔“ اس کی ماں نے نذرمانی کہ اگر اسے حضرت عاصم کا سر ملا تو وہ اس میں شراب پیے گی جو سر لے کر آئے گا اسے ایک سواونٹ دے گی۔ اب مشرکین کا جھنڈا کلاب بن طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت زبیر بن عوام نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرے قول کے مطابق قزمان نے اسے داخل جہنم کیا۔ اب جھنڈا اجلاس بن طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اب جھنڈا ارقطاة بن شریبل نے اٹھالیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے تیغ کر دیا۔ اب جھنڈا اشریج بن قارظ نے اٹھالیا۔ معلوم نہیں کہ اسے کس نے تیغ کیا تھا۔ اس کے بعد جھنڈا ابو زید بن عمیر نے اٹھالیا۔ قزمان نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد جھنڈا قاسط بن شریبل نے اٹھالیا۔ قزمان نے اسے بھی داخل جہنم کر دیا۔ اب ان کے غلام حبشی نے جھنڈا اٹھالیا۔ لوگوں نے کہا: ”اب تیری وجہ سے ہمیں شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔“ اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا اس نے جھنڈا ابائیں ہاتھ میں پکڑ لیا وہ بھی کٹ گیا۔ اس نے جھنڈا اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔ اور کہا: ”مولا! کیا میں نے اپنی قوم کی عزت رکھ لی ہے؟“ مشرکین نے کہا: ”ہاں! قزمان نے اسے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ سارے اقوال سے یہی قول درست ہے۔ مشرکین منتشر ہو گئے۔ عمرہ بنت علقمہ نے جھنڈا اٹھالیا۔ اسے سیدھا کیا۔ مشرکین اس کی طرف لوٹ آئے۔ جب مشرکین کے اتنے علمبردار مارے گئے تو شکست خوردہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ کسی چیز کی طرف توجہ نہیں دے رہے تھے۔ ان کی خواتین ہائے ہلاکت پکار رہی تھیں۔ حضرت زبیر اور حضرت براء نے کہا: ”ہم نے ہند کی خدمت گزاروں اور ساتھیوں کو دیکھا وہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے بھاگی جا رہی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کی پاز ہمیں نظر آ رہی تھیں۔ مشرک قوم کو شکست ہو چکی تھی۔ مسلمان مشرکین کے لشکر میں داخل ہو گئے۔“

تیر اندازوں کی لغزش

جب حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے مشرکین کی شکست ملاحظہ کی۔ انہوں نے کہا: "اے قوم! مالِ غنیمت! مالِ غنیمت! تم یہاں ویسے ہی کیوں کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دو چار کر دیا ہے۔ تمہارے بھائی غالب آچکے ہیں۔ وہ مشرکین کے لشکر میں گھس گئے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ مالِ غنیمت جمع کرو۔" حضرت عبداللہ بن جبیر اور ان کے دیگر ساتھیوں نے کہا: "کیا تمہیں علم نہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: "ہمارے پیچھے سے ہمارا دفاع کرنا۔" دوسرے گروہ نے کہا: "حضور اکرم ﷺ کا یہ ارادہ نہیں تھا۔" سارے تیر انداز چلے گئے۔ حضرت عبداللہ کے ہمراہ صرف دس سے کم افراد رو گئے۔ دوسرے مشرکین کے لشکر میں مالِ غنیمت سمیٹنے چلے گئے۔ جب وہ مسلمانوں کی طرف آئے۔ تو خالد بن ولید نے دیکھا۔ پہاڑی پر چند افراد ہی تھے۔ اس نے اپنے گھوڑے کو موڑ لیا۔ عکرمہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

انہوں نے بقیہ تیر اندازوں پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ ثابت قدم رہے۔ بھر پور جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ مشرکین نے ان کا لباس اتار لیا۔ ان کا بری طرح مثلہ کر دیا۔ ان کے پیٹ پر تیر برسائے۔ ان کا پیٹ چر گیا اور ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ انہوں نے مسلمانوں کا گھیراؤ کر لیا۔ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے۔ اچانک گھڑ سواران پر حملہ آور ہو گئے۔ وہ اپنا شعار یا اللغز می یا الہبل۔ باواز بلند پکار رہے تھے۔ وہ مسلمانوں پر تلواریں برسائے لگے۔ پہلے مسلمان امن سے تھے۔ جو مال ہاتھ میں یا گود میں تھا۔ وہ نیچے گر پڑا۔ جب مشرکین نے اپنے گھڑ سوار دستے کو غالب دیکھا تو وہ بھی لوٹ آئے۔ مسلمانوں پر شدید حملے کیے۔ انہیں بے دریغ قتل کرنے لگے۔ مسلمان ہر اعتبار سے منتشر ہو چکے تھے۔ مالِ غنیمت چھوڑ دیا تھا۔ اسیروں کو بھی چھوڑ دیا تھا۔ مسلمانوں کی صفیں بکھر چکی تھیں چکی الٹی چلنے لگی تھی۔ دن کے آغاز میں صبا چل رہی تھی اب دبور چلنے لگی۔ مسلمان ایک دوسرے کو روندھتے ہوئے واپس پلٹنے لگے۔ ان کے تین حصے تھے۔ ایک تہائی زخمی تھے ایک تہائی شکست خوردہ اور ایک تہائی مقتول تھے۔ شیطان چلایا۔ اے اللہ کے بندو! ان کا پہلا گروہ لوٹ آیا ہے۔ یہ اور دوسرا گروہ باہم لڑنے لگے۔ انہوں نے اسے دشمن سمجھا تھا اس سے شیطان مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔ دن کی ابتداء مسلمانوں کے حق اور مشرکین کے خلاف تھی۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّوهُم بِآيَاتِهِ : حَتَّى إِذَا فِشَلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأُمْرِ وَعَصَيْتُمْ مَن بَعْدَ مَا أَرْسَلَكُمْ مَّا تُحِبُّونَ : مِنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ : ثُمَّ صَرَّفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ : وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ : وَاللَّهُ ذُو

فَضِّلْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۲﴾ (آل عمران: ۱۵۲)

ترجمہ: "اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جبکہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔ اور یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول کے) حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھا دیا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے بعض دنیا کے طلبکار ہیں اور بعض تم میں سے آخرت کے طلبکار ہیں۔ پھر تمہیں ان کے تعاقب سے پیچھے ہٹا دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ اور بے شک اس نے تم کو معاف فرما دیا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر۔"

یہ گردش مشرکین کی گردش سے تیز تھی۔ جبل عینین کے پاس شیطان با آواز بلند چلایا۔ وہ حضرت جعال بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی شکل میں تھا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں۔" اس نے تین بار اسی طرح کہا کسی کو شک نہ رہا کہ یہ سچ ہے۔ حضرت جعال نے حضرت ابوردہ کے پہلو میں شدید قتال کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے کہا: "اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں۔ تو کیا تم اپنے اس دین کے لیے نہیں لڑو گے۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا ہے۔ اور شہادت کی حالت میں رب تعالیٰ سے ملاقات کرو۔" ایک گروہ نے کہا: "کاش! کوئی شخص ہے جو ابن ابی کے پاس جائے اور ابوسفیان سے ہمارے لیے پناہ طلب کرے۔ اے قوم! محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے ہیں اپنی قوم کی طرف لوٹ چلو۔ اس سے قبل کہ مشرکین تمہارے پاس آجائیں اور تمہیں تیغ کر دیں۔ مسلمان باہم خلط ملط ہو گئے۔ وہ شعار کے بغیر ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے وہ ایک دوسرے کی گردن اڑانے لگے۔ یہ عجلت اور دہشت کی وجہ سے تھا۔ مسلمان ہر اعتبار سے منتشر ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ بھاگ کر مدینہ طیبہ میں داخل ہو گیا۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نہیں ملیں۔ وہ ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگیں۔ وہ کہنے لگیں: "یہ چرنے تم سوت کا تو۔ اپنی تلواریں مجھے دے دو۔"

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے سامنے آئے تو صرف ایک مختصر سا گروہ باقی رہ گیا تھا۔ مسلمانوں کا نہ تو جھنڈا قائم تھا نہ کوئی گروہ برقرار تھا۔ مشرکین کے گھوڑے وادی میں آتے جاتے مسلمانوں کو شہید کر رہے تھے۔ وہ باہم ملے ہوئے تھے جدا نہ تھے۔ ایک شخص بھی انہیں لوٹانے والا نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں کے لشکر گاہ تک پہنچے۔ بعض مسلمان پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے قبائے شہادت عطا کی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک شیطان کے چلانے کی خبر پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا: "یہ عقبہ کا شیطان ازب ہے۔"

حضور اکرم ﷺ کی ثابت قدمی

امام بیہقی نے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے غزوہ احد کی داستان بیان کرتے ہوئے کہا: ”بخدا! مشرکین نے بے دریغ قتل کر کے ہمیں نقصان پہنچایا۔ انہوں نے آپ سے وہ پایا جو پایا مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ بالشت بھر بھی نہ بٹے۔ آپ دشمن کے سامنے تھے۔ ایک بار آپ کے صحابہ کا ایک گروہ آپ کی طرف آتا۔ دوسری بار آپ سے دور چلا جاتا۔ میں نے جب بھی آپ کو دیکھا آپ کھڑے ہی تھے۔ اپنی کمان سے تیر برسا رہے تھے۔ حتیٰ کہ مشرکین پیچھے ہٹ گئے۔ حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ ثابت قدم رہے۔“

محمد بن عمر نے لکھا ہے: ”حضور اکرم ﷺ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے۔ آپ ایک قدم بھی آگے پیچھے نہ ہوئے۔ بلکہ دشمن کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ اپنی کمان سے تیر برساتے رہے حتیٰ کہ اس کا وتر ٹوٹ گیا۔ اس کا ایک ٹکڑا باقی رہ گیا تھا۔ وہ کمان کے کنارے پر تھا۔ حضرت عکاشہ بن محسن نے کمان لی۔ تاکہ اس کا چلہ درست کریں۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس کا چلہ نہیں پہنچتا۔“ آپ نے فرمایا: ”کھینچو، کھینچو، پہنچ جائے گا۔“ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں چلہ کھینچتا رہتا رہتا کہ وہ دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ میں نے اس کنارے کے ساتھ اس کی دو یا تین گرہیں لگالیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی کمان پکڑی۔ آپ لگاتار تیر برساتے رہے۔ حضرت ابو طلحہ ذوالحال بن کر آپ کو چھپائے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ یہ کمان ٹوٹ گئی وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ان کے تیر ختم ہو گئے۔ حضرت قتادہ بن نعمان نے آپ سے وہ کمان لے لی۔ وہ ان کے پاس ہی رہی۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے پتھر برسانے شروع کیے۔ آپ سارے لوگوں سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔ آپ کے ہمراہ پندرہ صحابہ کرام ثابت قدم رہے۔ آٹھ کا تعلق مہاجرین سے تھا۔ حضرات ابو بکر صدیق، عمر فاروق، علی المرتضیٰ، طلحہ، زبیر، عبدالرحمان، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح۔ سات انصاری صحابہ کرام ثابت قدم تھے۔ وہ درج ذیل تھے۔ حضرت خباب بن منذر، ابو دجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمد، سہل بن حنیف، سعد بن معاذ، ایک قول کے مطابق سعد بن عبادہ، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ۔ دوسرے قول کے مطابق آپ کے سامنے تیس صحابہ کرام ثابت قدم رہے تھے۔ ان کا یہی نعرہ تھا ”میرا چہرہ آپ کے چہرہ انور پر فدا، میری جان آپ کی جان پر فدا، آپ پر سلامتی! آپ ہمیشہ ہمیشہ سلامت رہیں۔“

الطبرانی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضرت ابن مسعود بھی ثابت قدم رہے تھے۔ جب لوگ آپ سے دور چلے گئے تو آپ پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ لوگ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے۔ آپ پیچھے سے انہیں بلا رہے

تھے۔ "اے فلاں! میری طرف آؤ۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔" لیکن آپ کی طرف کوئی نہیں آ رہا تھا۔ تیر ہر طرف سے آپ کی طرف آ رہے تھے۔ لیکن رب تعالیٰ وہ تیر آپ کی طرف سے پھیر رہا تھا۔

محمد بن عمر اسلمی نے حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے مہاجرین میں سے ایک شخص کو سنا وہ کہہ رہا تھا۔ "میں نے غزوہ احد میں شرکت کی۔ میں نے دیکھا کہ ہر طرف سے تیر آپ کی طرف آ رہے تھے۔ آپ درمیان میں کھڑے تھے۔ سارے تیر پھر کر دوسری سمت جا رہے تھے۔ میں نے اس روز عبد اللہ بن شہاب زہری کو دیکھا وہ کہہ رہا تھا۔ "محمد عربیؐ تک میری راہ نمائی کرو۔ اگر وہ بچ گئے تو میں نہیں بچ سکوں گا۔ حضور اکرم ﷺ اس کے پہلو میں تھے۔ آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ جب وہ آگے گزر گیا تو صفوان بن امیہ اس پر ناراض ہوا۔ اس نے کہا: "بخدا! میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔ میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آپ مجھ سے محفوظ تھے۔ بخدا! ہم چار افراد نکلے ہم نے باہم معاہدہ کیا اور آپ کو قتل کرنے پر عہد کیا مگر ہم آپ تک نہ جاسکے۔"

ابن سعد نے لکھا ہے "شریک بن عبد اللہ کے دادا حضرت ابو نمر نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں غزوہ احد میں مشرکین کی طرف سے شریک تھا۔ میں نے اس روز پانچ نشانے بنا رکھے تھے۔ ان پر اپنے تیر برساتا رہا میں حضور اکرم ﷺ کی طرف دیکھتا رہا۔ صحابہ کرام آپ کے ارد گرد حلقہ زن تھے۔ تیر آپ کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔ کچھ آپ کے سامنے ٹوٹ رہے تھے۔ کچھ تیر آپ کے پیچھے گر رہے تھے۔ پھر رب تعالیٰ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دے دی۔"

عبد الرزاق نے مرسل قوی سند کے ساتھ امام زہری سے روایت کیا ہے کہ اس روز آپ کے چہرے پر تلوار کی ستر نہ ہیں لگائی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سب کے شر سے بچالیا۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ شاید انہوں نے حقیقت میں ستر ضرر میں مراد لیں ہوں یا کثرت مراد ہو۔ اس روز آٹھ فرخندہ والے افراد نے آپ کے دست اقدس پر موت کی بیعت کی۔ ان میں سے تین مہاجرین میں سے تھے۔ وہ حضرات علیؑ، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم تھے۔ سات کا تعلق انصار کے ساتھ تھا وہ یہ حضرات تھے۔ ابو دجانہ، حارث بن صمہ، خباب بن منذر، عاصم بن ثابت، اسمیل بن حنیف رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے کوئی بھی شہید نہ ہوا۔

ابو یعلیٰ نے حسن سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "روز احد جب لوگ حضور اکرم ﷺ سے دور چلے گئے۔ میں نے آپ کو مقتولین میں تلاش کیا۔ لیکن آپ مجھے نظر نہ آئے۔ میں نے کہا: "بخدا! آپ راہ فرار تو اختیار نہیں کر سکتے۔ آپ مقتولوں میں بھی نہیں۔ شاید رب تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا۔ وہ ہمارے اس فعل سے ہم سے ناراض ہو گیا ہو۔ اب بھلائی اس میں ہے کہ میں قتال کرتا ہوں شہید ہو جاؤں۔ میں نے تلوار کا نیام پھاڑ دیا۔ مشرک قوم پر حملہ کر دیا۔ انہوں

نے مجھے رستہ دے دیا۔ اچانک میں نے آپ کو دیکھا آپ مشرکین کے ساتھ جنگ آزما تھے۔

مشرکین حضور اکرم ﷺ پر اکٹھے ہو گئے۔ وہ آپ کو شہید کرنا چاہتے تھے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے چار پتھر آپ کی طرف پھینکے۔ جس سے آپ کے دائیں طرف کے نچلے دانت ٹوٹ گئے۔ نچلاب لعلیں زخمی ہو گیا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ دندان مبارک ٹوٹ گئے تھے۔ ان کا ایک حصہ جدا ہو گیا تھا یہ جز سے نہیں نکلے تھے۔

عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں حضرت مقسم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عتبہ بن ابی وقاص کے لیے یہ بددعا کی: "مولا! اس پر ایک سال بھی نہ گزرنے پائے حتیٰ کہ وہ حالت کفر میں مر جائے۔" ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا وہ حالت کفر میں مر گیا تھا۔ حاکم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے جب عتبہ کا سنگد لانا فعل دیکھا۔ جو اس نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "عتبہ بن ابی وقاص نے" میں نے عرض کی: "وہ کہاں گیا ہے؟" آپ نے اس طرف اشارہ کیا جس طرف وہ گیا۔ میں اس کی طرف گیا۔ اسے پالیا تلوار سے وار کر کے اس کا سر جدا کر دیا اس کا سر اور گھوڑا بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ آپ نے وہ گھوڑا مجھے عطا فرمایا۔ میرے لیے دعائے خیر کی اور فرمایا: "اللہ تم سے راضی ہو گیا۔"

خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ حافظ محمد یوسف فریابی نے کہا ہے "مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ جن لوگوں نے حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید کیے تھے ان کے ہاں جو بچہ بھی ہوتا تھا اس کے سامنے کے چار دانت نہیں اگتے تھے۔" امام سہیلی لکھتے ہیں "عتبہ کی نسل سے جو بچہ بھی پیدا ہوتا وہ بالغ ہو جاتا تھا لیکن اس کے اگلے دانت ناپید ہوتے تھے اور اس کے منہ سے گندی بوا آتی تھی۔ یہ امر اس کی نسل میں معروف تھا عبد اللہ بن شہاب نے آپ کے چہرہ انور پر پتھر مارا چہرہ انور زخمی ہو گیا۔ زخم سے خون مبارک نکلنے لگا۔ حتیٰ کہ داڑھی مبارک خون سے تر ہو گئی۔ میری جان آپ پر خدا! عبد اللہ بن قیس نے آپ کو مارا اور رخسار مبارک کو زخمی کر دیا۔ خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں دھنس گئیں۔ اس نے تلوار سے آپ پر حملہ کیا۔ آپ نے دوزر ہیں پہن رکھی تھیں۔ آپ اس کے سامنے گڑھے میں گر پڑے۔ یہ گڑھے ابو عامر فاسق نے کھدوائے تھے تاکہ مسلمان اس میں گر پڑیں۔ انہیں علم تک نہ ہو۔" آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست اقدس تھاما۔ حضرت طلحہ نے بھی آپ کو اٹھایا حتیٰ کہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ آپ کے گھٹنوں پر خراشیں آئیں۔ ابن قیس نے زخم نہیں لگایا تھا البتہ تلوار کے بوجھ کی وجہ سے چوٹ آئی تھی۔ ایک ماہ تک آپ کو کندھے پر اس کی وجہ سے تکلیف رہی۔ بعض روایات میں ایک ماہ سے زیادہ کا تذکرہ ہے۔ بہت سے مشرکین نے آپ پر پتھر پھینکے حتیٰ کہ آپ پہلو کے بل گر پڑے۔

الطبرانی نے حضرت ابو امامتہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابن قمرہ نے آپ کو تیر مارا تو اس نے کہا: "میں ابن قمرہ ہوں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل و رسوا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنگی مینڈھا مسلط کر دیا۔ وہ اسے لگا تار سینگ مارتا رہا حتیٰ کہ اس نے اسے پارہ پارہ کر دیا۔"

ابو نعیم نے نافع بن عاصم سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے آپ کا چہرہ انور زخمی کیا تھا اس کا نام عبد اللہ بن قمرہ تھا۔ رب تعالیٰ نے اس پر جنگی مینڈھا مسلط کر دیا۔ جس نے اسے سینگ مار مار کر ہلاک کر دیا۔

ابوداؤد طیالسی اور ابن حبان نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غزوہ بدر کا تذکرہ فرماتے تو فرماتے: "وہ سارا دن تو طلحہ کا تھا۔ پھر وہ یہ عشق افروز داستان سناتے" میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو بارگاہ رسالت مآب میں اس روز حاضر تھے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو حضور اکرم ﷺ کے سامنے جہاد کر رہا تھا۔ وہ آپ کا تحفظ کر رہا تھا۔ میں نے کہا: "اللہ کرے! یہ طلحہ ہوں۔ مجھ سے جو رو گیا تھا وہ رو گیا تھا۔ میں نے کہا: "میری قوم کا یہ شخص مجھ سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ میرے اور حضور اکرم ﷺ کے مابین ایک ایسا شخص تھا جسے میں نہیں جانتا تھا۔ میں حضور اکرم ﷺ سے اس سے زیادہ قریب تھا وہ اتنا تیز چل رہا تھا کہ میں اتنا تیز نہیں چل سکتا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہ ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ آپ کے دندان مبارک شہید ہو چکے تھے۔ چہرہ انور زخمی تھا۔ رخسار مبارک میں خود کی دو کڑیاں دھنسی ہوئی تھیں۔ آپ نے فرمایا: "تم اپنے ساتھی طلحہ کی مدد کرو۔ ان کا خون نکل رہا ہے۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ میں نے چہرہ اقدس سے دو کڑیاں نکالنے کی کوشش کی۔ حضرت ابو عبیدہ نے مجھے قسم دی کہ میں یہ سعادت ازلی انہیں حاصل کرنے دوں۔" میں نے یہ سعادت ان کے لیے چھوڑ دی۔ انہوں نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے نکالیں اور حضور اکرم ﷺ کو تکلیف ہو۔ انہوں نے اپنا منہ ان کڑیوں پر رکھا۔ دو حلقوں میں سے ایک نکل آیا۔ حلقہ کے ساتھ ہی دو دانت بھی نکل آئے۔ میں آگے بڑھتا کہ میں بھی اسی طرح کروں۔ جس طرح انہوں نے کیا ہے انہوں نے مجھے کہا: "میں آپ کو اپنے حق کی قسم دیتا ہوں کہ یہ سعادت ابدی مجھے حاصل کرنے دو۔" انہوں نے وہی عمل کیا جو پہلے کیا تھا۔ حلقہ کے ساتھ دو دوسرے دانت بھی نکل آئے۔ اگرچہ ان کے چار دانت اس کوشش میں چلے گئے۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ کا حسن دو بالا ہو گیا۔ ہم نے آپ کی خدمت کی پھر حضرت طلحہ کے پاس آئے وہ ان گڑھوں میں سے کسی ایک گڑھے میں تھے ان کے جسم پر نیزے، تیر اور تلوار کے ستر سے زائد زخم تھے۔ ان کی ایک انگی بھی کٹ گئی تھی۔ ہم نے انہیں مرہم پٹی کی۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے "اس روز طلحہ کے سر پر زخم آیا۔ خون زیادہ نکلا حتیٰ کہ ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حضرت ابو بکر

صدیقؓ نے ان کے چہرے پر پانی چھڑکا تو انہیں ہوش آیا۔ انہوں نے سب سے پہلے پوچھا: ”حضور اکرم ﷺ کا کیا حال ہے؟“ انہوں نے کہا: ”آپ خیریت سے ہیں۔ آپ نے ہی مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا: ”الحمد للہ! آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے۔“

محمد بن عمر نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ کے چہرہ انور سے حلقے نکالے گئے تو خون اس طرح بہنے لگا جس طرح مشیزے سے پانی نکلتا ہے۔ حضرت مالک بن سنان نے اس پر اپنا منہ رکھ دیا اور اسے چوسنا شروع کر دیا۔ اسے نگلنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: ”کیا تم نے میرا مبارک خون پی لیا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!“ آپ نے فرمایا: ”جس کا خون میرے خون کو چھو گیا اسے جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔“ حضرت ابودجانہ نے بھی اپنی جان پر کھیل کر آپ کو بچانے کی کوشش کی۔ ان کی کمر پر تیر لگتے رہے مگر وہ آپ پر جھکے رہے۔ حتیٰ کہ ان پر تیروں کی کثرت ہو گئی وہ حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس روز حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے بھی حضور اکرم ﷺ کی طرف سے سخت قتال کیا۔ ان کے منہ پر زخم آیا اور دودانت نکل گئے۔ انہیں کم و بیش بیس زخم آئے۔ ان کی ٹانگ بھی زخمی ہو گئی۔ وہ اس کے ساتھ لنگڑا کر چلتے تھے۔ اس روز حضرت سعد بن وقاصؓ نے بھی حضور اکرم ﷺ کی طرف سے سخت قتال کیا تھا۔

حاکم نے حضرت عائشہ بنت سعدؓ سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتی ہیں ”جب غزوہ احد میں مسلمانوں سے یہ لغزش ہو گئی تو میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا: ”میں اپنے نفس کا دفاع کرتا ہوں۔ یا تو میں نجات پا جاؤں گا یا میں شہادت پا جاؤں گا۔ اچانک میں نے ایک سرخ چہرے والے انسان کو دیکھا۔ قریب تھا کہ مشرکین اس پر جمپٹ پڑتے۔ اس ذات نے ہاتھ میں سنگریزے لیے اور وہ مشرکین کی طرف پھینک دیے۔ میرے اور اس ذات والا کے مابین صرف حضرت مقداد تھے۔ میں نے چاہا کہ میں حضرت مقداد سے اس ہستی کے بارے پوچھوں۔ انہوں نے مجھے کہا: ”اے سعد! یہ رسول مکرم ﷺ ہیں جو آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ میں یوں اٹھ کھڑا ہوا گویا کہ مجھے کوئی اذیت پہنچی ہی نہیں تھی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔ میں تیر اندازی کرنے لگا۔ میں کہہ رہا تھا: ”مولا! یہ تیرا تیر ہے۔ اس سے اپنے دشمن کو مار دے۔“ حضور اکرم ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے ”مولا! سعد کی دعا قبول فرما۔ مولا! ان کی تیر اندازی کو درست فرما۔ اے سعد! میرے والدین کریمین تم پر فدا!“ میں جو بھی تیر پھینکتا آپ یہ دعا مانگتے۔ ”مولا! اس کی تیر اندازی کو درست فرما۔ اس کی دعا کو قبول فرما۔“ جب میرے تیر کش سے تیر ختم ہو گئے تو آپ نے اپنے تیر میرے سامنے بکھیر دیے۔ آپ نے ایسا تیر پکڑا یا جو پیکان اور پر کا درمیانی حصہ تھا۔ وہ دوسرے تیروں سے زیادہ سیدھا لگا۔ امام زحری

لکھتے ہیں "اس روز حضرت سعد نے ایک ہزار تیر برسائے تھے۔"

ابن عائد نے حضرت یحییٰ بن حمزہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے اس روز ایک تیر پھینکا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مجھے لوٹا دیا۔ میں اپنے تیر کو پہچانتا تھا۔ میں نے نوا آٹھ بار وہی تیر چلایا۔ ہر بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ تیر واپس کر دیتے تھے۔ میں اس تیر کو اپنے ترکش میں رکھتا ہوں۔ اسے جدا نہیں کرتا۔"

امام بخاری اور حسن بن عرفہ نے حضرت سعد سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنا ترکش خالی کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "میرے والدین کریمین آپ پر فدا! آپ تیر اندازی کرو۔"

امام بخاری نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے نہیں سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کے علاوہ کسی اور کے لیے اپنے والدین جمع کیے ہوں۔ میں نے آپ کو سنا۔ آپ احد کے روز فرما رہے تھے "سعد! میرے والدین تم پر فدا! تیر پھینکو!" حضرت سعد سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوہ احد کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے والدین کریمین کو جمع فرمایا آپ نے فرمایا: "فداک ابی و امی" اس وقت آپ مصروف جنگ تھے۔"

محمد بن عمر نے لکھا ہے "مشرکین کے بعض افراد مسلمانوں پر تیر برسا رہے تھے۔ ان میں سے ایک حبان بن عرقہ اور دوسرا ابواسامہ جشمی تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد سے فرما رہے تھے "سعد! میرے والدین تم پر فدا! تیر پھینکو! حبان نے ایک تیر پھینکا۔ وہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے دامن پر لگا۔ وہ زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ ان کا پردہ اٹھ گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن بنی سے لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ امر بڑا گرا۔ آپ نے حضرت سعد کو ایک تیر پکڑا یا جس کا پھل نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: "یہی اس پر پھینکو" وہ تیر سیدھا حبان کے گلے پر لگا وہ گر پڑا اور اس کی شرم گاہ نظر آنے لگی۔ یہ دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک نظر آئے۔ پھر فرمایا: "سعد نے ام ایمن کا بدلہ لے لیا ہے۔ مولا! اس کی دعا قبول فرما اور اس کی تیر اندازی درست فرما۔"

مالک بن زہیر اور حبان بن عرقہ نے بہت سے مسلمانوں کو تیروں سے شہید کیا تھا۔ حضرت سعد نے مالک کو ایک تیر مارا جو اس کی آنکھ پر لگا۔ وہ اس کی گدی سے باہر نکل گیا۔ وہ واصل جہنم ہو گیا۔ اس روز حضرت ام عمارہ نبیہ رضی اللہ عنہا نے بھی قتال کیا۔ جب مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلی گئیں۔ قتال میں حصہ لیا اور تلوار کے ذریعے دشمنوں کو آپ سے دور کرنے لگیں۔ یہ کمان سے تیر برساتی تھیں۔

جب ابن قمرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا تو وہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما اس کے ساتھ جنگ آزما ہو گئے۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اس پر کئی وار کیے لیکن اللہ کے دشمن نے دوزر ہیں پہن رکھی تھیں۔ اس نے ان پر تلوار کا وار کیا اور

انہیں بری طرح زخمی کر دیا۔ بعد میں ان کے اسی جگہ میں گڑھا پڑ گیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "نسیبہ بنت کعب کا مقام فلان بن فلاں کے مقام سے عمدہ ہے۔" آپ نے فرمایا: "میں نے دائیں بائیں دیکھا مجھے ان کے علاوہ کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے انہیں دیکھا۔ وہ میرے سامنے قتال کر رہی تھیں۔" آپ نے ان کے فرزند دلبند حضرت عبداللہ بن زید بن عامر سے فرمایا: "اے گھرانے والو! اللہ تعالیٰ تم میں برکتیں ڈالے۔ تمہاری والدہ ماجدہ کا مقام فلاں اور فلاں سے بہتر ہے۔ تمہاری والدہ کے شوہر عزیہ بن عمرو کا مقام فلاں اور فلاں سے بہتر ہے۔ اے گھرانے والو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔" حضرت ام عمارہ نے عرض کی: "اللہ تعالیٰ جنت میں آپ کی رفاقت عطا فرمائے۔" آپ نے دعا مانگی: "مولا! انہیں جنت میں میرا رفیق بنا دے۔" وہ فرماتی تھیں "اس کے بعد مجھے کوئی پروا نہیں کہ مجھے دنیا میں کیا پہنچتا ہے۔"

علامہ بلاذری نے لکھا ہے "غزوہ احد میں حضرت ام عمارہ نسیبہ ان کے شوہر اور بیٹوں نے شرکت کی۔ وہ مشکیہ بنے کر نکلیں تاکہ زخمیوں کو پانی پلائیں انہوں نے جہاد کیا۔ انہیں تیر اور تلوار کے بارہ زخم آئے۔ دن کے پہلے حصہ میں وہ زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں جبکہ ہوا ان کے حق میں چل رہی تھیں۔ جب مشرکین نے پلٹ کر حملہ کیا تو یہ ان کے ساتھ قتال کرنے لگیں۔ انہوں نے جنگ یمامہ میں شرکت کی۔ ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ وہ مسلمہ کو ڈھونڈ رہی تھیں تاکہ انہیں تسخیر کریں۔ انہوں نے کہا: "کوئی چیز میرے رستے میں رکاوٹ نہ بن سکی حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ اس خبیث کو قتل کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرا فرزند عبداللہ اپنی تلوار اس کے کپڑوں سے صاف کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "کیا تم نے اسے تسخیر کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں! میں شکر یہ ادا کرتے ہوئے رب تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔"

ابن سعد نے موسیٰ بن ضمیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چادریں آئیں۔ ان میں سے ایک چادر خوبصورت اور کشادہ تھی۔ ایک شخص نے ان سے کہا: "کاش! آپ اسے صفیہ زوجہ عبداللہ بن عمر کے ہاں بھیج دیں۔ انہوں نے کہا: "اسے اس ہستی کے پاس بھیجو جو اس سے زیادہ اس کی مستحق ہے۔ وہ ام عمارہ نسیبہ بنت کعب ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا۔ آپ نے فرمایا: "میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ میں نے صرف ام عمارہ کو دیکھا جو میرے سامنے قتال کر رہی تھیں۔"

آپ پہاڑ کی طرف آئے تاکہ لوگوں کا معاملہ دیکھ سکیں۔ تاکہ آپ کے صحابہ آپ کو پہچان جائیں وہ آپ کے پاس آ جائیں۔ مشرکین آپ کی طرف بڑھے تاکہ اس عمل کو سرانجام دیں جس کے اور ان کے مابین رب تعالیٰ کی ذات حامل تھی۔ مشرکین کی ایک جماعت نے آپ پر پتھر پھینکے حتیٰ کہ آپ پہلو کے بل گر پڑے۔

امام نسائی اور امام بیہقی نے جید سند سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "لوگ

غزوہ احد میں آپ سے دور چلے گئے۔ آپ کے ہمراہ انصار کے گیارہ افراد رہ گئے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ مشرکین آپ کے پاس آگئے۔ آپ نے فرمایا: ”کیا کوئی انہیں مجھ سے دور نہیں کرے گا؟“ حضرت طلحہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں۔“ آپ نے فرمایا: ”طلحہ! تم اکیلے ہو؟“ ایک انصاری صحابی نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں ان کے ساتھ ہوں۔“ انہوں نے مشرکین کے ساتھ قتال شروع کیا۔ حضور اکرم ﷺ اور بقیہ صحابہ کرام پہاڑ پر چڑھ گئے۔ انصاری صحابی شہید ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ”مشرکین کو کون مجھ سے دور کرے گا؟“ حضرت طلحہ نے عرض کی: ”میں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے پہلے کی طرح ارشاد فرمایا۔ ایک انصاری صحابی بولے ”میں ان کے ساتھ جہاد کروں گا۔“ انہوں نے قتال کیا آپ اور صحابہ کرام پہاڑی پر چڑھ گئے۔ وہ انصاری صحابی شہید ہو گئے۔ مشرکین آپ کے قریب آگئے۔ آپ نے پہلے کی طرح ارشاد فرمایا۔ حضرت طلحہ نے وہی جواب دیا۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! میں انہیں روکتا ہوں۔“ انہوں نے مشرکین کو روکا۔ ایک انصاری صحابی نے ان کے ہمراہ قتال کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اسے اجازت مرحمت فرمادی۔ انہوں نے خوب قتال کیا۔ حتیٰ کہ آپ کے ساتھ صرف حضرت طلحہ رہ گئے۔ مشرکین آپ کے قریب تر آگئے۔ آپ نے فرمایا: ”طلحہ! انہیں مجھ سے کون دور کرے گا؟“ حضرت طلحہ نے عرض کی: ”میں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!“ انہوں نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ حتیٰ کہ ان کے پورے کٹ گئے۔ انہوں نے کہا: ”حسن“ آپ نے فرمایا: اگر آپ بسم اللہ پڑھتے تو فرشتے تم کو اٹھا کر لے جاتے۔ لوگ تمہیں دیکھ رہے ہوتے۔ حتیٰ کہ وہ تمہیں آسمان کی فضا میں داخل کر دیتے۔“

امام احمد، امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب مشرکین آپ کے قریب تر آگئے آپ کے ہمراہ سات انصاری صحابہ اور ایک قریشی صحابی تھے۔ آپ نے فرمایا: ”ان مشرکین کو ہم سے دور کون کرے گا؟ وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ ایک انصاری صحابی آگے بڑھے وہ شہید ہو گئے۔ مشرکین آپ کے قریب تر آگئے۔ آپ نے فرمایا: ”جو انہیں مجھ سے دور کرے گا اس کے لیے جنت ہے یا وہ جنت میں میرا رفیق ہے۔“ ایک انصاری شخص آئے۔ انہوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ سات انصاری صحابہ کرام اسی طرح شہید ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ”ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔“ امام بخاری نے قیس بن ابی حازم سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا۔ وہ ٹل تھا۔ انہوں نے اس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا دفاع کیا تھا۔“

دارقطنی نے الافراد میں، الطبرانی نے حضرت طلحہ سے، امام نسائی، الطبرانی، اور بیہقی نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت طلحہ کے پوروں پر تیر لگا۔ انہوں نے کہا: ”حسن“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم بسم اللہ کہتے تو

ملائکہ تمہیں لے کر اڑ جاتے۔ لوگ تمہیں دیکھ رہے ہوتے حتیٰ کہ وہ تمہیں لے کر آسمان کی فضاؤں میں چلے جاتے۔ تم وہ محل دیکھ لیتے جو رب تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت میں بنایا ہے۔ حالانکہ تم دنیا میں ہوتے۔“

ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز مسلمان خواتین مسلمانوں کے پیچھے تھیں۔ وہ زخمی مشرکین کا کام تمام کر رہی تھیں۔ اگر میں قسم اٹھاؤں کہ اس دن ہم میں سے کوئی بھی دنیا کا ارادہ کیے ہوئے نہیں تھا تو میں اپنی قسم میں جھوٹا نہیں ہوں گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (آل عمران: ۱۵۲)

ترجمہ: ”بعض تم میں سے طلبگار ہیں دنیا کے اور بعض آخرت کے۔“

جب صحابہ کرام سے لغزش ہو گئی۔ انہوں نے آپ کے حکم کی مخالفت کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف نو صحابہ کرام کے ساتھ رہ گئے۔ سات کا تعلق انصار کے ساتھ تھا۔ دو قریشی صحابی تھے۔ اور آپ کی ذات والا دسویں تھی۔ جب مشرکین آپ کے قریب تر آ گئے تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو ان مشرکین کو ہم سے دور لے جائے۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”جب مشرکین آپ کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: ”کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان بیچے گا؟“ حضرت زیاد بن سکن پانچ انصاری صحابہ کرام کو لے کر اٹھے۔ بعض نے ان کا نام عمارہ بن یزید بن سکن لکھا ہے۔ انہوں نے آپ کے سامنے قتال کیا حتیٰ کہ آپ کے سامنے شہید ہو گئے حتیٰ کہ آخر میں زیاد یا حضرت عمارہ باقی رہ گئے۔ انہوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ وہ زخموں سے چور ہو گئے۔ پھر مسلمانوں کا ایک گروہ آ گیا۔ انہوں نے مشرکین کو آپ سے دور کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”انہیں میرے قریب کرو۔“ انہوں نے انہیں قریب کیا۔ آپ نے اپنا مبارک پاؤں آگے بڑھایا۔ انہوں نے اپنا رخسار آپ کے پاؤں مبارک پر رکھ دیا۔ ان کے جسم پر چودہ زخم تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اس روز آپ کے سامنے خوب قتال کیا۔ ایک طرف حضرت ابو دجانہ اور ایک طرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مشرکین کے ایک گروہ کے سامنے اکیلے رہ گئے ان میں عکرمہ بھی تھے۔ وہ تلوار لے کر ان میں گھس گئے۔ شمشیر زنی کی اور ان سب کو بھگا دیا۔ پھر ان پر حملہ کیا۔ انہیں بھگا کر واپس چلے گئے۔ حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ مشرکین میں یوں گھس گئے جیسے بکریوں میں گھسا جاتا ہے۔ مشرکین نے انہیں گھیر لیا۔ حتیٰ کہ کہا گیا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں پھر وہ ظاہر ہوئے تو تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔ مشرکین ان سے دور چلے گئے تھے۔ اس روز حضرت ابولطعم نے بھی شدید قتال کیا تھا۔

شیخان، محمد بن عمر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جب لوگ غزوہ احد کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور

چلے گئے تو آپ کے سامنے حضرت ابو طلحہ تھے۔ جو اپنی چھوٹی سی ڈھال سے دشمن کو دور کر رہے تھے۔ وہ ایک تیر انداز شخص تھے۔ انہوں نے اپنا ترکش آپ کے سامنے کھول دیا۔ اس سے تیر اندازی کرتے رہے۔ انہوں نے دو یا تین کمائیں توڑ دیں۔ ایک شخص ان کے پاس سے چمڑے کا ترکش لے کر گزرا۔ آپ نے اسے فرمایا: ”اسے ابو طلحہ کے لیے کھول دو۔“ حضور اکرم ﷺ قوم کو دیکھنے کے لیے آگے بڑھ کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا نبی اللہ! میرے والدین آپ پر فدا! آپ آگے نہ دیکھیں مشرکین کا تیر آپ کو لگ جائے گا۔ میری جان آپ پر فدا!“

اونگھ آجانا

امام احمد، امام بخاری اور امام حاکم نے حضرت ابو طلحہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہیں احد کے روز اونگھ آگئی تھی۔ حتیٰ کہ اس اونگھ کی وجہ سے کئی بار تلوار میرے ہاتھ سے گر پڑی۔ یہ اونگھ رب تعالیٰ نے اپنی طرف سے بطور راحت ان پر طاری کی تھی۔ میں دیکھنے لگا۔ ان میں سے ہر ایک نیند کی وجہ سے اپنی ڈھال کے نیچے اونگھ رہا تھا۔“ الطبرانی نے اوسط میں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ احد کے روز ہم پر نیند طاری کر دی گئی۔“

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے غزوہ احد کے روز اونگھ کے ساتھ صحابہ کرام کو امن بخشا۔ جو امن سے ہو وہی اونگھتا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قتال کے وقت اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے راحت و امن ہوتی ہے جبکہ نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

محمد بن عمر اسلمی نے ابو یسر کعب بن عمرو انصاری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے اس روز خود کو ان چودہ افراد کے پاس پایا جو حضور اکرم ﷺ کے پہلو میں اونگھ رہے تھے۔ ہمیں راحت و سکون کے لیے اونگھ نے آلیا تھا ہم میں سے ہر ایک خراٹے لے رہا تھا۔ حتیٰ کہ ڈھالیں باہم ٹکرانے لگیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت بشر بن معرور کی تلوار ان کے ہاتھ سے گر پڑی تھی۔ انہیں احساس بھی نہ ہوا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے اسے اٹھایا تو اس کی دھار کند ہو چکی تھی۔“

ابن راہویہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”بخدا! مجھ پر اونگھ چھا رہی تھی۔ دوسری روایت میں ہے ”میں نے اس روز خود کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس وقت دیکھا جب ہم پر خوف شدید تھا۔ ہم پر نیند بھیج دی گئی۔ ہم میں سے ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینے پر تھی۔ بخدا! گویا کہ میں خواب میں معتب بن قیس کا یہ بکو اس سن رہا تھا اگر اس معاملہ میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو ہم اس جگہ یوں قتل نہ ہوتے۔“ میں نے اسے یاد کر لیا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ

نازل ہوئی:

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُبَعًا يَغْشَى طَائِفَةً مِّنْكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ
أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۚ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ
الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۗ
يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَهُنَا ۗ (آل عمران: ۱۵۳)

ترجمہ: ”پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اتاری کہ تمہاری ایک جماعت کو گھیرے تھی اور ایک گروہ کو اپنی جان کی
پڑی تھی اللہ پر بے جا گمان کرتے تھے جاہلیت کے سے گمان، کہتے کیا اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار
ہے تم فرما دو کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں
ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”اس روز رب تعالیٰ نے اہل یقین پر بطور راحت اونگھ نازل کی۔ وہ بے فکر ہو کر سو رہے
تھے۔ جبکہ منافقین اس روز بہت زیادہ خوف و ہراس میں تھے۔“

ملائکہ کا آنا

ابوداؤد، طیالسی، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے
فرمایا: ”میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دیکھا مجھے دو سفید پوش شخص نظر آئے۔ وہ آپ کی طرف سے شہید قتال
کر رہے تھے۔ میں نے انہیں نہ پہلے دیکھا تھا۔ نہ بعد میں وہ جبرائیل و میکائیل تھے۔“

مجاہد نے روایت کیا ہے کہ ملائکہ نے صرف غزوہ بدر میں قتال کیا تھا۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ
جب لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور آپ کے حکم پر صبر نہ کیا اس وقت فرشتوں نے قتال نہ کیا۔
محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

بَلَىٰ ۗ إِنَّ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا ۗ (آل عمران: ۱۲۵)

ترجمہ: ”ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔“

لیکن انہوں نے صبر نہ کیا اور بھاگ گئے اس لیے ان کی مدد کی گئی۔ ان سے ہی روایت ہے کہ حضرت مصعب بن
عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ایک فرشتے نے جھنڈا اٹھایا جو ان کا ہی ہم شکل تھا۔ اس روز فرشتے آئے تو تھے۔ لیکن انہوں نے قتال

نہیں کیا تھا۔

الطبرانی، ابن مندہ اور ابن عساکر نے محمود بن لبید کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت حارث بن صمہ نے فرمایا: جب حضور اکرم ﷺ گھائی میں تھے تو آپ نے مجھ سے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے بارے سوال کیا۔ میں نے آپ سے عرض کی: ”میں نے آپ کو پہاڑ کے دامن میں دیکھا تھا۔“ آپ نے فرمایا: ”فرشتے ان کے ساتھ جہاد کر رہے تھے۔“ حضرت حارث کہتے ہیں ”میں حضرت عبدالرحمان کے پاس آیا تو ان کے سامنے سات مشرکین پچھاڑے پڑے تھے۔ میں نے کہا: ”آپ فتح مند ہوں۔ کیا ان سب کو آپ نے مارا ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”اس کو تو میں نے قتل کیا ہے۔“ نین ان کو ان افراد نے قتل کیا ہے۔ جنہیں میں نے نہیں دیکھا۔“ میں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔“

ابن سعد نے حضرت عبداللہ ابن فضل سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضور اکرم ﷺ نے علم اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ حضرت مصعب شہید ہو گئے۔ ایک فرشتے نے جھنڈا اٹھا لیا جو ان کا ہم شکل تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: ”یا مصعب! آگے بڑھو۔“ اس نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! میں مصعب نہیں ہوں۔“ آپ پہچان گئے کہ وہ فرشتہ ہے جس کے ساتھ آپ کی تائید کی گئی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت محمد بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یا مصعب! آگے بڑھو۔“ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا مصعب تو شہید نہیں ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ”ہاں! ایک فرشتہ ان کے قائم مقام ہے۔ اس کا نام بھی مصعب ہے۔“

ابن عساکر نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”غزوہ احد کے روز میں تیر اندازی کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص میرے تیر واپس کر رہا تھا۔ وہ سفید چہرے والا خوبصورت انسان تھا۔ میں اسے نہیں جانتا تھا۔ مجھے بعد میں گمان گزرا کہ وہ فرشتہ تھا۔ ابن اسحاق، امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عوف سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جب غزوہ احد کے روز حضور اکرم ﷺ تنہا رہ گئے۔ حضرت سعد آپ کے سامنے تیر اندازی کر رہے تھے۔ ایک شخص انہیں تیر پکڑا رہا تھا۔ جب ان کا تیر چلتا وہ اسے واپس لے آتا۔ اس نے کہا: ”ابو اسحاق! تیر چلائیں۔“ جب وہ فارغ ہوئے تو انہوں نے اس جوان کو دیکھا لیکن وہ انہیں نظر نہ آیا وہ نہ ہی اسے جانتے تھے۔

امام بیہقی نے حضرت عروہ سے رب تعالیٰ کے اس فرمان ”ولقد صدقکم اللہ وعدہ۔“ (آل عمران: ۱۵۲) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کا ان سے وعدہ یہ تھا کہ اگر انہوں نے صبر کیا تقویٰ اختیار کیا تو وہ پانچ ہزار نشان زدہ ملائکہ سے

ان کی مدد کرے گا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ جب انہوں نے آپ کی نافرمانی کی۔ صفیں توڑیں تیر اندازوں نے آپ کے عہد کی پاسداری نہ کی۔ انہوں نے دنیا کا ارادہ کیا تو ملائکہ کی امداد ان سے اٹھالی گئی۔ اس پہ فرمان اترا: "ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونہم باذنہ" رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا انہیں فتح دکھادی جب انہوں نے نافرمانی کی تو انہیں آزمائش میں ڈال دیا۔

بعض مسلمانوں کا واپس آجانا

ابن منذر نے کلب بن شہاب سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: "وہ منبر پر سورۃ آل عمران کی تلاوت فرما رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "اس میں غزوہ احد کا تذکرہ ہے۔ جب اس آیت طیبہ تک پہنچے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ (آل عمران: ۱۵۵)

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم میں سے اس روز جب مقابلے میں نکلے۔"

تو فرمایا: "جب غزوہ احد کا دن تھا تو ہمیں شکست ہو گئی۔ میں بھاگ نکلا میں پہاڑ پر چڑھ گیا میں نے خود کو دیکھا کہ گویا کہ میں یوں بھاگ رہا تھا جیسے جنگلی مینڈھا بھاگتا ہے۔ میں نے یہودی کو سنا وہ کہہ رہا تھا "مجد عربیؓ کو شہید کر دیا گیا ہے" میں نے کہا: "میں نے جس کو بھی یوں کہتے ہوئے سنا اس کا سر قلم کر دوں گا۔" میں نے دیکھا مجھے حضور اکرمؐ کی زیارت ہو گئی صحابہ کرام آپ کے پاس واپس آ رہے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جو ہستی آپ کے پاس آئی وہ حضرت قیس بن محرز کی تھی۔ ان کے ہمراہ انصار کا ایک گروہ تھا۔ انہوں نے مشرکین کے ساتھ مقابلہ کیا۔ گھمسان کارن پڑا۔ ان میں سے ایک شخص نے بھی راہ فرار اختیار نہ کی۔ حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا۔ حضرت قیس نے بہت زیادہ شمشیر زنی کی۔ حتیٰ کہ ایک گروہ کو تہ تیغ کیا۔ مشرکین نے نیزہ مار کر ہی انہیں شہید کیا۔ جب انہیں تلاش کیا گیا تو ان پر نیزے کے چودہ گہرے زخم تھے۔ جسم اطہر پر شمشیر کے دس زخم تھے۔

حضرت خباب بن منذر نے آواز دی۔ "اے آل سلمہ! یکجان ہو کر آپ کی طرف واپس آ جاؤ۔" انہوں نے کہا: "اے رب تعالیٰ کے داعی! ہم حاضر ہیں۔" حضرت عباس بن عیادہ، حضرت خارجہ بن زید، حضرت اوس بن ارقم اپنی اپنی آواز بلند کر رہے تھے۔ حضرت عباس نے کہا: "اے مسلمانوں کے گروہ! رب تعالیٰ اور اس کے نبی مکرمؐ کی طرف لوٹ آؤ۔ تمہیں یہ زخم اس لیے لگا ہے کیونکہ تم نے اس کے نبی مکرمؐ کی نافرمانی کی ہے۔ اس کی نصرت کا وعدہ اس وقت تک تھا جب تک تم صبر کرتے۔" انہوں نے اپنا خود اتارا۔ زرہ اتاری، حضرت خارجہ بن زید سے کہا: "کیا تمہیں ان چیزوں کی ضرورت ہے؟"

انہوں نے کہا: ”نہیں! میں بھی شہادت کا متمنی ہوں جس کے آپ خواہاں ہیں۔“ وہ سارے مشرک قوم سے نبرد آزما ہو گئے۔ حضرت عباس کہہ رہے تھے ”اگر ہماری آنکھ جھپک رہی ہو اور حضور اکرم ﷺ کو اذیت پہنچی تو رب تعالیٰ کے ہاں ہمارا عذر قبول نہ ہوگا۔“ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”رب کے دربار میں نہ ہمارا عذر مقبول ہوگا نہ ہی دلیل۔“ سفیان بن عبد شمس نے حضرت عباس کو شہید کر دیا۔ حضرت خارجہ پر نیزوں کی بارش ہو گئی۔ ان کو دس سے زائد نیزے لگے۔ صفوان بن امیہ نے انہیں جام شہادت پلایا۔ حضرت اوس بن ارقم بھی قبائے شہادت زیب تن کر گئے۔ حضرت مالک بن دشم حضرت خارجہ بن زید کے پاس سے گزرے۔ ان کی آنتیں باہر نکل گئی تھیں۔ ان کے جسم پر تیرہ زخم تھے ہر زخم کاری تھا۔ انہوں نے ان سے کہا: ”کیا تمہیں علم ہے کہ محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں؟“ حضرت خارجہ نے فرمایا: ”اگر حضور اکرم ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو رب تعالیٰ تو زندہ ہے اسے موت نہیں ہے۔ رسول کریم ﷺ نے تو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے اپنے دین کے لیے جنگ کرو۔“ وہ حضرت سعد بن ربیع کے پاس سے گزرے۔ ان کے بارہ زخم لگے تھے ہر زخم جان لیوا تھا۔ انہوں نے ان سے کہا: ”کیا تمہیں علم ہے کہ محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں؟“ حضرت سعد نے فرمایا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اپنے دین کے تحفظ کے لیے لڑو۔ رب تعالیٰ تو زندہ ہے۔ اسے موت نہیں۔“

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ صحابی جس نے آپ کو سب سے پہلے پہچانا وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضور اکرم ﷺ کی چسماں مقدس کو دیکھا وہ خود کے نیچے تاباں تھیں۔ میں نے باواز بلند کہا: ”اے مسلمانوں کے گروہ! تمہیں بشارت! یہ حضور اکرم ﷺ ہیں۔“ آپ نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ آپ نے حضرت کعب کا سامان حرب منگوایا۔ وہ زرد یا کچھ زرد تھا۔ اسے پہنا اپنا سامان جنگ اتارا اسے حضرت کعب نے پہن لیا۔ حضرت کعب مصروف جنگ ہو گئے انہیں سترہ زخم آئے۔ کیونکہ انہوں نے شدید قتال کیا تھا۔

الطبرانی نے ثقہ افراد سے روایت کیا ہے کہ حضرت کعب نے فرمایا: ”امد کے روز ہم گھائی کی طرف گئے میں نے سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کو پہچانا تھا۔ میں نے کہا: ”یہ رسول کریم ﷺ ہیں۔ آپ نے دست اقدس سے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر آپ نے میرا اور میں نے آپ کا سامان پہنا۔ میں نے اتنی شمیر زنی کی حتیٰ کہ مجھے بیس زخم آئے۔ جو مجھے مارتا وہ مجھے حضور اکرم ﷺ سمجھ کر مارتا تھا۔ جب مسلمانوں نے آپ کو پہچان لیا تو وہ آپ کی طرف آنے لگے۔ جب انہوں نے آپ کو صحیح و سالم دیکھا تو گویا کہ انہیں کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں تھی۔ وہ بہت زیادہ مسرور ہوئے۔ جب مسلمانوں نے آپ کو پہچانا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ ان کے ساتھ اٹھ کر گھائی کی طرف جانے لگے۔ آپ کے ہمراہ ابو بکر صدیق، عمر فاروق، علی المرتضیٰ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، عمارت بن صمد اور مسلمانوں کا ایک گروہ جلائے تھے۔“

ابی بن خلف کا قتل

امام بیہقی نے حضرت سعید بن مسیب، ابو نعیم نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابی بن خلف نے غزوہ بدر میں قیدی بننے کا فیہ ادا کیا تو اس نے کہا: "بخدا! میرے پاس "العود" ہے جسے میں ہر روز ایک فرق مکئی کھلاتا ہوں۔ میں اس پر سوار ہو کر محمد عربی ﷺ کو شہید کروں گا۔ جب آپ تک اس کی یہ بکو اس پہنچی تو آپ نے فرمایا: "نہیں! بلکہ میں اسے قتل کروں گا۔" ایک قول یہ ہے کہ اس نے یہ بات ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں آپ سے کی تھی۔ جب غزوہ احد رونما ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: "مجھے اندیشہ ہے کہ ابی بن خلف میرے پیچھے سے مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ جب تم اسے دیکھو تو مجھے بتا دینا۔ حضور اکرم ﷺ جنگ کے وقت پیچھے نہیں دیکھتے تھے۔ جب آپ گھائی میں تشریف فرما ہو گئے تو ابی بن خلف ادھر آ گیا۔ وہ غرق آہن تھا۔ وہ گھوڑے کو قاص کراتا آ رہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی اسے دیکھ لیا وہ کہہ رہا تھا "محمد مصطفیٰ ﷺ کہاں ہیں؟ اگر وہ بیچ گئے میں نہیں بیچ سکوں گا۔" حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کے سامنے آ گئے وہ آپ کا دفاع کر رہے تھے۔ اس نے حضرت مصعب کو شہید کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ابی آپ کی طرف آ رہا ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو ہم میں سے ایک شخص اس کا کام تمام کر دے۔" دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ کرام اس کے سامنے آ گئے۔ آپ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔ اس کے راستے سے ہٹ جاؤ۔" جب وہ آپ کے قریب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: "یا کذاب! بھاگ کر کہاں جاتا ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ لیا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت زبیر بن عوام سے نیزہ لیا۔ آپ نے جھر جھری لی۔ صحابہ کرام آپ سے یوں پرے ہو گئے۔ جیسے اونٹ کی کمر سے مکھیاں دور ہو جاتیں ہیں۔ آپ جب کوشش فرماتے تھے تو آپ کی جدوجہد تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آپ ابی کے سامنے آئے۔ اس کی گردن پر نیزہ مارا۔ یا خود اور زرہ کے مابین نظر آنے والی جگہ پر نیزہ مارا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے گھوڑے سے کئی بار نیچے لڑھکا۔ وہ بیل کی طرح ڈکارنے لگا۔ اس کی گردن پر معمولی سی خراش آئی۔ اس کا خون رک گیا۔ یا اس کی پسلیوں میں سے پسلی ٹوٹ گئی۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا۔ اس نے کہا: "بخدا! مجھے محمد عربی ﷺ نے قتل کر دیا ہے۔" قوم نے کہا: "تیرا دل ٹوٹ گیا ہے۔ بخدا! تجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ معمولی خراش ہی ہے۔ اگر ہم میں سے کسی کی آنکھ پر بھی اتنا زخم ہوتا تو اس کو بھی کچھ نہ ہوتا۔" اس نے کہا: "مجھے لات و عربی کی قسم! جو چوٹ مجھے لگی ہے اگر اہل ذوالحجاز یا ربیعہ اور مضر کے قبائل کو لگتی تو وہ سارے مر جاتے۔ انہوں نے مجھے مکہ مکرمہ میں کہا تھا "میں تجھے قتل کر دوں گا۔ بخدا! اگر وہ مجھ پر لعاب دہن پھینک دیتے تو میں مر جاتا۔" جب مشرکین واپس آ رہے تھے تو یہ سرف کے مقام پر واصل جہنم ہو گیا۔ اس روز

آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا غصہ سب سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ جسے رب تعالیٰ کا رسول مکرم ﷺ قتل کرے۔ اہل دوزخ کے لیے ہلاکت ہو۔“

محمد بن عمر سلمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ابی بن خلف بطن رابع میں مرا۔ رات چھا جانے کے بعد میں وہاں جا رہا تھا۔ اچانک میں نے بھڑکتی ہوئی آگ دیکھی۔ جسے دیکھ کر میں ڈر گیا۔ ایک شخص باہر نکلا وہ زنجیریں کھینچ رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ ”پیاں! پیاں!“ ایک شخص نے کہا: ”اسے پانی نہ پلانا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا قتل کیا ہوا ہے۔“ حضرت حسان بن ثابت نے اس کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں:

لقد ورث الضلالة عن ابیه
اتیت الیہ تحمل رم عظم
وقد قتلت بنو النجار منکم
و تب ابنا ربیعة اذا اطاعا
و افلت حارث لماً شغلنا
ابی یوم بارزہ الرسول
و توعده و انت به جهول
امیة اذ یغوث یا عقیل
ابا جهل لامہما الهبول
باسر القوم اسرته قلیل

ترجمہ: ”ابی نے جس روز حضور اکرم ﷺ کو دعوت مبارزت دی اس روز وہ اپنے باپ سے گمراہی کا وارث بن گیا تو ایک بوسیدہ ہڈی اٹھا کر آپ کی خدمت میں آ گیا تو آپ کو دھمکیاں دینے لگا۔ حالانکہ وہ آپ سے بالکل نا آشنا تھا۔ بنو نجار نے تم میں سے امیہ کو اس حال میں تیغ کیا تھا کہ وہ پکار رہا تھا۔ اے عقیل! ربیعہ کے دونوں فرزند اس وقت ہلاکت کے گڑھے میں گرے جب انہوں نے ابو جہل کی فرمانبرداری کی۔ ان کی ماں ان دونوں سے محروم ہو گئی۔ جب ہم قیدیوں کو پابند سلاسل کر رہے تھے تو اس وقت حارث بھی چھپ گیا تھا۔ اس وقت ان کا خاندان تکلیف اٹھا چکا تھا۔“

یہ اشعار حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ہیں:

الامن مبلغ عنی ابیاً
تمنی بالضلالة من بعید
تمنیک الامانی من بعید
فقد لاقتک طعنة ذی حفاظ
له فضل علی الاحیاء طراً
لقد القیت فی حق السعیر
و تقسیم ان قدرت مع النذیر
و قول الکفر یرجع فی غرور
کریم البیت لیس بزی فجور
اذا نابت ملات الامور

ترجمہ: ”اے کون ہے جو ابی کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دے کہ تجھے جہنم کی گہرائیوں میں پھینک دیا گیا ہے تو طویل مدت سے گمراہی کی آرزو کرتا رہا۔ حالانکہ یہ کفر پر اقوال کا نتیجہ مکر و فریب ہی ہوتا ہے۔ تو مدتِ مدید سے امنگیں کرتا رہا اور قسمیں اٹھاتا رہا کہ تو اپنی نذر کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ تجھے ایک انتہائی باغیرت شخص کا نیزہ لگا جو شریف خاندان کا فرد تھا وہ فسق و فجور سے کوسوں دور تھا۔ جب بڑے بڑے حادثات یکے بعد دیگرے آتے رہے تو انہیں اس وقت دیگر قبائل پر فضیلت حاصل ہو گئی۔“

عثمان بن عبد اللہ کا قتل

محمد بن عمر نے لکھا ہے ”عثمان بن عبد اللہ اپنے اہل بیت گھوڑے پر آیا۔ وہ غرقِ آہن تھا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کو شہید کرنے کے ارادہ سے آیا۔ وہ گھائی کی طرف آ رہا تھا۔ وہ چلا رہا تھا۔ ”اگر آپ بچ گئے تو میں نہیں بچ سکوں گا۔“ حضور اکرم ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کا گھوڑا پھسلا اور ایک گڑھے میں جا گرا۔ گھوڑا اسے چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے گھوڑا پکڑ لیا۔ حضرت حارث بن صممہ اس کی طرف گئے۔ دونوں میں باہم شمیر زنی ہوتی رہی۔ حضرت حارث نے اس کی ٹانگ پر تلوار ماری وہاں سے زرہ اٹھی ہوئی تھی۔ وہ بیٹھ گیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ حضرت حارث نے اس کی زرہ لے لی۔ خود بھی لے لیا۔ حضرت حارث کے علاوہ کسی اور کے بارے نہیں سنا گیا کہ اسے اس کے مقتول کا سامان ملا ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اسے ہلاک کیا۔“

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اسے بطنِ مخملہ میں قیدی بنایا تھا۔ اس نے فدیہ دیا۔ مکہ مکرمہ واپس آ گیا۔ حتیٰ کہ میدانِ احد میں واصل جہنم ہوا۔ عبید بن حازم دوڑتا ہوا آیا گویا کہ وہ درندہ تھا۔ حضرت حارث بن صممہ نے اس کے کندھے پر مارا۔ اس کے ساتھی اسے اٹھا کر لے جانے لگے۔ حضرت ابو دجانہ جھپٹ کر اس کی طرف گئے۔ کچھ دیر اس کے ساتھ نیزہ بازی کی پھر تلوار سے اسے ذبح کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ آ کر مل گئے۔

حضور اکرم ﷺ کے زخموں کی مرہم پٹی

جب آپ گھائی کے راستہ کے پاس پہنچے تو حضرت علی المرتضیٰ بن مسعود نے مہر اس کے پانی سے اپنی ڈھال کو بھرا۔ اسے لے کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ تاکہ آپ ﷺ اس سے نوش فرمائیں آپ نے اس میں بوسہ پائی آپ نے اسے پینا مناسب نہ سمجھا اس سے آپ کے چہرہ انور سے خون دھویا گیا۔ آپ کے سراقس پر اٹھایا گیا۔ آپ فرما رہے تھے۔ ”اس قوم پر رب تعالیٰ کا غصہ شدید ہے جس نے اپنے نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور سے خون بہایا۔ حضرت محمد بن مسلمہ بنی مسعود عزت مآب

خواتین کے پاس پانی کی تلاش میں نکلے لیکن کسی کے پاس پانی نہ پایا۔ حضور اکرم ﷺ کو بہت زیادہ پیاس لگی ہوئی تھی۔ حضرت محمد سلمہ قتاتہ کی طرف گئے اور بیٹھے پانی کا مشکیزہ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر کیا۔ آپ نے اسے نوش جاں فرمایا اور انہیں دعائے خیر سے نوازا۔

امام بخاری، امام مسلم، امام بیہقی اور الطبرانی نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا۔ آپ کے دندان مبارک ٹوٹ گئے۔ خود آپ کے سراقس پر ٹوٹ گیا۔ مشرکین واپس چلے گئے۔ مسلمان خواتین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف آئیں۔ ان میں حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ جب وہ حضور اکرم ﷺ سے ملیں تو وہ آپ کے گلے پٹ گئیں۔ وہ آپ کے زخم دھونے لگیں۔ حضرت علی المرتضیٰ ڈھال سے پانی انڈیل رہے تھے۔ خون زیادہ بہنے لگا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اسے آگ میں جلا کر راکھ بنایا وہ راکھ لی اور اسے زخموں پر رکھ دیا وہ زخموں سے چمٹ گئی خون مبارک رک گیا۔

ابو سلیمان جوزجانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو امامتہ سہل بن حنیف نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ احد کے روز بوسیدہ ہڈی سے علاج کیا تھا۔" ہدایۃ میں ہے یہ حدیث غریب ہے۔

چٹان پر چڑھنے کا ارادہ

ابن اسحاق، امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ گئے تاکہ چٹان کی طرف چڑھیں۔ آپ نے اس روز دوزر میں پہن رکھی تھیں۔ آپ اوپر نہ چڑھ سکے۔ آپ کے بیچے حضرت طلحہ بن عبید اللہ بیٹھے۔ آپ اٹھے اور چٹان پر چڑھ گئے۔ آپ نے فرمایا: "حضرت طلحہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ حسن سلوک کر کے اپنے اوپر جنت کو لازم قرار دے دیا۔"

رب تعالیٰ سے نصرت کی دعا

ابن اسحاق، ابن جریج، ابن منذر، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ اسی اثناء میں حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ گھائی میں جلوہ افروز تھے۔ مشرکین کا ایک گروہ اوپر چڑھنے لگا۔ خالد بن ولید کے ساتھ مشرکین کا ایک گروہ تھا۔ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! ہمارے پاس قوت نہیں مگر تیرے ساتھ۔ مولا! اس شہر میں ان کے علاوہ اور کوئی تیری عبادت نہیں کرے گا۔ مولا! انہیں ہلاک نہ کر مولا اب انہیں اوپر آنے کی ہمت نہ دے۔" مسلمانوں کے ایک گروہ نے مشرکین پر تیرا نذی شروع کی۔ ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے مشرکین کے گھوڑوں پر تیرا نذی کی

اور انہیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمان اس پہاڑ پر چڑھ گئے۔

امام احمد اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز یہ دعا مانگی تھی

”مولا! کیا تو چاہتا ہے کہ اس زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے۔“

اموی نے مغازی میں لکھا ہے ”مشرکین پہاڑ پر چڑھ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے فرمایا: ”انہیں واپس لوٹاؤ۔“ انہوں نے عرض کی: ”میں اکیلے انہیں کیسے واپس کروں؟“ انہوں نے تین بار یوں کہا: ”حضرت سعد نے اپنے ترکش سے تیر لیا۔ ایک شخص کو تیر مارا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انہوں نے فرمایا: ”پھر میں نے وہ تیر نکالا جسے میں جانتا تھا۔ میں نے اسے پھینکا ایک اور مشرک کو اصل جہنم کیا۔ پھر ایک اور تیر نکالا۔ اسے میں جانتا تھا اسے مارا ایک اور مشرک کو موت کے گھاٹ اتار دیا وہ اس جگہ سے نیچے اتر آئے۔“ ابن جریر نے لکھا ہے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

ترجمہ: ”اور نہ ہمت ہارو اور نہ غمزدہ ہو اور تم ہی سر بلند ہو گئے اگر تم سچے مومن ہو۔“

اس روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زخموں کی وجہ سے نماز ظہر بیٹھ کر ادا کی۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر

نماز ادا کی۔

حضرت حسیل کی شہادت

یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی تھے۔ جب مسلمان احد کی طرف چلے گئے تو حضرت حسیل اور حضرت ثابت بن دقش رضی اللہ عنہما کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ گڑھیوں میں بھیج دیا تھا۔ یہ دونوں عمر رسیدہ تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:

”ہم کس امر کے منتظر ہیں۔ بخدا! اب عمر میں سے کچھ باقی نہیں بچا۔ ہم آج یا کل لقمہ اجل بن جائیں گے۔ کیا ہم اپنی تلواریں نہ پکڑیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا کر مل جائیں شاید رب تعالیٰ ہمیں مرتبہ شہادت پر فائز فرما دے۔“ انہوں نے اپنی تلواریں لیں۔ پھر باہر نکل آئے۔ لوگوں میں مشرکین کی طرف سے داخل ہوئے۔ مسلمان انہیں نہ جان سکے۔ حضرت ثابت کو مشرکین نے شہید کر دیا۔ حضرت حسیل پر مسلمانوں کی تلواریں ٹکرائیں۔ انہوں نے انہیں شہید کر دیا۔ انہیں علم تک نہ ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ انہیں عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے شہید کیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میرے والد گرامی! صحابہ کرام نے فرمایا: ”ہم انہیں پہچان نہیں سکے وہ سچ کہہ رہے تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش کرے وہ رحم الراحمین ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیت ادا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ دیت پر مسلمانوں پر معاف

کردی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعائے خیر سے نوازا۔ حضرت عروہ نے لکھا ہے کہ حدیفہ میں یہ بھلائی باقی رہی حتیٰ کہ انہوں نے رب تعالیٰ سے ملاقات کر لی۔

مخیر بلیق نصری اسرائیلی کی شہادت

محمد بن عمر اسلمی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کا تعلق بنو قینقاع میں سے بنو ثعلبہ کے ساتھ تھا۔ وہ یہودی علماء میں سے ایک تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اوصاف سے جانتے تھے۔ مگر اپنے دین کی محبت غالب تھی۔ جب ہفتہ کا روز آیا۔ انہوں نے کہا: "اے گروہ یہود! بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کرنا تم پر لازم ہے۔" یہودیوں نے کہا: "آج ہفتہ ہے۔" انہوں نے کہا: "اب تمہارے لیے ہفتہ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔" پھر انہوں نے اپنی قوم سے کہا: "اگر میں آج شہید ہو جاؤں تو میرے اموال محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا۔ وہ ان میں جیسے چاہیں تصرف کریں۔" پھر انہوں نے اپنا اسلحہ لیا۔ باہر نکل آئے۔ جب لوگ جنگ کرنے لگے تو انہوں نے بھی جہاد کیا اور قبائے شہادت پہن لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "مخیر بلیق یہودیوں میں سے بہترین ہیں۔" زبیر بن بکار نے حضرت ابن شہاب سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مخیر بلیق یہودیوں میں سے سلیمان اہل ایران میں سے اور بلال اہل حبشہ میں سے سبقت لے گئے ہیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مخیر بلیق کے اموال پر قبضہ کر لیا۔ وہ سات باغ تھے ان کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

حضرت الاصیرم عمرو بن ثابت بن وقش کی شہادت

ابن اسحاق، ابو داؤد اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اصیرم اسلام کا انکار کرتے تھے۔ حاکم نے لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک جن آتا وہ جن انہیں اسلام سے روکتا تھا۔ ایک دن اصیرم آئے حضور اکرم اور صحابہ کرام اس روز میدان احد میں تھے۔ انہوں نے پوچھا: "سعد بن معاذ کہاں ہیں؟" انہیں بتایا گیا "میدان احد میں" انہوں نے پوچھا: "ان کے بھتیجے کہاں ہیں؟" انہیں بتایا گیا "احد میں" اسلام کی حقانیت ان پر آشکارا ہو گئی۔ انہوں نے اپنی تلوار اور نیزہ لیا سامان حرب لیا اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور لوگوں میں گھس گئے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا تو انہیں کہا: "عمرو! ہم سے دور ہو جاؤ۔" انہوں نے کہا: "میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔" انہوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ زخموں سے چور ہو گئے۔ بنو عبد الاشہل میدان جنگ میں اپنے شہداء کو تلاش کر رہے تھے کہ انہیں حضرت اصیرم ملے۔ انہوں نے ان سے پوچھا: "تمہیں یہاں کون سا جذبہ لے کر آیا ہے کیا اپنی قوم کی محبت یا اسلام کی رغبت؟" انہوں نے کہا: "اسلام میں رغبت۔ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسول محترم ﷺ پر ایمان لایا۔ میں نے اسلام قبول کیا۔ اپنی تلوار لی اور آپ کی خدمت میں جہاد کے لیے حاضر ہو گیا۔ مجھے وہ زخم لگے جو تم دیکھ رہے ہو۔ اگر میں مر جاؤں تو میرے اموال محمد عربی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا وہ جیسے چاہیں تصرف فرمائیں۔“

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ ان کے پاس آئے۔ انہوں نے اپنے بھائی سے پوچھا: ”ان سے پوچھو: ”کیا اپنی قوم کی حمیت کی وجہ سے یارب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے لیے ناراض ہو کر آئے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے لیے ناراض ہو کر آیا ہوں۔“ پھر وہ ان کے ہاتھوں میں وصال کر گئے۔ انہوں نے ان کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا تو آپ نے فرمایا: ”وہ اہل جنت میں سے ہے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ”مجھے اس شخص کے بارے بتاؤ جو جنت میں داخل ہو گیا۔ لیکن اس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔“ لوگ نہ بتا سکتے وہ پوچھتے وہ کون سا خوش نصیب ہے۔“ حضرت ابو ہریرہ بتاتے: ”وہ حضرت اصیرم میں۔“ الاصابۃ میں ہے: ”ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ وہ صحابہ کرام جنہوں نے پہلے انہیں کہا تھا: ”ہم سے دور ہو جاؤ۔“ وہ ان کی قوم کے علاوہ دیگر اہل ایمان تھے۔ نیز یہ کہ جب انہوں نے انہیں میدان جنگ میں پایا وہ انہیں اٹھا کر ان کے اہل خانہ کے پاس لے گئے۔

حضرت خنظلہ، غسیل ملائکہ

ابن اسحاق نے محمود بن لبید سے، ابن مسعود نے حضرت عروہ سے اور ابو نعیم نے حضرت یحییٰ بن عباد بن عبد اللہ بن زبیر وہ اپنے والد گرامی اور وہ اپنے پدر بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب مشرکین پیچھے ہٹ گئے۔ تو حضرت خنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے گھوڑے کو مارا۔ وہ زمین پر گر پڑا وہ چیخنے لگا۔ حضرت خنظلہ رضی اللہ عنہ اسے ذبح کرنا چاہتے تھے۔ الاسود بن شداد نے انہیں جالیا اس نے حضرت خنظلہ پر نیزے سے حملہ کر دیا۔ یہ ایک گہرا زخم تھا۔ حضرت خنظلہ رضی اللہ عنہ دو بارہ اس کی طرف گئے۔ اسود نے دو بارہ حملہ کیا اور یہ جام شہادت نوش کر گئے۔ جب بارگاہ رسالت مآب میں ان کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”میں نے ملائکہ کو دیکھا جو زمین اور آسمان کے مابین انہیں غسل دے رہے تھے۔ وہ بارش کے پانی کے ساتھ چاندی کے برتنوں میں انہیں غسل دے رہے تھے۔“ حضرت ابواسید الساعدی فرماتے ہیں: ”ہم حضرت خنظلہ رضی اللہ عنہ کی طرف گئے ان کے سر سے پانی کے قطرات گر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ان کی اہلیہ محترمہ سے ان کی کیفیت کے بارے پوچھو۔“ ان کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا: ”جب انہوں نے منادی کی صدا سنی تو یہ حالت جنابت میں تھے۔ یہ اسی حالت میں

جہاد کے لیے نکل آئے۔ آپ نے فرمایا: ”اسی لیے ملائکتہ نے انہیں غسل دیا ہے۔“

محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ ان کی زوجہ حضرت جمیلہ بنت ابی بن عبد اللہ تھیں حضرت خنظلہ نے ان کے ساتھ اس رات کو وظیفہ زوجیت ادا کیا تھا جس کی صبح کو غزوہ احد رونما ہوا تھا۔ انہوں نے اس کے بارے آپ سے اجازت طلب کی تھی۔ آپ نے انہیں اذن دے دیا تھا۔ وقت صبح جب یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہونے لگے۔ تو حضرت جمیلہ ان کے ساتھ پیٹ گئیں۔ وہ واپس آئے۔ ان سے وظیفہ زوجیت ادا کیا۔ حضرت جمیلہ نے اپنی قوم کے چار افراد کو گواہ بنالیا تاکہ کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہو۔ جب ان سے پوچھا گیا ”آپ نے گواہ کیوں بنایا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”میں نے دیکھا کہ گویا کہ آسمان پھٹ گیا ہے۔ حضرت خنظلہ اندر چلے گئے ہیں۔ پھر وہ بند ہو گیا ہے۔“ میں نے کہا: ”یہ شہادت کی علامت ہے۔ وہ حضرت عبد اللہ بن خنظلہ رضی اللہ عنہما سے حاملہ ہوئیں۔“

حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہما کی شہادت

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں بہت شدید لنگڑا پن تھا۔ ان کے چار بیٹے تھے جو شیر کی طرح بہادر تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں شرکت کرتے تھے۔ ان کے اسماء گرامی حضرات خلا، معوذ، معاذ اور ابوا یمن رضی اللہ عنہم تھے۔ جب غزوہ احد کا دن آیا تو انہوں نے اپنے والد گرامی کو روکنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور کیا ہے۔“ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: ”میرے بیٹے مجھے جہاد کے لیے جانے سے روک رہے ہیں۔ وہ اس لنگڑے پن کی وجہ سے مجھے معذور قرار دے رہے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنے اس لنگڑے پن سے جنت کو روندھ ڈالوں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”رب تعالیٰ نے تمہیں معذور کیا ہے تم پر جہاد فرض نہیں ہے۔“ آپ نے ان کے فرزندوں سے کہا: ”تم انہیں نہ روکو۔ شاید رب تعالیٰ انہیں رتبہ شہادت عطا فرمادے۔“ جب حضرت عمرو باہر نکلے تو وہ قبلہ رو ہو کر یہ دعا مانگنے لگے۔ ”مولا! مجھے اہل خانہ کے پاس خائب و خاسر نہ لوٹانا۔“ انہوں نے قبائے شہادت زیب تن کی۔

امام احمد نے حضرت قتادہ بن حارث سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کا کیا خیال ہے اگر میں راہ خدا میں جہاد کروں۔ شہید ہو جاؤں تو کیا میں اس صحیح ٹانگ کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔“ ان کی ٹانگ میں لنگڑا پن تھا۔ آپ نے فرمایا: ”ہاں! غزوہ احد میں وہ، ان کے بھتیجے اور ان کے غلام نے جام شہادت نوش کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ”عمرو! گویا کہ میں تمہاری طرف دیکھ رہا ہوں۔ تم اس صحیح ٹانگ کے ساتھ جنت میں چل رہے ہو۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے حکم دیا انہیں ایک

قبر میں دفن کیا گیا۔ ان کے فرزند حضرت خلد نے بھی جام شہادت نوش کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام

یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ حضرت ہند بنت عمرو نے انہیں اپنے اونٹ پر سوار کیا۔ وہ انہیں مدینہ طیبہ لے جانا چاہتی تھیں۔ یہ رستہ میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملیں۔ وہ خواتین کے ساتھ حالات معلوم کرنے نکلیں تھیں۔ ابھی پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے ان سے پوچھا: ”کیا خبر ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں۔ آپ صحیح و سالم ہیں تو ہر مصیبت پیچ ہے۔ کچھ اہل ایمان شہید ہوئے ہیں۔“

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۗ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۗ

وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿۲۵﴾ (الاحزاب: ۲۵)

ترجمہ: ”اور ناکام لو نادیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو در آنحالیکہ اپنے غصہ میں پیچ و تاب کھا رہے تھے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے اللہ بڑا طاقتور ہے۔“

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ”یہ کون ہیں؟“ انہوں نے عرض کی: ”یہ میرا بھائی، بیٹا حضرت خلد اور خاوند حضرت عمرو ہیں۔“ انہوں نے پوچھا: ”تم انہیں لے کر کہاں جا رہی ہو؟“ انہوں نے عرض کی: ”مدینہ طیبہ میں۔ میں انہیں وہاں دفن کروں گی۔“ پھر وہ اپنے اونٹ کو جھڑکنے لگیں۔ اونٹ بیٹھ گیا۔ ام المؤمنین نے پوچھا: ”اسے کیا ہوا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”کبھی تو یہ دو اونٹوں کا بوجھ بھی اٹھا لیتا ہے۔ میرا خیال ہے اس کا کوئی اور سبب ہے۔“ انہوں نے اسے جھڑکا۔ وہ اٹھا پھر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اس کا رخ احد کی طرف کیا تو وہ جلدی جلدی چلنے لگا۔

وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں اور ساری صورت حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا: ”یہ اونٹ مامور ہے۔ کیا حضرت عمرو نے کچھ کہا تھا؟“ انہوں نے کہا: ”انہوں نے احد کی طرف آتے وقت کہا تھا: ”مولا! مجھے اپنے اہل خانہ کی طرف غائب و خاسر نہ لوٹا۔ مجھے شہادت عطا فرما۔“ آپ نے فرمایا: ”اسی لیے اونٹ نہیں چل رہا۔ اے گروہ انصار! تم میں ایسے پاک طینت افراد بھی ہیں۔ اگر وہ رب تعالیٰ کی قسم اٹھائیں تو رب تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دے۔ حضرت عمرو بھی ان میں سے ایک ہیں۔ اے ہند! میں نے انہیں دیکھا ہے۔ وہ اپنے لنگڑے پن سے جنت کو روند رہے تھے۔ تمہارے بھائی پر فرشتے سایہ فگن رہے۔ وہ ان کی شہادت سے لے کر ابھی تک ان پر سایہ کناں تھے۔ وہ اسی انتظار میں تھے کہ انہیں کہاں دفن کیا جاتا ہے۔“ پھر حضور اکرم ٹھہرے رہے۔ ان کی قبر بنوائی پھر فرمایا: ”اے ہند! یہ جنت میں اکٹھے رہیں گے۔“ انہوں نے عرض کی:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! رب تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔“

حضرت جابر نے فرمایا: ”میرے والد صاحب مسلمانوں میں سے سب سے پہلے شہید ہوئے۔ انہیں سفیان بن عبد شمس نے شہید کیا۔“ محمد بن عمر اسلمی نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے خواب میں حضرت مبشر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ یہ غزوہ احد سے پہلے کا خواب ہے۔ انہوں نے مجھے کہا: ”کچھ دنوں بعد تم ہمارے پاس آنے والے ہو۔“ میں نے پوچھا: ”تم کہاں ہو؟“ انہوں نے کہا: ”جنت میں۔ میں اس میں جیسے چاہتا ہوں سیر کرتا ہوں۔“ میں نے کہا: ”کیا تم بدر میں شہید نہیں ہو گئے تھے؟“ انہوں نے فرمایا: ”ہاں! پھر مجھے حیاتِ نو نصیب ہوئی۔“ انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب میں اس خواب کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”ابو جابر یہ شہادت ہے۔“

قرمان کا قتل

یہ بہت بہادر تھا۔ یہ اجنبی تھا اس کا تعلق کس کے ساتھ تھا۔ معلوم نہیں۔ جب اس کا تذکرہ کیا جاتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ”یہ اہل ناریں سے ہے۔“ غزوہ احد میں پیچھے رہ گیا۔ بنو ظفر کی خواتین نے اسے عار دلانی۔ یہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ آپ صفیں درست فرما رہے تھے۔ یہ صفِ اول میں پہنچ گیا۔ سب سے پہلے اسی نے ہی تیر پھینکا تھا۔ وہ اس طرح نیزے مارتا تھا گویا کہ وہ تیر ہوں۔ وہ اونٹ کی طرح جوشیلا تھا۔ پھر اس نے تلوار کے ساتھ بہادری کے جوہر دکھائے۔ حتیٰ کہ اس نے سات یا نو مشرکین کو جہنم واصل کیا۔ اسے زخم آیا وہ گر پڑا۔ حضرت قتادہ بن نعمان نے اسے صدا دی۔ ”اے ابو الغیہ اقی! تمہیں شہادت مبارک ہو!“ مسلمان کہنے لگے: ”ارے تم نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ تمہیں بشارت ہو۔“ اس نے کہا: ”مجھے کس چیز کی بشارت ہو؟ میں تو اپنی قوم کے شرف کی وجہ سے لڑ رہا تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں کبھی نہ لڑتا۔“ پھر اس نے اپنی تلوار پر دباؤ ڈالا یا اپنے ترکش سے ایک تیر لیا اور خود کٹی کر لی۔ بارگاہِ رسالت پناہ میں اس کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: ”وہ دوزخی ہے۔ اللہ تعالیٰ فاجر شخص کے ذریعے اس دین کی نصرت کرے گا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی شہادت

الطیالسی، ابن ابی شیبہ، ابن سعد، امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی وغیرہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن نصر رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ انہی کی وجہ سے ان کا نام انس رکھا گیا تھا وہ غزوہ بدر میں شرکت نہ کر سکے۔ ان پر یہ امر گراں گزرا۔ انہوں نے کہا: ”یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا۔ لیکن میں اس میں شرکت نہ کر سکا اگر مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کی توفیق رب تعالیٰ نے مجھے مرحمت فرمادی تو رب تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا

ہوں۔“ جب غزوہ احد رونما ہوا۔ مسلمان تیر اندازوں نے لغزش کی تو انہوں نے کہا: ”مولا! ان تیر اندازوں نے جو کیا ہے میں تیری جناب میں اس کی معذرت کرتا ہوں۔ جو کچھ مشرکین نے کیا ہے میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔“ وہ مباہرین اور انصار کے پاس سے گزرے۔ وہ ہتھیار پھینکے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا: ”تم کیوں بیٹھے ہو؟“ انہوں نے جواب دیا: ”حضور اکرم ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔“ انہوں نے کہا: ”آپ کے بعد زندگی لے کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور اس امر پر جان لڑادو جس پر آپ نے جان دے دی ہے۔“ پھر انہوں نے مشرک قوم کی طرف رخ کیا۔ راستہ میں حضرت سعاد بن معاذ ملے۔ انہوں نے کہا: ”میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ حضرت انس نے قوم مشرکین کا رخ کیا جو کچھ انہوں نے کیا۔ مجھ میں وہ کچھ کرنے کی استطاعت نہ تھی۔ حضرت انس نے کہا: ”اے سعد بن معاذ! واہ! جنت کی خوشبو! رب نصر کی قسم! مجھے احد سے پرے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔“ پھر آگے بڑھے اور جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر تیر، نیزے اور تلوار کے اسی سے زائد زخم پائے گئے۔“ حضرت انس فرماتے ہیں: ”ہم نے انہیں پایا کہ ان کا منہ کھل کر دیا گیا تھا۔ ان کی بہن نے انہیں تل یا پورے سے پہچان لیا۔ ہم گمان کرتے تھے کہ یہ آیت طیبہ انہی جیسے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔“

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابن ابی عاصم نے حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں حضور اکرم ﷺ سارے صحابہ کرام سے آگے تھے۔ آپ کے اور دشمن کے مابین حضرت حمزہ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہ دشمن کے ساتھ قتال کر رہے تھے۔ وحشی نے انہیں تازہ کر نیزہ پھینکا اور شہید کر دیا۔ آپ نے ۳۱ مشرکین کو واصل جہنم کیا آپ کو اللہ کہا جاتا تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قتال کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ارطاة بن شریبل کو تہ تیغ کیا۔ یہ علمبرداروں میں سے ایک تھا۔ انہوں نے اسی طرح عثمان بن ابی طلحہ کو قتل کیا تھا۔ وہ علمبردار تھا وہ کہہ رہا تھا۔“

ان علی اهل اللواء حقا ان يحضبوا الصعدة و تندقا

ترجمہ: ”جھنڈا اٹھانے والوں کا حق یہ ہے کہ وہ نیزے کو خون سے رنگ دیں یا اسے نیچے گرا دیں۔“

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ابن اسحاق، طیبی، بخاری وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ وحشی نے کہا: ”حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر میں طعیمة بن عدی کو واصل جہنم کیا تھا۔ جب قریش احد کی طرف نکلے تو مجھے میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا: ”اگر تو نے حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ کو میرے چچا طعیمة کے عوض قتل کر دیا تو تو آزاد ہے۔“ جب لوگ احد کی طرف نکلے تو میں ان کے ساتھ عازم سفر

ہوا۔ میں ایک حبشی شخص تھا۔ میں حبشیوں کی طرح چھوٹا نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ میرا نشانہ کم ہی خطا جاتا تھا۔ جب لوگ باہم نبرد آزما ہوئے تو میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلا۔ میں ان کی جستجو کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ وہ مست اونٹ کی طرح لوگوں کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ وہ لوگوں کو تلوار کے ذریعے جہنم واصل کر رہے تھے۔ ان کے سامنے کوئی نہ ٹھہر سکتا تھا۔ جو سامنے آتا وہ اپنی تلوار سے اسے چیر کر رکھ دیتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں ہے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ہمیں شکست سے دو چار کیے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" لوگوں نے بتایا: "یہ حمزہ ہیں۔" میں نے کہا: "میرا نشانہ یہی ہیں۔ میں اپنے مقصد کے لیے تیاری کرنے لگا۔ میں درخت یا پتھر کی آڑ میں چھپنے لگا تاکہ وہ میرے قریب آجائیں جب سباع بن عبدالعزیٰ الغبثانی ان کے قریب گیا تو انہوں نے کہا: "اے لڑکیوں کے ختنے کرنے والی کے بیٹے! کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ پھر اس پر حملہ کیا تو وہ گزشتہ کل کی طرح ہو گیا۔ وہ اس پر جھکے تاکہ اس کی زرہ اتار لیں۔ میں پتھر کی آڑ میں چھپا بیٹھا تھا۔ جب حضرت حمزہ میرے قریب آئے۔" عمیر ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضرت حمزہ پھسلے۔ پیٹ سے زرہ اوپر اٹھ گئی۔ حبشی نے اسے دیکھ لیا اور نیزہ پھینک دیا۔" وحشی نے لکھا ہے "میں درخت کی آڑ میں تھا۔ میرے پاس میرا نیزہ تھا۔ جب آپ نشانے پر آگئے۔ جب مجھے تسلی ہو گئی میں نے نشانہ باندھا اور ان کی طرف پھینک دیا۔ وہ ناف کے نیچے ان کے اندر گھس گیا۔ ٹانگوں کے درمیان سے باہر نکل گیا۔ وہ میری طرف آنے لگے مگر وہ اس طرح نہ کر سکے۔ وہ نیچے گر پڑے۔ میں نے انہیں وہیں چھوڑا جب ان کی روح پرواز کر گئی تو میں ان کے پاس آیا۔ اپنا نیزہ نکالا۔ اپنے خیمہ کے پاس آیا۔ وہیں بیٹھ گیا۔ اب میرا مدعا اور کوئی نہ تھا۔ میں نے آزادی کے حصول کے لیے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو مجھے آزاد کر دیا گیا۔ میں مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا۔ میں طائف بھاگ گیا۔ میں وہیں ٹھہرا رہا۔ جب اہل طائف کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو مجھ پر راہیں تنگ ہو گئیں۔ میں نے سوچا کہ میں شام یا یمن یا کسی دوسرے ملک میں چلا جاتا ہوں۔ میں اس سوچ و بچار میں تھا۔ مجھے ایک شخص نے کہا: "تیرے لیے بلاکت! حضور اکرم ﷺ اس کو قتل نہیں کرتے جو آپ کے دین حق میں داخل ہو جائے۔" اس کی بات سن کر میں عازم سفر ہوا اور مدینہ طیبہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب وحشی مدینہ طیبہ آیا تو صحابہ کرام نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ وحشی ہے۔" آپ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔ ایک شخص کا اسلام مجھے ایک ہزار افراد کو تیغ کرنے سے بہتر ہے۔" وحشی نے کہا: "آپ کو اس وقت علم ہوا جب میں آپ کے سراقدس پر کھڑا حق کی شہادت دے رہا تھا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: "وحشی ہو؟" میں نے عرض کی: "ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔" آپ نے فرمایا: "نیچے بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے

میرے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کیسے شہید کیا تھا؟ جب میں پورا واقعہ سنا چکا تو فرمایا: "تیرا بھلا ہو! مجھ سے اپنا چہرہ پھیر لو۔ میں تمہیں نہ دیکھوں۔"

امام الطبرانی نے حسن سند کے ساتھ اور امام رازی نے وحشی سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا: "جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں نے آپ سے ملاقات کی تو آپ نے تین بار میرے چہرے پر تھوکا۔" پھر فرمایا: "مجھے اپنا چہرہ نہ دکھانا۔" الطبرانی نے حسن سند کے ساتھ وحشی سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا: "میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: "وحشی!" میں نے عرض کی: "ہاں!" فرمایا: "تم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا؟" میں نے عرض کی: "ہاں!" آپ نے فرمایا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے دست اقدس سے انہیں عزت بخشی ہے اور ان کے ہاتھ سے مجھے مبارک نہیں دی۔" قریش نے پوچھا: "کیا آپ اس سے پیار کرتے ہیں حالانکہ اس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا؟" میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں۔" آپ نے تین بار زمین پر لعاب دہن پھینکا۔ تین بار میرے سینے پر مارا۔ فرمایا: "وحشی! اٹھو راہ خدا میں اس طرح جہاد کیا کرو جس طرح راہ خدا سے روکنے کے لیے قتال کرتے تھے۔"

میں کہتا ہوں "آپ کا زمین پر لعاب دہن پھینکنا اس کے چہرے پر پھینکنے سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ آپ بڑے سب باحیاء اور اخلاق عالیہ سے مزین تھے۔" وحشی نے کہا: "میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چہرہ پھیر کر بیٹھا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ جب مسلمان مسلمہ کذاب کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلے تو میں بھی ان کے ساتھ نکلا۔ میں نے وہی نیزہ لیا جس کے ساتھ حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ جب لوگ باہم جنگ آزما ہوئے تو میں نے مسلمہ کو دیکھا وہ ہاتھ میں تلوار لیے کھڑا تھا۔ میں اسے جانتا تھا۔ میں اسے نیزہ مارنے کے لیے تیاری کرنے لگا۔ ایک اور انصاری شخص بھی اسی مقصد کی تیاری کرنے لگا۔ ہم دونوں اسی کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا نیزہ لہرایا۔ جب نشانہ باندھ لیا تو اسے اس کو مار دیا۔ وہ نشانے پر لگا۔ انصاری بھی اس کی طرف دوڑا۔ تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کس نے اس کا کام تمام کیا۔ اگر میں نے اسے قتل کیا ہے تو اگر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین انسان کو شہید کیا تھا تو پھر سب سے زیادہ شریرا انسان کو بھی میں نے ہی واصل جہنم کیا تھا۔"

محمد بن عمر اسلمی نے کتاب الردۃ میں لکھا ہے "یہ مبہم انصاری حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی تھے۔ اسحاق ابن راہویہ اور امام حاکم نے یقین کے ساتھ انہی کا نام لکھا ہے ایک قول میں حضرت عدی بن سہل کا ذکر ہے۔ سیف فی الردۃ میں انہی کا ذکر یقین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایک قول میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے ایک قول میں حضرت زید بن

خطاب کا تذکرہ ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے ”پہلا قول مشہور ہے شاید حضرت عبداللہ بن زید کی ضرب اسے لگی ہو اور دیگر دو صحابیوں نے اس پر حملہ کیا ہو۔ دشمن نے کتاب الردۃ میں عجیب بات یہ لکھی ہے کہ شن بن عبداللہ نے مسلمہ کا کام تمام کیا تھا۔ جبکہ ابو عمر نے لکھا ہے کہ جلاس بن بشیر نے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ میں نے التجرید میں ان کا تذکرہ نہیں پایا نہ العجالہ از برہان نووی میں ان کا تذکرہ ہے۔ نہ الاصابۃ از الحافظ میں ان کا ذکر ہے۔“

امام بخاری اور ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ جنگ یمامہ میں شریک تھے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے کسی کو یوں صدا لگاتے سنا۔“ ہائے امیر! سیاہ فام غلام نے اسے قتل کر دیا ہے۔“

محمد بن عمر اور صاحب الامتاع نے لکھا ہے ”جب وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو ان کا پیٹ چاک کیا ان کا کلیجہ نکالا۔ اسے ہند بن عتبہ کے پاس لے آیا۔ کہا: ”یہ حمزہ کا کلیجہ ہے۔ اس نے اسے نگلنا چاہا مگر یوں نہ کر سکی۔ پھر اسے پھینک دیا۔ اس نے اپنے کپڑے اور زیورات وحشی کو دے دیے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر دس دینار دینے کا وعدہ کیا۔“ وہ وحشی کے ساتھ گئی۔ اس نے حضرت حمزہ کی لاش مبارک دیکھی۔ ان کا کلیجہ نکالا۔ ناک کاٹی، کان کاٹے اس کے کنگن، بازو بند اور پازیب بنائے حتیٰ کہ ان کے ساتھ مکہ مکرمہ آئی۔“

حلیس بن زبان، احابیش کا سردار ابوسفیان کے پاس سے گزرا۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے منہ مبارک کے کنارے پر نیرہ مار رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”اے قوم کے نافرمان! مزہ چکھو!“ حلیس نے کہا: ”بنو کنانہ! یہ قریش کا سردار ہے جو اپنے چچا زاد کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔“ ابوسفیان نے کہا: ”تیرے لیے ہلاکت! یہ فعل چھپاؤ یہ لغزش ہے۔“ ہند ایک بلند چٹان پر چڑھی۔ اس نے باواز بلند کہا:

والحرب بعد الحرب ذات سحر

ولا اخی و عتہ و بکری

شفیت و حشی غلیل صدی

حتی ترقہ اعظمی فی قبری

نحن جزینا کم بیوم بدر

ما کان عن عتہ لی من صبر

شفیت نفسی و قضیت نذری

فشکر و حشی علی عمری

ترجمہ: ”(اے مسلمانو!) ہم نے تمہیں غزوہ بدر کا بدلہ دے دیا ہے جنگ کے بعد جنگ آگ کے شعلوں کی

طرح روشن ہوتی ہے۔ مجھے عتبہ، اپنے بھائی، اس کے چچا اور اپنے فرزند پر صبر نہ آتا تھا۔ میں نے خود کو

شفاء دی اپنی نذر پوری کر لی۔ وحشی! تو نے میرے سینے کی پیاس بجھادی۔ مجھ پر لازم ہے کہ میں ساری

زندگی وحشی کا شکر ادا کروں حتیٰ کہ میری ہڈیاں قبر میں پرانی ہو جائیں۔“

بند بنت اثاثہ نے اسے یوں جواب دیا:

یا بنت وقاع عظیم الکفر
مہا شمیین الطوال الزهر
حمزہ لیثی و علی صقری
فخضبا منه ضواحي النحر

خزیت فی بدر و بعد بدر
صبحک اللہ غداۃ الفجر
بکل قطاع حسام یفری
اذ رام شیب و ابوب غدری

ترجمہ: ”تو بدر میں ذلیل ہوئی اور بدر کے بعد بھی اے گھنٹیا اور عظیم کافر کی بیٹی! رب تعالیٰ صبح سویرے طویل قامت والے خوش اخلاق ہاشمیوں کو تیرے پاس لے آیا میرے شیر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور میرے عقاب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہر کاٹنے والی تلوار کے ذریعے تمہارے سر جدا کر دیے۔ جب شیبہ اور تیرے باپ نے میرے ساتھ مکر کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کے سینے کی اطراف کو خون آلود کر دیا۔“

حضرت عبد اللہ بن حش کی شہادت

محمد بن عمر اسلمی نے اپنے شیوخ اور ابن وہب نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز حضرت عبد اللہ نے ان سے کہا: ”اؤ کسی کو نے میں کھڑے ہو کر رب تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔“ حضرت سعد نے یہ دعا مانگی: ”مولا! جب کل میں دشمن سے ملوں تو میری ملاقات کسی بہادر شخص سے کرادینا۔ جو بہت جری ہو۔ اس کا غصہ شدید ہو۔ میں تیرے رستے میں اس کے ساتھ جہاد کروں۔ وہ میرے ساتھ قتال کرے۔ پھر مجھے اس پر غلبہ عطا فرما حتیٰ کہ میں اسے قتل کر کے اس کا سامان چھین لوں۔“

حضرت عبد اللہ نے ان کی اس دعا پڑھنا مین کہی۔ پھر خود یہ دعا مانگی: ”مولا! میری ملاقات ایسے شخص سے کرادے جو بہت بہادر ہو۔ بہت غصے والا ہو۔ میں تیرے رستے میں اس کے ساتھ جہاد کروں۔ وہ میرے ساتھ قتال کرے۔ وہ مجھے قتل کر دے۔ وہ میرا ناک اور کان کاٹ دے۔ جب میں تجھ سے ملاقات کروں تو تو مجھ سے پوچھے ”میرے بندے! تیرے ناک اور کان کیوں کاٹے گئے؟“ میں کہوں: ”تیرے اور تیرے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رستے میں۔“ اللہ تعالیٰ کہے: ”تو نے سچ کہا ہے“ حضرت سعد فرماتے تھے: ”حضرت عبد اللہ بن حش کی دعا میری دعا سے بہت عمدہ تھی۔ میں نے آخری حصہ میں دیکھا کہ ان کی ناک اور کان دھاگہ میں پروئے گئے تھے۔“

محمد بن عمر نے لکھا ہے: ”انہوں نے اپنا مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑا۔ آپ نے اس کے بیٹے کے لیے خیر

میں مال خریدا۔ انہیں اور ان کے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

حضرت ابوسعید خدری بن ابی خدیجہ کی شہادت

محمد بن عمر نے لکھا ہے "حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے غزوہ بدر کے روز عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! غزوہ بدر کے روز مجھ سے خطا ہوئی تھی۔ بخدا! میں اس کا بڑا حریص تھا۔ میں نے سفر پر روانہ ہونے کے لیے اپنے بیٹے سے قرعہ اندازی کی۔ اس کا قرعہ نکل آیا۔ وہ شہادت کے رتبہ پر فائز ہوا۔ میں نے آج رات اسے خواب میں دیکھا وہ بہت عمدہ شکل میں تھا۔ وہ جنت کے پھلوں اور نہروں میں گھوم رہا تھا۔ اس نے مجھے کہا ہے "ہمارے ساتھ آملو۔ ہم مل کر جنت میں رہیں گے۔ میں نے اسے سچا پایا ہے۔ جو میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔" یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں جنت میں اس کی رفاقت کا مشتاق ہو گیا ہوں۔ آپ رب تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ مجھے شہادت سے بہرہ ور کرے۔ جنت میں اس کی رفاقت اختیار کرے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ میدان احد میں وہ جام شہادت نوش کر گئے۔

حضرت مصعب بن عمیر کی شہادت

ابن سعد نے محمد بن شریب العبدری سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے علم اسلام اٹھایا۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ سے اسلام کا جھنڈا اٹھالیا۔ وہ یہ آیت طیبہ پڑھ رہے تھے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ (آل عمران: ۱۴۴)

ترجمہ: "اور نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول گزر چکے آپ سے پہلے کئی رسول۔"

پھر ان کا بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ وہ جھنڈے پر جھکے اور اسے اپنے سینے کے ساتھ چمٹالیا۔ وہ یہی آیت طیبہ پڑھ رہے تھے۔ پھر وہ شہید ہو گئے۔ جھنڈا نیچے گر پڑا۔ محمد بن شریب نے کہا: "یہ آیت طیبہ بعد میں نازل ہوئی۔"

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما لوگوں کو پانی پلا رہیں تھیں۔ اصحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لا رہی تھیں اور زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔ وہ بار بار پانی لا رہی تھیں اور زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔"

امام بخاری نے حضرت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی خواتین میں چادریں تقسیم کیں ایک عمدہ چادر بیچ گئی۔ ایک شخص نے عرض کی: "یہ چادر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شہزادی کو دے دیں۔ جو آپ کے عقد میں ہے۔" اس کی مراد حضرت ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا تھی۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: "حضرت ام

سلیط اس کی زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت ام سلیط انصار کی خواتین میں سے تھیں۔ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کی تھی۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: ”وہ غزوہ احد میں ہمیں مشکیزہ سے پانی پلا رہی تھیں۔ یہ ام سلیط رضی اللہ عنہا حضرت ابوسعید خدری کی والدہ ماجدہ تھیں۔“

مشرک خواتین کا مسئلہ کرنا

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”ہند بنت عتبہ اور اس کے ہمراہ دیگر مشرک خواتین شہداء صحابہ کرام کے پاس کھڑی ہو گئیں۔ وہ ان کے ناک اور کان کاٹنے لگیں۔ حتیٰ کہ ہند نے ان کی ناکوں اور کانوں کے بار اور پاز تہیں بنا لیں۔“

مشرکین کا مکہ مکرمہ کی طرف لوٹنا

ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے روایت کیا ہے ”جب فریقین ایک دوسرے کو قتل کرنے سے رک گئے اور ابوسفیان نے واپس جانے کا ارادہ کیا وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ پہاڑ کے دامن میں آیا۔ آواز بلند چلایا۔ ”کیا اس قوم میں محمد عربی ﷺ موجود ہیں؟“ اس نے تین بار یوں کہا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اسے جواب نہ دو۔“ اس نے پوچھا: ”کیا اس قوم میں ابوبکر صدیق ہیں؟“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اسے جواب نہ دو۔“ اس نے کہا: ”کیا اس قوم میں عمر بن خطاب موجود ہیں؟“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اسے جواب نہ دو۔“ اس نے ان تینوں کے بارے اس لیے پوچھا تھا کیونکہ وہ اور اس کی قوم جانتی تھی کہ اسلام کا انحصار انہی پر ہے۔ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ”یہ سارے قتل ہو گئے ہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ہمیں جواب دیتے۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا۔ امام احمد، امام الطبرانی اور ماکن نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا میں اسے جواب نہ دوں؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ الفتح میں ہے: ”گو یا کہ آپ نے پہلی بار انہیں جواب دینے سے منع کیا۔ تیسری بار حضرت عمر فاروق کو جواب دینے کا اذن دے دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ بولا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بچا لیا ہے جو تجھے رسوا کر دیں گے۔“ ابوسفیان نے کہا: ”ہبل بلند ہو۔ اپنے دین کو غالب کر دے۔“ آپ نے فرمایا: ”عمر! اسے جواب دو انہوں نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سب سے بلند اور اعلیٰ ہے۔“ ابوسفیان نے کہا: ”ہبل بلند ہو۔ اپنا دین غالب کر دے۔“

آج کا دن بدر کے دن کا مقابلہ ہے۔ یہ ایام ڈول کی مانند ہیں۔ جو پھرتے رہتے ہیں۔“

فیوم علینا و یوم لنا و یوم نساء و یوم نسر

ترجمہ: ”ایک دن ہمارے خلاف ہوتا ہے ایک دن ہمارے حق میں ہوتا ہے ایک روز ہم کو تکلیف پہنچتی ہے

اور ایک دن ہم خوش ہوتے ہیں۔“

خنظلہ کے بدلے خنظلہ! فلان کے عوض فلاں! حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے کہو: ہمارے مقتول جنت میں جبکہ تمہارے مقتول آگ میں ہیں۔“ ابوسفیان: ”یہ باتیں تو تم ہی کر رہے ہو۔ پھر تو ہم خائب و خاسر رہے۔ ہمارے لیے عڑی ہے اور تمہارے لیے کوئی عڑی نہیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اے کہو: ہمارا مولا اللہ تعالیٰ ہے تمہارا مولا کوئی نہیں ہے۔“ ابوسفیان نے کہا: ”قرعہ یہی نکلا تھا کہ یہ کام کر گزر۔“ عمر ادھر آئیں حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”جاؤ، دیکھو کیا کہتا ہے؟“ وہ اس کے قریب آئے۔ ابوسفیان نے کہا: ”عمر! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”بخدا! نہیں! آپ تو اب بھی تیرا کلام سن رہے ہیں۔“ اس نے کہا: ”تم ابن قمرہ سے سچے اور پاکباز ہو۔ ابن قمرہ نے کہا تھا: ”میں نے محمد عربی ﷺ کو شہید کر دیا ہے۔“ ابوسفیان نے باواز بلند کہا: ”تم اپنے مقتولوں میں دیکھو گے کہ بعض کا مثلہ کیا گیا ہے۔ بخدا! نہ میں اس پر راضی تھا۔ نہ میں نے حکم دیا نہ میں نے منع کیا۔ آئندہ سال اسی روز بدرالصفراء کے مقام پر ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اے کہو یہ ہمارے اور تمہارے مابین وعدہ ہے۔“

ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے پاس آگیا۔ مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کو خدشہ لاحق ہوا کہ مشرکین کہیں مدینہ طیبہ پر حملہ نہ کر دیں۔ وہ خواتین اور بچوں کو نقصان نہ دیں۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کو یا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کو بھیجا تا کہ وہ دیکھیں۔“ آپ نے فرمایا: ”دیکھو۔ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں۔ اور گھوڑوں کو ہانکیں تو یہ روانگی ہوگی اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو ہانکیں تو وہ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے لگیں گے۔ بخدا! اگر وہ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کے لیے گئے میں ان کے ساتھ چلوں گا اور انہیں جو سے اکھیر پھینکوں گا۔ حضرت علی یا حضرت سعد ان کے پیچھے مقام عقیق تک گئے۔ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے۔ گھوڑوں کو ہانکا۔ انہوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے بارے مشورہ کیا تھا۔ لیکن صفوان بن امیہ نے کہا تھا: ”یوں نہ کرو۔ تمہیں علم نہیں کہ تم پر کیا چھا جائے۔“ وہ واپس آئے اور حضور اکرم ﷺ کو بتایا: ”ابوسفیان مکہ مکرمہ آیا وہ گھر جانے سے قبل حبل کے پاس گیا اور کہا: ”تو نے انعام کیا تو نے میری مدد کی۔ تو نے مجھے محمد عربی ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے شفاء دی۔“ پھر اس نے حلق کرایا۔

شہداء کی تلاش

امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جب مشرکین چلے گئے۔ مسلمان اپنے شہداء کو

تلاش کرنے لگے۔ ہر ہر شہید کا مثلہ کیا گیا تھا۔ سوائے حضرت خنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کے۔ کیونکہ ان کا باپ مشرکین کے ساتھ تھا۔ انہوں نے اس کے لیے اسے چھوڑ دیا۔ ابن اسحاق اور محمد بن عامر نے لکھا ہے ”جب مشرکین چلے گئے تو مسلمان اپنے شہداء کی تلاش میں نکلے۔“ امام حاکم اور امام بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرے لیے حضرت سعد بن ربیع کی خبر کون لے کر آئے گا۔ کیا وہ زندہ ہیں یا شہید کر دیے گئے ہیں میں نے دیکھا تھا کہ بارہ نیزے ان کی طرف رخ کیے ہوئے تھے۔“ حضرت محمد بن مسلمہ یا حضرت ابی بن کعب اٹھے۔ انہوں نے تین بار آواز دی۔ مگر جواب نہ دیا۔ انہوں نے کہا: ”مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے حالات دریافت کروں۔“ انہوں نے کمزوری آواز میں کہا: ”حضرت زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:“ غزوة احد کے روز آپ نے مجھے حضرت سعد بن ربیع کی تلاش میں بھیجا۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر تم انہیں دیکھو تو لو میری طرف سے سلام کہنا۔ ان سے پوچھنا: ”تمہارا کیا حال ہے؟“ حضرت زید نے فرمایا: ”میں ان کے پاس پہنچا۔ ان کی زندگی کی آخری رمق باقی تھی۔ ان پر تیر، نیزہ اور تلوار کے ستر زخم تھے۔ میں نے انہیں کہا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں دیکھوں کہ تم زندہ ہو یا شہید ہو چکے ہو۔“ انہوں نے کہا: ”میں موت کے قریب تر ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے سلام دینا۔ عرض کرنا کہ سعد بن ربیع عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزائے خیر دے جو اس نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی ہو۔“ آپ سے عرض کرو: ”میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔“ اپنی قوم کو میری طرف سے سلام بھیجنا۔ اسے کہنا کہ سعد بن ربیع تمہیں کہتا ہے کہ اگر تم میں اتنی ہمت ہو کہ آنکھ جھپک سکو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی تو تمہارا کوئی عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہوگا۔“ پھر ان کا وصال ہو گیا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور سارا واقعہ سنایا۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مجھے ابو بکر زبیری نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ ان کے سینے پر ننھی سی بچی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے پیار کر رہے تھے۔ اس شخص نے پوچھا: ”یہ بچی کون ہے؟“ انہوں نے اسے بتایا: ”یہ اس آدمی کی لخت جگر ہے جو مجھ سے بہتر تھا۔ یعنی حضرت سعد بن ربیع۔ وہ عقبہ کے روز نقیبوں میں سے تھے۔ غزوة بدر میں شرکت کی اور غزوة احد میں شہید ہو گئے۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ آپ فرمانے لگے: ”میرے چچا کے ساتھ کیا ہوا؟“ آپ بار بار یہی کہہ رہے تھے۔ حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے۔ انہیں کچھ خبر نہ ملی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے۔ انہوں نے انہیں وادی کے دامن میں دیکھا۔ وہ شہید ہو چکے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپ چلتے ہوئے وہاں پہنچے ان پر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا۔ ان کا کلیجہ نکال دیا

گیا تھا۔ ان کا مثلہ کیا گیا تھا۔ ان کے کان اور ناک کاٹ دیے گئے تھے۔ یہ کرب ناک منظر دیکھ کر آپ کے قلب انور کو بہت اذیت ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ ان کا مثلہ کیا گیا تھا۔ حضرت کعب بن مالک کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان کی طرف دیکھنا بھی نہ چاہا۔ آپ نے فرمایا: "میں اجر و ثواب کے حصول کے لیے آپ پر صبر کرتا ہوں۔"

بزار نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب آپ تک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی آپ رونے لگے۔ جب انہیں دیکھا تو آپ کو ہچکی لگ گئی۔"

امام حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب لوگ قتال سے واپس لوٹے تو آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا۔ ایک شخص نے کہا: "میں نے انہیں ان چٹانوں کے پاس دیکھا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے: "میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شیر ہوں۔ مولا! میں تیری جناب والا میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ جو کفار لے کر آئے ہیں اور اس کا عذر پیش کرتا ہوں جو تیرا نڈوں سے لغزش ہوئی ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لے گئے۔ جب ان کا جسم اطہر دیکھا تو رونے لگے۔ جب دیکھا کہ ان کا مثلہ کر دیا گیا ہے تو ہچکی بندھ گئی۔ پھر فرمایا: "کیا انہیں کفن نہ دے دیا جائے؟" ایک انصاری صحابی اٹھے۔ انہوں نے اپنا کپڑا ان کی طرف پھینکا۔ دوسرے انصاری صحابی اٹھے۔ انہوں نے اپنا کپڑا ان کی طرف پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا: "جابر! یہ کپڑا تمہارے والد گرامی کے لیے ہے اور یہ کپڑا میرے چچا جان کے لیے ہے۔" آپ نے فرمایا: "تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہو۔ بخدا! تم اسی طرح تھے جس طرح میں تمہیں سمجھتا تھا۔ آپ بہت زیادہ بھلائیاں کرنے والے، صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اگر مجھے حضرت صفیہ کے حزن و غم یا اپنی خواتین کے غم و اندوہ یا آپ سے بعد والے کے غم کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں آپ کو اسی طرح چھوڑ دیتا۔ حتیٰ کہ آپ روز حشر درندوں کے پیوں اور جانوروں کی بوٹوں سے اٹھتے۔" پھر فرمایا: "مجھے بشارت دو۔ مجھے حضرت جبرائیل نے بتایا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر لکھا ہے کہ حمزہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر ہیں۔ اگر کبھی مجھے قریش پر تسلط نصیب ہو تو میں ان کے بدلہ میں ستر افراد کا مثلہ کروں گا۔" جب صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غم و اندوہ ملاحظہ کیا۔ تو انہوں نے کہا: "اگر کبھی ہمیں ان مشرکین پر فتح نصیب ہوئی تو ہم ان کا اس طرح مثلہ کریں گے کہ اہل عرب میں سے اس طرح کسی کا مثلہ نہیں کیا ہو گا۔" حضرت جبرائیل امین یہ آیت طیبہ لے کر نازل ہو گئے۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ - وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۶﴾ (نحل: ۱۲۶)

ترجمہ: "اگر تم انہیں سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو۔ لیکن اتنی جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ

صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اپنے ارادہ سے صبر کا مظاہرہ کیا۔

امام ترمذی، عبد اللہ بن امام محمد نے زوائد المسند میں، امام نسائی، ابن منذر اور ابن خزیمہ نے اپنی فرائد کتاب میں لکھا ہے۔ ابن حبان اور ضیاء المقدسی نے اپنی اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: ”غزوہ احد میں ۶۴ صحابہ کرام شہید ہوئے۔ مہاجرین میں سے چھ صحابہ کرام کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا گیا۔ ان میں سے ایک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا مثلہ بھی کیا گیا تھا۔ انصار نے کہا: ”اگر کسی دن ہمیں ان مشرکین پر فتح نصیب ہوئی تو ہم ان سے زیادہ ان کا مثلہ کریں گے۔“ فتح مکہ کے موقع پر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہم صبر کریں گے۔ بدلہ نہیں لیں گے۔ وہ قوم سے رک گئے سوائے چار کے۔“

ابن اسحاق، ابن جریر نے حضرت عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ سورۃ النحل ساری کی ساری مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ لیکن اس کی آخری تین آیات غزوہ احد کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ اس غزوہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور ان کا مثلہ کیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر ہم ان پر غالب آگئے تو ہم ان کا اس طرح مثلہ کریں گے کہ اس طرح کا مثلہ اہل عرب میں سے کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔“

ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا آئیں تاکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھیں۔ وہ ان کے سگے بھائی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا کہ وہ انہیں دیکھیں۔ آپ نے فرمایا: ”وہ خاتون! وہ خاتون! حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میری امی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان سے ملاقات کرو اور انہیں واپس لے جاؤ تاکہ وہ اپنے بھائی کی یہ حالت نہ دیکھ سکیں۔“ وہ دوڑتے ہوئے گئے اور حضرت صفیہ کو جالیا۔ وہ ابھی تک شہداء تک نہیں پہنچی تھیں۔ انہیں واپس جانے کے لیے کہا: ”انہوں نے ان کے سینے پر مکا مارا۔ وہ ایک تو انا خاتون محترمہ تھیں۔ انہوں نے کہا: ”مجھ سے دور ہو جاؤ۔ میں تم سے راضی نہیں ہوں گی۔“ انہوں نے گزارش کی۔ ”امی جان! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو واپس جانے کا حکم دے رہے ہیں۔“ انہوں نے فرمایا: ”کیوں؟ مجھے یہ خبر مل چکی ہے کہ میرے برادر محترم کا مثلہ کیا گیا ہے۔ یہ رب کی رضا کے لیے ہے۔ میں صبر کروں گی۔ اور اجر و ثواب کی امید رکھوں گی۔ ان شاء اللہ!“

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور سارے حالات عرض کیے۔ آپ نے فرمایا: ”ان کا رستہ چھوڑ دو۔“ وہ آئیں۔ حضرت حمزہ کا آخری دیدار کیا۔ ان کے لیے دعائے خیر کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان کی بخشش کی دعائی۔

الطبرانی اور بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں حضرت صفیہ کی عقل ہی سلب نہ ہو جائے۔ آپ نے اپنا دستِ شفاء بخش ان کے سینے پر رکھا۔ انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور رونے لگیں۔

امام احمد ابو یعلیٰ بزار نے حضرت زبیر سے اور الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دو کپڑے لے کر آئیں۔ انہوں نے کہا: "میں یہ دونوں کپڑے اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے لے کر آئی ہوں۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔ انہیں ان میں کفن دو۔" ہم دو کپڑے لے کر آئے تاکہ انہیں ان میں پسٹیں۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے پہلو میں ایک اور انصاری صحابی شہید ہوئے تھے۔ ان کے لیے کفن نہ تھا۔ ہم نے کہا: "ایک کپڑا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے جبکہ دوسرا کپڑا اس انصاری صحابی کے لیے ہے۔ ایک کپڑا دوسرے سے بڑا تھا۔ ہم نے ان کے مابین قرعہ اندازی کی۔ پھر اس کے مطابق انہیں کفن دیا۔ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ قریش سے انتقام لیں۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ان کے مثلہ کی وجہ سے بہت غمزدہ تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں۔ پہلے وہ کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا: "ابو قتادہ! قریش اہل امانت ہیں۔ جس بد نصیب نے ان کے ساتھ بغاوت کی رب تعالیٰ نے اسے منہ کے بل گرا دیا۔ اگر تمہاری عمر طویل ہوئی تو تم دیکھو گے کہ تم ان کے اعمال کے سامنے اپنے اعمال کو حقیر سمجھو گے۔ اپنے افعال کے سامنے ان کے افعال کو حقیر سمجھو گے اگر قریش اترانے نہ لگیں تو میں انہیں بتاتا کہ رب تعالیٰ کے ہاں ان کا کیا مقام ہے۔" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے رب تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے لیے ہی غصہ آیا تھا۔ جب انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سلوک کیا۔" آپ نے فرمایا: "تم نے سچ کہا ہے وہ اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے بری قوم تھی۔"

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ حالت جنابت میں تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ملائکہ نے انہیں غسل دیا۔" ابن سعد نے حضرت حمن سے مرسل روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں نے ملائکہ دیکھے وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غسل دے رہے تھے۔" ابن ابی شیبہ اور الطبرانی نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس اور حضرت ابواسید الساعدی نے کہا: "حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا۔ اگر چادر کو سر کی طرف کھینچا جاتا تو ان کے پاؤں عریاں ہو جاتے اور اگر ان کی ٹانگوں کی طرف کھینچا جاتا تو سر ننگا ہو جاتا۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اسے ان کے سر کی طرف کھینچو۔" ان کے پاؤں پر حمرل یا اذخر ڈال دو۔"

شہداء کو دفن کرنے کا حکم

امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شہداء کے جسم سے زریاں وغیرہ اتار لی جائیں اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔“

ابوداؤد نے حضرت ہشام بن عامر انصاری سے روایت کیا ہے کہ احد کے روز انصار بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں تکلیف پہنچی ہے۔ کاری ضرب لگی ہے۔ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟“

آپ نے فرمایا: ”قبریں کھودو۔ انہیں گہرا اور وسیع کھودو ایک قبر میں دو دو یا تین تین شہداء رکھو۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آگے کے رکھیں؟“ آپ نے فرمایا: ”جسے زیادہ قرآن پاک آتا ہو۔“

ابن ابی شیبہ اور امام الطبرانی نے حضرت کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز آپ شہداء کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”میں ان پر گواہ ہوں۔ انہیں ان کے خون سمیت کفن دو۔ جو بھی رب تعالیٰ کے رستے میں زخمی ہو اوہ خون ریزہ حالت میں روز حشر آئے گا۔ خون کارنگ خون کی طرح کا اور خوشبو مشک اذ فرجیسی ہوگی۔ جسے زیادہ قرآن مجید آتا ہو اسے آگے رکھو۔ اسے لحد میں رکھو۔“

امام بخاری نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑے میں دو شہیدوں کو کفن دیتے تھے۔ پھر آپ پوچھتے ان میں سے قرآن کسے زیادہ یاد تھا؟“ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اسے لحد میں رکھ دیا جاتا۔ آپ نے فرمایا: ”میں ان پر گواہ ہوں۔“ آپ نے انہیں ان کے خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے نہ تو ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ نہ انہیں غسل دیا۔“ حضرت جابر نے فرمایا ”میرے والد گرامی اور چچا جان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا۔“

ابن اسحاق نے بنو سلیم کے بزرگوں سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز فرمایا: ”حضرات عمرو بن جموح اور عبد اللہ بن عمرو کو دیکھو۔ وہ دنیا میں دوست تھے۔ انہیں ایک قبر میں دفن کرو۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بعض لوگ اپنے شہداء کو مدینہ طیبہ لے گئے تھے۔ انہیں وہیں دفن کر دیا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرما دیا۔ آپ نے فرمایا: ”انہیں لوٹادو۔ اور اسی جگہ دفن کرو جہاں انہیں شہادت نصیب ہوئی۔“ محمد بن عمر سلمی نے لکھا ہے کہ صرف ایک شخص کو لوٹایا گیا۔ دفن کرنے سے قبل آپ کا منادی وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ حضرت شماس بن عثمان مخزومی رضی اللہ عنہ تھے۔

امام احمد اور چار کتب کے مصنفوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ احد کے شہداء کو اٹھا کر مدینہ طیبہ لے جایا گیا تھا۔ آپ کے منادی نے اعلان کیا: ”شہداء کو اسی جگہ لوٹادو جہاں شہید ہوئے تھے۔“

امام احمد نے ان سے ہی روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”میرے والد گرامی غزوہ احد میں شہید ہو گئے میری بہنوں نے مجھے اپنا اونٹ دے کر بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اپنے والد گرامی کو اس پر اٹھا لاؤ۔ اور انہیں بنو سلمہ کے قبرستان میں دفن کر دو۔“ میں اور میرے ساتھی آئے۔ یہ خبر حضور اکرم ﷺ تک پہنچی۔ آپ احد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا: ”مجھے اس ذات بابرکات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے میرے صحابہ کرام کو احد میں ہی دفن کیا جائے گا۔“

ابوداؤد اور امام نسائی نے ان سے ہی روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے نکلے۔ مجھے میرے والد گرامی نے فرمایا: ”تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اہل مدینہ کے منظر دیکھنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ تم دیکھ لو کہ ہمارا انجام کیا ہوتا ہے؟“ اگر میں نے اپنے بعد بیٹیاں نہ چھوڑی ہوتیں تو مجھے یہ پسند تھا کہ تم میرے سامنے شہید کیے جاؤ۔ اسی اثناء میں کہ میں مدینہ طیبہ میں منتظر تھا کہ میری پھوپھو میرے والد گرامی اور ماموں کو اونٹ پر سوار کر کے لائیں۔ وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئیں۔ ایک شخص اعلان کرتے ہوئے آیا۔ ”حضور اکرم ﷺ تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ تم اپنے شہداء کو واپس لے چلو اور انہیں اسی جگہ دفن کرو جہاں شہید ہوئے تھے۔“

امام حاکم، امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ رستہ میں شہید پڑے تھے۔ آپ ان پر رکے۔ ان کے لیے دعائے خیر کی۔ پھر یہ آیت طیبہ پڑھی:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجَالَ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۗ (الاحزاب: ۲۳)

پھر فرمایا: ”میں نے تمہیں مکہ مکرمہ میں دیکھا کوئی شخص لباس یا بالوں کے اعتبار سے تم سے حسین نہیں ہوتا تھا۔“

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا وہ روزہ دار تھے۔ انہوں نے کہا: ”حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ وہ ان سے بہترین تھے جنہیں ان کی چادر میں کفن دیا گیا۔ اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ٹانگیں نگی ہو جاتیں اور ٹانگیں ڈھانپنی جاتیں تو سر ننگا ہو جاتا۔ پانچوں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے رحمت الہیہ کے حصول کے لیے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہو گیا۔ ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا وہ چلے گئے اجر میں سے کچھ نہ کھایا۔ ان میں سے ایک حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ ان کے پاس صرف ایک چادر تھی۔ جب ہم ان کا سر ڈھانپتے تھے تو ان کی ٹانگیں نگی ہو جاتی تھیں جب ٹانگیں ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”ان کا سر ڈھانپ دو۔ ٹانگوں پر اذخار رکھ دو۔ ہم میں سے بعض کا پھل پک چکا ہے اور وہ اپنا پھل چن رہا ہے۔“

دعائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

امام احمد اور امام نسائی نے کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں، امام حاکم نے اسے صحیحین کی شروط پر، امام ذہبی نے اور محمد بن عمر الاسلمی نے حضرت رفاعہ بن رافع رزقی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کو دفن کرنے سے فارغ ہوئے۔ آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ آپ کے ارد گرد مسلمان روانہ ہوئے۔ ان کی اکثریت زخمیوں کی تھی۔ بنو سلمہ اور بنو عبد الاشہل کے زخمی کثیر تھے۔ آپ کے ہمراہ چودہ عفت مآب خواتین بھی تھیں۔ جب وہ احد کے دامن میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: ”صفتیں باندھ لو تا کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کروں۔“ آپ کے پیچھے مردوں نے ان کے پیچھے عفت مآب خواتین نے صفتیں بنا لیں۔ آپ نے یوں عرض کی:

”مولا! ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ مولا! جسے تو تنگ کر دے اسے کشادہ کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو کشادہ کر دے اسے تنگ کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ جسے تو ہدایت سے نوازے اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو روک دے اسے عطا کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو بخش دے اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو دور کر دے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو قرب عطا کر دے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں۔ مولا! ہم پر اپنی برکات، رحمت، فضل اور رزق کشادہ فرما دے۔ پروردگار! ہم تجھ سے ان دائمی نعمتوں کا سوال کرتے ہیں۔ جو پھرتی نہیں۔ زائل نہیں ہوتیں۔ مولا! ہم فقر کے روز تجھ سے نعمتوں کا سوال کرتے ہیں۔ ہم تجھ سے خوف کے دن سے امن اور فاقہ کے دن سے غنی طلب کرتے ہیں۔ مولا! ہم تجھ سے اس چیز کے شر سے پناہ مانگتے ہیں جو تو نے ہمیں عطا کی ہے۔ اس چیز کے شر سے بھی جسے تو نے ہم سے روک لیا ہے۔ مولا! ایمان کو ہمارے ہاں پسندیدہ بنا دے۔ اسے ہمارے دلوں میں مزین کر دے۔ کفر، نافرمانی اور فسوق کو ہمارے ہاں ناپسندیدہ بنا دے۔ ہم کو ہدایت یافتہ لوگوں میں سے بنا دے۔ مولا! ہمیں حالت اسلام میں موت دے۔ حالت اسلام میں زندہ رکھ۔ ہمیں صالحین کے ساتھ ملا دے۔ ہم نہ تو غم زدہ ہوں نہ ہی فتنہ میں مبتلا ہوں۔ مولا! ان کفار کو ہلاک کر جو تیرے رسل کو جھٹلاتے ہیں۔ تیرے رستے سے روکتے ہیں۔ ان پر اپنا غضب اور عذاب نازل کر۔ پروردگار! ان کفار کے ساتھ قتال کر جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ اے ہمارے سچے خدا! یہ دعائیں قبول فرما۔“

مدینہ طیبہ کی طرف روانگی

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تدفین سے فارغ ہوئے تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ مسلمان آپ کے ارد گرد تھے۔ آپ مدینہ طیبہ کی طرف جانے لگے۔ آپ کو راستہ میں حضرت حمنہ بنت جحش ملیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: ”حمنہ!

اجر و ثواب کے لیے صبر کرو۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! کس کے سر پر شہادت کا تاج سجا؟“ آپ نے فرمایا: ”تمہارے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سر اقدس پر۔“ انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کے لیے بخشش کی دعائی۔ شہادت کی مبارکباد عرض کی۔ آپ نے انہیں فرمایا: ”اجر و ثواب کے لیے صبر کرو۔“ انہوں نے عرض کی: ”قبائے شہادت کے نصیب ہوئی؟ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش کو۔“ انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کے لیے مغفرت کی دعائی اور شہادت کی مبارکباد دی۔ آپ نے انہیں فرمایا: ”اجر و ثواب کے حصول کے لیے صبر کرو۔“ انہوں نے عرض کی: ”اب کس کو جام شہادت نصیب ہوا؟“ آپ نے فرمایا: ”تمہارے شوہر نامدار حضرت مصعب بن عمیر کو۔“ وہ پکارنے لگیں ”ہائے غم!“ آپ نے فرمایا: ”عورت کے دل میں اس کے خاوند کا خاص مقام ہوتا ہے۔“ آپ نے دیکھا تھا کہ حضرت حمزہ اپنے بھائی اور ماموں کی شہادت کی خبر پر ثابت قدم رہیں اور اپنے شوہر کی شہادت کی خبر پر رونے لگیں۔“ آپ نے ان سے فرمایا: ”تم نے یہ آہ و فغاں کیوں کی؟“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! مجھے ان کے بیٹوں کی یتیمی یاد آگئی تھی۔ آپ درگزر فرمائیں۔“ آپ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ ابن ماجہ نے ابراہیم بن احمد بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حمزہ بنت جحش کو بتایا گیا کہ تمہارا بھائی شہید ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“ لوگوں نے بتایا: ”تمہارا خاوند بھی شہید ہو چکا ہے۔“ انہوں نے کہا: ”ہائے غم! حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خاوند کو عورت کے دل میں ایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے جو کسی اور چیز کو حاصل نہیں ہوتا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے۔ آپ بنو عبدالاشہل کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے شہداء پر رو رہے تھے۔ آپ کی چشمان مقدس سے آنسو گرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: ”لیکن حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں! خواتین باہر نکلیں۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلامت دیکھا۔ حضرت ام عامر الاشہلیہ نے کہا: ”آپ کی زیارت کر کے ہر مصیبت ہیج نظر آنے لگی ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو دینار کی ایک عورت کے پاس سے گزرے۔ ان کے باپ، خاوند اور بھائی کے سروں پر شہادت کا تاج سجا تھا۔ جب اسے یہ خبر ملی تو اس نے کہا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟“ صحابہ کرام نے فرمایا: ”ام فلاں! آپ اسی طرح ہیں جس طرح تم پسند کرتی ہو۔ الحمد للہ! اس نے کہا: ”ذرا مجھے آپ کا دیدار تو کراؤ۔“ جب اس نے آپ کی زیارت کر لی تو کہا: ”آپ کے بعد ہر مصیبت ہیج ہے۔“

الطبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”غزوہ احد کے روز اہل مدینہ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں۔“ مدینہ طیبہ کے اطراف میں آہ و بکا شدید ہو گئی۔ انصار کی ایک خاتون نکلی۔ اسے راستہ میں بتایا گیا کہ تمہارا باپ، بیٹا، خاوند اور بھائی شہید ہو چکے ہیں۔ یہ علم نہیں کہ اسے پہلے کس کی شہادت کی

خبر دی گئی۔ اس نے کہا: ”حضور والا ﷺ کا کیا حال ہے؟“ اسے بتایا گیا ”وہ تمہارے آگے میں۔ اسے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا۔ اس نے آپ کے مبارک کپڑوں کا کونہ پکڑا اور عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر نثار! آپ کے بعد مجھے کوئی پروا نہیں کہ کون شہید ہوا ہے؟“

ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ کی عفت مآب خواتین کو کچھ خبر نہ ملی وہ تو باہر نکلیں تاکہ کچھ معلوم کر سکیں۔ انہوں نے اونٹ پر دو شہیدوں کو دیکھا۔ ایک انصاری خاتون نے پوچھا: ”یہ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”فلان اور فلان“ انہوں نے اس کے خاوند اور بھائی یا خاوند اور بیٹے کا نام لیا۔ اس نے پوچھا: ”حضور اکرم ﷺ کا کیا حال ہے؟“ صحابہ کرام نے بتایا: ”آپ خیریت سے ہیں۔“ اس نے کہا: ”مجھے کوئی پروا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے شہداء بناتا ہے۔“ اس کے قول پر یہ آیت طیبہ اتری:

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ط (آل عمران: ۱۳۰)

حضرت ام سعد کبشہ بنت رافع حضور اکرم ﷺ کی طرف دوڑتی ہوئی آئیں۔ آپ اپنے گھوڑے پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ کے گھوڑے کی لگام کو تھاما ہوا تھا۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم والدہ ماجدہ!“ آپ نے فرمایا: ”انہیں خوش آمدید!“ وہ قریب ہوئیں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہوئیں۔ عرض کی: ”جب میں نے آپ کو صحیح و سالم دیکھا ہے تو اذیت ختم ہو گئی ہے۔“ آپ نے ان کے لخت جگر حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعزیت کی۔ آپ نے فرمایا: ”ام سعد! خود بھی خوش ہو جاؤ اور اپنے اہل خانہ کو بھی بشارت دو کہ تمہارے شہداء جنت میں ایک دوسرے کی رفاقت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے اہل خانہ کے بارے ان کی شفاعت قبول کر لی گئی ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم راضی ہیں۔ اس کے بعد ان پر کون روئے گا؟“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بعد والوں کے لیے دعا کریں۔“ آپ نے عرض کی: ”مولا! ان کے دلوں کے غم کو ختم فرما۔ مصیبت پر اجر عطا فرما اور پیچھے رہ جانے والوں میں اچھا جانشین بنا۔“ پھر فرمایا: ”ابو عمرو! گھوڑے کی لگام چھوڑ دو۔“ انہوں نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”ابو عمرو! تمہارے اہل خانہ کا زخم ظاہر ہے۔ ان میں سے ہر زخمی روز حشر اس طرح آئے گا کہ اس کا زخم جتنا بڑا بھی ہوگا۔ اس کا رنگ خون کے رنگ کی طرح اور خوشبو مشک اذفر کی خوشبو کی طرح ہوگی۔ جو زخمی ہو۔ وہ گھر میں ٹھہر جائے۔ اپنے زخم کا علاج کرے میرے ساتھ میرے کا شانہ اقدس میں نہ آئے۔ یہ لازمی حکم ہے۔“ حضرت سعد نے ان میں اعلان کیا ”آپ کی طرف سے خصوصی حکم ہے کہ بنو عبد الاشہل کا کوئی زخمی آپ کے پیچھے نہ آئے۔“ ہر زخمی شخص پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے آگ جلاتے اور زخموں کا علاج کرتے رات گزار دی۔ حضرت سعد حضور اکرم ﷺ

کے ساتھ آئے۔ آپ کا شانہ اقدس پہنچے آپ کو اٹھا کر اتارا گیا۔ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ٹیک لگائی اور اپنے کا شانہ اقدس میں داخل ہو گئے۔ کا شانہ اقدس میں پہنچ کر آپ نے اپنی مبارک شمشیر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائی اور فرمایا: ”اس کا خون دھو دو۔ بخدا! آج اس نے سچ کر دکھایا ہے۔“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار انہیں عطا کی اور فرمایا: ”اسے بھی دھو دو۔ بخدا! اس نے بھی آج سچ کر دکھایا ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر تم نے بہادری کے جوہر دکھائے ہیں تو تمہارے ساتھ حضرت سہیل بن حنیف اور حضرت ابو جہانہ رضی اللہ عنہما نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے ہیں۔“

امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غزوہ احد کے روز اپنی تلوار لے کر آئے وہ بیڑی ہو چکی تھی۔ انہوں نے حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے کہا: ”اس تلوار کو اچھی طرح صاف کرو۔ آج مجھے اس نے شفا دی ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر تم نے آج اپنی تلوار کے جوہر دکھائے ہیں تو پھر حضرات سہیل بن حنیف، حضرت ابو جہانہ اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم نے بھی خوب کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔“

ابن ہشام نے لکھا ہے ”مجھے بعض اہل علم نے بتایا ہے کہ ابو محجج نے کہا کہ احد کے روز ایک اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا: ”لا سیف الا ذو الفقار۔ ولا فتی الا علی۔“

ذو الفقار سے مراد وہ تلوار ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار تھی۔ آپ کو وہ تلوار غزوہ بدر کے مالِ غنیمت میں سے ملی۔ اس کے بارے آپ نے غزوہ احد میں خواب دیکھا تھا۔

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نمازِ مغرب کے لیے اذان دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں باہر تشریف لائے۔ آپ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے صحابہ کرام کو نمازِ مغرب پڑھائی۔ پھر اپنے کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ حضرت سعد بن معاذ اپنی خواتین اور اپنی قوم کی خواتین کے پاس گئے۔ انہیں لے کر آئے۔ ساری عفت مآب خواتین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کا شانہ اقدس میں جمع ہو گئیں۔ وہ مغرب اور عشاء کے مابین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر روتی رہیں۔ لوگ مسجد نبوی میں آگ روشن کر رہے تھے اور اس کے ذریعے زخموں کی سنکائی کرتے رہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذانِ عشاء دی۔ جب سرخ شفق غائب ہو گیا۔ آپ باہر تشریف نہ لائے۔ حتیٰ کہ رات کا تیسرا حصہ گزر گیا۔ پھر آپ کو صدادی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نماز! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے۔ باہر تشریف لائے۔ آپ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ جب آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ تو آپ نے رونے کی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا: ”یہ کیا ہے؟“ آپ کو عرض کی گئی: ”یہ انصار کی خواتین ہیں جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رہی ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کی اولاد سے

راضی ہو۔ پھر ان خواتین کو حکم دیا کہ وہ گھر چلی جائیں۔“

ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ آپ ان خواتین کے پاس تشریف لائے۔ وہ مسجد نبوی کے دروازہ پر تھیں۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رو رہی تھیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے واپس لوٹ چلو۔ تم نے ہمدردی کا اظہار کر دیا ہے اللہ تعالیٰ انصار پر رحم کرے میں جانتا ہوں کہ ہمدردی کرنا ان کا قدیمی شیوہ ہے۔“ خواتین اپنے مردوں کے ساتھ واپس آگئیں۔ ابو یعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے واپس تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ انصار کی خواتین اپنے اپنے خاوندوں پر رو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ”حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والا کوئی نہیں۔“ یہ بات ان خواتین تک پہنچ گئی۔ وہ آئیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے لگیں آپ رات کے وقت جاگے۔ انہیں سنا وہ رو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ”ان کی خیر! وہ رات سے ابھی تک رو رہی ہیں انہیں حکم دو کہ وہ گھر چلی جائیں آج کے بعد کسی پر نہ روئیں۔“

آپ نے نماز عشاء پڑھائی۔ پھر اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام نے آپ کے کاشانہ اقدس سے لے کر آپ کے مصلیٰ تک صفیں بنالیں تھیں۔ آپ اکیلے چلتے ہوئے کاشانہ اقدس میں داخل ہو گئے۔ اوس اور خزرج کے جوان ساری رات مسجد نبوی کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے کہ نہیں قریش دوبارہ حملہ نہ کر دیں۔

منافقین اور یہود کی مسرت

جب مسلمانوں کو اس غزوہ میں نقصان ہوا تو عبداللہ بن ابی منافقین اور یہود اس پر خوشیاں منانے لگے۔ وہ مسلمانوں کو برا بھلا کہنے لگے۔ وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔ ابن ابی نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے کہا۔ وہ زخمی تھے اور ساری رات آگ سے اپنے زخم سینکتے رہے تھے۔ ”تمہارا مسلمانوں کے ساتھ اس طرح نکلنا عمدہ رائے نہیں تھا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری رائے کی مخالفت کی ہے اور بچوں کی رائے کی موافقت کی ہے۔ میں تو اس انجام سے پہلے ہی باخبر تھا۔“ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ بہتر ہے۔“ یہود بھی بری باتیں کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے: ”محمد عربی تو اقتدار کے طالب ہیں کسی نبی کو تو کبھی یوں شکست نہیں ہوئی۔ ان کے جسم پر چوئیں آئیں۔ ان کے صحابہ کرام زخمی ہوئے۔“ منافقین آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو رسوا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ انہیں انتشار کا شکار کرنے لگے۔ وہ کہتے: ”تم سے جو قتل ہوئے ہیں اگر ہمارے پاس ہوتے تو اس طرح قتل نہ ہوتے۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے سارے بکواسات سنے۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ تاکہ ان

منافقین اور یہود کو تہ تیغ کرنے کی اجازت لیں۔ آپ نے فرمایا: ”عمر اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا۔ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کو عتہ عطا کرے گا۔ یہود کے ساتھ معاہدہ ہے۔ میں انہیں قتل نہیں کروں گا۔“ انہوں نے عرض کی: ”یہ منافقین ہیں۔ ان کے بارے کیا حکم ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”کیا وہ یہ گواہی نہیں دیتے ”لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ“ انہوں نے عرض کی: ”ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تلوار سے بچنے کے لیے یہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اب ان کا معاملہ عیاں ہو چکا ہے۔ اس مصیبت کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا کینہ عیاں کر دیا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”مجھے ایسے شخص کے قتل سے منع کیا گیا ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہو۔ ابن خطاب! قریش دوبارہ ہمیں اس طرح کا نقصان نہیں دے سکیں گے۔“

ابن شہاب زہری سے روایت ہے ”جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔ ابن ابی جمعۃ المبارک کے دن کھڑا ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی قوم میں معزز تھا۔ جب جمعۃ المبارک کے روز آپ خطبہ دینے کے لیے تشریف فرما ہوتے۔ ابن ابی اٹھتا اور لوگوں سے کہتا: ”اے لوگو! یہ رسول مکرم ﷺ تمہارے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی وجہ سے اعزاز بخشا ہے۔ تمہیں عتہ دی ہے۔ ان کی مدد کرو۔ ان کی تعظیم بجالاؤ۔ ان کی باتیں سنو اور ان کی اطاعت کرو۔“ پھر وہ بیٹھ جاتا جب اس نے غزوہ احد میں اس کردار کا اظہار کیا جو کیا۔ لوگوں کو لے کر واپس آ گیا۔ وہ حسب معمول یہی باتیں کرنے لگا۔ تو مسلمانوں نے اس کے کپڑوں کے گوشے پکڑ لیے۔ انہوں نے کہا: ”اے اللہ کے دشمن! بیٹھ جا۔ تو اس کا اہل نہیں ہے۔ تو نے وہ کام کیا جو کیا۔“ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا نکلا۔ وہ کہہ رہا تھا: ”گویا کہ میں نے یہودہ بات کر دی ہے۔ میں تو ان کے معاملہ کو مضبوط کرنے کے لیے اٹھا تھا۔ ان کے صحابہ کرام مجھے کھینچنے لگے اور مجھ سے نرمی تک نہ برتی۔ گویا کہ میں نے قبیح کلام کیا ہے۔ میں تو ان کے معاملہ کو مضبوط کرنے کے لیے اٹھا۔“ اس شخص نے کہا: ”تیرے لیے ہلاکت! واپس چلا جا۔ حضور ﷺ تیرے لیے بخشش کی دعا کریں۔“ اس نے کہا: ”میں نہیں چاہتا کہ آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں۔“

غزوہ احد کے بارے قرآن پاک کا نزول

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”سورت آل عمران کی ساٹھ آیات غزوہ احد کے بارے نازل ہوئیں۔ ان میں وہی تذکرہ ہے جو اس روز ہوا تھا۔“

ابو یعلیٰ، ابن منذر، ابن ابی ماتم حضرت مسور بن عزمہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت عبد الرحمان بن عوف سے کہا: ”ماموں! مجھے غزوہ احد کے بارے بتائیں۔“ انہوں نے فرمایا: ”سورت آل عمران کی ۱۳۰

آیات کے بعد پڑھ لو تم ہماری عشق انگیز داستان پالو گے۔

غزوہ احد کے بارے مسلمان شعراء کا کلام

حضرت حسان بن علیؓ ہبیرہ بن وہب کا جواب دیتے ہوئے کہا:

سقتم کناہ جہلا من سفاہتکم
اور دتموها حیاض الموت ضاحیة
جمعتموہم أحابیشا بلا حسب
الا اعتبارتم بخیل اللہ اذ قتلت
کم من اسیر فکناہ بلا ثمن
الی الرسول مجند اللہ مخذیعا
فالنار موعدها والقتل لاقیہا
ائمة الکفر غرتکم طواغیہا
اہل القلبیب و من القینہ فیہا
و جز ناصیة کنا موالیہا

ترجمہ: ”تم اپنی حماقت کی وجہ سے بنو کناہ کو حضور والا ﷺ کی طرف لے آئے۔ رب تعالیٰ کا شکر انہیں ذلیل و رسوا کر دے گا۔ تم نے صبح ہی انہیں موت کے حوضوں پر اتار دیا۔ آگ ان کی وعدہ کی جگہ بنی اور قتل ان کے ساتھ ملاقات کرنے والا تھا۔ تم نے مختلف لشکروں کو جمع کیا جو حسب کے بغیر تھے وہ کفر کے آئمہ تھے ان کے سرکش لوگوں نے تمہارے ساتھ مکر کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے گھر سوار دستے سے عبرت کیوں نہ حاصل کی۔ جب انہوں نے کنویں والوں کو تیغ کیا تھا اور انہوں نے انہیں اس کنویں میں پھینک دیا تھا۔ ہم نے کتنے ہی قیدیوں کو قیمت کے بغیر اور اس کی پیشانی کے بال کاٹے بغیر رہا کر دیا تھا ہم ان کے احسان مند تھے۔“

حضرت کعب بن مالکؓ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

الاهل اتی غسان عنا ودونہم
صحارٍ و اعلام کان قتامہا
تظل بہ البزل العرامیس زحاً
بہ جیف الحسری یلوح صلیبہا
بہ العین والارام یمشین خلفہ
مجادلنا عن دیننا کل فحمة
من الارض خرق سیرہ متنعلع
من البعد نقع ہامد متقطع
و یخلو بہ غیث السنین فیمرع
کما لآخ کتان التجار الموضع
و بیض نعام قیضہ یتقلع
مدربۃ فیہا القوانس تلمع

اذا لبست نهی من الماء مترع
من الناس والانباء بالغیب تنفع
سوانا لقد اجلوا بلیل واقشعوا
اعدوا لہا یزجی ابن حرب و یجمع
فنحن له من سائر الناس اوسع
بریة قد اعطوا یدا و تورعوا
من الناس الا ان یهابو ویفزعوا
علام اذا لم تمنع العرض من نزرع؛
اذا قال فینا القول لا نتطلع
ینزل من جو السماء و یرفع
اذا ما اشتہی انا نطیع و نسبح
ذروا عنکم هول البنیات و اطعموا
الی ملک یحیا لیدیہ و یرجع
علی اللہ ان الامر للہ اجمع
ضحیا علینا البیض لا نتخشع
اذا ضربوا اقدامها لا تورع
اجابیش منهم حاسر و مقنع

و کل صموت فی الصوان کانها
و لکن ببدر سائلو من لقیتمو
و انا بارض الخوف لو کان اهلها
اذا جاء نا راکب کان قوله
فمہما یصم الناس ہما یکیدنا
فلو غیرنا كانت جمیعا تکیدہ ال
نجالد لا تبقى علینا قبیلہ
ولما ابتنوا بالعرض قال سراتنا
و فینا رسول اللہ نتبع امرہ
تدلنی علیہ الروح من عند ربہ
نشاورة فیما نرید و قصدنا
و قال رسول اللہ لہا بدالنا
و کونوا کمن یشری الحیاء تقرّباً
ولکن خذوا اسیافکم و توکلوا
فسرنا الیہم جہرۃ فی رحالہم
بملبومۃ فیہا السنور والقنا
فجئنا الی موج من البحر و سطرہ

ترجمہ: "ارے ہمارے اور بنو غمان کے مابین اتنا بڑا جنگل ہے جہاں تیز ہوا چلتی ہے اور اس کا سفر گمراہ کر دینے والا ہے۔ ان کے اور ہمارے مابین ایسے عظیم صحراء اور پہاڑ حائل ہیں جن کی رنگت سیاہی مائل ہے۔ وہ دوری کی وجہ سے جما ہوا ساکن گرد و غبار معلوم ہوتا ہے۔ وہاں طاقتور اونٹ بھی نڈھال ہو کر گر پڑتے ہیں۔ وہاں بارش بھی سیراب کرنے سے ٹل جاتی ہے۔ وہاں حسرت کے مارے لوگوں کی بدبودار لاشوں کی چربی اس طرح چمکتی ہے جیسے تاجروں کا نقش و نگار والا کپڑا چمکتا ہے۔ اس جگہ نیل گائے اور بہرن قطار اندر قطار چلتے ہیں شتر مرغ کے انڈوں کے ٹکڑے بکھر جاتے ہیں۔ ہمارے دین

کے محافظین ایسے عظیم لشکر پر مشتمل ہیں جن کے سفید خودوں کی چوٹیاں تاباں ہوتی ہیں۔ ہر مجاہد کے لیے ایک ایسی زرہ ہے جو تنگ اور مضبوط بنی ہوئی ہے جب وہ پہنی جاتی ہے تو گویا کہ پانی سے بھرا ہوا تالاب نظر آتا ہے۔ لیکن تم ان سے ذرا سوال تو کرو کہ مقام بدر پر تمہیں کیسے لوگوں سے پالا پڑا تھا۔ جبکہ غیب کی خبریں نفع دے رہی تھیں۔ ہم خوف کی ایسی سرزمین میں تھے اگر وہاں ہمارے علاوہ دیگر لوگ ہوتے تو رات بھر میں ہی وہ جلاوطن ہو جاتے اور سوا ہو کر بھاگ جاتے۔ جب ہمارا کوئی شہسوار آتا تو وہ یہی کہتا کہ اس کی تیاری کر لو جو لشکر ابوسفیان جمع کر رہا ہے اور اسے سامان فراہم کر رہا ہے۔ جب بھی ابوسفیان خفیہ تدبیروں کے ذریعے ہمت بڑھاتا تو ہم اس کے مقابلہ کے لیے لوگوں سے بڑھ کر تیاری کرتے۔ جب ساری مخلوق تدبیر کے ساتھ شکست دینے کے لیے جمع ہو گئی۔ اگر ہمارے علاوہ کوئی اور ہوتا تو وہ ہار جاتا اور پارہ پارہ ہو جاتا۔ جب ہم معرکہ آزما ہوتے ہیں تو قبیلہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہوتا جو دہشت زدہ ہو کر بوکھلا نہ جائے۔ جب مشرکین مقام عرض پر خیمہ زن ہوئے۔ تو ہمارے سرداروں نے کہا کہ اگر ہم اپنی عورت ناموس کی حفاظت نہیں کریں گے تو کیسے پنپ سکیں گے۔ ہمارے مابین حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز ہیں ہم آپ کی اتباع کرتے ہیں۔ جب وہ ہمیں کوئی فرمان دیتے ہیں تو ہم جلال کی وجہ سے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے آپ پر آپ کے رب کی طرف سے روح القدس آتے ہیں جنہیں آسمان کی طرف سے اتارا جاتا ہے پھر اوپر بلا لیا جاتا ہے ہم اپنے ارادوں کے بارے آپ سے مشاورت کرتے ہیں پھر ہمارا مدعا آپ کی منشاء ہوتا ہے۔ ہم آپ کی اطاعت کرتے ہیں اور فرمان غور سے سنتے ہیں۔ جب دشمن سے آنا سامنا ہو تو آپ نے فرمایا: ”موتوں کا خون خود سے دور کر دو اور ان کی تمنا کرو، اس آدمی کی مانند ہو جاؤ جو اپنی زندگی بادشاہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بیچ دیتا ہے جس کی جناب میں انسان کو زندہ کیا جاتا ہے اور لوٹا دیا جاتا ہے۔ اپنی تلواریں پکڑ لو۔ رب تعالیٰ پر توکل کرو بلاشبہ سارے امور رب تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔ ہم نے دن کے وقت خود پہن کر ان کے کجاووں کا رخ کیا۔ ہم جرات کے ساتھ ان کی طرف چل دیے ہمیں کسی سے ڈرنہ تھا۔ ہم مجاہدین کے ایسے لشکر کے ساتھ چلے جو ہتھیار بند تھا۔ جب وہ چلتا تھا تو وہ قدموں کو روکتا نہ تھا۔ بالآخر ہم کفار کے ایسے لشکر میں گئے جو سمندر کی طرح تھا اس میں مختلف قبائل کے لوگ تھے کچھ زرہ پہنے ہوئے اور کچھ زرہ کے بغیر تھے۔“

ثلاثة آلاف و نحن نصية ثلاث مئین ان کثرنا و اربع

نعاورهم تجرى المنيات بيننا نشارعهم حوض المنايا و نشرع

ترجمہ: ”مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی جبکہ ہم اپنی قوم کے چیدہ چیدہ تین سو افراد تھے۔ اگر ہم زیادہ بھی تھے تو چار سو تھے۔ ہم ان پر اس طرح حملہ آور ہو رہے تھے کہ موتیں ہمارے مابین بھاگنے لگیں۔ ہم انہیں موتوں کے حوضوں سے پانی پلا رہے تھے اور خود بھی پی رہے تھے۔“

تهادى فسسى البنع فينا وفيهم وما هو الا اليتربى المقطع

ترجمہ: ”درخت نبع سے بنائی گئی کمائیں ہمارے اندر اور ان کے اندر چل رہی تھیں۔ وہ شرب کی بنی ہوئی تھیں جو ٹوٹ چکی تھی۔“

و منجوفة حرمية صاعدية يذر عليها السم ساعة تصنع

ترجمہ: ”حرم کے لوگ صاعد کے بنے ہوئے تیر چلا رہے تھے انہیں بناتے وقت ان پر زہر چھڑکا گیا تھا۔“

تصوب بابدان الرجال و تارة تمر باعراض البصار تقعع

ترجمہ: ”وہ تیر لوگوں کے جسم پر لگ رہے تھے اور کبھی پہاڑوں کے دامنوں کے ساتھ لگ کر آواز پیدا کر رہے تھے۔“

و خيل تراها بالفضاء كانها جراد صبا في قرّة يتربع

ترجمہ: ”وہاں گھوڑے بھی تھے جو وسیع میدان میں یوں دکھائی دے رہے تھے گویا کہ وہ موسم سرما کی مشرقی ہوا میں ٹڈیاں آ جا رہی ہوں۔“

فلما تلاقينا و دارت بنا الرحي و ليس لامر حمة الله مدفع

ترجمہ: ”جب ہم ان کے ساتھ نبرد آزما ہوئے تو جنگ کی چکی ہم پر خوب چلنے لگی۔ جس بات کا ارادہ رب تعالیٰ کر لے اسے دور کوئی نہیں کر سکتا۔“

ضربناهم حتى تركنا سرااتهم كانهم بالقاع خشبت مصرع

ترجمہ: ”ہم نے انہیں تلواریں ماریں حتیٰ کہ ہم نے ان کے سرداروں کو یوں چھوڑ دیا گویا کہ وہ نشیبی علاقے میں گرانی گئی کڑیاں ہوں۔“

لدى غدوة حتى استفقنا عشية كان ذكانا حر نار تلتع

ترجمہ: ”وقت صبح سے لے کر تادم شام ہمیں افاقہ ہوا ہماری جنگ کی آگ بھڑکتی ہوئی آگ کی حرارت کی

مانتھی۔“

وراحوا سراغاً موجفین کانہم جہامُ ہراقت ماء ۵ الريح مقلع

ترجمہ: ”کفار یوں دوڑنے لگے گویا کہ وہ اکھڑے ہوئے بادل ہوں جس کے پانی کو ہوانے نکال لیا ہو۔ اسے جو سے اکھیر پھینکا ہو۔“

و رحنا و اخرانا بطاء کاننا اسودُّ علی لحم ببیثہ ظلع

ترجمہ: ”ہم شام کے وقت واپس آئے۔ آخری صفوں کے لوگ بڑے سکون سے چل رہے تھے گویا کہ ایسے شیر ہوں جو اپنی کچھاریں ٹہل ٹہل کر گوشت کھا رہے ہوں۔“

فنلنا و نال القوم متا و ربما فعلنا و لکن مالدی اللہ اوسع

ترجمہ: ”ہم نے بھی کچھ پایادشمن قوم نے ہم سے کچھ پایا ہم نے کارنامے سرانجام دیے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں جو طے شدہ ہے وہ اس سے وسیع تر ہے۔“

و دارت رحانا و استدارت رحاہم و قد جعلوا کل من الشرّ یشبع

ترجمہ: ”ہماری چکی بھی چلی اور ان کی چکی بھی خوب چلی۔ حالانکہ ہم میں سے ہر ایک نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔“

و نحن اناس لا نری القتل سبۃ علی کل من یحیی الذمار و یمنع

ترجمہ: ”ہم لوگ اس شخص کے قتل کو باعثِ ندامت نہیں سمجھتے جو اپنے حقوق کی حفاظت اور دفاع کرے۔“

جلادٌ علی ریب الحوادث لا نری علی ہالک عینا لنا الدھر تدمع

ترجمہ: ”ہم زمانے کے حوادث پر اس قدر سخت ہیں کہ ہم ایک بھی ایسی آنکھ نہیں دیکھتے جو بلاک ہونے والے شخص پر آنسو بہائے۔“

بنو الحرب لا نعیا بشیء نقولہ ولا نحن مما جرت الحرب نجزع

ترجمہ: ”ہم جنگ کے ماہر ہیں جو ہم بات کر لیتے ہیں اسے پورا کرنے سے نہیں تھکتے نہ ہی ان مصیبتوں پر روتے ہیں جنہیں جنگ لے کر آتی ہے۔“

و کنا شہابا یتقی الناس شرّہ و یفرج عنہ من یلیہ و یسفع

ترجمہ: ”ہم آگ کا ایسا شعلہ ہیں جس کی حرارت سے لوگ بچتے ہیں۔ جو اس کے قریب جاتا ہے وہ اتنی دیر میں

جل جاتا ہے کہ وہ اس سے دور ہو۔“

فخرت علی ابن الزبیری و قد سزی لکم طلب من اخر اللیل متبع
ترجمہ: ”اے زبیری کے بیٹے! تو نے مجھ پر فخر کیا حالانکہ ہم نے آخری شب تک تمہاری ایسی جستجو کی جس نے ہمیں تھکا دیا تھا۔“

فسل عنک فی علیا معدّ و غیرها من الناس من اخزی مقامًا و اشنع
ترجمہ: ”تم معد کی رفعتوں اور دیگر مقامات پر جا کر لوگوں سے پوچھو تو یہی کہ مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ذلیل و رسوا کون ہوا؟“

و من هولم تترك له الحرب مفخرا و من خده یوم الکریہة اضرع
ترجمہ: ”وہ کون ہے جس کے لیے جنگ نے ایسی چیز نہ چھوڑی جو قابل فخر ہو وہ کون ہے جنگ کے روز جس کے رخساروں کو خوب پیٹا گیا۔“

شددنا بحول الله والنصر شدة علیکم و اطراف الاسنة شرع
ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کی طاقت و قوت سے ہم نے تم پر اس قدرت شدت سے حملہ کیا کہ نیزوں کی دھاروں کا میلان تمہاری طرف ہو گیا۔“

نکرت القنا فیکم کان فروعها غزالی مزاد ماء ها یتھزع
ترجمہ: ”ہم تم پر نیزوں کے ساتھ یوں بار بار حملہ آور ہو رہے تھے گویا کہ وہ وسیع زخم شکنیزوں کے منہ تھے جن سے پانی بہ رہا ہو۔“

عمدنا الی اهل اللواء و من یطر بذکر اللواء فهو فی الجذم اسرع
ترجمہ: ”ہم نے جھنڈے والوں اور ان لوگوں کا قصد کیا جو جھنڈے کا ذکر کر کے اتر رہے تھے۔ وہ جھنڈا ان سے زیادہ ہماری تعریفیں کرنے لگا۔“

فخانو و قد اعطوا یدا و تخاذلوا ابی الله الا امره وهو اصنع
ترجمہ: ”انہوں نے خیانت کی رسوا اور ذلیل ہو کر جھنڈا ہمارے حوالے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے امر کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیا وہ سب سے زیادہ امور مکمل کرنے والا ہے۔“

ابلع قریشا و خیر القول اصدقه والصدق عند ذوی الالباب مقبول

ترجمہ: ”قریش کو بتادو کہ بات وہی بہترین ہوتی ہے جو زیادہ سچی ہوتی ہے۔ اہل دانش کے نزدیک سچ ہی کو قبول کیا جاتا ہے۔“

ان قد قتلنا بقتلنا سراتکم اهل اللواء ففیما یكثر القیل

ترجمہ: ”ہم نے اپنے مقتولوں کے عوض تمہارے سردار علمبرداروں کو قتل کیا لہذا کس بات کا تذکرہ زیادہ ہوتا ہے۔“

و یوم بدرٍ لقینا کم لنا مددٌ فیہ مع النصر میکالٌ و جبریل

ترجمہ: ”غزوہ بدر کے روز ہم تمہارے ساتھ اس حال میں نبرد آزما ہوئے کہ ہمیں ایسی نصرت مل رہی تھی جس میں حضرات میکائیل اور جبرائیل شامل تھے۔“

ان تقتلوننا فدیین الحق فطرتنا والقتل فی الحق عند اللہ تفضیل

ترجمہ: ”اگر تم ہمیں شہید کر دو گے تو پھر دین حق ہماری فطرت میں شامل ہے حق کے رستہ میں شہید ہونا رب تعالیٰ کے ہاں بڑی فضیلت رکھتا ہے۔“

وان تروا امرنا فی رایکم سفها فرای من خالف الاسلام تضلیل

ترجمہ: ”اگر اپنی رائے کے مقابلہ میں ہماری رائے کو حماقت سمجھتے ہو تو سمجھ لو کہ اسلام کے دشمن کی رائے سراپا گمراہی ہوتی ہے۔“

فلا تمثوا لقاح الحرب و اقتعدوا ان اخا الحرب اصدی اللون مشغول

ترجمہ: ”جنگ کے ساتھ ملاقات کرنے کی آرزو نہ کرو۔ بلکہ بیٹھ جاؤ کیونکہ جنگ کرنے والے شخص کارنگ سرخی اور سیاہی کے مابین ہوتا ہے۔ وہ مشغول ہوتا ہے۔“

ان لکم عندنا ضرباً یراخ بکم عرج الضبایع لہ خدم رعا بیل

ترجمہ: ”ہمارے پاس تمہارے لیے شمشیروں کی ایسی ضرب کاری ہے جس کی وجہ سے لنگڑے بچو بھی مسرت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ انہیں گوشت کے ٹکڑے نصیب ہوتے ہیں۔“

انا بنو الحرب نمریہا و ننتجہا و عندنا لذی الاضغان تنکیل

ترجمہ: ”بلاشبہ ہم ماہرین جنگ ہیں۔ ہم اس کا دودھ نکالتے ہیں۔ اس سے بچے پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے پاس ان لوگوں کے لیے سخت ناک سزا ہے جو کینہ رکھتے ہیں۔“

ان ینج ابن حرب بعد ما بلغت منه التراقی و امر الله مفعول

ترجمہ: ”اگر ابوسفیان نجات پا جائے جبکہ جنگ سینے کی ہڈیوں تک پہنچ چکی ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔“

فقد افادت له حلما و موعظة لمن یکون له لب و معقول

ترجمہ: ”یہ جنگ علم و بردباری کا فائدہ دے گی۔ صاحبان دانش اور اہل عقل کے لیے اس میں درس عبرت اور پند ہے۔“

ولو هبطتم ببطن السیل کاضعکم ضرب بشاکلة البطحاء ترعیل

ترجمہ: ”اگر تم بطن یل میں فروکش ہوتے تو ہمیں بطحاء کے کونے میں سخت تلوار زنی کا سامنا کرنا پڑتا۔“

تلقاکم عصب حول النبی لهم ہما یعدون للھیجا سرا بیل

ترجمہ: ”آپ کے ارد گرد تمہیں ایسی جماعتیں ملتی جنہوں نے ایسی زریں پہن رکھی ہوتیں۔ جن کو جنگ کے لیے تیار کیا ہوتا۔“

من جذم غسان مسترخ حمائلهم لاجنباء و لامیل معازیل

ترجمہ: ”ان گروہوں کا تعلق قبیلہ غسان سے ہے۔ ان کی تلوازیں طویل ہیں وہ بزول نہیں نہ ہی ایسے نہتے ہیں جن کے پاس ڈھالیں ہوں نیزے نہ ہوں۔“

یمشون نحو عما یات القتال کما تمشی البصاعة الاذم المراسیل

ترجمہ: ”یہ گروہ جنگ کی ظلمتوں میں یوں چلتے ہیں جیسے گندم گول اونٹ قطار اندر قطار ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں۔“

او مثل مشی اسود الطل الثقاها یوم زذاذ من الجوزاء مشمول

ترجمہ: ”یا ہلکی پھلکی ہارش کے نیچے ایسے شیروں کی پال ہو جن کو شمال کی ہوانے جو زاتارے سے ہونے والی ہارش نے ترکر دیا ہو۔“

فی کل سابعۃ کالہی محکمة قیامها فلج کا السیف بہلول

ترجمہ: ”یہ مہارک گروہ انتہائی مضبوط زرہ میں ملبوس ہیں۔ وہ اس تالاب کی طرح ہیں جو تلوار کی طرح تاہاں دریا فلج کے قریب ہو۔“

تردّ حدّ قران السنبل خامسة و يرجع السيف منها وهو مفلول

ترجمہ: ”یہ زہریں موٹی ہیں جو تیروں کی دھاروں کو واپس کر دیتی ہیں ان کے پاس تلواریں آتی ہیں تو ان پر دندانے پڑ چکے ہوتے ہیں۔“

ولو قذختم بسليح عن ظهوركم وللحاة و دفع الموت تاجيل

ترجمہ: ”اگر تم انہیں اپنی کمروں سے اٹھا کر سلع کے پہاڑ پر پھینک آتے۔ حالانکہ موت و حیات کے مقابلہ کے لیے ایک مدت متعین ہے۔“

ما زال في القوم وتر منكم ابداً تعفو السلام عليه وهو مطلق

ترجمہ: ”تو ہماری قوم کا وہ شخص بھی جن سے تم انتقام لینا چاہتے پتھروں سے محفوظ ہوتا اور خون رواں ہوئے بغیر ہی محفوظ رہتا۔“

عبد و حر كريم موبق قنصا شطر المدينة ماسور و مقتول

ترجمہ: ”مدینہ طیبہ کا جو دشمن بھی رخ کرے گا اسے یا تو قید کر لیا جائے گا یا موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا خواہ غلام ہو یا معزز آزاد ہو۔“

كنا نومل اخراكم فاعجلكم منا فوارس لا عزل ولا ميل

ترجمہ: ”ہم تمہاری آخری صفوں کو امید دلاتے تھے۔ ہمارے وہ شہسوار جو ڈھال اور ہتھیاروں سے لیس تھے تمہیں پکڑ لیتے تھے۔“

اذا جنى فيهم الجاني فقد علموا حقا بان الذي قد جرّ محمول

ترجمہ: ”ان سواروں میں سے جو بھی کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے علم یقینی ہوتا ہے کہ مجرم کو ضرور سزا ملے گی۔“

ما يمن لا يمن من اثم مجاهرة ولا ملوم ولا في العزم محزوال

ترجمہ: ”ہم نہ تو سرعام گناہ کرتے ہیں نہ ہمیں ملامت کی جاتی ہے اور نہ ہی ہم سے یوں تاوان لیا جاتا ہے کہ ہمیں چھوڑ دیا گیا ہو۔“

حضرت حسان بن ثابت نے ابن زبیری کا جواب دیتے ہوئے کہا:

ذهبت بآبن الربعري و قعة كان منا الوقل فيها لو عدل

ترجمہ: ”اے زبیری کے بیٹے وہ جنگ گزر چکی ہے اگر اس کی سمت بدلتی تو نصرت اور فتح کا جھنڈا ہمارے

نصیب میں ہوتا۔“

و لقد نلتم و نلنا منکم و کذالك الحرب احیانا دول

ترجمہ: ”لیکن تم نے ہم سے اور ہم نے تم سے اپنا حصہ لے لیا ہے اور جنگ اسی طرح ڈول کی مانند بدل بدل کر آتی ہے۔“

نضع الاسیاف فی اکتافکم / حیث نہوی عللاً بعد نہل

ترجمہ: ”ہم تمہارے شانوں کو یون کاٹ رہے تھے کہ ہم ایک دفعہ خون سے پیاس بجھانے کے بعد دوبارہ سیراب ہو رہے تھے۔“

نخرج الاصبح من استاھکم / کسلاح النیب یا کلن العصل

ترجمہ: ”ہم تمہاری پیٹھوں سے ایسا سیاہی مائل مواد نکال رہے تھے جو ایسے بوڑھی اونٹنیوں کی مینگنیوں کی طرح تھا جو عصل بونی کھاتی ہیں۔“

اذ تولون علی اعقابکم / ہزباً فی الشعب اشباہ الرسل

ترجمہ: ”اس وقت تم چرنے کی غرض سے منتشر بکریوں کی طرح روگرداں ہو کر گھائی کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔“

اذ شددنا شدة صادقة / فاجأناکم انی سفح الجبل

ترجمہ: ”ہم نے ایک شدید اور سخت حملہ کیا تھا اور تمہیں پہاڑ کی طرف پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔“

بخنا طیل کامذاق الملا / من یلاقوہ من الناس یہل

ترجمہ: ”یہ حملہ کشادہ سرزمین میں منتشر مختلف درختوں کی مانند مختلف گروہوں کے ساتھ تھا وہ جن کے ساتھ معرکہ آزما ہوتے وہ لرز جاتے تھے۔“

ضاق عنا الشعب اذ نفرعہ / و ملانا الفرط منه والرجل

ترجمہ: ”یہ گھائی اس وقت ہم پر تنگ ہو گئی تھی جب ہم اسے طے کر رہے تھے۔ ہم نے اس کے نشیب و فراز کو بھر دیا تھا۔“

برجال لستم امثالہم / ایدوا جبریل نصرًا فنزل

ترجمہ: ”ہم ایسے مردوں کے ہمراہ تھے جن کی مثل تم نہیں ہو سکتے حضرت جبرائیل کے ساتھ ان کی تائید کی گئی تھی وہ ان میں اترے تھے۔“

و علونا یوم بدر بالتقی طاعة الله و تصدیق الرسل

ترجمہ: ”غزوہ بدر میں ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسولوں کی تصدیق کر کے تقویٰ کی وجہ سے تم پر غالب آگئے تھے۔“

و قتلنا کل راس منہم و قتلنا کل حجج رفل

ترجمہ: ”ہم نے ان کے ہر رئیس کو قتل کر ڈالا اور اس سردار کو بھی قتل کر ڈالا جو لمبا تہبند باندھے ہوا تھا۔“

و ترکنا فی قریش عورة یوم بدر و احادیث المثل

ترجمہ: ”ہم نے اس روز قریش کے اندر شرمندگی اور ایسی باتیں چھوڑیں جو ضرب المثل بن گئی تھیں۔“

و رسول الله حقا شاهد یوم بدر و التناہیل الہیل

ترجمہ: ”حضور سپہ سالار اعظم ﷺ اس جنگ کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ گراں اور کھینے لوگ۔“

فی قریش من جموع جمعوا مثل ما یجمع فی الخصب العمل

ترجمہ: ”قریش کے مابین ایسے لوگوں میں تھے۔ جیسے شاداب چراگاہ میں اونٹوں کو جمع کیا جاتا ہے۔“

نحن لا امثالکم ولداستہا نحضر الناس اذا البأس نزل

ترجمہ: ”ہم تمہاری طرح ایسی اولاد نہیں جو بیٹھوں سے پیدا ہو۔ ہم تو جنگ میں اس وقت بھی موجود رہتے ہیں

جب جنگ کی سختیاں گھیر لیتی ہیں۔“

حضرت حمزہ اور دیگر شہداء احد کا مرثیہ لکھتے ہوئے حضرت حسان بن علیؓ نے کہا:

یامی قومی فاندبی بسحیرة شجو النوائح

ترجمہ: ”اے میری والدہ! اٹھو اور بحیرہ کے مقام پر نوحہ کرنے والی عورتوں کے ہمراہ غم اور کرب کے ساتھ نوحہ کرو۔“

کالحاملات الوقر بالثقل الملحاح الدوالح

ترجمہ: ”ان خواتین کی طرح نوحہ کرو جو گرانی اور بوجھ کو استقلال کے ساتھ اٹھاتے ہوئے ہیں۔“

المعولات الخامشات وجوه حرّات صحائخ

ترجمہ: ”وہ عفت مآب خواتین اپنے آزاد اور شریف چہروں کو نوحہ کر بلند آواز سے نوحہ کناں ہیں۔“

و کان سیل دموعها الانصاب تخضب بالذباخ

ترجمہ: ”ان کے آنسوؤں کا سیلاب انصاب کے پتھروں کی طرح ہے جسے ذبح شلاہ جانوروں کے لہو سے رنگا

جاتا ہے۔“

ینقضن اشعارًا لهن هناك بادية المسایح

ترجمہ: ”وہ عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے ہیں اور ان کے بال نظر آرہے ہیں۔“

و کاتھا اذناہ فیل بالضحی شمس رواح

ترجمہ: ”ان کے اجالے میں وہ زلفیں ان گھوڑوں کی دموں کی طرح ہیں جو چاروں پاؤں سے بدک رہے ہوں۔“

من بین مشذور و مجزور یندعذع بالبوارج

ترجمہ: ”بعض زلفیں بٹی ہوئیں ہیں۔ بعض بٹی ہوئیں ہیں وہ ہوا کے شدید جھونکوں میں بکھر رہی ہیں۔“

یبکین شجّو مسلبات کدحتہنّ الکوادح

ترجمہ: ”وہ ماتمی لباس میں ملبوس ہیں وہ غم سے گریہ بار میں زمانہ کے حوادث نے انہیں غمزدہ کر دیا ہے۔“

و لقد اصاب قلوبها مجلّٰ له جلبّٰ قوارح

ترجمہ: ”ان کے دلوں پر ایسے زخم کاری ہیں جن کے چھلکے بہت اذیت ناک ہیں۔“

اذ اقصد الحدثان من کنا نرجی اذ نشایح

ترجمہ: ”یہ زخم کاری اس وقت آئے جب حوادث ان لوگوں پر آئے جن سے ہم خوف کے وقت امید رکھتے تھے۔“

اصحاب احدٍ غالہم دھر الم له بوارح

ترجمہ: ”یعنی اصحاب احد دہرنے انہیں اس وقت ہلاک کیا (وہ شہید ہوئے) جب وہ اپنے سخت پنجوں کے

ساتھ ان پر اتر۔“

من کان فارسنا و حامینا اذا بعث المسایح

ترجمہ: ”ان میں ایسا پاسبان شخص بھی تھا جو ایسے نازک وقت میں ہمارا محافظ تھا جب ہر اول دستوں کو مہمات پر

بھیجا جاتا تھا۔“

یا حمزلا والله لا انساک ما صر اللقائح

ترجمہ: ”(اے شیر خدا) حمزہ رضی اللہ عنہ! میں تم کو اس وقت تک فراموش نہیں کر سکتا جب تک دودھ دینے والی

اونٹنیوں کے تھنوں کو باندھا جاتا رہے گا۔“

لمناح ایتام و اضياف و ارملة تلامح

ترجمہ: ”یتامی، مہمانوں اور بچی نگاہوں سے دیکھنے والی بیوہ خواتین کی جگہ بنے۔“

ولہا ینوب الدھر فی حرب لحرب وہی لاقح

ترجمہ: ”یہ اونٹنیاں اس مصیبت کے لیے ہیں جو زمانہ جنگ میں جنگ کے لیے لاتا ہے جب کہ جنگ کے شرارے اڑ رہے ہوں۔“

یا فارسا یا مدرھا یا حمز قد کنت البصامح

ترجمہ: ”اے شہسوار! اے اپنی زبان اور ہاتھ سے قوم کا دفاع کرنے والے اے حضرت حمزہ! آپ ہی تو دفاع کرنے والے تھے۔“

عنا شدیدات الامور اذا ینوب لہن فادح

ترجمہ: ”جب سخت سے سخت مصیبت میں جو بارگراں ڈالنے والی مصیبت ہوتی۔“

ذکرتنی اسد الرسول و ذاب مدرھنا المناضح

ترجمہ: ”تو نے مجھے اسد رسول اللہ ﷺ یاد تازہ کر دی جو ہر وقت دفاع کرنے والے تھے۔“

عنا و کان یعدُّ اذ عد الشریفون الحجاج

ترجمہ: ”ہمارا اور ان کا اس وقت شمار کیا جاتا جب شریف اور معزز سرداروں کو یاد کیا جاتا۔“

یعلو القماقم جہرۃ سبط الیدین اغرّ واضح

ترجمہ: ”حضرت حمزہ واضح طور پر بڑے بڑے سرداروں پر غالب آجاتے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سخاوت کرنے والے کشادہ جبین اور روشن چہرے والے تھے۔“

لا طائش رعش ولا ذو علة بالحمل آنح

ترجمہ: ”وہ نہ اونچھے تھے نہ سرعت پرند تھے نہ یہ ایسی مرض میں مبتلا تھے کہ بوجھ اٹھاتے وقت سینے سے اونٹ کی آواز کی طرح کی آواز نکلنے لگتی ہو۔“

بحر فلیس یغب جاّرا منه سیب او منادح

ترجمہ: ”وہ تو سخاوت کا ایسا بحر ہے کہ ان کی ان بخششوں میں نافرمانی نہیں ہوتا تھا جو آپ کی جانب سے آپ کے پڑوسیوں کو ملتی تھیں۔“

اودی الشباب اولو الحفائظ والثقیلون المراجح

ترجمہ: "غیرت وحمیت اور غضب کی جوانی والے شہید ہو گئے بھاری بھر کم اور دوسروں سے بڑھ کر حلیم شہید ہو گئے۔"

المطعمون اذا المشاتی ما یصنعقهن ناصح

ترجمہ: "ایسے وقت میں لوگوں کو کھلانے والے شہید ہو گئے جب بھوکا آدمی دن میں ایک ہی دفعہ بکریوں کا دودھ نکالے۔"

لحم الجلاذ و فوقه من شحمہ شراخ

ترجمہ: "وہ قوی اونٹوں کا گوشت کھلاتے تھے۔ ان گوشت کے اوپر کوبان کی چربی کے لیے لمبے ٹکڑے واضح نظر آتے تھے۔"

لیدافعوا عن جارهم مارام ذوالضغن المکاشح

ترجمہ: "تاکہ وہ اپنے پڑوسیوں کا دفاع کر سکیں جن کا ارادہ ایسے لوگ کرتے ہیں جو ٹیڑھی نگاہ سے کرتے ہیں وہ کینہ پرور ہوتے ہیں۔"

لهفی لشتان رزئناهم کانهم البصایح

ترجمہ: "ہمیں ان جوانوں پر افسوس ہے جو ہم سے جدا ہوئے وہ ہمارے لیے چراغوں کی طرح تھے۔"

شم بطارقة خضارمة مسامح

ترجمہ: "وہ باعزت تھے، سردار تھے، سخی تھے، رئیس بھی تھے اور فیاض بھی تھے۔"

المشترون الحمد بالاموال ان الحمد رابح

ترجمہ: "وہ اپنے اموال عنایت کر کے تعریف خریدتے تھے بلاشبہ تعریف کا سودا بڑا فائدہ مند ہے۔"

والجامزون بلحبهم یوما اذا ما صاح صامح

ترجمہ: "جب کوئی پکارنے والا مدد کو پکارتا تو وہ اس روز گھوڑوں کی لگا میں پکڑ کر میدان جنگ میں جانے والے تھے۔"

من کان یرمی بالنواقر من زمان غیر صالح

ترجمہ: "غیر موزوں زمانہ کی طرف سے جس کو حوادث کے تیر مارے گئے۔"

ما ان تزال رکابہ یرسمن فی غیر صامح

ترجمہ: "ان کے اونٹ لگاتار تیزی کے ساتھ ایسے میدان میں چلتے رہے جو غبار آلود تھا۔"

راحت تباری وهو فی ركب صدورهم رواشح

ترجمہ: ”وہ شخص ایسے اونٹوں کے درمیان ہوتا جن کے مقابلے اس حال میں ہوتے کہ ان سے سینہ رواں دواں ہوتا۔“

حتى تودب له المعالی لیس من فوز السفائح

ترجمہ: ”حتیٰ کہ آپ کے حصے میں ایسی رفعتیں تھیں جن کا نسب جوئے کے منہوس تیروں کی کامیابی نہیں ہوتی تھی۔“

یا حمز قد او حدتنی شذبه الكواضح

ترجمہ: ”اے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ نے مجھے اس لکڑی کی طرح تنہا چھوڑ دیا ہے جسے کاٹنے والوں نے اسے شاخ سے الگ کر دیا ہو۔“

اشكو اليك و فوقك التراب المكور والصفائح

ترجمہ: ”میں آپ کی بارگاہ میں شکوہ کننا ہوں حالانکہ آپ کے اوپر تہ درتہ مٹی اور بڑے بڑے پتھر پڑے ہیں۔“

من جندل نلقيه فوقك اذا جاد الضرح ضارح

ترجمہ: ”وہ پتھر جنہیں ہم نے آپ پر اس وقت رکھا تھا جب کھودنے والے نے عمدہ قبر کھودی تھی۔“

فی واسع يحشونه بالترب سوتہ المباسح

ترجمہ: ”آپ اس قبر انور میں جلوہ نما ہو گئے جس کے اوپر لوگ مٹی ڈال رہے تھے اور اسے کیوں سے برابر کر دیا گیا تھا۔“

فغزاونا انا نقول و قولنا برح بوارح

ترجمہ: ”ہماری تعزیت کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں حالانکہ ہمارا یہ قول دلوں کو اذیت دینے والا ہے۔“

من كان امسى وهو عما وقع الحدثان جانح

ترجمہ: ”کہ جو شخص ایسے واقعات سے اعراض کر کے چلا گیا تھا جو حادثات نے رونما کیے تھے۔“

فلياتنا فلتبك عيناه لهلكانا النواضح

ترجمہ: ”وہ خود ہمارے پاس آجائے۔ اس کی آنکھیں ہمارے ایسے شہداء پر روئیں جو ہمارا دفاع کرنے والے تھے۔“

القائلين الفاعلين ذوى السيادة والمبادج

ترجمہ: ”وہ ایسے تھے کہ جو کہتے تھے اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ وہ سخاوت کے دھنی تھے ہر قسم کی عمدہ صفات کے مالک تھے۔“

من لا یزال ندی یدیہ لہ طوالع الدھر مائح

ترجمہ: ”ان کے ہاتھوں کی فیاضی مدت مدید تک محتاجوں کے دامن بھرتی رہی ہوگی۔“
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار لکھے:

سائل قریشا غداة السفح من احد

ترجمہ: ”ذرا قریش سے پوچھو کہ دامن احد میں ہم نے کس چیز کا سامنا کیا اور بھاگنے کی وجہ سے انہیں کس چیز کا سامنا کرنا پڑا۔“

کنا الاسود وکانوا النمر اذ حفوا

ترجمہ: ”ہم اس وقت شیروں کی طرح اور قریش چیتوں کی طرح تھے جب قریش ہماری طرف آئے ہوئے عہد اور نسب کی پاسداری نہیں کر رہے تھے۔“

فکم ترکنا بہا من سید بطل

ترجمہ: ”ہم نے وہاں کتنے ہی بہادر سرداروں کو تہ تیغ کیا جو حقوق کے محافظ اور کریم آباء اور عمدہ حسب والے تھے۔“

فینا الرسول شہاب ثم یتبعہ

ترجمہ: ”ہم میں ایسے رسول کریم ﷺ موجود ہیں جو شہاب کی مانند تاباں ہیں۔ اس شہاب کے پیچھے اس کو منور کرنے والا نور ہوتا تھا اس شہاب کو دوسرے شہابوں پر فضیلت حاصل تھی۔“

الحق منطقہ والعدل سیرتہ

ترجمہ: ”حق آپ کی گفتگو ہے۔ عدل آپ کی سیرت ہے۔ جو بھی آپ کی دعوت کو قبول کرے گا وہ خسارے اور ہلاکت سے نجات پائے گا۔“

نجد المقدم ماضی الہم معتزم

ترجمہ: ”آپ اس وقت بھی پیش قدمی کے راہ نما، عزم مصمم والے اور باہمت ہوتے ہیں۔ جب لوگوں کے دل خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہوتے ہیں۔“

نمضی و یذمرنا عن غیر معصیۃ

کانہ البدر لم یطبع علی الکذب

ترجمہ: ”آپ خود بھی آگے تشریف لے جاتے ہیں اور ہمیں بھی گناہ سے دور کر کے پیش قدمی پر ابھارتے ہیں
آپ ماہِ تمام ہیں جھوٹ آپ کی فطرت میں شامل نہیں۔“

بدالنا فاتبعناہ نصدقة و کذبوہ فکتا اسعد العرب

ترجمہ: ”آپ ہمارے سامنے جلوہ افروز ہوئے تو ہم نے آپ کی تصدیق کر کے آپ کی اتباع کر لی جبکہ کفار
نے آپ کی تکذیب کی ہم عرب میں سے سب سے زیادہ سعادت مند بن گئے۔“

جالوا و جلنا فما فاءوا و ما رجعوا و نحن نشفئهم لم نأل فی الطلب

ترجمہ: ”وہ بھی پلٹے۔ ہم بھی واپس ہوئے مگر انہیں نہ لوٹنا تھا نہ وہ لوٹے ہم انہیں آگے لے جا رہے تھے ہم نے
ان کے تعاقب میں کوتاہی نہ کی۔“

لسنا سواء و شتی بین امرہما حزب الاله و اهل الشرك و التصب

ترجمہ: ”رب تعالیٰ کی عبادت کرنے والا گروہ اور مشرک اور بت پرست برابر نہیں ہیں ان کے مابین
بہت دوری ہے۔“

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہا:

بکت عینی و حق لها بکاها وما یغنی البکا و لا العویل

ترجمہ: ”میری آنکھ گریہ بار ہوئی یہ اس بات کی مستحق بھی ہے کہ یہ رولے لیکن رونا اور ہائے ہلاکت پکارنا کوئی
فائدہ نہیں دیتا۔“

احمزة ذاکم الرجل القتیل علی اسد الا له غداة قالوا

ترجمہ: ”یہ آنکھ صبح اس شیر خد اہد گریہ بار ہوئی۔ جب لوگوں نے پوچھا: ”کیا وہ شہید حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔“

اصیب المسلمون به جمیعا هناك و قد اصیب به الرسول

ترجمہ: ”ان کی وجہ سے سارے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی ان کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اذیت ہوئی۔“

بابی یعلی بک الارکان ہدت و انت الماجد البر الوصول

ترجمہ: ”اے ابو یعلیٰ (حمزہ)! آپ کے سارے اعضاء کاٹ دیے گئے۔ حالانکہ آپ ایک بزرگ، پاکباز اور

صلہ رحمی کرنے والے شخص تھے۔“

علیک سلام ربک فی جنان مغلطها نعیم لا یزول

ترجمہ: ”جنت میں آپ پر آپ کے رب کی طرف سے سلام ہو جس کے ساتھ ایسی نعمتیں متصل ہوں جنہیں زوال نہیں۔“

الا یا ہاشم الاخیار صبراً فکلّ فعالکم حسنٌ جمیل
ترجمہ: ”اے بہترین قبیلہ بنو ہاشم! تم صبر کرو۔ تمہارے سارے افعال حسین و جمیل ہیں۔“

رسول اللہ مصطبرٌ کریمٌ بامر اللہ ینطق اذ یقول
ترجمہ: ”حضور اکرم ﷺ بھی صابر اور کریم ہیں۔ جب آپ فرماتے ہیں تو آپ رب تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہی بولتے ہیں۔“

الامن مبلغٌ عتیّ لویّاً فبعد الیوم دائلۃ تدول
ترجمہ: ”میری طرف سے قبیلہ بنو لوی کو کون پیغام دے گا کہ اس جنگ کے بعد ایک اور جنگ ہوگی۔“

وقبل الیوم ما عرفوا و ذاقوا وقائنا بہا یشفی الغلیل
ترجمہ: ”اس سے پہلے کی جنگ میں بھی کفار نے ہمیں خوب جان لیا تھا اور موت کا ذائقہ چکھا تھا اس جنگ میں ہمارے کارنامے پیاسے کو سیراب کرتے ہیں۔“

نسیتم ضربنا بقلیب بدرٍ غداۃ اتاکم الموت العجیل
ترجمہ: ”کیا تم بدر کے کنوئیں کے پاس ہماری تلوار زنی فراموش کر چکے ہو جس روز بڑی سرعت کے ساتھ موت تمہارے پاس آرہی تھی۔“

عذاۃ ثوی ابو جہل صریحاً علیہ الطیر حائمۃ تجول
ترجمہ: ”جس روز ابو جہل چمھاڑا ہوا نیچے گر پڑا تھا۔ اور اس پر پرندے چکر لگاتے ہوئے آرہے تھے۔“

و عتۃ و ابنہ خرا جمیعاً و شیبۃ عضہ السیف الصقیل
ترجمہ: ”عتبہ اور اس کا فرزند نیچے گر پڑے اور شیبہ کو صقیل زدہ تلوار نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔“

و مترکنا امیۃ مجلعباً و فی حیزومہ لدن نبیل
ترجمہ: ”ہم نے امیہ کو بھی زمین پر لٹا دیا تھا جبکہ اس کے سینے کے نچلے حصہ میں ایک بڑا نیزہ گھونپا گیا تھا۔“

و هام بنی ربیعۃ سائلوها ففی اسیافنا منها فلول
ترجمہ: ”تم بنو ربیعہ کی کھوپڑیوں سے پوچھو ان کی وجہ سے ہماری تلواروں میں دندانے پڑے ہوئے تھے۔“

الا یا ہند لا تبدی شماناً بحمزة ان عزم ذلیل

ترجمہ: ”اے ہند! خوب گریہ کر لے اور گریہ سے نہ اکتا تو ہی بڑے بڑے آنسو بہانے والی اور عزیزہ کو گم کرنے والی ہے۔“

الا یا ہند فابکی لات تملی فانن الوالہ العبری الہبول

ترجمہ: ”اے ہند! حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسرت کا اظہار نہ کر کیونکہ تمہاری عزت خاک میں مل چکی ہے۔“
حضرت حسان نے ان کا مرثیہ لکھتے ہوئے لکھا:

اتعرف الدار عفا رسمها بعدك صوب المسبل الہاطل

ترجمہ: ”کیا تو اس گھر کی پہچان رکھتا ہے۔ تیرے بعد موسلا دھار بارش نے جس کے نشانات تک مٹا دیے تھے۔“

بین السراذیح فادمانہ فمدفع الروحاء فی حائل

ترجمہ: ”وہ گھر امانہ اور حائل کے درمیان اس جگہ واقع تھا جہاں پانی جمع ہوتا ہے۔“

ساء لتها عن ذاك فاستعجبت لم تدر مامر جوعۃ السائل

ترجمہ: ”جب میں نے اس گھر سے اس کی بربادی کا سوال کیا تو وہ گونگا بن گیا اس کو علم نہ تھا وہ سائل کا کیا جواب دے۔“

دع عنك دارًا قد عفارسمها و ابك علی حمزة ذی التائل

ترجمہ: ”ارے! تو اس گھر کا تذکرہ ترک کر جس کے نشانات تک مٹ گئے ہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر گریہ کر جو عنایات بخشے والے تھے۔“

المالیء الشیزی اذا اعصفت غبراء فی ذی الشبم الماحل

ترجمہ: ”وہ اس وقت بھی محتاجوں کی زنبیل بھرنے والے تھے جب ٹھنڈے پانی والے سخت سرما کے موسم میں ہوائیں تیز اور سخت ہوجاتی ہیں۔“

والتارك القرن لدى لبدة یعثر فی ذی الخرص الذابل

ترجمہ: ”وہ اپنے مد مقابل کو تہ درتہ غبار میں چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ غبار پتلے نوک دار نیزوں کے مابین اڑتا ہے۔“

و اللابس الخیل اذا اجمت كاللیث فی غابتہ الباسل

ترجمہ: ”وہ گھڑسوار کو اس وقت اس شیر کی طرح خوفزدہ کر دیتا تھا جو اپنی خوفناک کچھار میں ہوجب سوار پیچھے ہٹتا تھا۔“

ابیض فی الذورۃ من ہاشیم لم یوردون الحق بالباطل

ترجمہ: ”حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بنو ہاشم کے وہ بلند منصب انسان تھے جو حق کو ترک کر کے باطل کے لیے کبھی نہ لڑے تھے۔“

مال شہیداً بین اسیافکم شلت یدا و حشیتی من قاتل

ترجمہ: ”تمہاری تلواروں کے سامنے وہ شہید ہو کر گر پڑے۔ ان کے قاتل کے دونوں ہاتھ ٹل ہو جائیں وہ

قاتل وحشی تھا۔“

ای امری غاڈر فی اللہ مطرورۃ مارنۃ العامل

ترجمہ: ”اس نے ایسے عمدہ شخص کو اپنے باریک تیز نوک والے نیزے کا نشانہ بنایا۔“

اظلمت الارض لفقدانہ واسود نور القمر الناصل

ترجمہ: ”حضرت حمزہ کے چلے جانے سے ساری زمین تاریک ہو گئی۔ اور طلوع ہونے والے چاند کے نور پر

سیاہی چھا گئی۔“

صلی علیہ اللہ فی جنتہ عالیۃ مکرمۃ الداخل

ترجمہ: ”رب تعالیٰ ان پر بلند و بالا جنت میں رحمتیں نازل کرے جہاں داخل ہونے والے کو عورت و احترام

سے نوازا جاتا ہے۔“

کنا نری حمزۃ حزراً لنا من کل امر نابنا نازل

ترجمہ: ”ہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہر اس مصیبت میں اپنی پناہ گاہ سمجھتے تھے۔ جو ہم پر نازل ہوتی تھی۔“

و کان فی الاسلام ذاتدرا یکفیک فقد القاعد الخاغل

ترجمہ: ”وہ اسلام میں بہت بڑے دفاع کرنے والے تھے۔ ان کا دفاع پیچھے چھوڑنے والے اور متروک

کرنے والے کی کمی کو پورا کر دیتا۔“

لا تفرحی یا ہند و استحلہی دمعا و اذری عبیرۃ الثاگل

ترجمہ: ”اے ہند! تو خوشی کے شادیاں نہ بھا بلکہ خوب آنسو گرا اور اس عورت کی طرح خوب روجس کا اٹھوتا بچہ

مفقود ہو گیا ہو۔“

و ابکی علی عتبه اذا قتلہ بالسیف تحت الرہج الجائل

ترجمہ: ”اس عتبہ پر روجس کو حضرت حمزہ نے اس وقت دوصوں میں کاٹ کر رکھ دیا تھا جب کہ غبار اڑ رہا تھا۔“

اذخر فی مشیغۃ مکم من کل عاب قلبہ جاہل

ترجمہ: ”جب عقبہ ان لوگوں کے مابین گرا جن میں سے ہر شخص جاہل اور باغی دل والا تھا۔“

ارادہم حمزۃ فی أسیرۃ یمشون تحت الحلقی الفاضل

ترجمہ: ”حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر ہلاکت و بربادی کو مسلط کر دیا ہم لمبی اور طویل زرہوں میں چل رہے تھے۔“

عذاة جبریل وزیرلہ نعم وزیر الفارس الحامل

ترجمہ: ”یہ اس روز ہوا جب حضرت حمزہ کے مددگار حضرت جبرائیل امین تھے۔ اس شہسوار اور حملہ آور ہستی کے وزیر کتنے اچھے تھے۔“

حضرت کعب بن مالک ان کا مرثیہ کہتے ہوئے لکھتے ہیں:

طرقۃ ہبومک فالرقاد مسہد و جزعت ان سلب الشباب الاغید

ودعت فوادک یلہوی ضمیریۃ فہواک غوری و صعبک منجد

فدع التمدی فی الغوایۃ سادرا قد کنت فی طلب الفوایۃ تفند

ترجمہ: ”رات کے وقت تمہارے غموں نے دستک دی۔ نیند اڑ گئی تم نے شور مچایا کہ اس جوانی کو چھین لیا گیا جو

نعمتوں میں پٹی تھی۔ تیرے دل کو ضمیر نے محبت کی دعوت دی۔ تیری محبت پستی میں لے جانے

والی ہے۔ جبکہ تمہارا ہوش میں آجانا تجھے نعمتوں تک لے جانے والا ہے۔ اے ضلالت کی وادی میں

بھٹکنے والے! یہ غفلت چھوڑ دے۔ تو گمراہی کی جستجو میں بے وقوف اور احمق بنایا جاتا رہا ہے۔“

و لقد اتی لک ان تناہی طائعا او تستفیق اذا نہاک المرشد

ترجمہ: ”اب تیرا وقت آ گیا ہے کہ تو اطاعت کرتے ہوئے رک جائے تاکہ تو اس وقت ہوش میں آجائے جب

تجھے مرشد برحق روکیں۔“

و لقد هدت لفقد حمزۃ ہدۃ ظلت نبات الجوف منها ترعد

ترجمہ: ”حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کی وجہ سے تو اس قدر عمر رسیدہ ہو گیا ہے کہ اس کی وجہ سے دل جگر اور

انٹریاں لرزنے لگیں ہیں۔“

ولو انه فجعت حراء بمثلہ لرایت راسی صفرها یتبدد

ترجمہ: ”اگر کوہ حراء کو اس طرح کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تو تو دیکھتا کہ اس کے مضبوط پتھر بھی ریزہ ریزہ

ہو رہے ہوتے۔“

قوم تمكن فی ذؤابة هاشم
حيث النبوة والندی والسودد

ترجمہ: ”حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایسے جزات مند انسان تھے جو بنو ہاشم کے عظیم مرتبت انسانوں میں سے تھے اسی جگہ نبوت، سخاوت اور سرداری کی صفات ہیں۔“

والعاقرة الكوم الجلا اذا غدت
ريح يكاد الماء فيها يجهد

ترجمہ: ”جب ایسی سرد ہوائیں چلتی تھیں جن سے پانی منجمد ہو جاتا تھا تو وہ بڑی کوہان والے اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کی ضیافت کرتے تھے۔“

والتارك القرن الكمي مجدلا
يوم الكريهة والقنا يتقصد

ترجمہ: ”وہ جنگ کے دوران بڑے بڑے دشمنوں کو زمین پر پھینکا دیتے تھے۔ جبکہ نیزے باہم ٹکرا کر ٹوٹ رہے ہوتے تھے۔“

و تراة يرفل في الحديد كانه
ذو لبدة شئن ابراشن اربد

ترجمہ: ”تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ غرق آہن ہو کر یوں چلتے گویا کہ وہ ایسے بھوکے شیر ہیں جس کی گردن پر بال ہوں اور اس کے پیچھے مضبوط ہوں۔“

عم النبي محمد و صفيه
ورد الحمام فطاب ذاك المورد

ترجمہ: ”وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور رازدال تھے۔ وہ شہید ہو گئے۔ یہ شہادت ان کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی۔“

و اتى المنية معلما في اسرة
نصروا النبي ومنهم المستشهد

ترجمہ: ”وہ نشان زدہ ہو کر ایسے گروہ کے پاس آئے جس نے آپ کی نصرت کی تھی۔ ان میں سے بعض شہادت کی تمنا کرتے تھے۔“

ولقد اخال بذاك هندا بشرت
تميت داخل غصة لا تبرد

ترجمہ: ”میرا خیال ہے کہ ہند کو یہ مژدہ سنا دیا جائے کہ وہ اپنا اندرونی غصہ ٹھنڈا کر دے جو سرد ہونے کا نام نہیں لیتے۔“

ما صبنا بالعنقل قومها
يوما تغيب فيه عنها الا سعد

ترجمہ: ”ہم نے اس وقت ریت کے ٹیلے پر ان پر حملہ کر دیا تھا جس وقت ان سے اسعد غائب ہو گیا تھا۔“

حتى رايت لدى النبي سراهم
قسمين لقتل من نشاء و نطرده

ترجمہ: ”میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس سرداروں کی دو قسمیں تھیں جنہیں ہم چاہتے ہم قتل کر دیتے اور جسے چاہتے قیدی بنا لیتے۔“

و بدئر بدر اذ یرد وجوہہم
جبریل تحت لوائنا و محمد
ترجمہ: ”بدر کا کنواں جبکہ ہمارے پرچم کے نیچے حضرت جبرائیل اور حضور اکرم ﷺ مشرکین کے چہرے پھیر رہے تھے۔“

فاقام بالعطن المعطن منهم
سبعون عتبة منهم والاسود
ترجمہ: ”مشرکین کے ستر افراد اس جگہ موت کے گھاٹ اترے جو اونٹوں کے بٹھانے کے لیے بنائی گئی تھی ان مقتولوں میں عتبہ اور اسود بھی شامل تھے۔“

و ابن المغيرة قد ضربنا ضربة
فوق الوريد لها رشاش مزبد
ترجمہ: مغیرہ نے بیٹے کی شہ رگ لے اور پرہم نے ایسی ضرب کاری لگائی جس سے جھاگ والا خون نکل رہا تھا۔“

و امیة الجمحی قوم میله
عضب بایدی المومنین مہند
ترجمہ: ”امیہ الجمحی کو بھی ان ہندی تلواروں نے کاٹ دیا جن کو اہل ایمان نے اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔“

فاتاک فلّ المشرکین کانہم
والخیل تشفہم نعام شرد
ترجمہ: ”تمہارے پاس مشرکین پہنچے تو وہ شکست خوردہ تھے۔ گویا کہ وہ بھاگے ہوئے شتر مرغ تھے ہمارے گھوڑے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔“

شتان من هو فی جہنم ثاویاً
ابدأ و من هو فی الجنان مخلد
ترجمہ: ”جو شخص جہنم کا ابدی ایندھن ہو اور جو جنتوں میں ابدی مزے لوٹ رہا ہو ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔“
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتی ہیں:

أسائلة اصحاب احدٍ مخافة
بنات ابی من اعجم و خبیر
ترجمہ: ”کیا میری بہنیں ڈر کی بنا پر احد کے ساتھیوں کے بارے ہر شخص سے پوچھ رہی ہیں۔ خواہ وہ ان سے آگاہ ہو یا بے خبر ہو۔“

فقال خبیر ان حمزة قد قوی
وزیر رسول الله خیر وزیر
ترجمہ: آگاہ شخص نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے بہترین وزیر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے ہیں۔“

دعاہ الہ الخلق ذوالعرش دعوةً الی جنةٍ یحییٰہا و سرور

ترجمہ: ”عرش بریں کے مالک نے انہیں جنت کی طرف یوں دعوت دی ہے کہ وہ وہاں مزے اور سرور سے رہیں گے۔“

فذاک ما کنا نرجی و نرتجی لحمزة یوم الحشر خیر مصیر

ترجمہ: ”اس شہادت کی ہم خود بھی تمنا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کا شوق دلاتے تھے۔ روزِ قیامت حضرت حمزہ کو عمدہ مقام ملے گا۔“

فواللہ لا انساک ما ہبت الصبا بکاء و حزنا محضری و مسیری

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! حمزہ! میں آپ کو اس وقت تک نہ بھولوں گی جب تک صبا چلتی رہے گی۔ میں اپنے سفر اور حضر میں غمزدہ رہوں گی اور روتی رہوں گی۔“

علی اسد اللہ الذی کان مدرہا ینور عن الاسلام کل کفور

ترجمہ: ”میں اللہ تعالیٰ کے اس شیر پر روتی رہوں گی جو دفاع کرنے والا تھا اور اسلام سے ہر کافر کو دور کرنے والا تھا۔“

فیالیت شلوی عند ذاک و اعظمی لدی اضبع تعتادنی و نسور

ترجمہ: ”کاش! میرا باقی جسم اور ہڈیاں ان بجوؤں اور گدھوں کے پاس چلے جاتے جو بار بار میرا گوشت کھاتے رہے۔“

اقول و قد اعلی النعی عشیرتی جزی اللہ خیرًا من اخ و نصیر

ترجمہ: ”میں کہتی ہوں حالانکہ میرا خاندان آہ و بکا کی وجہ سے آوازیں بلند کر رہا تھا کہ رب تعالیٰ میرے بھائی اور مددگار کو عمدہ جزا دے۔“

تنبیہات

❖ غزوہ احد میں کئی معجزات رونما ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

❖ حضرت قتادہ بن نعمان جی سوز کی آنکھ کا لونٹا یا جانا ابو یعلیٰ اور ابو نعیم نے حضرت عامر بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی آنکھ کو غزوہ احد کے روز زخم آیا۔ آنکھ ان کے رخسار پر

بہہ پڑی صحابہ کرام نے اسے کاٹ دینے کا ارادہ کیا۔ آپ سے عرض کی گئی۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ اپنے دست شفاء بخش سے آنکھ کا ڈھیلا آنکھ کے اندر رکھ دیا۔ انہیں معلوم تک نہ ہوتا تھا کہ کس آنکھ کو چوت آئی تھی۔ اس کی کئی اسناد ہیں۔ جن کا تذکرہ معجزات میں آئے گا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا اسی شخص کے بارے میں بتانا جو شدید قتال کرے گا لیکن وہ اہل نار میں سے ہوگا اس شخص نے خود کشتی کر لی تھی۔

شاخ کا تلوار بن جانا۔ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی۔ آپ نے انہیں کھجور کی شاخ عطا کی۔ جو حضرت عبداللہ کے ہاتھوں میں جا کر تلوار بن گئی۔ حضرت زبیر بن بکر نے الموفقیات میں لکھا ہے کہ یہ تلوار ان کے ہاتھ میں رہی۔ اسے عجون کہا جاتا ہے۔ یہ نسل در نسل منتقل ہوتی رہی حتیٰ کہ اسے دوسو دیناروں میں فروخت کر دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قسم کا پورا ہونا۔

آپ کا یہ بتانا کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف کے ساتھ ملائکہ نے قتال کیا۔

حضرت ابوذر کی آنکھ کا لونڈا دینا۔ ابوعلی نے عبدالرحمان بن حارث بن عبیدہ سے اور وہ اپنے دادا جان سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ احد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر چوٹ لگی۔ آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا تو وہ دوسری آنکھ سے بھی حسین ہو گئی۔ لیکن صحیح روایت ہے کہ حضرت ابوذر نے اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔

رب تعالیٰ نے آپ کو اس گروہ سے بچالیا جنہوں نے آپ پر تیر اندازی کی۔ عبداللہ بن شہاب کو آپ سے پھیر دیا جبکہ وہ آپ کو شہید کرنا چاہتا تھا۔

آپ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ حارث بن سوید نے مجذربن زیاد کو قتل کیا تھا۔ ابن سعد نے امام واقدی سے روایت کیا ہے کہ سوید بن صامت نے مجذربن حارث کے باپ زیاد کو زمانہ جاہلیت میں قتل کیا تھا۔ مجذربن سوید پر غالب آ گیا۔ اس نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ اسلام سے قبل کا واقعہ ہے۔ جب حضور اکرم رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حارث بن سوید نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح مجذربن نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ دونوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حارث منافق تھا۔ حارث مجذربن کی ٹوہ میں لگا رہا تا کہ اسے اپنے باپ کے بدلے میں قتل کر دے۔ مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکا۔ جب غزوہ احد رونما ہو اور مسلمانوں کے لیے یہ آزمائش آئی تو حارث مجذربن کے پیچھے سے آیا اور اس کی گردن اڑادی۔ جب حضور اکرم رضی اللہ عنہ حمراء الاسد سے واپس آئے تو حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں آئے آپ سے عرض کی: ”حارث نے مجذربن کو دھوکہ سے قتل کر دیا ہے۔“ انہوں نے آپ سے عرض کی کہ

آپ اسے تیغ کر دیں۔ حضور اکرم ﷺ اس روز سوار ہو کر قباء گئے۔ یہ ایک گرم دن تھا۔ آپ مسجد قباء میں تشریف لے گئے۔ اس میں نماز پڑھی۔ جب انصار نے آپ کے بارے میں سنا تو سلام عرض کرنے کی عرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اس لمحہ میں آپ کا آنا عجیب سمجھا۔ حتیٰ کہ حارث بھی آگیا۔ اس نے زعفرانی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جب آپ نے اسے دیکھا تو آپ نے حضرت عویم بن ساعدہ کو بلایا۔ فرمایا: ”حارث کو مسجد کے دروازے پر لے جاؤ مجز بن زیاد کے قصاص میں اس کی گردن اڑادو۔ اس نے اسے دھوکہ سے قتل کیا ہے۔“ حارث نے کہا: ”بخدا! میں نے اسے قتل کیا ہے لیکن یہ اسلام سے رجوع یا اسلام میں شک کی وجہ سے نہیں تھا۔ لیکن یہ شیطان کی طرف سے حمیت تھی۔ یہ ایسا امر تھا جو میرے نفس کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ میں اپنے عمل سے رب تعالیٰ اور اس رسول محترم ﷺ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں اس کی دیت نکالتا ہوں اور دو ماہ کے لگاتار روزے رکھتا ہوں۔ میں غلام آزاد کرتا ہوں۔“ آپ نے فرمایا: ”عویم! اسے لے جاؤ۔ اس کی گردن اڑادو۔“ انہوں نے اسے لے جا کر اس کی گردن اڑادی۔ حضرت حسان نے یہ اشعار کہے:

یا حار فی سنة فی نوم اولکم ام کنت و یحک مغتراً بجبریل

ام کنت باین ذیاد حین تقتله بغرة فی فضاء الارض مجهول

ترجمہ: ”اے حارث! کیا تم اپنی نیند کی ابتدائی اونگھ میں ہو۔ یا تم حضرت جبرائیل کی وجہ سے دھوکہ میں پڑ گئے تھے۔ یا تم ابن زیاد سے اس وقت آگاہ نہ تھے۔ جب اسے زمین کی فضاء میں دھوکہ سے قتل کیا گیا۔“

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی گردن اڑادی تھی یا کسی انصاری صحابی نے یہ کام کیا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے یہ واقعہ اس کے بھائی جلاس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ لیکن مشہور یہی ہے کہ وہ حارث تھا۔

آپ نے حضرت ابوسعید خدری کے والد حضرت مالک رضی اللہ عنہ کے بارے کہا: ”تم میں سے جو کسی جنتی کو دیکھنا چاہے

وہ ان کی طرف دیکھ لے۔“ انہیں شہادت نصیب ہوئی۔

عتبہ بن ابی وقاص کے بارے آپ کی بددعا قبول ہوئی۔

عتبہ کی اولاد کے منہ کی کیفیت۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ثنابت قدمی کے لیے آپ کی دعا۔

ہند حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نہ چبا سکی۔ ابن سعد نے عوف بن محمد سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہے ”مجھ تک یہ

روایت پہنچی ہے کہ ہند غزوہ احد کے روز آئی۔ اس نے نذرمانی تھی کہ اگر اسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر قدرت حاصل ہوئی

تو وہ آپ کا کلیجہ نکلے گی۔ لوگ حضرت حمزہ کا کلیجہ لے کر آئے۔ وہ اسے چبانے لگے تاکہ نکل لے مگر وہ نکل نہ سکی۔ اس نے اسے پھینک دیا۔ حضور اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر کے کسی حصہ کو چھوئے۔“

ایک شخص نے کہا: ”مولا! اگر محمد عربی ﷺ حق پر ہیں تو اسے دھنسا دے۔“ وہ زمین میں دھنسا دیا گیا۔ امام بزار نے اس روایت کو حسن سند کے ساتھ حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے۔

آپ کی کمان کا چلہ چھوٹا ہو گیا جب اسے کھینچا گیا تو وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ اس کی کئی گرہیں بھی لگائی گئیں۔

آپ نے یہ دعا مانگی تھی کہ ابو عروہ الجمعی آپ سے بچنے نہ پائے۔ امام بیہقی نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”ابو عروہ ان افراد میں سے تھا جنہیں غزوہ بدر کے روز فدیہ کے بغیر رہا کر دیا گیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے اس کی بچیوں کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ اس سے یہ عہد لیا تھا وہ آپ کے خلاف نہیں لڑے گا۔ اس نے عہد شکنی کی اور غزوہ احد میں آپ کے خلاف لڑا۔ آپ نے دعا مانگی کہ وہ بچنے نہ پائے۔ مشرکین کا کوئی شخص اس کے علاوہ قیدی نہ بنا۔ اس نے کہا: ”محمد عربی ﷺ مجھ پر احسان کریں۔ مجھے میری بچیوں کے لیے چھوڑ دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں دوبارہ آپ کے ساتھ قتال نہیں کروں گا۔“ آپ نے فرمایا: ”تو مکہ مکرمہ میں یہ باتیں نہ کرتا پھرے کہ میں نے محمد عربی ﷺ کو دوبارہ دھوکہ دیا ہے۔“ آپ نے حکم دیا اس کی گردن ازادی گئی۔“

حضرت انس بن نضہ اور حضرت سعد بن ربیع کا جنت کی خوشبو سونگھ لینا۔

ملائکہ کا حضرت حمزہ اور حضرت خنظلہ کو غسل دینا۔

آپ کے لعاب دہن سے حضرت کلثوم بن حصین کا زخم ٹھیک ہو جانا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوہ احد کے روز ابو رھم الغفاری نے حضرت کلثوم بن حصین کے تیر مارا جو اس کے حلق پر لگا۔ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے وہاں لعاب دہن لگا تو وہ شفاء یاب ہو گئے۔ انہیں منحور کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کے سر پر ملائکہ کا سایہ کرنا۔

آپ کا یہ بتا دینا کہ اس کے بعد مشرکین اس طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ابن سعد نے محمد بن عمر سے اور وہ اپنے بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اب مشرکین ہمیں اس طرح کا نقصان نہیں دے سکیں گے حتیٰ کہ ہم حجر اسود کو چوم لیں گے۔“

غزوہ احد جمہور علماء کے نزدیک ماہ شوال تین ہجری کو پیش آیا تھا۔ ابن اسحاق اور امام الطبرانی نے ثقہ راویوں

سے روایت کیا ہے کہ آپ جمعۃ المبارک کے روز عازم سفر ہوئے۔ احد کی گھاٹی میں صبح کی۔ ہفتہ کے روز مشرکین کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ اس وقت نصف شوال گزر چکا تھا۔ "الفتح" میں ہے: شوال کی گیارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ ایک قول نو، ایک آٹھ اور ایک سات راتوں کا بھی ہے۔ امام مالک نے لکھا ہے کہ ابتدائی حصہ میں یہ واقعہ رونما ہوا تھا۔ جس نے کہا ہے کہ یہ غزوہ چار ہجری کو ہوا تھا اس نے شاذ قول کیا۔

❖ احد۔ یا قوت نے معجم میں لکھا ہے کہ یہ سرخ پہاڑ ہے۔ اس کی چوٹیاں نہیں ہیں۔ اس کے اور مدینہ طیبہ کے مابین ایک فرسخ سے بھی کم مسافت ہے۔ یہ مدینہ طیبہ کے شمال میں ہے۔

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک سے، ابن ابی شیبہ اور الطبرانی نے جید سند سے حضرت سعید بن عامر الانصاری سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو القلابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب کوہ احد آپ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا: "یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں" آپ نے کئی بار یہ فرمایا۔

الطبرانی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "احد جنت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔" عمر بن شہب نے انہی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے۔ اگر وہاں سے گزرو تو اس کے درختوں میں سے کھاؤ خواہ اس کی خاردار جھاڑیوں میں سے ہی۔"

عبدالرزاق نے ابویلی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوہ احد جنت کے دہانوں میں سے ایک دہانے پر ہے۔" امام سہلی نے لکھا ہے۔

"کوہ احد کی علیحدگی اور دیگر پہاڑوں کے انقطاع کی وجہ سے اسی کو احد کہا جاتا ہے۔ یا اس لیے کہ اس کے یکنوں سے توحید کی نصرت ملی۔ جو اسم احدیت سے مشتق ہو اس سے عمدہ کوئی نام نہیں۔ رب تعالیٰ نے اس سے بطور مقدمہ اس پہاڑ کا نام احد رکھا۔ تاکہ اس کا اسم اس کے معنی کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔ اس کے یکنوں یعنی انصار نے توحید کی اور اس ذات والا کی مدد کی جسے توحید کے ساتھ مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ حیات ظاہری میں اور بعد از وصال یہی قیام پذیر ہوئے۔ آپ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ آپ وتر طاق استعمال کرتے تھے کیونکہ اس سے احدیت کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ اس پہاڑ کا نام آپ کے اغراض اور اسماء میں مقاصد کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔ آپ نے بہت سے ناموں کو تبدیل کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ احدیت سے مشتق ہے۔ اس کے حروف کی حرکات مرفوع ہیں۔ اس سے احد کے دین کی رفعت و بلندی کا شعور ملتا ہے۔ اسم اور مستحکم کے اعتبار سے اس کی محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئی۔ سارے پہاڑوں کو چھوڑ کر آپ نے اسے مختص فرمایا کہ وہ

جنت میں آپ کے ساتھ ہو۔

الروض الاف میں ہے: ”خواب میں گائے سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جو سینہ سپر ہو کر باہر نکلے تھے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح کا خواب دیکھا۔ اس کی تاویل یہ تھی کہ بہت سے مسلمان ان کے ارد گرد قتل ہوئے تھے۔“ لفتح میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ مصر کے بادشاہ نے خواب میں گائے دیکھی۔ حضرت یوسف صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تاویل قحط سالی سے کی۔ ابوالاسود نے مغازی میں لکھا ہے ”میں نے گائے کی تعبیر پیٹ چاک سے کی ہے۔“ اس سے مراد وہ آزمائش ہے جس سے مسلمانوں نے سامنا کرنا تھا۔ یہ تفسیر کی وجہ میں سے ایک وجہ ہے کہ اسم کو مناسب معنی سے مشتق کیا جائے۔ شاید یہ تاویل کی وجہ میں سے کسی وجہ سے ہو یہ پڑھنے کی غلطی ہے۔ لفظ بقر لفظ نقر کی طرح پڑھنا خطا ہے۔

امام احمد۔ امام نسائی اور ابن سعد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں ”رأیت نفراً منحرراً“ اس روایت میں ہے کہ زرہ سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ نقر سے مراد جدائی ہے۔ یہ بھی اسی احتمال کی تائید کرتا ہے۔

جب گھوڑے نے اپنی دم سے مکھیاں اڑائیں وہ دم تلوار کے کیل کو لگی وہ بے نیام ہو گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمدہ فال لیتے تھے۔ آپ بدفالی کو ناپسند کرتے تھے۔ ابوالقاسم النخعی نے لکھا ہے: ”عمیافہ (بدشگونی) کا تعلق ناپسندیدہ افعال کے ساتھ ہے۔ جبکہ فال عمدہ امور میں ہوتی ہے۔ کبھی کبھی یہ ناپسندیدہ امور میں بھی ہوتی ہے جبکہ طیرہ مکروہ اور پسندیدہ دونوں امور میں ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ آپ نے طیرہ سے منع فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”اس کی عمدہ قسم فال ہے۔“ یہ اس امر پر دلالت ہے کہ اس کی کئی اقسام ہیں فال ان میں سے بہترین ہے۔ الفاظ سے یہی آشکارا ہوتا ہے کہ یہ بھلائی اور شر دونوں میں ہے۔ کیونکہ یہ طیرہ سے مشتق ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ ”جری لہ طائر بخیر، جری لہ بشر“ قرآن پاک میں ہے:

وَكُلُّ الْإِنْسَانِ أَلْزَمْنَهُ طَيْرًا فِي عُنُقِهِ ۗ (الاسراء: ۱۳)

ترجمہ: ”اور ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکار رکھا ہے۔“

اسی طرح آپ نے فرمایا: ”میں سمجھتا ہوں کہ آج تلواریں بے نیام ہوں گی۔“ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فال پکڑنا مکروہ نہیں ہے۔ لیکن اس کا علم قطعی نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو۔

آپ اس منافق کی زمین سے گزرے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی عوام کی کسی

ملکیت سے گزرے۔ جبکہ وہ اس کے رستہ میں ہو۔ خواہ مالک راضی نہ بھی ہو۔

آپ نے غزوہ احد میں دوزر ہیں پہن رکھی تھیں۔ اسی طرح غزوہ حنین میں بھی آپ نے دوزر ہیں پہن رکھی تھیں اس میں احتیاط اور حزم کی طرف اشارہ ہے یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن تحش رضی اللہ عنہ کی فی سبیل اللہ موت کی تمنا کرنا اس تمنا سے نہیں جس سے منع کیا گیا ہے۔

اگر کوئی حالت جنابت میں شہید ہو تو اس کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ کیا اسے غسل دیا جائے گا جیسے حضرت حمزہ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہما کو غسل دیا گیا۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "انا الذی عاہدنی خلیلی" اسی طرح حضرت ابو ہریرہ فرماتے تھے:

"حدثنی خلیلی" ان اقوال کا رد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے نہیں ہوتا۔ "اگر میں نے کسی کو ظلیل بنانا

ہوتا تو ابو بکر صدیق کو بناتا۔" کیونکہ حضرات ابو دجانہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی مراد حبیب تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ

کسی صحابی کے لیے استعمال نہیں کیے نہ ہی کسی کو اس کے ساتھ مختص کیا ہے۔ نہ ہی کسی صحابی کو یوں کہنے سے منع فرمایا

ہے۔ عشق و محبت کے جو طوفان ان کے دلوں میں مخفی تھے وہ اس کا یا اس سے بھی زیادہ کا تقاضا کرتے تھے۔

بشرطیکہ اس میں غلو اور مکروہ قول نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرا رتبہ اس قدر بلند نہ کیا کرو جیسے عیسائیوں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رتبہ بلند کر دیا ہے۔ میں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے کسی کے بارے نہیں سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت سعد کے علاوہ کسی اور کے لیے فداک ابی و امی کہا ہو۔ آپ نے غزوہ احد کے روز انہیں اس طرح

کہا تھا۔ الروض الالف میں ہے "پہلی روایت اصح ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سنا نہیں۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ان کے لیے بھی اپنے والدین کریمین کو جمع کیا تھا۔ جیسے کہ

زبیر بن بکار نے کتاب النسب میں تذکرہ کیا ہے۔

امام سہلی نے لکھا ہے "اس روایت سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ کلام اس کے لیے روا ہے جس کے والدین مؤمن نہ

ہوں جب وہ مؤمن ہوں تو پھر یہ روا نہیں۔ کیونکہ یہ ان کے لیے نافرمانی ہے۔ میں نے ابن عربی کو اس مسئلہ کے

بارے یونہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔ امام نووی نے اپنی کتاب طلیۃ الابرار میں لکھا ہے: "صحیح اور پسندیدہ موقف

کے مطابق ایک شخص کا کسی دوسرے کو "فداک ابی و امی یا جعلی اللہ فداک" کہنا مکروہ نہیں ہے۔ ان

کے جواز میں صحیحین وغیر ہما میں بہت سی مشہور روایات ہیں۔ خواہ والدین مسلمان ہوں یا کافر۔ بعض علماء نے اس

وقت مکروہ سمجھا ہے جب والدین مسلمان ہوں۔

النخاس نے لکھا ہے "امام مالک نے جعلی اللہ فداک کو مکروہ سمجھا ہے بعض نے اسے جائز کہا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ جمہور علماء نے اس کے جواز کا قول کیا ہے خواہ جو جس پر فدا ہو رہا ہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔ امام نووی نے لکھا ہے "ان گنت احادیث میں اس کے جواز کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ میں نے شرح صحیح مسلم میں کیا ہے۔ تقدیر سے مراد تعظیم اور اجلال ہے کیونکہ انسان اس پر فدا ہوتا ہے جس کی وہ تعظیم بجا لاتا ہے۔ اس سے مراد اس کا نفس ہوتا ہے یا وہ چیز جو اسے عزیز اور پیاری ہو۔

حضرت ابو سعید خدری نے آپ کا خون مبارک پینے کی سعادت حاصل کی تھی اس کا تذکرہ خصائص میں آئے گا۔
اس آیت طیبہ کے نزول میں اختلاف ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۚ (آل عمران: ۱۳۸)

ترجمہ: "نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل۔"

ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا۔ چہرہ انور پر خون بہنے لگا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ آپ مشرکین کے لیے بد دعا کریں۔ آپ نے فرمایا: "وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے خون بہائے۔ حالانکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہو۔ وہ اسے شیطان کی طرف بلاتے ہوں۔ وہ انہیں بدایت کی طرف بلاتا ہو۔ وہ اسے گمراہی کی طرف دعوت دیتے ہوں۔ وہ انہیں جنت کی طرف بلاتا ہو وہ انہیں آگ کی طرف بلاتے ہوں۔" آپ نے ان کے لیے بد دعا کرنے کا ارادہ کیا اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی آپ ان کے لیے بد دعا کرنے سے رک گئے۔

امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے روز یہ دعا کی: "مولا! ابوسفیان پر لعنت کر۔ حارث بن ہشام پر لعنت کر۔ سہیل بن عمرو پر لعنت کر۔ صفوان بن امیہ پر لعنت کر۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ ان سب کی توبہ قبول کر لی گئی۔

امام مسلم، امام بخاری اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لیے دعا یا بد دعا کرنے کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد اس کے لیے قنوت پڑھتے۔ آپ یہ دعا مانگتے۔ "مولا! ولید بن ولید کو نجات عطا فرما۔ سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما۔ مولا! مضر پر اپنی

گرفت مضبوط فرما۔ ان پر اس طرح کا قحط طاری فرما جس طرح کا قحط حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے زمانہ میں آیا تھا۔ آپ باواز بلند یہ کلمات کہتے تھے۔ آپ بعض اوقات نماز فجر میں کہتے: ”مولا! فلاں قبیلہ پر لعنت فرما۔“ حتیٰ کہ مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں ہے: ”آپ یہ بدعا کرتے: ”مولا! بنو لحيان پر لعنت فرما، رغل، ذکوان اور عصبیہ پر لعنت فرما۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی نافرمانی کی۔“ پھر جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو آپ نے یہ کلمات کہنے چھوڑ دیے۔

ابن اسحاق اور نحاس نے النسخ میں لکھا ہے کہ حضرت سالم بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ قریش کا ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ”آپ ہمیں تو گالی گلوچ سے منع کرتے ہیں۔“ پھر اس نے اپنی پیٹھ حضور اکرم ﷺ کی طرف کر دی اور کپڑا اٹھا دیا۔ آپ نے اس کے لیے لعنت کی بددعا کی۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام عمدہ کیا۔

الحافظ نے لکھا ہے ”حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث نزول آیت میں برابر ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں امور کے بارے نازل ہوئی ہو۔ یہ دونوں امور ایک ہی واقعہ میں ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث اگر محفوظ ہو تو ممکن ہے کہ یہ اس واقعہ کے بارے نازل ہوئی ہو۔ جو واقعہ احد کے بعد رونما ہوا ہو۔ کیونکہ ذکوان اور رغل کا واقعہ احد کے بعد رونما ہوا تھا۔ صحیح موقف یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے بارے نازل ہوئی۔ جن کے لیے آپ نے غزوہ احد کی وجہ سے بددعا کی تھی۔ آیت طیبہ کا ابتدائی حصہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

لِيَقْطَعَ ظَرْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتْهُمْ. (آل عمران: ۱۲۷)

ترجمہ: ”تا کہ کاٹ دے ایک حصہ کافروں سے یا ذلیل کر دے ان کو۔“

آپ نے اپنے زخموں کا علاج کیا اس میں دوا کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام ﷺ کو بعض دینی عوارض۔ مثلاً زخم، بیماری اور درد لاحق ہوتے ہیں تا کہ ان کا اجر و ثواب زیادہ ہو ان کے درجات میں اضافہ ہو۔ اور ان کے پیروکار بھی ناپسندیدہ امور پر صبر کریں۔ عاقبت تو متقیین کے لیے ہی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جنگ کے وقت اونگھ آجانا امن کی وجہ سے ہے۔ جبکہ نماز میں اونگھ ابلیس کی طرف سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ میں اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ دنیا سے فراغت ہوتی ہے۔ جبکہ نماز میں اونگھ اللہ تعالیٰ سے از حد دوری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر اس اونگھ میں کئی فوائد تھے۔ کیونکہ بیداری کی وجہ سے کمزوری اور تھکاوٹ ہو جاتی ہے نیند سے قوت اور نشاط آتی ہے۔ کیونکہ مشرکین مسلمانوں کو قتل کرنے پر بڑے حریص تھے۔

اس معرکہ میں نیند کے باوجود ان کی سلامتی اللہ تعالیٰ کے تحفظ کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس کے ذریعے ان کے دلوں سے خوف جاتا رہا۔ انہیں امن و راحت نصیب ہوئی۔ اگر وہ اپنے ان بھائیوں کو قتل ہوتے دیکھتے جن کے سروں پر رب تعالیٰ نے شہادت کا تاج سجا دیا تھا تو ان کا خوف شدید ہو جاتا۔

آپ نے مثلہ سے منع کیا ہے حالانکہ آپ نے العرینین کا مثلہ کیا تھا۔ ان کے ہاتھوں اور نائگوں کو کاٹ دیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں تھیں انہیں چٹان پر پھینک دیا تھا۔ اس کے دو جوابات دیے گئے ہیں:

آپ نے ان سے قصاص لیتے ہوئے یوں کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے چرواہوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے تھے۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں تھیں۔ عنقریب یہ تفصیل آئے گی۔

یہ مثلہ کی حرمت سے قبل تھا۔

ام بخاری کے راویوں میں ابو الوقت اور الاصلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے روز فرمایا: "یہ حضرت جبرائیل ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہیں۔ ان پر سامان جنگ موجود ہے۔" الحافظ نے لکھا ہے: "یہ دو اعتبار سے وہم ہے:

اس حدیث پاک کا متن اور نہ غزوہ بدر میں گزر چکی ہے۔ اس لیے اس جگہ نہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نہ اسماعیل نے اور نہ ہی ابو نعیم نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس متن کے بارے میں موقف ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بارے میں نہ غزوہ احد کے بارے میں نہیں۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف نے کہا: "حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ وہ مجھ سے بہتر تھے۔" شاید انہوں نے یہ از روئے عاجزی کہا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عشرہ مبشرہ کو ان پر فضیلت دینے کی ممانعت ہو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہمایوں میں شہید نہ ہوئے ہوں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی مثال مروی ہے جیسے کہ پہلے حضرت سعید بن ربیع کے واقعہ میں گزر چکا ہے۔

حضرت انس بن نضر نے فرمایا: "مجھے احد سے پرے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔" یہ بھی احتمال ہے کہ حقیقت میں اسی طرح ہو کہ انہوں نے جنت کی عمدہ خوشبو سونگھ لی ہو۔ جو معمول کی خوشبو سے زائد ہو۔ وہ جان گئے ہوں کہ وہ خوشبو جنت کی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اپنے یقین کے اعتبار سے اس کا اطلاق کیا ہو۔ گویا کہ ان سے غائب ان کے ہاں محسوس کی طرح ہو گیا۔ معنی یہ ہے کہ وہ جگہ جس میں انہوں نے قتال کیا تھا وہ اپنے صاحب کو جنت کی طرف لے جاتی ہو۔"

ابن اسحاق نے اس شخص سے جنہیں وہ قابل تہمت نہیں سمجھتے۔ روایت کیا ہے عن مقسم، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ انہوں نے فرمایا: "حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے فرمایا تو انہیں چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے سات تکبیریں کہیں۔ پھر دیگر شہداء کو لایا گیا انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رکھا گیا۔ آپ نے ان پر اور دیگر شہداء پر ۷۲ دفع نماز جنازہ پڑھی۔"

امام سہیلی لکھتے ہیں: "یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ حسن بن عمارہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن اسحاق نے اسے ہی مبہم رکھا ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور راوی ہو تو وہ مجہول ہے۔ آپ سے روایت نہیں کہ آپ نے کسی بھی غزوہ میں کسی شہید کی نماز جنازہ ادا کی ہو۔ صرف یہی روایت مذکور ہے جو غزوہ احد کے بارے ہے۔ اس طرح آپ کے بعد کے آئمہ میں سے کسی نے بھی شہید کی نماز جنازہ ادا نہیں کی۔"

امام احمد نے عطاء بن سائب کی سند سے، امام شعبی نے حضرت ابن مسعود کی سند سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ البدایہ میں ہے عطاء بن سائب کی سند سے یہ ضعیف ہے جو روایت صحاح ستہ میں ہے اس نے اس کا رد کر دیا ہے۔ مگر امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو شہیدوں کو جمع فرماتے۔ پھر پوچھتے "ان میں سے زیادہ قرآن مجید کسے یاد ہے؟ جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ اسے آگے لحد میں رکھتے۔ آپ فرماتے: "میں روز حشر ان کا گواہ ہوں گا۔" آپ نے انہیں دفن کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے نہ تو ان کی نماز جنازہ پڑھی نہ ہی انہیں غسل دیا۔" یہ روایت اس روایت کے مخالف نہیں جسے امام بخاری، امام مسلم، ابو داؤد اور امام نسائی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد شہدائے احد کے لیے اس طرح دعائی جس طرح آپ میت کے لیے دعا کرتے تھے۔ گویا کہ آپ زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ "اس روایت میں الصلاة سے مراد دعا ہے۔ صلاتہ علی المیت سے مراد یہ ہے کہ جس طرح آپ میت کے لیے نیت اور تکبیر کے بغیر ہی دعا مانگتے تھے۔"

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: "یہ روایات اس طرح عیاں ہیں گویا کہ وہ متواتر ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی شہید کی کبھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ یہ روایت کہ آپ نے شہدائے احد اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی اور ستر تکبیریں کہیں یہ درست نہیں۔ جو شخص ان صحیح روایات کے مقابلہ میں اس روایت کو لے کر آتا ہے اسے حیا کرنا چاہیے۔ جہاں تک عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے تو حدیث پاک میں یہ تذکرہ موجود ہے کہ اس وقت غزوہ احد کو آٹھ سال گزر چکے تھے۔ مخالف یہ کہتا ہے: "جب مدت طویل ہو جائے تو قبر پر نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ آپ

نے ان کے لیے دعائی ان کے لیے استغفار کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو وصال کے قریب ہو جانے کا علم ہو گیا تھا۔ گویا کہ آپ انہیں الوداع کہہ رہے تھے۔ اس ثابت حکم کے نسخ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کتنے صحابہ کرام ثابت قدم رہے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ امام بخاری اور ابو نعیم نے معتمر بن سلیمان تمی سے وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: "میں نے ابو عثمان نہدی کو کہتے ہوئے سنا کہ اس روز حضرت سعد اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ آپ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ سلیمان نے کہا ہے: "میں نے ابو عثمان سے پوچھا: "یہ تمہیں کیسے علم ہوا؟" انہوں نے کہا: "ان کی گفتگو سے یعنی حضرات سعد اور طلحہ نے ابو عثمان کو اس طرح بتایا تھا۔ الحافظ نے لکھا ہے:

"وہ روایت اس کے مخالف ہے۔ جس میں ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی ثابت قدم رہے تھے۔ لیکن ایک احتمال یہ ہے کہ حضرت مقداد اس آزمائش کے بعد حاضر ہوئے ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کسی مقام پر یہ دونوں حضرات آپ کے ہمراہ رہ گئے ہوں۔ امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں آپ کے ہمراہ سات انصاری اور دو قریشی صحابہ کرام ثابت قدم رہے تھے۔ ان دو قریشیوں سے مراد حضرت طلحہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما ہیں۔ مذکورہ حصہ سے مراد مہاجرین کا اختصاص ہے۔ گویا کہ انہوں نے کہا: اس روز مہاجرین میں سے صرف یہی حضرات آپ کے ہمراہ رہے تھے۔ میں نے جو تاویل کی ہے اسے اس پر محمول کرنے کا تعین ہو گیا۔ یہ احوال کے اختلاف سے ہے۔ وہ قتال میں منتشر ہو گئے تھے۔ جب ان میں شکست کے آثار پیدا ہوئے جن میں ہوئے اور ابلیس چلایا: "محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں" ہر کوئی اپنے آپ میں مصروف ہو گیا۔ جیسے کہ حضرت سعد کی روایت میں ہے۔ پھر جلد ہی یہ شیطانی قول غلط ثابت ہو گیا آہستہ آہستہ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ پھر آپ نے انہیں قتال کی دعوت دی تو وہ اس میں مصروف ہو گئے۔

ابن اسحاق نے حضرت زبیر سے سنند سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوہ احد میں تیر اندازوں نے مال غنیمت کا ارادہ کیا۔ ہمارے پیچھے سے ہم پر حملہ ہو گیا۔ ایک چلانے والا چلایا۔ "محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔" ہم اٹھے پلٹے۔" ابن عائد نے مطلب بن عبد اللہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں صحابہ کرام آپ سے جدا ہوئے۔ حتیٰ کہ صرف انصار کے بارہ افراد آپ کے ہمراہ رہ گئے۔

امام النسائی اور امام بیہقی نے الدلائل میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز صحابہ کرام آپ سے جدا ہو گئے۔ صرف گیارہ انصاری صحابہ کرام اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ اس روایت کی سند جید

ہے۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ہے۔ لیکن اس میں چار کا اضافہ ہے۔ شاید وہ بعد میں آئے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ کے ہمراہ ۱۴ صحابہ کرام ثابت قدم رہے تھے۔ سات مہاجرین میں سے۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس روایت کو اور ابو عثمان کی روایت کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ حضرت سعد بعد میں آئے تھے۔ یہ مذکورہ انصاری شہید ہو گئے تھے۔ جیسے کہ امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔

آپ کے ہمراہ حضرت سعد اور حضرت طلحہ ہی رہ گئے۔ پھر دیگر صحابہ کرام بھی آپ کے پاس آ گئے۔ جہاں تک حضرت مقداد کا تعلق ہے تو احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ لگا تار قتال میں مصروف رہے ہوں۔

امام واقدی نے تحریر کیا ہے کہ ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام ثابت قدم رہے تھے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان تمام صحابہ کرام میں سے تھے جو آپ کے پاس ثابت قدم رہے۔ پہلے آپ کے پاس قلیل صحابہ کرام تھے پھر آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھتی رہی۔

الحافظ نے ایک اور جگہ لکھا ہے ”جب تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور شیطان نے کہا: ”محمد عربیؐ شہید ہو چکے ہیں۔“ اس کے بعد صحابہ کرام تین گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ بھاگتے بھاگتے مدینہ طیبہ میں داخل ہو گیا۔ وہ اس وقت آئے جب قتال ختم ہو چکا تھا۔ ان کی تعداد قلیل تھی انہی کے بارے میں یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ ۗ (آل عمران: ۱۵۵)

ترجمہ: ”بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے اس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دو لشکر۔“

ایک گروہ ششدر اور حیران تھا۔ جب اس نے یہ بات سنی۔ ان میں سے کسی ایک کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنا دفاع کرے۔ تاکہ وہ اپنی بصیرت کے مطابق قتال میں مصروف رہے حتیٰ کہ شہید ہو جائے۔ اکثر صحابہ کرام کی یہی حالت تھی۔ ایک گروہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ثابت قدم تھا۔ جب دوسرے گروہ کو علم ہوا کہ آپ زندہ ہیں تو وہ بھی آہستہ آہستہ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ اس طرح ان مختلف روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ جن میں یہ تعداد مختلف ہے۔

الہدیٰ میں ہے کہ اس غزوہ میں مسلمان گھڑسواروں کی تعداد پچاس تھی۔ لیکن یہ موقف درست نہیں۔ یہ تعداد تو تیر اندازوں کی تھی۔ موسیٰ بن عقبہ نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ اس روز مسلمانوں کے ہمراہ کوئی گھوڑا نہیں تھا۔ امام واقدی نے لکھا ہے کہ اس روز مسلمانوں کے ہمراہ دو گھوڑے تھے:

① ایک گھوڑا حضور اکرم ﷺ کے پاس۔

② دوسرا گھوڑا حضرت ابو بردہ کے پاس۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن شہاب کی روایت میں ہے کہ اس روز مشرکین کی تعداد تین ہزار اور ابن ابی کے جدا ہونے کے بعد مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی تھی۔ امام بیہقی نے ابن شہاب سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد چار سو تھی۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ابن شہاب کی پہلی روایت حضرت موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے مشابہت رکھتی ہے اور اہل مغازی کے ہاں زیادہ مشہور ہے۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ جن حالات کا مسلمانوں کو غزوہ احد میں سامنا کرنا پڑا ان میں کئی حکمتیں اور فوائد ہیں:

مسلمانوں کو یہ بتا دیا گیا کہ معصیت کا انجام برا ہوتا ہے۔ انہیں نبی کے ارتکاب کی نحوست سے آگاہ کیا گیا۔ جب تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ حالانکہ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس جگہ سے جدا نہ ہوں۔

رسل عظام کو آزمایا جاتا ہے۔ بالآخر فتح انہیں نصیب ہوتی ہے۔ جیسے کہ ہر قل کی اس گفتگو سے عیاں ہوتا ہے جو اس

نے ابوسفیان سے کی تھی۔ اس نے اس سے پوچھا تھا ”کیا تم نے ان سے کبھی جنگ بھی کی ہے؟“ ابوسفیان:

”ہاں! ہر قل:“ ان کے اور تمہارے مابین جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟“ ابوسفیان: ”یہ ڈول کی طرح کبھی ہمارے خلاف

کبھی ان کے خلاف۔“ ہر قل: ”رسل عظام کی کیفیت اسی طرح ہوتی ہے۔ انہیں آزمایا جاتا ہے۔ پھر کامرانی انہی

کے قدم چومتی ہے اس میں یہ ہے کہ اگر ہمیشہ ان ہی کی مدد کی جاتی تو اہل ایمان میں وہ لوگ بھی داخل ہو جاتے

جو ان میں سے نہ ہوں کھوئے اور کھرے کی پہچان نہ ہو سکتی۔ جب میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو شاندار

فتح عطا کی ان کی شہرت پھیلی تو ظاہری طور پر اسلام میں وہ لوگ بھی داخل ہو گئے اور اندر سے مسلمان نہیں تھے۔ اگر

انہیں ہمیشہ ہی شکست ہوتی تو پھر بعثت کا مقصود حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ ان دونوں امور کو جمع

کیا جائے تاکہ سچے اور جھوٹے کی پہچان ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقین کی جماعت جو ایمان کا دعویٰ کرتی تھی

مسلمانوں سے مخفی تھی اس واقعہ کے بعد انہوں نے نفع اور قول کے اعتبار سے نفاق کا اظہار کر دیا۔ ہر چیز واضح ہو

گئی۔ مسلمانوں نے جان لیا کہ دشمن ان کے اپنے گھروں میں بھی ہے۔ انہوں نے اس کے لیے تیاری کی اور اس

سے تحفظ کیا۔

بعض مقامات پر نصرت میں تاخیر نفس کے غرور کو توڑتی ہے اس کی حیثیت کو کم کر کے دکھاتی ہے۔ جب مسلمانوں

کو آزمایا گیا تو انہوں نے صبر کا اظہار کیا اور منافقین نے جزع و فزع کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دار کرامت میں بلند مقامات متعین کر رکھے ہوتے ہیں۔ جن پر وہ اپنے

اعمال سے فائز نہیں ہو سکتے۔ ان کو آزمائش اور امتحان میں ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ مقامات رفیعہ پر فائز ہو سکیں۔

◆ شہادت اولیاء کے بلند ترین مقامات میں سے ہے۔ رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو اس بلند رتبہ پر فائز کر دیا۔

◆ جب رب تعالیٰ نے اپنے دشمن کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے لیے ایسے اسباب مہیا فرمادے جن کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہو گئے۔ یعنی ان کا کفر، سرکشی اور اس کے اولیاء کو اذیت دینا۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے گناہوں کو مٹا دیا اور کفار کو ہلاک کر دیا۔

◆ جب انبیائے کرام ﷺ کو زخم، آلام اور بیماریوں کی وجہ سے آزما یا جاتا ہے۔ اس میں ان کے اجر کو عظیم کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ان کے پیرو کاروں کو ترغیب دلانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ مصائب میں صبر کریں۔ بالآخر فتح مندی متقین کی ہوتی ہے۔

◆ شہدائے احد کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”جب غزوہ احد میں میرے والد گرامی کے سر پر شہادت کا تاج سجا۔ انہیں چادر میں لپیٹ کر لایا گیا۔ ان کا منہ کیا گیا تھا۔ انہیں حضور اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ میں بار بار ان کے چہرے سے کپڑا اٹھاتا تھا اور روتا تھا۔ صحابہ کرام مجھے منع کرنے لگے لیکن حضور اکرم ﷺ مجھے منع نہیں فرما رہے تھے۔ حضرت فاطمہ بنت عمرؓ بھی رونے لگیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”نرو۔ ملائکہ اپنے پروں سے ان پر سایہ فگن تھے حتیٰ کہ اب وہ چلے گئے ہیں۔“ (بخاری)

ان سے ہی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”کیا میں تمہیں اس خوشخبری کے بارے نہ بتاؤں جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے تمہارے والد گرامی کے ساتھ ملاقات کی ہے“ میں نے عرض کی: ”ضرور!“ آپ نے فرمایا: ”رب تعالیٰ نے کسی کے ساتھ گفتگو نہیں کی مگر پس پردہ۔ رب تعالیٰ نے تمہارے والد گرامی کو زندہ کیا اور انہیں سامنے بٹھا کر ان کے ساتھ کلام فرمایا۔“ اس نے فرمایا: ”اے میرے بندے! مجھ سے سوال کرو میں تمہیں عطا کروں گا۔“ انہوں نے عرض کی: ”مولا! مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ میں تیرے راستے میں جہاد کروں۔“ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ بات تو میرے ہاں طے ہے کہ وہ واپس نہیں جائیں گے۔“ انہوں نے عرض کی: ”مولا! جو میرے پیچھے ہیں انہیں پیغام پہنچا دے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا (آل عمران: ۱۶۹)

ترجمہ: ”اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں۔“

امام ترمذی، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”کیا میں تمہیں بشارت نہ دوں؟“ انہوں نے عرض کی: ”ضرور!“ آپ نے فرمایا: ”مجھے علم ہوا ہے کہ رب تعالیٰ نے تمہارے والد گرامی کو زندہ کیا۔ انہیں اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا: ”مجھ سے سوال کرو میں تمہیں عطا کروں گا؟“ انہوں نے عرض کی: ”مولا! میں نے تیری یوں عبادت نہیں کی جس طرح تیری عبادت کرنے کا حق تھا۔ میری تمنا ہے کہ تو مجھے دنیا میں لوٹا دے۔ میں ایک بار پھر تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قتل ہو جاؤں۔“ اس نے فرمایا: ”میرے ہاں یہ طے ہے کہ یوں نہیں ہو سکتا۔“

ابن منذر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب غزوہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے۔ انہوں نے کہا: ”کاش! کوئی ایسی ذات ہو جو اس حسن سلوک کے بارے ہمارے بھائیوں کو بتا دے جو رب تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے انہیں فرمایا: ”میں تمہارے بھائیوں کی طرف سے تمہارا قاصد ہوں۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تمہارے بھائی غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو رب تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھا۔ وہ جنت کی نہروں پر جاتے ہیں۔ وہ جنت کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی ان قندیلوں میں رہتے ہیں جو عرش کے اسی سایہ میں معلق ہے جب انہوں نے اپنا عمدہ کھانا اور اچھا ٹھکانہ دیکھا تو انہوں نے کہا: ”کاش! ہمارے بھائی جان لیتے کہ رب تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ ہمارے بھائیوں تک کون یہ پیغام پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد کو ترک نہ کریں۔ جنگ سے راہ فرار اختیار نہ کریں۔“ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”میں تمہاری طرف سے انہیں یہ پیغام دوں گا۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ (مسند ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تمہارے بھائی غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو رب تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھا۔ وہ جنت کی نہروں پر جاتے ہیں۔ وہ جنت کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی ان قندیلوں میں رہتے ہیں جو عرش الہی کے سایہ میں معلق ہیں۔ جب انہوں نے اپنا عمدہ کھانا اور اچھا ٹھکانہ دیکھا تو انہوں نے کہا: ”کاش! ہمارے بھائی جان لیتے کہ رب تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ ہمارے بھائیوں تک کون یہ پیغام پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد کو ترک نہ کریں۔“

جنگ سے راہ فرار اختیار نہ کریں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”میں تمہاری طرف سے انہیں یہ پیغام دوں گا۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ (مسلم، ابوداؤد)

ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق، امام احمد، امام مسلم، ابن منذر نے حضرت مسروق سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ہم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان آیات کے بارے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم نے ان کے بارے حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا: ”ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں۔“ عبد الرزاق کے الفاظ یہ ہیں: ”رب تعالیٰ کے ہاں شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی طرح ہیں جن کے لیے سونے کی قندیلیں ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں۔ وہ ارواح جنت میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آجاتی ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان کی طرف نظر کرم فرمائی۔ فرمایا: ”کیا تمہیں کچھ چاہیے؟“ اس نے تین بار اسی طرح کیا۔ جب انہوں نے سمجھا کہ ان سے یہ سوال ضرور ہوگا۔ انہوں نے عرض کی: ”مولا! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری ارواح کو ہمارے اجسام میں دو بارہ لوٹا دے تاکہ ہم ایک بار پھر تیرے لیے جہاد کریں۔“ جب اس نے دیکھا کہ ان کی کوئی ضرورت نہیں انہیں چھوڑ دیا گیا۔“ عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا: ”کیا تمہیں کوئی ضرورت ہے؟“ انہوں نے عرض کی: ”ہمارے نبی مکرم ﷺ کو ہمارا سلام دینا۔ آپ کو پیغام دے دینا کہ ہم راضی ہو گئے ہیں۔ آپ بھی ہم سے راضی ہو جائیں۔“

ابن السری، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں جو جنت کے باغات میں محو سیر رہتی ہیں۔ پھر وہ ان قندیلوں میں چلی جاتی ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں۔“

عبد الرزاق، سعید بن منصور نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”شہداء کی ارواح پرندوں کے پیٹوں میں ہیں جو جنت کے پھل کھاتے ہیں۔“ ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ بل احیاء سے مراد یہ ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکلوں میں ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں۔ عمر بن شہب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ شہداء کی قبور کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ جب آپ پہاڑ کی نشیبی جگہ میں جلوہ افروز ہوتے تو یوں فرماتے: ”السلام علیکم بما صیرتم عقبی الدار“ حضور اکرم ﷺ کے بعد نہ ت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

امام بیہقی نے مختلف اسناد سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن سعد اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہر کھدوائی تو ہم شہدائے احد کی

زیارت کے لیے گئے۔ ہم نے انہیں باہر نکالا تو وہ اسی طرح تروتازہ تھے ان کے اطراف مڑ جاتے تھے۔ محمد بن عمر کے شیوخ نے کہا ہے: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا ہاتھ مبارک ان کے زخم پر تھا۔ ان کا ہاتھ ان کے زخم سے ہٹایا گیا۔ وہاں سے خون نکل آیا۔ جب ہاتھ اسی جگہ رکھا گیا تو خون رک گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا گویا کہ وہ اپنی قبر انور میں سوئے ہوئے تھے۔ جس چادر میں انہیں کفن دیا گیا تھا وہ بالکل اسی طرح تھی۔ ان کی ٹانگوں پر گھاس بالکل اپنی اصلی حالت پر تھی۔“ حالانکہ غزوہ احد کو چھیا لیس سال گزر چکے تھے۔ ان میں سے کسی شہید کی ٹانگ کو کدال لگی۔ شیوخ نے کہا: ”وہ حمزہ تھے۔“ وہاں سے خون نکل آیا۔ حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا: ”اس کے بعد کسی منکر کو ازکار نہیں کرنا چاہیے جب لوگ مٹی کھودتے تھے جب بھی کدال مارتے بیچے سے مشک اذفر کی خوشبو آتی تھی۔“

حارث بن ابی اسامہ نے حضرت سعد بن وقاص اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اصحاب احد کو یاد فرماتے تو فرماتے: ”بخدا! میری تمنا ہے کہ احد کے دامن میں میرے صحابہ کے ساتھ ہونے والا دھوکہ میرے ساتھ بھی کیا جاتا۔“ حاکم نے حضرت عبداللہ بن ابی فروقہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کی۔ آپ نے یوں عرض کی: ”مولا! میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شہداء ہیں جس نے ان کی زیارت کی۔ انہیں سلام کیا یہ تاروز حشر انہیں جواب دیں گے۔“

امام بیہقی نے حضرت ہاشم بن محمد العمری سے روایت کیا ہے یہ حضرت عمر بن علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے فرمایا: ”میرے والد صاحب مجھے مدینہ طیبہ میں شہدائے احد کی زیارت کے لیے لے گئے۔ جب آپ ان کی قبور مبارکہ تک پہنچے تو آواز بلند یوں کہا: ”السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار“ انہیں یوں جواب دیا گیا: ”وعلیک السلام یا عبد اللہ!“ میرے والد گرامی میری طرف متوجہ ہوئے۔ مجھ سے پوچھا: ”کیا تم نے جواب دیا ہے؟“ میں نے کہا: ”نہیں! انہوں نے مجھے اپنے دائیں طرف کیا۔ وہ جب بھی سلام عرض کرتے انہیں تین بار جواب دیا جاتا۔ وہ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے۔“

ابن مندہ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”میں جنگل میں اپنا مال لینے گیا۔ مجھے وہیں رات ہو گئی۔ میں حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ کی قبر انور کے پاس گیا۔ میں نے اتنی حسین آواز سے قبر انور سے قرأت سنی کہ میں نے اتنی خوبصورت آواز نہیں سنی تھی۔ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: ”وہ حضرت عبداللہ ہی تھے۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کی ارواح کو قبض کیا۔ انہیں زبرد اور یا قوت کی قندیلوں میں رکھا۔ پھر انہیں جنت کے وسط میں معلق کر دیا۔ رات کے وقت ان کی ارواح کو ان کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔“

وہ ساری رات اس طرح رہتے ہیں۔ جب فجر طلوع ہوتی ہے ان کی ارواح کو ان کے مقام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے صحیح سند سے حضرت عطف بن خالد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”مجھے میری خالہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے شہدائے احد کی قبور مبارکہ کی زیارت کی۔ انہوں نے فرمایا: ”میرے ہمراہ صرف دو غلام تھے جو سواری کی حفاظت کر رہے تھے۔ میں نے شہداء کو سلام کیا میں نے سنا انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: ”بخدا! ہم تمہیں اسی طرح جانتے ہیں جس طرح ہم آپس میں ایک دوسرے کو جانتے ہیں یہ سن پر مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا میں نے غلام سے کہا: ”خیر میرے قریب کرو۔“ میں اس پر سوار ہو گئی۔

ابن ابی شیبہ، امام احمد، ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”باب جنت کے دروازے پر نہر ”بارق“ پر سبز گنبد میں شہداء کی ارواح ہیں۔ صبح و شام انہیں جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔“ شہداء احد کی فضیلت میں احادیث اور آثار کثیر ہیں۔ جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس میں کفایت ہے۔

♦ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھا۔“ الحافظ ابو القاسم اسلمی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ایک قوم نے اس روایت کا انکار کیا ہے۔“ انہوں نے کہا ہے: ”ایک جسم میں دو ارواح نہیں ہو سکتیں۔ یہ محال ہے۔“ انہوں نے کہا ہے کہ یہ حقائق سے لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ کلام کا معنی واضح ہے شہید کی روح دنیا میں اس کے جسم میں تھی۔ اسے دوسرے جسم میں منتقل کر دیا گیا گویا کہ وہ پرندے کی شکل میں ہے۔ اس جسم میں وہ روح اس طرح ہوگی جس طرح وہ پہلے جسم میں تھی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے روزِ حشر اس طرح لوٹا دے گا جیسے اس کی تخلیق کی گئی تھی۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جسے یوں روایت کیا گیا ہے ”سبز پرندوں کی شکلوں میں، یا شہداء سبز پرندوں کی طرح ہیں۔“ ساری روایات متفق المعنی ہیں۔ جو بات از روئے عقل محال ہے وہ یہ ہے ایک جوہر میں دو زندگیوں کا ہونا اور جوہر کا اتصال ان دونوں کے ساتھ ہو۔ لیکن ایک جسم میں دو ارواح ہونا محال نہیں ہے۔ جب تک ہم اجسام کے تداخل کا قول نہ کریں۔ جنین (بچہ) اپنی والدہ کے پیٹ میں ہوتا ہے ان میں سے ہر ایک کی روح جدا جدا ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ ایک جسم میں کیسے ہوتی ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”سبز پرندوں کے پیٹوں میں یا پرندوں کی اشکال میں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح تم کہو۔“ میں نے انسان کی شکل میں فرشتہ دیکھا۔ اسی طرح آپ کا وہ فرمان بھی ہے جسے امام احمد، امام نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت نعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مومن کی روح ایک پرندہ ہوتی ہے۔ جو جنت کے درخت کے ساتھ معلق ہوتی ہے۔“ بعض علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ یہ شہید کے ساتھ مخصوص

ہے۔ بعض نے کہا ہے: ”شہید جنت میں ہوتا ہے جو چاہتا ہے کھاتا ہے۔ پھر وہ ان قندیلوں میں چلا جاتا ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہوتی ہیں۔ لیکن غیر شہید مومن کی روح ایک ایسا پرندہ ہوتی ہے جو جنت کے درخت کے ساتھ معلق ہوتی ہے۔ وہاں اس کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔ بعض نے لفظ ”یعلق“ اور بعض نے ”یعلق“ روایت کیا ہے مؤخر الذکر کا معنی ہے بقدر کفایت یعنی وہ شہید کے حصے سے کم پاتا ہے۔ ”علقہ“ کو بطور ضرب الامثال ذکر کیا ہے کیونکہ جو خوراک میں سے بقدر کفایت پاتا ہے وہ اس شخص سے کم پاتا ہے جو جی بھر کر کھاتا ہے۔ اس ضرب المثل سے یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے اگر یعلق سے مراد اس کا بذات خود کھانا ہو تو یہ شہید کے ساتھ مختص ہوگا۔ اور ضمہ کے ساتھ روایت شہداء کے لیے اور فتح کے ساتھ روایت دیگر مسلمانوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ آپ ﷺ کی مراد کیا تھی؟ یہ پرندے رات کے وقت ان قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں۔ وہ دن کے وقت سیر کرتی ہیں۔ اس سے شب و روز کا علم بھی ہوتا ہے۔ جنت میں دخول کے بعد وہ ان قنادیل کی طرف نہیں آتے۔ واللہ اعلم۔ یہ برزخ کی زندگی ہے۔ حدیث پاک: ”ناہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔“ مجاہد نے کہا ہے: ”شہداء جنت کا پھل کھاتے ہیں۔“ اس میں نہیں رہتے۔ ابو عمر نے اس قول کا انکار کیا ہے۔ اسے رد کیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ منکر نہیں ہے۔ شیخ نے سنن ابی داؤد کی شرح میں لکھا ہے۔

”جب ہم حدیث پاک کی تشریح یوں کریں کہ روح پرندے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ اس سے مراد صرف پرواز پر قدرت ہے۔ یہ مشابہت خلقت میں نہیں۔ کیونکہ انسانی شکل تمام اشکال سے افضل ہے۔“ میں کہتا ہوں کہ ابن برجان نے الارشاد میں یہی تذکرہ کیا ہے امام پہلی کا وہ قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے جو غرورۃ موتہ کے بارے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ یعنی جو کچھ میں نے اس سے پہلی تنبیہ میں ذکر کیا ہے۔“

اس کثیر نے لکھا ہے ”شہداء کی کئی اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض کی ارواح جنت میں سیر کرتی ہیں۔ بعض کی ارواح باب جنت کے پاس نہر بارق کے پاس ہوتی ہیں۔ احتمال ہے کہ ان کی سیر کی انتہاء یہاں تک ہی ہے وہ وہاں جمع ہوتے ہیں صبح و شام انہیں رزق ملتا ہے۔“

امام بیضاوی نے شرح المصابیح میں لکھا ہے ”آپ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے جب شہداء کی ارواح ان کے اجسام سے جدا ہوئیں تو رب تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے اجسام بنا دیے جو اس ہیئت پر ہوتے ہیں وہ ان کے اجسام کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ وہ ان سے لذات حسیہ تک پہنچتے ہیں۔ رب تعالیٰ کا ان کی طرف دیکھنا اور ان سے

کئے بعد دیگرے سوال کرنا اس کی ان کے ساتھ لطف و مہربانی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے انعام و اکرام کی علامت ہے۔ آپ نے فرمایا: "اطلاعة" تاکہ یہ واضح ہو سکے یہ اس طرح نہیں جس طرح ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ اسے "الی" سے متعدی کیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ اسے "علی" کے ساتھ متعدی کیا جاتا کیونکہ اس میں استہاء کے معانی پائے جاتے ہیں۔ آپ کے فرمان "جب انہوں نے دیکھا کہ انہیں چھوڑا نہیں جائے گا۔" کیونکہ ان کے سارے مطلوب اور مقاصد پورے کر دیے جائیں گے سوائے اس کے کہ وہ دنیا میں دوبارہ جائیں اور شہید ہوں کیونکہ یہی شہادت ان کے شرف اور کرامت کا سبب ہے۔ بعض علماء نے یہ تاویل کی ہے کہ "فی جوف طیر خضر" کیونکہ "فی" "علی" کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ ان کی ارواح سبز پیٹوں پر ہیں جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا وَصَلَبْتَكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ : (طہ: ۷۱)

ترجمہ: "اور سولی چڑھاؤں گا کھجور کے تنوں پر۔"

ای علی جدوع النخل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پرندے کو "جوف" کہا گیا ہو۔ کیونکہ یہ اس کو محیط ہوتا ہے۔ اس پر مشتمل ہے۔ یہ عبدالحق کا قول ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: "یہ بہت عمدہ قول ہے" دیگر علماء نے لکھا ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ وہ حقیقت میں پیٹوں کے اندر ہوں۔ "رب تعالیٰ نے انہیں وسعت دے دی ہو وہ سب سے وسیع ہو گئے ہوں۔"

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "اس حکم میں عقل و قیاس کو کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ جب رب تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ جب بندہ مومن کی یا شہید کی روح نکلے وہ اسے قندیلوں یا پرندے کے پیٹ میں رکھ دے جہاں چاہے رکھ دے تو اس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ ارواح اجسام میں۔ یہ محال نہیں کہ انسان کا کوئی جزو پرندہ بن جائے یا اسے عرش کے نیچے قنادیل میں پرندوں کے پیٹوں میں رکھا جائے۔ اس حدیث پاک اور اس طرح کی دیگر احادیث طیبہ کو بعض لوگوں نے تنازع پر محمول کیا ہے۔ ارواح کا مستقل ہونا عمدہ صورتوں میں انہیں نعمتوں سے سرفراز کرنا اور قبیح صورتوں میں انہیں عذاب دینا یہ ثواب اور عذاب ہے۔" لیکن یہ قول باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ شریعت مطہرہ میں جو حشر نشر، جنت اور آگ کا تذکرہ ہے اسے باطل کر دیتا ہے۔ اسی لیے ایک اور روایت میں ہے: "روز حشر اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔"

شہداء کی تعداد۔ امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مشرکین نے غزوہ احد کے روز ہمارے ستر افراد شہید کیے۔ جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام

نے غزوہ بدر میں ۷۰ اشترکین کو قتل اور قید کیا تھا۔

سعید بن منصور نے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز ستر صحابہ کرام کے سروں پر تاج شہادت سجا۔ چار مہاجرین میں سے تھے۔ حضرات حمزہ، حضرت مصعب، عبداللہ بن جحش، شماس بن عثمان رضی اللہ عنہم۔ جبکہ بقیہ انصار میں سے تھے۔ ابن حبان نے، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں ۶۴ انصار اور ۶ مہاجرین نے قبائے شہادت زیب تن کی۔

الحافظ نے لکھا ہے: ”پانچویں حضرت سعد تھے جو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے غلام تھے۔ چھٹے ثقف بن عمرو سلمی تھے یہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔“

امام بخاری نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم عرب کے کسی قبیلے کو نہیں جانتے جس کے شہید انصار کے شہیدوں سے زیادہ ہوں۔“ ہمیں حضرت انس نے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں ان ستر افراد بنو معونہ میں ستر افراد اور جنگ تمامہ میں ستر افراد شہید ہوئے۔ امام الطبری نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں ۷۵ یا ۷۶ انصاری صحابہ کرام شہید ہوئے۔

امام شافعی نے روایت کیا ہے کہ ان کی تعداد ۷۲ تھی۔ ”العیون“ میں ان شہداء کے اسماء گرامی مذکور ہیں ان کی تعداد ۹۶ ہے۔ ان میں سے مہاجرین کی تعداد ۱۱ ہے۔ انصار کی تعداد ۸۵ ہے۔ اوس میں سے ۳۸ تھے۔ خزرج میں سے یہ تعداد ۴ تھی۔ العیون میں ابن عمرو نے دمیاٹی سے روایت کیا ہے کہ یہ تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے صرف انصار شہداء کی تعداد ۹۰ لکھی ہے۔ ابن سعد نے یہی قول یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ لیکن طبقات کی شرحوں میں یہ تعداد زیادہ بیان کی گئی ہے۔



غزوۃ حمراء الاسد

اس غزوہ کے سبب میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے ”حضور اکرم ﷺ دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے نکلے تھے۔ تاکہ اسے یہ خبر پہنچے کہ آپ اس کے تعاقب میں نکل چکے ہیں اور وہ گمان کریں کہ آپ کے پاس ابھی طاقت و قوت موجود ہے اور جو نقصان آپ کو پہنچا ہے اس نے آپ کو دشمن سے کمزور نہیں کیا۔“

موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن عمر سلمی نے لکھا ہے ”اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی کہ ابوسفیان اور اس کے اکثر ساتھیوں کی رائے یہ ہے کہ واپس جائیں اور بقیہ صحابہ کرام کو جوڑ سے اکھیر پھینکیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو ترغیب دی کہ وہ دشمن کے تعاقب میں نکلیں۔“

وہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جسے امام فریابی، امام نسائی اور امام الطبرانی نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب مشرکین میدان احد سے واپس آئے تو انہوں نے کہا: ”نہ تو تم نے محمد عربی ﷺ کو شہید کیا ہے نہ دو شیزاؤں کو گرفتار کیا ہے تم نے کتنا برا کام کیا ہے؟ واپس چلو۔“ حضور اکرم ﷺ نے یہ سن لیا۔ آپ نے مسلمانوں کو جہاد کی صدا دی۔ انہوں نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے ”جب حضور اکرم ﷺ احد سے واپس آئے تو صحابہ کرام نے آپ کے کاشانہ اقدس کا پہرہ دیتے ہوئے رات بسر کر دی تاکہ دشمن پلٹ کر حملہ نہ کر دے۔ جب فجر طلوع ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ وہ بیٹھ کر آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگے۔ عبد اللہ بن عمرو مزنی آپ سے ملاقات کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ باہر تشریف لائے تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی کہ وہ ابھی ابھی اپنے اہل خانہ کے پاس سے آئے ہیں۔ جب وہ ملل پہنچے تو قریش وہیں فروکش تھے۔ انہوں نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم قوم کی شدت اور طاقت تک پہنچ چکے تھے۔ پھر تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ تم نے ان کا کام تمام نہ کیا۔ ان کی بنیادی شخصیات تو ابھی باقی ہیں۔ واپس چلو بقیہ افراد کو جوڑ سے اکھیر پھینکو۔“ صفوان بن امیہ اس رائے سے اختلاف کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”اے میری قوم! یوں نہ کرو۔ وہ قوم اب جنگ لڑ چکی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ اب باقی رہ جانے والے مسلمان بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے اب تمہیں غلبہ مل چکا ہے تم واپس لوٹ چلو۔ میں اس سے امن میں نہیں ہوں کہ اگر تم نے پلٹ کر حملہ کیا تو تمہیں شکت کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

آپ نے فرمایا: ”صفوان نے انہیں صحیح رستہ دکھایا ہے حالانکہ وہ خود ہدایت یافتہ نہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ان کے لیے پتھروں پر نشانات لگائے جا چکے تھے۔ اگر وہ واپس لوٹ کر آتے تو وہ گزرے ہوئے گل کی طرح ہو جاتے۔“

آپ نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بلایا اور اس مزنی کی بات بتائی۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! دشمن کا تعاقب فرمائیں۔ وہ صحابہ کرام کی اولاد پر حملہ آور نہ ہو جائے۔“ جب آپ نماز صبح سے واپس تشریف لائے تو صحابہ کرام کو جہاد کی دعوت دی۔ آپ نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کریں۔ ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ تم دشمن کا تعاقب کرو۔ ہمارے ساتھ وہی نکلے جس نے کل غزوہ احد میں شرکت کی تھی۔“ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو نو زخم لگے تھے۔ وہ ان کا علاج کرنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے یہ ندا سنی تو انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنتے ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔“ انہوں نے زخموں کے علاج کی طرف توجہ نہ دی۔ بنو سلمہ میں سے چالیس زخمی مجاہدین عازم سفر ہوئے۔ حضرت طفیل بن نعمان کو تیرہ زخم لگے تھے۔ حضرت خراش بن صمدہ کو دس زخم لگے تھے۔ مسلمان اپنے اسلحہ کی طرف لپکے۔ انہوں نے اپنے زخموں کے علاج کی طرف توجہ نہ دی۔

ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ ابن ابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ”کیا میں آپ کے ساتھ جا سکتا ہوں؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“

ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے لکھا ہے ”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کے منادی نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہمارے ساتھ صرف وہی نکلے جس نے کل غزوہ احد میں شرکت کی تھی۔ میں اس میں شرکت کرنے کا بڑا حریص تھا۔ لیکن میرے والد گرامی مجھے پیچھے سات بہنوں کے لیے چھوڑ گئے تھے (دوسری روایت میں نو بہنوں کا تذکرہ ہے) انہوں نے کہا: ”نو نظر! مجھے اور تمہیں اس عورتوں کو اس طرح نہیں چھوڑنا چاہیے کہ ان کے پاس کوئی مرد نہ ہو۔ مجھے ان کے بارے خدشہ ہے۔ یہ کمزور عورتیں ہیں۔ تمہاری حیثیت اتنی بھی نہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرنے پر تم کو ترجیح دوں۔ اپنی بہنوں کے پاس ٹھہرو۔“ انہیں شہادت نصیب ہو گئی۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت مرحمت فرمادیں کہ میں اس کے ساتھ روانہ ہو سکوں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس غزوہ میں صرف ان صحابہ کرام نے شرکت کی تھی جنہوں نے غزوہ احد میں شرکت کی تھی۔ سوائے میرے۔ جن صحابہ کرام نے غزوہ احد میں شرکت نہیں کی تھی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت طلب کی۔ مگر آپ نے اجازت نہ دی۔" آپ نے اپنا جھنڈا منگوایا۔ وہ ابھی تک بندھا ہوا تھا۔ اسے کھولا نہیں گیا تھا۔ آپ نے علم اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ دوسرے قول کے مطابق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ عازم سفر ہو گئے۔ آپ زخمی تھے۔ چہرہ انور پر خود کے حلقوں کے زخم تھے۔ دندان مبارک بھی زخمی تھے۔ پخلال لب لعلیس بھی زخمی تھا۔ دائیں شانے مبارک پر بھی زخم تھا۔ اس جگہ ابن قثمہ لعنہ اللہ تعالیٰ نے تلوار ماری تھی۔ آپ کے مبارک گھٹنوں پر بھی خراشیں آئیں تھیں۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں دو رکعتیں نماز ادا کی۔ صحابہ کرام جمع ہو چکے تھے۔ بلند محلے کے صحابہ کرام بھی پہنچ گئے کیونکہ ان تک بھی خبر پہنچ چکی تھی۔ آپ نے اپنے گھوڑے الکتب کو منگوایا۔ اس غزوہ میں صرف آپ کے پاس ہی گھوڑا تھا۔ رستہ میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ آپ سے ملے۔ انہوں نے اعلان سن لیا تھا۔ وہ اسی انتظار میں تھے کہ حضور اکرم ﷺ کب روانہ ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے زرہ اور خود پہن رکھا تھا۔ صرف پشیمان مقدس نظر آ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: "طلحہ! تمہارا اسلحہ کہاں ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! قریب ہی ہے۔" وہ گئے اپنا اسلحہ لے آئے۔ ان کے سینے پر نو زخم تھے۔ انہوں نے کہا: "میرے زخموں کی اہمیت حضور اکرم ﷺ کے زخموں سے زیادہ نہیں ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے حضرت طلحہ کی طرف توجہ کی اور فرمایا: "تمہاری رائے کے مطابق قریش اب کس جگہ ہوں گے؟" انہوں نے عرض کی: "الیاء کے مقام پر۔" آپ نے فرمایا: "میرا بھی بیچ گمان ہے۔ طلحہ! اب وہ ہمیں اس طرح کا نقصان نہیں دے سکیں گے حتیٰ کہ رب تعالیٰ ہمیں مکہ فتح کر دے گا۔"

ثابت بن ثعلبہ رستہ بتانے کے لیے تھے۔ وہ آپ حمراء الاسد لے گئے۔ آپ میں سے سلیطہ اور نعمان پسران سفیان بن طلق کو بطور پیش رو آگے بھیجا۔ بنو عور میں سے ایک شخص کو ان کے ساتھ بھیجا۔ تیسرے شخص کا نام نہیں بتایا گیا۔ ان میں سے دو حمراء الاسد کے مقام پر قریش کو جا ملے۔ قریش شور و غل کر رہے تھے۔ وہ واپس جانے کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے۔ صفوان بن امیہ انہیں روک رہا تھا۔ انہوں نے ان دونوں افراد کو دیکھ لیا۔ انہیں قتل کیا اور آگے چلے گئے۔

حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حمراء الاسد میں نزول اجلال فرمایا۔ ان دونوں مقتولوں کو ایک قبر میں دفن کیا۔ یہ دونوں ساتھی تھے۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے لکھا ہے: "حضرت عبد اللہ بن سہل اور حضرت رافع بن سہل غزوہ احد سے واپس آئے۔ انہیں بہت سے زخم آئے تھے۔ حضرت عبد اللہ زخموں سے بڑھال تھے۔ جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے عازم سفر ہونے کے بارے میں سنا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "بخدا! اگر ہم اس غزوہ

میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شرکت نہ کر سکے تو یہ ایک بہت بڑا نقصان ہے بخدا! ہمارے پاس سواری بھی نہیں جس پر ہم سوار ہوں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا کریں؟“ حضرت عبداللہ نے کہا: ”اوپلتے ہیں“ حضرت رافع نے کہا: ”بخدا! میں تو چل بھی نہیں سکتا۔ ان کے بھائی نے کہا: ”ہم آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کا قصد کرتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ عازم سفر ہوئے۔ حضرت رافع کو کمزوری محسوس ہوئی۔ کبھی حضرت عبداللہ حضرت رافع کو اٹھا لیتے کبھی وہ پیدل چلنے لگتے۔ کمزوری کی وجہ سے وہ حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عشاء کے وقت وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ صحابہ کرام اس وقت آگ جلا رہے تھے۔ انہیں بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا گیا۔ اس روز نگرانی کی ڈیوٹی حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آپ نے پوچھا: ”تم دیر سے کیوں آئے ہو؟“ انہوں نے اپنے زخموں کے بارے عرض کی۔ آپ نے انہیں دعائے خیر سے نوازا۔ آپ نے فرمایا: ”اگر تمہیں طویل زندگی نصیب ہوئی تو تم دیکھو گے کہ تمہیں گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں کی سواریاں نصیب ہوں گی۔ لیکن وہ تمہارے لیے بہتر نہ ہوگا۔“

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ حضرت انس اور حضرت موسیٰ پسران فضا کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کوئی مانع نہیں کہ یہ حضرت رافع اور حضرت عبداللہ، حضرت انس اور حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ”اس روز ہمارا عام زاد کھجوریں تھیں۔ حضرت سعد بن عبادہ تیس اونٹ کھجوریں لائے۔ حتیٰ کہ وہ حمراء الاسد کے مقام پر آ کر ہمیں مل گئے۔ وہ اونٹ بھی لے کر آئے تھے۔ وہ ایک دن دو اور ایک دن تین اونٹ ذبح کرتے تھے۔ دن کے وقت حضور اکرم ﷺ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیتے۔ رات کے وقت انہیں آگ لگا دینے کا حکم دیتے۔ ہر شخص آگ جلاتا پانچ سو جگہوں پر آگ جلاتی گئی۔ حتیٰ کہ وہ دور سے نظر آنے لگی۔ مسلمانوں کے لشکر اور اس آگ کا ذکر دور تک پھیل گیا۔ اس کی وجہ سے بھی دشمن ذلیل و رسوا ہوا۔ آپ نے تین روز سوموار، منگل اور بدھ تک وہیں قیام فرمایا۔ معبد بن ابی معبد خزاعی آپ سے ملا۔ یہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ابن جوزی نے اس ^{تلفیح} میں اس کے اسلام کا قول یقین کے ساتھ کیا ہے۔ بنو خزاعہ کے اہل ایمان اور مشرک تہامہ میں آپ کے ساتھ اخلاص کا اظہار کرتے تھے ان کے ساتھ آپ کا وعدہ تھا کہ وہ آپ سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔ جو کچھ وہاں رونما ہوگا۔ اس نے عرض کی: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو جو زخم لگا ہے یہ ہم پر گراں گزرا ہے۔ ہماری خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو رفعت عطا فرماتا۔ مصیبت کسی اور کو پہنچتی۔“

معبد روانہ ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ اس وقت حمراء الاسد میں ہی تشریف فرما تھے۔ وہ روجاء کے مقام پر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے جا ملا۔ انہوں نے اتفاق کر لیا تھا کہ وہ واپس جا کر مسلمانوں کا کام تمام کر دیں۔ انہوں نے کہا: ”ہم

نے ان کے بہترین صحابہ کرام کو قتل کیا۔ ان کے قائدین اور معززین کو تیغ تو کیا۔ لیکن انہوں نے انہیں جڑ سے نہیں اکھڑ پھینکا ہم واپس جاتے ہیں اور سب کو جڑ سے اکھڑ پھینکتے ہیں۔“ جب ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو کہا: ”یہ معبد ہے اس کے پاس خبر ہوگی۔ معبد! پیچھے کے حالات کیسے ہیں؟“ اس نے کہا: ”میں نے محمد عربیؐ اور آپ کے صحابہ کرام کو اس حالت پر چھوڑا ہے کہ وہ اتنا لشکر جرار لے کر تمہارے تعاقب میں نکل آئے ہیں کہ میں نے آج تک اتنا بڑا لشکر نہیں دیکھا۔ وہ غصے میں آ کر تمہیں بھسم کر دیں گے۔ اوس اور خزرج کے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ آملے ہیں انہوں نے عہد کیا ہے کہ وہ واپس نہیں جائیں گے۔ حتیٰ کہ تمہیں ملیں اور تم سے بدلہ لے لیں۔ وہ اپنی قوم کی وجہ سے سخت غصے میں ہیں۔ اپنے اس فعل پر سخت نادم ہیں۔ میں نے اتنا شدید غصہ کبھی نہیں دیکھا۔“ ابوسفیان: ”تیرے لیے ہلاکت! تو کیا کہہ رہا ہے؟“ اس نے کہا: ”لگتا ہے کہ تو عازم سفر نہیں ہو گا حتیٰ کہ تو گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لے۔“ ابوسفیان نے کہا: ”بخدا! ہم نے تو اتفاق کر لیا تھا کہ ہم ان کے بقیہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھڑ پھینکیں گے۔“ معبد: ”میں تجھے اس فعل سے روکتا ہوں جو بہت ناک منظر میں نے دیکھا ہے اس کے بارے میں چند اشعار کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔“ ابوسفیان: ”وہ کون سے اشعار ہیں؟“ معبد: میں نے یہ اشعار کہے ہیں:

کارت تہد من الاصوات راحلتی اذ سالت الارض بالجرد الابابیل

ترجمہ: ”جب فوج در فوج کم بالوں والے گھوڑوں کا سیلاب آگیا تو قریب تھا کہ شور و غل کی وجہ سے میری سواری نیچے گر پڑتی۔“

تردی باسد کرام لا تنابله عند اللقاء ولا میل معازیل

ترجمہ: ”وہ ایسے کریم شیروں کو اٹھائے جا رہے تھے۔ وہ جنگ کے وقت نہ تو سست اور کمزور دل ہوں گے۔ اور نہ ہی ہتھیاروں کے بغیر ہوں گے۔“

فظلت عدوا اظن الارض مائلا لتا سموا برئیس غیر مخذول

ترجمہ: ”میں تیز بھاگنے لگا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے زمین جھک رہی ہو اس وقت وہ گھوڑے ایسے سردار کے ساتھ بلند ہوئے جسے چھوڑا نہیں گیا تھا۔“

فقلت ویل ابن حرب من لقائکم اذا تغططت البطحاء بالخیل

ترجمہ: ”میں نے کہا تمہارے ساتھ جنگ ابوسفیان کے لیے ہلاکت ہے۔ جب بطحاء کی وادی گھوڑوں کی وجہ سے لرز اٹھے گی۔“

انی نذیر لاهل البسل ضاحیة
لکل ذی اربة منهم و معقول

ترجمہ: "بلاشبہ میں سرزمین مکہ کے باشندوں میں سے ہر اس شخص کو ڈرانے والا ہوں جو صاحب عقل و دانش ہو۔"

من جیش احمد لا وحش تنابله
ولیس یوصف ما اندرت بالقیل

ترجمہ: "میں انہیں حضور اکرم ﷺ کے اس لشکر سے ڈرا رہا ہوں جو سست اور چھوٹے قد کا ٹھکانہ نہیں۔ وہ

الفاظ بیان سے باہر ہیں جن سے میں نے انہیں ڈرایا۔"

اس کے ساتھ ساتھ صفوان کی گفتگو نے بھی اسے واپس لوٹ جانے پر مجبور کیا۔ ان کے جگر بھٹنے لگے۔ وہ تعاقب کے خوف سے آگے نکل بھاگ نکلے۔ ابوسفیان کے پاس سے عبدالقیس کا ایک کارواں گزرا۔ اس نے پوچھا: "کہاں جا رہے ہو؟" ابوسفیان: "تمہاری ہماری طرف سے محمد عربی ﷺ کو پیغام دو گے۔ میں تمہیں عکاظ کے میدان میں شمش سے بھرے ہوئے اونٹ دوں گا۔ انہوں نے کہا: "ہاں!" ابوسفیان: "جب تم محمد عربی ﷺ سے ملو تو انہیں کہنا: ہم نے اتفاق کر لیا ہے کہ ہم ان کی طرف اور ان کے صحابہ کی طرف آئیں تاکہ ان کے بقیہ لوگوں کو جو سے اکھیر پھینکیں ہم ان کے تعاقب میں ہیں۔" ابوسفیان آگے چلا گیا۔ یہ کارواں آپ سے حمراء الاسد کے مقام پر ملا۔ اور ابوسفیان کی باتیں آپ کو بتائیں۔ آپ نے فرمایا:

حَسْبُنَا اللهُ وَنَعْمَ الْوَكِيلُ ﴿۱۷۳﴾ (آل عمران: ۱۷۳)

ترجمہ: "کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے۔"

مدینہ طیبہ کی طرف روانگی سے قبل آپ نے معاویہ بن مغیرہ کو پکڑ لیا۔ اس نے حضرت عثمان غنی کی پناہ لی تھی۔ انہوں نے اس کے لیے آپ سے پناہ مانگی تو آپ نے انہیں پناہ دے دی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر تین روز کے بعد یہ ادھر پایا گیا تو اسے تیغ کر دیا جائے گا۔ تین دن گزر گئے وہ وہیں چھپا ہوا تھا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ انہیں فرمایا: "تم اسے فلاں مقام پر پاؤ گے۔ اسے تیغ کر دینا۔" انہوں نے اسے پایا اور اصل جہنم کر دیا۔

آپ نے ابو عروہ انجلی کو پایا۔ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر میں اسے گرفتار کیا تھا۔ پھر اس پر احسان کرتے ہوئے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اس نے کہا: "یا رسول اللہ! مجھے معاف کر دیں۔" آپ نے فرمایا: "تو مکہ مکرمہ میں اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یوں نہ کہتے رہو۔" میں نے محمد عربی ﷺ کو دو بار دھوکہ دیا ہے۔ ابوزبیر اس کی گردن اڑا دو۔ انہوں نے اسکا سر تن سے جدا کر دیا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے "مجھے حضرت سعید بن مسیب سے روایت پہنچی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ایک مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاسکتا۔"

حضور اکرم ﷺ سوموار، منگل اور بدھ کے روز وہاں قیام پذیر رہے۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ آپ پانچ روز

مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ اس وقت یہ آیات طیبات نازل ہوئیں:

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ: لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا اَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٤٢﴾ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۗ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٤٣﴾ فَاَنْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ اِلَى الْبِلَادِ فَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللهِ وَاللهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٤٤﴾ اِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهُ- فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوْنَ اِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٤٥﴾ (آل عمران: ١٤٢-١٤٥)

ترجمہ: ”جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر۔ اس کے بعد کہ لگ چکا تھا انہیں (گہرا) زخم ان کے لیے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لیے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے (جوش) ایمان کو اور انہوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ نہ چھو ان کو کسی برائی نے اور پیروی کرتے رہے رضائے الہی کی اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ یہ تو شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمہیں) اپنے دوستوں سے پس نہ ڈرو ان سے بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو۔“

تنبیہات

- ❖ حمراء الاسد الف ممدودۃ کے ساتھ ہے۔ حمراء، اسد کی طرف مضاف ہے۔ یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور ہے۔ جب ذوالحلیفہ جائیں تو یہ بائیں طرف آتا ہے۔
- ❖ آپ اتوار کے روز اس مہم کے لیے روانہ ہوئے۔ شوال کے ۱۶ دن گزر چکے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے۔ شوال کے آٹھ روز گزر چکے تھے۔ غزوہ احد کی تاریخ میں ان کا اختلاف ہے۔
- ❖ سابقہ آیات طیبات کے نزول میں اختلاف ہے۔ حضرات مجاہد اور ایک گروہ کا موقف ہے کہ یہ آیات طیبات اس وقت نازل ہوئیں جب آپ غزوہ بدر الموعود کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ ان کا نزول

اس وقت ہوا جب آپ حمراء الاسد کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ امام بخاری کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ ابن جریر نے اس کو ترجیح دی ہے۔ ابن مردویہ، خطیب نے حضرت ابن عباس سے اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

سعد بن منصور، جمیری، امام مسلم، امام بخاری، ابن ماجہ، حاکم اور امام بیہقی نے حضرت عروہ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عروہ سے فرمایا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو غزوہ احد میں نقصان اٹھانا پڑا۔ مشرکین چلے گئے۔ آپ کو خطرہ لاحق ہوا کہ وہ پلٹ کر حملہ نہ کر دیں۔ آپ نے فرمایا: "ان کے تعاقب میں کون جائے گا۔" ستر صحابہ کرام نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

الطبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایات کیا ہے کہ حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، عمار، طلحہ، سعد، عبد الرحمان، ابو ذر، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔

البدایۃ میں ہے کہ یہ سیاق عجیب ہے۔ اہل مغازی لکھتے ہیں: "حمراء الاسد کے ساتھ آپ کے ساتھ وہ سارے صحابہ کرام نکلے جنہوں نے غزوہ احد میں شرکت کی تھی۔ ان کی تعداد سات سو تھی ان میں ستر شہید ہو گئے تھے۔ بقیہ سارے صحابہ کرام عازم سفر ہوئے۔" میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ام المؤمنین اور اہل مغازی نے لکھا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ام المؤمنین کے فرمان کا معنی ہے کہ مذکورہ ستر نے سب سے پہلے لبیک کہا۔ پھر بقیہ صحابہ کرام بھی آپ سے مل گئے۔ حافظ نے الفتح میں اس پر کوئی تنبیہ بیان نہیں کی۔



غزوہ بنی نضیر

اس غزوہ کے سبب میں اختلاف ہے۔ عبد الرزاق، عبد بن حمید، ابو داؤد اور امام بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد الرحمان بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "قریش مکہ نے ابن ابی اور اوس اور خزرج کے دیگر بت پرستوں کو لکھا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ تم نے ہمارے ساتھی کو پناہ دی ہے مدینہ طیبہ میں تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہے ہم قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ یا تو ان کے ساتھ قتال کرو یا انہیں اپنے شہر سے نکال دو۔ یا پھر ہم عرب کو اکٹھا کر کے تم پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ تمہارے جنگ جوؤں کے ساتھ جنگ کریں گے۔ تمہاری عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کر دیں گے۔" جب ابن ابی اور دیگر بت پرستوں کو یہ خط ملا تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف پیغام بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کیا۔ جب آپ کو یہ اطلاع ملی تو آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ انہیں ملے۔ آپ نے فرمایا: "قریش نے تمہیں سخت دھمکی آمیز خط لکھا ہے۔ یہ خط تمہیں کسی فریب میں مبتلا نہ کر دے کہ خود کو مکرو فریب میں مبتلا کر دو اور تم اپنے ہی بھائیوں اور بیٹوں سے لڑنے لگو۔" جب انہوں نے آپ کا یہ فرمان سنا تو وہ جدا جدا ہو گئے اور انہوں نے حق جان لیا۔ قریش کے کفار تک یہ خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے غزوہ بدر کے بعد یہودی کی طرف یہ خط لکھا۔

"تمہارے پاس اسلحہ کے انبار ہیں۔ تم قلعوں کے مالک ہو۔ یا تو تم ہمارے ساتھی کے ساتھ قتال کرو یا ہم تمہیں یوں یوں کر دیں گے۔ کوئی طاقت ہمیں نہیں روک سکتی گی کہ ہم تمہاری خواتین کو لوٹ لیاں بنائیں۔"

جب یہ خط یہود تک پہنچا تو بنو نضیر نے آپ کے ساتھ دھوکہ کرنے پر اتفاق کر لیا۔ انہوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ تیس صحابہ کرام کے ساتھ ان کے پاس تشریف لائیں۔ ہمارے تیس علماء بھی آپ کے پاس حاضر ہوں گے۔ وہ آپ کا کلام سنیں گے اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔"

دوسرے روز آپ اپنے تیس صحابہ کرام کے ہمراہ ان کے پاس جلوہ افروز ہو گئے۔ تیس یہودی بھی آپ کی خدمت میں حاضر

ہو گئے۔ جب وہ کھلے میدان میں نکلے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ”تم ان پر کیسے حملہ آور ہو گے حالانکہ آپ کے ہمراہ تیس صحابہ کرام ہیں جو آپ پر جان دارنے کے لیے تیار ہیں۔“

انہوں نے آپ کی طرف یہ پیغام بھیجا۔ ”ہم ساٹھ افراد باہم کیسے افہام و تفہیم کریں گے۔ آپ تین صحابہ کرام کو لے آئیں اور ہم میں سے بھی تین علماء نکل آتے ہیں۔ وہ آپ کی بات چیت سنیں گے۔“ آپ تین صحابہ کرام کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ تین یہودی علماء بھی نکلے۔ ان یہودیوں کے پاس خنجر تھے۔ وہ حضور اکرم ﷺ پر حملہ کرنے چاہتے تھے۔ بنو نضیر کی ایک خیر خواہ عورت تھی۔ اس نے اپنے بھائی کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ ایک انصاری مسلمان شخص تھا۔ اس عورت نے اپنے بھائی کو پیغام بھیجا اور بنو نضیر کے مکر کے بارے بتایا۔ اس کا بھائی جلدی جلدی آیا۔ اس نے حضور اکرم ﷺ کو پالیا۔ ان کے حملہ آور ہونے سے قبل آپ کو آگاہ کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

ابن اسحاق، ابن عمر، ابن سعد، ابن عابد اور جلیل القدر اہل مغازی نے لکھا ہے ”حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ بزمعونہ سے واپس تشریف لائے جب قناتہ پہنچے تو بنو عامر بن صعصعہ میں سے دو افراد کو ملے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا۔ یہ دونوں افراد ان کے ساتھ ہی رہے جب وہ سو گئے تو انہوں نے ان پر حملہ کیا اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر عازم سفر ہو کر جلد ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور سارا واقعہ سنا دیا۔ آپ نے فرمایا: ”تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ ان کا ہمارے ساتھ معاہدہ اور امان تھی۔“ انہوں نے عرض کی: ”مجھے اس معاہدہ کا علم نہ تھا۔ میں انہیں مشرک سمجھتا تھا۔ ان کی قوم نے ہمارے ساتھ دغا کیا تھا۔“ حضرت عمرو ان کا سامان اور کپڑے لے آئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں ان کا سامان اور کپڑے واپس کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے یہ چیزیں ان کی دیت کے ساتھ بھیج دیں۔ بنو نضیر اور بنو عامر کے مابین معاہدہ تھا۔ آپ ہفتہ کے روز تشریف لے گئے۔ مسجد قباء میں نماز ادا فرمائی۔ مہاجرین اور انصار میں سے بعض صحابہ کرام آپ کے ہمراہ تھے۔ جبکہ آپ بنو نضیر کے ہاں پہنچے تو آپ کے ہمراہ دس سے بھی کم صحابہ کرام تھے۔ آپ نے انہیں پایا وہ اپنی اپنی محافل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ بیٹھ گئے تاکہ ان کے ساتھ بات چیت کریں کہ وہ ان دو کلابیوں کی دیت ادا کرنے میں آپ کی مدد کریں۔ جنہیں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ انہوں نے کہا: ”ابو القاسم! ہم وہی کریں گے جو آپ پسند کریں گے۔ آپ ہمارے پاس تشریف لائے ہیں۔ آپ بیٹھیں۔ کھانا تناول فرمائیں۔ آپ چلے جائیں ہم مشاورت کر کے اس امر میں آپ کی معاونت کریں گے۔ جس کے لیے آپ تشریف لائے ہیں۔“ حضور اکرم ﷺ ان کے گھروں میں سے ایک گھر کے ساتھ نیک لگائے ہوئے تھے۔ یہودیوں نے باہم مشاورت کی۔ جسی بن اخطب نے کہا: ”اے گروہ یہود! محمد عربی رضی اللہ عنہ تمہارے پاس چند صحابہ کرام کے ساتھ آئے ہیں۔ ان کی تعداد دس بھی نہیں۔ آپ کے ہمراہ حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی۔“

زبیر طلحہ سعد بن معاذ اسید بن حضیر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اس گھر کے اوپر سے آپ پر چکی کا پاٹ گرا دو جس کے نیچے آپ تشریف فرما ہیں۔ آپ کو قتل کر دو۔ اس سے سنہری موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اگر آپ قتل ہو گئے تو صحابہ کرام منتشر ہو جائیں گے۔ قریش اپنے حرم میں چلے جائیں گے۔ اوس اور خزرج یہاں رہ جائیں گے۔ جو کچھ تم مدتوں سے کرنا چاہتے تھے اب اس کا وقت ہے۔ عمرو بن حجاج نے کہا: ”میں اس گھر کی چھت پر چڑھتا ہوں اور آپ پر پتھر پھینک دیتا ہوں۔“

سلام بن مشکم نے کہا: ”اے میری قوم! اس بار میری اطاعت کرو پھر ساری زندگی مخالفت کرتے رہنا۔ بخدا! اگر تم نے اس طرح کیا تو پھر آپ کو علم ہو جائے گا کہ ہم نے آپ کے ساتھ دغا کیا ہے۔ یہ اس معاہدہ کو توڑنا ہے جو ان کے اور ہمارے مابین ہے۔ یوں نہ کرو۔“ عمرو بن حجاج نے ایک پتھر لیا تاکہ اوپر سے آپ پر پھینک کر آپ کو شہید کر دے۔ اس اثناء میں حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے انہوں نے یہود کے ارادہ سے آپ کو آگاہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے اٹھے۔ گویا کہ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جا رہے ہوں۔ مدینہ طیبہ کی طرف رخ انور کیا صحابہ کرام بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔

عبدالحمید نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ابھی یہود اسی حالت پر تھے کہ ایک یہودی مدینہ طیبہ سے آیا۔ جب اس نے اپنے ساتھیوں کو باہم مشاورت کرتے سنا تو اس نے کہا: ”تم کیا چاہتے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہم چاہتے ہیں کہ ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں اور آپ کے صحابہ کرام کو گرفتار کر لیں۔“ اس نے پوچھا: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو قریب ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔“ ان کے ساتھی نے انہیں کہا: ”میں نے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ مدینہ طیبہ داخل ہو رہے تھے۔“ وہ ششدر رہ گئے۔ جب کافی دیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے اور نہ ہی آپ کے بارے کچھ خبر ملی تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اب ہمیں یہاں ٹھہرنے کا فائدہ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔“ وہ آپ کی جستجو کے لیے نکلے جیسی بن اخطب نے کہا: ”ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جلدی کی ہے۔ ہم آپ کی ضرورت پوری کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی ضیافت کرنا چاہتے تھے۔“ یہودی اپنے اس عمل پر شرمندہ تھے۔ کنانہ بن سویراء نے انہیں کہا: ”کیا تم جانتے ہو کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اٹھ کر چلے گئے۔“ یہودی: ”نہیں بخدا! ہم نہیں جانتے۔ کیا تو جانتا ہے؟“ اس نے کہا: ”تورات کی قسم! میں جانتا ہوں۔ ہم نے ان کے ساتھ جو دغا کرنے کی ساز باز کی تھی اس کی انہیں خبر ہو گئی ہے خود کو دھوکہ نہ دو۔ بخدا! وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ وہ صرف اس لیے اٹھ کر گئے ہیں کہ انہیں ہمارے ارادہ کی خبر مل گئی ہے وہ آخری نبی ہیں تم طمع کرتے تھے کہ وہ نبی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہو۔ رب تعالیٰ جہاں چاہتا ہے رسالت رکھتا ہے۔ ہم نے تورات میں جو دروس پڑھے ہیں جو تبدیل نہیں ہوئے ان میں ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔“

یثرب کی طرف ہجرت کریں گے۔ ان کے اوصاف حمیدہ وہی ہیں جو ہماری کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ جنگ کرنے کا تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔ گویا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم یہاں سے کوچ کر رہے ہو۔ تمہارے بچے چلا رہے ہیں۔ تم اپنے گھر اور اموال چھوڑے جا رہے ہو۔ دو باتوں میں میری اتباع کر لو۔ تیسری میں کوئی بھلائی نہیں۔ یہودیوں نے پوچھا: ”وہ دو کون سی ہیں؟“ اس نے کہا: ”تم اسلام قبول کر لو۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ تمہارے اموال اور بچے امن میں ہو جائیں گے۔ تم ان کے معزز صحابہ کرام بن جاؤ گے۔ تمہارے اموال تمہارے پاس ہی رہیں گے۔ انہوں نے کہا: ”ہم تورات اور حضرت موسیٰ کے عہد کو نہیں چھوڑ سکتے۔“ اس نے کہا: ”وہ تمہاری طرف یہ پیغام بھیج رہے ہیں۔“ میرے شہر سے نکل جاؤ۔ تم انہیں ہاں کہہ دو۔ تمہارے مال اور خون حلال نہ ہوں گے۔ تمہارے اموال تمہارے پاس ہی رہیں گے۔ اگر چاہو تو انہیں بیچ دینا۔ اگر چاہو تو انہیں اپنے پاس رکھ لینا۔ انہوں نے کہا: ”یہ عمدہ مشورہ ہے۔“ سلام بن شکم نے کہا: ”جو کچھ تم نے کہا ہے میں تو پہلے ہی اسے ناپسند کرتا تھا۔ وہ ہماری طرف یہ پیغام بھیجنے لگے ہیں کہ میرے شہر سے نکل جاؤ۔ اے جی! ان کی بات کا انکار نہ کرنا۔ عازم سفر ہو جانا۔ ان کے شہروں سے نکل جانا۔“ جی نے کہا: ”میں اسی طرح کروں گا۔“

جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کے صحابہ کرام بھی آپ کے پیچھے پیچھے آگئے۔ انہیں مدینہ طیبہ سے باہر ایک شخص ملا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: ”کیا تو نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں! میں نے ”ابحز“ کے مقام پر آپ کو دیکھا ہے آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہے تھے۔“ جب صحابہ کرام مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ وہیں جلوہ افروز تھے۔ آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کو بلا بھیجا تھا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ اٹھ کر چلے آئے ہمیں علم نہ ہوا۔“ آپ نے فرمایا: ”یہودی میرے ساتھ دھوکا کرنا چاہتے تھے۔ رب تعالیٰ نے مجھے بتا دیا۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

(المائدہ: ١١)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی۔ جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔“

حضرت محمد بن مسلمہ کا یہود کے پاس جانا اور ان کا آپ کی رسالت کا اعتراف کرنا

جب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ”بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس جاؤ۔ انہیں کہو: ”مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تم میرے شہر سے نکل جاؤ۔“ وہ یہودیوں کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے لیکن میں اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ میں تمہارے سامنے اس امر کا تذکرہ کروں گا جس کو تم اپنی محافل میں سرعام یاد کرتے ہو۔“ یہودی: ”وہ کیا امر ہے؟“ حضرت محمد بن مسلمہ: ”میں تمہیں اس تورات کا واسطہ دیتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر نازل کیا۔ کیا تم جانتے ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل میں تمہارے پاس آیا تھا۔ تم نے اپنے سامنے تورات کھول رکھی تھی۔ تم نے مجھے اس محفل میں کہا تھا: اے ابن مسلمہ! اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہیں کھانا پیش کریں تو ہم تمہیں کھانا پیش کرتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہیں یہودی بنائیں تو ہم تم کو یہودی بنا دیتے ہیں۔“ میں نے کہا تھا: ”مجھے کھانا کھلاؤ۔ مجھے یہودی نہ بناؤ۔ بخدا! میں کبھی بھی یہودی نہیں بنوں گا تم نے مجھے ایک رُے میں کھانا دیا۔ تم نے مجھے کہا تھا: ”تم صرف یہ دین اس لیے قبول نہیں کرتے کہ یہ یہودیوں کا مذہب ہے گویا تم نے اس حنفیت کا عزم کر لیا ہے جس کے بارے تم نے سن رکھا ہے۔ ابو عامر راہب تو وہ نہیں ہے۔ اب تمہارے پاس وہ ہستی پاک آگئی ہے جو مسکرانے والی ہے۔ جو جنگ کرنے والی ہے۔ ان کی آنکھوں میں سرخی ہے۔ وہ یمن کی طرف سے آئیں گے۔ وہ اونٹ پر سواری کریں گے چادر پہنیں گے وہ روئی کا ٹکڑا توڑیں گے۔ ان کی تلوار ان کے کندھے پر ہوگی۔ وہ حکمت کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ گویا کہ تمہاری باہم رشتہ داری یہی ہے۔ بخدا! وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری اس بستی میں جلوہ افروز ہو چکے ہیں۔ آپ جہاد کر رہے ہیں اور دشمنان خدا کو تہ تیغ کر رہے ہیں۔“ یہودیوں نے کہا: ”ہاں! ہم یوں کہتے تھے لیکن یہ وہ نبی نہیں ہیں۔“ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا: ”میں اپنے پیغام سے فارغ ہو چکا ہوں۔ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ آپ تم سے فرما رہے ہیں: ”تم نے وہ معاہدہ توڑ دیا ہے جسے میں نے تمہارے لیے قائم کیا تھا۔ کیونکہ تم نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔“ حضرت محمد بن مسلمہ نے یہودیوں کو سارا واقعہ سنایا جو انہوں نے ارادہ کیا تھا۔ عمرو بن حجاج کیسے چھت پر چڑھا تا کہ آپ پر پتھر گرا دے۔“ یہ سن کر انہیں سانپ سونگھ گیا۔ وہ ایک حرف تک نہ بول سکے۔ آپ نے فرمایا ہے: ”تم میرے شہر سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس کے بعد جو ادھر آ گیا اس کی گردن اڑادی جائے گی۔“ انہوں نے کہا: ”ابن مسلمہ! ہمارا خیال تھا کہ یہ پیغام اس میں سے کسی شخص کے علاوہ کوئی اور لے کر آتا۔“ حضرت محمد بن مسلمہ نے فرمایا: ”اب دل تبدیل ہو چکے ہیں۔“

ان ایام میں یہودی تیاری کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی سواریاں ذی بدر کے مقام پر بھیج رکھی تھی۔ وہاں چرا کرتی تھیں۔ انہوں نے بنو شعیب سے کرائے پر اونٹ لیے اور بھرپور انداز میں روانگی کی تیاری کر لی۔

عبداللہ بن ابی کا یہودیوں کو پیغام

یہودی اپنی تیاری میں مصروف تھے کہ ان کے پاس ابن ابی کا پیغام آیا۔ سوید اور داعس یہ پیغام لے کر آئے کہ عبداللہ بن ابی کہہ رہا ہے ”اپنے گھروں سے نہ نکلو۔ اپنے اموال نہ چھوڑو۔ اپنے قلعوں میں ٹھہرے رہو۔ میرے پاس اپنی قوم اور دیگر اہل عرب کے دو ہزار جوان موجود ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ تمہارے قلعوں میں داخل ہو جائیں گے۔ ان کا آخری شخص مر جائے گا لیکن مسلمانوں کو تم تک نہ پہنچنے دے گا۔ بنو قریظہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں رسوا نہیں کریں گے۔ بنو غطفان میں سے تمہارے حلیف بھی تمہاری مدد کریں گے۔“ ابن ابی نے کعب بن اسد القرظی کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کرے۔ اس نے کہا: ”ہم میں سے ایک شخص بھی یہ معاہدہ توڑنے پر راضی نہیں۔“

ابن ابی بنو قریظہ سے مایوس ہو گیا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان معاملات کو شدید کرنا چاہتا تھا۔ وہ لگاتار حسی کی طرف پیغام بھیجتا رہا۔ حسی نے کہا: ”میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیج رہا ہوں کہ ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے۔ ہم اپنے اموال نہیں چھوڑیں گے۔ وہ جو چاہیں کر لیں۔“ حسی ابن ابی کی باتوں میں آگیا۔ سلام بن شکم نے حسی سے کہا: ”حسی! تیرے نفس نے تجھے دھوکہ دے رکھا ہے۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تیری رائے کو احمق سمجھا جائے گا تو میں اپنے اطاعت گزار یہودیوں کے ساتھ تجھے چھوڑ دیتا۔ حسی! اس طرح نہ کر۔ بخدا! تو بھی جانتا ہے اور تیرے ساتھ ہم بھی جانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ان کے اوصاف ہمارے ہاں موجود ہیں۔ اگر ہم آپ کی اتباع نہ کریں تو س کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان سے حسد کرتے ہیں۔ کیونکہ نبوت بنو ہارون سے نکل چکی ہے۔ آؤ ہم ان کے عطا کردہ امن کو قبول کر لیں۔ ہم ان کے شہروں سے نکل جائیں تو یہ بھی جانتا ہے کہ تو نے ان کے ساتھ دھوکہ کرنے میں میری مخالفت کی ہے۔ جب پھل پک جائیں گے تو ہم آئیں گے۔ یا ہم میں سے ایک اپنے پھل کے پاس آئے گا۔ اسے فروخت کر دے گا۔ یا اس کے ساتھ جو چاہے گا کرے گا۔ پھر ہمارے پاس آجائے گا تو پھر گویا کہ ہم اپنے شہروں سے نکلے ہی نہیں کیونکہ ہمارے اموال ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ ہماری قوم پر ہمارا شرف ہمارے اموال اور افعال کی وجہ سے ہے۔ جب اموال چلے جائیں گے تو پھر ہم ذلت اور کنکالی میں دوسرے یہود کی طرح ہو جائیں گے اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف آئے اور اگر انہوں نے ایک دن بھی ہمارے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا پھر وہ اس پیغام کو قبول نہیں کریں گے جو انہوں نے ابھی بھیجا ہے۔ وہ اس کو قبول

نہیں کریں گے۔ وہ اس کا انکار کر دیں گے۔“

حیی بن اخطب نے کہا: ”محمد عربی ﷺ صرف اس وقت ہمارا محاصرہ کریں گے جب انہیں موقع ملے گا۔ ورنہ وہ واپس چلے جائیں گے۔ ابن ابی نے بھی میرے ساتھ وعدہ کیا ہے۔ جیسے کہ تو نے دیکھا ہے۔“

سلام نے کہا: ”ابن ابی کے قول کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ تو تجھے بلاکت کے گڑھے میں پھینکنا چاہتا ہے تاکہ تو محمد عربی ﷺ سے جنگ کرے۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اور تجھے چھوڑ دے گا۔ اس نے کعب سے مدد مانگی تھی مگر کعب نے انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ بنو قریظہ کا ایک شخص بھی اس عہد کو توڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ابن ابی نے اپنے حلیف بنو قینقاع کے ساتھ بھی اسی طرح کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے بھی جنگ کرنے کی کوشش کی عہد کو پس پشت ڈالا خود کو اپنے قلعوں میں محصور کر دیا۔ وہ ابن ابی کی مدد کا انتظار کرتے رہے۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہا۔ محمد عربی ﷺ اپنے لشکر جرار سمیت ان کی طرف گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ حتیٰ کہ وہ ان کا حکم ماننے پر مجبور ہو گئے۔ ابن ابی نے تو اپنے حلیفوں کی مدد نہیں کی تھی ہم نے تو اپنی تلواروں کے ساتھ اوس کے ہمراہ اس کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی ہے اب تو جنگوں کا وہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ محمد عربی ﷺ تشریف لا چکے ہیں اور یہ جنگ کی آگ ختم ہو چکی ہے۔ ابن ابی نہ یہودی ہے نہ مسلمان ہے۔ نہ ہی اپنی قوم کے دین پر ہے ہم اس کی بات کیسے قبول کر لیں۔“

حیی نے کہا: ”میرا نفس تو محمد عربی ﷺ سے عداوت ہی کرتا رہے گا ان کے ساتھ قتال ہی کرتا رہے گا۔“ سلام نے کہا: ”پھر تو ہم اپنی سرزمین سے جلا وطن ہو جائیں گے۔ ہمارے اموال اور شرف ختم ہو جائے گا۔ ہمارے بچے قیدی بن جائیں گے وہ ہمارے ساتھ جنگ کریں گے۔“ مگر حیی نے انکار کر دیا سوائے اس کے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کرے گا۔ ساموک بن ابی الحقیق ان کے ہاں عقل و دانش میں کم سمجھا جاتا تھا۔ اسے جنوں تھا اس نے کہا: ”اے حیی! تو ایک منحوس شخص ہے تو بنو نضیر کو تباہ کر دے گا۔“ حیی غصے میں آگیا۔ اس نے کہا: ”بنو نضیر کے سارے افراد نے میرے ساتھ گفتگو کی ہے حتیٰ کہ اس پاگل نے بھی“ ساموک کے بھائیوں نے اسے مارا۔ انہوں نے حیی سے کہا: ”ہم تیرے تابع ہیں ہم تیری مخالفت نہیں کریں گے۔“

حیی نے اپنے بھائی جذی کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے کہا: ”ہم اپنے شہروں سے نہیں نکلیں گے۔ اپنے اموال کو نہیں چھوڑیں گے۔ آپ جو کرنا چاہتے ہیں کریں۔“ اس نے اسے حکم دیا کہ وہ ابن ابی کے پاس جائے اور اسے بتائے کہ حیی نے محمد عربی ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیج دیا ہے نیز اسے کہے کہ وہ اپنی مدد جلدی بھیجے۔

جذی روانہ ہوا پہلے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ

بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے آپ کو حسی کا پیغام دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ آپ کے نعرہ کے جواب میں مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ آپ نے فرمایا: ”اب یہود سے جنگ ہوگی۔“

جدی وہاں سے روانہ ہوا۔ ابن ابی کے پاس آیا۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس اس کے چند حلیف بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا منادی اعلان کر رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کو بنو نضیر کی طرف جانے کا حکم دے رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بنی اپنے باپ ابن ابی کے پاس آئے وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس جدی بھی تھا۔ انہوں نے اپنی زرہ پہنی تلوار لی اور بھاگتے ہوئے نکل آئے۔

جدی نے کہا: ”جب میں نے ابن ابی کو دیکھا جو اپنے گھر کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے نور نظر کے ہتھیار سجائے میں اس سے اور اس کی مدد سے مایوس ہو گیا۔ میں حسی کی طرف بھاگتا ہوا آیا۔ اس نے پوچھا: ”کیا خبر لائے ہو؟“ اس نے کہا: ”شر۔“ جب میں نے محمد عربی ﷺ کو تیرا پیغام دیا۔ انہوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ انہوں نے کہا: ”اب یہودیوں سے جنگ ہوگی۔“ میں ابن ابی کے پاس آیا سارے حالات بتائے۔ اس وقت محمد عربی ﷺ کا منادی بنو نضیر کی طرف جانے کا اعلان کر رہا تھا۔ حسی نے کہا: ”ابن ابی نے تجھے کیا پیغام دیا ہے؟“ جدی: ”مجھے تو اس کے پاس خیر نظر نہیں آئی۔ اس نے کہا: ”میں بنو غطفان میں سے اپنے حلفاء کو پیغام بھیجنے لگا ہوں وہ تمہارے ساتھ قلعوں میں داخل ہو جائیں گے۔“

حضور اکرم ﷺ کی بنو نضیر کی طرف روانگی

سرور عالم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو نضیر کی طرف تشریف لے گئے۔ مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ آپ نے اپنے ہمراہ غرب لکڑی کا قبہ لیا اس پر چادریں لٹکانی گئیں تھیں آپ نے اسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ آپ نے بنو نضیر کے کھلے میدان میں نماز عصر ادا کی۔ جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو دیکھا تو اپنے قلعوں کی دیواروں پر کھڑے ہو گئے۔ ان کے پاس تیر اور پتھر تھے۔ بنو قریظہ نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے نہ تو ہتھیاروں اور نہ ہی آدمیوں کے ساتھ ان کی مدد کی تھی نہ ہی ان کے قریب گئے تھے۔ بنو نضیر اس روز پتھر اور تیر برساتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ آپ کے پاس آگئے۔ آپ نے نماز عشاء ادا کی۔ اپنے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ کا شانہ اقدس میں آگئے۔ آپ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر مقرر کیا۔ دوسری روایت میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے۔ مسلمانوں نے تادم صبح ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ وہ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان صبح دی۔ حضور ﷺ صحابہ کرام کو لے کر بنو نضیر کے میدان میں چلے گئے۔

وہاں صحابہ کرام کو نماز صبح پڑھائی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس چھوٹی سی مسجد کے پاس آپ کا خیمہ لگا دیا جو بنو خطمہ کے میدان میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خیمہ میں تشریف لے گئے۔

ایک یہودی تھا جس کا نام غزوک تھا۔ وہ بڑا تیر انداز تھا وہ تیر پھینک رہا تھا۔ اس کے تیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے تک پہنچ رہے تھے۔ آپ نے حکم دیا تو خیمہ مبارکہ کو مسجد لفضیح کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ وہ تیر کی پہنچ سے دور ہو گیا۔ رات ہو گئی۔ نہ ابن ابی بنو نضیر کے قریب آیا نہ ہی اس کا کوئی حلیف آیا۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ بنو نضیر اس کی نصرت سے مایوس ہو چکے تھے۔ سلام بن مشکم اور کنانہ بن صویراء حنی سے کہنے لگے: "ابن ابی کی وہ نصرت کہاں ہے؟ جو تو گمان کرتا تھا۔" حنی نے کہا: "اب میں کیا کروں۔ یہ ہلاکت ہے جو ہمارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ ایک رات عشاء کے وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ صحابہ کرام نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نظر نہیں آرہے۔" آپ نے فرمایا: "انہیں چھوڑ دو۔ وہ تمہارے ہی کسی کام گئے ہیں۔" تھوڑی مدت بعد ہی وہ غزوک کا سر لے کر حاضر ہو گئے۔ وہ کھین گاہ میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں سے دھوکہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک بہادر اور ماہر تیر انداز تھا۔ حضرت علی نے اس پر حملہ کیا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ حضرت ابو دجانہ، حضرت سہل بن حنیف اور دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا تھا۔ انہوں نے ان یہودیوں کو پالیا جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے انہیں قتل کیا اور ان کے سر کسی کنویں میں پھینک دیے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لیے کھجوریں بھیجتے تھے۔

کھجوریں کاٹنے کا حکم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کی کھجوریں کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت ابولیلی مازنی اور حضرت عبداللہ بن سلام کو کھجوریں کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت ابولیلی عجوہ کھجوریں کاٹ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام لون کھجوریں کاٹ رہے تھے۔ حضرت ابولیلی نے کہا: "عجوہ کاٹنے سے انہیں زیادہ اذیت ہوگی۔" حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: "مجھے علم ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ یہ کھجوریں آپ کو بطور غنیمت عطا فرمائے گا۔ عجوہ ان کی بہترین کھجور ہے۔" جب عجوہ کھجوریں کاٹی گئیں تو یہودی عورتوں نے اپنے گریبان چاک کر دیے۔ رخسار پیٹ ڈالے۔ ہائے ہلاکت پکارا۔ سلام بن مشکم کہنے لگا: "حیی! العذق کھجور عجوہ سے بہترین ہے۔ جب اسے لگایا جائے تو تیس سال تک یہ پھل نہیں دیتی۔ اسے بھی کاٹا جا رہا ہے۔" حسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا۔ "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو فساد سے منع کرتے ہیں۔ پھر یہ کھجوریں کیوں کاٹ"۔

رہے ہیں؟“ بعض مسلمانوں نے ان کے اس قول کی وجہ سے دلوں میں کچھ تردد محسوس کیا۔ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ فساد ہی نہ ہو۔ انہوں نے کہا: ”ان کو نہ کاٹو۔ بعض نے کہا: ”بلکہ! ہم انہیں کاٹیں گے تاکہ انہیں آتش غیظ میں جلائیں۔“

حسینی نے حضور اکرم ﷺ کی طرف پیغام بھیجا۔ ”ہم آپ کو وہ کچھ پیش کرتے ہیں جو آپ چاہتے ہیں۔ آپ کے شہر سے بھی نکل جاتے ہیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”نہیں! آج مجھے یہ شرط قبول نہیں۔ بلکہ تم یہاں سے نکلو تمہیں ایک اونٹ کا سامان لے جانے کی اجازت ہے سوائے اسلحہ کے۔“ سلام بن مشکم نے کہا: ”حسینی! تیرے لیے بلاکت! یہ قبول کر لے۔ ایسا نہ ہو کہ تجھے اس سے بھی زیادہ شر قبول کرنا پڑے۔“ حسینی نے کہا: ”اس سے زیادہ شر کیا ہو سکتا ہے۔“ سلام نے کہا: ”اولاد کو قیدی بنا لیا جائے۔ جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے۔ اموال لے لیے جائیں۔ صرف اموال دینا ہمارے لیے آسان ہے۔ ایک یا دو دن تک حسی تردد کا شکار رہا جب یا مین بن عمیر اور ابوسعید بن وہب نے یہ دیکھا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ”بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ہم کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ہم اسلام لے آئیں ہم اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیں۔“ وہ رات کے اندھیرے میں اترے۔ دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے اپنے اموال اور خون محفوظ کر لیے۔ پھر یہودیوں نے یہ شرط مان لی کہ وہ ایک اونٹ کا سامان لے جا سکتے ہیں۔ سوائے اسلحہ کے۔ حضرت یا مین نے بنو قیس میں سے ایک شخص کو دس دینار دیے یا پانچ دس کھجوریں دیں تاکہ وہ عمرو بن حجاج کو دھوکہ سے قتل کر دے۔ اس کے قتل کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ بہت مسرور ہوئے۔

محمد بن عمر، ابن سعد، بلاذری، ابو معشر اور ابن حبان نے لکھا ہے کہ آپ نے پندرہ روز بنو نضیر کا محاصرہ کیا۔ ابن اسحاق اور ابو عمرو نے یہ مدت سات راتیں لکھی ہیں۔ سلیمان تیمی نے تقریباً بیس راتیں لکھی ہیں۔ ابن الکلاع نے تینیس راتیں لکھی ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مدت پچیس روز منقول ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے انہیں جلاوطن کر دیا۔ جلاوطنی کی نگرانی حضرت محمد بن مسلمہ کو سونپی گئی۔ یہودیوں نے کہا: ”ہمارے لوگوں پر مقررہ مدت تک قرضے ہیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جلدی لے لو اور کچھ کم کر دو۔“ ابورافع سلام بن ابی الحقیق نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے ایک سو بیس دینار لینے تھے۔ اس نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ ان سے صرف اس المال اسی دینار لے گا۔ بقیہ ان سے باطل کر دیے۔ محاصرہ کے ایام میں ان کے جو گھرانے کے قریب تھے وہ انہیں گرا رہے تھے۔ مسلمان ان کے وہ گھر گرا رہے تھے جو ان کے قریب تھے۔ حتیٰ کہ صلح واقع ہو گئی۔

بنو نضیر کی جلاوطنی

جب یہودی جلاوطن ہوئے تو انہوں نے اپنی خواتین اور اولاد کو اونٹوں پر سوار کیا۔ اتنا سامان لدا جو ایک اونٹ اٹھا سکتا تھا۔ ایک شخص اپنے گھر کی دہلیزیں بھی اکھیڑ رہا تھا۔ انہوں نے بہت زیادہ اونٹ چھپے پن کا اظہار کیا۔ وہ بحارث بن خزرج کے علاقے سے نکلے پھر جلیبہ پر چلے پھر جر پر روانہ ہوئے۔ پھر عید گاہ سے گزرے۔ پھر مدینہ طیبہ کے بازار سے نکلے۔ ان کی عورتیں خود جوں پر سوار تھیں۔ انہوں نے دیباچ اور ریشم کے لباس پہن رکھے تھے۔ انہوں نے سبز اور سرخ مخمل کی چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ سونے اور چاندی کے زیورات پہن رکھے تھے۔ ان پر زعفرانی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ابورافع نے اونٹ کی جلد بلند کی۔ اور کہا: ”یہ چیزیں تو ہم نے زندگی کے نشیب و فراز کے لیے جمع کر رکھی تھیں۔ جو نخلستان ہم چھوڑے جا رہے ہیں ان سے بہتر نخلستان خیبر میں ہمارے منتظر ہیں۔“

وہ اس طرح گزرے کہ ان کے ہمراہ دف اور مزامیر تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے لوٹدی گارہی تھیں۔ لوگوں نے انہیں دیکھنے کے لیے صفیں بنالیں۔ وہ قطار در قطار گزرنے لگے۔ چھ سو اونٹوں پر ان کا سامان لدا ہوا تھا۔ ان کے چلے جانے کی وجہ سے منافقین بہت غمزدہ تھے۔ ان میں سے اکثریت خیبر چلی گئی۔ ان میں حسی، سلام، کنانہ بن سویراء اور ان کے اہل خانہ بھی شامل تھے۔ ان میں سے ایک گروہ شام چلا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اموال اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا۔ آپ نے پچاس زر میں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں پائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ اس مال کا خمس نہیں نکالیں گے۔ جو آپ کو ملا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں! میں اسے ایسی چیز بنا دوں گا جسے رب تعالیٰ نے مومنین کو چھوڑ کر صرف میرے ساتھ مختص کیا ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ (الحشر: ۷)

ترجمہ: ”جو مال پلٹا دیا ہے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے۔“

بنو نضیر کا مال حضور اکرم ﷺ کے لیے مختص تھا۔ آپ نے اسے اپنے حوادث کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ اس میں سے اپنے اہل بیت کے لیے خرچ کرتے تھے۔ یہ آپ کے لیے مختص تھا۔ جسے چاہتے نواز دیتے جس سے چاہتے روک لیتے۔ کھجوروں کے بیجے آپ کاشت کاری فرماتے تھے۔ اپنے اہل خانہ کے لیے ایک سال کا خرچہ جو اور کھجوریں رکھ لیتے تھے۔ یہ خرچہ آپ اپنی ازواجِ مطہرات اور بنو عبدالمطلب کے لیے رکھتے تھے۔ بقیہ مال سے گھوڑے اور اسلحہ خرید لیتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ بنو عمرو بن عوف سے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو مہاجرین بھی آپ کے ساتھ ہی تشریف لے

آئے۔ انصار ان کے لیے مقابلہ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کے مابین قرعہ اندازی ہونے لگی۔ جس کے نام قرعہ نکل آتا وہ اپنے مہاجر بھائی کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ مہاجرین انصار کے گھروں اور اموال میں تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو اس غزوہ میں اموال ملے تو آپ نے حضرت ثابت بن قیسؓ کو یاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ”میرے لیے اپنی قوم کو بلاؤ۔“ حضرت ثابت نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم صرف خزرج کو۔“ آپ نے فرمایا: ”سارے انصار کو۔“ انہوں نے اوس اور خزرج کو بلایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ گفتگو کی۔ پہلے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر انصار کے ان احسانات کا تذکرہ کیا جو انہوں نے مہاجرین کے ساتھ کیے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور انہیں اپنے آپ پر ترجیح دی۔ پھر فرمایا: ”اگر تم پسند کرو تو میں بنو نضیر سے حاصل ہونے والا مال فتنے تم میں اور مہاجرین میں برابر تقسیم کر دیتا ہوں۔ مہاجرین حسب سابق تمہارے گھروں اور اموال میں رہیں گے۔ اگر تم پسند کرو تو یہ اموال میں مہاجرین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ وہ تمہارے گھروں میں سے چلے جائیں گے۔“ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ یہ اموال مہاجرین میں تقسیم فرمادیں۔ وہ پہلے کی طرح ہمارے گھروں میں ہی رونق افروز رہیں۔“ انصار نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارا سر تسلیم خم ہے اور ہم راضی ہیں۔“ حضور اکرم ﷺ نے عرض کی: ”مولا! انصار اور انصار کی اولاد پر رحم فرما۔“

آپ نے مال فتنے تقسیم فرمایا۔ یہ اموال مہاجرین میں تقسیم فرمائے۔ انصار میں سے کسی کو کچھ نہ دیا۔ صرف دو صحابہ کرام حضرات سہل بن حنیف اور ابو دجانہؓ کو حصہ دیا۔ اور حضرت سعد بن معاذؓ کو ابو کحقیق کی تلوار عطا کی۔ اس کی تلوار ان کے ہاں معروف تھی۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے ”حضور اکرم ﷺ نے انصار سے کہا: ”تمہارے بھائیوں مہاجرین کے پاس اموال نہیں ہیں۔ اگر تم پسند کرو تو میں یہ اموال تمہارے اور مہاجرین کے مابین برابر برابر تقسیم کر دیتا ہوں۔ اگر تم پسند کرو تو اپنے اموال تم اپنے پاس رکھو اور میں یہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ انصار نے عرض کی: ”آپ یہ اموال بھی ان میں تقسیم کر دیں اور ہمارے اموال میں سے جو چاہیں ان میں تقسیم کر دیں۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ (الحشر: ۹)

ترجمہ: ”اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔“

سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: ”اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے بخدا! ہماری اور تمہاری مثال

اسی طرح ہے جس طرح غنوی نے کہا ہے:

جزی اللہ عنا جعفرًا حین از لقت
ابوان یملونا و لو امنا
بنا نعلنا الواطئین فزلت
تلاقی الذی یلقون مناظلت

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جعفر کو جزائے خیر دے جبکہ چلنے والوں میں ہمارے پاؤں پھسل رہے تھے اور لرز رہے تھے۔ انہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ہم سے اکتائیں اگر ان حالات کا ہماری مال کو سامنا کرنا پڑتا جن کا سامنا انہیں کرنا پڑا تو وہ ہم سے اکتا جائیں۔“

عمر و بن سعدی یہودی کا حضور اکرم ﷺ کے بارے میں مکالمہ

محمد بن عمر نے ابراہیم بن جعفر سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ”جب بنو نضیر مدینہ طیبہ سے جلاوطن ہو گئے۔ تو عمرو بن سعدی آیا۔ اس نے ان کے گھروں کا چکر لگایا۔ کھنڈرات دیکھے غور و فکر کیا۔ پھر وہ بنو قریظہ کے پاس گیا وہ اپنے کنیسہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے ان کا بگل بجایا۔ یہودی جمع ہو گئے۔ زبیر بن باطا القرظی نے کہا: ”ابوسعید! تم آج تک کہاں رہے؟ میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔“ وہ کنیسہ سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ یہودیت کے مطابق عبادت کرتا تھا۔ اس نے کہا: ”آج میں نے عبرت افروز امور دیکھے ہیں۔ میں نے اپنے بھائیوں کے گھروں کو خالی دیکھا ہے۔ حالانکہ وہاں عبرت، مضبوطی، شرف اور عقل و دانش تھی۔ انہوں نے اپنے اموال ترک کر دیے تھے۔ دیگر لوگ ان کے مالک بن چکے تھے۔ وہ ذلت کے ساتھ جلاوطن ہوئے۔ بخدا! یہ امور کسی قوم پر مسلمانہ کیے گئے۔ اس سے قبل ابن اشرف کے ساتھ بھی عبرت انگیز سلوک ہوا۔ حالانکہ وہ اپنے گھروں میں امن کے ساتھ تھا۔ اس طرح ابن سفینہ کے ساتھ ہوا۔ وہ یہود کا سردار تھا۔ ان میں معزز اور مضبوط تھا۔ بنو قینقاع کے ساتھ بھی اسی طرح ہوا۔ انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ حالانکہ وہ یہود میں سے زیادہ کوشش کرنے والے تھے۔ ان کے پاس سامان اسلحہ اور شرف کی فراوانی تھی۔ انہوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ کسی انسان نے سر تک نہ نکالا حتیٰ کہ انہوں نے انہیں قیدی بنا لیا۔ ان کے بارے گفتگو کی گئی تو انہوں نے انہیں اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اے میری قوم! تم نے وہ کچھ دیکھ لیا جو دیکھا۔ تم میری اتباع کر لو۔ آؤ ہم محمد عربی ﷺ کی پیروی کر لیتے ہیں۔ بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ ہمارے علماء نے ان کے بارے خوشخبریاں دیں تھیں۔ ان کے آخری علماء ابو عمیر ابن الہیبان اور ابن جو اس تھے۔ وہ سارے یہودیوں سے زیادہ عالم تھے۔ وہ بیت المقدس سے ہمارے پاس آتے۔ وہ بھی حضور اکرم ﷺ کی آمد کے منظر تھے۔ انہوں نے ہمیں آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا۔ نیز یہ کہ ہم ان کی طرف سے آپ کو سلام دیں۔ پھر وہ اپنے دین پر مر گئے۔ وہ ہماری اس

سنگلاخ چٹانوں میں مدفون ہوئے۔ یہ سن کر ساری قوم پر سکتہ طاری ہو گیا کوئی بھی کلام نہ کر سکا۔ اس نے اپنا کلام دہرایا۔ انہیں جنگ، قید اور جلاوطنی سے ڈرایا۔

زبیر بن باطان نے کہا: ”تورات کی قسم! میں نے تورات میں ان کے اوصاف پڑھے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس مثالی میں ان کا تذکرہ نہیں جو اس نے ہمیں بیان کیا ہے۔“ کعب بن اسد نے کہا: ”اے ابو عبد الرحمن! تم ان کی اتباع کیوں نہیں کر لیتے؟“ اس نے کہا: ”سب سے بڑی رکاوٹ تم ہو۔ اے کعب!“ کعب: ”کیوں۔ تورات کی قسم میں کبھی تمہارے اور ان کے مابین حامل تو نہیں ہوا۔“ زبیر نے کہا: ”تم ہمارے معاہدے کرتے ہو۔ اگر تم ان کی اتباع کرو گے تو ہم ان کی اتباع کریں گے اگر تم انکار کرو گے تو ہم بھی انکار کر دیں گے۔“

عمر بن سعدی نے کعب کی طرف توجہ کی اور کہا: ”وہ تورات جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر طور سینا کے دن نازل ہوئی۔ وہ دنیا میں عبرت و شرف کا باعث ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں۔ وہ اور ان کی امت ان کے ساتھ ہی جنت میں جائے گی۔“ کعب نے کہا: ”ہم اپنے معاہدہ پر برقرار ہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے عہد کو نہیں توڑیں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حسی کیا کرتا ہے۔ اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ نکال دیا گیا ہے۔ میں نہیں دیکھتا کہ اسے قرار نصیب ہو حتیٰ کہ وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو جائے۔ اگر وہ ان پر فتح یاب ہو گیا تو ہمارا ارادہ بھی یہی ہے۔ ہم اپنے دین پر ٹھہرے رہیں گے۔ اگر وہ حسی پر فتح یاب ہو گئے تو پھر زندگی میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ ہم ان کی پناہ سے رخ پھیر لیں گے۔“ عمرو بن سعدی نے کہا: ”ہم امر کو مؤخر کیوں کر رہے ہیں حالانکہ وہ توجہ فرمائیں۔“ کعب نے کہا: ”اس کے اوپر کیا ہے۔ میں جب بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ارادہ کروں گا وہ مجھے ضرور جواب دیں گے۔“ عمرو: ”تورات کی قسم! انہیں ہم پر مدد حاصل ہے۔ جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم چل کر ہماری طرف آئیں گے اور ہم اپنے ہی قلعوں میں پوشیدہ ہو جائیں گے جنہوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے تو پھر ہم اپنے قلعوں سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ ہم ان کا حکم مان لیں گے۔ وہ ہماری گردنیں اڑا دیں گے۔“ کعب: ”ان کے بارے میں میرے پاس وہی کچھ تھا جو میں نے کہہ دیا ہے۔ میرا نفس نہیں چاہتا کہ وہ اسرائیلی کے قول کے تابع ہو۔ جو میرے لیے نہ نبوت کا فضل اور نہ کارناموں کی قدر جانتا ہو۔“ عمرو: ”بخدا! مجھے حیاتی کی قسم! وہ یہ سب کچھ جانتا ہے۔“

وہ اسی حالت پر تھے کہ انہیں علم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صحن میں اتر چکے ہیں۔ اس نے کہا: ”یہی بات میں تجھ سے کہتا تھا۔“ کیونکہ انہوں نے وہ عہد توڑ دیا تھا۔ جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ غرۃ خندق میں آپ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ عنقریب یہ تفصیل آرہی ہے۔ سورۃ الحشر کا اکثر حصہ ان کے بارے ہی نازل ہوا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: ”سورۃ الحشر“ انہوں

نے کہا: "اسے سورۃ النضیر بھی کہہ سکتے ہو۔" اللہ رب العزت نے فرمایا:

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْ اَخْرَجَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۗ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ
يَخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنْهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتَتْهُمْ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ
يَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي
الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يَاۤ اُولِيَ الْاَبْصٰرِ ② وَلَوْلَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلٰءَ
لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۗ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنْهُمْ شَاقُّوْا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ۗ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ
تَرَ كُتُوْبَهَا قٰبِلَةً عَلٰى اَصْوِلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْرِجَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤ وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى
رَسُوْلِهِ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى
مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنِ وَالْبَنِ السَّبِيْلِ ۗ كَى لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً
بَيْنَ الْاَغْنِيَاۤءِ مِنْكُمْ ۗ وَمَا اَتٰكُمْ الرَّسُوْلُ فَاْخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۗ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑦ لِّلْفُقَرَاۤءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۗ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑧ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُوْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑨ وَالَّذِيْنَ
جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاٰخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا
تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩ (الحشر)

ترجمہ: اللہ ہی کی پائی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب
بڑا دانا ہے۔ وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی بلا طینی کے
وقت۔ تم نے بھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکل پائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ انہیں ان کے

قلعے بچالیں گے اللہ کے قہر سے۔ پس آیا ان پر اللہ کا (قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب۔ چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے پس عبرت حاصل کرو اسے دیدہ بینا رکھنے والو۔ اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں جلاوٹی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ اور اس کے رسول کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے۔ جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے ہیں اپنی جڑوں پر تو یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تاکہ اللہ رسوا کرے فاسقوں کو اور جو مال پلٹا دینے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان سے لے کر تو تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تسلط بخشا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان کے گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے اس کے رسول کا ہے۔ اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے۔ تمہارے دولت مندوں کے درمیان اور رسول کریم جو تمہیں عطا فرمادیں۔ وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے ہے جنہیں (جبرا) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی راستباز لوگ ہیں (اور ان کا بھی اس مال میں حق ہے) جو دارِ ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) مہاجرین کی آمد سے پہلے ہجرت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں۔ اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچالیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ با مراد ہیں اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے۔ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لیے اے

ہمارے رب بے شک تو رؤف و رحیم ہے۔“

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بنو نضیر کی جلا وطنی اور ابن اشرف کے قتل کے بارے اپنے اشعار میں فرماتے ہیں:

لقد خزیتُ بعد رتھا الحُبُورُ کذاک الدھر ذو صرف یُدور

ترجمہ: ”یہود کے علماء اپنے دھوکہ کی وجہ سے رسوا ہو گئے۔ زمانہ اسی طرح گردش کرتا ہے وہ پھر پھر کرتا ہے۔“

و ذلک انہم کفروا برب عزیز امرہ امرٌ کبیر

ترجمہ: ”اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے غالب رب تعالیٰ کا انکار کیا جس کا حکم ہر امر سے بڑا ہے۔“

و قد اوتوا معًا فہما و علما و جاء ہم من اللہ نذیر

ترجمہ: ”حالانکہ انہیں علم اور فہم اٹھے عطا کیے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک نذیر (حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بھی آیا۔“

نذیرٌ صادق ادی کتابا و آیات مبینة تذیر

ترجمہ: ”وہ ایک سچے نذیر ہیں انہوں نے ایک کتاب اور واضح ضوفاں معجزات عطا کیے۔“

فقالوا ما اتیت بامر صدق و انت بمنکرٍ منا جدیر

ترجمہ: ”مگر ان یہودیوں نے کہا: ”تم سچا امر لے کر نہیں آئے۔ تم ہماری جانب سے برے سلوک کے مستحق ہو۔“

فقال بلی: لقد ادیت حقًا یصدّقنی بہ الفہم الخبیر

ترجمہ: ”آپ نے فرمایا: ”ضرور! میں نے تو حق تبلیغ ادا کر دیا ہے اس کے ساتھ سمجھدار اور آگاہ شخص میری

تصدیق کرتا رہے گا۔“

فمن یتبعہ یعہد لکل رشید و من یکفر بہ یجز الکفور

ترجمہ: ”جو شخص اس کی اتباع کرے گا ہر ہدایت کی طرف اس کی راہ نمائی ہوگی جو انکار کرے گا اسے انکار کی

سزا ملے گی۔“

فلما اشربوا غدرًا و کفرًا و جدّ بہم عن الحقّ النفور

ترجمہ: ”جب وہ کفر اور دغا کی وجہ سے سیراب ہو گئے اور نفرت نے حق سے ان کا ہر طرف سے گھیراؤ کر لیا۔“

اری اللہ النہیٰ برای صدق و کان اللہ یحکم لا یجور

ترجمہ: ”تو رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سچی رائے دکھائی۔ رب تعالیٰ حق فیصلہ کرتا ہے وہ ظلم

نہیں کرتا۔

فأَيَّدَهُ و سلطه عليهم و كان نصيره نعم النصير

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کو تائید بخشی ان یہودیوں پر آپ کو غلبہ عطا فرمایا۔ وہ آپ کا مددگار ہے وہ کتنا عمدہ مددگار ہے۔“

فغودرَ منهم كعبَ صريعًا فزلت بعد مصرعه النصير

ترجمہ: ”یہودیوں میں سے کعب کو پچھاڑا ہوا چھوڑا گیا۔ اس کے قتل کے بعد یہودی ذلیل و رسوا ہو گئے۔“

على الكفين ثم و قد علتہ بايدينا مشهرة ذكور

ترجمہ: ”نیام سے نگی ہوئی عمدہ تلواریں ہمارے ہاتھوں میں آئیں اور پھر ہماری وجہ سے کعب پر چھا گئیں۔“

بامر محمد اذ دس ليلاً الى كعب اخا كعب يسير

ترجمہ: ”یہ سب کچھ آپ کے حکم سے ہوا۔ جب رات کے وقت آپ نے کعب کے بھائی کو کہا کہ وہ کعب کے پاس جائے۔“

فماكره فانزله بمكرٍ و مهودٌ اخو ثقة جسورٌ

ترجمہ: ”اس نے مکر کیا۔ خفیہ تدبیر سے اسے نیچے اتار دیا۔ قابل بھروسہ اور طاقت ور محمود بھی اس کے ساتھ تھا۔“

فتلك بنو النصير بدارِ سوءٍ ابارهم بما اجترموا المبير

ترجمہ: ”یہ بنو نصیر تھے جو برائی کے گھر میں تھے بلاک کرنے والے نے انہیں جرم کی سزا میں برباد کر دیا۔“

غداة اتاهم في الزجف رهوا رسول الله وهو بهم بصير

ترجمہ: ”اس روز حضور ﷺ ان کے ہاں جلوہ افروز ہوئے آپ انہیں پوری طرح دیکھ رہے تھے۔“

و غسان الحماية مؤا زروه على الاعداء وهو لهم وزير

ترجمہ: ”بنو غسان آپ کے مددگار اور معاون تھے۔ وہ آپ کے دشمن کے خلاف آپ کی مدد کر رہے تھے۔“

وقال السلم و يحكم فصدوا و خالف امرهم كذبٌ وزور

ترجمہ: ”آپ نے ان سے فرمایا: تمہارے لیے بلاکت تم صلح کر لو مگر رک گئے جھوٹ اور مکر و فریب ان کا

ساتھی بن گیا۔“

فذاقوا غب امرهم و بالأل لكل ثلاثة منهم بعير

ترجمہ: ”انہوں نے اپنے امر کی سزا کا مزہ چکھ لیا۔ ان کے تین افراد کے لیے ایک اونٹ تھا۔“
و اجلوا عامدین لقینقاع و غودر منهم نخل و دوز
ترجمہ: ”وہ جلاوطن ہو گئے وہ بنوقینقاع کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنی کھجوریں اور گھر پیچھے چھوڑ گئے تھے۔“

تنبیہات

❖ ۱۔ انضیر۔ یہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ جو عرب میں فروکش ہوا تھا۔ ان کا نسب حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ ملتا تھا۔ یہ قبیلہ اس سے قبل کبھی جلاوطن نہیں ہوا تھا۔ رب تعالیٰ نے اس کے مقدر میں یہ جلاوطنی لکھ دی تھی۔

❖ ۲۔ الہدی میں ہے ”امام زہری کا گمان ہے کہ غزوہ بنونضیر غزوہ بدر سے چھ ماہ بعد رونما ہوا تھا۔ یہ ان کا وہم ہے۔ امام زہری نے اسے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے۔ امام ذہبی اور امام بیہقی نے اسے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے لیکن امام زہری نے لکھا ہے ”امام زہری کے ایک راوی نے اسی طرح کیا ہے۔ یہ عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ لیکن ام المؤمنین کا ذکر محفوظ نہیں ہے۔ اس کے بارے ابن کثیر کا کلام گزر چکا ہے۔“

❖ ۳۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کی کھجوریں جلائیں اور کائیں۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمْوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ. (الحشر: ۵)

ترجمہ: ”جو درخت تم نے کائے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا۔“
ان ہی سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کی کھجوریں جلائیں تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

و هان علی سرارة بن لوی حریق بالبویرة مستطیر

ترجمہ: ”بنولوی کے خاندان پر وہ آگ آسان ہو گئی جو ہلاکت کے ساتھ شعلہ بارتھی۔“

ابوسفیان بن حارث نے اپنے اسلام لانے سے قبل انہیں یہ جواب دیا:

ادام الله ذالك من صنع و حرق فی جوانبها السعیر

ستعلم اینا منها بنزه و تعلم اقی ارضینا تضیر

ترجمہ: ”رب تعالیٰ اس کا رنامے کو ہمیشہ برقرار رکھے اور اس کے ارد گرد آگ شعلہ فشاں ہو تم عنقریب جان لو

گے کہ کون اس سے دور ہے اور تم جان لو گے کہ ہماری دوزمینوں میں سے کس پر تم ظلم کرتے ہو؟“

الحافظ نے لکھا ہے ”ان اشعار کی نسبت حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی طرف اور ابوسفیان بن حارث کا جواب مشہور ہے۔ جیسے کہ یہ صحیح میں ہے۔ ابوالفتح نے ابو عمرو الشیبانی سے لکھا ہے ”جس نے پہلا شعر لکھا تھا وہ ابوسفیان بن حارث تھے۔ انہوں نے حسان کی جگہ عز لکھا اور جس نے جواب دیا وہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ تھے۔ امام بخاری کی روایات سے یہی شبہ ہوتا ہے۔“

الحافظ نے لکھا ہے ”میرے نزدیک صحیح اسی طرح ہے جیسے صحیح البخاری میں موجود ہے کیونکہ قریشی ہر اس شخص کی مدد کرتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتا تھا وہ اسے نصرت اور تعاون سمجھتے تھے جب اس غزوہ میں بنو نضیر کو رسوائی اٹھانا پڑی تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے تاکہ قریش کو زبردستی ہو سکے کہ ان کے ساتھی کیسے رسوا ہوئے وہ لو ہی ہی تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار غزوہ بنو قریظہ کے بارے کہے تھے۔ انہوں نے بنو نضیر کا

ذکر ویسے ہی کر دیا تھا۔ غزوہ بنو قریظہ میں یہ سارے اشعار آ رہے ہیں۔“

ابوسفیان نے جواب میں کہا تھا ”تعلما ای ارضینا نضیر“ جو امر ترجیح دیتا ہے وہ وہی ہے جو صحیح میں ہے کیونکہ بنو نضیر کی زمین انصار کی زمین کے ساتھ ہی تھی۔ جب وہ خراب ہوئی تو اس کے اثرات قرب کی زمین پر بھی پڑے۔ لیکن قریش کی زمین کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہ ان سے بہت زیادہ دور تھی۔ انہیں ان کی خرابی کی پروا نہ تھی۔ گویا کہ ابوسفیان کہہ رہا ہے ”بنو نضیر کی زمین کا خراب ہونا اور اس کا جل جانا پڑوسی کی زمین کو خراب کر دیتا ہے۔ تمہاری زمین ہی اس کے پڑوس میں ہے اسی کو نقصان ہوا ہے ہماری زمین کو نہیں۔“ اس کو اس کے برعکس پر تکلف کے ساتھ ہی محمول کیا جاسکتا ہے۔ جس نے اس موقف کا انکار کیا ہے اس نے اسے عجیب سمجھا ہے کہ ابوسفیان کفار کی زمین کے لیے بھی اسی طرح کے جل جانے کی دعا مانگ رہا ہو۔ ”ادام اللہ ذالک من ضیع“ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کفر کا اسم انہیں جامع تو تھا۔ لیکن دینی عداوت ان کے مابین قائم تھی۔ کیونکہ اہل کتاب اور بت پرستوں میں بڑا فرق ہے۔ اسی طرح یہ مصرعہ ”و حرق فی نواحبہا السعیر“ اس سے مراد مدینہ طیبہ کا گرد و نواح ہے۔ یہ بھی مسلمانوں کے لیے بددعا ہے۔



غزوہ بدر الموعود

اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ ابوسفیان بن حرب جب غزوہ احد سے واپس آنے لگا تو اس نے باواز بلند کہا: "آئندہ سال ہماری اور تمہاری ملاقات بدر الصفراء کے مقام پر ہوگی۔ ہم وہاں جنگ کریں گے۔" حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو فرمایا اسے کہو: "ہاں! ان شاء اللہ۔" اسی پر لوگ جدا ہو گئے۔ قریش واپس آگئے۔ انہوں نے اپنے لوگوں کو اس وعدہ کے بارے بتا دیا تھا۔ بدر الصفراء ایک میدان تھا۔ جہاں اہل عرب جمع ہوتے تھے۔ یہاں ایک میلہ لگتا تھا۔ جب ذوالقعدہ کی آٹھ راتیں گزر جاتی تھیں تو یہ میلہ لگتا تھا۔ جب آٹھ راتیں اور گزر جاتیں تو لوگ اپنے اپنے شہروں کو لوٹ جاتے تھے۔ جول جول وعدہ کا وقت قریب آ رہا تھا ابوسفیان حضور اکرم ﷺ کی طرف روانہ ہونا زیادہ ناپسندیدہ سمجھتا جا رہا تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ اس مقررہ وقت میں آپ سے ملاقات نہ ہی ہو۔ وہ ظاہر یہی کر رہا تھا کہ وہ ایک لشکر جرار لے کر آپ پر حملہ آور ہونے کے لیے تیاری کر رہا ہے۔ اہل مدینہ تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ عرب کے گوشے گوشے میں یہ خبر پھیلا دی گئی تاکہ مسلمانوں کو خوفزدہ کیا جاسکے۔

نعیم بن مسعود الاشجعی مکہ مکرمہ آیا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ابوسفیان اور قریش مکہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ ابوسفیان نے اسے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جانے کو ناپسند کر رہا ہے۔ اس نے قحط سالی کا غدر پیش کیا۔ اس نے نعیم بن مسعود کے لیے بیس اونٹنیاں مقرر کیں۔ انہیں سہیل بن عمرو کے پاس رکھا۔ بشرطیکہ وہ مسلمانوں کو اتنا پست ہمت کر دے کہ وہ اس جنگ کے لیے عازم سفر نہ ہوں۔ اس نے اسے اونٹ پر سوار کیا۔ وہ مدینہ طیبہ آیا۔ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے ابوسفیان کے لشکر کی کثرت کی ڈھینگیں ماریں۔ وہ سارے مسلمانوں کے پاس جاتا رہا۔ مسلمانوں نے نیت کر لی کہ وہ اس جنگ کے لیے عازم سفر نہیں ہوں گے۔ یہ سن کر منافقین اور یہودی خوشیاں منانے لگے۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی ﷺ اس لشکر جرار سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔" یہ خبریں آپ تک بھی پہنچ گئیں۔ آپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ شاید آپ کے ساتھ کوئی عازم سفر نہ ہو۔ حضرت سیدنا

ابو بکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی یہ افواہیں سن لیں تھیں۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرے گا۔ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کس پر سچی عہدوں کا تاج سجائے گا۔ ہم نے قوم کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ ہم اس کی خلاف ورزی پسند نہیں کرتے۔ وہ اسے بزدلی شمار کریں گے۔ آپ وعدہ کے مطابق تشریف لے چلیں۔ بخدا! اس میں بھلائی ہے۔“ یہ جذبات سن کر آپ بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا: ”مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں ضرور نکلوں گا خواہ میرے ساتھ ایک فرد بھی عازم سفر نہ ہو۔“ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصرت فرمائی۔ وہ سارے شیطانی وساوس کا فور ہو گئے جنہوں نے انہیں مرعوب کر رکھا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی روانگی

ابن اسحاق کے مطابق آپ نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ آپ نے نیابت فرانس حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ آپ پندرہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ ان میں کئی گھوڑے بھی تھے۔ ایک گھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، ایک گھوڑا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے، ایک گھوڑا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے تھا۔ درج ذیل صحابہ کرام اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت ابو قتادہ، حضرت سعید بن زید، حضرت مقداد بن الاسود، حضرت خباب بن منذر، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ۔ آپ نے اسلام کا علم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ مسلمان اپنے ہمراہ سامان تجارت بھی لے گئے تھے انہوں نے بہت زیادہ نفع پایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے ایک دینار کے عوض ایک دینار نفع حاصل کیا۔“

ذوالقعدہ کا چاند طلوع ہوا تو مسلمان میدان بدر میں پہنچ چکے تھے۔ صبح میلانگ گیا۔ مسلمان آٹھ روز تک وہیں ٹھہرے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں جلوہ افروز ہو کر ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے۔ ”مختشی بن عمرو ضمیری آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ غزوہ وذان میں آپ نے اس کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میلے میں شریک لوگوں میں سے سب سے زیادہ تھے۔ اس نے عرض کی: ”محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی باقی نہیں بچا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے آنے کا مقصد صرف میلے میں شرکت کرنا ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر تو پسند کرتا ہے تو ہم اس معاہدہ کو کالعدم قرار دیتے ہیں جو ہمارے اور تیرے مابین تھا۔“ مختشی نے کہا: ”ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے ہاتھ آپ سے روکے رکھیں گے اور اس معاہدہ پر برقرار ہیں۔“

ابوسفیان نے قریش سے کہا: ”ہم نے نعیم بن مسعود کو بھیج دیا ہے۔ وہ مسلمانوں کو عازم سفر ہونے سے پست ہمت کر

دے گا۔ وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن ہم ایک یا دو راتوں کے لیے نکلیں گے۔ پھر ہم واپس آجائیں گے اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عازم سفر نہ ہوئے اور انہیں یہ خبر مل گئی کہ ہم عازم سفر ہوئے تھے تو یہ ان پر ہماری فتح ہوگی۔ اگر وہ عازم سفر ہو گئے تو ہم بہانہ کریں گے کہ اس سال قحط سالی کا دور دورہ ہے۔ ہم کسی شادابی کے سال عازم سفر ہوں گے۔ قریش نے کہا: ”یہ اچھا مشورہ ہے۔“ قریش عازم سفر ہوئے۔ ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ ان میں پچاس گھڑ سوار تھے۔ وہ الظہران کے ایک گوشے مجنہ تک پہنچے پھر ابوسفیان نے کہا: ”واپس لوٹ چلو۔ ہم کسی شادابی کے سال نکلیں گے۔ جس میں جدی بوٹیاں عام ہوں۔ جس میں اپنے جانور چرائیں اور دودھ پیئیں۔ یہ قحط سالی کا دور ہے میں واپس ہونے لگا ہوں تم بھی واپس لوٹ چلو۔ اہل مکہ نے اس لشکر کا نام ”جیش السویق“ رکھا۔ وہ کہتے: ”وہ تو ستوپینے کے لیے نکلے تھے۔“

معبد بن ابی معبد خزاعی میلا ختم ہونے کے بعد جلدی سے عازم سفر ہوئے۔ مکہ مکرمہ پہنچے مسلمانوں کی کثیر تعداد کے بارے بتایا کہ ان کی تعداد ان سارے لوگوں سے زیادہ تھی جو اس میلا میں شریک تھے۔ ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان بھی سنایا جو آپ نے ضمیری کو کہا تھا۔ صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا: ”بخدا! میں نے تجھے غزوہ احد میں منع کیا تھا کہ تو مسلمانوں کے ساتھ وعدہ نہ کر۔ اب وہ ہم پر جرات کر کے میدان بدر میں آگئے ہیں۔ ہم نے وعدہ خلافی کی ہے۔ ہمیں ناتوانی نے روک رکھا۔“ قریش مکہ و فریب میں لگ گئے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے سرمایہ جمع کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے ارد گرد اہل عرب کو جنگ کی صدا دی۔ اموال جمع کیے انہوں نے اہل مکہ سے ٹیکس لیا۔ ہر ایک شخص ان کے پاس مال لے کر آیا۔ کسی سے ایک اوقیہ سے کم مال قبول نہ کیا۔ تاکہ جنگ خندق ہو سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اس غزوہ کے بارے اشعار

وعدنا ابا سفیان بددا فلم نجد
لميعاده صدقا وما كان وafia

ترجمہ: ”ہم نے ابوسفیان کے ساتھ مقام بدر پر معرکہ آزما ہونے کا وعدہ کیا لیکن ہم نے پایا کہ وہ اپنے وعدہ کا سچا نہ تھا نہ ہی وہ وعدہ ایفاء کرنے والا تھا۔“

فاقسم لو وافيتنا لقيتنا
لابت ذميا و افتقدت المواليا

ترجمہ: ”میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو ہمارے مقابلہ میں آتا اور ہمارے ساتھ جنگ کرتا تو تو اس حالت میں لو تھا کہ تیری مذمت کی جاتی اور تو اپنے رشتہ داروں کو گم پاتا۔“

ترکنا بہ اوصال عتبه و ابنہ و عمرًا باجہل ترکناہ ثاویًا

ترجمہ: ”ہم نے ہی عتبہ اور اس کے بیٹے کے جوڑ جدا کیے تھے اور ابو جہل عمر کو بھی زیر زمین کر دیا تھا۔“

عصیتم رسول اللہ اف لدينکم و امرکم السیء الذی کان غاویا

ترجمہ: ”تم نے حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی کی تمہارے دین کی وجہ سے تم پر افسوس! تمہارے اس برے فعل پر افسوس ہے جو گمراہ کن تھا۔“

فانی و ان عنفتونی لقائل فدی لرسول اللہ اہلی و مالیا

ترجمہ: ”میں ضرور یہ بات کروں گا خواہ تم مجھے کتنا ہی برا کہو کہ میرے اہل و عیال اور مال سب کچھ حضور والا

ﷺ پر قربان ہو جائیں۔“

اطعناہ لم نعذلہ فینا بغیرہ شہابًا لنا فی ظلمة اللیل ہادیا

ترجمہ: ”ہم نے آپ کی اطاعت کر لی ہے اور ہم کسی کو آپ کی مثال شمار نہیں کرتے آپ ظلمت بھری رات میں

ایسا شہاب میں جو سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔“

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار

دعوا فلجات الشام قد حال دونہا جلاذ کافواہ المخاص الاوارک

ترجمہ: ”تم اب شام کی وادیوں کو خیر آباد کہہ دو ان کے مابین ایسی تلواریں مائل ہو چکی ہیں جو اراک کے

درخت کھانے والی ماملہ اونٹنیوں کی طرح ہیں۔“

بایدی رجال ہاجروا نحوہم و انصارہ حقا و ایدی الملائک

ترجمہ: ”وہ تلواریں ایسے مبارک لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے لیے ہجرت کی

جو اس کے سچے انصار ہیں اور وہ تلواریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔“

اذا سلکت للغور من بطن عالج فقولا لها لیس الطریق ہنالک

ترجمہ: ”اے شخص! جب ریت والی زمین کے نچلے علاقے سے تو گزرے تو قریش کو بتادینا کہ اب یہاں کوئی

رستہ نہیں ہے۔“

اقمنا علی الریس النزوع ثمانیا بارعن جرار عریض المبارک

ترجمہ: ”ہم نے آٹھ روز تک بدر کے اس کنوئیں پر قیام کیا جس سے ہاتھوں کے ذریعے پانی نکالا جاتا ہے ایسے مبارک لشکر جبار کے ساتھ جس نے وسیع جگہ گھیری ہوئی تھی۔“

بکل کمیت جوزة نصف خلقه
و قبت طوال شرفات الحوارک
ترجمہ: ”ہمارے ہمراہ ایسے کمیت گھوڑے تھے جن کے پیٹ ہی ان کے جسم کا نصف تھے وہ پتلی کمر والے طویل قامت اور بلند کندھوں والے تھے۔“

تری العرج العاصی تندی اصوله
مناسم اخفاف المطی الرواتک
ترجمہ: ”تم یہاں دیکھو گے کہ اس جگہ ایک سال کی اگی ہوئی عرج گھاس ہے جس کی جڑوں کو تیز رفتار اونٹوں کے پاؤں نے اڑا دیا ہے۔“

فان نلق فی تطوافنا و التماسنا
فرات اتن حیان یکن رهن هالك
ترجمہ: ”اگر ہمیں تلاش اور جستجو میں فرات بن حیان مل گیا تو وہ ہلاک ہونے والے کے پاس بطور رہن رکھ دیا جائے گا۔“

وان تلق قیس ابن امری القیس بعدہ
یزد فی سواد لونہ لون حالک
ترجمہ: ”اور اگر اس کے بعد قیس بن امری القیس مل گیا تو اس کی سیاہ رنگت میں مزید سیاہی کا اضافہ کر دیا جائے گا۔“

فابلغ اباسفیان عتی رسالہ
فانک من غر الرجال الصعالك
ترجمہ: ”تو میری طرف سے ابوسفیان کو پیغام دے دے کہ تو مفلس اور دھوکہ باز لوگوں میں سے ایک ہے۔“

تنبیہ

البدایہ میں ہے: ”امام واقدی نے لکھا ہے کہ ذوالقعدہ کی پہلی رات حضور اکرم ﷺ اس غزوہ کے لیے عازم سفر ہوئے۔ یعنی چار ہجری کو۔ لیکن ابن اسحاق کا قول صحیح ہے کہ آپ اس سال ماہ شعبان میں عازم سفر ہوئے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ نے بھی ماہ شعبان لکھا ہے لیکن انہوں نے تین ہجری کا قول کیا ہے۔ یہ وہم ہے۔ غزوہ احد میں انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ جبکہ غزوہ احد تین ہجری ماہ شوال میں ہوا تھا۔“



غزوہ دومۃ الجندل

اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ آپ شام کے قریب تشریف لے جائیں۔ آپ سے عرض کی گئی: ”یہ علاقہ شام کے سردی علاقوں کے قریب ہے۔ اگر آپ اس کے قریب جائیں گے تو اس سے قیصر خوفزدہ ہو جائے گا۔“ آپ سے عرض کی گئی کہ وہاں ایک بہت بڑا لشکر جمع ہے جو مسافروں پر ستم ڈھاتے ہیں وہ مدینہ طیبہ پر بھی حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو جہاد کی دعوت دی۔ حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ ایک ہزار صحابہ کرام کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ دن کے وقت آپ آرام فرماتے اور رات کے وقت سفر فرماتے تھے۔ بنو غدرہ کا ایک شخص رستہ بتانے کے لیے آپ کے ہمراہ تھا۔ اس کا نام مذکور تھا۔ وہ ایک ماہر رستہ بتانے والا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ لے کر نکلا وہ ان کے عام رستہ سے ہٹ کر گزرا۔ جب آپ دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو اس نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کے پاس ان کے جانور چر رہے ہیں۔ آپ ذرا یہیں ٹھہریں میں آگے جا کر جائزہ لیتا ہوں۔“ آپ نے فرمایا: ”ٹھیک ہے۔“

وہ شخص اکیلے ہی نکلا اس نے اونٹوں اور بکریوں کے آثار دیکھ لیے۔ وہ اپنی پناہ گاہوں میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ شخص واپس آیا۔ آپ کو بتایا۔ حضور اکرم ﷺ نے آگے بڑھ کر ان کے مویشیوں اور چرواہوں پر قبضہ کر لیا۔ کچھ چرواہے بھاگ گئے۔ دومۃ الجندل کے لوگ منتشر ہو گئے۔ آپ ان کے میدان میں تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ آپ کچھ دن وہاں قیام فرما رہے۔ مختلف گروہ ارد گرد بھیجے ہر گروہ اونٹ لے کر آتا۔ لیکن جنگ کی نوبت کسی کے ساتھ نہ آئی۔ صرف حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو پکڑا۔ اسے بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اس سے اس کے ساتھیوں کے بارے پوچھا۔ اس نے کہا: ”جب انہوں نے آپ کے بارے سنا ہے تو وہ بھاگ گئے ہیں۔“ آپ کئی روز اس شخص پر اسلام پیش کرتے رہے بالآخر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ رستہ میں آپ نے عیینہ بن حصن سے معاہدہ کیا کہ وہ اپنے جانور تغلمین سے لے کر امراض تک چروالیا کرے۔ اس کے شہر قحط سالی کا شکار تھے۔

غزوہ بنی مصطلق

اسے غزوۃ المرسیع کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حارث بن ابی ضرار بنو مصطلق کا سردار تھا۔ اس نے اپنی قوم اور اہل عرب کو آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار کیا۔ انہوں نے ارادہ کر لیا کہ آپ کی طرف نکلیں۔ وہ الفرع کے ایک کونے میں جمع ہو رہے تھے۔ ان کی یہ بات آپ تک پہنچ گئی۔ آپ نے حضرت بریدہ بن حبیب کو بھیجا تا کہ حالات معلوم کر کے آئیں۔ انہوں نے آپ سے اجازت طلب کر لی کہ وہ آپ کے خلاف واقع کچھ کہہ لیں۔ آپ نے اجازت دے دی۔ وہ عازم سفر ہوئے اور ان کے چشمہ پر انہیں جاملے۔ انہوں نے مغرور لوگوں کی ایک قوم دیکھی، جنہوں نے حارث کی صدا پر لبیک کہا تھا۔ اس نے لشکر جراز جمع کر رکھا تھا۔ انہوں نے پوچھا: ”کون ہو؟“ حضرت بریدہ: ”میں تم میں سے ہی ایک شخص ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم اس شخص کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہو۔ میں اپنی قوم اور اطاعت گزاروں کو لے کر آؤں گا۔ ہم یکجان ہو کر انہیں جو سے اکھیر پھینکیں گے۔“

حارث: ”ہمارا مقصد یہی ہے۔ جلدی سے آ جاؤ۔“ حضرت بریدہ: ”میں جاتا ہوں اور اپنی قوم کا عظیم لشکر لے کر تمہارے پاس آ جاتا ہوں۔“ یہ سن کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں آئے اور سارے حالات عرض کیے۔ آپ نے صحابہ کرام کو جہاد کی دعوت دی۔ دشمن کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے نکلنے میں جلدی کی۔

مرسیع کی طرف آپ کی روانگی

آپ نے نیابت کے فرائض حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپے۔ محمد بن عمر اور ابن سعید نے یہی لکھا ہے۔ ابن ہشام نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے اسی طرح حضرت نمیلہ بن عبد اللہ اللیثی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس تیس گھوڑے تھے۔ مہاجرین کے پاس دس گھوڑے تھے۔ دو گھوڑے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے: (۱) لزاز (۲) الطرب۔ آپ کے ساتھ بہت سے منافقین بھی عازم سفر ہوئے۔ وہ اس سے قبل کسی غزوہ کے لیے نہیں نکلے تھے۔ وہ جہاد کے لیے نہیں نکلے تھے بلکہ مالِ غنیمت کے لیے نکلے تھے۔ نیز مسافت بھی قریب تھی۔ آپ عازم سفر ہوئے۔ آپ خلافت کے

ساتھ ساتھ چلے۔ آپ اسی جگہ فروش ہو گئے۔ بنو عبدالمقیس میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اس نے آپ کو سلام عرض کیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: ”تیرے اہل خانہ کہاں ہیں؟“ اس نے کہا: ”الروحاء کے مقام پر۔“ آپ نے پوچھا: ”کہاں کا ارادہ ہے؟“ اس نے عرض کی: ”میں آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہو رہا تھا تا کہ آپ پر ایمان لے آؤں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ پیغام حق لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ میں آپ کے ہمراہ ہو کر دشمن سے جہاد کروں گا۔“ آپ نے فرمایا: ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تمہیں اسلام کی طرف ہدایت دی۔“ اس نے عرض کی: ”کون سا عمل افضل ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”اول وقت میں نماز ادا کرنا۔“

آپ کو دشمن کا ایک جاسوس ملا۔ آپ نے اس سے ان کے بارے پوچھا۔ لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ آپ نے اس پر اسلام پیش کیا مگر اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اس کی گردن اڑادی۔ آپ مرسیع پہنچے۔ آپ کی روانگی کی خبر دشمن تک پہنچ چکی تھی۔ انہیں یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ آپ نے ان کے جاسوس کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ اہل عرب حارث کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ کے لیے چمڑے کا خیمہ لگا دیا گیا۔ امہات المؤمنین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما آپ کے ہمراہ تھیں۔ حارث بھی جنگ کے لیے تیار ہو گیا آپ نے صحابہ کرام کی صف بندی کی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ دوسرا قول ہے کہ حضرت عمار بن یاسر کو عطا کیا۔ انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کریں: ”اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو اور اس کے ذریعے اپنے نفوس اور اموال محفوظ کر لو۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا مگر مشرکین نے انکار کر دیا۔ کچھ دیر تیر اندازی ہوتی رہی۔ پہلے مشرکین میں سے ایک شخص نے تیر پھینکا۔ مسلمان بھی کچھ دیر تیر اندازی کرتے رہے۔ پھر آپ نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یکبار حملہ آور ہو جائیں۔ انہوں نے یکجان ہو کر حملہ کیا۔ مشرکین میں سے ایک شخص بھی نہ بچا دس مقتول ہوئے بقیہ قیدی بنے آپ نے ان کے مرد، خواتین، اولاد اور جانور قیدی بنا لیے۔

صحیحین میں ہے: ”آپ نے ان پر حملہ کیا۔ وہ غافل تھے۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ اس کا نام ہشام بن صبابہ تھا۔ انہیں ایک انصاری صحابی نے شہید کر دیا۔ وہ حضرت عبادہ بن صامت کے قبیلہ میں سے تھے۔ اس نے انہیں مشرکین میں سے شمار کیا اور خطا قتل کر دیا۔ آپ نے اس کی دیت دینے کا حکم دیا۔ ان کے بھائی مقیس بن صبابہ نے دیت پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے قاتل کے بھائی پر حملہ کر دیا اور اسے مار ڈالا۔ پھر مرتد ہو کر قریش سے جا ملا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا۔ فتح مکہ کے روز اسے تہ تیغ کر دیا گیا۔“

حضرت ابوقنادہ نے کہا: ”اس روز مشرکین کا جھنڈا صفوان ذوالشقرہ نے اٹھا رکھا تھا۔ جونہی مجھے موقع ملا تو میں

نے اس پر حملہ کر دیا۔ ہمیں فتح ہو گئی۔ اس روز مسلمانوں کا شعار ”یا منصور امت“

محمد بن عمر نے حضرت ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم مرسیع پر تھے۔ میں نے والد کو سنا وہ کہہ رہا تھا ”اتنا بڑا لشکر آ گیا ہے جس کا مقابلہ کرنے کی سکت ہم میں نہیں۔“ میں اتنے زیادہ مجاہدین اور گھوڑے دیکھ رہی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ جب میں نے اسلام قبول کیا اور سرورِ دو عالم ﷺ نے مجھے حبالہ عقد میں لیا تو میں مسلمانوں کو دیکھنے لگی وہ مجھے پہلے کی طرح کثیر نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں سمجھ گئی کہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے رعب تھا۔ جو اس نے مشرکین کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔“

ان میں سے ایک شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس نے اپنا اسلام بہت عمدہ کیا وہ کہتا تھا ”ہم نے سفید مرد دیکھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ ہم نے نہ انہیں پہلے اور نہ ہی بعد میں دیکھا تھا۔“

مال غنیمت کی تقسیم

آپ نے حکم دیا قیدیوں کے کندھے باندھ دیے گئے۔ آپ نے حضرت بریدہ بن حبیب کو ان کانگراں مقرر کیا۔ ان کے پاس جو مال و متاع اور اسلحہ تھا اسے جمع کر لیا گیا۔ جانوروں کو ہانک کر لایا گیا۔ آپ نے ان پر اپنے غلام حضرت شقران کو نگران مقرر کیا۔ ایک کونے میں بچے جمع کیے خمس اور مسلمانوں کے حصوں پر حضرت حمیہ بن جزمہ رضی اللہ عنہما کو نگران مقرر کیا۔ آپ نے سارے مال غنیمت میں سے خمس نکالا۔ حضرت حمیہ بن جزمہ اس کے نگران تھے۔ خمس ان کے پاس ہی جمع ہوتا تھا۔ صدقات علیحدہ ہوتے تھے۔ اہل فتنے صدقہ سے علیحدہ ہوتے تھے۔ اہل صدقہ مال فتنے سے جدا گانہ ہوتے تھے۔ آپ صدقہ کے مال میں سے یتیم، مسکین اور کمزوروں کی مدد کرتے تھے۔ جب یتیم بالغ ہو جاتا تو وہ مال فتنے کی طرف منتقل ہو جاتا اسے صدقہ سے نکال دیا جاتا اس پر جہاد واجب ہو جاتا اگر وہ جہاد کو ناپسند کرتا اور اس کا انکار کرتا تو اس کو صدقہ میں سے کچھ بھی نہ دیا جاتا تھا۔ اسے کہا جاتا کہ وہ اپنے لیے خود کمائی کرے۔ آپ کسی سائل کو نہیں روکتے تھے۔ آپ کی خدمت میں دو افراد آئے انہوں نے آپ سے خمس میں سے کچھ مانگا۔ آپ نے فرمایا: ”اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں اس سے کچھ دے دیتا ہوں۔ اس میں کسی امیر یا مضبوط کمائی کرنے والے کا کوئی حصہ نہیں۔ قیدیوں کو تقسیم کر دیا گیا مال اور بھیڑ بکریوں کو بھی تقسیم کر دیا گیا۔ ایک اونٹ کا عوض دس بکریوں کو مقرر کیا گیا۔ بوسیدہ سامان فروخت کر دیا گیا۔ گھوڑے کے لیے دو حصے اور گھڑ سواروں کے لیے ایک حصہ نکالا گیا۔ پیادہ کے لیے بھی ایک حصہ نکالا گیا۔ اونٹوں کی تعداد دو ہزار تھی۔ بکریوں کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ قیدیوں کی تعداد دو سو تھی۔ حضرت جویریہ بنت مارث رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ

میں آئیں۔ انہوں نے ان کے ساتھ نواوقیہ سونے سے مکاتبت کر لی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ عقد میں

ابو عمر نے لکھا ہے کہ ان کا نام نامی بڑا تھا۔ آپ نے ان کا نام جویریہ رکھا۔ ابن اسحاق، امام احمد، ابو داؤد اور محمد بن عمر نے حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضرت جویریہ ایک باجمال اور زیبا خاتون تھیں۔ جو بھی انہیں دیکھ لیتا ان کے جمال سے متاثر ہوتے بغیر نہ رہ سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس جلوہ افروز تھے۔ ہم ایک چشمہ پر فروش تھے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہ آپ سے کتابت کے بارے عرض کرنے آئیں تھیں۔ میں نے انہیں دیکھا تو مجھے ان کا آپ کی بارگاہ میں آنا ناگوار گزرا۔ میں سمجھ گئی کہ آپ ان سے نکاح فرمائیں گے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں ایک مسلمان خاتون ہوں۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں قوم کے سردار کی نور نظر جویریہ بنت حارث ہوں۔ ہمیں جن حالات کا سامنا کرنا پڑا آپ بخوبی جانتے ہیں۔ میں ثابت بن قیس اور ان کے چچا زاد کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے اپنے چچا زاد کو مدینہ طیبہ کی کھجوریں دے کر مجھے اس سے لے لیا۔ لیکن مجھ سے اتنی زیادہ رقم سے مکاتبت کر لی جسے میں ادا نہیں کر سکتی۔ میں آپ کی خدمت میں آئی ہوں۔ آپ اس رقم کی ادائیگی میں میری معاونت کریں۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر اس سے بہتر ہو جائے تو؟“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ کیا؟“ آپ نے فرمایا: ”میں تمہاری طرف سے مکاتبت کی رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! ضرور! کرم فرمائیں۔ میں نے اس طرح کر دیا ہے۔“ آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ان سے مانگ لیں۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ آپ کی ہو گئیں۔ میرے والدین آپ پر فدا! آپ نے ان کا زر کتابت ادا کیا۔ انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا۔ صحابہ کرام کو یہ خبر مل گئی۔ بنو مصطلق کے قیدی تقسیم ہو چکے تھے۔ ان کی عورتوں سے وٹلی کی جاچکی تھی۔ مسلمانوں نے کہا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال!“ انہوں نے اپنے اپنے قیدی آزاد کر دیے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے نکاح فرمایا تو ایک سو گھرانوں کو آزادی کا پروانہ ملا۔ میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اتنی برکت لے کر آئی جو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے لے کر آئیں۔“

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے خواب کا تذکرہ

حضرت ہشام بن عروہ نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”حضور

اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے تین روز قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ چاند شرب سے چلا ہے اور میری آغوش میں آگرا ہے۔ میں نے ناپسند کیا کہ کسی کو اپنا خواب بیان کروں جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ جب ہمیں قیدی بنا لیا گیا تو مجھے اس خواب کے پورا ہونے کی امید لگی۔ جب آپ نے مجھے آزاد کیا اور مجھ سے نکاح فرمایا تو بخدا! میں نے آپ سے اپنی قوم کے بارے بات نہ کی تھی۔ حتیٰ کہ مسلمانوں سے اسے آزاد کر دیا۔ مجھے میری ایک پھوپھوز ادبہن نے بتایا تو میں نے رب تعالیٰ کی تعریف بیان کی۔

بقیہ قیدیوں کا فدیہ

امام بخاری، امام مسلم، ابو داؤد، امام نسائی اور محمد بن عمر نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”ہم حضور اکرم ﷺ کی رفاقت میں غزوہ بنی مصطلق کے لیے عازم سفر ہوئے۔ ہمیں قیدی ملے۔ ہم عورتوں کی شدید خواہش کر رہے تھے۔ ہم پر یہ امر گراں گزر رہا تھا۔ ہمیں فدیے بھی پسند تھے۔ ہم نے کہا: ”ہم عزل کر لیں حالانکہ حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس رونق افروز ہیں۔ ہم نے آپ سے عزل کے بارے پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ”تم پر کیا حرج ہے تم کیوں عزل نہ کرو۔ جس روح نے روز حشر تک آنا ہے اس نے آ کر ہی رہنا ہے۔“

محمد بن عمر نے لکھا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بنو مصطلق کا وفد ہمارے پاس آ گیا۔ انہوں نے اپنی اولاد اور خواتین کے فدیے ادا کیے۔ وہ انہیں اپنے شہر لے گئے۔ بعض افراد نے اختیار کیا کہ ان کا حصہ ان کے پاس ہی رہے۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا الا یہ کہ وہ واپس ہی جائیں گے۔ عورت اور اولاد کا فدیہ چھ حصے کے ساتھ ادا کیا گیا۔ میں ایک لونڈی لے کر نکلا۔ میں اسے بازار میں فروخت کرنا چاہتا تھا۔ ایک یہودی نے مجھے کہا: ”ابوسعید! تم اسے فروخت کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔“ میں نے کہا: ”ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا میں تو اس سے عزل کرتا رہا تھا۔“ اس نے کہا: ”یہ تو چھوٹا زندہ درگور کر دینا ہے۔“ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور یہ بتایا۔ آپ نے فرمایا: ”یہودی جھوٹ بولتے ہیں۔ یہودی جھوٹ بولتے ہیں۔“

ابن ابی کانفاق

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابھی تک مرسیع کے چشمہ پر ہی تھے۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اس کنویں میں پانی کم تھا۔ مشکل نصف ڈول نکالا جاسکتا تھا۔ حضرت سنان بن و بر جہنی کنویں کے پاس آئے۔ وہاں مہاجرین اور انصار کافی تعداد میں موجود تھے۔ انہوں نے اپنا ڈول نیچے لٹکایا۔ حضرت جبہاء بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا ڈول نیچے لٹکایا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجیر تھے۔

حضرت سنان اور حضرت جبجہا کے ڈول باہم ٹکرائے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ جبجہا نے سنان کو مارا اور ان کے چہرے سے خون بہنے لگا۔ سنان نے پکارا: "اے انصار! جبجہا نے پکارا" اے مہاجرین! دو فریقوں کے لوگ اٹھ سوتے ہوئے آگے۔ قریب تھا کہ فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی۔ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا: "یہ جاہلیت کی صدا کیوں لگائی جا رہی ہے؟ آپ کو آگاہ کیا گیا آپ نے فرمایا: "اے چھوڑ دو۔ یہ ممنوع صدا ہے۔ ایک شخص اپنے بھائی کی مدد کرے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر وہ ظالم ہو تو اسے روک دے۔ اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی نصرت کرے۔"

مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بات کی۔ انصار کی ایک جماعت نے حضرت سنان سے بات کی۔ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو گئے۔ ابن ابی اسپنے دس ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں مالک، سوید، داس، اوس، معتب، زید اور عبد اللہ تھے۔ ان لوگوں میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ قریب البلوغ تھے یا بالغ ہو چکے تھے۔ ابن ابی کو جبجہا کی صدا "یا للقریش" پہنچی۔ اسے شدید غصہ آیا۔ اس نے کہا: "بخدا! میں نے آج جیسا دن آج تک نہیں دیکھا۔ بخدا! مجھے تو یہ امر سخت ناپسند تھا۔ لیکن میری قوم نے مجھ پر غلبہ پالیا۔ انہوں نے اس طرح کر دیا۔ انہوں نے ہم پر غلبہ پالیا۔ ہمارے شہروں میں ان کی کثرت ہو گئی۔ انہوں نے ہماری نعمتوں کا انکار کیا۔ یہ قریش کے افراد اسی طرح ہیں جس طرح کسی نے کہا تھا: "اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ تمہیں کھا جائے۔" میرا تو گمان تھا کہ میں اس طرح کی پکاری صدا آنے سے قبل مر گیا ہوتا۔ جیسی صدا جبجہا نے دی تھی۔ میں یہاں موجود ہوں۔ مجھ سے تو یہ سب کچھ برداشت نہیں ہو سکتا۔ بخدا! اگر ہم مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو اس میں سے زیادہ عبرت والا زیادہ ذلیل کو باہر نکال دے گا۔" پھر اس نے حاضرین کی طرف توجہ کی اور کہا: "یہ تم نے خود ہی اپنی جانوں پر کیا ہے۔ تم نے انہیں اپنے گھر ٹھہرایا وہ وہیں فروکش ہو گئے۔ تم نے اپنے اموال میں سے ان کے حصے نکالے حتیٰ کہ وہ غنی ہو گئے۔ بخدا! اب بھی تم اپنے ہاتھ روک لو تو وہ تمہارا شہر چھوڑ کر کسی اور شہر چلے جائیں گے۔ پھر تم نے اپنے اس فعل پر اکتفاء نہ کیا بلکہ خود کو موت کا نشانہ بنایا۔ ان پر جانیں وارد ہیں۔ اولاد میں شمار کیں تم قلیل ہو گئے وہ کثیر ہو گئے۔"

حضرت زید بن ارقم نے سارا بکو اس سنا اور اسے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کر دیا۔ آپ کے ہاں کچھ مہاجرین اور انصار حاضر تھے۔ جب حضرت زید نے یہ عرض کی تو آپ نے اسے ناپسند کیا۔ چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: "اے زید! اے بچے! شاید تم اس پر ناراض ہو۔" انہوں نے عرض کی: "نہیں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے اس سے یہ بکواسات خود سنے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "شاید تمہیں سننے میں غلطی لگی ہو۔" انہوں نے عرض کی: "نہیں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ابن ابی کے یہ بکواسات سارے لشکر میں پھیل گئے۔ صحابہ کرام کی زبانوں پر اسی کی باتیں تھیں۔ انصار کا قبیلہ حضرت زید

کو زجر و توبیح کرنے لگا۔ انہوں نے کہا: ”تم نے اپنی قوم کے سردار کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں ہیں جو اس نے نہیں کیں۔ تم نے ظلم کیا۔ قطع رحمی کی۔“ حضرت زید نے کہا: ”بخدا! جو کچھ اس نے کہا میں نے اسے سنا۔ بخدا! بنو خزرج میں ایک شخص بھی نہیں جو مجھے ابن ابی سے پیارا ہو۔ اگر میں یہ بکو اس اپنے باپ سے بھی سن لیتا پھر بھی اسے بارگاہ رسالت مآب میں ضرور پیش کرتا۔ مجھے امید ہے کہ آپ پر وحی کا نزول ہوگا جو میری تصدیق کر دے گا۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! عباد بن بشر (یا محمد بن مسلمہ) کو حکم دیں وہ اس منافق کا سر کاٹ کر پیش کر دیں۔ آپ نے اس تجویز کو ناپسند فرمایا۔ فرمایا: ”لوگ باتیں بنائیں گے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔“ انصار میں سے بعض صحابہ کرام اٹھے۔ انہوں نے آپ کا فرمان اور حضرت زید کی باتیں رد کرنا سن لیا تھا۔ وہ ابن ابی کے پاس آئے اور ساری صورت حال بتائی۔ اوس بن خولی نے کہا: ”اے ابوالحباب! اگر تم نے یہ باتیں کیں ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ آپ تمہارے لیے استغفار کریں گے۔ اس کے بارے انکار نہ کرو ورنہ آپ پر وحی نازل ہوگی جو تمہاری تکذیب کر دے گی۔ اگر یہ باتیں نہیں کیں پھر بھی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو جاؤ۔ معذرت پیش کر دو اور قسم اٹھا دو کہ تم نے یہ باتیں نہیں کیں۔“ اس نے رب تعالیٰ کی قسم اٹھا دی کہ اس نے یہ باتیں نہیں کیں۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: ”ابن ابی! اگر تم نے یہ باتیں نہیں کیں ہیں تو توبہ کر لو۔“ وہ قسمیں اٹھانے لگا کہ اس نے وہ باتیں نہیں کیں جو زید نے کہیں ہیں نہ ہی میں نے اس کے ساتھ بات کی ہے۔ انصار میں سے حاضرین نے کہا: شاید اس بچے کو اس کی باتوں کا دہم ہوا ہو۔ اس نے جو کچھ کہا ہو اسے یاد نہ رہا ہو۔“ انہوں نے ابن ابی پر شفقت اور اس کا دفاع کرتے ہوئے کہی۔ وہ اپنی قوم میں معزز تھا۔ ان کا گمان یہی تھا کہ وہ سچا تھا۔ بعض اس کے بارے سوئے ظن بھی رکھتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابن ابی کا یہ معاملہ ہوا تو میں آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گیا۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ سیاہ فام غلام آپ کی کمر پر مالش کر رہا تھا۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! شاید آپ کی کمر انور کو درد ہو رہا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”رات کو اونٹنی نے مجھے گرا دیا تھا۔“ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اجازت دیں میں ابن ابی کی گردن اڑا دوں۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے؟“ میں نے عرض کی: ”ہاں! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تم نے فیصلہ کر لیا ہے؟“ میں نے عرض کی: ”ہاں! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”پھر یرث میں اس کے لیے ناک کا نہیں گے۔ اگر میں نے تمہیں اسے تیغ کرنے کا حکم دیا اور تم نے اس کا کام

تمام کر دیا۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ حضرت محمد بن مسلمہ کو حکم دیں وہ اس کا سر کاٹ کر لائیں۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں! اس طرح لوگ باتیں کریں گے کہ میں اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہا ہوں۔“ میں نے عرض کی: ”آپ لوگوں میں روانگی کا اعلان فرمادیں۔“ آپ نے فرمایا: ”بالکل!“ آپ نے روانگی کا اعلان کر دیا۔ لشکر کو اس وقت علم ہوا جب آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ شدید گرمی تھی۔ آپ اتنی گرمی میں عازم سفر نہیں ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ موسم ٹھنڈا ہو جاتا جب ابن ابی کی باتیں آپ تک پہنچیں تو آپ اسی وقت روانہ ہو گئے۔

سب سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ یا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے ملاقات کی۔ انہوں نے یوں سلام عرض کیا: ”السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ!“ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یوں جواب مرحمت فرمایا: ”و علیک السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ اس گھڑی میں عازم سفر ہونے ہیں کہ پہلے کبھی اس وقت عازم سفر نہیں ہوئے۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تم تک وہ باتیں نہیں پہنچیں جو تمہارے ساتھی نے کہیں ہیں۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کون سا ساتھی؟“ آپ نے فرمایا: ”ابن ابی۔ اس کا گمان ہے کہ اگر وہ مدینہ طیبہ لوٹ گیا تو وہ وہاں سے زیادہ معزز زیادہ ذلیل کو نکال دے گا۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ اگر چاہیں تو اسے نکال دیں۔ بخدا! وہ ذلیل ہے۔ سچی عربوں کے مالک آپ ہیں۔ عزت تو اللہ تعالیٰ کے لیے آپ کے لیے اور اہل ایمان کے لیے ہے۔“ پھر انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کے ساتھ نرم برتاؤ کریں۔ جب رب تعالیٰ آپ کو لے کر آیا تو قوم اس کے لیے تاج بنواری تھی۔ یوشع یہودی کے پاس صرف ایک موتی ٹانگنے کے لیے رہ گیا تھا۔ اس نے اس کی قیمت بڑھادی۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ انہیں اس کی ضرورت ہے۔ پھر رب تعالیٰ آپ کو لے آیا وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی سلطنت چھین لی ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات پہنچ گئی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر آپ میرے باپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیں بخدا! آپ کی یہ محفل برخواست ہونے سے قبل میں اس کا سر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ بخدا! بنو خزرج جانتے ہیں کہ ان میں ایک شخص بھی نہیں جو اپنے والد کے ساتھ مجھ سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا ہو۔ اتنی مدت ہو گئی ہے کہ وہ میرے ہاتھ ہی سے کھاتا اور پیتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر آپ نے میرے علاوہ کسی اور کو اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا وہ اسے تیغ کر دے گا۔ مجھے میرا نفس نہیں چھوڑے گا کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں۔ میں اسے قتل کر کے آگ میں داخل ہو جاؤں گا۔ آپ کی جانب سے درگزر افضل اور آپ کا احسان عظیم ہے۔“ آپ

نے فرمایا: "عبداللہ! میں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ نہ ہی میں نے یہ حکم دیا ہے۔ جب تک وہ ہمارے سامنے ہے ہم اس کے ساتھ احسان کرتے رہیں گے۔" حضرت عبداللہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مدینہ طیبہ کی بستی کے لوگوں نے میرے والد پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ اسے تاج پہنا کر اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ آپ کو لے آیا رب تعالیٰ نے اسے پست کر دیا۔ آپ کی وجہ سے ہمیں رفعت دی۔ اس کے ہمراہ ایک قوم ہے جو اس کے پاس آتی جاتی ہے اسے وہ امور یاد دلاتی ہے جن پر رب تعالیٰ غالب آچکا ہے۔"

اس روز رات تک آپ لوگوں کو لے کر چلتے رہے۔ ساری رات محو سفر رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ پھر تیز دھوپ نکلنے تک آپ عازم سفر رہے۔ پھر لوگوں کو فروکش ہونے کا حکم دیا۔ جونہی انہوں نے زمین کو چھوا سارے لوگ وہیں سو گئے۔ اپنے کجاوہ میں سے کوئی یا تو نماز کے لیے یا قضائے حاجت کے لیے اترے۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنی سواری کو تیز چلاتے رہے۔ اس کے پیٹ پر مارتے رہے تاکہ لوگ وہ باتیں بھول جائیں جو کل ہوئیں تھیں۔ آپ لوگوں کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ راہ حجاز پر چلے حتیٰ کہ آپ فویق النقیع کے چشمہ پر اترے۔

ایک منافق کی موت کی خبر، اونٹنی کی گمشدگی

امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ اس سفر سے واپس تشریف لائے۔ جب آپ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو شدید آندھی چلی قریب تھا کہ وہ قافلہ کو زیر زمین دفن کر دیتی۔ آپ نے فرمایا: "ایک منافق کی موت کی وجہ سے یہ آندھی چلی ہے۔" جب ہم مدینہ پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا کہ ایک بڑے منافق کو موت نے آدبو چا تھا۔"

محمد بن عمر نے لکھا ہے "جب لوگ اپنی سواریوں پر سوار ہوئے تو انہیں شدید آندھی کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ لوگ اس سے خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا: "یہ آندھی کسی واقعہ کی وجہ سے چلی ہے جو رونما ہوا ہے۔ مدینہ طیبہ میں اولاد اور بچے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ اور عیینہ بن حصن کے مابین معاہدہ تھا۔ اس کے اختتام کی مدت آج پہنچی تھی۔" آپ نے فرمایا: "تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مدینہ طیبہ کے ہر گلی کوچے پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کی حفاظت کر رہا ہے۔ دشمن اس میں داخل نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ تم پہنچ جاؤ۔ لیکن آج بہت بڑا منافق مرا ہے۔ اس لیے یہ تیز آندھی چلی ہے۔" اس کی موت منافقین کے لیے بہت غیظ و غضب کا سبب تھی۔ اس روز زید بن رفاعہ بن تابوت مرا تھا۔ وہ منافقین کی پناہ گاہ تھا۔

محمد بن عمر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "اس روز آندھی بہت شدید تھی۔ حتیٰ کہ سورج زائل

ہو گیا۔ دن کے آخری پہر میں آندھی رک گئی۔ اہل مدینہ طیبہ بیان کرتے تھے کہ انہیں بھی ایسی ہی شدید آندھی کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن دفن ہو گیا۔ پھر وہ تھم گئی۔“

محمد بن عمر نے لکھا ہے: ”اس روز حضرت عبادۃ بن صامت نے ابن ابی سے کہا: ”ابو الحباب! تیرا جانی دوست مر گیا ہے۔“ اس نے پوچھا: ”کون سا جانی دوست؟“ انہوں نے کہا: ”جس کی موت اسلام اور اہل اسلام کی فتح ہے۔“ اس نے پوچھا: ”کون؟“ انہوں نے کہا: ”زید بن رفاعۃ بن تابوت۔“ ابن ابی نے کہا: ”ہائے بلاکت! ہاں! بخدا! ہاں!“ حضرت عبادۃ نے کہا: ”بخدا تو نے بڑے گناہ کا دامن پکڑ لیا ہے۔“ اس نے پوچھا: ”ابو الولید! تمہیں اس کی موت کے بارے کس نے بتایا؟“ انہوں نے فرمایا: ”میں نے کہا:“ حضور اکرم ﷺ نے آپ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ اس لمحہ مرا ہے۔“ وہ مہبوت ہو گیا۔ غمزدہ اور پریشان ہو کر واپس چلا گیا۔

ابن اسحاق، امام بیہقی اور ابو نعیم نے موسیٰ بن عقبہ سے، ابن اسحاق نے محمد بن عمر سے اور ان سب نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی قصواء گم ہو گئی۔ مسلمان اسے ہر سمت تلاش کرنے لگے۔ زید بن لصیت انصاری کی ایک جماعت میں تھا۔ یہ منافق تھا۔ اس جماعت میں حضرات عباد بن بشر، سلمہ بن سلامۃ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ اس منافق نے کہا: ”یہ لوگ کیوں بھاگتے پھر رہے ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”یہ حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی تلاش کر رہے ہیں جو گم ہو گئی ہے۔“ اس نے کہا: ”کیا اللہ تعالیٰ انہیں بتا نہیں دیتا کہ وہ فلاں جگہ ہے۔“ انہوں نے منافق کی یہ بات عجیب سمجھی۔ انہوں نے کہا: ”اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! رب تعالیٰ تجھے برباد کرے تو منافق ہے۔“ پھر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف توجہ کی اور کہا: ”اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ اس کے بارے حضور اکرم ﷺ کی رائے کیا ہے تو میں یہ نیزہ اس کے خسیوں میں سے نکال دیتا۔ دشمن خدا! تیرے دل میں یہ نفاق تھا تو پھر تو ہمارے ساتھ عازم سفر کیوں ہوا؟“ اس نے کہا: ”میں دنیاوی سامان کے حصول کے لیے عازم سفر ہوا ہوں۔ بخدا! حضور اکرم ﷺ تو ہمیں اس سے بڑے بڑے امور کے بارے بتاتے ہیں آپ ہمیں آسمانی امور کے بارے بتاتے ہیں۔“ وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے کہا: ”بخدا! ہم ایک رستے پر گامزن نہیں ہو سکتے۔ ہم ایک درخت کا سایہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر ہمیں علم ہو جاتا کہ تیرے دل میں یہ مرض ہے تو پھر ایک لمحہ بھر بھی تیری رفاقت اختیار نہ کرتے۔“ وہ خوف کے مارے بھاگ نکلا کہ صحابہ کرام اس کا پکچوری نہ نکال دیں۔ انہوں نے اس کا سامان باہر نکال پھینکا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ صحابہ کرام سے چسپ کر آپ کی خدمت میں پناہ حاصل کرنے آ گیا۔ آپ پر آسمان سے اس کے بارے وحی کا نزول ہو چکا تھا آپ نے فرمایا جبکہ وہ منافق سن رہا تھا ”منافقین میں سے ایک شخص اس مصیبت پر خوشیاں منا رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی ہے۔“ وہ کہتا

ہے: "اللہ تعالیٰ انہیں کیوں نہیں بتا دیتا کہ وہ فلاں جگہ ہے۔ مجھے حیاتی کی قسم! آپ ہمیں اونٹنی کے اس معاملہ سے بھی بڑے بڑے معاملات کی خبر دیتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیب کوئی نہیں جانتا اس نے مجھے اس اونٹنی کے بارے بتا دیا ہے وہ سامنے اس گھائی میں ہے اس کی زمام درخت کے ساتھ اٹی ہوئی ہے۔ تم اس کی جانب جاؤ۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی طرف گئے۔ اسے اسی طرح پایا جس طرح آپ نے انہیں بتایا تھا۔ جب منافق نے علوم و معارف کے یہ سمندر دیکھے تو مبہوت ہو گیا۔ جلدی سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ اس کا کجاوہ باہر پھینک دیا گیا تھا۔ وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ اٹھا۔ جب یہ قریب پہنچا تو انہوں نے کہا: "ہمارے قریب نہ آنا۔" اس نے کہا: "میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔" وہ قریب ہوا اس نے کہا: "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ کیا تم میں سے کوئی حضور والا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ اور آپ کو میری بات بتائی ہے۔" انہوں نے کہا: "نہیں! بخدا! ہم تو اپنی اس محفل سے اٹھے بھی نہیں۔" اس نے کہا: "میں نے آپ کے پاس سنا۔ آپ وہی بات کر رہے تھے جو میں نے کی تھی۔" اس نے حضور اکرم ﷺ کا فرمان انہیں سنا دیا۔ نیز یہ کہ آپ کی اونٹنی مل گئی ہے۔ اس نے کہا: "مجھے آپ کے بارے شک تھا۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ گویا کہ میں نے آج ہی اسلام قبول کیا ہے۔" صحابہ کرام نے عرض کی: "تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جا۔ آپ تیرے لیے بخشش طلب کریں۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس کے لیے بخشش کی دعا کی۔ اس نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا۔ ابن عمر نے لکھا ہے "وہ تادم مرگ بزدل ہی رہا۔" غزوہ تبوک میں بھی اسی طرح کا واقعہ رونما ہوا تھا۔

جب آپ وادی عقیق پہنچے تو حضرت عبداللہ بن ابی آکے بڑھے وہ لوگوں کو غور سے دیکھنے لگے۔ جب ان کا باپ گزرا تو انہوں نے اس کے اونٹ کو بٹھالیا۔ اس کی سواری کا بازو روندھ ڈالا۔ باپ نے پوچھا: "نادان کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے کہا: "بخدا! تم اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تجھے حضور اکرم ﷺ اذن مرحمت فرمادیں۔ تاکہ تو جان لے کہ تم میں سے معزز کون ہے اور ذلیل کون ہے؟ کیا تو یا حضور اکرم ﷺ جو مسلمان بھی اس کے پاس سے گزرتے حضرت عبداللہ ان کی معاونت کرتے۔ بعض مسلمان انہیں منع کر رہے تھے۔ وہ ان سے کہہ رہے تھے "کیا تم اپنے باپ سے یہ سلوک کر رہے ہو؟ حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ ان کے پاس سے گزرے۔ آپ نے ان کے بارے پوچھا تو آپ سے عرض کی گئی "یہ حضرت عبداللہ ہیں جو اپنے باپ کو مدینہ طیبہ داخل ہونے سے روک رہے ہیں حتیٰ کہ آپ اسے اجازت دے دیں۔" حضور اکرم ﷺ حضرت عبداللہ کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے باپ کی سواری کو روک کے ہوئے تھے۔ ابن ابی ان سے کہہ رہا تھا۔ "میں بچوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔ میں عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔" آپ نے فرمایا: "اس کا رستہ چھوڑ دو۔"

انہوں نے اس کا رستہ چھوڑ دیا۔

جب واپسی پر آپ ﷺ مقام نقیع سے گزرے تو وہاں بہت سی وسعتیں اور گھاس دیکھا۔ بہت سے کنوئیں ملاحظہ فرمائے۔ آپ نے اس کے پانی کے بارے پوچھا تو آپ سے عرض کی گئی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب ہم اس کی تعریف کرتے ہیں تو پانی کم ہو جاتا ہے۔ کنوئوں کا پانی نیچے چلا جاتا ہے۔“ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حاطب بن بلتعہ کو حکم دیا کہ وہ کنواں کھودیں اور نقیع کو محفوظ علاقہ قرار دینے کا حکم دیا۔ حضرت بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ کو اس پر نگران مقرر کیا۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں اس کی کتنی حفاظت کروں۔ آپ نے فرمایا: ”جب طلوع فجر ہو جائے تو ایک بلند آواز شخص کھڑا کروں اسے اس مقمل پہاڑ پر کھڑا کرو۔ جہاں تک اس کی آواز جائے وہاں تک علاقہ مسلمانوں کے اونٹوں اور گھوڑوں کے لیے مختص کر دو جن پر وہ جہاد کیا کریں گے۔“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مسلمانوں کے چرنے والے جانوروں کے بارے کیا رائے ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”وہ اس میں داخل نہ ہوں۔“ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کمزور مرد یا کمزور عورت کے بارے کیا خیال ہے جس کے پاس قلیل تعداد میں بھیڑ بکریاں ہوں وہ انہیں منتقل کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔“ آپ نے فرمایا: ”انہیں چھوڑ دو۔ انہیں چرنے دو۔“

گھوڑوں اور اونٹوں کے مابین مقابلہ

محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے گھوڑوں اور اونٹوں کے مابین مقابلہ کرایا آپ کی اونٹنی قصواء اونٹوں سے آگے نکل گئی۔ آپ کا گھوڑا گھوڑوں سے آگے نکل گیا۔ آپ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک کو لزاز جبکہ دوسرے کو الظرب کہا جاتا تھا۔ اس روز الظرب نے مقابلہ میں شرکت کی۔ اس پر حضرت ابواسید الساعدی رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ آپ کی اونٹنی پر حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سوار تھے۔“

صحابہ کرام کو رات کے وقت گھر جانے کی ممانعت

محمد بن عمر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”غزوہ مریسبع میں میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا۔ ہم روانہ ہوئے۔ جب رات کے وسط میں وادی عقیق تک پہنچے تو لوگ رات بسر کرنے لگے۔ ہم نے عرض کی: ”حضور اکرم ﷺ کہاں ہیں؟“ ہمیں بتایا گیا کہ آپ لوگوں سے آگے تشریف لے گئے ہیں آپ آرام فرما ہو چکے ہیں۔“ مجھے حضرت عبد اللہ نے کہا: ”جابر! کیا ہم آگے نہ چلے جائیں اور اپنے اہل خانہ کے پاس جائیں۔“ میں نے کہا: ”ابو محمد! میں لوگوں کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں کسی کو نہیں دیکھ رہا جو آگے بڑھ رہا ہو۔“ حضرت عبد اللہ نے کہا: ”بخدا! ہمیں حضور سرور

کائنات میں اللہ تعالیٰ نے آگے جانے سے روکا تو نہیں۔“ حضرت جابر نے کہا: ”میں روانہ نہیں ہوں گا۔“ انہوں نے مجھے الوداع کہا اور مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔ میں انہیں رستہ میں دیکھتا رہا۔ اس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ بنو حارث بن خزرج میں ان کے اہل خانہ رہتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے گھر کے وسط میں چراغ رکھا ہوا تھا اور ان کی زوجہ محترمہ کے پاس ایک لمبا انسان تھا۔ انہوں نے اسے مرد گمان کیا۔ ششدر رہ گئے۔ اس پیش قدمی پر نادام ہوئے۔ وہ کہنے لگے: ”بھولے بھالے انسان کے ساتھ شیطان! تلوار بلند کی اور گھر میں گھس آئے۔ تلوار کو بے نیام کر رکھا تھا۔ وہ ان دونوں کو مار دینا چاہتے تھے۔ پھر غور کیا۔ اپنی زوجہ کو ٹانگ ماری وہ بیدار ہو گئی وہ چیختی وہ گہری نیند میں تھی۔ انہوں نے کہا: ”میں عبد اللہ ہوں۔ یہ کون ہے؟“ اس پاکباز خاتون نے کہا: ”یہ مجھے کنگھی کرنے والی کی لڑکی ہے۔ ہم نے تمہارے آنے کی خبر سن لی تھی۔ اس نے میرے ہاں رات بسر کی۔“ حضرت عبد اللہ نے رات بسر کی صبح حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کرنے کی عرض سے نکلے۔ ابو عبیدہ کے کنوئیں کے پاس آپ سے ملاقات کی۔ آپ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہما کے مابین چل رہے تھے۔ آپ نے حضرت بشیر کی طرف توجہ فرمائی۔ اور فرمایا: ”ابو نعمان! انہوں نے عرض کی: ”لبیک“ آپ نے فرمایا: ”عبد اللہ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ وہ رات کے وقت اپنے اہل خانہ کے پاس گئے اور انہیں ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑا۔“ جب حضرت عبد اللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ”عبد اللہ! کیا ہوا؟“ انہوں نے اپنی حکایت عرض کی۔ آپ نے فرمایا: ”سفر سے آتے وقت رات کو اپنے اہل خانہ کے پاس نہ جایا کرو۔“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ پہلی بار تھی کہ آپ نے ہمیں اس امر سے منع کیا۔“ آپ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہو گئے۔ آپ ایک فاتح اور غالب کی حیثیت سے تشریف لائے۔ اس مہم میں دو دن کم ایک ماہ صرف ہوا۔

حضرت حارث بن ابی ضرار کا اسلام

ابن عائد نے لکھا ہے کہ محمد بن شعیب نے عبد اللہ بن زیاد سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بنو مصطلق میں حضور اکرم ﷺ کو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا مال غنیمت میں ملیں۔ ان کا باپ ان کا فدیہ ادا کرنے کے لیے آیا۔ جب وہ وادی عقیق میں پہنچا تو اس نے وہ اونٹ دیکھے جو اس نے اپنی بچی کے فدیے میں دینے تھے۔ ان میں دو اونٹ بہت پسند آئے۔ اس نے انہیں ایک گھنائی میں چھپا دیا پھر دیگر اونٹ لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ عرض کی: ”محمد مصطفیٰ ﷺ! آپ نے میری نور نظر کو گرفتار کر لیا ہے یہ اس کا فدیہ ہے“ آپ نے فرمایا: ”وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تو نے فلاں گھائی میں چھپائے تھے۔“ حارث نے کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں نے وہ اونٹ چھپا رکھے تھے صرف رب تعالیٰ نے ہی

آپ کو ان سے آگاہ کیا ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

ابن ابی کے بارے قرآن پاک کا نزول

محمد بن عمر نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے اس روز حضرت عبادہ بن صامت کو سنا وہ ابن ابی سے کہہ رہے تھے۔ یہ اس کے بارے قرآن پاک کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو جاؤ۔ آپ تمہارے لیے مغفرت طلب کریں۔“ میں نے اسے دیکھا کہ وہ اعراض کرتے ہوئے اپنا سرموڑ رہا تھا۔ حضرت عبادہ نے فرمایا: ”بخدا! تمہاری اس ٹیڑھی گردن کے بارے قرآن پاک نازل ہو گا جس کے ساتھ نماز ادا کی جائے گی۔“ اسی روز حضور پاک ﷺ عازم سفر تھے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، اپنی سواری حضور اکرم ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ چلا رہے تھے تاکہ آپ کی رضا حاصل ہو جائے۔ آپ اپنی سواری کو ”عل عل“ فرما کر تیز چلا رہے تھے۔ وہ تیزی سے چل رہی تھی۔ آپ پر نزول وحی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ حضرت زید بن ارقم نے کہا: ”میں نے آپ کی زیارت کی۔ آپ کو شدت آلیتی تھی اور جبین اطہر سے پسینے کے قطرات گرنے لگتے تھے۔ اونٹنی کے قدم اتنے بوجھل ہو جاتے تھے کہ مشکل سے انہیں اٹھا سکتی تھی۔ میں جان گیا کہ آپ پر نزول وحی ہو رہا ہے مجھے امید تھی کہ میری تصدیق کے بارے قرآن پاک نازل ہو گا۔ جب آپ سے یہ سلسلہ منقطع ہوا آپ نے میرے کان پکڑے میں اپنی اونٹنی پر سوار تھا میں اوپر اٹھ گیا۔ آپ نے کان اوپر کیا اور فرمایا: ”اے بچے! تمہارے کانوں نے تمہارے ساتھ وفا کی ہے۔ رب تعالیٰ نے تمہارا قول سچ کر دکھایا ہے۔“ اس وقت سورۃ المنافقین نازل ہوئی۔

اس کے بعد جب بھی ابن ابی کوئی واقعہ رونما کرتا تو اس کی قوم اس کی گرفت کر لیتی اسے پکڑتی اور اسے سرزنش کرتی۔ جب اس کی قوم کا یہ رویہ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”عمر! اگر میں اسے اس روز قتل کر دیتا جس دن تم نے مجھے کہا تھا کہ اسے قتل کر دیں تو لوگ مختلف باتیں کرتے اگر آج میں انہیں اس کے قتل کا حکم دوں تو وہ ضرور اسے تیغ کر دیں گے۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”بخدا! میں جانتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کا امر میرے امر سے بہت زیادہ بابرکت ہے۔“

تشبیہات

یہ غزوہ کب رونما ہو اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ شعبان چھ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ خلیفہ بن خیاط اور امام الطبری نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ حضرت قتادہ نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ شعبان پانچ

ہجری کو منعقد ہوا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عقبہ سے روایت ہے کہ یہ چار ہجری کو ظہور پذیر ہوا تھا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ قلم کی لغزش ہے۔ انہوں نے پانچ ہجری لکھنا چاہا لیکن چھ ہجری لکھ دیا۔ موسیٰ بن عقبہ، حاکم اور ابو نیشاپوری اور امام بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے حضرت ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔ ”پھر حضور اکرم ﷺ نے پانچ ہجری کو بنو مصطلق اور بنو لحيان سے قتال کیا۔ اس موقف کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے امام بخاری نے الجہاد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بنو مصطلق میں آپ کے ساتھ شرکت کی۔

امام حاکم نے ”الاکلیل“ میں لکھا ہے ”حضرت عروہ وغیرہ کا یہ قول یہ غزوہ پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا ابن اسحاق کے قول کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔“ الحافظ نے لکھا ہے ”اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو واقعہ انک کے بارے ہے کہ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادۃ نے اصحاب انک کے بارے تنازع کیا۔ ان حوادث میں ان کا ذکر ہے۔ اگر یہ غزوہ شعبان چھ ہجری کو پیش آتا اس میں واقعہ انک ہوا تھا۔ تو پھر صحیح میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر لغزش ہے کیونکہ بنو قریظہ کے ساتھ غزوہ کے بعد ان کا وصال ہو گیا تھا۔ یہ غزوہ صحیح روایت کے مطابق پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ چار ہجری کا قول اس امر کو زیادہ روکتا ہے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ غزوہ بنی مصطلق پانچ ہجری ماہ شعبان میں رونما ہوا تھا۔ یہ غزوہ خندق سے پہلے ہوا تھا کیونکہ غزوہ خندق پانچ ہجری ماہ شوال میں ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ غزوہ مصطلق غزوہ خندق کے بعد ہوا۔ اس میں حضرت سعد بھی موجود ہوں گے حالانکہ غزوہ خندق میں انہیں تیر لگا اور بنو قریظہ کے بارے فیصلہ کرنے کے بعد وہ اس کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔

اس سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے کہ واقعہ انک پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ حدیث پاک میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ حجاب کے احکام کے نزول کے بعد ہوا تھا۔ حجاب کے احکام ایک جماعت کے نزدیک چار ہجری کو نازل ہوئے تھے۔ غزوہ بنی مصطلق اس کے بعد رونما ہوا ہوگا۔ لہذا اس سے بھی یہی ترجیح سامنے آتی ہے کہ یہ پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ جہاں تک امام واقدی کے اس قول کا تعلق ہے کہ حجاب کے احکام پانچ ہجری ماہ ذوالقعدہ میں اترے تھے یہ مردود ہے۔ خلیفہ، ابو عبیدہ اور کئی علماء نے لکھا ہے کہ حجاب کے احکام تین ہجری کو نازل ہوئے تھے۔ ان احکام کے نزول کے بارے تین اقوال سامنے آئے۔ مناسب ترین یہ ہے کہ چار ہجری کو یہ احکام نازل ہوئے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عون سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت نافع کی طرف

خط لکھا کہ جہاد سے قبل کون سی دعا مانگی جاتی ہے۔ انہوں نے میری طرف یہ خط لکھا ”یہ ابتدائے اسلام میں تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے بنو مصطلق پر حملہ کیا۔ وہ غافل تھے۔ ان کے مویشی چشموں پر تھے۔ آپ نے ان کے جنگجوؤں کو تیغ کیا۔ اولاد کو قیدی بنایا۔ مجھ سے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر نے کی ہے۔ وہ اس لشکر میں موجود تھے۔“

جلیل القدر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس غزوہ میں فریقین کے مابین قتال ہوا تھا۔ ایک گروہ نے ذکر کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ انہیں تو حید کی طرف بلائیں۔ لفتح میں ہے ”ممکن ہے کہ جنگ کی ابتداء میں وہ ثابت قدم رہے ہوں جب ان میں زیادہ مقتول ہوئے ہوں تو انہیں شکست ہوگئی ہو۔ جب آپ ان پر اچانک حملہ آور ہوئے ہوں تو وہ ثابت قدم رہے ہوں۔ صفیں باندھ کر لڑے ہوں۔ دونوں گروہوں کے مابین قتال ہوا ہو پھر مسلمانوں کو ان پر غلبہ حاصل ہو گیا ہو۔“

ابن سعد نے حضرت نافع کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے پھر لکھا ہے: ”پہلا قول زیادہ ثابت ہے العیون میں اس کو برقرار رکھا گیا ہے۔ یہ حکم مردود ہے کہ جو کچھ سیر میں ہے وہ صحیح کی روایات سے زیادہ ثابت ہے۔ جبکہ روایات کو جمع کرنا بھی ممکن ہو۔“

ابو القاسم اشعری نے لکھا ہے کہ ”یا لفلان“ کہنا جاہلیت کا دعویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ انہیں ایک گروہ بنایا ہے۔ ایک شخص کی پکار یہ ہونی چاہیے ”یا للمسلمین“ جس شخص نے اسلام میں جاہلیت کی طرح پکارا فقہاء نے اس کے بارے میں اقوال ذکر کیے ہیں:

جس نے اسے اسلحہ کے ساتھ جواب دیا اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے نابغہ جعدی کو پچاس کوڑے مارے تھے۔ جب اس نے ”یا العاز“ کی صدا سنی اور اس کی مدد کے لیے دوڑتا ہوا گیا۔

اس میں دس سے کم کوڑے مارے جائیں گے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کسی کو حد کے علاوہ دس سے زائد کوڑے مارے جائیں۔

اس میں امام وقت اپنا اجتہاد کرے گا۔ وہ جیسے مناسب سمجھے گا کرے گا جس سے شرکادروانہ بند ہو سکے گا۔ قید کر کے یا مار کر۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان دو افراد کو سزا نہیں دی تھی جنہوں نے یہ جاہلیت کی صدا دی تھی۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ آپ نے فرمایا تھا: ”دعوھا فانھا منتنہ“ آپ نے نبی کو مؤکد فرمایا تھا۔ جس نے اس نبی کے بعد اس عمل کا ارتکاب کیا۔ آپ نے بدبو کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا۔ اب جو اس عمل کا ارتکاب کرے گا اسے تادیب سکھائی جائے گی حتیٰ کہ وہ اس کی بدبو سونگھ لے۔ جیسے کہ حضرت ابو موسیٰ نے جعدی

کے ساتھ کیا تھا۔ بدبو کا معنی ہی برا انجام اور اس پر سزا دینا ہے۔

حضرت عبداللہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ آپ انہیں اجازت دیں کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر دیں۔ کیونکہ اس نے بکو اس کیا تھا۔ اس میں آپ کی نبوت کی واضح نشانی اور روشن دلیل ہے۔ اہل عرب حمیت اور تعصب کے اعتبار سے سب سے شدید قوم ہے۔ ان کا ایمان اور نور یقین اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ ایک شخص اپنے باپ اور اولاد کو بھی قتل کر سکتا تھا تا کہ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو جائے رسول اللہ ﷺ کا قرب مل جائے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کے اعتبار سے ان سے بہت دور تھے۔ آپ کی قوم اور چچازاد لوگوں نے اسلام تاخیر سے قبول کیا جبکہ دور کے لوگوں نے جلد اسلام قبول کر لیا۔ اس میں ایک عظیم حکمت کار فرما ہے۔ اگر آپ کے قریبی رشتہ دار جلد ایمان لے آتے تو کہا جاتا "یہ قوم اپنے میں سے ہی ایک شخص پر فخر کرنا چاہتی ہے وہ اس کے ساتھ تعصب کرتے۔ جب دور کے لوگوں نے ایمان لانے میں جلدی کی اور آپ کی محبت میں آ کر اپنوں اور بیگانوں کو تیغ کیا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سچی بصیرت کی وجہ سے تھا۔ یقین ان کے قلوب میں گھر کر چکا تھا۔ رب تعالیٰ کے خوف نے ان کی جاہلیت کی عادات کو ختم کر دیا تھا۔ ان کو زائل وہی ذات کر سکتی ہے جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ آپ نے ان کا حسن و جمال دیکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے مملوک لوٹدی تھیں۔ اگر وہ آزاد ہوتیں تو آپ ان کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھتے۔ کیونکہ لوٹدیوں کو دیکھنا مکروہ نہیں ہے۔ شاید اس لیے روا تھا کہ آپ نے ان کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کر لیا تھا یا یہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے کی بات ہو۔



غزوہ خندق

غزوہ خندق کو غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ غزوہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو آزمایا۔ اپنے متیقن دوستوں کے دلوں میں ایمان محکم فرمایا۔ اہل نفاق کا نفاق ظاہر کیا۔ انہیں ذلیل و رسوا کیا۔ پھر رب تعالیٰ نے اپنی نصرت نازل کی۔ اپنے بندہ خاص کی اعانت کی۔ تنہا گروہوں کو شکست سے دو چار کیا۔ اپنے لشکر کو غالب کیا۔ کفار کو ان کے غیظ سمیت واپس لوٹا دیا۔ اہل ایمان کو ان کے مکر کے شر سے بچا لیا۔ انہیں روک دیا کہ اس کے بعد وہ اہل ایمان پر حملہ آور ہوں۔ بلکہ انہیں مغلوب کر دیا۔ اپنے گروہ کو غالب کر دیا۔

اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضور سرورِ دو جہاں ﷺ نے بنو نضیر کو جلا وطن کیا تو وہ خیبر کی طرف نکلے۔ وہاں کثیر یہودی آباد تھے۔ جو قوی اور مضبوط تھے۔ مگر وہ شرف اور حسب کے اعتبار سے بنو نضیر کی طرح نہ تھے۔ جسی بن احطب، کنانہ بن ابی الحقیق، حوزہ بن قیس اور ابو عامر فاسق ایک گروپ کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔

یہ سارے مکہ مکرمہ پہنچے قریش اور ان کے پیرو کاروں کو دعوت دی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کریں۔ انہوں نے مختلف گروہوں کو جمع کیا۔ انہوں نے قریش سے کہا: ”ہم تمہارے ساتھ ہیں حتیٰ کہ ہم محمد عربی ﷺ کو جزا سے اکھیر پھینکیں۔ ہم تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ ان کی عداوت اور دشمنی پر تمہارے ساتھ معاہدے کریں۔“ یہ سن کر قریش خوش ہو گئے۔ انہوں نے اس بغض اور کینہ کا اظہار کیا جو غزوہ بدر کی وجہ سے ان میں پیدا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے کہا: ”خوش آمدید! مرحبا! سارے لوگوں میں سے ہمیں وہ افراد پسند ہیں جو محمد عربی ﷺ کی عداوت پر ہماری اعانت کریں۔“ قبیلہ قریش سے پچاس افراد نکلے انہوں نے عہد کیا۔ معاہدے کیے اور اپنے سینے خانہ کعبہ کے ساتھ لگا دیے۔ وہ اس کے پردوں میں داخل ہو گئے کہ وہ ایک دوسرے کو رسوا نہیں کریں گے محمد عربی ﷺ سے عداوت پر یکجان ہوں گے۔ جب تک ان میں ایک شخص بھی باقی رہے گا۔“

ابوسفیان نے کہا: ”اے گروہ یہود! تم اہل علم اور اہل کتاب ہو۔ ہمیں اس امر کے بارے بتاؤ جس میں ہمارا اور محمد

عربی سنیوں کا اختلاف ہے کہ ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا دین۔ ہم بیت اللہ کو آباد کرنے والے ہیں۔ ہم جانور ذبح کرتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں بت پوجتے ہیں۔ یہود نے کہا: ”بخدا! تم حق کے ان سے زیادہ قریب ہو۔ تم اس گھر کی تعظیم بجا لاتے ہو۔ پانی پلانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہو۔ جانور ذبح کرتے ہو۔ ان معبودان کی پوجا کرتے ہو جن کی پوجا تمہارے آباء کرتے تھے۔ تم ان سے زیادہ حق کے قریب ہو۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ
وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمَلِكِ
فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ أَتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُمْ
مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۗ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ (سورة النساء: ٥١-٥٥)

ترجمہ: ”کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ اب اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔ یہی ہیں وہ (بد نصیب) جن پر لعنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجی اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا اس کا کوئی مددگار کیا ان کے لیے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو قتل برابر۔ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے۔ (وہ حسد کی آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت۔“

قریش یہ سن کر خوش ہو گئے۔ حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر ان کی دعوت پر لبیک کہا۔ اور اس کے لیے تیاری کرنے لگے۔ ایک وقت متعین کر لیا۔ پھر یہودی بنو غطفان کے پاس گئے انہیں بھی حضور داعی اعظم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی طرف دعوت دی۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے ”انہوں نے ایک سال کے لیے غیر کی کھجوریں انہیں دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ ان کی نصرت کریں۔ انہیں بتایا کہ اس مہم میں قریش بھی ان کے ساتھ ہیں۔“ بنو غطفان نے بھی مای بھرلی۔ یہودی بنو سلیم کے پاس گئے انہوں نے بھی ان کے ہمراہ نکلنے کا وعدہ کیا۔

قریش اور دیگر قبائل کی روانگی

قریش نے خوب تیاری کی۔ اہل عرب کو اپنی نصرت پر ابھارا۔ احابش اور ان کے پیرو کاروں نے ان کی صدا پر لبیک کہا۔ وہ چار ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ دارالندوہ میں جھنڈا باندھا۔ عثمان بن طلحہ نے جھنڈا اٹھایا۔ اس کے ساتھ تین سو گھوڑے تھے۔ پندرہ سو اونٹ بھی ساتھ تھے۔ مرالظہر ان کے مقام پر بنو سلیم بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ ان کی تعداد سات سو تھی۔ ان کی قیادت سفیان بن عبد شمس کر رہا تھا۔ یہ ابوالاعور اسلمی کا باپ تھا جو جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ کے ساتھ تھا۔ بنو اسد بن خزیمہ بھی عازم سفر ہوئے۔ ان کی زمام قیادت طلحہ بن خویلد الاسدی کے پاس تھی۔ بنو فزارہ بھی روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی ان کی قیادت عیینہ بن حصن کر رہا تھا۔ بنو شعیب بھی نکلے۔ ان کی تعداد چار سو تھی۔ ان کی قیادت مسعود بن رخیلہ کر رہا تھا۔ بنو مرہ بھی روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد چار سو تھی حارث بن عوف مزی ان کی قیادت کر رہا تھا۔ قریش، بنو سلیم، بنو اسد اور بنو غطفان میں سے جنہوں نے غزوہ خندق میں شرکت کی ان کی تعداد دس ہزار تھی۔ پورے لشکر کی قیادت ابوسفیان کر رہا تھا۔

جب قریش اپنی تیاری میں مصروف تھے بنو خزاعہ کا ایک گروہ جلدی سے روانہ ہوا۔ وہ چار راتوں میں مدینہ طیبہ پہنچا اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سارے حالات بتائے۔ آپ نے لوگوں کو جہاد کی دعوت دی۔ دشمن کے بارے بتایا اور اس ضمن میں مشاورت کی کہ کیا مدینہ طیبہ میں رہ کر یا باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کا مشورہ دیا۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب ہم سرزمین فارس میں ہوتے تھے جب ہمیں کسی لشکر کا اندیشہ ہوتا تھا تو ہم خندق بنا لیتے تھے۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے تعجب کا اظہار کیا۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں رہ کر جنگ کرنے پر اتفاق کر لیا۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں کوشش کرنے کا حکم دیا۔ نصرت کا وعدہ کیا۔ بشرطیکہ وہ صبر کریں تقویٰ شعار بنیں۔ انہیں اطاعت کرنے کا حکم دیا عرب میں خندق کھودنے کا طریقہ راجح نہ تھا۔

بزار نے حضرت مالک بن وہب الخزاعی سے روایت کیا ہے کہ غزوہ خندق میں آپ نے سلیط اور سفیان بن عوف کو بطور جاسوس بھیجا۔ جب وہ بیداء کے مقام پر پہنچے تو ابوسفیان کے گھڑ سوار دستے نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ انہیں بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا۔ انہیں ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ یہ دو ساتھی شہید تھے۔

آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ مہاجرین اور انصار کی خاصی تعداد آپ کے ہمراہ تھی۔ آپ جگہ کی تلاش میں تھے۔ جہاں فروش ہوں۔ سب سے خوب صورت جگہ یہ تھی کہ آپ نے سلح پہاڑ کو کمر اقدس کے پیچھے رکھا۔ المذاذ سے لے کر

ذباب اور راح تک خندق کھودنے کا حکم دیا۔ آپ نے اس روز خندق کھودی۔ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی۔ دشمن کے قریب آجانے کے بارے بتایا۔ صلح کے دامن میں مسلمانوں کو جمع کیا۔ مسلمان جلدی جلدی کام کرنے لگے۔ وہ دشمن سے آنے سے قبل یہ کام ختم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بنو قریظہ سے کھدائی کے بہت سے ہتھیار مثلاً کدالیں، کسپاں اور کلہاڑے ادھار لیے۔

حضور اکرم ﷺ نے ہر جانب سے خندق کھودنے کی ذمہ داری ایک ایک گروہ کو سونپی۔ مہاجرین نے راج کے کونے سے لے کر ذباب تک خندق کھودنا تھی۔ جبکہ انصار نے ذباب سے لے کر جبل ابی عبیدہ تک خندق کھودنا تھی۔ الطبرانی نے عمدہ سند سے حضرت عمرو بن عوف المزنی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اجم الشخین سے لے کر بنو حارثہ کی طرف خط کھینچا۔ حتیٰ کہ آپ المذاذ تک پہنچے دس دس صحابہ کرام کو چالیس چالیس گز خندق کھودنے کا حکم دیا۔

مہاجرین اور انصار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے مقابلہ کرنے لگے۔ وہ ایک قوی شخص تھے۔ مہاجرین نے کہا: "سلمان ہم میں سے ہیں۔" انصار نے کہا: "سلمان ہم میں سے ہیں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "سلمان اہل بیت میں سے ہیں۔" حضرت سلمان تن تنہا دس افراد کا کام کر رہے تھے۔ قیس بن ابی صعصعہ نے ان کی مدد کی۔ ان کی انہیں نظر لگ گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "انہیں حکم دو کہ وہ وضوء کریں۔ حضرت سلمان اس پانی کے ساتھ وضوء کریں ان کے پیچھے برتن اوندھا کر دیں۔ جب انہوں نے اس طرح کیا تو گویا کہ وہ ابھی ابھی اس سے آزاد ہوئے ہوں۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بنفس نفیس خندق کھودی۔ کمرانور پر مٹی اٹھائی۔ حتیٰ کہ آپ کی کمرانور اور پیٹ مبارک کی سلولوں پر مٹی جم گئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے روز خندق بھولا تو نہیں آپ صحابہ کرام کو اینٹیں پکوا رہے تھے۔ آپ کے بالوں پر مٹی تھی۔" (امام احمد)

محمد بن عمر نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ اپنی کمرانور پر مٹی اٹھا کر لا رہے تھے۔ حتیٰ کہ میرے اور آپ کے مابین مٹی حامل ہو گئی۔ گویا کہ میں اب بھی آپ کے بطن اقدس کی سفید کودیکھ رہا ہوں۔" جو مسلمان اپنے حصے کی خندق کھود لیتا وہ دوسرے کی مدد کے لیے آجاتا۔ حتیٰ کہ خندق مکمل ہو گئی۔ خندق کی کھدائی کے وقت ایک مسلمان بھی پیچھے نہ رہا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اپنے کپڑوں میں مٹی اٹھا کر لا رہے تھے کیونکہ ان کے پاس ٹوکریاں نہیں تھیں۔ وہ کام کرتے وقت اور آتے جاتے وقت ایک دوسرے سے بد انہیں ہورہے تھے۔

خندق کی کھدائی کے وقت پڑھے جانے والے اشعار

ابن اسحاق اور ابن عمر نے لکھا ہے کہ غزوہ خندق میں مسلمان اس صحابی رسول ﷺ کے بارے رجز پڑھ رہے تھے جن کا نام جعیل بن سراقہ تھا۔ وہ ایک صالح اور پاکباز شخص تھے۔ وہ خندق میں کام کر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کا نام تبدیل کر کے عمرو رکھ دیا۔ مسلمان یہ شعر پڑھنے لگے:

سماہ من بعد جعیل عمرا و کان للبائس یوما ظہرا

ترجمہ: ”آپ ﷺ نے جعیل کے بعد اس کا نام عمرو رکھ دیا اور وہ اس دن محنت کرنے والوں کے لیے قوت کی علامت بن گیا۔“

حضور اکرم ﷺ یہ شعر نہیں پڑھ رہے تھے۔ البتہ جب صحابہ کرام ”عمرا“ کہتے تو آپ بھی عمر افرماتے جب وہ ظہرا کہتے تو آپ بھی ظہرا فرماتے۔

امام مسلم اور امام بخاری وغیرہما نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم خندق کھود رہے تھے۔ ہم اپنے کندھوں پر مٹی منتقل کر رہے تھے۔“ دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے ٹھنڈی صبح میں مہاجرین خندق کھود رہے تھے۔ ان کے پاس غلام نہ تھے جو یہ کام سرانجام دیتے۔ جب آپ نے ان کی مشقت اور بھوک ملاحظہ کی تو آپ نے یوں عرض کی:

اللہم لا عیش الا عیش الآخرة فاغفر للانصار والمہاجرة

ترجمہ: ”ہم وہ خوش قسمت افراد ہیں جنہوں نے ہمیشہ کے لیے جب تک زندگی ہے حضور اکرم ﷺ کے دست اقدس پر جہاد کی بیعت کی ہے۔“

حضرت انس فرماتے ہیں ”ہتھیلی بھر جو آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ انہیں صحابہ کرام کے سامنے دائرہ کی شکل میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ کرام کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ یہ جو طلق میں اٹک اٹک جا رہے تھے ان کی بو عجب تھی۔“

امام بخاری، امام مسلم اور ابو یعلیٰ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے خندق کے روز حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ مٹی منتقل کر رہے تھے۔ مٹی نے آپ کے پیٹ کی سفیدی کو چھپا دیا تھا۔ آپ کے بال مبارک کثیر تھے۔ میں نے آپ کو سنا آپ حضرت ابن رواحہ کے یہ کلمات پڑھ رہے تھے:

والله لولا ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

ترجمہ: ”بخدا اگر اس کی ذات نہ ہوتی تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی نہ ہم صدقہ دیتے نہ نماز ادا کرتے۔“

فانزلن سكينه علينا و ثبت الاقدام ان لاقينا

ترجمہ: ”مولا! ہم پر سکینہ نازل فرما۔ اگر ہم معرکہ آزما ہوں تو ہمارے قدموں کو ثابت فرما۔“

والمشركون قد بغوا علينا اذا ارادوا فتنه ابينا

ترجمہ: ”مشرکین نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کر دیا۔“

”ابینا ابینا“ پر آپ اپنی آواز مبارک بلند فرما دیتے۔ امام بیہقی نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

ابن ابی اسامہ نے حضرت ابو عثمان نہدی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خندق میں ضرب لگائی اور فرمایا:

بسم الاله وبه هدينا ولو عبدنا غيره شقيناً

يا حبذا رباً و حب دينا

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے مبارک نام سے شروع۔ اسی کے ساتھ ہم کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اگر ہم اس کے علاوہ کسی

اور کی پوجا کریں تو ہم بد بخت ہیں وہ کتنا عمدہ رب ہے اسلام کتنا عمدہ دین ہے۔“

محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کام میں بہت محنت کی۔ کبھی کدال سے کھودتے۔ کبھی پیچے سے مٹی

نکالتے اور کبھی ٹوکری میں مٹی اٹھاتے۔ ایک دن آپ بہت زیادہ تھک گئے۔ آپ بیٹھ گئے۔ بائیں طرف سے ٹیک پتھر کے

ساتھ لگالی۔ آپ سو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ کے سراقس کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں کو دور

بٹانے لگے۔ تاکہ وہ آپ کے پاس سے گزر کر آپ کو بیدار نہ کر دیں۔ آپ اچانک بیدار ہو گئے اور فرمایا: ”تم نے مجھے جگا

کیوں نہیں دیا“ آپ نے اپنا ہاتھ سنبھالا اور زمین پر مارنے لگے۔ آپ یہ کلمات فرما رہے تھے:

اللهم ان العيش عيش الآخرة فاغفر للانصار و المهاجرة

ترجمہ: ”مولا حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے انصار اور مہاجرین کو معاف کر دے۔“

اللهم العن عضلاً و القارة فهم كلفوني انقل الحجارة

ترجمہ: ”مولا! عضل اور قارہ کے قبیلوں پر لعنت فرما انہوں نے مجھے پتھر اٹھانے کی تکلیف دی ہے۔“

مسلمانوں نے سخت محنت کے بعد خندق کھودی۔ محمد بن عمر اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ خندق چھ دنوں

میں کھودی۔ امہات المؤمنین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن باری باری آپ

کے پاس آتی رہیں۔ کچھ دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں رہیں پھر کچھ دن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں رہیں۔ پھر کچھ دن حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں رہیں۔ ان تین ازواج مطہرات کے مابین ایام خندق میں آپ نے باری مقرر کر رکھی تھی دیگر ازواج مطہرات بنو حارثہ کے قلعہ میں تھیں دوسرے قول کے مطابق بنو زریق یا فارع کے قلعہ میں تھیں۔

خندق کی کھدائی کے وقت معجزات

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، ابن سعد، ابن جریر، ابن ابی حاتم ابو نعیم، حارث، الطبرانی اور امام بیہقی نے حضرات جابر بن عبد اللہ، براء بن عازب، عمرو بن عوف، انس ابن عمر، ابن عباس، ابن شہاب رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ خندق کی کھدائی کے وقت مسلمانوں کو ایک سخت چٹان کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ شدید سخت، عظیم سفید اور گول چٹان تھی جس میں کدالیں کام نہ کر رہی تھیں۔ ان کے لوہے ٹوٹ جاتے تھے۔ یہ چٹان حضرت سلمان یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے سامنے آئی۔ انہوں نے اس کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ آپ ﷺ ترقی خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: ”میں آتا ہوں۔“ آپ اٹھے پیٹ اقدس پر بھوک کی وجہ سے ایک پتھر باندھا ہوا تھا۔ تین روز سے ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ آپ نے پانی کا برتن منگوایا اس میں لعاب دھن ملایا۔ رب تعالیٰ نے جو چاہا دعا مانگی۔ پھر وہ پانی اس چٹان پر پھینک دیا۔ وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ”ہمیں اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے وہ چٹان ریت کے ٹیلے کی طرح ہو گئی جو نہ کلہاڑے کو نہ ہی بیلچے کو لوٹاتی تھی۔ آپ نے حضرت سلمان سے کدال لی۔ فرمایا: ”بسم اللہ“ ضرب لگائی اس کا تہائی حصہ کٹ کر الگ ہو گیا۔ بجلی چمکی یمن کی طرف سے نور نکلا جس سے مدینہ طیبہ کی دو سنگلاخ چٹانیں چمک اٹھیں جیسے تاریک رات میں چراغ ضوفاں ہو حضور اکرم ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا: ”مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں ہیں۔ میں ابھی اسی جگہ سے صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔ گویا کہ وہ کتوں کے حڑے ہیں۔“ آپ ﷺ نے دوسری بار ضرب لگائی تو دوسرا ثلث الگ ہو گیا۔ اس سے بھی بجلی چمکی روم کی طرف سے نور نکلا۔ مدینہ طیبہ کے دو سنگلاخ پہاڑ روشن ہو گئے۔ آپ نے تکبیر کہی اور فرمایا: ”مجھے شام کی چابیاں عطا کر دیں گئیں ہیں بخدا! میں اس کے سرخ محلات ابھی اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔“ پھر آپ ﷺ نے تیسری ضرب لگائی۔ بقیہ چٹان بھی کٹ گئی۔ ایران کی طرف سے بھی بجلی چمکی۔ مدینہ طیبہ کے دو سنگلاخ پہاڑ روشن ہو گئے۔ آپ نے تکبیر کہی۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے ایران کی چابیاں دے دیں گئیں ہیں۔ میں حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر اپنی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے حضرت جبرائیل امین نے بتایا ہے کہ میری امت ان پر غلبہ پائے گی۔ نصرت الہی پر

خوش ہو جاؤ۔ یہ بشارت سن کر مسلمان خوش ہو گئے انہوں نے کہا ”ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ وہ سچا وعدہ کرنے والا ہے۔ اس نے محاصرہ کے بعد ہمارے ساتھ نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ آپ حضرت سلمان کے لیے اوصاف بیان فرمانے لگے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے سچ فرمایا، اس کے اوصاف یہی ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”سلمان! یہ فتوحات ہیں جنہیں رب تعالیٰ میرے بعد فتح فرمائے گا۔ تم شام کو فتح کرو گے۔ ہر قتل اپنی مملکت کے دور دراز کے علاقہ میں بھاگ جائے گا۔ تم شام پر غلبہ پا لو گے۔ تمہارے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرے گا۔ یہ مشرق ضرور فتح ہوگا۔ کسری قتل ہوگا اس کے بعد کوئی کسری نہ رہے گا۔“

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں یہ سب کچھ دیکھ چکا ہوں۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمایا: جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ شہر فتح ہوئے ”جو تمہارے سامنے آئے اسے فتح کرتے جاؤ۔ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے دست تصرف میں ابو ہریرہ کی جان ہے تم نے انہیں مدینہ طیبہ سے فتح نہیں کیا، نہ ہی تم انہیں روز حشر تک فتح کر سکتے تھے بلکہ اس سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو اس کی چابیاں عطا کر دیں تھیں۔“ منافقین نے کہا: ”محمد عربی ﷺ تمہیں خبر دے رہے ہیں کہ انہوں نے مدینہ طیبہ سے حیرہ کے محلات اور کسری کے شہر دیکھے کہ انہیں تمہارے لیے فتح کر دیا جائے گا۔ حالانکہ تم خندق کھود رہے ہو اور قضائے حاجت کے لیے باہر بھی نہیں نکل سکتے۔“ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٣﴾ (الاحزاب: ١٣)

ترجمہ: ”اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لیے۔“

خندق کی کھدائی کے دوران مزید معجزات

امام بخاری، امام مسلم، محمد بن عمر، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت جابر بن عبد اللہ اور الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ خندق کے روز حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے بھوک کی وجہ سے اپنے شکم اطہر پر پتھر باندھ رکھا تھا۔ تین دن گزر چکے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کچھ نہ کھایا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے حضور اکرم ﷺ سے گھر آنے کی اجازت طلب کی آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی۔ میں گھر گیا۔ اپنی

زوجہ سے کہا: ”میں نے حضور اکرم ﷺ کو سخت بھوک کے عالم میں دیکھا ہے یہ دیکھ کر مجھے یارائے صبر نہ رہا۔ کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس خاتون نے کہا: ”میرے پاس ایک صاع جو اور بکری کا بچہ ہے۔“ وہ ایک برتن نکال لائیں جس میں ایک صاع جو تھے میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ انہوں نے جو پیسے ہم نے گوشت ایک ہنڈیا میں ڈالا۔ جب آنا خمیر ہو گیا اور ہنڈیا پکنے کے قریب ہو گئی رات ہو چکی تھی۔ حضور اکرم ﷺ واپس آنے کا ارادہ فرما رہے تھے۔ ہم دن کے وقت کام کرتے تھے۔ رات کے وقت اپنے اہل خانہ کے پاس لوٹ آتے تھے۔ مجھے میری زوجہ نے کہا: ”مجھے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔“ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس تھوڑا سا کھانا ہے۔ آپ تشریف لے چلیں آپ کے ہمراہ ایک یاد و صحابی بھی تشریف لے آئیں۔“ آپ نے اپنی مبارک انگلیاں میری انگلیوں میں پھنسائیں اور فرمایا: ”کھانا کتنا ہے؟ میں نے دوبارہ عرض کی آپ نے فرمایا: ”وہ کثیر اور پاکیزہ ہے۔ میرے آنے تک نہ اپنی ہنڈیا نیچے اتارنا اور نہ ہی آٹے کی روٹیاں بنانا۔“ حضور والا ﷺ نے باواز بلند پکارا: ”اے اہل خندق! جابر نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ تم جلدی جلدی چلو۔“ حضور اکرم ﷺ خود آگے آگے چلنے لگے۔ مجھے اتنی شرم آئی جسے صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ میں نے کہا: ”مخلوق آگئی ہے بخدا! ایک بکری کے بچے اور ایک صاع جو پر۔ یہ شرمندگی ہی ہے۔“ میں اپنی زوجہ کے پاس گیا۔ میں نے کہا: ”تعجب! حضور اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں۔ آپ کے ہمراہ مہاجرین و انصار سارے صحابہ کرام بھی آگئے ہیں۔“ انہوں نے کہا: ”تمہیں اس طرح اس طرح۔“ کیا آپ نے تم سے پوچھا تھا؟ میں نے کہا: ”ہاں! دوسری روایت میں ہے کہ ان کی زوجہ نے کہا ”کیا تم نے صحابہ کرام کو دعوت دی یا رسول معظم ﷺ نے؟“ میں نے کہا: ”آپ نے ہی دعوت دی ہے۔“ انہوں نے کہا: ”چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ ہی خوب جانتے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو بتا دیا ہے کہ ہمارے پاس کیا ہے؟ میری زوجہ محترمہ اندر چلی گئیں۔ حضور اکرم ﷺ اندر تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا: ”دس دس کے گروہ بنا کر آؤ۔“ بھیر نہ بنانا۔“ زوجہ محترمہ نے آنا سامنے کیا۔ آپ نے اس میں لعاب دہن ڈالا اس میں برکت کی دعا کی پھر آپ ہماری ہنڈیا کے پاس تشریف لے گئے۔ اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ آپ نے فرمایا: ”روٹیاں پکاؤ، ہنڈیا کو ڈھانپ دو۔ اس سے سالن نکالتے رہو۔ تود سے روٹیاں نکالتے رہو۔ روٹیوں کو ڈھانپ دو۔“ ہم نے اسی طرح کیا۔ ہم نے ہنڈیا ڈھانپ دی۔ اس سے سالن نکالتے رہے۔ ہم نے اسے کھولا تو دیکھا کہ اس میں ذرہ بھر بھی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ تود سے روٹیاں نکالنے لگے۔ ہم نے انہیں ڈھانپ دیا۔ ان میں بھی ذرہ بھر کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ آپ روٹیاں توڑنے لگے۔ اس پر گوشت رکھنے لگے۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے قریب کرنے لگے۔ آپ ان سے فرماتے: ”کھاؤ“ جب ایک گروہ سیر ہو جاتا وہ اٹھ کر چلا جاتا آپ دوسرے صحابہ کرام کو بلا لیتے حتیٰ کہ ایک ہزار

صحابہ کرام نے کھانا کھایا۔ جب وہ واپس چلے گئے تو ہماری ہنڈیا اسی طرح ابل رہی تھی۔ ہمارے آٹے سے اسی طرح روٹیاں پک رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ”کھاؤ اور بطور ہدیہ بھیجو۔ لوگوں کو بہت شدید بھوک لگی ہے۔“ ہم وہ سارا دن کھاتے رہے اور لوگوں کو ہدیہ کے طور پر بھیجتے رہے۔ جب آپ تشریف لے گئے تو یہ ساری برکت بھی ساتھ ہی چلی گئی۔“

ابن اسحاق، ابو نعیم بشیر بن سعد کی نور نظر اور نعمان بن بشیر نے بہن سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”میری امی جان نے پیالہ بھر کھجوریں میرے کپڑے کی ایک طرف رکھیں اور مجھے میرے والد گرامی اور ماموں جان حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ وہ خندق کھود رہے تھے۔ مجھے حضور اکرم ﷺ نے صدا دی۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ آپ نے وہ کھجوریں مجھ سے لے لیں۔ انہوں نے آپ کی مبارک ہتھیلی کو نہ بھرا، آپ نے کپڑا بچھایا اس پر کھجوریں پھیلا دیں۔ کھجوریں اطراف میں گرنے لگیں۔ پھر اپنے قریب ایک صحابی سے فرمایا یوں آواز دو: ”اے اہل خندق کھانے کی طرف آؤ۔“ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہیں جمع ہو گئے۔ انہوں نے کھایا وہ کھجوریں بڑھتی رہیں حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیر ہو کر جاتے رہے۔ کھجوریں کپڑے کے اطراف سے گرتی رہیں۔“

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن ابی بردہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”حضرت ام عامر الاشہبہ نے ایک پیالہ بارگاہ رسالت مآب میں بھیجا جس میں صلوہ تھا۔ آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس سے جی بھر کر کھایا۔ پھر وہ پیالہ باہر لے آئے۔ آپ کے منادی نے کھانے کا اعلان کیا۔ اہل خندق نے اس میں سے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے وہ پیالہ جوں کا توں تھا۔“

ابو یعلیٰ، ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن ابی رافع سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: خندق کے روز میں نے ایک برتن میں آپ کو بکری کا گوشت پیش کیا۔ آپ نے مجھے فرمایا: ”ابو رافع! مجھے اس کا بازو دو۔“ میں نے بازو نکال کر پیش کر دیا۔ آپ نے پھر فرمایا: ”مجھے اس کا بازو دو۔“ میں نے بازو نکال کر پیش کر دیا۔ آپ نے پھر فرمایا: ”مجھے اس کا بازو نکال کر دو۔“ میں نے بازو پیش کیا ساتھ ہی عرض کر دی: ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا بکری کے دو بازو نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا: ”اگر تم خاموش رہتے تو میں جتنی بار بازو مانگتا جاتا تم دیتے جاتے۔“

آپ کی دست حق نمائی برکت

الطبرانی، امام بغوی نے حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”جب میرا بھائی علی بن حکم گھوڑا دوڑا رہا تھا تو خندق کی دیوار نے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا۔ ہم اسے اس کے گھوڑے پر بارگاہ رسالت مآب میں لائے۔“

پ نے فرمایا: ”بسم اللہ“ آپ نے اس کی پنڈلی کو دستِ اقدس لگایا تو وہ شفاء یاب ہو گیا۔ وہ گھوڑے سے نیچے بھی نہ اترا۔

منافقین کا رویہ

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”منافقین حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ کام کرنے سے کنارہ کش رہے۔ وہ کام کرنے سے چھپے رہے۔ کچھ آپ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے اہل خانہ کے پاس کھسک جاتے تھے لیکن جب کسی مسلمان کو مروی کام پیش آتا تو اس کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کرتا ضرورت پوری کرنے کی اجازت مانگتا آپ اسے اذن رحمت فرمادیتے۔ وہ اپنا ضروری کام کر کے واپس آجاتا وہ بھلائی میں رغبت رکھتا اور حصولِ ثواب کے لیے کام کرتا۔ اس وقت رب تعالیٰ نے یہ آیات طہیات نازل کیں:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۗ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذِنَ لِمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۗ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۗ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۗ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾ (النور: ٦٢، ٦٣، ٦٤)

ترجمہ: ”بس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لیے تو چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لیے تو اجازت دیجئے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجئے ان کے لیے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ نہ بنا لورسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر۔ پس ڈرنا چاہیے انہیں جو خلاف ورزی

کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آئے سن لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور اس دن جب وہ لوٹائے جائیں گے اس کی طرف تو وہ انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔“

آپ کی خدمت میں بچے پیش کیے گئے

محمد بن عمر نے حضرت ابو داؤد اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ خندق کھود رہے تھے۔ آپ کی خدمت میں بچے پیش کیے گئے۔ آپ نے جسے چاہا اجازت دے دی جسے چاہا واپس بھیج دیا۔ وہ بچے جو ابھی نابالغ تھے وہ آپ کے ساتھ کام کر رہے تھے مگر آپ نے انہیں اجازت نہ دی۔ جب معاملہ شدت اختیار کر گیا تو آپ نے نابالغ بچوں کو ان کے اہل خانہ کے پاس گڑھیوں میں بھیج دیا۔ اس وقت حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم کو اجازت مل گئی۔ ان کی عمریں پندرہ پندرہ برس تھیں۔

مشرکین کا مدینہ طیبہ پہنچ جانا، آپ کی جنگی تیاری

جب آپ خندق کے عمل سے فارغ ہوئے مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ کوہ سلع کے سامنے زول اجلال فرمایا اسے اپنے پیچھے رکھا۔ خندق اپنے سامنے رکھی۔ اسی جگہ لشکر اسلامی کا پڑاؤ تھا۔ جبل الاحزاب کے دامن میں مسجد اعلیٰ کے پاس آپ کا خیمہ نصیب کر دیا گیا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ جس نے یہ کہا ہے کہ ان کی تعداد سات سو تھی اسے وہم ہوا ہے۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے پاس تھا۔ خواتین اور بچوں کو گڑھیوں میں بھیج دیا گیا۔ مدینہ طیبہ پر ہر کوئی نے کی طرف دیواریں جن دی گئیں یہ قلعہ کی طرح ہو گیا۔

ابن سعد نے مہلب بن ابی صفرہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ خندق کی شب آپ نے فرمایا: ”میں نے آج رات قوم کو دیکھا ہے۔ تمہارا شعار ختم لا ینصرون ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما گڑھیوں میں خواتین اور بچوں کے پاس تھے۔ ابن اسحاق نے حضرت عباد بن عبد اللہ بن زبیر سے، ابو یعلیٰ اور بزار نے عمدہ سند سے حضرت زبیر بن عوام سے اور امام الطبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروہ بن زبیر سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور پہ سالار اعظم ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے۔ اپنی ازواج مطہرات اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو قلعہ فارغ میں ٹھہرایا۔ ان کے ہمراہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کو رکھا۔ حضور اکرم ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے۔“

تقریباً دس یہودی آئے وہ اوٹ میں چھپ کر قلعہ پر تیر برسوں لگے۔ ان میں سے ایک قلعہ کے قریب آ گیا۔ اس وقت بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا تھا۔ انہوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا تھا جو مسلمانوں اور ان کے مابین تھا۔ ہمارے اور ان کے مابین کوئی نہ تھا جو ہمارا دفاع کرتا۔ حضور والا ﷺ دشمن کے سامنے تھے۔ ایک آنے والا ہمارے پاس آیا۔ میں نے حضرت حسان سے کہا: ”حسان! اس کی طرف جاؤ اور اس کو قتل کر دو۔“ انہوں نے کہا: ”عبدالطلب کی نور نظر! آپ جانتی ہیں کہ یہ میرے بس کا روگ نہیں اگر مجھ میں یہ خوبی ہوتی تو میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ چلا جاتا۔“ جب انہوں نے یہ کہا۔ میں نے ان کے پاس ایسی چیز نہ دیکھی۔ میں نے کمر بند باندھا میں نے تلوار لی اسے اپنے بازو کے ساتھ باندھا اس یہودی کی طرف گئی اور اسے قتل کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے میں نے بڑی سی لکڑی اٹھائی۔ قلعے سے نیچے اتری اور لکڑی سے ضرب ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا میں فارغ ہو کر قلعے کی طرف آئی میں نے کہا: ”حسان! نیچے جاؤ اور اس کا لباس اتار لاؤ۔ مجھے صرف اس امر نے لباس اتارنے سے روکا کہ وہ مرد ہے۔“ انہوں نے کہا: ”عبدالطلب کی نور نظر! مجھے اس کے لباس کی ضرورت نہیں۔“ میں نے کہا: ”اس کا سر کاٹ لو اور اسے یہودیوں کی طرف پھینک دو۔“ انہوں نے کہا: ”مجھ میں یہ سکت بھی نہیں۔“ انہوں نے اس کا سر پکڑا اور اسے یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔ یہودیوں نے کہا: ”ہمارا خیال تھا کہ محمد عربی ﷺ نے یہاں کوئی محافظ نہیں چھوڑا۔“ وہ بھاگ نکلے۔ ابو یعلیٰ نے یہ اضافہ کیا ہے: ”جب حضور اکرم ﷺ کو اس عظیم واقعہ کی خبر ملی تو آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے اسی طرح حصہ نکالا جیسے مردوں کے حصے نکالے۔“

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے۔ وہ قلعہ کے اندر تشریف فرما تھیں۔ انہوں نے چھوٹی زرہ پہن رکھی تھی۔ جس سے ان کے بازو باہر نکلے ہوئے تھے ان کے ہاتھ میں نیزہ تھا وہ یہ شعر پڑھ کر اسے لہرا رہے تھے:

لبث قليلا يشهد الهيجا حمل
لا بأس بالموت اذا حان الاجل

ترجمہ: ”تو ذرا ٹھہرتا کہ تو حمل بن سعدانہ کو دیکھ لے موت کی پرواہ نہیں جب اجل قریب آجائے۔“

ان کی والدہ ماجدہ بھی خواتین کے ساتھ اسی قلعہ میں تشریف فرما تھیں انہوں نے کہا: ”نور نظر! جلد جاؤ۔ بخدا! تمہیں دیر ہو گئی ہے۔ حضرت ام المؤمنین نے انہیں کہا: ”بخدا! میری خواہش ہے کہ کاش حضرت سعد کی زرہ کھلی ہوتی۔ مجھے خدشہ ہے کہ انہیں نہیں تیر نہ لگ جائے۔“ حضرت سعد کی والدہ ماجدہ نے کہا: ”رب تعالیٰ جو فیصلہ کرتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔“ رب تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس غزوہ میں حضرت سعد کے سراقہ پر شہادت کا تاج سجایا۔

مشرکین کے لشکر کا آجانا

قریش آئے۔ وہ مجتمع الایالیٰ پر خیمہ زن ہوئے۔ بنو کنانہ اور اہل تہامہ بھی وہیں ٹھہرے۔ بنو غطفان اور اہل نجد میں سے ان کے پیرو کار احد کی طرف ذنب نقمی میں ٹھہرے قریش نے اپنی سواریاں چرنے کے لیے وادی عقیق میں چھوڑیں مگر ان کے گھوڑوں کے لیے وہاں کچھ نہ تھا۔ سوائے اس مکئی کے جو وہ بطور چارہ ان کے لیے لے کر آئے تھے۔ غطفان نے جنگل میں جھاؤ کے درخت چرنے کے لیے اونٹوں کو چھوڑ دیا۔ اس سے ایک ماہ قبل لوگ اپنی فصلیں کاٹ چکے تھے انہوں نے اپنے جانور کھیتوں اور بھوسے میں داخل کر دیے قریب تھا کہ ان کے گھوڑے ہلاک ہو جاتے۔

جب اہل ایمان نے یہ لشکر دیکھا تو انہوں نے کیا کہا؟

ابن جریر، ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ الطیالسی، عبد الرزاق اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں مسلمانوں سے فرمایا:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۗ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهُ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۱۳﴾ (البقرۃ: ۲۱۳)

ترجمہ: ”کیا تم خیال کر رہے ہو کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ نہیں گزرے تم پر حالات جو گزرے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہوئے ہیں پہنچی انہیں سختی اور مصیبت اور وہ لرز اٹھے۔ یہاں تک کہ بہ اٹھارہ سول اور جو ایمان لے آئے تھے اس کے ساتھ کب آئے گی اللہ کی مدد، ان لوگوں کی مدد قریب ہے۔“

جب غزوہ خندق میں ان کی آزمائش ہوئی جب خندق میں گروہوں کے ساتھ مقابلہ ہوا تو انہوں نے کہا:

هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۗ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿۲۲﴾

(الاحزاب: ۲۲)

ترجمہ: ”یہ وہ لشکر ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جبرائے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اضافہ کر دیا۔“

بنو قریظہ کی عہد شکنی

جب مشرکین کا لشکر آگیا تو جسی بن اخطب، اللہ تعالیٰ کا دشمن نکلا وہ کعب بن اسد کے پاس آیا۔ بنو قریظہ کا معاہدہ

کرنے والا یہی شخص تھا۔ اس نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ جب کعب نے حنی کی آمد کے بارے سنا تو اس نے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ حنی نے اجازت مانگی مگر کعب نے انکار کر دیا۔ حنی نے اسے آواز دی: ”کعب! تیرے لیے ہلاکت! دروازہ کھول۔“ اس نے کہا: ”حنی! تیرے لیے بربادی! تو ایک منحوس شخص ہے۔ میں نے محمد عربی ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے میں اس معاہدے کو نہیں توڑوں گا۔ میں نے ان کی طرف سے صدق اور وفا ہی دیکھی ہے۔“ حنی نے کہا: ”تیرے لیے ہلاکت! دروازہ کھول۔ میں تیرے ساتھ بات چیت کرنے آیا ہوں۔“ کعب: بخدا! میں دروازہ ہرگز نہیں کھولوں گا۔ حنی: بخدا! تو نے دروازہ اس لیے بند کیا ہے تاکہ میں تمہارا گوشت یا کھجور کا دلیہ نہ کھالوں۔“ وہ یہ طعنہ برداشت نہ کر سکا اس نے دروازہ کھول دیا۔

حنی: کعب! میں تیرے لیے زمانے بھر کی عزت اوزبے کراں سمندر لے کر آیا ہوں۔ میں قریش کے سرداروں اور قاعدین کے ساتھ آ گیا ہوں۔ وہ مجتمع الایال پر خیمہ زن ہیں۔ میں بنو غطفان کے قاعدین اور راہنماؤں کو لے آیا ہوں وہ احد کی طرف ذنب نغمی پر خیمہ زن ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اس وقت تک نہیں جائیں گے حتیٰ کہ محمد عربی ﷺ کو جو سے اکھیر پھینکیں۔“ کعب: تیرے لیے ہلاکت! تو میرے لیے زمانہ بھر کی رسوائی اور ایسا بادل لے کر آیا ہے جس کا پانی نکل چکا ہے وہ صرف گرجتا اور چمکتا ہے لیکن اس میں کچھ نہیں ہے۔“ حنی: ”تیرے لیے ہلاکت! مجھے میری حالت پر چھوڑ دے۔ میں نے محمد عربی ﷺ کی طرف سے صرف صدق اور وفاء ہی دیکھی ہے۔“

حنی اسے مکرو فریب دیتا رہا حتیٰ کہ کعب لالچ میں آ گیا۔ اس نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو حضور اکرم ﷺ اور اس کے ماہین تھا۔ حنی نے اسے کہا: ”اگر قریش اور غطفان محمد عربی ﷺ کو نقصان پہنچائے بغیر ہی چلے گئے تو پھر میں بھی تیرے ساتھ قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا تاکہ مجھے بھی وہی مصیبت پہنچے جو تجھے پہنچے۔“

عمر بن سعدی نے انہیں سمجھایا۔ برے انجام سے ڈرایا۔ حضور اکرم ﷺ کا عہد اور میثاق یاد دلایا۔ اس نے انہیں کہا: ”اگر آپ کی نصرت نہیں کرتے تو آپ کو اور آپ کے دشمن کو چھوڑ دو۔“ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ بنو قریظہ میں سے بنو سعد، اسد، اسید اور ثعلبہ نکلے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

کعب نے حنی سے کہا کہ وہ قریش اور غطفان سے کچھ افراد بطور رہن اپنے پاس رکھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم تک یہ خبر پہنچ گئی کہ بنو قریظہ نے عہد ختم کر دیا ہے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو بتایا آپ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبد اللہ بن رواحہ، خوات بن جبیر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ فرمایا: ”جاؤ دیکھو کیا جو خبر ہمیں ان کی طرف سے پہنچی ہے وہ سچی ہے۔ اگر سچی ہوئی تو مجھے اشارہ کر دینا تاکہ لوگوں کی قوت و طاقت میں کمی نہ آئے اور اگر وہ اپنے عہد پر برقرار ہوں تو لوگوں

کے سامنے بلند آواز سے بتا دینا۔“

وہ روانہ ہوئے۔ بنو قریظہ کے پاس پہنچے انہوں نے دیکھا کہ انہوں نے معاہدہ توڑ دیا تھا۔ انہوں نے انہیں اللہ تعالیٰ اور وہ عہد یاد کرایا جو ان کے مابین تھا انہیں کہا کہ وہ اس عہد کی طرف دوبارہ لوٹ چلیں اس سے قبل کہ معاملہ زیادہ الجھے۔ وہ حسنی کی بات نہ مانیں۔“ کعب نے کہا: ”ہم اس عہد کی طرف دوبارہ کبھی نہیں جائیں گے میں نے اس عہد کو اس طرح کاٹ دیا ہے جس طرح میں نے جو تے کا تسمہ کاٹ دیا ہے۔“ اس نے کہا: ”کون سے رسول اللہ ﷺ! ہمارے اور ان کے مابین کوئی عہد نہیں ہے۔ سعد بن عبادہ یا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے انہیں برا بھلا کہا۔ انہوں نے انہیں برا بھلا کہا۔ ان کی طبیعت میں تیزی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ نے کہا: ”گالی گلوچ چھوڑیں اب اس کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ حضرت اسید نے کعب سے کہا: ”اللہ کے دشمن! اپنے سردار کو گالی دیتا ہے۔ اے یہودیت کے بیٹے! تو ان کا مد مقابل کیسے ہو سکتا ہے۔ ان شاء اللہ! قریش شکست کھا کر واپس بھاگ جائیں گے وہ تجھے تیرے گھر کے صحن میں چھوڑ جائیں گے۔ ہم تیری طرف آئیں گے۔ تجھے اس بل سے نکال کر اپنا حکم ماننے پر مجبور کریں گے۔“ صحابہ کرام حضور انور ﷺ کی خدمت میں لوٹ گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کی: ”عضل اور قارہ کی طرح انہوں نے بھی دھوکا کیا ہے۔“ بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔ پھر بیٹھ گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں کے گروہ! اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر خوش ہو جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ میں بیت اللہ العتیق کا طواف ضرور کروں گا۔ اس کی چابی ضرور پکڑوں گا۔ کسریٰ اور قیصر ضرور ہلاک ہوں گے۔ تم راہ خدا میں اموال ضرور خرچ کرو گے۔“ آپ نے مسلمانوں کا اضطراب اور بے چینی دیکھ کر یوں فرمایا:

ابن عقبہ نے لکھا ہے: ”جب بنو قریظہ کے عہد شکنی کی خبر آئی تو آپ نے اپنا سر ڈھانپ لیا۔ کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے یہ خبر مسلمانوں تک بھی پہنچ گئی کہ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے خوف شدید ہو گیا۔ آزمائش بڑھ گئی۔ خواتین اور بچوں کے بارے طرح طرح کے اندیشے گردش کرنے لگے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ - (الاحزاب: ۱۰)

ترجمہ: ”جب انہوں نے بلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھر اگیں اور کلیجے منہ کو آگئے۔“

حضور اکرم ﷺ اور مسلمان دشمن کے سامنے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے تھے۔ وہ خندق کی نگرانی کر رہے تھے۔ بعض منافقین کا نفاق پھوٹنے لگا۔ معتب بن قیس نے کہا: ”محمد عربی ﷺ ہمارے ساتھ تو وعدہ کرتے ہیں کہ ہم

قیصر و کسری کے خزانے لیں گے۔ ان کے اموال راہِ خدا میں خرچ کیے جائیں گے لیکن آج حالت یہ ہے کہ ہم میں سے ایک پر سکوں ہو کر قضائے حاجت بھی نہیں کر سکتا۔“

مَا وَعَدْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿۱۳﴾ (الاحزاب: ۱۳)

ترجمہ: ”نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لیے۔“

اس کے کچھ ساتھیوں نے کہا:

يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۗ (الاحزاب: ۱۳)

ترجمہ: ”اے یثرب والو تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں ہے جان عزیز ہے تو لوٹ چلو۔“

بنو قریظہ نے ارادہ کیا کہ وہ رات کے وقت مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیں گے۔ یہ خبر مسلمانوں تک پہنچ گئی۔ مصیبت زیادہ ہو گئی۔ امتحان میں اضافہ ہو گیا۔ پھر رب تعالیٰ نے انہیں یوں کرنے سے روک دیا۔ جب آپ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت سلمہ بن اسلم الاشجلی کو دو سو اور حضرت زید بن حارثہ کو تین سو مجاہدین کے ساتھ بھیجا وہ مدینہ طیبہ کی نگرانی کرتے رہے۔ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ وقت صبح سب امن سے تھے۔

بنو حارثہ میں سے ایک گروہ نے اتفاق کیا۔ اوس بن قینظی کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے کہا: ”یا رسول اللہ! ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ انصار کے گھر ہمارے گھروں کی طرح نہیں ہیں۔ ہمارے اور بنو غطفان کے مابین کوئی نہیں جو انہیں ہم سے دور کر دے۔ ہمیں اجازت دیں ہم اپنے گھروں میں واپس چلے جائیں۔ ہم اپنی اولاد اور خواتین کی حفاظت کریں۔“ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اذن دے دیا۔ وہ خوش ہو گئے اور واپس جانے کی تیاری کرنے لگے۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے: ”حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! انہیں اذن مرحمت نہ فرمائیں بخدا! ہمیں جب بھی کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ اسی طرح کرتے ہیں۔“ انہوں نے بنو حارثہ کی طرف توجہ کی اور کہا: بنو حارثہ! ہمارے ساتھ تمہارا وطیرہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے جب بھی ہمیں اور تمہیں کسی شدت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تم اسی طرح کرتے ہو۔“ حضور اکرم ﷺ نے انہیں واپس کر دیا۔

صحابہ کرام بار بار آپ ﷺ کی نگہبانی کر رہے تھے۔ انہیں شدید سردی اور بھوک کا سامنا تھا۔ ان کی راتیں دن بن

گئیں تھیں۔

محمد بن عمر نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ بار بار خندق کے شکاف کی طرف جاتے تھے۔ اس کی نگرانی فرما رہے تھے۔ جب آپ کو سردی لگتی آپ میرے پاس تشریف لاتے۔ میں اپنی گود میں آپ کو

گرم کرتی جب قدرے آرام آجاتا تو آپ اس شگاف کی طرف تشریف لے جاتے۔ آپ فرماتے: ”مجھے خدشہ ہے کہ دشمن اس شگاف سے اندر نہ آجائے۔ اسی اثناء میں کہ حضور ﷺ میری آغوش میں تھے۔ آپ نے فرمایا: ”کاش! کوئی صالح شخص آج رات اس شگاف کی حفاظت کرے۔“ آپ نے اسلحہ کی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا: ”کون ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ سعد بن وقاص“ آپ نے فرمایا: ”تم اس شگاف کی حفاظت کرو۔“ آپ آرام فرما ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرات عباد بن بشر اور حضرت زبیر بن عوام آپ کی نگرانی کر رہے تھے۔

محمد بن عمر نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”خندق کے ایام میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھی۔ ہم سخت سردی میں تھے۔ میں آپ کی زیارت میں محو تھی۔ آپ اٹھے اور خیمہ میں نماز ادا کی جتنی رب تعالیٰ نے چاہی پھر باہر تشریف لائے۔ لمحہ بھر کے لیے معائنہ کیا پھر فرمایا: ”یہ مشرکین کے گھوڑے ہیں جو خندق عبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ پھر صدادی: ”عباد بن بشر! انہوں نے لبیک کہا۔ فرمایا: کیا تمہارے ساتھ اور کوئی بھی ہے؟ انہوں نے عرض کی: ”ہاں! یا رسول اللہ! میرے ساتھ کچھ صحابی ہیں ہم آپ کے خیمہ کے ارد گرد نگرانی کر رہے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اپنے ساتھیوں کو لے جاؤ خندق کے ارد گرد چکر لگاؤ کہ دشمن کے گھوڑے وہیں چکر لگا رہے ہیں وہ تم پر اچانک حملہ کرنا چاہتے ہیں۔“

”مولا! ان کا شر ہم سے دور لے جا۔ ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔ ان پر غالب آجا تیرے علاوہ ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔“ حضرت عباد اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے۔ وہاں ابوسفیان تھا دو گھڑ سوار دستے کے ساتھ خندق کی تنگ جگہ کی تلاش میں تھا۔ مسلمانوں نے اسے دیکھ لیا اس پر پتھر اور تیر برسائے انہیں بھگا دیا۔ وہ اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ حضرت عباد نے کہا: ”میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپ کو بتایا: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”اللہ تعالیٰ حضرت عباد بن بشر پر رحم کرے۔ وہ ہمیشہ آپ کے خیمہ کی نگرانی کرتے رہے۔“ وقت صبح مشرکین نے خندق دیکھی۔ انہوں نے کہا: ”یہ چال اہل عرب کی جنگی چال نہیں۔ وہ اس طرح کی جنگی چالیں نہیں چلتے۔“ ان میں سے ایک شخص نے کہا: ”ان کے ہمراہ ایک فارسی شخص ہے اسی نے ہی ان کو یہ تجویز دی ہے۔ انہوں نے پوچھا: ”وہاں کون ہے؟“ انہوں نے مسلمانوں کو بلایا۔ وہ ایک دوسرے پر پتھر اور تیر برسائے رہے۔ فریقین کے مابین خندق حامل تھی۔

مشرکین نے اپنی اپنی باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ ایک دن سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ خندق کا چکر لگاتا۔ ایک دن خالد بن ولید اور ایک دن عکرمہ اور ایک ضرار بن خطاب یہ فریضہ سرانجام دیتے۔ وہ اپنے گھوڑوں کو گھماتے بھی انہیں اکٹھا کرتے بھی منتشر کرتے۔ وہ صحابہ کرام کے ساتھ جنگ آزما ہونے کے لیے آگے بڑھتے۔ اپنے تیر اندازوں کو سامنے رکھتے۔

حضور اکرم ﷺ کا بنو غطفان کے ساتھ مضالحت کا ارادہ

جب حضور اکرم ﷺ کو خبر ملی کہ بنو قریظہ نے عہد شکنی کی ہے تو آپ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کے پاس پیغام بھیجا یہ غطفان کے قائد تھے۔ وہ اپنی قوم کے دس افراد کے ہمراہ آئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا ایک ثلث دے دوں تو کیا تم اپنے لشکر سمیت واپس چلے جاؤ گے؟ تم اعرابیوں کی امداد سے ہاتھ کھینچ لو گے۔ انہوں نے کہا: مدینہ طیبہ کی نصف کھجوروں پر یہ معاہدہ ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ثلث سے زائد دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر وہ راضی ہو گئے۔ حضور ﷺ نے کاغذ اور دوات لانے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ چیزیں پیش کر دیں۔ آپ صلح نامہ لکھوانا چاہتے تھے۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آپ کے سراقہ کے سر پر کھڑے تھے۔ وہ غرق آہن تھے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے ان کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ گفتگو کس موضوع پر ہے۔ جب وہ آئے تو عیینہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ہوا تھا۔ جب انہیں اس معاہدہ کا علم ہوا تو انہوں نے کہا: "اے بندر کی آنکھ والے! اپنی ٹانگیں سمیٹ لو۔ تو حضور اکرم ﷺ کے سامنے یوں ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہے بخدا! اگر حضور اکرم ﷺ یہاں تشریف فرما نہ ہوتے میں یہ نیزہ تیرے خصیوں میں سے نکال دیتا۔" پھر انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! اگر یہ آسمانی امر ہے تو کر گزریے۔ اگر اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو پھر ہم انہیں صرف تلوار دیں گے۔ انہوں نے اس امر کا طمع کیسے کر لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ خاموش ہو گئے۔ آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو یاد فرمایا۔ ان سے مشاورت کی۔ آپ ان کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ دیگر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ان سے آہستہ آہستہ کلام فرما رہے تھے۔ اور حالات بتا رہے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "حضور ﷺ نے اس زمرے میں ان سے مشورہ طلب فرمایا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! اگر یہ آسمانی امر ہے تو یہ کر گزریے۔ اگر یہ ایسا امر ہے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے تو آپ کی تمنا ہے تو آپ عمل پیرا ہو جائیں ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ اگر صرف رائے ہے تو پھر ہمارے پاس ان کے لیے صرف تلوار ہے۔" حضرت سعد بن معاذ نے وہ کاغذ لے لیا۔ آپ نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ سارا عرب تمہارے خلاف متحد ہو چکا ہے وہ ہر جانب سے تم پر چوہ دوڑے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں ان کی طاقت کو کم کر دوں۔" حضرت سعد بن معاذ نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ اور ہم شرک کرتے تھے۔ بت پوجتے تھے۔ ہم رب تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ اس وقت بھی طمع نہیں کر سکتے کہ ان کھجوروں میں سے ایک کھجور بھی کھائیں سوائے ضیافت یا فروغی کے۔ اب تو رب تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی ہے اس کے

ساتھ ہمیں ہدایت دی ہے آپ کے ساتھ اور اس کے ساتھ ہمیں معزز کیا ہے ہم اپنے اموال انہیں دے دیں ہمیں اس کی ضرورت نہیں بخدا! ہم انہیں صرف تلوار دیں گے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ ان کے اور ہمارے مابین فیصلہ کر دے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم جانو اور وہ“ حضرت سعد نے کاغذ لیا اور جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا اسے مٹا دیا۔ پھر کہا: ”وہ ہمارے خلاف کوشش کر کے دیکھ لیں۔“

امام بزار، امام الطبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حارث آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا: ”محمد عربی ﷺ ہمیں مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا نصف دیں ورنہ میں گھڑسواروں اور پیادہ دستوں کو آپ کے پاس لے آؤں گا۔“ آپ نے فرمایا: ”میں سعود حضرات سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، سعد بن ربیع، سعد بن خثیمہ اور سعد بن مسعود سے مشورہ کر لوں۔“ آپ نے ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کی: ”بخدا! انہیں ہم نے زمانہ جاہلیت میں بھی اپنے نفوس کو گھٹیا بات کا خوگر نہیں بنایا اب تو رب تعالیٰ اسلام کو لے آیا ہے۔“ آپ حارث کے پاس تشریف لے گئے اور اسے بتایا۔ اس نے کہا: ”محمد عربی ﷺ! آپ نے مجھ سے دھوکہ کیا ہے۔“ نعوذ باللہ منہ

شیر خدا اور عمرو بن عبدود

امام بیہقی نے ابن اسحاق سے اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید سالار اعظم ﷺ دشمن کے سامنے تھے۔ وہ آپ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ محاصرہ کو تقریباً بیس سے زائد دن گزر چکے تھے۔ خندق حائل تھی اس لیے فریقین میں جنگ آزمائی نہ ہو سکی۔ صرف پتھر اور تیر برساتے رہے پھر مشرکین کے قائمین اور سرداروں نے اتفاق کیا کہ صبح سارے اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ وقت صبح ابوسفیان، عکرمہ، ضرار بن خطاب، خالد بن ولید، عمرو بن عاص، نوفل بن معاویہ، نوفل بن عبد اللہ، عمرو بن عبدود، عیینہ بن حصن، حارث بن عوف، مسعود بن رخیل اور بنو اسد کے رؤساء نکلے۔ پیادہ فوج کو اپنے پیچھے رکھا وہ خندق کے چکر لگانے لگے۔ وہ تنگ جگہ کی تلاش میں تھے وہ اپنے گھڑ سوار دستے سے حضور اکرم ﷺ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے خندق کی تنگ جگہ ڈھونڈ لی۔ مسلمانوں کو اس کا علم نہ تھا۔ وہ گھوڑوں کو مارنے لگے انہیں خندق عبور کرنے پر مجبور کرنے لگے حتیٰ کہ عکرمہ، نوفل بن عبد اللہ، ضرار، بیریہ اور عمرو بن عبدود نے خندق عبور کر لی۔ دیگر مشرکین خندق کے پار ہی کھڑے تھے وہ اسے عبور نہ کر سکے۔ ابوسفیان سے کہا گیا: ”تو نے اسے عبور کیوں نہیں کیا؟ اس نے کہا: تم نے عبور کر لی ہے اگر تمہیں ہماری ضرورت محسوس ہوئی تو ہم اسے عبور کر لیں گے۔“ جن لوگوں کے گھوڑوں نے خندق عبور کی تھی ان کے گھوڑے خندق اور کوہ سلع کے مابین گھومنے لگے۔ مسلمانوں کا ایک گروہ

نکلا۔ انہیں اس شگاف کا علم ہوا جہاں سے گھوڑوں نے خندق عبور کی تھی۔ گھوڑے تیزی سے ان کی طرف آنے لگے۔ عمرو بن عبدود نے غزوہ بدر میں قتال کیا تھا لیکن زخموں نے اسے چور کر دیا تھا۔ اسے زخمی حالت میں میدان بدر سے اٹھایا گیا تھا۔ وہ غزوہ احد میں شرکت نہ کر سکا تھا اس نے خود پرتیل لگانا حرام قرار دیا حتیٰ کہ وہ محمد عربیؐ اور آپ کے صحابہ کرام سے انتقام لے لے۔ وہ اس وقت عمر رسیدہ تھا ابن سعد نے اس کی عمر نوے سال لکھی ہے۔ یہ مشرکین کے بہادر اور شجاع افراد میں سے تھا۔ یہ غزوہ خندق میں اپنے سر پر علامت لگا کر نکلتا کہ اس کے بارے علم ہو سکے۔ جب وہ اور اس کا گھوڑا ٹھہر گئے تو اس نے دعوت مبارزت دی۔ حضرت علی المرتضیٰؑ اٹھے۔ حضور اکرمؐ سے اجازت طلب کی۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ اپنی تلوار عنایت کی عمامہ باندھا عرض کی: ”مولا! ان کی اس کے خلاف مدد فرما۔“ حضرت علی المرتضیٰؑ یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

لا تعجلن فقد اتاک عجیب صوتک غیر عاجز

ترجمہ: ”تو جلد بازی نہ کرتیرے پاس وہ شخص آچکا ہے جو تیری پکار کا جواب دے گا جو عاجز نہیں ہے۔“

ذونیتہ و بصیرتہ و الصدق من خیر الغرائز

ترجمہ: ”جو عمدہ نیت اور سچی بصیرت والا ہے سچ پر کامیاب ہونے والے کو نجات دینے والا ہے۔“

انی لا رجو ان اقیم علیک نائحة الجنائز

ترجمہ: ”میں ارادہ کرتا ہوں کہ تجھ پر اس عورت کو کھڑا کروں جو میتوں پر نوہ خوانی کرتی ہے۔“

من ضربتہ نجلاء یبقی ذکرہا عند الہزاهز

ترجمہ: ”ایسے کوہ شگاف ضرب کے ساتھ جس کا تذکرہ ایسے فتنوں کے وقت بھی باقی رہے گا جو دل کو ہلا دیں گے۔“

پھر اسے کہا: ”عمرو! تو جاہلیت میں کہا کرتا تھا کہ جس نے تجھے تین امور کی طرف دعوت دی تو ان میں سے ایک قبول کرے گا۔“ عمرو: ہاں۔ حضرت علی المرتضیٰؑ میں تجھے اس امر کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تو یہ گواہی دے لا الہ الا اللہ و ان محمدًا رسول اللہ۔ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کر لے۔ عمرو: میرے بھتیجے! یہ دعوت مجھ سے دور رہی رہنے دو۔“ حضرت علی المرتضیٰؑ دوسری بات یہ ہے کہ تو اپنے شہروں کی طرف لوٹ جا۔ اگر محمد عربیؐ سچے ہوئے تو آپ پر اسلام لا کر سعادت مند بن جانا اگر وہ جھوٹے ہوئے تو تمہارا ارادہ بھی یہی ہے۔“ عمرو: قریش کی عورتیں باتیں نہ بناتی رہیں میں نے ندرمانی تھی جو ماننی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ مجھ پر تیل لگانا حرام ہے۔ تیسری بات؟ حضرت علی المرتضیٰؑ: مقابلہ۔ یہ سن کر عمرو ہنسا۔ میں پسند کرتا تھا کہ اہل عرب میں سے کوئی شخص میری اس خصوصیت کا قصد کرے۔ تم کون ہو؟ حضرت علی

المرضى بنى الله: میں علی بن ابی طالب ہوں۔ عمرو: بھتیجے! اپنے چچاؤں میں اس کو بھیجو جو عمر میں تم سے زیادہ ہو۔ میں تمہارا خون نہیں بہانا چاہتا۔ حضرت علی المرتضیٰ بنی اللہ: لیکن بخدا! میں تیرا خون بہانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو غصے میں آگیا۔ وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر اس کی کونچیں کاٹ دیں تلوار لہرائی گویا کہ وہ آگ کا انگارہ تھی۔ غصہ کی حالت میں حضرت علی المرتضیٰ کی طرف لپکا حضرت علی المرتضیٰ بنی اللہ نے اپنی ڈھال پر وار روکا۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوئے۔ گرد و غبار اڑا عمرو نے وار کیا۔ آپ نے ڈھال سے وار روکا۔ آپ نے تلوار کا وار کیا جو اس کا سر چیرتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے: ”حضرت علی المرتضیٰ بنی اللہ کبھی بھی زخمی نہیں ہوئے۔ انہوں نے اس کے کندھے کی ہڈی پر وار کیا وہ نیچے گر پڑا۔ گرد و غبار اٹھا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ بنی اللہ نے اس کی نعل کی ہڈی پر وار کیا۔ جو اس کے پیٹ سے نکل گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر سماعت کی۔ آپ نے جان لیا کہ حضرت علی بنی اللہ نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ وہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے واپس آگئے:

نصر الجھارة من سفاهة رايه و نصرت رب محمد بصوابي

ترجمہ: ”بن عبدود نے اپنی حماقت کی وجہ سے بتوں کی نصرت کی اور میں نے صحیح رائے کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رب تعالیٰ کی نصرت کی۔“

فصدت حين تر كته متجدلا كالجذع بين دكاذك و رواي

ترجمہ: ”جب میں نے اسے چھوڑا تو وہ اس طرح پڑا تھا گویا کہ وہ زم ریت کے ڈھیروں اور ٹیلوں پر درخت کا مذہ ہو۔“

و عفتت عن اثوابه و لو انني كنت المقطر بزني اثوابي

ترجمہ: ”میں نے اس کے کپڑوں کو ہاتھ تک نہ لگایا اور اگر میں شہید ہو جاتا تو وہ میرے کپڑے بھی اتار کر لے جاتا۔“

لا تحسبن الله حاذل دينه و نبيته يا معشر الاحزاب

ترجمہ: ”اے گردو! تم یہ ہرگز گمان بھی نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین حق اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔“

حضرت علی المرتضیٰ بنی اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ کا چہرہ منور دمک رہا تھا۔ اہل عرب میں سے کسی کی زرہ عمرو بن عبدو کی زرہ سے عمدہ نہ تھی۔ مگر آپ نے اس کی زرہ نہ چھینی کیونکہ اس نے آگے شرم گاہ کر دی تھی۔ انہیں دیا، آلی مشرکین کے گھوڑے شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے وہ خندق عبور کر گئے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس روز

عکرمہ نے جاتے وقت اپنا نیزہ پھینک دیا تھا اس کے بارے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے ہیں:

فَرَّو الْقَى لَنَا رَمْحَهُ
لَعَلَّكَ عَكْرَمَ لَمْ تَفْعَلْ

ترجمہ: ”عکرمہ نے ہماری طرف نیزہ پھینکا اور فرار ہو گیا۔ عکرمہ! شاید تو نے یوں ایسا نہ کیا ہو۔“

وَوَلَّيْتَ تَعْدُو كَعْدِوِ الظِّلِمِ
مَا ان تَجُورُ عَنِ المَعْدِلِ

ترجمہ: ”وہ روگرداں ہو کر شتر مرغ کی طرح بھاگا حالانکہ تو رخ موڑنے کا نام تک نہ لیتا تھا۔“

وَلَمْ تَلَقْ ظَهْرَ مُسْتَأْنَسِيَا
كَانَ قِفَاكَ قِفَا فَرْعُلِ

ترجمہ: ”تو نے اپنی وحشت دور کرنے کے لیے اپنی پیٹھ زمین پر نہ رکھی گویا کہ تیری گدی بچو کے بچے کی گدی تھی۔“

مشرکین شکست خوردہ ہو کر واپس آگئے۔ حضرات زبیر بن عوام اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے تعاقب میں نکلے۔

کچھ دیر انہوں نے مقابلہ کیا۔ حضرت زبیر نے نوفل پر وار کیا اسے دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا حتیٰ کہ گھوڑے کی زین کاٹتے

ہوئے اس کے کندھوں کے مابین سے کاٹ دیا۔ ان سے کہا گیا: ”آپ کی تلوار جیسی تلوار ہم نے نہیں دیکھی۔“ انہوں نے کہا:

”یہ تلوار کا کمال نہیں بازو کا کمال ہے۔“

انہوں نے بیرہ پر بھی حملہ کیا گھوڑے کا سمہ کاٹ کر رکھ دیا۔ وہ زہرہ گر پڑی جس کے ساتھ گھوڑا باندھا گیا تھا۔ انہوں

نے اسے اٹھا لیا۔ جب وہ ابوسفیان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا ”آج کے روز ہماری قسمت میں کچھ بھی نہیں واپس لوٹ

چلو۔“ الحاکم نے لکھا ہے: ”میں نے الاصم سے سنا انہوں نے العطار دی سے سنا انہوں نے حافظہ یحییٰ بن آدم کو کہتے ہوئے سنا:

”میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عمر و قتل کرنے کو صرف رب تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں:

فَهَزَمُوهُمْ بِأَذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ۔ (البقرة: ۲۵۱)

ترجمہ: ”پس انہوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔“

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ عمرو کی لاش کو دس ہزار

دراہم کے عوض انہیں دے دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ تمہارے لیے ہی ہے۔ ہم مردوں کی قیمت نہیں کھاتے۔“

امام احمد، امام ترمذی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ غزوہ خندق میں مسلمانوں

نے ایک مشرک کو تیغ کیا۔ انہوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ اس کی لاش بھیج دیں ہم آپ کو اس کے عوض بارہ ہزار

دراہم دیں گے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس کی لاش اور اس کی قیمت میں کوئی بھلائی نہیں۔ اسے انہیں دے دو۔ یہ

خبیث لاش اور خبیث دیت ہے۔“ آپ نے اس میں سے کچھ بھی قبول نہ کیا۔

ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ آل مغیرہ کے ایک شخص نے کہا: ”میں محمد عربی ﷺ کو ضرور قتل کروں گا۔“ اس نے اپنا گھوڑا خندق میں داخل کر دیا۔ وہ نیچے گر پڑا اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ مشرکین نے کہا: ”محمد عربی ﷺ! اس کی لاش ہمیں دے دیں ہم اسے دفن کر دیں۔ ہم آپ کو اس کی دیت دے دیتے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے لے جاؤ یہ خبیث دیت والا ہے۔“

ابن عقبہ نے لکھا ہے: ”جب نوفل واصل جہنم ہوا تو مشرکین نے اس کی لاش کے لیے افراد بھیجے انہوں نے آپ کو اس کی دیت کی پیش کش کی۔ آپ نے فرمایا: ”اس کی دیت خبیث ہے۔ رب تعالیٰ اس پر اور اس کی دیت پر لعنت کرے۔ ہمیں اس کی دیت کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہیں منع نہیں کرتے کہ تم اسے دفن کرو۔“

ابو جعفر نے لکھا ہے جب نوفل خندق میں گر پڑا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پتھر مارے وہ کہنے لگا: ”اے اہل عرب! اس سے عمدہ طریقہ سے قتل کرو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نیچے اترے اسے تیغ کیا۔ مشرکین نے اس کی لاش مانگی تو آپ نے اس کی لاش دے دی۔

ابن سعد نے لکھا ہے: ”اس کے بعد قتال نہ ہوا حتیٰ کہ مشرکین واپس چلے گئے۔ البتہ وہ رات کو شیخون مارنے کے لیے چکر لگاتے تھے۔

مشرکین کا اتفاق کہ خندق کا ہر طرف سے گھیراؤ کر لیا جائے

”جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عمرو بن عبد مناف سے ہوا اور اس کے ساتھی شکت کھا کر لوٹ گئے تو مشرکین نے اتفاق کیا کہ وہ مل کر حملہ کریں۔ ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ ساری رات اپنے ساتھیوں کو تیار کرتے ہوئے گزار دی۔ پھر طلوع شمس سے قبل ہی خندق کے پاس آگئے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو جہاد کے لیے تیار کیا۔ انہیں قتال پر جمع کیا۔ نصرت کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ ثابت قدمی دکھائیں۔ مشرکین نے مسلمانوں کو قلعہ کی مانند گھیر رکھا تھا۔ ان کا ہر سمت سے گھیراؤ کر رکھا تھا ایک لشکر جرار کا رخ اس خیمہ کی طرف تھا جس میں جان کائنات ﷺ جلوہ افروز تھے۔ اس لشکر میں خالد جیسی ہستی بھی تھی۔ اس دن کورات تک جنگ ہوتی رہی۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام اپنی جگہ سے آگے پیچھے نہ ہو سکے۔ آپ اور آپ کے صحابہ کرام ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی ادا نہ کر سکے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے نمازیں بھی نہیں پڑھیں۔“ آپ نے فرمایا: ”بخدا! میں نے بھی نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ہم سے دور لے جائے۔ صحابہ کرام ٹولیوں کی شکل

میں واپس آگئے۔ ہر گروہ اپنی اقامت گاہ میں آگیا۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دو سو مجاہدین کے ہمراہ خندق کے کنارے پر ٹھہر گئے مشرکین کے گھڑسواروں نے پلٹ کر حملہ کیا۔ ان میں خالد بن ولید جیسی ذات بھی تھی۔ وہ شب خون مارنا چاہتے تھے کچھ دیر جنگ ہوتی رہی۔ وحشی نے حضرت طفیل بن نعمان کو تاک کر اپنے نیزے کا نشانہ بنایا اور انہیں شہید کر دیا۔ اس وحشی نے حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کیا تھا۔ بعض نے ان کا نام طفیل بن مالک بن نعمان بتایا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ تیر کا نشانہ بن گئے

ابن سعد نے حضرت عاصم بن عمرو بن سعد سے روایت کیا ہے کہ حبان بن قیس نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر کا نشانہ بنایا۔ اس نے ان کے بازو کی شاہ رگ کاٹ دی۔ جب اس نے تیر مارا تو اس نے کہا: ”لو! میں ابن العرقہ ہوں۔“ حضرت سعد یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تیرا چہرہ آتش جہنم میں عرق آلود کرے۔“ حضرت سعد نے یہ دعا مانگی: ”مولا! اگر تو نے قریش کے ساتھ کوئی جنگ باقی رکھی ہے تو مجھے اس کے لیے زندگی عطا فرما۔ مجھے کوئی قوم قریش سے بڑھ کر پسندیدہ نہیں کہ میں اس کے ساتھ جہاد کروں۔ انہوں نے تیرے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی۔ مکہ مکرمہ جیسے وطن سے انہیں نکالا ان کی تلذیب کی۔ مولا! اگر ان کے اور ہمارے مابین یہ جنگی سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو پھر اسے میری شہادت کا سبب بنا دے۔ مجھے اس وقت تک نہ مار حتیٰ کہ میری آنکھوں کو بنو قریظہ سے ٹھنڈک نصیب ہو جائے۔“ دوسرے قول کے مطابق انہیں ابو اسامہ جشمی کا تیر لگا تھا۔ ایک روایت میں خفاجہ بن عاصم کا تذکرہ بھی ہے۔

مسلمانوں کے دو جاسوس نکلے۔ مسلمانوں کو ان کا علم نہ ہو سکا۔ وہ انہیں دشمن گمان کرتے تھے۔ مسلمانوں اور ان کے مابین جنگ و جدل ہوتا رہا۔ پھر انہوں نے مسلمانوں کے ”حم لا ینصرون“ کے شعار سے پکارا وہ ایک دوسرے سے رک گئے۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کہا: ”تمہارے یہ زخم فی سبیل اللہ ہیں تم میں سے جو قتل ہوئے ہیں وہ شہید ہیں۔“ اس کے بعد جب بھی مسلمان ایک دوسرے کے قریب جاتے وہ شعار سے ایک دوسرے کو پکار لیتے۔

بعض صحابہ کرام اجازت لے کر اپنے اہل خانہ کے پاس جاتے رہے۔ آپ انہیں فرماتے: ”مجھے تمہارے بارے بنو قریظہ کا خطرہ ہے۔“ جب وہ اصرار کرتے تو آپ فرماتے: ”تم میں سے جو جائے وہ اپنا اسلحہ ساتھ لے کر جائے۔“ ایک نوجوان تھا اس کی ابھی شادی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا اسلحہ لیا اور چلا گیا۔ اس کی دلہن دونوں دروازوں کے مابین کھڑی تھی اس نے اس کے لیے نیزہ تیار کیا تاکہ اسے مارے۔ اس خاتون نے کہا: ”ذرا رکو۔ ذرا دیکھو تمہارے گھر میں کیا ہے؟“ اس نے دیکھا کہ اسے اپنے بستر پر سانپ نظر آیا۔ اس نے اس میں نیزہ گاڑ دیا۔ پھر نیزہ گھر کے صحن میں گاڑ دیا سانپ

اس کی نوک پر لڑتارہا۔ وہ نوجوان بھی مر کر گر پڑا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے پہلے کون مرا تھا۔ نوجوان یا سانپ؟ بارگاہ رسالت مآب میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ میں ایسے جنات بھی ہیں جو اسلام لا چکے ہیں اگر تم ان میں سے کچھ دیکھو تو انہیں تین روز کی مہلت دو۔ اگر اس کے بعد بھی تمہیں وہ نظر آئے تو اسے قتل کر دو۔ وہ شیطان ہیں۔“

نمازوں کی قضاء

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم شفیح معظم ﷺ نے خندق کے روز فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مشرکین کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے جیسے کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ الوسطیٰ سے روکا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔“

امام بخاری، امام ترمذی، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یوم خندق میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے جبکہ غروب ہو چکا تھا۔ وہ کفار کو برا بھلا کہنے لگے پھر عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نماز نہ پڑھ سکا حتیٰ کہ قریب تھا کہ سورج غروب ہو جاتا۔“ آپ نے فرمایا: ”بخدا! میں نے بھی ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔“ ہم بطحان میں آپ کی معیت میں اترے۔ آپ نے نماز کے لیے وضو کیا ہم نے بھی وضو کیا۔ آپ نے غروب آفتاب کے بعد نماز عصر اور پھر نماز مغرب پڑھی۔

امام احمد، امام نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام بزار نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا: ”مشرکین نے ہمیں روکے رکھا۔“ حضرت جابر اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ”مشرکین کی وجہ سے آپ نماز ظہر، نماز عصر، نماز مغرب اور نماز عشاء نہ پڑھ سکے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور اقامت کہی۔ آپ نے نماز ظہر اسی طرح ادا کی جس طرح اس کے وقت میں پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے اقامت کہی۔ آپ نے نماز عصر پڑھی۔ پھر انہوں نے اقامت کہی آپ نے نماز مغرب پڑھی پھر انہوں نے اقامت کہی آپ نے نماز عشاء پڑھی۔ پھر فرمایا: ”روئے زمین پر اس وقت تمہارے علاوہ اور کوئی قوم نہیں جو اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی ہو۔“ حضرت ابوسعید نے فرمایا: ”اس وقت صلوٰۃ الخوف کے بارے یہ آیت طیبہ نازل نہیں ہوئی تھی:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا (البقرہ: ۲۳۹)

ترجمہ: ”پھر اگر تم کو ڈر ہو تو پیادہ یا سوار (جیسے بن پڑے۔)“

ابن سعد نے حضرت ابو جمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خندق کے وقت آپ نے مغرب کی نماز پڑھی جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ”کیا تم میں سے کسی کو علم ہے کہ میں نے نماز عصر پڑھی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے نہیں پڑھی۔“ مؤذن نے اذان دی، اقامت کہی۔ آپ نے نماز عصر پڑھی پھر نماز مغرب کا ارادہ کیا۔

مسلمانوں کو مال غنیمت ملا

محمد بن عمر نے لکھا ہے: ”مجھے محمد بن عمر بن رفاعہ بن ثعلبہ بن ابی مالک نے اپنے والد گرامی سے اور وہ ان کے جد امجد سے روایت کیا ہے کہ ابوسفیان نے حنی سے کہا: ”ہمارا چارہ ختم ہو گیا ہے کیا تیرے پاس چارہ ہے۔“ حنی: ہاں! اس نے کعب بن اسد سے گفتگو کی۔ اس نے کہا: ”ہمارا مال تیرا مال ہے جیسے چاہو استعمال کرو۔ قوم کو حکم دو کہ وہ اونٹ لے آئے اور جتنا چاہے لاد کر لے جائے۔“ حنی نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے اونٹ بھیج دو جو چارہ اٹھالائیں۔ مشرکین نے بیس اونٹ بھیجے جو جو، کھجوریں اور چارہ لے کر مشرکین کی طرف نکلے۔ جب وہ صنفہ تک پہنچے وہ عقین کے رستے جانا چاہتے تھے۔ وہ بنو عمرو بن عوف کے پاس سے گزرے۔ وہ دوپہر کے وقت اپنے اپنے گھر جا رہے تھے۔ وہ دس افراد تھے۔ ان میں حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر، حضرت عویم بن ساعدہ اور حضرت معن بن عدی بھی شامل تھے۔ وہ اپنے اس آدمی کی لاش کو لے کر نکلے جو ان کے قلعے میں مرا تھا تا کہ اسے دفن کریں۔ انہیں ان اونٹوں کا علم ہو گیا۔ انہوں نے ان کے ساتھ مقابلہ کیا۔ قریشیوں نے بھی کچھ دیر کے لیے مقابلہ کیا ان میں ضرار بن خطاب بھی تھا۔ انہوں نے اپنے اونٹوں کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ کچھ زخمی ہوئے بعض کو زخمی کیا جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو انہوں نے وہ اونٹ ان کے سپرد کر دیے۔ مسلمان انہیں بنو عمرو کے پاس لے آئے۔ اپنی میت کو دفن کیا۔ پھر ان اونٹوں کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اہل خندق اسی میں سے کھاتے رہے۔ اس سے انہیں وسعت نصیب ہوئی۔ انہوں نے وہ خوراک کھائی حتیٰ کہ اسے ختم کر دیا۔ پھر ان ایام میں ان اونٹوں کو بھی ذبح کر دیا۔ پھر ان میں سے کچھ باقی رہے حتیٰ کہ مسلمان مدینہ طیبہ آگئے۔ جب ضرار واپس آیا اس نے اس واقعہ کے بارے میں مشرکین کو بتایا تو ابوسفیان نے کہا: ”حنی منحوس ہے اس نے ہمارا راستہ روک دیا ہے اب ہم واپسی پر اپنا سامان کس پر لاد کر لے جائیں گے۔“

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کردار

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام خوف اور شدت میں تھے جیسے کہ رب تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ دشمن کہیں ان پر غلبہ نہ پالے دشمن اوپر سے اور نیچے سے آگیا تھا۔

امام احمد اور ابن سعد نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سوموار، منگل اور بدھ کے روز نماز ظہر اور نماز عصر کے مابین مسجد احزاب میں تشریف لاتے رہے۔ اپنی ردائے پاک رکھ دیتے دست اقدس بلند فرماتے اور مشرکین کے لیے بددعا کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بشارت کے اثرات آپ کے روئے زیبا پر دیکھ لیے تھے۔

امام بخاری، ابن سعد اور ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن ابی بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گروہوں کے لیے بد دعائی۔ ابو نعیم کی روایت میں ہے: "آپ نے انتظار فرمایا حتیٰ کہ سورج ڈھل گیا پھر آپ لوگوں میں کھڑے ہوئے۔ ارشاد فرمایا: "اے لوگو! دشمن کے ساتھ ملاقات کرنے کی تمنا نہ کیا کرو۔ رب تعالیٰ سے عافیت کا سوال کیا کرو اگر دشمن سے معرکہ آزما ہو جاؤ تو صبر کا دامن پکڑو۔ جان لو کہ جنت تلواروں کے سایوں کے نیچے ہے۔" پھر آپ نے یہ دعا مانگی: "مولا! اے کتاب حکیم نازل فرمانے والے! جلد حساب لینے والے! گروہوں کو شکت دے مولا! انہیں ہزیمت سے دو چار کر اور ہماری ان کے خلاف مدد فرما۔"

ابن سعد نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کا دس سے زائد دن تک محاصرہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ ہر شخص نے اذیت محسوس کی۔ حضور معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی: "مولا! میں تجھے تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ مولا! کیا تو چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے۔"

امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ہم نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی ورد ہے جسے ہم کریں دل حلقوم تک پہنچ آئے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "ہاں! یہ ورد کرو اللھم استر عورتنا وامن روعاتنا۔ مولا! ہماری پردہ والی جگہوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوفوں کو امن سے تبدیل فرما۔" رب تعالیٰ نے ان کا خوف ختم کر دیا۔

محمد بن عمر نے عبداللہ بن عاصم اشجعی سے اور ابو نعیم نے عروہ اور ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے دوست تھے۔ جب گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے نکلے تو وہ بھی اپنی قوم کے ہمراہ نکلے وہ ان کے دین پر تھے۔ گروہ وہیں ٹھہرے رہے جتنی مدت ٹھہرے رہے۔ حتیٰ کہ گوشے قحط سالی کا شکار ہو گئے جانور ہلاک ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا۔ انہوں نے اپنا اسلام اپنی قوم سے مخفی رکھا۔ باہر نکلے اور بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے انہیں دیکھا تو آپ بیٹھ گئے۔ پوچھا: "نعیم! کس لیے آئے ہو؟ عرض کی: میں آپ کی تصدیق کرنے آیا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔" انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ کو بتایا کہ قریش اکٹھے ہو کر آپ پر حملہ آور ہونے لگے ہیں۔ انہوں نے بنو قریظہ کی طرف پیغام بھیج دیا ہے کہ ان کا قیام طویل ہو گیا ہے ان کا ارد گرد قحط زدہ ہو گیا ہے۔ ہم اس لیے آئے ہیں تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ جنگ کریں اور ان سے جان چھڑالیں۔" بنو قریظہ نے ان کی طرف یہ پیغام بھیجا ہے: "تمہاری رائے بڑی عمدہ ہے جب تم چاہو لیکن تم کچھ افراد بطور رہن ہمارے پاس بھیج دو۔ پھر تم خود گورو کے

رکھو۔“ حضور اکرم ﷺ نے حضرت نعیم سے فرمایا: انہوں نے مجھے پیغام بھیجا ہے وہ مجھے صلح کی دعوت دے رہے ہیں۔ میں بنو نضیر کو ان کے گھروں اور اموال کی طرف لوٹا دوں۔“ حضرت نعیم نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے جو چاہیں حکم فرمادیں۔ بخدا! آپ مجھے جو حکم بھی کریں گے میں اسے کر گزروں گا۔ میری قوم کو میرے اسلام کا علم نہیں ہے۔ نہ کسی اور کو اس کا علم ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”تم صرف ایک شخص ہو جتنی تم میں استطاعت ہے تم ان لوگوں کو ہم سے دور لے جاؤ۔ جنگ ایک چال ہی ہوتی ہے۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں ضرور کر گزروں گا۔ آپ مجھے خلاف واقع بات کرنے کی اجازت مرحمت فرمادیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو چاہو کہو تمہیں اجازت ہے۔“

حضرت نعیم فرماتے ہیں: ”میں بنو قریظہ کے پاس گیا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھے خوش آمدید کہا۔ میری عزت و تکریم کی مجھے کھانا اور مشروب پیش کیے۔ میں نے انہیں کہا: ”میں کھانے پینے کے لیے نہیں آیا۔ میں تمہارے پاس ایک اہم معاہدہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے تمہارے بارے خدشہ ہے تاکہ تمہیں کچھ صحیح مشورہ دے سکوں۔ تم اس محبت سے آگاہ ہو جو میں تم سے کرتا ہوں۔ میرے اور تمہارے مابین جو خاص تعلقات ہیں تم ان سے بھی آگاہ ہو۔“ انہوں نے کہا: ”ہم تمہیں جانتے ہیں تم پر کوئی تہمت نہیں ہے۔ تم ہمارے نزدیک سچے اور پاکباز ہو جیسے کہ ہم پسند کرتے ہیں۔“ حضرت نعیم: پھر میری بات مخفی رکھنا۔“ بنو قریظہ: ہم پوشیدہ رکھیں گے۔ حضرت نعیم اس شخص (حضور اکرم ﷺ) کا معاملہ ایک آزمائش ہے تم جانتے ہو کہ اس نے بنو قینقاع اور بنو نضیر کے ساتھ کیا کیا تھا۔ ان کے اموال پر قبضہ کر کے انہیں جلاوطن کر دیا۔ ابن ابی حقیق ہمارے پاس گیا۔ ہم اس کے ساتھ اٹھے ہوئے تاکہ تمہاری نصرت کریں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ معاملہ طوالت اختیار کر گیا ہے جیسے کہ تم بھی دیکھ رہے ہو۔ بخدا! تم قریش اور غطفان اس شخص کے ہاں ایک مقام پر نہیں ہو۔ قریش اور غطفان کارواں کی شکل میں آئے۔ فروش ہو گئے۔ جیسے کہ تم نے دیکھا اگر انہیں فرصت ملی تو وہ اس سے فائدہ اٹھالیں گے اگر جنگ میں انہیں کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑا تو وہ اپنے شہروں کی طرف بھاگ نکلیں گے لیکن تم اس چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ یہ شہر تمہارا شہر ہے اس میں تمہارے اموال، بیٹے اور خواتین ہیں محمد عربی ﷺ کا پڑا ان پر بھاری ہے۔ کل رات گئے تھے وہ ان کے ساتھ مصروف پیکار ہے۔ ان کا سردار عمرو بن عبد بنہ تیغ ہوا۔ بقیہ زخمی حالت میں بھاگ نکلے وہ تمہیں مستغنی نہیں کر سکتے۔ تم قریش اور غطفان کے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہ کرو حتیٰ کہ ان میں کچھ معزز افراد اپنے پاس بطور رہن نہ رکھ لو۔ ان سے پختہ عہد لو کہ وہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے حتیٰ کہ وہ محمد عربی ﷺ کے ساتھ مقابلہ کر لیں۔“

بنو قریظہ: تم نے عمدہ رائے دی ہے خلوص کا اظہار کیا ہے۔“ انہوں نے ان کا شکر یہ ادا کیا۔ ان کے لیے دعا کی اور کہا: ”ہم اسی طرح کریں گے۔“ حضرت نعیم: تم یہ سارا معاملہ مخفی رکھنا۔ بنو قریظہ: ضرور! ہم اسی طرح کریں گے۔

پھر حضرت نعیم ابوسفیان کے پاس آئے۔ وہ قریش کے افراد کے مابین بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا: ”میں تیرے لیے خلوص کا اظہار کرنے آیا ہوں۔ میری بات مخفی رکھنا۔ ابوسفیان: ضرور! حضرت ابو نعیم: کیا تجھے پتہ ہے کہ بنو قریظہ اس معاہدہ کو توڑ کر نام ہیں جو ان کے اور محمد عربیؐ کے مابین تھا۔ وہ واپس لوٹنا اور صلح کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ان کی طرف پیغام دیا ہے۔ میں ان کے پاس ہی تھا۔ انہوں نے انہیں کہا: ”ہم قریش اور بنو غطفان میں سے ستر افراد آپ کو پیش کریں گے۔ آپ ان کی گردنیں اڑا دینا۔ لیکن بنو نضیر کو ان کے گھروں اور اموال میں واپس لے آئیں۔ ہم آپ کے ساتھ تعاون کریں گے حتیٰ کہ ہم قریش کو واپس لوٹا دیں گے۔ اگر بنو قریظہ تمہارے پاس پیغام بھیجیں اور بطور رہن کچھ افراد مانگیں تو انہیں کچھ بھی نہ دینا۔ اپنے سرداروں کی ان سے حفاظت کرنا۔ لیکن یہ باتیں مخفی رکھنا۔ ان کا حرف تک بھی کسی کے سامنے نہ کرنا انہوں نے کہا: ہم کسی سے ذکر تک نہ کریں گے۔“

پھر وہ بنو غطفان کے پاس آئے۔ انہوں نے انہیں کہا: ”تم جانتے ہو کہ میں تم میں سے ہی ایک شخص ہوں میری باتیں مخفی رکھنا۔ جان لو کہ بنو قریظہ نے محمد عربیؐ کے پاس پیغام بھیجا ہے..... پھر انہوں نے ان سے اسی طرح کہا جس طرح ابوسفیان سے کہا تھا..... کہا: محتاط رہنا۔ تم بنو قریظہ کو ایک شخص بھی نہ دینا۔ انہوں نے ان کی تصدیق کر دی۔“

یہودیوں نے عزال بن سموال قریش کی طرف بھیجا۔ اس نے یہ پیغام دیا: ”تمہارا قیام طوالت اختیار کر گیا ہے تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم جو کچھ کر رہے ہو یہ درست بھی نہیں۔ اگر تم ایک دن مقرر کر لو اس میں ہم مل کر محمد عربیؐ پر حملہ کریں۔ ایک طرف تم حملہ کر لو۔ دوسری طرف سے بنو غطفان دھاوا بول دیں۔ ہم تیری طرف سے نکلیں گے ہم سے محمد عربیؐ بچ نہیں نکلیں گے۔ لیکن ہم تمہارے ساتھ اس وقت تک نہیں نکلیں گے حتیٰ کہ تم اپنے معزز افراد ہمارے پاس بطور رہن رکھو۔ تاکہ وہ ہمارے پاس رہیں۔ ہمیں خطرہ ہے اگر جنگ نے تمہیں اذیت دی یا تمہیں کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑا تو تم اپنے شہروں کی طرف بھاگ جاؤ گے۔ ہمیں اپنے گھر کے صحن میں چھوڑ جاؤ گے۔ ہم نے محمد عربیؐ کا معاہدہ پس پشت ڈال دیا ہے۔ ان کے ساتھ عداوت کا اظہار کر دیا ہے۔ جب یہود کا قاصد ابوسفیان کے پاس آیا تو ابوسفیان نے اسے کچھ بھی نہ دیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس نے کہا: نعیم نے یہی بتایا تھا۔“

حضرت نعیم بنو قریظہ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: اے بنو قریظہ! میں اس وقت ابوسفیان کے پاس تھا جب تمہارا قاصد اس کے پاس گیا اس سے بطور رہن کچھ افراد مانگے لیکن اس نے کچھ نہ دیا جب قاصد چلا آیا تو اس نے کہا: ”اگر وہ مجھ سے بکری کا بچہ مانگیں گے میں انہیں وہ بھی نہیں دوں گا۔ میں اپنے عمدہ ساتھیوں کو ان کے پاس بطور رہن رکھوں تاکہ وہ انہیں محمد عربیؐ کو دیں اور ان سب کو تہ تیغ کر دیں۔ تم اپنی رائے پر بھکتے رہنا۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے

ساتھ ہو کر اس وقت تک نہ لڑنا حتیٰ کہ تم رہن اپنے پاس رکھ لو۔ تم محمد عربی ﷺ سے تو نہیں لڑ رہے۔ ابوسفیان چلا جائے تو تم اپنے سابقہ معاہدہ پر آجانا۔ بنو قریظہ: یا نعیم! ہمیں یہی امید ہے کعب بن اسد نے کہا: ”بخدا! میں تو محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی وجہ سے میری مجبوری بن گئی۔ حتیٰ ایک منحوس شخص ہے۔ زبیر بن باطان نے کہا: اگر قریش اور غطفان چلے گئے تو پھر وہ صرف ہم سے تلوار ہی قبول کریں گے۔ ہم محمد عربی ﷺ کی طرف نکلیں گے۔ قریش سے رہن طلب نہ کرو۔ وہ ہمیں رہن بھی نہیں دیں گے۔ وہ کس طرح ہمیں رہن دیں گے۔ ان کی تعداد ہماری تعداد سے کثیر ہے۔ ان کے پاس گھوڑے ہیں ہمارے پاس گھوڑے نہیں ہیں۔ وہ بھاگنے پر قادر ہے ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے۔ بنو غطفان نے محمد عربی ﷺ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ انہیں مدینہ طیبہ کی کچھ کھجوریں دیں مگر انہوں نے انکار کر دیا ہے سوائے تلوار کے۔ وہ کچھ لیے بغیر واپس جائیں گے۔ زبیر وغیرہ نے قریش کی مدد کو رہن کے ساتھ ہی مشروط کیا۔

ہفتہ کی شب کو ابوسفیان اور غطفان کے روساء نے عکرمہ اور قریش اور غطفان کے کچھ لوگوں کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”ہمارا یہاں مزید قیام کرنا ممکن نہیں۔ اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو رہے ہیں تم جنگ کی تیاری کرو تا کہ محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ کریں اور اپنے اور ان کے مابین جو کچھ ہے۔ اسے ختم کر دیں۔ بنو قریظہ نے یہ پیغام دیا آج تو ہفتہ ہے اس دن ہم کچھ کام نہیں کرتے۔ ہماری ایک قوم نے اس روز حادثہ رونما کیا تھا تم خوب جانتے ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم محمد عربی ﷺ کے ساتھ اس وقت تک جنگ نہیں کریں گے حتیٰ کہ تم اپنے کچھ افراد ہمارے ہاں بطور رہن رکھو۔ جو ہمارے اعتماد کے طور پر ہمارے ہاں رہیں حتیٰ کہ ہم محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ کر لیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر جنگ نے تمہارا نقصان کر دیا قتال تم پر شدت اختیار کر گیا تو ہمیں چھوڑ کر اپنے شہروں کی طرف بھاگ جاؤ گے۔ وہ شخص تو ہمارے شہر میں ہے۔ اس کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت ہم میں نہیں۔

جب مشرکین کے قاصد بنو قریظہ کا یہ پیغام لے کر آئے تو قریش اور غطفان نے کہا: نعیم نے سچ ہی کہا تھا۔ انہوں نے بنو قریظہ کی طرف یہ پیغام بھیجا بخدا! ہم اپنے افراد میں تمہیں ایک فرد بھی نہیں دیں گے اگر قتال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو باہر نکلو اور جنگ کرو اس وقت بنو قریظہ نے کہا: جو کچھ نعیم نے کہا تھا وہ سچ ہے۔ یہ قوم صرف جنگ کرنا چاہتی ہے۔ اگر انہیں موقع ملا تو اس سے فائدہ اٹھائیں گے ورنہ اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ تم اپنے درمیان سے اور اس شخص کے درمیان سے ہٹ جاؤ جو تمہارے شہر میں ہے۔“

قریش اور غطفان کے قاصد بار بار بنو قریظہ کے پاس جاتے رہے وہ بار بار اپنا موقف دہراتے رہے۔ یہ ان کی مدد سے مایوس ہو گئے۔

رب تعالیٰ نے حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کے ذریعے ان کے مابین تفریق ڈال دی۔

مشرکین کی شکست، رب تعالیٰ کا ان پر ٹھنڈی ہوا، اور ملائکہ بھیجنا

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ نے شدید ٹھنڈی رات میں سخت آندھی بھیج دی۔ اس نے ان مشرکین کی

ہنڈیاں الٹ دیں۔ ان کے برتن پھینک دیے۔

ابن سعد نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ”غزوہ خندق میں حضرت جبرائیل آئے۔ ان

کے ساتھ ہوا تھی جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو دیکھا تو فرمایا: خوش ہو جاؤ۔“ آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا

رب تعالیٰ نے مشرکین پر ہوا بھیجی۔ اس نے خمیے اکھڑ دیے۔ ہنڈیاں الٹی کر دیں۔ آدمی دفن کر دیے۔ رسیاں ٹوٹ گئیں وہ

روانہ ہو گئے وہ ایک دوسرے کو مڑ کر دیکھ بھی نہیں رہے تھے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا (الاحزاب: ۹)

ترجمہ: ”جب آگئے تھے تم پر لشکر پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکے تھے۔“

ابن ابی حاتم، ابو نعیم اور بزار نے صحیح اسناد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غزوہ خندق کی رات کو

شمالی ہوا جنوبی ہوا کے پاس گئی۔ اس نے اسے کہا: ذرا چل! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی مدد فرما۔ جنوبی ہوا

نے کہا: آزاد رات کو نہیں چلتا۔ رب تعالیٰ نے اس پر غضب نازل کیا اسے بانجھ بنا دیا اس نے سب ابھیجی اس نے مشرکین کی

آگ بجھا دی۔ رسیاں کاٹ ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: میری نصرت صبا کے ذریعے کی گئی ہے۔ عاد کو دبور کے ذریعے ہلاک کیا

گیا ہے، امام احمد، شیخان اور امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میری نصرت

صبا کے ذریعے کی گئی ہے عاد کو دبور کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔“

امام بیہقی نے حضرت مجاہد سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے نقل کیا ہے یعنی صبا ہوا۔ جو گروہوں پر روز

خندق بھیجی گئی تھی اس نے ان کی ہنڈیاں الٹی کر دیں۔ خیموں کی رسیاں اکھڑ دیں حتیٰ کہ وہ کوچ کرنے پر مجبور ہو گئے اور جنود

سے مراد فرشتے ہیں انہوں نے اس روز قتال نہیں کیا تھا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے ہوا اور رب کو بھیج دیا جب وہ خیمہ

اگاتے اللہ تعالیٰ اس کی رسیاں کاٹ دیتا۔ جب وہ جانور باندھتے رب تعالیٰ اس کی رسی کاٹ دیتا۔ جب بھی آتش جنگ جلاتے

رب تعالیٰ اسے بجھا دیتا۔ حتیٰ کہ ہمیں بتایا گیا کہ ہر ہر قبیلے کے سردار نے کہا: اے بنو فلاں! میرے پاس آؤ جب وہ اس کے

پاس جمع ہوئے تو اس نے کہا: نجات! نجات! تمہیں آگیا گیا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان پر رعب مسلط کر دیا تھا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں: پھر رب تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کی، یہ زرد آندھی تھی۔ اس نے مشرکین کی آنکھیں بھر دیں۔ انہیں بزدلی و کمزوری نے آگیا۔ مشرکین کو شکست ہو گئی وہ اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ آئے۔ ہوا ان پر چلتی رہی ملائکہ نے انہیں ڈھانپ رکھا۔ ان کی آنکھوں کو بے نور کیے رکھا۔ وہ واپس لوٹ گئے۔ ارشاد فرمایا:

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ
وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿٢٥﴾ (الاحزاب: ۲۵)

ترجمہ: ”اور لو نادیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو در آنحالیکہ اپنے غصہ میں تھے۔ انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور ہر چیز پر غالب ہے۔“

ابو الخطاب ابن دجیہ نے لکھا ہے ان ملائکہ نے ان کے دلوں میں بزدلی اور رعب ڈال دیا۔ اہل ایمان کے دلوں میں قوت اور امید ڈال دی۔ کہا جاتا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرشتے بھیجے جو دشمن کے گھوڑوں اور اونٹوں کو ڈانٹتے تھے انہوں نے بھاگ کر شکست کھا کر تین دن کی مسافت ایک دن میں طے کر لی۔

بھاگنے کا منظر

امام حاکم، ابن مردویہ، ابو نعیم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ نے اپنے ساتھیوں سے غزوات رسول ﷺ کا تذکرہ کیا ان کے ساتھیوں نے کہا: ”بخدا! اگر ہم کو آپ کی زیارت کی سعادت عظمیٰ مل جاتی تو ہم یوں یوں کرتے۔“ ایک شخص نے کہا: ”اگر میں حضور ﷺ کو پالیتا تو میں آپ کے ساتھ جہاد کرتا اور بہادری کے جوہر دکھاتا۔“ حضرت حذیفہ نے کہا: یہ تمنا نہ کرو۔ ہم نے غزوہ خندق میں خود کو دیکھا ہم صفیں باندھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے اوپر ابو سفیان اور اس کا لشکر تھا۔ ہمارے نیچے بنو قریظہ تھے جن سے ہمیں اپنی اولاد کے بارے خطرات تھے۔ اس سے تاریک تر اور شدید تر رات ہم پر بھی نہیں آئے گی۔ ہوا میں بجلیاں کڑکتی تھیں اتنی ظلمت کہ ہم میں سے کوئی اپنی انگلی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ منافقین آپ سے اجازت مانگنے لگے انہوں نے کہا:

إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ (الاحزاب: ۱۳)

ترجمہ: ”ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے۔“

منافقین میں سے جو آپ سے اجازت مانگتا آپ اسے اجازت دے دیتے وہ چپکے سے کھسک جاتے۔ ہماری

تعداد تین سو تھی حضور اکرم ﷺ نے ہمیں ایک ایک کر کے دیکھا فرمایا: ”کیا کوئی ایسا شخص ہے جو مشرکین کی خبر لے کر آئے وہ روزِ حشر میرے ساتھ ہوگا۔“ دوسری روایت میں ہے: ”روزِ حشر رب تعالیٰ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رفیق بنائے گا۔ لیکن ہم میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ آپ نے دوسری اور تیسری بار اس طرح فرمایا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! حذیفہ کو بھیج دیں۔“ میں نے کہا: ”بخدا! کوئی اور۔“ حضور اکرم ﷺ میرے پاس سے گزرے میرے پاس نہ تو دشمن سے بچنے کے لیے ڈھال تھی نہ سردی سے بچنے کی چادر تھی۔ میں نے اپنی زوجہ کی چادر لی ہوئی تھی جو میرے گھٹنوں سے متجاوز نہ تھی۔ آپ میرے پاس تشریف لائے۔ میں گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا: ”کون ہو؟“ میں نے عرض کی حذیفہ! آپ نے فرمایا: حذیفہ! حضرت حذیفہ نے فرمایا: ”میں عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے زمین کی طرف گیا مجھے اٹھنا پسند نہ تھا۔“ آپ نے فرمایا: اٹھو! میں اٹھا۔ آپ نے فرمایا: اس قوم میں واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ مجھے اس کی خبر لا کر دو۔ میں نے عرض کی: ”مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ بہت زیادہ سردی ہے۔ میں صرف اس لیے اٹھ رہا ہوں کہ مجھے آپ سے حیا آ رہی ہے۔“ آپ نے فرمایا: تمہیں نہ سردی لگے گی نہ گرمی۔ حتیٰ کہ تم میرے پاس آ جاؤ۔ میں سب سے زیادہ گھبراتا تھا اور سب سے زیادہ سردی مجھے لگتی تھی۔ بخدا! مجھے یہ خوف نہ تھا کہ میں قتل ہو جاؤں گا لیکن مجھے قیدی بننے کا خوف تھا۔ آپ نے فرمایا: تم قیدی نہیں بنو گے۔“ میں باہر نکلا آپ نے یہ دعا مانگی: مولا اس کے سامنے سے اس کے پیچھے سے اس کے دائیں سے اس کے بائیں سے اس کے اوپر اور اس کے نیچے سے اس کی حفاظت فرما۔“ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: ”میرے اندر جو گھبراہٹ اور سردی تھی وہیں ختم ہو گئی۔ مجھے کچھ بھی محسوس نہ ہو رہا تھا۔ گویا کہ میں حمام میں چل رہا تھا۔ جب میں جانے لگا تو آپ نے فرمایا: حذیفہ! اس قوم میں کوئی حادثہ رونمانہ کرنا حتیٰ کہ تم میرے پاس آ جاؤ۔“

دوسری روایت میں ہے۔ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے جو چاہیں حکم دیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اس قوم میں داخل ہو جاؤ۔“ پہلے قریش کے پاس جانا۔ انہیں کہنا۔ ”اے قوم قریش! لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ جب کل آئے تو لوگ کہیں قریش کہاں ہیں؟ لوگوں کے قائد کہاں ہیں؟ لوگوں کے رؤساء کہاں ہیں؟ وہ تمہیں آگے کریں گے۔ تم جنگ کرو گے تم میں قتل عام ہوگا۔ پھر بنو کنانہ کے پاس جانا کہنا: اے بنو کنانہ! لوگوں کا ارادہ ہے کہ کل وہ کہیں بنو کنانہ کہاں ہیں ماہر تیر انداز کہاں ہیں؟“ وہ تمہیں آگے کریں گے تم جنگ کرو گے قتل عام تم میں ہوگا۔“ پھر بنو قیس کے پاس جانا۔ انہیں کہنا: ”اے گروہ قیس! لوگوں کا ارادہ ہے کہ کل وہ کہیں بنو قیس کہاں ہیں۔ گھوڑوں میں مشغول رہنے والے کہاں ہیں؟ شہ سوار کہاں ہیں؟ وہ تمہیں آگے کریں گے تم قتال کرو گے تمہارا قتل عام ہوگا۔“

حضرت حذیفہ نے کہا: ”میں باہر نکلا۔ روانہ ہوا۔ لشکر کے پڑاؤ تک پہنچا۔ میں نے دیکھا ان کے لیے آگ کی روشنی

تھی۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو سیاہی مائل اور موٹا تھا۔ اس کے ہاتھ میں آگ تھی اس کے ارد گرد لوگ تھے۔ گردہ اسے چھوڑ کر جا چکے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا: ”کوچ کوچ“ میں ابوسفیان کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اس کا پر سفید تھا اسے اپنی کمان میں رکھتا تھا کہ اسے دے ماروں۔ پھر مجھے حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا۔ اس قوم میں کوئی واقعہ رونما نہ کرنا حتیٰ کہ میرے پاس آ جاؤ۔ میں رک گیا تیر واپس ڈال لیا۔ جب میں ان میں بیٹھ گیا تو ابوسفیان کو کچھ محسوس ہوا کہ ان میں کوئی اجنبی آ گیا ہے۔ اس نے کہا: تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے اپنا ہاتھ اس شخص کے ہاتھ پر مارا جو میرے دائیں طرف تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑا پوچھا کون ہو؟ اس نے کہا: معاویہ بن سفیان۔ میں نے بائیں طرف ہاتھ مارا پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں عمرو بن عاص ہوں۔ میں نے یہ عمل اس خدشہ کے پیش نظر کیا تھا کہ کوئی مجھ سے نہ پوچھے۔ میں نے ان سے پہلے پوچھ لیا۔ پھر میں کچھ دیر ان میں ٹھہرا رہا۔ میں بنو کنانہ اور بنو قیس کے پاس آیا۔ میں نے اسی طرح کہا جس طرح مجھے آپ نے حکم دیا تھا۔ میں پڑاؤ میں داخل ہو گیا۔ بنو عامر مجھے سب سے زیادہ قریبی تھے۔ عامر بن علقمہ نے صدا دی: ”بنو عامر آندھی مجھے مار رہی ہے میں سواری پر ہوں انہیں شدید آندھی نے آلیا ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی جب اس کے ساتھیوں نے دیکھا تو وہ چلانے لگے: کوچ کوچ! ٹھہر نے کا فائدہ نہیں۔“ آندھی مشرکین کے لشکر کے پڑاؤ میں محدود تھی۔ ایک ہاتھ بھی آگے پیچھے نہ تھی۔ بخدا! میں پتھروں کی آوازیں سن رہا تھا جو ان کے کجاؤں میں گر رہے تھے۔ ہوا انہیں پھینک رہی تھی۔ وقت صبح انہوں نے صدا دی: قریش کہاں ہیں لوگوں کے رئیس کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: اسی وجہ سے ہم رات سے مصیبت میں گرفتار رہے۔ کنانہ کہاں ہیں؟ قیس کہاں ہیں۔ گھوڑوں کے سوار کہاں ہیں؟ جب ابوسفیان نے یہ دیکھا تو اس نے کہا: سوار ہو جاؤ۔ وہ سوار ہو گئے۔ آندھی ان کے سامان پر بھی غلبہ پارہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ابوسفیان اپنے بندھے ہوئے اونٹ پر سوار ہو گیا۔ وہ اسے اٹھانے لگا۔ وہ اٹھ نہیں سکتا تھا اس نے بعد میں اسے کھولا۔ میں حضور ﷺ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب نصف راستہ طے کر لیا تو مجھے تقریباً بیس شہ سوار ملے جنہوں نے عمائم باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے کہا: اپنے صاحب (ﷺ) کو بتانا کہ رب تعالیٰ لشکر اور آندھی کے ساتھ ان کے دشمن کو کافی ہو گیا ہے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ چادر مبارک اوڑھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ جب میں واپس آیا تو مجھے سردی نے آلیا۔ میں کانپنے لگا۔ آپ نے مجھے اپنے دست اقدس سے اشارہ کیا۔ آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ میں آپ کے قریب ہو گیا۔ آپ نے اپنی بقیہ چادر مجھ پر ڈال دی۔ جب آپ کو کسی اہم کام کا سامنا کرنا پڑتا تو آپ نماز پڑھنے لگتے میں نے مشرک قوم کے بارے بتایا کہ میں نے انہیں چھوڑا تو وہ کوچ کر رہے تھے۔ پھر میں تادم صبح سوتا رہا۔ وقت صبح آپ نے فرمایا: ”اے بہت زیادہ سونے والے اٹھو۔“

ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن عاص اور خالد بن ولید دو سو گھڑ سواروں کے ساتھ لشکر کے پیچھے پیچھے رہے تاکہ آپ

ان کا تعاقب نہ کریں۔

حضور ﷺ کی واپسی

امام احمد، امام بخاری نے حضرت سلیمان بن مرد سے، بزار نے ثقہ راویوں سے اور ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے اور امام بیہقی نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے جب گروہ چلے گئے تو آپ نے فرمایا: ”اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر لشکر کشی نہیں کر سکیں گے۔ ہم ان کی طرف جائیں گے۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ”اس کے بعد قریش کو آپ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی حتیٰ کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔“ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ یہ ورد فرماتے تھے:

لا اله الا الله وحده اعز جندة و نصر عبدة. هزم الاحزاب وحده فلا شيع بعدة.

صحابہ کرام فرماتے ہیں: ”آپ نے صبح خندق پر کی مشرکین کے لشکر میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا تھا۔ سب بھاگ گئے تھے۔ اپنے شہروں کی طرف منتشر ہو چکے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو گھروں میں جانے کی اجازت دے دی۔ وہ جلدی جلدی اور خوشی خوشی سے روانہ ہوئے۔ آپ نے ناپسند فرمایا کہ بنو قریظہ کو علم ہو کہ مسلمانوں میں واپس جانے کی کتنی محبت ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو واپس آنے کے لیے کہا۔ ان کے پیچھے منادی بھیجا مگر ان میں سے ایک شخص بھی واپس نہ آیا۔“

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت ابن عمر سے اور محمد بن عمر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو واپس آنے کا حکم دیا۔ ہم ان کے پیچھے یہ صدا میں دے رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ واپس لوٹ آؤ، لیکن ان میں سے ایک شخص بھی واپس نہ آیا۔ بھوک اور ٹھنڈک کی وجہ سے ان کا یوں جلدی جانا حضور اکرم ﷺ ناپسند فرما رہے تھے۔ آپ نے ناپسند فرمایا کہ کہیں قریش کے جاسوس نہ ہوں۔“ حضرت جابر نے فرمایا: میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ سے ملاقات بنو حرام میں کی۔ میں نے آپ کو بتایا تو آپ مسکرانے لگے۔ مدینہ طیبہ کے گوشوں میں منافقین حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے بارے باتیں بنا رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ”وہ تو ابھی تک ہلاک ہو چکے ہوں گے۔“ انہیں گروہوں کے چلے جانے کا علم نہ تھا۔ گروہوں کا یوں آجانا انہیں خوش کر رہا تھا وہ اعرابیوں کے ہاں چلے گئے تھے تاکہ انہیں قتال نہ کرنا پڑے۔

اس غزوہ میں آٹھ مسلمانوں کے سروں پر شہادت کا تاج سجا۔ حضرت سعد بن معاذ، حضرت انس بن اوس، حضرت عبد اللہ بن سہل، حضرت طفیل بن نعمان، حضرت ثعلبہ بن عمرو، حضرت کعب بن فرید، یہ بزم معونہ کے واقعہ میں زخمی ہو گئے

تھے۔ پھر تندرست ہو گئے اور غزوہ خندق میں شہید ہو گئے۔

حافظ دمیاطی نے الانساب میں ان حضرات کا اضافہ کیا ہے: "قیس بن زید، عبد اللہ بن ابی خالد ابوسنان بن صیفی۔
الحافظ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ خندق میں جام شہادت نوش کیا۔
مشرکین میں سے تین افراد واصل جہنم ہوئے۔ عمرو بن عبدو، نوفل بن عبد اللہ، عثمان بن منبہ اسے غزوہ خندق میں
تیر لگا اور مکہ مکرمہ میں مر گیا۔

ابوسفیان کا خط

محمد بن عمر نے حضرت ابو وجزۃ العدی سے روایت کیا ہے: "جب قریش طویل قیام سے اکتا گئے ارد گرد کو قحط سالی
نے ڈھانپ لیا۔ خندق سے تنگ دل ہوئے ابوسفیان نے طمع کیا تھا کہ وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کرے گا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف ایک خط لکھا جس میں لکھا:

"مولا! تیرے نام کے ساتھ! لات و عربی کی قسم! میں آپ کی طرف لشکر جرار لے کر آیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اس
وقت تک نہ لوٹوں گا حتیٰ کہ تمہیں جو سے اکھیر پھینکوں لیکن تم نے ہم سے ملاقات کرنے کو ناپسند کیا۔ خندق کھود کر اپنا تحفظ کر لیا۔
ورنہ احد کی یاد تازہ ہو جاتی۔"

اس نے یہ خط ابواسامہ جشمی کے ہاتھ بھیجا۔ حضرت ابی بن کعب نے آپ کو پڑھ کر سنایا۔ آپ نے ابوسفیان کو یہ خط
لکھوایا "اما بعد! مجھے تیرا خط ملا۔ بڑی مدت سے شیطان نے تجھے رب تعالیٰ کے بارے دھوکے میں ڈال رکھا ہے جو تو نے
یہ ذکر کیا ہے کہ تو لشکر لے کر ہمارے پاس آ رہا تھا تمہارا ارادہ تو یہ تھا کہ تو اس وقت تک واپس نہ جائے گا حتیٰ کہ ہمیں جو سے اکھیر
پھینکے یہ ایک ایسا امر ہے جس کے اور تمہارے مابین رب تعالیٰ کی ذات حائل ہے۔ بالآخر وہ ہمیں کامیابی عطا کرے گا۔ ایک
دن ضرور آئے گا جس روز میں لات و عربی اور اساف، نانکہ اور ہبل کو ریزہ ریزہ کر دوں گا اے بنو غالب کے احمق! اس روز میں
تجھے یہ سب کچھ یاد کراؤں گا۔"

غزوہ خندق کے بارے قرآن پاک کا نزول

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝١٠ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ

وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ
الظُّنُونًا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ⑪ وَإِذْ يَقُولُ
الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ⑫ وَإِذْ
قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ⑬ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ
مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ⑭ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ⑮ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ⑯
وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَبَلُوا الْفِتْنَةَ لَأَتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا
يَسِيرًا ⑰ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُولُونَ الْآذِبَارَ ⑱ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ
مَسْئُولًا ⑲ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا
تُمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ⑳ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنْ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ
أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ㉑ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ㉒ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ
الْمُعْوِقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ㉓ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا
قَلِيلًا ㉔ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ㉕ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ
كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ㉖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالسِّنَةِ جِدَادٍ
أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ㉗ أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ㉘ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ
يَسِيرًا ㉙ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ㉚ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابَ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ
بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ ㉛ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ㉜
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ
وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ㉝ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ ㉞ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ
وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ㉟ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ㊱ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ㊲ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ㊳
وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ㊴ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنْفِقِينَ إِنْ
شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ㊵ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ㊶ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ㊷ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ㊸ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيمًا ㊹

ترجمہ: ”اے ایمان والو یاد کرو اللہ تعالیٰ کا احسان جو اس نے تم پر کیا جب (حملہ آور) ہو کر آگئے تھے تم پر (کفار کے لشکر) پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جس کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا جب انہوں نے بلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت آنکھیں پتھر اگئی اور کلبجے منہ کو آگئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے اس موقع پر خوب آزمایا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لیے، اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ اے یثرب والو! تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو) اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہہ کر (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ سے) فرار تھا اور اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے۔ اس میں مگر بہت کم حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے۔ فرما دیجئے اے (بگھوڑو!) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے اور اگر (تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکتے مگر تھوڑی مدت فرمائیے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اگر وہ تمہیں عذاب کا ارادہ کرے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست نہ کوئی مددگار اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں۔ (اسلامی کیمپ چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے اور برائے نام پر لے درجہ کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں اور پھر جب خوف اور دہشت چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے تو وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکر رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت تکلیف دیتے ہیں اپنی تیز بانوں سے اور بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول

میں (درحقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے اللہ نے ضائع کر دیے ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے دشمن بھاگ گیا لیکن یہ بزدل یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے اور اگر جتھے دوبارہ پلٹ کر آجائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش وہ صحرا میں بدوؤں کے ہاں ہوتے اور تمہاری خبریں لانے والوں سے پوچھتے اگر یہ تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ جنگ نہ کرتے مگر برائے نام۔ بے شک حضور کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے اس لیے جو اللہ سے ملاقات اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔“

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اشعار

و لو شہدت راحنا صابرینا

و سائلۃ تسائل ما لقینا

ترجمہ: ”کئی خواتین نے ہم سے سوال کیا کہ ہم کس چیز سے نبرد آزما ہوئے۔ اگر وہ وہاں موجود ہوتیں تو وہ ہمیں پاتیں کہ ہم صبر کرنے والے تھے۔“

علی مانابنا... متوکلینا

صبرنا لا نری اللہ عدلا

ترجمہ: ”ہم کسی کو اللہ تعالیٰ کے مد مقابل نہیں پاتے۔ جو تکلیف ہمیں پہنچی ہم نے اس پر توکل کرتے ہوئے صبر کیا۔“

به البریة البریة اجمعینا

و کان لنا النبی وزیر صدق

ترجمہ: ”حضور والاکی ﷺ ہمارے لیے صداقت کے وزیر تھے آپ ہی کے وسیلہ سے ہم ساری مخلوق پر تسلط حاصل کریں گے۔“

و کانوا بالعداوة مرصدینا

نقاتل معشرًا ظلموا و عقوا

ترجمہ: ”ہم اس گروہ کے ساتھ مصروف پیکار رہیں گے جنہوں نے ظلم کیا اور نافرمانی کی وہ عداوت کی وجہ سے ہماری گھات میں تھے۔“

بضرب یعجل المتسرعینا

نعاجلهم اذا نهضوا الینا

ترجمہ: ”ہم اس وقت بڑی تیز شمشیر زنی کے ساتھ ان پر گویا سبقت لے جاتے جب وہ ہماری طرف آتے۔ تلواریں جلد بازوں پر تیزی سے چل رہی ہوتیں۔“

کغدران الملامستسر بلینا

ترانا فی فضافض سابغات

- ترجمہ: ”تم دیکھ رہے ہو کہ ہم ایسی زرہوں میں ملبوس ہیں جو کھلے میدانوں میں تالابوں کی طرح ہیں۔“
- و فی ایماننا بیض خفاف
بہا نشفی مراح الشاغبینا
- ترجمہ: ”ہمارے دائیں ہاتھوں میں ایسے تاباں اور ہلکی تلواریں ہیں جن کے ذریعے ہم ان کے فتنہ انگیز اور شور والے اوتھے پن کو ختم کر رہے ہیں۔“
- ببَاب الخندقیں کان اسدًا
شوا بکھن یحمین العرینا
- ترجمہ: ”خندق کے درازوں پر ایسے شیر متعین ہیں جو اپنی کچھاروں کے محافظ ہوں گویا کہ“
- فوارسنا اذا بکروا و راحوا
علی الاعداء شوسًا معلینا
- ترجمہ: ”وہ ہمارے سوار تھے جنہوں نے نشان لگا رکھے تھے اور ترش ٹیڑھی نگاہوں کے ساتھ صبح و شام دشمن کے ساتھ مصروف جنگ ہیں۔“
- و یعلم اهل مكة حین ساروا
و احزابٌ اتوا متخیر بینا
- ترجمہ: ”تاکہ اہل مکہ اور دیگر گروہ گروہ جان لیں جو گروپ کی شکل میں ہمارے پاس آئے تھے۔“
- لنصر احمد و اللہ حتی
نکون عباد صدق مخلصینا
- ترجمہ: ”نیز یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی مدد کریں حتیٰ کہ ہم رب تعالیٰ کے سچے اور مخلص بندے بن جائیں۔“
- بان اللہ لیس له شریک
و ان اللہ مولی المومنینا
- ترجمہ: ”تاکہ مشرکین جان لیں کہ رب تعالیٰ کا یقیناً کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے۔“
- فاما تقتلوا سعدًا سفاہًا
فان اللہ خیر القادرینا
- ترجمہ: ”اگر تم نے پاگل پن کی وجہ سے حضرت سعد کو شہید بھی کر دیا تو رب تعالیٰ تو سب قادرین سے بہترین قدرت رکھنے والا ہے۔“
- سیدُ خلۃ جناتٍ طیباتٍ
تکون مقامةً لصالحینا
- ترجمہ: ”رب تعالیٰ ان کو پاکیزہ باغات میں داخل کرے گا وہ صالحین کا ٹھکانہ ہوں گے۔“
- کما قد ردکم فلا شریدًا
بغیظکم خزایا خائبینا
- ترجمہ: ”جس طرح کہ اس ذات پاک نے تمہیں شکست خوردہ، دھتکارے ہوئے ذلیل و رسوا اور گھائے میں واپس کر دیا۔“

خزایا لم تنالوا ثم خیرًا و کدتم ان تکنوا دامرینا
ترجمہ: ”تم اس طرح ذلیل ہو گئے تھے کہ تم وہاں کسی بھلائی کو نہ پاسکے قریب تھا کہ تم ہلاکت کے گڑھے میں پڑتے۔“
بریج عاصف ہبت علیکم و کنتم تحتها متکبھینا
ترجمہ: ”تم اس شدید آندھی کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے جو تم پر چلی تھی اور اس کے نیچے تم اندھے ہو گئے تھے۔“
حضرت حسان بن ثابت عبداللہ بن زبیری کو جواب دیتے ہیں:

هل رسم دارسة المقام یباب متکلم لمحاویر بجواب
ترجمہ: ”ایسے شہر کے نشانات جہاں قیام کرنے کی علامات مٹ چکی ہیں ایسے شخص کے ساتھ ہم کلام ہونا چاہتے ہیں جو انہیں فوراً جواب دے۔“

قفر عفارهم السحاب رسومه و هبوب کل مطلة مرباب
ترجمہ: ”اس پٹیئل میدان کے نشانات کو مسلسل اور لگا تار بارشوں نے اور لگا تار بوند باندی نے مٹا کر رکھ دیا ہے۔“
ولقد رایت لها الحلول یزینهم بیض الوجوه ثواقب الاحساب
ترجمہ: ”میں نے اس شہر میں ایسے گھر دیکھے ہیں جنہیں ایسے افراد سجاتے تھے جن کے چہرے روشن اور اخلاق عمدہ تھے۔“

فدع الدیار و ذکل کل خریدة بیضاء آنسة الحدیث کعاب
ترجمہ: ”مگر اب اس شہر کو خیر آباد کہہ دو ان عورتوں کا ذکر بھی چھوڑ دو جو ابھرے ہوئے سینے والیاں، خوش کلام گوری اور نازک اندام تھیں۔“

واشک الهموم الی الاله وما تری من معشر ظلموا الرسول غضاب
ترجمہ: ”بلکہ تم رب تعالیٰ کی بارگاہ ناز میں اپنے غموں کی شکایت کرو، ان تکلیف دہ امور کی شکایت کرو جو تم نے اس غضبناک گروہ کے اندر دیکھے تھے۔ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ظلم کیا تھا۔“

ساروا بجمعهم الیه واللبوا اهل القرى و بوادی الاعراب
ترجمہ: ”وہ اپنی جمعیت کو لے کر آپ کی سمت آئے۔ انہوں نے شہریوں کو اور دیہاتوں کے لوگوں کو آپ کے خلاف جمع کیا تھا۔“

جیش عینة و ابن حرب فیہم متعظمین بحلبة الاحزاب

ترجمہ: ”اس لشکر میں عینہ اور ابوسفیان موجود تھے یہ اس میں ایسے متکبر لوگ تھے جن کے پاس مقابلہ کرنے والے گھوڑے تھے۔“

حتی اذا وردو المدینة وارتجوا
قتل الرسول و مخنم الاسلاب
ترجمہ: ”جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو انہوں نے آپ کو شہید کرنے اور مال و اسباب لوٹنے کی امیدیں لگائیں۔“

و غدوا علينا قادرین بایدیہم
ردوا بغیظہم علی الاعقاب
ترجمہ: ”اور اپنے بازو کی طاقت سے ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں ان کے غصے کے ساتھ ہی اٹھے پاؤں لوٹا دیا گیا۔“

و جنود ربك سدّ الارباب
بہبوب معصفۃ نفرق جمعہم
ترجمہ: ”یہ لوٹنا ایسی سخت آندھی کے جھونکوں کے ساتھ تھا جو ان کی جمعیت کو منتشر کر رہی تھی۔ تمہارے رب کا شکر بھی انہیں واپس لوٹا رہا تھا جو سارے مالکوں کا رب ہے۔“

فکفی الاله المومنین قتالہم
و اثابہم فی الاجر خیر ثواب
ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان کی جنگ میں کافی ہو گیا۔ اس نے اہل ایمان کو بہترین اجر و ثواب عطا فرمایا۔“

من بعد ما قنطوا ففرق جمعہم
تنزیل نصرہ ملیکنا الوہاب
ترجمہ: ”اس کے بعد کہ مسلمان مایوس ہو چکے تھے۔ مگر ہمارے مالک و وہاب رب تعالیٰ کی نصرت کے نزول نے کفار کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔“

و اقرّ عین محمد و صحابہ
و اذلّ کل مکذب مرتاب
ترجمہ: ”اللہ رب العزت نے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اور ہر جھٹلانے والے اور شک کرنے والے کو رسوا کر دیا۔“

عاتی الفواد موقع ذی ریبۃ
فی الکفر لیس بطاہر الاثواب
ترجمہ: ”ہر وہ شخص جس کا دل سرکش، شک کرنے والا اور تذبذب کا شکار تھا۔ وہ کفر میں اس حد تک گیا تھا کہ اس کے کپڑے بھی پاکیزہ نہ تھے۔“

علق الشقاء بقلبه ففؤادہ
فی الکفر آخر ہذہ الاحقاب
ترجمہ: ”اس کے دل کے ساتھ بد بختی معلق ہو گئی۔ کفر میں اس کا دل اس زمانے کا آخری دل ہے۔“

حضرت کعب بن مالک اسے جواب دیتے ہیں:

ابقی لنا حدث الحروب بقية
من خیر نحلۃ ربنا الوهاب
ترجمہ: ”جنگوں کے ظہور پذیر ہونے نے ہمارے لیے ایسے بہترین عطیات چھوڑے ہیں یہ عنایات ہمارے
اس پروردگار کی طرف سے تھیں جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔“

بیضاء مشرقۃ الذری و معاطنا
حم الجذوع غنیرۃ الاحلاب
ترجمہ: ”یعنی سفید چوٹیوں والے بلند قلعے ایسے نخلستان جو پانی کے قریب اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کی طرح تھے
اور دودھ دینے والی سیاہی مائل اونٹنیوں کی طرح درخت دیے۔“

کاللوب یبذل جتھا و حفیہا
للجار و ابن العم و المنتاب
ترجمہ: ”یہ نخلستان سیاہ پتھروں والی زمین کی مانند ہیں جن کا اکٹھا کیا ہوا اکثر پھل پڑوسیوں، چچا زادوں اور
مہمانوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔“

و نرائعاً مثل السراج نماہا
علف الشعیر و جزۃ المقضاب
ترجمہ: ”ہمیں ایسے گھوڑے بھی ملے ہیں جو چراغ کی طرح ضوفاں ہیں جس کے کھانے سے جو اور درانتی سے
کانی ہوئی گھاس ختم ہو جاتی ہے۔“

عری الشوی عنہا و اردف نحضہا
جرد المتون و سائر الاراب
ترجمہ: ”ان کی ٹانگیں عریاں ہو گئیں تھیں ان کی کمر اور سارے جوڑوں پر کم بال ہونے کی وجہ سے ان پر گوشت
چڑھ گیا تھا۔“

قوداً تراخ الی الصیاح اذا غدت
فعل الضراء تراخ للکلاب
ترجمہ: ”یہ گھوڑے طویل قامت والے ہیں وہ وقت صبح اس طرح ہنہنا کر خوش ہوتے ہیں جیسے شکاری کتے
شکاریوں کو دیکھ کر مسرور ہوتے ہیں۔“

و تحوط سائمة الدیار و تارة
تزدی العداد تؤدب بالاسلاب
ترجمہ: ”یہ گھوڑے چرنے کے لیے سارے میدان میں گھومتے ہیں کبھی دشمن کو برباد کرتے ہیں اور کبھی مال
غنیمت لے کر واپس آجاتے ہیں۔“

حوش الوحوش مطارة عند الوغی
عس اللقاء بینة الانجاب

ترجمہ: ”یہ گھوڑے جنگی جانوروں سے بدکنے والے ہیں جنگ میں تیز رفتار مقابلہ کے وقت ترش رو اور معزز نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔“

علفت علی دعة فصارت بُدنا
دخس البضیع خفیفة الاقصاب
ترجمہ: ”انہیں آسائش سے چارہ دیا گیا ہے اس لیے وہ بہت موٹے تازے گوشت سے لبریز اور ہلکی آنتوں والے بن گئے ہیں۔“

یغدون بالزعف المضاعف شکہ
و بمترصات فی الثقاف صیاب
ترجمہ: ”ان گھوڑوں کی پشتوں پر ایسے مجاہدین سوار ہیں۔ جنہوں نے دوہری زر ہیں پہن رکھی ہیں وہ سیدھے اور ٹھوس نیزے لے کر صبح سویرے حملہ آور ہو رہے ہیں۔“

و صوارمُ نزع الصیائل غلبها
و بکل اروع ماجد الانساب
ترجمہ: ”وہ ایسی تلواریں لے کر حملہ آور ہو رہے ہیں جن کے رنگ اور سختی کو صیقل کرنے والے نے صاف کر دیا ہے۔ ان میں ہر سوار معزز اور دلکش تھا۔“

یصل الیمین بمارن متقارب
و کلت و قبعته الی خباب
ترجمہ: ”ان کے دائیں ہاتھ میں ایسے بچکدار نیزے تھے جنہیں بنانے کی ذمہ داری ایک لوہار کی سپرد کی گئی تھی۔“

و اغرّ ازرق فی القنایة کانه
فی طحیة الظلماء ضوء شہاب
ترجمہ: ”وہ ایسے شفاف نیزے کے ساتھ حملہ آور تھے گویا کہ وہ رات کی سخت ظلمت میں شہاب کی روشنی تھے۔“

و کتیبة ینفی القران قتیرھا
و تردُّ حدّ قواحز النشاب
ترجمہ: ”وہ ایسا لشکر لے کر آئے جس کی زرہوں کی میخوں کے سر نیزوں کا انکار کر دیتے تھے وہ رانوں لگنے والے۔“

جاوی مملیة کان رماحها
فی کل عجمہ خریمة غاب
ترجمہ: ”اس لشکر کے اژدہا م کی ظلمت یوں تھی کہ ہر مجمع میں اس کے نیزے جھاڑی میں چلتی ہوئی لکڑی کی مانند تھے۔“

یاوی الی ظل اللواء کانه
فی صعدة الحظی فیء عقاب
ترجمہ: ”وہ لشکر اپنے جھنڈے کی طرف پناہ گزیں ہو رہا تھا وہ یوں لگ رہا تھا گویا کہ سیدھے نیزوں میں شاہین

کاسایہ ہو۔“

اعیت ابا کرب و اعیت تبعاً
و ابت بسالتها علی الاعراب

ترجمہ: "اس لشکر جرار نے یمن کے بادشاہ ابو کرب اور تبع کو بھی تھکا دیا۔ اور اس کی طاقت نے اعرابیوں کا منہ موڑ دیا۔"

و مواعظ من ربنا نہدی بہا بلسان ازھر طیب الاثواب
ترجمہ: "ہمیں اپنے رب کی طرف سے ایسی نصیحتیں ملیں جن سے ہم ہدایت پاتے ہیں یہ نصیحتیں ایسی ذات کی طرف سے آئیں تھیں جس کی زبان پاک اور کپڑے صاف تھے۔"

عرضت علینا فاشتہینا ذکرھا من بعد ما عرضت علی الاحزاب
ترجمہ: "جب یہ مواعظ ہمیں پیش کیے گئے تو ہم نے شوق سے انہیں یاد کر لیا حالانکہ یہ اس سے پہلے گروہوں پر پیش کیے جا چکے تھے۔"

حکمًا یراھا المشرکون بزعمہم حرجًا و یرفہا ذو والالباب
ترجمہ: "ہمیں حکمت سے لبریز ایسی باتیں ملیں جنہیں مشرک اپنے گمان کے مطابق حرج سمجھتے تھے لیکن دانا لوگ انہیں اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔"

جاءت سخینة کی تغالت رہا فلیغلبن مغالب الغلاب
ترجمہ: "یہ قریش یہ گمان لے کر آئے تھے تاکہ اپنے رب تعالیٰ پر غالب آجائیں لیکن سب سے غالب ذات سے مقابلہ کرنے والا مغلوب ہو کر رہتا ہے۔"

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جب حضرت کعب بن النضر نے آخری شعر پڑھا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "کعب! تمہاری اس بات کی رب تعالیٰ نے قدر دانی کی ہے۔"

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اشعار

من سڑہ ضرب یرعبل بعضہ بعضا کعبیۃ الابیاء المحرق
ترجمہ: "جو شخص تلواروں کی ایسی جھنکار سننا چاہتا ہے جو تلواروں کے باہم ٹکرانے سے یوں پیدا ہوتی ہے جیسے جلتے ہوئے بانسوں سے آواز نکلتی ہے۔"

فلیات ماسدة تُسن سیوفھا بین المذاذ و بین جزع الخندق
ترجمہ: "تو وہ ان شہروں کے اس میدان جنگ میں آجائے جن کی تلوار مذاذ اور خندق کے پہلو کے درمیان

تیز کی جارہی ہیں۔“

مہجات انفسہم لرب المشرق
دربوا بضرب المعلمین فاسلموا

ترجمہ: ”انہوں نے ایسے افراد کی تلواریں مارنے کی طرح کی مہارت حاصل کی جو نشان لگا کر جنگ میں شرکت کرتے ہیں جنہوں نے اپنی جانیں مشرق کے رب کے حوالے کر دیں۔“

بہم و کان بعدہ ذا مرفق
فی عصبة نصر الا له نبیہ

ترجمہ: ”اس مبارک جماعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی نصرت کی وہ رب تعالیٰ اپنے

حبیب لیب ﷺ پر بڑا مہربان ہے۔“

کالنبی ہبت ریجہ المتفرق
فی کل سابغة تخط فضولها

ترجمہ: ”اس گروہ کے ہر ہر فرد نے ایسی زرہ پہن رکھی ہے جس کا بقیہ گھسٹ کر زمین پر یوں خطوط بناتا ہے جیسے

تالاب میں ہوا سے لہریں پیدا ہوتی ہیں۔“

حذق الجنادب ذات شک موثق
بیضاء محکمة کان قتیرھا

ترجمہ: ”وہ سفید اور ایسی محکم زرہ ہے جس کی میخیں ٹڈی کی آنکھوں کی مانند چمکدار ہیں۔ اور اس کے جوڑ مضبوطی سے باندھے گئے ہیں۔“

صافی الحدیدۃ صارم ذی رونق
جدلاء یحفظھا نجاد مہند

ترجمہ: ”وہ ایسی قوی بندش والی زرہ ہے کہ ایک تاباں اور صاف اور قاطع تلوار کا پرتلہ اسے اٹھا کر سمیٹ لیتا ہے۔“

یوم الہیاج لکل ساعة مصدق
تلکم مع التقوی تکون لباسنا

ترجمہ: ”جنگ کے روز اور ہر سچائی کی گھڑی میں یہ زرہ تقویٰ کے لباس کے ساتھ ساتھ ہمارا لباس بنتی ہے۔“

قدما و نلحقھا اذا لم تلحق
نصل السیوف اذا قصرن بخطونا

ترجمہ: ”جب تلواریں آگے بڑھنے میں کوتاہی کرتی ہیں تو ہم اپنے قدموں کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں ہم انہیں

مل جاتے ہیں جبکہ وہ نہ مل رہی ہوں۔“

بلہ الا کف کانھا لم تخلق
فتری الجہاجم ضاحیا ہاماتھا

ترجمہ: ”تم دھوپ میں دشمن کے سروں کی کھوپڑیاں صاف دیکھو گے ہتھیلیوں کا تذکرہ ہی چھوڑ دو گویا کہ

انہیں پیدا ہی نہیں کیا گیا۔“

نلقى العدو بغفمة ملبومة
ترجمہ: ”ہم ایک ایسے متحد لشکر کے ساتھ دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ جو لشکر کو جلا وطن کر دیتا ہے گویا کہ فصد کے لیے مشرق پہاڑ کی چوٹی کو کھول دیا گیا۔“

و نعدُّ للاعداء كلَّ مقلص
ترجمہ: ”ہم دشمن کے لیے ہمہ وقت ایسا گھوڑا تیار رکھتے ہیں جس کی رنگت گلابی، سفید یا نکمیں اور ابلق ہوتا ہے۔“

تردی بفرسان کان کما تهم
ترجمہ: ”یہ گھوڑے اپنے شہ سوار کو سرعت سے لے جاتے ہیں گویا کہ ان کے جری لوگ جنگ کے وقت ہلکی بارش کے کچھڑ میں ایسے شیر ہوتے ہیں جن کی بھوک تیز ہوتی ہے۔“

صدق يعاطون الكفاة حتوفهم
ترجمہ: ”یہ مجاہدین سچ کر دکھاتے ہیں وہ گرد و غبار کے نیچے اپنے جان لیوا نیزوں کے ساتھ مقابلہ کرنے والے بہادروں کی جانیں نکال دیتے ہیں۔“

امر الا له بربطها لعدوة
ترجمہ: ”رب تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے کہ جنگ میں دشمن کے مقابلہ کے لیے گھوڑوں کو باندھ کر رکھیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہترین توفیق دینے والا ہے۔“

لتكون غيظا ملعدو و حيطا
ترجمہ: ”تا کہ یہ دشمن کے لیے آتش غضب بن جائیں اور اپنے گھروں کے لیے سد سکندری بن جائیں۔ جب بد اخلاق لوگوں کے گھوڑے ان کے قریب آئیں۔“

و يعيننا الله العزيز بقوة
ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ جو عزیز ہے وہ اس وقت اپنی جناب سے قوت کے ساتھ ہماری مدد کرتا ہے جس وقت ہم دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ وہ صبر کی صداقت کے ساتھ مدد کرتا ہے۔“

و نطيع امر ربنا و نجيبه و اذا
ترجمہ: ”ہم اپنے رب کریم کے حکم کے سامنے سر اطاعت خم کرتے ہیں اس کی صدا پر لبیک کہتے ہیں جب وہ دعا لکریہ لکریہ لم نسبق

ہمیں جہاد کے لیے بلاتا ہے تو کوئی ہم سے سبقت نہیں لے جاسکتا۔“

و متی ینادی للشدائد نأتھا و متی نری الحومات فیہا نعنق

ترجمہ: ”جب وہ مشکلات کی طرف دعوت دیتا ہے تو ہم فوراً وہاں حاضر ہو جاتے ہیں جب ہم بڑے بڑے

معرکے دیکھتے ہیں تو ان میں شریک ہو جاتے ہیں۔“

من یتبع قول النبی فانہ فینا مطاع الامر حق مصدق

ترجمہ: ”جو حضور اکرم ﷺ کے فرمان کی پیروی کرتا ہے (تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے) بلاشبہ آپ ایسی ذات

ہیں جس کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے اور آپ مستحق ہیں کہ آپ کی تصدیق کی جاتی۔“

فبذاک ینصرنا و ینصرنا و یصیبنا من نیل ذاک بمرفق

ترجمہ: ”اسی لیے آپ ہماری مدد کرتے ہیں اور عزت بڑھاتے ہیں اسی امر کے حصول کے لیے آپ ہم

پر مہربانی فرماتے ہیں۔“

ان الذین یکذبون محمداً کفروا و ضلوا عن سبیل المتقی

ترجمہ: ”بلاشبہ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کو جھٹلایا یا انہوں نے کفر کیا اور وہ متقی کے رستے سے ہٹ گئے ہوتے ہیں۔“

حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں:

لا ابلغ قریشاً ان سلعا وما بین العریض الی الضماد

ترجمہ: ”ارے! قریش تک یہ پیغام پہنچا دو کہ جو علاقہ کوہ سلع وادی عریض اور صمد پہاڑ کے مابین ہے۔“

نواضح فی الحروب مدربات و خوض ثقت من عهد عاد

ترجمہ: ”وہ ایسے نخلستانوں پر مشتمل ہے جنہیں جنگ کے ایام میں اونٹوں کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے اور

وہاں ایسے کنویں ہیں جنہیں عاد کے زمانہ میں کھودا گیا۔“

رواکد یزخر المرار فیہا فلیست بالجمام ولا الثماد

ترجمہ: ”یہ ایسے محکم ہیں جن میں مرادریا کی موجیں اٹھتی ہیں ان کا پانی نہ تو بہت کثیر تھا اور نہ ہی بہت قلیل تھا۔“

کان الغاب والبردی فیہا اجش اذا تبقع للحصاد

ترجمہ: ”فصل کاٹنے کے لیے جب اس جگہ زرد رنگ کے ٹکڑے بنائے جاتے ہیں تو بانس کی جھاڑیاں اور

بردی گھاس ان میں شور و غل پیدا کرتے ہیں۔“

- ولم نجعل تجارتنا اشتراء ال حمیر لارض دوس او مراد
ترجمہ: ”ہم دوس اور مراد کے قبائل کی سرزمین کے لیے گدھوں کو خریدنے اور بیچنے کا کاروبار نہیں کرتے۔“
- بلاد لم تثر الا لکیما نجالدان نشطم للجلاد
ترجمہ: ”بلکہ ہمارے ایسے شہر ہیں جہاں صرف اس مقصود کے لیے کھیتی باڑی کی جاتی ہے کہ اگر تم جنگ کے لیے اچھلو کودو تو ہم بھرپور تمہارا مقابلہ کریں گے۔“
- اثرنا سكة الانباط فیہا فلم تر مثلها جلہات واد
ترجمہ: ”ہم نے ان شہروں میں کھجوروں کی قطاریں قوم انباط کے طریقوں پر لگائی ہیں تم نے ان وادیوں جیسے مناظر کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔“
- قصرنا کل ذی حضر و طول علی الغایات مقتدر جواد
ترجمہ: ”ہم میں سے ہر ایک نے جنگ کے لیے ایک بہترین گھوڑا باندھ رکھا ہے جو اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کی پوری قوت رکھتا ہے۔“
- اجیبونا الی ما نجتدیکم من القول المبین والسداد
ترجمہ: ”تم ہمیں اس بات کا جواب دو۔ جو ہم تم سے صاف، واضح تر اور سیدھی بات کا تقاضا کرتے ہیں۔“
- و الا فاصبروا بجلاد یوم لکم منا الی شط المذاذ
ترجمہ: ”ورنہ مذاذ کی کسی طرف ہمارے ساتھ جنگ کے مصائب پر صبر کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“
- نصبحکم بکل اخی حروب و کل مطہم سلس القیاد
ترجمہ: ”ہم تم پر ایسے جرات شکر لے کر حملہ آور ہوں گے۔ جن میں سے ہر شخص جنگ میں ماہر ہوگا۔ ہر گھوڑا بھرپور جسم والا اور آسانی سے چلایا جانے والا ہوگا۔“
- و کل طمرۃ خفیٰ خشاھا تدف دفیف صفراء الجراد
ترجمہ: ”ہر گھوڑا طویل ٹانگوں والا اور اچھل کر چلنے والا ایسا گھوڑا ہوگا جس کے اندرونی اعضاء متحرک ہوں گے اور وہ انڈے دینے والی ٹڈیوں کی طرح تیزی سے اڑنے والا ہوگا۔“
- و کل مقلص الاراب نہد تمیم الخلق من اخی و ہادی
ترجمہ: ”ہر گھوڑا ایسا ہوگا جس کے اعضاء موٹے ہوں گے۔ وہ موٹا اور آگے پیچھے سے مکمل تخلیق والا ہوگا۔“

خیولُ لا تضاع اذا اضیعت
خیولُ النَّاسِ فی السَّنَةِ الجُمَادِ

ترجمہ: ”جب قحط سالی کے موقع پر دیگر لوگوں کے گھوڑے ضائع ہو جاتے ہیں تو یہ ضائع نہیں ہوتے۔“

ینازعن الا عنہ مصغیات
اذا نادی الی الفزع المنادی

ترجمہ: ”جب ندادینے والا جنگ کی صدا دیتا ہے تو یہ گھوڑے اسے توجہ سے سنتے ہیں وہ اپنی دموں سے لڑنے

لگتے ہیں۔“

اذا قالت لنا النذر استعدوا
توکلنا علی رب العباد

ترجمہ: ”جب ڈرانے والے لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ تیار ہو جاؤ تو ہم سب بندوں کے پروردگار پر توکل کر لیتے ہیں۔“

و قلنا لن یفرج ما لقینا
سوی ضرب القوانس والجهاد

ترجمہ: ”ہم کہتے ہیں کہ جب ہم نے جنگ میں شرکت کی تو یہ جنگ دشمن کے خودوں کو تلواروں سے کاٹنے اور

جہاد کے بغیر ختم نہ ہوگی۔“

فلم نرء عصبۃ فیمن لقینا
من الاقوام من قار و باد

ترجمہ: ”جن لوگوں کے ساتھ ہم نبرد آزما ہوتے ہیں خواہ وہ لوگ دیہاتی ہوں یا شہری ہوں ان میں سے تم

کوئی ایسا گروہ نہ دیکھو گے۔“

اشد بسالۃ منا اذا ما
اردناہ والین فی الوداد

ترجمہ: ”جو اس وقت ہم سے زیادہ شجاع اور بہادر ہو جب ہم ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کریں اور باہمی محبت میں

ہم سے زیادہ بااخلاق ہو۔“

اذا ما نحن اشرجنا علیہا
جیاد الجدل فی الازب الشداد

ترجمہ: ”جب ہم اس گروہ کے جسم پر مضبوط بندش والی بہترین زر میں سخت گریوں کے ساتھ باندھتے ہیں۔“

قذفنا فی السوابغ کل صفر
کریم غیر معتلت الزناد

ترجمہ: ”تو ہم ان زرہوں میں ایسا شریف نسل شکر اڈالتے ہیں جو جنگ کے چقماق سے ان جان بن کر

چنگاری نہیں نکالتا۔“

اشم کانه اسد عبوس
غداۃ ندی ببطن الجزع غادی

ترجمہ: ”وہ معزز ہے جب اس کے پاس دامن وادی میں وقت صبح کوئی فریاد لے کر آتا ہے گویا کہ اس وقت

وہ ترش رو شیر ہوتا ہے۔“

یغشی ہامة البطل المذکی صبی السیف مسترخی النجاد

ترجمہ: ”وہ بہادر شخص تلوار کا درمیانی حصہ مار کر کھوپڑی کو چیر دیتا ہے جبکہ اس کی تلوار کا پرتلہ ڈھیلا ہوتا ہے۔“

لیظہر دینک اللہم انا بکفک فاهدنا سبل الرشاد

ترجمہ: ”پروردگار! تاکہ ہم تیرے دین کو غالب کر دیں مولا! ہم تیرے دست تصرف میں ہیں ہمیں ہدایت کے رستوں پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔“

تنبیہات

ابن اسحاق اور ان کے پیروکار کہتے ہیں کہ غزوہ خندق ماہ شوال میں ہوا تھا۔ ابن سعد اور محمد بن عمر نے ماہ ذوالقعدہ کا ذکر کیا ہے۔ جمہور نے پانچ ہجری لکھا ہے۔ امام ذہبی اور ابن قیم نے اسے ہی صحیح لکھا ہے۔ حافظ نے اسی کو معتمد لکھا ہے۔ ابن عقبہ نے امام زہری سے اور امام احمد نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ یہ غزوہ چار ہجری کو رونما ہوا ہوگا۔

الحافظ وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب یہ ثابت ہو جائے پھر بھی اس میں کوئی حجت نہیں کہ یہ غزوہ ہجرت کے پانچویں سال رونما ہوا تھا۔ کیونکہ احتمال ہے غزوہ احد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چودھویں سال میں داخل ہوئے ہوں اور غزوہ خندق میں وہ پندرہ سال کے ہو گئے ہوں۔ امام بیہقی نے یہی جواب دیا ہے۔

ابن اسحاق کا یہ قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے ”غزوہ احد سے واپسی پر ابوسفیان نے مسلمانوں سے کہا تھا ”آئندہ سال مقام بدر پر ملاقات ہوگی۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال بدر تشریف لے گئے۔ ابوسفیان اس سال قحط سالی کا بہانہ بنا کر نہ آیا۔ دیگر سیرت نگاروں نے بھی ابن اسحاق کی موافقت کی ہے۔

امام بیہقی نے اس اختلاف کا سبب بھی لکھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض اسلاف عظام تاریخ کو اس محرم سے شمار کرتے تھے جو ہجرت کے بعد آیا تھا۔ وہ اس سے قبل ربیع الاول تک کے مہینے شمار نہیں کرتے تھے۔ حافظ یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں یہی اجراء کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر پہلے سال میں، غزوہ احد دوسرے سال اور غزوہ خندق چوتھے سال رونما ہوئے تھے۔ اس بنیاد پر یہ عمل صحیح ہے لیکن یہ بنیاد درست نہیں، جمہور کے خلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک غزوہ بدر دوسرے سال، غزوہ احد تیسرے سال اور غزوہ خندق پانچویں سال رونما ہوا تھا۔ یہ موقف معتمد ہے۔

مشرکین نے کتنے روز تک خندق کا محاصرہ کیا اس میں اختلاف ہے۔ یحییٰ بن سعید نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے ۲۴ راتوں تک محاصرہ کیے رکھا۔ امام زہری نے دس اور کچھ راتیں لکھی ہیں۔ محمد بن عمر نے حضرت جابر سے بیس دن روایت کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ”صحیح قول یہ ہے کہ انہوں نے پندرہ روز تک محاصرہ کیے رکھا۔ ابن سعد، بلاذری اور امام نووی نے اس کو ترجیح دی ہے۔

زاد المعاد میں ہے کہ انہوں نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ تقریباً بیس اور کچھ راتیں یعنی تقریباً مہینہ تک انہوں نے محاصرہ کیے رکھا۔

امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ خندق کے روز فرمایا: ”مشرکین کی خبر کون لے کر آئے گا؟ حضرت زبیر نے کہا: ”میں۔“ آپ نے فرمایا: ”ہر نبی کا حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔“ العیون میں اسی طرح ہے۔ مشہور یہی ہے کہ جو صحابی مشرکین کی خبر لے کر آئے تھے وہ حضرت حذیفہ بن یمان تھے۔

الحافظ نے لکھا ہے ”یہ حصر مردود ہے۔ حضرت زبیر کا قصہ اور ہے حضرت حذیفہ کی داستان اور ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے حالات معلوم کرنے گئے تھے کہ انہوں نے اس معاہدے کو توڑا ہے یا نہیں جو آپ کے اور ان کے مابین تھا۔ حضرت حذیفہ کی حکایت یہ ہے کہ جب غزوہ خندق میں مسلمانوں کا محاصرہ شدت اختیار کر گیا۔ گروہ حملہ کرنے آگئے پھر ان میں اختلاف رونما ہو گیا ہر گروہ دوسرے سے ڈرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا بھج دی۔ آپ نے فرمایا: ”کون ہے جو مشرکین کی خبر لے کر آئے؟“ حضرت حذیفہ نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے جسم پر بہت سے بال تھے۔ آپ کے سینے پر بہت سے بال تھے۔ لیکن حقیقت اس طرح نہیں۔ بلکہ آپ کے اوصاف میں ہے کہ آپ کے سینہ اقدس سے لے کر شکم مبارک تک بالوں کی لائن تھی۔ ان روایات کو یوں جمع کیا گیا ہے کہ یہ لائن باریک تھی۔ لیکن بال کثیر تھے۔ لیکن وہ منتشر نہ تھے۔ بلکہ طوالت میں تھے۔ یہ تفصیلی تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بزدل تھے۔ غزوہ سے صحیح سند سے اسی طرح روایت ہے۔ لیکن ابو عمر اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ جو کچھ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے وہ منقطع الاسناد ہے۔ اگر یہ وصف ان میں ہوتا تو ان کی ہجو بیان کی جاتی۔ یہ ضرار بن خطاب اور ابن زبیر وغیرہما کی ہجو کرتے تھے۔ وہ بھی ان کا جواب دیتے تھے۔ لیکن انہیں بزدلی کا طعنہ کسی نے نہ دیا۔ نہ ہی یہ عیب نکالا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق کی یہ روایت ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عروہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے انہیں کہتے ہوئے سنا: ”میں پہلی خاتون ہوں جس نے مرد کو قتل کیا تھا۔ میں قلعہ فارغ میں تھی۔ حضرت حسان ہمارے پاس موجود تھے۔“ حضرت عروہ نے اپنی دادی جان کو پایا تھا۔ اس داستان کی سند جید اور قوی ہے۔“

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ شاید اس روز حضرت حسان بیمار ہوں۔ وہ کسی ایسی مرض میں مبتلا ہوں جس کی وجہ سے وہ قتال میں شرکت نہ کر سکے ہوں۔ یہی تاویل سب سے عمدہ ہے۔

امام بیہقی نے لکھا ہے ”حضرت حسان شجاع اور بہادر تھے۔ انہیں ایک مرض لگا جس نے انہیں کمزوری میں مبتلا کر دیا۔ وہ نہ تو جنگ میں شرکت کرتے تھے نہ اسے دیکھ سکتے تھے۔“ ابن سراج نے لکھا ہے ”شعراء کا ان پر یہ عیب نہ لگانا آپ کی نبوت کی نشانی ہے کیونکہ حضرت حسان بارگاہ رسالت مآب کے شاعر تھے۔“

صحیح میں ہے کہ جن صحابہ کرام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر کھانا کھایا تھا ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ابو نعیم نے یہ تعداد نو سو یا آٹھ سو لکھی ہے۔ اسماعیلی نے یہ تعداد یا آٹھ سو یا تین سو لکھی ہے۔ ابن زبیر نے یہ تعداد تین سو لکھی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے ”زائد پر حکم لگایا جائے گا کیونکہ اس میں زیادہ علم ہے کیونکہ یہ داستان ایک ہی ہے۔“

صحیح روایت کے مطابق غزوہ خندق میں صحابہ کرام کی تعداد تین ہزار تھی۔ زاد المعاد میں ابن اسحاق سے یہ تعداد سات سو رقم کی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت جابر کی روایت میں یہ دلیل نہیں کہ صحابہ کرام کی تعداد صرف ایک ہزار ہی تھی۔ کیونکہ انہوں نے ان صحابہ کرام کی تعداد بتائی ہے جنہوں نے وہ کھانا کھانے کی سعادت حاصل کی تھی۔ انہوں نے یہ حصر بیان نہیں کیا تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے بنو غطفان کو مدینہ طیبہ کی کھجوروں کے ٹلٹ کی پیش کش کی تھی۔ اس سے یہ علم ہوتا ہے کہ دشمن کو مال دینا جائز ہے بشرطیکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت اور تحفظ ہو۔

غبار راہ حجاز

ذوالفقار علی ساقی

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

بروز منگل 17-07-12





8-C دربار مارکیٹ - لاہور